پندرھویں صدی ہجری کے استقبال میں

مطلع انوار

تذکرہ شیعہ افاضل و علماء کبار برّصغیر پاک و ہند

از

حجۃ الاسلام مولانا الحاج سیّد مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل

ناشر

خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر

۱۰/۱۲ اسی گلبرگ، فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

نام کتاب	مطلع انوار، تذکرہ شیعہ افاضل وعلمائے کبار پاک و ہند
مؤلف	سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل
کتابت	خاور بٹ
مطبع	رشید آرٹ پریس، لاہور
سال اشاعت	۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء
تعداد	گیارہ سو
مہتمم	حاجی نذیر حسین
ناشر	خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر، کراچی
قیمت	پچپن ۵۵ روپے
سنہری مجلد	پینسٹھ ۶۵ روپے

سید مرتضی حسین صدرالافاضل

خاص بات

- کتاب دو سال تک کتابت شدہ حالت میں رکھی رہی اور اضافوں کی ضرورت پڑتی رہی نتیجہ میں اضافہ و ترمیم نے ناموں میں کچھ تقدم و تاخر کر دیا۔ ناظرین کرام کی آسانی کے لیے فہرست میں باقاعدگی ملحوظ رکھی ہے۔ براہ کرم فہرست ضرور ملاحظہ کریں جو آخر کتاب میں ہے۔
- جن علما کے حالات لکھے گئے ہیں ان کے سنہ ولادت و وفات کو سرنامے میں تحریر کر دیا ہے۔ فہرست میں نام اور سنہ وفات و صفحۂ تذکرہ کی نشان دہی ہے۔
- احوال کے ذیل میں مدارس، کتب خانے، اوقاف، قصبے، شہر، پریس، اخبار و رسائل پر بھی اجمالی تفصیل ملے گی۔
- حفاظِ قرآن و حدیث، عربی کے شعرا، اطبا و علما و قضاۃ اہل سنت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔
- علماء عرب و عجم کے اسماء و سنہ وفات بھی لکھے ہیں۔
- کتاب کا پیش لفظ، مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ نے لکھا ہے جس میں برصغیر کے شہروں اور علاقوں کے مدارس اور دو سو سے زائد ان علما کی فہرست ہے جن سے مولانا نے ملاقات فرمائی۔ ص ۳ - ۱۰
- مقدمہ، سندھ، ملتان، کشمیر اور عام برصغیر میں تشیع کا مختصر خاکہ اور بعض اصحاب ائمہؑ کا تذکرہ جن کا تعلق برصغیر سے تھا۔ ص ۱۱ - ۱۹
- حرف آغاز، تذکرہ مصنفین و تصانیف، محرکین تالیف مطلع انوار، شیعہ ثقافت، درس نظامی، شیعہ وزراء و امراء و سلاطین کی تعلیمی قابلیت۔ ص ۲۰ - ۲۶
- فہرست شیعہ علما و افاضل (جن کے احوال درج ہیں) ص
- فہرست القاب و خطابات (کس لقب سے کون مراد ہے) ص
- فہرست مراجع و مصادر، کتب و اشخاص۔ ص
- فہرست اسماء شیعہ علماء عرب و عجم مع وفیات جن کا ضمناً ذکر ہوا ہے۔ ص
- فہرست اکابر فقہاء شیعہ در برصغیر مع وفیات۔ ص
- فہرست اسما و وفیات علماء اہل سنت، جن کا ضمناً تذکرہ موجود ہے۔ ص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا مرزا یوسف حسین صاحب

تاریخ ہی ایسا سدا بہار گلشن ہے جو سینکڑوں ہزاروں سال کے واقعات ہر دور کے حالات و کیفیات و مقصد حیات اقوام عالم کی ترقی و تنزل اور اس کے کمال و زوال، اہل علم و دانش اور صاحبان عقل و ہنر کے کمالات ایجادات خدمات اور ان کی مادی و روحانی تحقیقات کو زندہ رکھنے اور حیات ابدی بخشنے کا ضامن ہے۔ اس کا ہر حصہ آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ اور سبق آموز ہے۔

ایک جہاں گشت سیاح جو اپنی عمر کا سب سے بڑا حصہ ممالک عالم کی سیر و سیاحت میں گزارتا ہے۔ وہ اپنی محدود اور مختصر عمر میں اس قدر معلومات مہیا نہیں کر سکتا۔ جس قدر اسے تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس لیے کہ سیر و سیاحت زیادہ سے زیادہ موجودہ زمانہ کے حالات سے بہرہ ور کر سکتی ہے لیکن ماضی کے ادوار حال بن کر اس کے سامنے آجائیں اور انسان بیک وقت ان سے استفادہ کر سکے، ایسا نہیں ہو سکتا۔

ہمیں انبیأ و مرسلین کا تعارف ہوا تو تاریخ کے ذریعہ سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مقدس زندگی کا تعارف ہوا تو تاریخ کے ذریعہ، اسلام اور مسلمانوں کی علمی زندگی سے تعارف ہوا تو تاریخ کے ذریعہ آنحضرتؐ کے اہل بیت اور ان کی پاکیزہ زندگی اور اعلیٰ تعلیمات کا علم ہوا تو تاریخ کے ذریعہ۔

یہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنے اپنے دور میں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کی اشاعت کی قرآن مجید کے مفاہیم و مطالب سمجھائے۔ حقائق کے دروازے کھولے۔ علوم و معارف کے دریا بہائے اور خود اسلام کی مجسم تصویریں کر دین کی راہ کو روشن و منور کر دیا۔ اور وہ مشکل ترین عقدے جو کسی سے حل نہ ہو سکتے تھے انہیں حل کر کے علوم میں اپنی بے مثالی کا غیروں سے لوہا منوالیا۔ انہوں نے عام تعلیمات کے علاوہ اپنے ذہین اور پاک باز شاگرد تیار کئے جو اطراف و جوانب میں ان کے تعلیم کئے ہوئے علوم و احکام کی نشر و اشاعت کرتے رہے اور خدا کی آخری حجت حضرت ولی عصر کی غیبت کا وقت آیا تو انھوں نے دین کی ذمہ داری لے لی۔ یہ علم پہلے ہی دیا جا چکا تھا، کہ ایسے حالات میں مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اُن کی آواز پر لبیک کہیں، جو ہمارے احادیث کے ذریعہ ہدایت کے فرائض انجام دیں۔

قدرت نے ان کے فیض علم سے ایسے ایسے جید علما، پیدا کئے جو اپنے اپنے دور میں ارشاد و ہدایت کا مینار ثابت ہوئے اور فلک شریعت پر ستارے بن کر چمکے جو اپنے علم و فضل و کمال و زہد و تقویٰ و صبر و قناعت اور جذبۂ قربانی میں اپنا مثال آپ تھے اور اس خطرناک دور میں جب حکومت وقت کے نظریات اور عقائد کے خلاف قلم کو جنبش دینا اور مذہب اہل بیت کا اظہار موت کو دعوت دینے کے

مترادف تھا۔ انھوں نے تعلیماتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اپنے قلم کے اس طرح محفوظ کر دیا جیسے کانٹوں میں پھول یا غلاف میں قرآن رکھا جاتا ہے۔ جیسے محمد بن یعقوب کلینی شیخ مفید شیخ صدوق شیخ طوسی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور سید رضی اور علامہ حلیؒ۔

ان میں سے ہر عالم علم و فضل کے اس بلند معیار پر فائز تھا کہ اس دور کے سینکڑوں علماء ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے فن صرف و نحو ادب معانی و بیان و عروض منطق و فلسفہ و ہئیات و تاریخ و حدیث و تفسیر و فقہ و اصول و کلام و مناظرہ و درایت و رجال وغیرہ میں۔ ایسی بلند پایہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جو ملت کے لیے ستون کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہ عدیم المثال خدمات انھوں نے ایسے دور میں انجام دیئے ہیں جب ذکر اہل بیت پر بھی قدغن تھی۔ نام لینے والوں کو دار چڑھایا جا رہا تھا۔ اس نازک دور میں وہ قید خانوں میں رہ کر اپنے قلم سے جہاد کرتے رہے اور درس دیتے رہے درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ چنانچہ شہید اول اور شہید ثانی کے بعد شہید ثالث کا مزار آگرہ میں اور شہید رابع کا دہلی میں آج بھی ان کی مجاہدانہ کوششوں کا نشان ہے۔

شیخ طوسی نے نجف میں مدرسہ قائم کیا اور اس وقت سے آج تک وہ سرزمین علم کا مرکز اور طالبان علم کا ملجا و ماویٰ ہے۔ ساتھ ساتھ کربلائے معلیٰ کاظمین اور سامرہ بھی اس فیض سے محروم نہیں ہیں اور وہ بھی بڑے بڑے جید علماء کے مراکز رہے ہیں۔ اس طرح ایران میں قم سب سے بڑا علمی مرکز رہا ہے۔ اگرچہ مشہد مقدس اور تہران اور ایران کے متعدد شہر اب بھی علوم کا مرکز ہیں! بلکہ تبت و کشمیر و افغانستان اور ہندوستان بھی ان کے فیوض سے محروم نہیں رہا۔ متحدہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مختلف طریقوں اور مختلف راستوں سے علم کا نور چمکا مگر اودھ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کا شہر لکھنؤ بالخصوص شاہانِ اودھ کی خصوصی توجہ کی وجہ سے علماء دین اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مرکز قرار دیا گیا۔ اور علماء دین نے اس مخلصانہ توجہ اور انہماک سے تعلیم و تدریس تصنیف و تالیف اور دوسرے دینی خدمات انجام دیئے کہ ہندوستان کے ہر گوشے بلکہ تبت و کشمیر اور ایران و عراق سے طلباء آخری مدارج طے کرنے اور کلام و مناظرہ میں مشق حاصل کرنے کے لیے لکھنؤ آکر درس لیتے رہے ہیں۔ ان بزرگوں کے مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں کوئی چھوٹا بڑا شہر نہیں جہاں ایک یا ایک سے زائد مساجد امام باڑے اور مدارس دینی موجود نہ ہوں۔

لکھنؤ چونکہ علم و علماء کا سب سے بڑا مرکز رہا ہے وہاں صرف ایک شہر نہیں۔ تقریباً آٹھ سو امام باڑے اور اس سے زائد مسجدیں موجود ہیں۔ جن میں احکام دین کی تبلیغ اور عزاداری کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ایام عزا میں کوئی گھر ایسا نہیں جس میں عزاخانہ قائم نہ کیا جاتا ہو

ان مساجد اور عزاخانوں میں سب سے بڑا حسینیہ جس کی وسعت اور انجنیئرنگ کی نادرہ کاری کا اعلیٰ نمونہ مانا گیا ہے اس میں ایک مدت تک مدرسہ سلطان المدارس قائم رہا اور جب شیعہ اسکول اور شیعہ کالج قائم ہوا تو اس کے پھاٹک کے حجروں میں سما گیا۔

لکھنؤ میں گھر گھر اور محلے محلے علم کا چرچا تھا، مدرسوں کے علاوہ علما کی ڈیوڑھیوں پر جوق در جوق طلبہ آتے اور مختلف علوم و فنون کا درس لیتے اور ایسے بام کمال پر پہنچتے تھے کہ آج وہ کمال استادوں میں نہیں ملتے۔

انگریزی راج قائم ہوا تو لکھنؤ اجڑ گیا، نئے افکار و خیالات نے رواج پایا تو اہل دل اٹھے اور علما نے لوگوں کو جھنجھوڑا، آیۃ اللہ سید ابوالحسن صاحب قبلہ رضوی نے جناب مرزا محمد عباس صاحب کی کمک سے مشارع الشرائع مدرسۂ ناظمیہ قائم کیا، پھر دوسرا مدرسہ شاہی وقف اور نواب آغا ابو صاحب کی مدد سے سلطان المدارس جامعۂ سلطانیہ کا اجرا کیا۔ گذشتہ پچھتر سال سے ان مدرسوں کے طلباء و افاضل کے فیوض سے برصغیر میں دینی نشاط کی لہر دوڑ رہی۔ جب قومی فنڈ سے شیعہ کالج کا قیام عمل میں آیا تو شیعہ عربی کالج سرکار ظہیر الملۃ مولانا سید ظہور حسین قبلہ کی صدارت میں قائم ہوا۔ اور وقف محمود آباد کی جانب سے سرکار نجم العلماء کی سرپرستی میں تبلیغ و اشاعت مذہب کے لیے مدرسۃ الواعظین کی بنیاد رکھی گئی جس کے صدر مدرس شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ قرار پائے، جس کے مبلغین نے پورے برصغیر بلکہ افریقہ میں بھی تبلیغ کو چار چاند لگا دیے۔

لکھنؤ کے علاوہ ~~دوسرے~~ شہروں ~~میں اطراف کی جانب سے کوئی دینی مدرسہ قائم تھا وہاں~~ سے فارغ ہو کر طلبہ لکھنؤ آکر اپنی تعلیم کی تکمیل کرتے تھے جیسے پٹنہ میں مدرسہ سلیمانیہ مبارکپور میں مدرسۂ ایمانیہ اور مدرسۂ جوادیہ بنارس میں مدرسہ کھجوا ضلع سارن میں مدرسہ فیض آباد میں وثیقہ اسکول میرٹھ میں مدرسہ منصبیہ امروہہ میں مدرسہ نور المدارس اور مدرسہ سید المدارس۔ نوگانواں سادات ~~میں~~ ملتان میں مدرسہ باب العلوم نگیانہ میں مدرسۂ محمدیہ کا وجود عمل میں آیا۔ آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ اور شیعہ بیت المال قائم کیا گیا۔ اس کے بعد جھنگ میں شیعہ یتیم خانہ قائم ہوا۔ اس کے ساتھ شیعہ ہائی اسکول اور دینی تعلیم کے لیے جامعۂ حسینیہ قائم کیا گیا۔

تقسیم ملک کے بعد اہل پاکستان ہندوستان کے مدارس سے محروم ہو گئے۔ اس لیے پاکستان میں موجود علماء کی کوشش سے یہاں مدارس کے قیام کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اس لیے پہلے جامعہ محمدیہ سرگودھا اور جامعہ امامیہ لاہور کا قیام عمل میں آیا۔ پھر مدرسۂ مخزن العلوم ملتان، مدرسۂ باب النجف جاڑا ڈیرہ اسماعیل خان، جامعہ امامیہ مدرسۃ الواعظین کراچی، مدرسہ سلطان المدارس خیرپور، مدرسۂ مشارع العلوم حیدرآباد وجود میں آئے۔ اس طرح جامع المنتظر لاہور، مدرسہ جعفریہ خوشاب، مدرسہ محمدیہ دیووال، مدرسہ فیض النجف بہی ضلع ڈیرہ غازیخان، مدرسہ باقریہ کوٹلہ جام ضلع میانوالی، مدرسہ رضویہ کوڈے ~~والا عیسن~~ ضلع مظفرگڑھ، مدرسہ زینبیہ علی پور گھلواں ضلع مظفرگڑھ

لعل عیسن

درس آل محمد لائل پور، مدرسہ سدھوپورہ ضلع لائل پور اور مدرسۂ جعفریہ نارنگ تحصیل چکوال۔ جامع الغدیر احمد پور
جامع الغدیر اور بانی جامعۂ امامیہ کی طرف سے ابھی چار سال قبل مدرسۃ الواعظین لاہور جاری کیا گیا ہے
اور مدرسہ اخوند گلگت قائم ہوا۔ مولانا شیخ حسن صاحب کے مساعی سے، پرکوتہ بلتستان میں ایک مدرسہ قائم ہوا
پھر رفتہ رفتہ ابتدائی تعلیم کے لیے ۳۵ مدرسے قائم ہو گئے جو علاقہ کرس اور خپلو میں پھیلے ہوئے ہیں۔ واعظین عنقریب
تبلیغ کے لیے روانہ ہونے والے ہیں۔ اسلام آباد میں مدرسۂ جامعہ اہل بیت بھی قائم ہو گیا ہے۔ اس کی
عمارت بھی ایک حد تک تعمیر ہو چکی ہے۔ کراچی میں جناب مرزا مہدی صاحب پویا نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے۔
اس کے علاوہ رضویہ کالونی میں ایک اور مدرسہ کی شاندار عمارت زیر تعمیر ہے۔ پارا چنار کرم ایجنسی میں زیر سرپرستی
مولانا سید بادشاہ حسین صاحب قبلہ مدرسہ قائم تھا۔ پھر توجہات تعمیر عمارت کی طرف مبذول ہو گئے۔ اب
تک شاندار عمارت تعمیر ہو چکی ہے۔

برصغیر میں تدریس، تصنیف و تالیف اور تبلیغ کا جائزہ لینے کے لیے، علماء کی سیرت و تاریخ کے مطالعے کی خاطر، بزرگانِ ملت کی خدمتوں کا حال اور ان کے مشکلات میں آزمائش، ان کے مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل مرتب کرنے کے لیے اس دور میں ایک جامع کتاب کی ضرورت تھی۔ جناب حجۃ الاسلام مولانا الحاج سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ نے "تذکرۂ علماء برصغیر" لکھ کر ایک عظیم خدمت انجام دی ہے۔ (مطلع انوار) خدا موصوف کی اس سعی کو قبول فرمائے۔ میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے اور اس محنت کا اندازہ لگایا ہے۔ جو صعوبتیں موصوف نے اس کتاب کی تالیف و ترتیب میں برداشت کی ہیں۔ مولانا کی خواہش تھی کہ میں مقدمہ لکھوں اور ایک ایسی فہرست تیار کر دوں جس میں ان علماء کا تذکرہ ہو جن سے میری ملاقات ہوئی ہے اس لیے میری یہ تحریر دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک مقدمہ دوسرے فہرست علماء

علماء دین جن سے ملاقات کی

علماء عراق: آیۃ اللہ آغا سید ابوالحسن اصفہانی مجتہد اعلم۔ آیۃ اللہ سرکار مرزا حسین نائینی۔ آیۃ اللہ آغا ضیاء عراقی۔ آیۃ اللہ شیخ جواد بلاغی۔ آیۃ اللہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا

علماء لکھنؤ: باقر العلوم مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ ناصر الملۃ مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ ظہیر الملۃ مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ۔ قدوۃ العلماء مولانا سید آغا حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ ~~اعلی اللہ مقامہ~~ مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ ~~اعلی اللہ مقامہ~~ ۔ مولانا مفتی سید
محمد علی صاحب قبلہ ~~اعلی اللہ مقامہ~~ ۔ مولانا مفتی سید[9] احمد علی صاحب قبلہ ~~اعلی اللہ مقامہ~~ شمس[10] العلماء مولانا سید
ابن حسن صاحب قبلہ ~~اعلی اللہ مقامہ~~ ۔ مولانا سید[11] ابوالحسن صاحب قبلہ ۔ گولہ گنج محقق ہندی[12] مولانا سید محمد حسین صاحب
قبلہ رکاب گنج ۔ مولانا سید محسن[13] صاحب قبلہ ابن مولانا سید علی صاحب مرحوم ۔ مولانا سید[14] ابوالحسن صاحب عرف
منن صاحب قبلہ مرحوم ۔ مولانا سید[15] محمد تقی صاحب قبلہ مرحوم ۔ مولانا سید احمد صاحب قبلہ علامہ ہندی[16] مولانا سید
یوسف حسین صاحب قبلہ امروہہ ۔ مولانا سید سبط[17] نبی صاحب نوگانواں سادات ۔ مولانا سید[18] مجتبیٰ حسن صاحب
نوگانواں سادات ۔ مولانا سید[19] مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ امروہہ ۔ مولانا سید[20] راحت حسین صاحب قبلہ گوپال پوری ۔
مولانا سید[21] راحت حسین صاحب قبلہ بھیک پوری ۔ مولانا مرزا رضا[22] علی صاحب قبلہ مناظر مرحوم ۔ مولانا[23] مرزا غلام رضا صاحب
مرحوم ۔ مولانا سید[24] نادر حسین صاحب قبلہ مرحوم ۔ مولانا سید[25] چھبن صاحب قبلہ مرحوم ۔ حکیم مرتضیٰ احسن[26] صاحب مرحوم
شمس العلماء مولانا سید[27] سبط حسن صاحب قبلہ مرحوم ۔ مولانا سید[28] محمد ہارون صاحب قبلہ مرحوم ۔ مولانا سید[29] محمد داؤد صاحب
قبلہ مرحوم ۔ مولانا سید[30] محمد عوض صاحب قبلہ مرحوم ۔ مولانا سید[31] محمد رضا صاحب قبلہ مرحوم ۔ مولانا سید[32] عالم حسین صاحب
قبلہ مرحوم ۔ مولانا سید[33] شبیر حسن صاحب قبلہ مرحوم ۔ مولانا سید[34] محمد سجاد صاحب قبلہ مرحوم بنارس ۔ مولانا سید[35] حامد حسین صاحب
قبلہ عرف سید صاحب مرحوم ۔ مولانا سید محمد[36] صادق صاحب قبلہ گولہ گنج ۔ مولانا نواب[37] جان صاحب قبلہ مرحوم ۔
مولانا ناصر حسین[38] صاحب مرحوم رام پور ۔ مولانا سید[39] محمد سجاد صاحب عرف لڈن صاحب مناظر مرحوم ۔ مولانا سید[40]
ابن حسن صاحب مرحوم ۔ مولانا سید[41] جعفر حسین صاحب مرحوم ۔ مولانا سید[42] وجاہت حسین صاحب مرحوم مفتی محمد[43] حسین صاحب مرحوم
مولانا سید کاظم[44] حسین صاحب مرحوم ۔ مولانا[45] محمد جواد صاحب مرحوم ۔ مولانا سید[46] محمد مہدی صاحب مرحوم ۔ مولانا سید[47]
ہادی حسن صاحب مدرس مرحوم ۔ مولانا سید[48] احمد صاحب مرحوم ۔ مولانا سید[49] باقر حسین صاحب مرحوم ۔ مولانا سید[50] علی سجاد صاحب
مرحوم پٹنہ ۔ مولانا سید[51] ناظر حسن صاحب ۔ مولانا حکیم مظاہر حسن[52] صاحب ۔ مولانا سید علی حیدر[53] صاحب مدیر اصلاح ۔
ملا یوسف صاحب[54] مرحوم ۔ مولانا سید[55] محمد حسین صاحب مرحوم ۔ مولانا سید[56] محمد صاحب امروہوی مرحوم ۔ مولانا سید[57]
علی زوار صاحب مرحوم ۔ مولانا شیخ ناصر حسین[58] صاحب مرحوم ۔ مولانا الحاج[59] شیخ اعجاز حسن صاحب محمدی بدایونی مرحوم
مولانا نقا علی صاحب[60] مرحوم ۔ مولانا مرزا عبدالحسین صاحب[61] مرحوم دالی محلہ ۔ مولانا سید[62] جعفر حسین صاحب فدوی
مرحوم ۔ مولانا سید محمد نواب[63] صاحب ایم اے ۔ مولانا سید[64] کلب حسین صاحب مرحوم ۔ مولانا سید محمد صاحب[65] عرف
میرن صاحب مرحوم ۔ مولانا شاہ عبدالحسین صاحب[66] مرحوم ۔ مولانا شاہ غلام حیدر[67] صاحب مرحوم ۔ مولانا سید علی صاحب[68]
واعظ مرحوم ۔ مولانا سید زین العابدین صاحب[69] مرحوم ۔ خطیب اعظم مولانا سید محمد صاحب[70] مرحوم ۔ مولانا سید[71] خورشید حسن صاحب
مرحوم ۔ مولانا سید محمد عمید صاحب[72] مرحوم ۔ مولانا سید تہور علی صاحب[73] مرحوم ۔ مولانا حافظ کفایت حسین[74] صاحب مرحوم

مولانا سید عدیل اختر صاحب مرحوم ۔ مولانا سید ظفر مہدی صاحب عرف ابن صاحب گہر مرحوم ۔ مولانا مرزا صفدر صاحب مرحوم ۔ مولانا ڈاکٹر سید اعجاز حسین صاحب مرحوم ۔ مولانا حکیم سید اقبال رضا صاحب مرحوم ۔ مولانا سید افضال رضا صاحب مرحوم ۔ مولانا حافظ سید ظفر عباس صاحب مرحوم ۔ مولانا سید انیس الحسن صاحب مرحوم ۔ مولانا سید محمد صاحب کراروی مرحوم ۔ مولانا سید مظاہر حسین صاحب مرحوم ۔ حکیم سید محمد تقی صاحب حکیم سید محمد رضی صاحب ۔ مولانا سید محمد صابر مرحوم مولانا مرزا ضامن حسین صاحب مرحوم ۔ مولانا عبدالعلی خان صاحب ۔ مولانا سید صغیر حسین صاحب مرحوم ۔ مولانا سید احمد صاحب مرحوم مولانا مرزا محمد حسن صاحب مرحوم ۔ مولانا باقر علی خاں صاحب نجفی ۔ مولانا صادق علی خان صاحب ۔ مولانا سید ابن حسن صاحب جارچوی ۔ مولانا رضا حسین صاحب رشید ترابی ۔ مولانا سید محمد قنبر صاحب مرحوم ۔ مولانا سید سرکار حسین ۔ مولانا سید محمد عادل صاحب مرحوم ۔ مولانا سید محمد حسین صاحب محلاتی ۔ مولانا سید علی محمد صاحب اجلال ۔ مولانا مرزا محمد اصغر صاحب ۔ مولانا مظفر حسین صاحب مولانا ملا احمد صاحب ۔ مولانا سید وجیہہ الحسن صاحب باروی ۔ مولانا سید ابرار حسین صاحب باروی ۔ مولانا سید فضل علی صاحب مرحوم ۔ مولانا سید سرور حسین صاحب مرحوم ۔ مولانا سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری ۔ مولانا سید محمد اصغر صاحب ادیب ۔ مولانا سید محمد احمد صاحب سونی پتی ۔ مولانا سید محمد سعید صاحب مرحوم ۔ مولانا محسن نواب مرحوم ۔ مولانا عزیز الحسنین صاحب مرحوم ۔ مولانا سید حسین صاحب مرحوم ۔ مولانا سید خادم حسین صاحب ۔ مولانا سید سبط محمد ہادی عرف کلن صاحب ۔ مولانا سید اولاد حسین عرف للن صاحب مرحوم ۔ مولانا سید سلطان حسین صاحب نجفی مرحوم ۔ مولانا بنیاد علی صاحب مرحوم ۔ مولانا سید محمد صاحب ۔ مولانا سید علی صاحب لپران ۔ مولانا سید محمد رضا صاحب مرحوم مولانا سید محمد موسیٰ صاحب فرزند مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم ۔ مولانا حکیم سید اختر حسین صاحب ۔ مولانا حکیم مظاہر حسین صاحب ۔ مولانا منور علی صاحب مرحوم ۔ مولانا سید اکبر عباس صاحب مرحوم ۔ علامہ غلام حسنین صاحب کنتوری مولانا سید تصدق حسین صاحب ۔ مولانا سید محمد عباس صاحب ۔ مولانا سید مظفر حسین صاحب گولہ گنج ۔ مولوی سید عالم صاحب مرحوم ۔ حکیم احمد حسین صاحب مرحوم ۔ حکیم منتہٰی آغا صاحب آفتاب ۔ حکیم منے آغا صاحب فاضل ۔ حکیم مظفر حسین صاحب حکیم صاحب عالم صاحب ۔ حکیم محمد عباس صاحب مرحوم ۔ مولانا سید قمر الزمان صاحب سابق پرنسپل جامعہ امامیہ لاہور

قمر الزماں

علمائے بنگال: (۱) مولانا سید محمد حسین صاحب قبلہ مرحوم ساکن کج گاؤں مدرس مدرسہ عالیہ ڈھاکہ والد مولانا سید گلشن علی صاحب ۔ (۲) مولانا مفتی سید الطاف حسین صاحب امام جمعہ و جماعت مٹیا برج کلکتہ ۔ (۳) مولوی محمد یوسف صاحب کشمیری لکھنوی مقیم کلکتہ ۔

علمائے پنجاب: (۱) علامہ سید علی حائری ۔ (۲) مولانا سید حشمت علی صاحب قبلہ خیر اللہ پوری ۔ (۳) مولانا سید سبطین صاحب قبلہ (۴) آغا سید شرف حسین شاہ صاحب مرحوم بھکر ۔ (۵) مولانا سید احمد شاہ صاحب راولپنڈی ۔ (۶) مولانا سید غلام علی شاہ صاحب جلالپور جٹاں ۔

(۷) مولانا مرزا احمد علی صاحب۔ (۸) مولانا سید طالب حسین صاحب چکڑالہ۔ (۹) مولانا سید محمد باقر صاحب چکڑالہ
(۱۰) مولانا خادم علی خان صاحب بستی شادو خان۔ (۱۱) مولانا سید محسن علی شاہ صاحب سبزواری
(۱۲) مولانا سید کرم حسین شاہ رمضانی شاہ۔ (۱۳) مولانا سید کرم حسین شاہ معشوق پوترہ لیہ۔ (۱۴) مولانا فیض محمد صاحب مناظر مکھیالہ جہلم۔ (۱۵) مولانا قاضی محمد حسن شاہ ڈیرہ غازی خان۔ (۱۶) مولانا سید امیر حسین شاہ گدائی ڈیرہ غازیخان۔ (۱۷) مولانا حافظ علی محمد کا چنڈ بھروانہ۔ (۱۸) مولانا حکیم امیر الدین صاحب مصنف فلک النجاۃ چک جلال الدین
(۱۹) مولانا سہراب علی خان صاحب جہانیاں شاہ۔ (۲۰) مولانا اختر حسین ~~صاحب~~ انفو جھنگ۔ (۲۱) مولانا سید محبوب شاہ صاحب خوشاب۔ (۲۲) مولانا سید نذیر احمد۔ (۲۳) مولانا ہدایت حسین صاحب کوٹ ادو۔ (۲۴) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دیوبندی لائل پور۔ (۲۵) مولانا امیر محمد صاحب تونسوی دائرہ دین پناہ۔ (۲۶) مولانا سید محمد امین شاہ صاحب شیرازی عباس پور۔ (۲۷) مولانا سید خواجین شاہ صاحب قتال پور (۲۸) مولانا سید فضل حسین شاہ صاحب شیرازی احمد آباد جہلم۔ (۲۹) مولانا سید امداد حسین صاحب کاظمی گجرات۔ (۳۰) مولانا شاہنواز صاحب پنج گرائیں ~~ملکوال~~۔
(۳۱) مولانا محمد سعید صاحب ~~گجرات~~۔ (۳۲) مولانا سید محمد حسین صاحب کروڑ لال عیسن ~~ضلع~~ مظفر گڑھ۔ (۳۳) مولانا سید محسن علی شاہ صاحب چینا ضلع میانوالی۔

علماء صوبہ سرحد و بلوچستان:

(۱) مولانا آغا سید عبد الحسین صاحب شلوزان
(۲) مولانا محمد حسن صاحب ٹلٹے پوری ڈیرہ اسماعیل خان
(۳) مولانا سید محمد عباس صاحب شلوزان۔ (۴) طوطی میاں استرزئی بابایاں کوہاٹ۔ (۵) مولانا مفتی سید خادم حسین شاہ صاحب ڈیرہ اسماعیل خان۔ (۶) مولانا سید زین العابدین صاحب ڈیرہ اسماعیل خان۔
(۷) مولانا عبد العلی خان صاحب ڈیرہ اسماعیل خان۔ (۸) مولانا محمد نذر صاحب اجتہادی کوئٹہ۔

علماء کشمیر و تبت:

(۱) مولانا محمد جواد صاحب مرحوم۔ (۲) مولانا سید احمد شاہ صاحب مرحوم جڑی بل۔ (۳) مولانا شیخ علی صاحب جڑی بل۔
(۴) مولانا شیخ ہادی صاحب جڑی بل۔ (۵) مولانا شیخ مہدی صاحب جڑی بل۔ (۶) مولانا آغا مہدی شاہ گمبا اسکردو۔ (۷) مولانا آغا سید علی صاحب کرس۔ (۸) حاجی غلام حیدر صاحب میر واعظ کرگل (۹) آغا سید محمد عباس صاحب کھرمنگ۔ (۱۰) آغا سید صاحب مالیردو۔ (۱۱) آغا سید محمد آغا سنگ (۱۲) شیخ ہادی صاحب کارداڈنگ
(۱۳) آغا سید تقی چھوزن۔ ۱۴۔ حاج شیخ علی تقی۔ ۱۵ سید یوسف موسوی بڈگام۔
۱۶۔ آغا سید مہدی چرمدہ۔ ۱۷۔ مولانا محمد حسین تنجوس ۱۸۔ سید عبد الرسول رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ ائمۃ المعصومین۔

اللھم عجل ظھور حجۃ بن الحسن ارواحنا لہ الفداء ولی عصرنا وامام زماننا الذی بیدہ زمام الامۃ۔

شیعہ، دوست دار حضرت علی علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ اور ان کے گیارہ جانشینوں کو امام مانتے اور ان کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ شیعوں کے عقیدے میں امام، اللہ اور رسول کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں اور بارہ امام ترجمانِ سنت و احکام خدا و رسولؐ، معصوم، افضلِ امت اور دنیا میں سب سے بڑے عالم تھے۔ ہر امام کی بات حدیث رسول اور ہر امام کا حکم حکمِ خدا و رسول کا ترجمان ہے۔

عہدِ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صحابہ عام طور سے حضرت علی علیہ السلام کو محبوب و قائد جانتے تھے، لیکن حضور ختمی مرتبتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہوئے، لوگوں نے آپ کی مصروفیت اور جلسے میں غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر ایک بزرگ کو خلیفہ بنا لیا، اور اپنے مخالفین کے لیے وہ کیا جو عموماً برسرِ اقتدار آنے والی پارٹی کیا کرتی ہے۔ عوام، حکومت کی قوت کا کچھ دیر تو مقابلہ کر لیتے ہیں مگر تھوڑے سے مضبوط ارادہ اور نظریے کے سخت حامیوں کے سوا آہستہ آہستہ لوگ خاموش، پھر حکومت کے ہمنوا بن جاتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے دوستدار، شیعہ اور جاں نثار حضرات میں سینکڑوں سے زیادہ اکابرامت تھے، لیکن ان میں سربرآوردہ حضرات جو حضرت علیؑ کی حمایت میں سرگرم عمل رہے، ان کے نام ہیں: سلمان فارسیؓ ابوذر غفاریؓ، مقداد، عمار یاسر، مالک اشتر، محمد بن ابی بکر، حجر بن عدی، جابر بن عبداللہ انصاری، ابوایوب انصاریؓ خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین۔ قیس بن سعد بن عبادہ رضوان اللہ علیہم جیسے حضرات۔

حکومت مدینہ دن بدن مضبوط ہوتی گئی اور حضرت علیؑ اپنے حامیوں کے ساتھ خاموش اور پرامن منصوبے کے ماتحت اسلام اور مسلمانوں کی وہ خدمت انجام دیتے رہے جو بحیثیت جانشین رسولؐ ان پر فرض تھی ان کے مخالفین نے طرح طرح کی سختیاں کیں لیکن امیر المومنین نے وحدتِ اسلام اور باہمی خون خرابے کے

ذریعے دین کو نقصان سے بچانے کے لیے کوئی ایسا قدم نہ اُٹھایا جس سے ملت کا شیرازہ بکھرتا۔ انھوں نے کہا کہ جو میں کہتا ہوں وہ پوری واقفیت اور کمال علم کے ساتھ کہتا ہوں۔ یہی بات رسول اللہؐ نے کہی تھی، میرا عمل سرکارِ رسالت کا عمل ہے۔ روزِ ولادت سے ان کے ساتھ رہا، روزِ آخر حضورؐ نے میری آغوش میں آنکھیں بند کیں۔ مسلمان اس دعوے کو رد نہیں کر سکتے تھے مگر ان کے اقتدار سے خوف زدہ تھے۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑھا اور مدینہ دولت و فوجی قوت سے لبریز ہوا تو لوگ باہر نکلے، اسلام کے پرانے دشمن خصوصاً بنی اُمیہ کے سیاسی اور بہانہ طلب افراد بھی اُبھرے اور آہستہ آہستہ حکومت میں حصہ لینے لگے، آخر کار ان کے خاندان نے مرکز پر قبضہ کر لیا۔ ابوسفیان اور اس کا خاندان بنی اُمیہ اور ان کے طرفدار حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مارے ہوئے اموی کفار و مشرکین کا خون بہا اور انتقام لینے کی فکر میں تھے ہی اب انہیں موقع مل گیا۔ وہ شام اور حجاز میں برسرِ اقتدار تھے۔

اب جو بنی اُمیہ نے دولت کی مدد سے پروپیگنڈہ شروع کیا تو صورتِ حال اور خراب ہو گئی۔ علیؑ اور ہمدردانِ حضرت علیؑ کے خلاف بہتان و افترا پردازی کا طوفان اُٹھنے لگا۔ اتنے میں خلیفہ کے خلاف ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا اور ان کے قتل کا مرحلہ آ گیا، حضرت عثمانؓ کے قتل سے عرب عوام اور مکی و مدنی مسلمان، صحابہ اور تابعین سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت علیؑ کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنا چھنا ہوا حق قبول کریں اور تختِ حکومت پر جلوہ فرما ہوں۔ یہ سب عرب سربراہ تھے اور مدنی صحابہ اور محترم مسلمان، حضرت علیؑ نے سب کو صورتِ حال سمجھائی مگر لوگ اپنی پچھلی غلطیوں کے ردِ عمل میں کچھ ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے اور حضرت علیؑ نے تخت و تاج قبول فرمایا۔ نہج البلاغہ میں حضرت نے اس کی وجہ بتائی کہ اگر اللہ نے علما سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالم کے ظلم اور بھوکے کی گرسنگی پر خاموش نہ رہیں تو میں ناقۂ حکومت کی باگ ڈور پہلے کی طرح اسی کی پیٹھ پر ڈال دیتا۔

گذشتہ برسوں میں جب حکومت نے علانیہ سنتِ رسولؐ اور احکامِ قرآن کے خلاف دولت کی پوجا اور نااہلوں کی بالادستی قائم کر رکھی تھی تو حضرت علیؑ نیز ان کے ساتھی، (ان شیعوں میں حضرت ابوذر غفاریؓ نے تقریروں کے ذریعے حکومت کے رویّے کو غلط قرار دیا، اور لوگوں کو تعلیماتِ اسلام کی طرف لوٹایا، ابوذر رحمۃ اللہ علیہ اس عمل کی پاداش میں ملزم قرار دیے گئے۔ انھیں مدینے سے شام جلاوطن کیا گیا، وہ شام کی پہاڑیوں میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور مشرف بہ اسلام کرتے رہے۔ انھوں نے لبنان کی پہاڑی بستیوں کو مسلمان کیا جو اب تک اپنے شیعہ ہونے پر فخر کرتے ہیں اور حضرت ابوذر کو اپنا محسن مانتے ہیں۔

یمن، خود حضرت امیر المومنین کے دستِ مبارک پر اسلام لا چکا تھا۔ یمنی قبائل صفین میں حضرت کے ساتھ

تھے۔ اسی زمانے میں حضرت کو بصرے اور کوفے جانا پڑا تو کوفہ فوجی شہر ہونے کے باوجود حضرت علیؑ کی تعلیم سے متاثر ہوا اور دیکھتے دیکھتے اس شہر میں جان نثار شیعوں کی ایک نمایاں تعداد سامنے آئی۔ شام کی حکومت نے دولت اور پروپیگنڈے، طاقت اور ظلم سے شیعوں کو کچل دیا۔ اس کے باوجود اسے شیعہ شہر کہا جانے لگا۔ حضرت کے بعد یہ اثر کچھ اور گہرے ہوئے اور امام حسینؑ کی شہادت کے بعد پورے عراق و حجاز میں یزید کے خلاف شدید نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ مکۂ مکرمہ و مدینۂ منورہ میں شیعوں کو بڑی تقویت ملی ادھر کوفے میں ظلم و ستم کے پہاڑ تلے دبے ہوئے عوام اُٹھ کھڑے ہوئے ان کے سردار حضرتِ مختار ثقفی طائفی تھے۔ مختار معزز گھرانے کے فرد اور طائف کے رئیس تھے وہ بہت عرصے تک مدینے میں رہے اور حالات کا جائزہ لے کر کوفے گئے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ خاموشی اور صبر و اخلاق دامن سے کچھ نہیں ہوتا، اس صورتِ حال کا علاج یہ ہے کہ اہلِ بیت کے مخالفین کو اُڑا دیا جائے۔ دشمن ایک ایک، دو دو، دس دس، بیس بیس شیعوں کو مارتے ہیں۔ اب ہم براہِ راست حکومتِ دمشق ہی کو ختم کرکے دم لیں۔ یہ تحریک بھی عرب تحریک تھی اور صحابہ و تابعین کی سربراہی میں بروئے کار آئی، مختار نے کوفہ فتح کیا اور اہلِ بیت کی امامت و حمایت کا اعلان عام ہوگیا۔ رمضان ۶۷ھ/اپریل ۶۸۷ء کو مختار قتل کر دیے گئے۔ تھوڑی دیر کے لیے حامیانِ اہلِ بیت کی حکومت نے حوصلے بلند کر دیے اور بنی امیہ کی حکومت کو دھچکا لگا، طرفدارانِ اہلِ بیت مشکلات کا مقابلہ کرتے کرتے پھر شمشیر بکف ہوئے، اب کی مرتبہ امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند جناب زید میدان میں آئے یہ ۱۲۱ھ کی بات ہے۔ جناب زید کی شہادت کے بعد سادات اور شیعہ شدید مصائب سے دوچار ہوئے، جلاوطنی، کردارکشی اور قتل جیسے مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ ہوتا رہا۔

۱۲۵ھ میں جناب زید کے فرزند یحییٰ نے جنگ کی اور ولید بن عبدالملک نے ان کو بھی شہید کروا دیا۔ یحییٰ کے بھائی عیسےٰ بھی ظلم کے خلاف اپنے شہید باپ اور بھائی کی مہم کی علامت ماننے گئے انھیں بھی خون کے گھاٹ سے گذرنا پڑا، آئمۂ اہلِ بیت اور ان کی اولاد پر ہونے والی سختیوں کے نتیجے میں، شیعہ جلاوطنی کی وجہ سے دُور دراز علاقوں میں پہنچ گئے، اسی کے ساتھ ساتھ ان کے دشمنوں کا پروپیگنڈہ بھی تعاقب کرتا پہنچا۔ تحریکِ حمایتِ اہلِ بیت بڑھتی گئی اور اس میں عرب کے ساتھ عجم بھی شریک ہوگئے۔ دوسری صدی کی پہلی چوتھائی ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ بنی اُمیہ کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور فضا میں یہ گونج سنی گئی :

ان کان رفضاً حب آل محمد فلیشہد الثقلان انی رافضی

اگر آلِ محمدؐ سے محبت کا نام رفض ہے تو ثقلین گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

بنی اُمیہ کے خلاف جو نعرے قوم کو دیے گئے تھے ان میں سے ایک نعرہ تھا کہ "انھوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا۔ ہم ان سے بدلہ لیں گے" دوسرا نعرہ یہ تھا کہ "علیؑ حق پر تھے، ان کی اولاد امام ہے وہی خلافت کی

حق دار ہے۔

امام زین العابدین اور امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام ان تحریکوں کے سامنے تھے، عوام ان کی طرف بڑھے مگر انھوں نے حالات کا رُخ دیکھا۔ وہ پُرامن طور پر تعلیمات اسلامی اور تعمیر سیرت و کردار کو اہمیت دے رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں باہمت جوشیلے لوگوں کے مطالبے کے سامنے جھکنے والے افراد، اپنے بزرگوں اور عزیزوں کے خون کی حفاظت یا ملک و ملّت کی قیادت کے جذبے سے سرشار سادات موجود تھے۔ بہانہ طلب لیڈر اپنا کام چلانے کے لیے ایسے جوشیلی طبیعت کے جوان ڈھونڈھتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اٹھے اور عبدالرحمٰن بن محمد یعنے ابومسلم خراسانی نے ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے دورے شروع کر دیے۔ ابومسلم کہتا تھا کہ حضرت علیؑ کے بعد امام برحق محمد حنفیہ تھے پھر ان کے فرزند ابوہاشم، ابوہاشم نے اپنے بعد محمد بن علی بن عبداللہ ابن عباس کو امام نامزد کیا ہے۔ تم بھی ان کے پرچم تلے جمع ہو جاؤ، ابومسلم نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا؟ شاید وہ امام زین العابدین و امام محمد باقر علیہما السلام کے طریق کار کے مقابلے میں کسی لیڈر کی تلاش میں تھا اس نے سوچا کہ اولادِ علیؑ میں اولادِ حسنینؑ ہی پر کیوں اکتفا کی جائے ایک نئی شخصیت کیوں نہ تلاش کریں۔ محمد اور ان کے بیٹے ابراہیم عباسی میں خوبی یہ ہے کہ انھیں سلطنت کا شوق ہے۔ ان کے ساتھ اولاد عباس اور بنی ہاشم ہو جائیں گے، رہے عوام تو ان کے لیے اس نے حضرت علیؑ کے ایک اور فرزند محمد حنفیہ اور ان کی اولاد کے نام سے سہارا لیا۔ ابومسلم نے بڑے بڑے دورے کیے اور ایران و عراق و شام میں تحریک کو مضبوط کیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ، النفس الزکیہ محمد بن عبداللہ حسنی، ان کے بیٹے ابراہیم قتیل اخمری۔ اور عبداللہ بن جعفر ابن ابی طالب کے پوتے عبداللہ بن معاویہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے (فخری)

اہلِ بیت کی حمایت کا جذبہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ بنی امیہ کا راج پاٹ تباہ ہو گیا۔ بنی اُمیہ کے خاتمے کے ساتھ ہی ملک کے حالات ایسے رُخ پر آ گئے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جس کی طرف مسلسل توجہ دلاتے رہے تھے۔ وہی ہوا یعنی تخت و تاج نفس زکیہ محمد بن عبداللہ حسنی کے بجائے سفاح کے ہاتھ آ گیا ۱۳۲ھ ۷۴۹ء میں بنی عباس نے حکومت قائم کر لی۔ سفاح، پھر منصور نے وہی پالیسی اختیار کی جو بنی اُمیہ نے وضع کی تھی کہ علیؑ و اولادِ علیؑ کا نام و نشان مٹا دو۔ اب پھر سید اور شیعہ جلا وطنی و قتل سے دوچار تھے۔ اس کے باوجود ان کے جذبے جوان اور ہمتیں بلند رہیں۔

امام حسنؑ کے ایک پوتے نے منصور سے کہا: خلیفہ میں اپنی گرفتاری پیش کرنے آیا ہوں، منصور نے پوچھا کیوں؟ کہا: میں اپنے اہلِ خاندان کی قید کے بعد دنیا کی صورت دیکھنے کو تیار نہیں۔

اسی طرح الدیباج الاصغر محمد بن ابراہیم حسنی کو منصور نے بلایا۔ کچھ سوال و جواب کے بعد حکم دیا کہ اس سید

کو ایک ستون میں کھڑا کر کے اینٹیں چن دو اور وہ سید زندہ ستون میں بند کر دیا گیا۔ (الفخری ۱۱۹، طبع مصر ۱۹۲۷ء)

امام زین العابدینؑ سے امام موسیٰ کاظمؑ تک ہمارے آئمہ کسی انقلابی تحریک میں شریک نہیں ہوئے۔ مگر ان کی خاموش تبلیغ اور بے داغ کردار نے لوگوں کے دل موہ لیے تھے۔ وہ خالص اسلام کا تعارف کراتے رہے۔ اور لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پہنچاتے رہے اور حکومتیں سب کچھ کرنے کے بعد بھی ان کا اثر اور ان کے شیعوں کو ختم کرنے میں ناکام ہوگئیں۔ مامون نے مجبور ہو کر امام رضا علیہ السلام کی شاہی مان لی اور خفیہ طریقے پر زہر دے دیا۔ اس جدوجہد میں سادات و شیعہ کمزور ہونے کے باوجود مدینے سے یمن و حبشہ و مصر و شام و خراسان و ترکیہ و ہند و سندھ و کشمیر و دکن جیسے دور دراز نقطوں پر پہنچے اور طبرستان، بغداد، اور مصر میں حکومتیں قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

مصر میں اولاد حضرت علیؑ کی حکومت دنیا کی عظیم شہنشاہیوں میں شمار ہوتی ہے۔ ۱۶۹ھ/۷۸۶ء میں حسین بن علی بن حسن مثنیٰ نے مکۂ مکرمہ میں بنی عباس سے ٹکر لی اور "فخ" (قریب مکہ) شہادت پائی تو ان کے عزیز ادریس بن عبداللہ بن عبداللہ بن حسن جان بچا کر مصر چلے گئے اور مصر سے المغرب پہنچے جہاں بربر قبیلے نے ۱۷۲ھ/۷۸۸ء میں ان کو اپنا امام تسلیم کر لیا، یہی ادریس تھے جن کا خاندان افریقہ میں اسلام کے پھیلاؤ کا ذریعہ بنا۔ اسی سلسلے کے معز لدین اللہ الفاطمی نے ۱۷ شعبان ۳۵۸ھ/ ۹۶۹ء کو مصر فتح کیا۔ فاطمی خاندان اپنے خاص عقائد امامت و محبت علی و اولاد علی علیہم السلام کا پرچار کرتا رہا۔ اسی کی حکومت مصر، اندلس، شام اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی عرب کا ایک تخریب کار گروہ قرامطہ کے نام سے اُٹھ کر حجاز سے سندھ تک چھا گیا، اور ملتان میں ایک عرصے تک برسر اقتدار رہا، ان کے قافلے اور فوجی دستے حرمین سے یمن، بحرین، عدن اور مسقط ہوتے ہوئے دیبل تک آزادی سے آتے جاتے اور تخریب کاری کرتے رہے۔

اسی عہد میں اس گروہ

سندھ سے عربوں کے تجارتی روابط بہت پرانے ہیں۔ اسلام آیا تو سندھ کی ریاستوں کو اس کی خبر تھی، حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے مکران سے سندھ اور قیقان میں فوجی کامیابیاں حاصل کیں۔ ۳۸ھ اور ۳۹ھ کے درمیان حضرت علیؑ کے فوجی افسروں نے اپنے امام کا چرچا کیا۔ اس طرح عہد علوی میں قلات، مکران، کابل اور سندھ میں آپ کے شیعہ پہنچے، افغانستان کے بعض علاقوں میں آپ کا طرفدار خاندان آل شنسب حکمران ہوا (تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۴۴)

محمد اسحاق بھٹی صاحب کے بقول عہد علوی میں پانچ صحابی و تابعی برصغیر میں آئے:

خریت بن راشد ناجی سامی (مکران میں)

عبداللہ بن سوید تمیمی شنقری (سندھ میں)

کلیب بن ابو وائل صحابی یا تابعی (ہند میں)

تاعر بن دعمر (سندھ میں)

حارث بن مرہ تابعی (سندھ میں)

(فقہاء ہند ج ا ، ص ۱۲)

اس کے بعد سندھی شیعوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان لوگوں نے جو بہت تھوڑے عرصے رہے۔ کچھ نہ کچھ تذکرے بطور یادگار چھوڑے ان میں سے اکا دکا افراد کر فرد مدینہ پہنچے۔ اس طرح سندھ میں شیعوں کی آمدورفت بڑھتی گئی اور سندھ میں "علی علی" ہونے لگا۔

ابن اثیر نے ۱۵۱ھ میں منصور کے گورنر عمر بن حفص کو شیعہ بتایا ہے اور کہا ہے کہ سید محمد و ابراہیم فرزندان عبداللہ الاشتر اس کے پاس سندھ آئے تھے لیکن وہ سندھ میں مارے گئے۔ اس کے بعد انساب کی کتابوں میں ان سادات کے نام آتے ہیں جو ملتان اور سندھ میں آئے۔ پانچویں صدی ہجری کے عالم انساب سید ابو اسماعیل ابراہیم بن ناصر ابن طباطبا نے "منتقلة الطالبية" میں لکھا ہے:

سندھ میں آنے والے سادات میں اولاد امام حسن زید بن حسن اور قاسم بن حسن بن زید بن حسن۔ اولاد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حسن بن عبدالرحمٰن۔ عمر الاطرف کی اولاد میں، عبداللہ بن محمد بن عمر الاطرف۔ اسماعیل بن جعفر الملتانی ابن محمد بن عمر الاطرف۔ عبدالجبار بن جعفر الملتانی، عبدالعظیم بن جعفر الملتانی اور ان کے بھائی، مکران میں محمد حنفیہ کی اولاد آئی۔ ملتان میں حسن بن علیؑ، زید بن حسن، قاسم بن حسن بن حسینؑ کے حوالے سے چار سلسلوں کا تذکرہ موجود ہے۔

یہ سید اپنے خاندان کے تعلیمات لے کر آگئے، مگر ان کا مرکز سے سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ ۲۰۱ھ کے بعد آئمہ اہل بیت بھی مستقل طور پر مدینے میں رہنے سے محروم کر دیئے گئے۔ امام موسیٰ کاظمؑ بغداد میں امام رضا علیہ السلام مشہد میں، امام محمد تقی بغداد میں، امام علی نقی و امام حسن عسکری سامرے میں لائے گئے اس نقل و انتقال سے مرکز کمزور ہوا اور طالع آزماؤں کو آئمہ کی مقبولیت سے فائدہ اٹھانے کی سوجھی، لوگوں نے جہاں حضرت زید کی مقبولیت اور محبت دیکھی وہاں "زیدی" مذہب کے نام سے تحریک چلا دی اور جہاں امام جعفر صادق علیہ السلام کا اثر و اقتدار زیادہ پایا۔ وہاں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بجائے ان کے دوسرے مرحوم فرزند جناب اسماعیل کے نام سے مہم شروع کر دی۔

مذہبی مبلغین داعی و معلم بن کر دنیائے اسلام میں پھیل گئے۔ ان لوگوں نے عوامی سطح پر لوگوں کے ذہن ہموار کیے۔ لشکر کشی کے نتیجوں میں حکومت اور تبلیغ کے نتیجے میں مذہب کو فروغ ہوا۔ زیدی اور اسماعیلی اثنا عشری شیعوں

سے مختلف ہونے کے باوجود محبت علی و اولادِ علی علیہم السلام ہیں، عقیدۂ امامت اور سلسلہ روایت میں شیعوں سے قریب تر تھے اس لیے انھیں شیعہ کہا گیا۔ محمود غزنوی اور خلفائے بنی عباس ان کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خوف زدہ ہوئے اس لیے جنگ چھیڑ دی، سب ریاستیں ان کے خلاف ہوگئیں اور کچھ دنوں کے اندر اندر ملتان اور سندھ کابل و ہرات وغیرہ سے اسماعیلیوں کو یا نکال دیا یا بے اثر کر دیا گیا۔ اس شکست سے علما اور کتب خانوں اور ثقافتی آثار کو تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ بہت بڑی

خاندان غلامان و سلاطین خلجی کے زمانے میں دہلی کے اندر ایک محلہ علویہ کے نام سے آباد تھا اور ملک کے گوشوں میں شیعہ رہتے تھے۔ فیروز شاہ تغلق نے ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۴ء کے بعد اپنے فتوحات میں خود لکھا:

"شیعہ مذہب کے لوگ جنھیں رافضی کہتے ہیں:
... ... زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سزا دی
اور کچھ کو تنبیہہ و تہدید و تشہیر۔ ان کی کتابیں سر بازار
جلوا دیں۔ آخر کار اس گروہ کا شر بعنایت ربانی مکمل
طور پر ختم ہوگیا۔" (ص ۷، فتوحات فیروز شاہی، علی گڑھ ۱۹۵۴ء)

اسی زمانے میں ابن بطوطہ وارد ہند ہوا، وہ کہتا ہے کہ بحرین میں شیعہ تقیہ نہیں کرتے، لیکن سندھ کے شیعوں کا حال اسے معلوم نہیں ہو سکا یا ایسے خاص حالات نظر آئے جنھیں وہ قلمبند کرتا، در اصل سیاسی طاقت متعصب اشاعرہ و احناف کے ہاتھ میں تھی اور خراسان و ترکستان و سندھ پر سخت مزاج ترک اور پٹھان حکمران تھے۔ مغلوں کے زمانے میں شیعہ امرا سندھ میں رہے جن کے آثار باقی ہیں۔ مغلوں کے بعد خیرپور کی شیعہ ریاست قائم ہوئی جو ۱۹۵۰ء میں ختم ہوئی۔

آٹھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے، ترکان عثمانیہ کے خلاف ایک اور طاقت نے سر اُٹھایا، یہ طاقت صفی الدین اردبیلی کی سربراہی میں اُبھری اور مکمل طور پر نتیجہ خیز ہوئی۔ اس زمانے میں ہمیں کچھ شیعہ علما کے نام برصغیر میں نظر آتے ہیں۔ نویں صدی کے خاتمہ پر تشیع نے سندھ و ملتان کے بجائے کشمیر اور دکن میں کروٹ لی۔ دکن کے بہمنی، عماد شاہی، برید شاہی اور عادل شاہی پھر قطب شاہی خاندان شیعہ علما و اکابر کے مربی رہے۔ قطب شاہی خاندان کا تو رسمی مذہب ہی شیعہ تھا ان کے یہاں شام، حجاز، بحرین، احسا، عراق اور ایران کے علماء بکثرت موجود تھے۔ ۷۴۸ھ/ ۱۳۴۰ء سے ۱۰۹۸ھ/ ۱۶۸۷ء تک کم و بیش ساڑھے تین سو سال میں شیعہ جنوبی ہند سے شمال اور مغربی علاقوں تک پھیل گئے۔

کشمیر میں شیعہ پہلے سے تھے مگر چھپے چھپے اور ڈرے ڈرے ۸۹۳ھ کے لگ بھگ خراسان سے

شمس الدین عراقی کسی سفارت پر کشمیر آئے۔ انھوں نے شیعیت کو بڑے پیمانے پر متعارف کرایا۔ اس کے نتیجے میں کشمیر کا ایک طاقتور گروہ خصوصاً کاجی چک شیعہ ہوگیا، کاجی چک ابھرتا، فتح مند ہوا تو اس نے مذہب شیعہ کو بہت فروغ دیا، کچھ عرصے بعد نازک شاہ نے اسے ہندوستانی مار بھگایا اور شیعوں کا قتل عام کیا تو میر شمس الدین عراقی کا لڑکا کشمیر کے علاقہ اسکردو میں جاکر تبلیغ کرنے لگا اور اسکردو کو شیعہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ نازک شاہ نے دانیال اور پرسپور کے شیعہ پیر شتالی کو بلا کر قتل کیا، یہ واقعہ ۹۵۵ھ کا ہے۔

شمس الدین نے مدرسہ حافظ بصیر کو شیعہ مدرسہ بنایا تھا۔ ملا بصیر خود سنی تھا (وہ ۹۲۶ھ میں فوت ہوا) نازک شاہ کے دور میں شمس الدین کی محنتوں پر پانی پھر گیا۔ مگر ۹۶۲ھ میں چک خاندان کو عروج حاصل ہوا، جس کے پہلے فرماں روا غازی شاہ نے بھی شیعوں کی سربراہی کی، اس کے بعد حسین شاہ اور یعقوب شاہ کا دور اسی طرح گذرا۔ یعقوب شاہ کے زمانے میں ملا عینی صاحب مذہبی تبلیغات کے سربراہ تھے۔ کچھ عرصے بعد ظفر خان پسر کلان شمسی چک نے میر شمس الدین عراقی کے مزار کو (جو شیعوں کا مرکز تھا) جلا کر مزبلے میں بدل دیا۔

دوبارہ

(تاریخ کشمیر اعظمی مطبوعہ سرینگر کشمیر ص ۹۱ تا ۱۰۰)

کشمیر کا صوبہ اکبر کے قبضے میں آیا تو شیعہ امراء و علماء کی آمد و رفت بڑھی، قاضی نور اللہ شوستری نے یہاں کی مردم شماری میں حصہ لیا، شاہ فتح اللہ شیرازی کشمیر ہی میں فوت ہوئے (ان کا مقبرہ تخت سلیمان کے مزار شعرا میں شیعوں کا ~~مرجع خلائق بنا~~ مرکزی مقام بنا (ص ۱۱۲)

مولانا میر علی ایرانی، علی مردان خان قندھاری، نواب ابراہیم خاں، نواب ظفر خاں جیسے اکابر نے شیعہ علوم ثقافت کو فروغ دیا۔ اس وقت سے آج تک کشمیر میں شیعہ ~~قابل لحاظ~~ بہ خصوصیات کے ساتھ موجود ہیں۔ آزاد کشمیر بلتستان میں شیعوں کی اکثریت ہے۔ دونوں جگہ شیعہ علماء نجف و قم سے تعلیم حاصل کر کے آتے اور علوم اسلامیہ کی تبلیغ کرتے آئے ہیں۔ اس گفتگو کا سبب یہ ہے کہ زیر نظر کتاب میں کشمیری علماء کے حالات کم ملیں گے جیسے عظیم آباد، مرشد آباد اور بنگال میں علماء کا حال نہیں مل سکا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں کے انقلاب اور خاص طور پر نادر شاہ و احمد شاہ ابدالی، سکھوں کے حملوں اور مرہٹوں کی تباہ کاریوں نیز ۱۷۵۷ء، ۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء کے بڑے بڑے واقعات قتل و غارت نے مسلمانوں کی تاریخ کو پارہ پارہ کر دیا، سنی اکثریت میں تھے اس لیے کچھ نہ کچھ ذخیرۂ اطلاعات ان کے ہاتھ آ گیا، شیعہ کم تھے اس لیے ان کو بہت نقصان پہنچا۔ ان کے سلسلے کی کڑیاں گم ہوگئیں۔

ائمۂ اہل بیت علیہم السلام انبیاءؑ کی سنت کے مطابق، افراد اور معاشرے کے سامنے معیاری عمل رکھ کر کام کرتے رہے۔ انھوں نے ذہنی اور علمی زندگی کو توانائی بخشی ان کے ماننے والوں نے ہر عہد میں اپنے زمانے کی عقل سے سوچا اور

اپنی زبان میں جواب دیا۔ حضرت علی علیہ السلام کا طریقۂ خطاب اور اندازِ تعلیم کیا تھا؟ اسے نہج البلاغہ میں دیکھیے، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے تدریسی انداز کا سراغ لگانا ہو تو صحیفۂ کاملہ ملاحظہ کیجیے۔ ہر امام اپنے پیش رو امام کی طرح ہدایت و رشد، دعوت الی اللہ اور افہام و تبلیغ دین کا منشور عام کرتا رہا۔ قرآن کی جمع و تدوین اور تفسیر و حدیث کی کتابت و تبویب، عقائد کی تعلیم و تشریح، علوم کا بیان و درس ان کا فرضِ منصبی تھا جو انتہائے کمال کے ساتھ ادا کیا۔ یہ حضرات مدینے سے نہیں نکلے ان کا مرکزِ دعوت مدینۃ النبیؐ رہا۔ حج یا نجی ضرورتوں کے لیے باہر گئے اور پھر وطن لوٹ آئے، دشمنوں نے زبردستی مدینہ چھڑوایا تو مدینہ چھوڑا اور اس کا صدمہ رہا۔

طویل مدت تک ایک مرکز میں رہنے کا فائدہ یہ ہوا کہ طالبانِ فیض کی تعداد بڑھتی گئی اور دُور دراز کے طلبہ جمع ہوتے رہے۔ ان مسافروں میں سندھ و ہند کے طلبہ اور راویوں کے نام بھی موجود ہیں: مثلاً امام زین العابدین علیہ السلام کے تلامذہ میں • کنکر، ابوخالد الکابلی الاکبر۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے شاگردوں اور راویوں میں • وردان، ابوخالد الکابلی الاصغر، جنھوں نے امام محمد باقر کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی حدیثیں نقل کیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث کا درس لینے والوں میں • خلاد السندی البزاز الکوفی۔
• سیم السندی • نجیح، ابومعشر السندی المدنی۔ • ہارون بن ابی خالد الکابلی۔ • معانی السندی الکوفی مولی اسحٰق بن عمار۔ • ابوالفرج السندی، جامع احادیث۔

یہ لوگ دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان علما نے علوم آلِ محمدؐ سے فیض اٹھایا اور دوسروں کو مستفید کیا۔

سندی بن عیسٰی الھمدانی، کوفی۔ سندی بن الربیع البغدادی۔ سندی بن محمد جو قبیلۂ جہینہ یا بجیلہ سے تھے۔ مہران بن محمد بن ابی نصر السکونی۔ ابراہیم بن السندی گمان ہے یہ حضرات سندھ سے کوئی رابطہ رکھتے ہونگے جس کی تفصیل آج دریافت نہیں ہو سکی۔
مختصر یہ ہے کہ سندھ و ملتان سے لے کر کشمیر و دہلی و آگرہ، لکھنؤ، فیض آباد، جون پور، مرشد آباد، عظیم آباد، کلکتہ، پٹنہ، حیدر آباد دکن ٹھٹھہ، لاہور اور ~~جیسے~~ شہر شیعوں کے مرکزی شہر بنے۔ ان مقامات پر شیعہ علما نے علمی اور دینی کام کیے لیکن شیعہ سُنّی کشمکش نے علمی روایتوں کو کبھی عروج دیا، کبھی زوال، عروج و زوال کی تاریخ کے اوراق اشخاص و رجال کی صورت میں ملاحظہ اور اسے اپنے اپنے زاویۂ نظر سے ترتیب دے کر مختلف نتائج قلم بند کریں۔ تاکہ شمع سے مشعل اور مشعل سے چراغاں کا اہتمام ہو سکے۔

حرفِ آغاز

الحمد للہ، چودھویں صدی مسلمانوں کے روشن مستقبل کی خوشخبری سنا کر رخصت اور نئی صدی تاریخ نو کا سادہ ورق لیے آرہی ہے۔ اس صدی میں مسلمانوں کو زمین کے اندر سے بہت سا سونا ملا، اللہ نے قائد اعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کی بنیاد رکھوائی، حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید روح اللہ خمینی کو ایران میں انقلاب اسلامی لانے کی توفیق بخشی۔ مسلمانانِ عالم دو سال شکر خدا اور جائزۂ تاریخ کے لیے مختص کر چکے ہیں، اس موقع پر میں یہ کتاب ملت کی نذر کر رہا ہوں کہ میں نے گذشتہ صدی میں ہوش کے پچاس برس گذارے۔ اس صدی کی تاریخ میرے سامنے سے گذری اور بزرگوں کا ورثہ میرے حصے میں آیا، لکھنؤ سے لاہور ہجرت کی۔ دونوں شہر روایت و تاریخ کے حامل ہیں۔ میرا خوشگوار فرض تھا کہ میں رجال و طبقات یا تاریخ و تذکرہ لکھتا اور قوم کی یہ خدمت بجا لاتا۔

تذکرہ، تاریخ کا ماخذ اور قوم کی ترقی و کارکردگی کا گراف ہوتا ہے، شعرا، حکما، امرا، صوفیا، علما اور مصنفین کے تذکرے مورخ کو پڑھنا پڑتے ہیں۔ اس سے ملت کے علمی خدمات، ملکی فتوحات کی تصویر بنتی ہے۔ صاحبانِ سیاست و سیف زمین فتح کرتے ہیں صاحبانِ فکر و قلم ذہن بناتے ہیں۔ ایک سے قوم کا جلال دوسرے سے ملت کا جمال سنورتا ہے۔ ماضی کے معمار قوم کے محسن ہیں اس لیے ان کے چہروں کو سامنے رکھنا اور ان کی شخصیتوں کا نسل جدید سے تعارف کرانا تاریخ کا تسلسل قائم رکھنا ہے یہی مورخ کا منصب و فریضہ ہے۔

قیام پاکستان کے بعد مسلمانوں کی میراث کا نئے سرے سے جائزہ لینے کی ضرورت پیش آئی نئی تاریخ کا آغاز ہوا تو ملت نے ماضی سے روشنی مانگی تاکہ مستقبل کی منزلوں میں چراغاں کریں چنانچہ بڑے بڑے منصوبے بنے اور بڑے بڑے کام شروع ہوئے مثلاً اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ تاریخ ادبیات پاک و ہند۔ برصغیر کے مصنفین کے تصانیف کی فہرست نگاری پر لوگوں نے سرکاری یا غیر سرکاری سطح پر لکھنا شروع کر دیا اور علماء و محققین انفرادی اور اجتماعی طور پر تحقیق میں مصروف ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور بہت سی کتابیں لکھی جائیں گی۔ لیکن ان صاحبانِ قلم نے شیعہ علما و اکابر کے نام اور کام کے تذکرے شیعوں کے علمی خدمات کی تفصیل عموماً نظر انداز کی۔ شکایت سے بچنے کے لیے کہیں ایک آدھ نام لیا بھی تو بین السطور بعض بڑے محققین سے میں نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کتابوں کی نایابی کا عذرِ بارد پیش کیا۔

بعض حضرات نے مجھ سے براہ راست تذکرہ علماء شیعہ لکھنے کی فرمائش بھی کی، ان حضرات میں خان بہادر

مولوی محمد شفیع صاحب صدر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جناب شیخ محمد اکرام صاحب مؤلف آبِ کوثر و رودِ کوثر اور جناب سید حسن الامین صاحب مؤلف اعیان الشیعہ و دائرۃ المعارف الاسلامیۃ الشیعیہ کے نام سرِ فہرست ہیں ۔

میں کتاب کے ناپید ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا، جو یندہ یابندہ اور من جدّ و جدّ کو صحیح جانتا ہوں۔ جس موضوع پر آدمی خلوص اور لگن سے کام کرے۔ اللہ مدد کرتا ہے اور کتاب ملتی ہے ، البتہ محنت اور وقت ضرور صرف ہوتا ہے۔ میرے کتب خانے میں سینکڑوں تذکرے تھے اور ہیں۔ اتفاق سے تذکرۂ شیعہ علماء برصغیر پر "ورثۃ الانبیاء" کے علاوہ نہ کوئی کتاب لکھنؤ میں تھی نہ لاہور میں ایک دن فیصلہ کیا کہ "نام نیک رفتگاں ضائع مکن" ایک مختصر ہی سہی مگر تذکرۂ علما لکھنا چاہیے کہ مرکزِ علم لکھنؤ کی خاک سے تعلق اور میراث بزرگانِ وطن کا حصہ دار ہوں، کمر باندھی اور قلم سنبھالا از شیخ غیاث الدین صاحب مرحوم سے کتاب تذکرۂ بے بہا عاریت ملی میں اس کے نوٹ لے چکا تھا کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب فاضل دیوبند نے اس کتاب کا ایک نسخہ عنایت فرما دیا۔ کچھ دنوں بعد جناب شیخ محمد اکرام صاحب نے نجوم السما مستعار دے دی۔ میں کام کرتا رہا، کتب خانے ، فہرستیں، اخبار، رسالے اور تاریخ و ادب کے سینکڑوں دفتر چھان ڈالے، کم و بیش پندرہ سال میں ہزار صفحے تیار ہوئے تو اب چھاپنے والا نہ ملتا تھا، میرا وہ عالم تھا جیسے کوئی سپاہی مورچہ فتح کر کے واپس آئے اور کوئی اُس (اہلِ وطن) سے بات نہ کرے۔ میں تھک گیا اور مدت تک کوئی کام نہ کر سکا۔ ۱۹۶۹ء میں زیاراتِ عتباتِ عالیات کے لیے گیا تو بیروت و نجف و طہران و قم میں متعدد حضرات نے کہا ۔ کاش یہ کام عربی یا فارسی میں کیا ہوتا ۔ میں کہتا تھا ، جس زمین کی بات ہے پہلے وہاں کے لوگ پڑھ لیں پھر باہر بھی خبر ہو جائے گی۔

~~خدا خدا کر کے ایک مختصر مسودہ تیار ہوئے، انھوں نے سہارا دیا لیکن میں آزمائش میں پڑ گیا۔ اتنے میں فرزندِ عزیز محقق و فاضل و سعید مولوی سید حسین مرتضیٰ سلمہ ایم اے نے [illegible] سے خبر دی کہ [illegible] اسلامک ریسرچ سینٹر کے ارکان نے کتاب کی اشاعت کا وعدہ کیا ہے جناب پروفیسر کرار حسین صاحب اور جناب سید محمد حسن صاحب اور صدر ادارہ کا ممنون ہوں جن کی توجہ سے یہ کتاب اہلِ علم تک پہنچ رہی ہے جناب خاور جاوید بٹ صاحب کا شکریہ میرا خوشگوار فرض ہے کہ موصوف نے بڑی محبت اور اخلاق و صبر کے ساتھ کتاب لکھی اور مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔~~

جناب علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے ازراہِ کرم و بزرگی

[illegible]

مقدمہ بھی تحریر کیا۔ جناب مولانا سعادت حسین صاحب کا شکریہ موصوف نے کتاب پڑھی اور اضافہ کیا۔

اللہ ان سب معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے بحق محمد و آلِ محمد علیہم السلام دنیا میں جس طرح ہر شخص کی صورت شکل دوسرے شخص سے جدا ہے اسی طرح ہر ایک کی فکر بھی دوسرے سے مختلف ہے۔ مزاجوں کی بوقلمونی اور طبیعتوں کی رنگا رنگی سے زندگی کے پہلو بھی بدل جاتے ہیں، ایک گوشہ نشین و گم نام رہنا پسند کرتا ہے۔ دوسرا شہرت طلب کوئی اپنی پسند کا کام کرتا ہے۔ کوئی عوام کی پسند کو ترجیح دیتا ہے، کسی کے مقصد قربۃً الی اللہ خدمت انجام دینا شرف ہے نام دینا اور تعارف چاہنا خلافِ اصول ہے کوئی شہرت و نام سے اس قدر بچتا ہے کہ اپنے بجائے دوسرے کا نام لکھنے میں تکلف نہیں کرتا ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو سفر کرتے ہیں، لوگوں سے ملتے ہیں، زبان سے خدمت علم و عوام، تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور کسی کو نہیں بتاتے کہ انھوں نے کیا کیا۔ اس قسم کے بے شمار معاملات و مسائل ہیں جو معاصر اور قدیم اشخاص کی زندگی کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ بہت سے بزرگ ہمارے سامنے اُبھرے اور ہمارے سامنے دنیا سے گذر گئے، اتفاقاً ہم ان سے قریب نہ ہوسکے یا وہ وطن سے دُور اللہ کو پیارے ہوئے، ان کی تاریخ لوگوں کو یاد نہ رہی۔ عزیزوں سے پوچھا تو انھوں نے جواب نہ دیا۔ نتیجہ میں وہ شخصیت گم نام ہوگئی۔

انسان کے وسائل محدود ہیں۔ اس کا حافظہ کمزور ہے، اس کی ضرورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ایک کسی موضوع پر کام کرنے کے لیے غیب کا علم، قارون کا خزانہ اور حضرت خضر کی عمر کہاں سے ہاتھ آئے، نہ ہوا پر قابو نہ طیّ ارض کا معجزہ کہ جب دل چاہے اسی وقت مطلوبہ چیز مل جائے۔ ہاں شوقِ فراواں اور جنون ضرور ہوسکتا ہے اور یہی جذبہ کام پر ابھارتا ہے اور خلوصِ نیت کے نتیجے میں اللہ کی توفیق رفیق ہوتی ہے۔

ہم نے اس کتاب میں اصولاً علما کے احوال جمع کیے ہیں۔ " عالم " کے معنے زمان و مکان و احوال کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ دینی علوم جاننے والا، قرآن و حدیث، فقہ و اصول پڑھا ہوا۔ فقہ و علوم دین کا ماہر۔ علوم اسلامیہ سے باخبر کسی مدرسے کا فاضل۔ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول پر عبور رکھنے والا۔ نجف و قم میں علوم اسلامیہ کے جاننے والے یا فقط دینی علوم سے باخبر ہی کو کہنا عام ہے لیکن ہمارے یہاں ایسے افراد ایران و عراق کی طرح بکثرت نہیں ہیں۔ علم کا معیار جتنا بلند ہوتا جائے گا۔ عالم کا مصداق اسی قدر ممتاز قرار پائے گا۔ اس کتاب میں " عالم " ـ فاضل۔ جیسے الفاظ کا استعمال اسی انداز میں ہوا ہے۔ یعنی زمان و مکان اور سیاق و سباق کے پس منظر میں برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے پہلے مسلمان حکمران، ان کے وزرا و امرا جو نکہ اسلام کا دم بھرتے تھے اور عمومی طور پر ان کا رسمی قانون شریعت ہوتا تھا۔ قاضی اور شیخ الاسلام کا منصب ملک

کا اہم منصب تھا، سرکاری زبان فارسی اور علمی زبان عربی تھی۔ مغرب اور مغربی علوم بدیسی ملنے جاتے۔ ،، ذاتی تشخص اور قومی آزادی کی حس زندہ تھی لہذا نصاب تعلیم میں جن مراحل سے گزرنا ہوتا تھا وہ آج سے مختلف تھے۔

الف بے پڑھنے، تختی لکھنے، خوش خطی سیکھنے کے ساتھ ساتھ ابتدا میں قرآن مجید پڑھایا جاتا تھا۔ صاحبان توفیق، تجوید و قرآت پر بھی دھیان دیتے تھے۔ عقائد و احکام شریعت بتلائے جاتے تھے۔ اخلاق کا درس ہوتا تھا۔ روزمرہ کی ضرورتوں کے لیے حساب، خط و کتابت کے لیے ادب، بڑھنے چڑھنے کے لیے سپہ گری آگے چل کر صرف و نحو، منطق، فلسفہ، ہیئت نجوم، طب و تصوف ادب فارسی و عربی۔ معانی و بیان۔ عروض و قافیہ۔ تاریخ و رجال تفسیر و حدیث۔ درایت و اصول۔ فقہ و اجتہاد تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اُستاد اپنے گھروں پر یا مسجدوں اور مدرسوں میں پڑھاتے تھے۔ طلبہ اساتذہ کے یہاں یا مدرسوں میں جاکر پڑھتے تھے۔ کچھ لوگ صاحبانِ حیثیت کے گھروں پر جاکر پڑھاتے تھے۔ امراء و سلاطین کے یہاں اتالیق مقرر تھے۔ اتالیق عموماً صاحبان علم و فضل و اخلاق اور ممتاز ترین عالم ہوا کرتے تھے۔ علمی درجات کے تعین کے لیے کم و بیش جن کتابوں سے گذرنا ضروری تھا وہ تھیں۔ تفسیر میں بیضاوی یا الصافی۔ حدیث میں الکافی یا کتاب التوحید صدوق فقہ میں تبصرۃ المتعلمین المختصر النافع۔ شرائع الاسلام۔ شرح لمعہ۔ من لا یحضرہ الفقیہ اور متاخر زمانے میں۔ شرح کبیر و مکاسب اصول فقہ میں معالم الاصول۔ زبدۃ الاصول۔ قوانین فصول۔ رسائل۔ کلام میں عقائد پر کوئی منظومہ جیسے حافظیہ پھر بعد حمد ہندی پھر بنیاد اعتقاد۔ شرح باب حادی عشر۔ شرح تجرید۔ صرف میں۔ صرف میر، شافیہ۔ مراح الارواح جیسی کتابیں۔ نحو میں۔ نحو میر۔ کافیہ۔ مغنی۔ سیوطی۔ شرح جامی۔ منطق میں ایساغوجی۔ میزان منطق۔ قطبی۔ سلم العلوم۔ فلسفے میں حکمۃ العین۔ اشارات۔ شرح اشارات۔ ملا صدرا شمس بازغہ تصوف میں۔ لوائح جامی۔ ملفوظات۔ مثنوی عطار و رومی۔ فصوص الحکم۔ شرح الفصوص۔ اخلاق میں۔ گلستاں۔ بوستان۔ اخلاق ناصری۔ اخلاق جلالی۔ کیمیائے سعادت۔ احیاء العلوم۔ ہیئت و نجوم میں۔ چغمنی۔ تشریح الافلاک۔ رسائل اصطرلاب۔ ریاضی و ہندسہ و فنون جبر و مقابلہ پر اساتذہ کے پسندیدہ رسائل و کتب۔ ان میں سے بیشتر کتابیں عربی میں تھیں اور ہر شخص کو عربی پڑھنا ہوتی تھی۔ اسی پر ثقافت کا خمیر اٹھتا تھا۔

عام طور پر فارسی نظم، شاہنامہ و سکندر نامہ آداب حکمرانی و قوانین سپہ گری کے لیے اور مثنوی رومی اصلاح ذات و معاشرہ کے لیے پڑھنے پڑھاتے تھے۔ سیاست و ریاست کے آدمی اپنی ہمہ گیر علمی معلومات کی بنیاد پر بڑے عہدے پاتے اور عظیم کارنامے انجام دیتے تھے۔

عربی میں مہارت رکھنے والے قضاوت و صدارت کے لیے مخصوص سمجھے جاتے تھے مگر عربی علوم کی برتری
اور عربی دانوں کا اعزاز ان کی ذاتی صلاحیتوں کے ساتھ سونے پر سہاگہ کا کام کرتا تھا۔ شاید ہی کوئی پڑھا لکھا وزیر
و جرنیل ایسا ہو، جو عربی کا عالم نہ ہو اور فقہ اسلام نہ جانتا ہو۔ یہ بات اودھ کی حکومت تک باقی رہی۔
امرا اور شہزادے وزرا اور معززین ان علوم سے عموماً واقف ہوتے تھے۔

دکن کے سلاطین میں قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ۔ تیموری حکمرانوں میں بہادر شاہ شاہ عالم۔ ن
اورنگ زیب۔ اودھ کے حکمرانوں میں امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے عالم فاضل ہونے پر کافی شواہد
موجود ہیں۔

وزرا و امرا میں پیشوائے اعظم میر مومن۔ ابن خاتون۔ دربار اکبری کے قاضی نوراللہ شہید۔ ملا علی رضا، دانشمند خان، [illegible]
ابوالفضل۔ حکیم فتح اللہ شیرازی۔ ملا احمد ٹھٹھوی۔ جہانگیر و شاہ جہان کے عہد میں ملا سعید اشرف، علی مردان خان
ابراہیم خان۔ عالمگیر کے دور میں۔ نعمت خان عالی۔ اودھ میں خان علامہ تفضل حسین خان۔ سبحان علی خان
۔ آغا میر۔

اس کتاب میں افاضل و علماء و اکابر علم و فن میں مسجد کے ائمہ، مدرسوں کے استاد۔ خانہ نشین مصنف
دولت مند طلبۂ علوم اسلام و افاضل کرام کے نام اور کام ملیں گے۔ ہماری کوشش یہ رہی کہ حدیث و
فقہ و تفسیر سے لے کر سائنس اور انجینیرنگ تک ان علما و افاضل کا تذکرہ محفوظ کر دیا جائے جنھیں
انگریزی پروپیگنڈے یا برین واشنگ نے نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ انھوں نے تبلیغ اسلام اور تشیع
نیز علوم و افکار کو فروغ دینے میں جو حصہ لیا ہے۔ اس کے جزئیات سے بڑے کلیات اور گم نام
افراد سے نامور افراد تک تاریخ میں ارتقا کے سنگِ میل بنتے ہیں۔

ہماری نظر میں بنیادی بات افراد و اشخاص کی تاریخ زندگی کا آغاز و خاتمہ بھی ہے اور ان کے علم و
عمل کا احیاء بھی۔ تاریخ ولادت و وفات میں جہاں ہمیں قطعی بات نہیں معلوم ہوئی وہاں ہم نے قرائن کی مدد
سے تخمینی زمانہ طے کیا ہے، ہمیں یا آپ کو اگر قطعی تاریخ مل جائے تو اسے درست کر لیں۔ ہماری خصوصی
توجہ تصنیفات و تالیفات تراجم و تلامذہ پر ہے۔ اس میں امتیازی درجہ فقہا و مفسرین و محدثین کو حاصل ہے
پھر عربی و فارسی کے ان عالم ادبا کو جنھوں نے اسلامی ثقافت کی زبان کو دور دراز علاقوں میں محفوظ رکھ کر تاریخ
ادب و تاریخ ثقافتِ اسلام میں اپنا کردار ادا کیا۔ عربی ادب و فارسی ادب کے مؤرخین عالم کو ان کے
کام سے غفلت نہ برتنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ ساتھ فلسفہ و سائنس کے مختلف شعبوں میں حسب حیثیت
کام کرنے والوں کو ہم نے نظر انداز نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی مدرسوں اور ملاؤں کے دبستانوں

سے نکل کر آئے اور مذہبی رہ کر کام کرتے رہے۔ کچھ ایسے صاحبان علم سلاطین و امرا بھی تذکرے کے قابل تھے جن کی علم پروری نے برِصغیر میں علومِ اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں وہ کردار ادا کیا کہ اگر ان کو ذوق و توفیق سے حصّہ نہ ملتا تو شاید ایسے علما جمع نہ ہوتے جنھوں نے اِس علاقے میں علومِ اسلام میں تشیع کو سربلند کیا۔

تقدس، تقویٰ، تبلیغ اور جہاد فی سبیل العلم سے متصف بزرگوں کے ساتھ شاید غیر مقدس اہلِ علم اچھے نہ معلوم ہوں مگر کیا کیا جائے کہ ان کے علمی پہلو نے جب انھیں شہرتِ عام یا بقاءِ دوام عطا کر دی ہے تو ہم انھیں کیسے نظر انداز کر دیں۔ مصنفین کا یہی دستور ہے جس کے لیے "نزہتہ الخواطر" تذکرۂ علماءِ ہند۔ کی مثال کافی ہے۔

ہم نے تذکرے میں الف بائی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اس کے باوجود کہیں کہیں ناہمواری آگئی ہے۔ جسے ہم فہرست کے ذریعے درست کر رہے ہیں۔ کتاب میں اس خلل کی وجہ یہ ہے کہ مسودہ کتابت سے گذر چکا تھا۔ اب ... صفحوں کی دوبارہ کتابت ممکن نہ تھی۔ لہٰذا مناسب ترین جگہ جو ممکن ہوئی وہاں تذکرہ لکھنا پڑا۔

میرا علم محدود اور جہالت غالب ہے، کار دنیا کسے تمام نہ کرد کو صحیح سمجھتا ہوں، جو معلوم تھا وہ لکھ دیا۔ غلط ہو تو تصحیح فرما دیا جائے۔ میں ممنون ہوں گا۔ صحیح ہو مگر نامکمل، مفصل چاہیے تھا اور یہاں مجمل ہے۔ فلاں بات لکھنا چاہیے تھی نہیں لکھی، فلاں نکتہ نہ لکھتا تو اچھا ہوتا۔ کیا بتاؤں کہ اس کام میں جب نظر دوڑائی ہے۔ کانٹ چھانٹ اور اضافہ کرنا ہی پڑا ہے۔ آخر لمحات تک ترمیم و تنسیخ اور سیکڑوں صفحوں کے مع مسودہ ضایع ہو جانے اور انھیں دوبارہ لکھنے کی زحمت کو معترض و ناقد کیا جانیں اور اب نتیجہ کے انتظار میں کیا بیتے گی؟ من دانم و دلِ من۔

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

شکر ہے کہ تاریخ علماءِ شیعہ پر پندرھویں صدی کے آغاز میں یہ کتاب حاضر کر رہا ہوں۔ اللہ اس محنت کو قبول فرمائے۔ احباب یقین جانیں کہ:

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں، مجھے

اللہ سے دعا ہے کہ ان علماء و افاضل کے درجات بلند فرمائے جن کی محنت نے ملت کو افتخار بخشا، جن کی شخصیت نے تاریخ کے ورق زرّیں بنائے۔ میں کتاب لکھتے وقت یہ محسوس کرتا رہا جیسے ان کی روشنی سے مجھے نور مل رہا ہے۔ نہ معلوم کتنی راتیں ہیں جو ان کی یاد میں بسر کیں اور کتنے دن انکی تلاش میں گزارے ہیں

سلا علی رضا، دانشمند، امد بعد مدرس

گزارے گویا متنبی نے میری زبان سے کہا ہے:

ازورهم وسواد الليل يشفع لي ... وانثني وبياض الصبح يغري بي

اَللّٰهم اغفر للمومنين والمومنات والمسلمين والمسلمات الاحياء منهم والاموات وتابع بيننا وبينهم بالخيرات۔

اَللّٰهم صلّ على محمّد وآلِ محمّد وعجّل فرجهم

محرم ۱۴۰۰ھ
لاهور

(آ) آباد حسین: حدود ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

سید آباد حسین بڑے عابد و عالم بزرگ تھے۔ یوپی کے ضلع بجنور میں ننگلا ڈھکیا نامی چھوٹے سے قصبہ کے رہنے والے تھے۔ تحصیل علم کے لئے بریلی اور لکھنؤ کا سفر کیا، فلسفہ اور منطق میں کمال پایا۔ تفسیر و حدیث و فقہ میں صدر المحققین مولانا ناصر حسین صاحب سے فیض یاب ہوئے اور علماء لکھنؤ سے اجازہ ہائے اجتہاد لیے مولانا ناصر حسین صاحب سے تلمذ پر فخر کرتے تھے۔ رواج کے مطابق طب کا دورہ بھی مکمل کیا تھا، اسی فن کو پیشہ بنایا، پہلے پرتاب گڑھ کی ایک ہندو ریاست میں طبیب رہے پھر دیوگاؤں ضلع فیض آباد میں مطب کرتے رہے۔ یہ بات یاد رکھنا، چاہیئے کہ آج سے ایک صدی پہلے برصغیر میں حکیم کو آدھا مجتہد کہا جاتا تھا، کیونکہ طب سے پہلے باقاعدہ درس نظامی کی تعلیم ہوتی تھی اس کے بعد جو لوگ، امامت و تدریس و فتویٰ کی ذمہ داریوں سے بچنا چاہتے وہ طب ~~پڑھتے اور علاج~~ کرتے تھے۔ کچھ اطباء، طب و فلسفہ و منطق، کچھ حضرات ادب و فقہ بھی پڑھاتے تھے اور ہم نے ایسے طبیب دیکھے ہیں۔

مولانا سید آباد حسین صاحب نے تدریس کے ساتھ طبابت کا پیشہ اختیار کیا اور بڑی نیک نامی کے ساتھ ۱۳۳۱ھ کے بعد وفات پائی۔

اولاد: مولوی محمد ابوجعفر صاحب متوفی کراچی۔ (تذکرہ بے بہا، ص ۴۲)

آزاد، محمد حسین: ۱۲۴۵ھ / ۱۸۳۰ء — ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء

شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد، اردو کے مشہور ادیب کی حیثیت سے جانے پہچانے آدمی ہیں۔ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آزاد، خاندانی عالم اور ملا تھے۔ مولانا آزاد، حضرت سلمان فارسی کی نسل اور ہمدان و کشمیر کی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے جد بزرگوار اخوند محمد شکوہ شاہ عالم کے زمانے میں دہلی آئے، آغا محمد باقر نبیرۂ آزاد (متوفی شب پنجشنبہ ۲۸ صفر ۱۳۹۲ھ) کے بقول محمد شکوہ مجتہد تھے۔ میں نے بھی ان کے کاغذات میں اخوند لکھا ہوا دیکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اخوند عالم جلیل کو کہا جاتا ہے۔

اخوند محمد شکوہ کے فرزند محمد اشرف ان کے بیٹے اخوند محمد اکبر یکے بعد دیگرے عالم و محدث و مجتہد مانے گئے مولانا محمد اکبر نے اپنے صاحبزادے محمد باقر کی شادی ایک ایرانی نژاد خاتون سے کی جن کے بطن سے مولانا محمد حسین آزاد پیدا ہوئے۔ محمد حسین آزاد کی تاریخ ولادت ہے۔ غدیریہ ۱۲۴۵ھ / جون ۱۸۳۰ء

محمد حسین آزاد کے والد مولانا محمد باقر عالم و خطیب، تاجر و علوم جدیدہ سے باخبر بزرگ تھے۔ انہوں نے فرزند کو پہلے خود پڑھایا لکھایا، پھر شہر کے نئے تعلیمی ادارے "دہلی کالج" میں داخل کرایا۔ دلی کالج میں شیعہ فقہ کے استاد مولانا جعفر علی صاحب تھے۔ مولانا محمد باقر صاحب نے باہمی اختلاف کی بنا پر اپنے فرزند کو سُنی استاد سے حنفی فقہ پڑھنے کا حکم دیا، اس طرح مولانا شیعہ اور سنی دونوں فقہی مسلکوں سے باخبر ہوئے۔ آغا محمد باقر مرحوم نے مولانا آزاد کے کاغذات سے جو سنین مرتب کیے تھے ان کی روشنی میں ۱۸۳۵ء سے ۱۸۴۸ء تک آزاد نے گھر پر تعلیم پائی اور ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۲ء تک دہلی کالج میں اس لئے اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور میں یہ غلط ہے کہ مولانا نے تیئیس سال میں تعلیم سے فراغت پائی بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ تیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۸۳۶ء میں مولانا محمد باقر صاحب نے "دہلی اردو اخبار" نکالا جس میں مولانا محمد حسین نے نظم و نثر لکھ کر لکھنے کی مشق کی۔ وہ فنِ سخن میں اپنے والد کے دوست ذوق کے شاگرد ہوئے۔ ۱۸۵۲ء میں مولانا محمد باقر نے ہونہار بیٹے کو اخبار کا مدیر و منتظم بنا دیا۔ ۱۸۵۷ء کے اخبارات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد ملک کے حالات سے کماحقہٗ باخبر اور اعلیٰ درجے کے ایڈیٹر تھے۔ وہ جنگِ آزادی کے حامی اور معاون تھے۔ وہ اچھے شاعر تھے اور اپنے استاد ذوق سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے ان کے بعد وہ آغا جان عیش کو کلام دکھاتے رہے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے آزاد کی جوانی اور پچیس سال کی زندگی کے کارنامے تاریخ سے مٹا دیئے۔ ان کے والد فتح دہلی کے بعد باغی قرار دیئے گئے۔ ان کو پھانسی کا حکم ہوا۔ تمام املاک ضبط ہوئی۔ وہ دہلی سے نکل کر شہر شہر بھاگتے اور پناہ ڈھونڈھتے پھرے۔ اس سفر میں بمبئی، لکھنؤ جیسے شہروں کا چکر لگا کر سیالکوٹ آئے۔ یہاں سے جیند گئے اور راجہ صاحب سے اعزاز و اکرام حاصل کر کے ملازم ہو گئے۔ مگر ان کے والد کے شاگرد مولانا رجب علی شاہ نے لدھیانے بلا لیا۔ انہوں نے لدھیانے میں "مجمع البحرین" اخبار اور اسی نام سے پریس قائم کیا تھا۔ مولانا آزاد اس کام کے لئے موزوں ترین آدمی تھے۔ مگر کچھ عرصے بعد مولانا لاہور آ گئے اور ڈاک خانے میں نوکری کر لی۔

آغا محمد باقر صاحب کہتے ہیں کہ مولانا ۱۸۵۹ء میں ریاست جیند کے شہر سنگرور میں محافظ دفترِ فوجداری تھے۔ ۱۸۶۰ء میں مجمع البحرین لودھیانے کے مدیر رہے۔ انہی دنوں ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم پنجاب سے ملاقات ہوئی۔ ۱۸۶۱ء میں وہ پوسٹ ماسٹر جنرل کے دفتر میں مترجم پوسٹل اعلانات و ڈیڈ لیٹر آفس میں سررشتہ داری کی جگہ کام کرتے رہے۔

یکم جنوری ۱۸۶۴ء کو ۲۵ روپے ماہوار پر نائب سررشتہ دار محکمۂ تعلیم کی جگہ ملی۔ میجر فلر نے "اتالیق پنجاب" جاری کیا تو مولانا اس کے معاون مدیر ہوئے۔ کچھ عرصے وہ شعبۂ تصنیف و تالیف میں کام کرنے کے بعد ۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۷ء تک وہ سنٹرل ایشیا، تاشقند و سمرقند میں رہے اور واپس آ کر گورنر جنرل کو رپورٹ دی

یہ سفر سیاسی وفاداری کی یقین دہانی کے طور پر تھا جس سے غدر کی بغاوت کا اثر کچھ کم ہوا مگر انگریزوں کے دل صاف نہ ہوئے۔
اس دورے کے بعد وہ لاہور آئے تو سوا دو سال "یونیورسٹی کالج" میں مدرس عربی و ریاضی کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر ایک سال کے لیے گورنمنٹ سنٹرل بک ڈپو میں مترجم کا عہدہ مل گیا۔ اس زمانے میں وہ تین مجلتوں کے مدیر تھے، سرکاری اخبار، اخبار اتالیق پنجاب، اور رسالۂ انجمن پنجاب۔ مولانا کا اہم کارنامہ، اردو ریڈروں کی تصنیف بھی انہی دنوں کی بات ہے۔
۵ جولائی ۱۸۶۹ء سے گورنمنٹ کالج میں عربی کے اسسٹنٹ پروفیسری کے فرائض انجام دینے لگے۔ ۱۸۸۰ء میں جب مولانا علمدار حسین صاحب نے رحلت کی تو مولانا آزاد مستقل ہو گئے۔ اکتوبر ۱۸۸۴ء میں اورنٹیل کالج لاہور نے ان کی خدمت حاصل کر لی۔ لیکن کچھ مدت بعد وہ پھر گورنمنٹ کالج میں واپس آ گئے۔ فروری ۱۸۸۷ء میں جناب مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی وفات کے بعد مولانا آزاد اورنٹیل کالج میں شعبہ عربی کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔ گورنمنٹ کالج میں ان کی فارسی علم و ادب و زبان پر تقریروں کا مجموعہ "سخندانِ فارس" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ یہ لیکچر پہلی مرتبہ فکر انگیز جدیدیت کی طرف اشارے بنے۔
لاہور میں مولانا تعلیم و تصنیف، ادارت و نظامت کے ساتھ ساتھ فکری ارتقاء کے علمبردار بھی تھے وہ، انجمن پنجاب کے سرگرم مؤسس، معتمد اور صاحب رائے رکن ہونے کے علاوہ عملی طور پر نظم و نثر کے انقلابی پیش رو ثابت ہوئے۔ انہوں نے ۱۸۷۴ء میں نیچرل شاعری پر طبع آزمائی کی۔ وہ روایت کی تنقید اور جدت کے علم برادری کی حیثیت سے مسلسل کام کر رہے تھے۔ لیکن انگریزوں کی چالوں سے باخبر بھی تھے۔ انہوں نے جدید انشائیہ کو اردو میں جنم دیا۔ وہ فارسی کے ابتدائی نصاب سے لے کر انتہائی تحقیقات تک گئے۔ انہوں نے نئی شاعری بھی کی۔ انگریزوں کی سیاست اور انتظام کو بھی دیکھا۔ اور ہر مرحلہ پر انگریزوں کو ناجائز برتری کا دعوے دار دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے رہے۔ آخر انہوں نے ایک منصوبہ بنایا۔
انگریز کہتے تھے، اردو شاعری میں گل و بلبل کے سوا کچھ نہیں۔ ہم نے اردو کو جاندار شاعری دی۔ آزاد یہ دعوے اور تمسخر مدتوں سنتے رہے اور چپکے چپکے مضمون لکھ کر اپنے پرانے شاعروں کا ذکر کرتے رہے اور کم و بیش دس برس بعد آبِ حیات لکھ کر اردو شاعری کی روایت اور اپنے عظیم شاعروں کی ادبی خدمتوں کو اس آب و تاب سے بیان کیا کہ انگریزوں کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا۔ اردو ادب نے حیاتِ جاوداں حاصل کر لی۔ ادبی روایات کو زندگی مل گئی
سیاسی برتری اور انتظامی صلاحیت، حکومت کی وسعت، علم کی ترقی کے جو نعرے آزاد سنتے سنتے تھک گئے تھے اس کے مقابلے میں انہوں نے "دربارِ اکبری" لکھی اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو بتایا کہ ہمارا اکبر، قیصرِ ہند کوئن وکٹوریہ سے بڑا بادشاہ تھا، اس کے دور میں علم و صنعت و حرفت، سائنس اور سیاست نے جو ترقی کی اور جتنے بڑے بڑے آدمی پیدا کیے انگریز سو برس میں اس کا جواب نہ لا سکے۔

آزاد نے انتہائی تدبّر و تحمل کے ساتھ انگریزوں کی ہر بات کا دنداں شکن علمی جواب دیا اور "شہرت عام و بقاء دوام کے دربار" میں تو کمال کر دکھایا، انہوں نے بین الاقوامی زندہ شخصیتوں کی اس محفل میں سب کو جگہ دی۔ اگر کوئی کرسی نہ دی تو انگریز کو یہ باتیں ایسے پیرائے میں کہیں جس کو انگریز سمجھا مگر گرفت نہ کر سکا۔

مولانا آزاد، تاریخی اور سیاسی عوامل کی بنا پر عربی کے استاد ہوتے ہوئے اردو و فارسی کے ادیب بن کر چکے۔ میں نے ان کے بستوں میں شمس بازغہ، اسفار، حکمۃ العین، شرح ملا صدرا، تالیفات میر باقر داماد، ہندو فلسفے اور مسلمان تصوّف کے بے شمار نوٹ دیکھے ہیں، ان کے مطالعے میں شرائع الاسلام، شرح لمعہ، شرح تجرید اور کتب حدیث و تفسیر و تاریخ آئمہ کے دفتر تھے۔ ان کا کتب خانہ جس طرح دوسرے علوم کا گنجینہ تھا، وہاں شیعہ علوم کا بھی خزینہ تھا۔ یہ ذخیرہ ۱۸۸۵ء کے دوسرے سفر ایران نے نمایاں حد تک بڑھا دیا تھا۔ اس سفر میں وہ علما و ادبا سے ملے تھے اور علم و اثر کا گراں بہا ذخیرہ ساتھ لائے تھے۔

مولانا آزاد علوم باطنیہ و ریاضت بھی جانتے تھے۔ انہیں رجال غیب سے بھی ربط تھا۔ ان مشاغل اور بے حساب محنت، پھر ہر ہر قدم پر انگریزوں کی دشمنی نے دماغی تعطل سے دوچار کیا۔ ڈاکٹر لائٹنر نے قدم قدم پر کانٹے بچھائے اور وہ صبر کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ آخر ان کی محنت سے شہرت اور شہرت نے ۱۸۸۷ء میں شمس العلماء کا خطاب دلوایا۔ اسی کے ساتھ ساتھ لائٹنر نے جو ذہنی دکھ دیئے۔ اس سے وہ ۱۸۸۹ء میں حواس کھو بیٹھے اور کالج سے پنشن لے کر وہ ۱۸۵۷ء کی یاد میں پھر لاہور سے پیدل چل کھڑے ہوئے اور شہر بہ شہر اپنے حواس کو ڈھونڈھتے اور اپنی زندگی کو تلاش کرتے پھرے۔ وہ پٹیالے علی گڑھ اور دہلی تک پیدل گئے۔ وہ لاہور میں دس سال تک پیدل پھرتے رہے۔ وہ انگریزوں کی خود دشمنی کا شکار ہو گئے۔

روز عاشورہ ۱۳۲۸ھ۔ ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء کو لاہور کربلا گامے شاہ کی آغوش قبر میں ابدی نیند حاصل کر لی۔

محمد حسین آزاد لاہور کی علمی و ادبی سرگرمیوں کے بانی ہیں۔ وہ لاہور کی نئی نسل کے استاذ الاساتذہ ہیں۔ ان کے علمی کارنامے ہماری تاریخ میں بے مثال ہیں۔

کتب خانہ: مولانا آزاد نے دہلی میں اپنے والد کا امام باڑہ از سر نو خرید کر بنوایا۔ لاہور میں آزاد منزل تعمیر کی۔ آخری زمانے میں انہیں ایک شاندار کتب خانہ بنانے کی دھن تھی۔ دہلی دروازے کے باہر خود بیٹھ کر اس خواب کی تعبیر میں اعلیٰ درجے کی عمارت اور چھوٹا سا باغ بنوایا جسے لاہور میونسپلٹی نے لے لیا۔ آج کل اب تک وہ ریڈنگ روم موجود ہے۔ لیکن مولانا کی کتابوں کا قیمتی ذخیرہ کچھ ان کی علالت میں ضائع ہوا۔ کچھ مذکورہ لائبریری میں خرد برد ہوا جو کتابیں باقی تھیں وہ پنجاب یونیورسٹی کو دے دی گئیں۔ اس کے بعد بھی کئی سو کتابیں آغا محمد طاہر (دہلی) کے پاس رہیں۔ کچھ نوادر آغا محمد باقر صاحب کے پاس تھے، جس میں بچے کھچے خاندانی کاغذات اور مولانا کے تالیفات و مضامین کے مسودے ہیں۔ جن میں خاص اہمیت کی چیز آب حیات و دربار اکبری کا اصل مسودہ ہے۔ اور قصص ہند، وغیرہ کے نوٹ

اور بے شمار متفرق تحریریں میں نے دیکھی ہیں۔

اولاد: مولانا آزاد کی متعدد اولادیں ضائع ہوگئیں۔ ایک دختر رہ گئی تھیں۔ انھیں پڑھایا لکھایا اور اپنا بازو بنایا تھا لیکن وہ بھی کم سن بچّوں کو چھوڑ کر جوانی میں داغِ مفارقت دے گئیں۔

دوسرے فرزند آغا محمد ابراہیم تھے جو ان کے بعد زندہ رہے اور ان کی اولاد سے مولانا کا نام قائم ہوا۔ آغا محمد ابراہیم نے ۸ دسمبر ۱۹۲۰ء میں رحلت کی۔

تصانیف:

- آبِ حیات: اردو شاعری کا جائزہ اور مشاہیر کا تذکرہ طبع اول ۱۸۸۱ء
- دربارِ اکبری: برِ صغیر میں مسلمانوں کی سیاسی و علمی برتری کی دستاویز اور عہدِ اکبری کی زندہ و متحرک تصویر۔ طبع اول ۱۸۹۸ء
- نیرنگِ خیال: جدید نثر و انشائیہ کا مجموعہ۔ طبع اول ۱۸۸۰ء
- سخندانِ فارس: فارسی زبان و ادب پر فکر انگیز کتاب۔ طبع اول ۱۹۰۷ء
- نگارستانِ فارس: شعراءِ فارسی کا تذکرہ۔ طبع اول ۱۹۲۲ء
- تذکرۂ علماءِ ہند: چند علماء کے حالات۔ طبع اول -
- دیوانِ ذوق: استاد دوستی کا بے مثال کارنامہ۔ طبع اول ۱۸۹۰ء
- سنینِ اسلام: تاریخِ اسلام کا خاکہ۔ یہ کتاب ڈاکٹر لائٹنر کے نام سے چھپی۔
- نصیحت کا کرن پھول: لڑکیوں کے لئے طبع اول ۱۹۶۸ء؛ غالباً
- قصصِ ہند: حصّہ دوم خصوصاً، طبع اول ۱۸۷۲ء حصّہ اوّل میں پیارے لال نے بھی کام کیا۔
- نظمِ آزاد: نظموں کا مجموعہ۔ طبع ۱۸۹۷ء
- جامع القواعد: فارسی قواعد صرف و نحو پر اعلےٰ درجے کی کتاب۔ طبع اول۔ ۱۸۸۵ء
- لغتِ آزاد: طبع اول ۱۹۲۲ء
- قندِ پارسی: اس فارسی کتاب کا مسودہ ساتھ لے کر ۱۸۸۵ء میں ایران گئے تھے اور حاجی محمد نامی بزرگ سے اس پر اصلاح لی تھی۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔
- آموزگارِ فارسی: طبع اول ۱۸۸۷ء
- سیرِ ایران: سفرنامہ طبع اول؛
- خم کدۂ آزاد: بیاضِ اشعار۔ طبع اول۔ دہلی ۱۹۳۰ء
- ڈراما اکبر: طبع اول ۱۹۲۲ء
- مکتوباتِ آزاد: طبع اول ۱۹۰۷ء طبع ثانی باضافہ ۱۹۲۳ء اور ترتیب جدید و اضافہ و حواشی۔

- مقالاتِ آزاد۔ ترتیب آغا محمد باقر ۳ جلد، جلد اوّل طبع ۱۹۶۵ء، جلد دوم طبع ۱۹۶۸ء
- اُردو کی کچھ ابتدائی کتابیں جو تقریباً پچاس سال تک داخلِ درس رہیں۔
- فارسی کی ابتدائی کتابیں جو تقریباً ربع صدی تک داخلِ نصاب رہیں۔
- شہزادہ ابراہیم۔ طبع اوّل ۱۹۶۱ء • حکایاتِ آزاد۔ حصّہ دوم ۱۹۶۱ء
- سفر نامہ جنوبی ایشیا

بے شمار مقالات، نوٹ، حواشی اور رسائل جس کا سلسلہ جوشِ جنوں میں بھی جاری رہا ان میں سے چند چیزیں چھپ چکی ہیں۔ مثلاً :۔ ۱۔ جانورستان ۔ ۲۔ سیاک دماک ۔ ۳۔ فلسفۂ الٰہیات ۔

(محمد حسین آزاد۔ محمد اسلم فرخی • مکاتیب محمد حسین آزاد۔ مرتضیٰ حسین فاضل۔
تاریخ نظم و نثر اُردو۔ محمد باقر ایم اے • نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۲۳
دائرۃ المعارف الاسلامیۃ الشیعیۃ ج ۴، مقالہ اُردو)

آغا ابّو صاحب

۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء

والاجاہ، لکھنؤ کے بہت بڑے رئیس اور اس سے بڑے دینی عالم، مقدس، متقی، فقیہ و ادیب تھے۔ نواب والاجاہ صاحب کے ایک بیٹے تھے آغا ابّو صاحب۔ نواب سید محمد جعفر صاحب شمس آبادی کے قطعہ تاریخ سے آغا ابّو صاحب کی ولادت ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء میں قرار پاتی ہے۔ آغا ابّو صاحب کا اصلی نام، سید مہدی حسین موسوی۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ لکھنؤ محلہ سعادت گنج کے قریب ان کا موقوفہ مکان اور، امام باڑہ اب تک محفوظ ہے۔

نواب والاجاہ نے اپنے فرزند کو جید اساتذہ سے گھر پر تعلیم دلوائی اور نواب آغا ابّو مہدی حسین خان، عربی فارسی، زبان کے عالم اور فقہ و حدیث و طب و فلسفہ کے فاضل کی حیثیت سے ابھرے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ نے شہر کی ثقافت و سیاست کا ڈھانچہ بدل دیا اور جناب والاجاہ کا وسیع کتب خانہ، محل سرا، حلقہ درس و مذاکرہ درہم برہم ہوگیا۔ آغا ابّو صاحب لکھنؤ کی نئی زندگی میں عالم، عامل، بلند کردار، دین دار، رئیس نیک نام مانے گئے حکومت نے انہیں قیصرِ ہند اور "سی آئی ای" کے خطاب دیئے۔ ان کی بہادری، شہسواری اور اثر و اقتدار نے انگریز حکام کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ جب شاہی وقف کی دیکھ بھال کا انتظام ہوا تو آغا ابّو صاحب بھی ایک متولی مقرر ہوئے۔ آغا ابّو صاحب نے وقف، کی شرعی حیثیت کو بحال کیا اور سب سے بڑا کام ۱۸۹۲ء میں مدرسۂ شاہی کا احیا تھا۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ شاہی عمارتوں کے گرنے اور مدرسے کے ضائع ہونے کے بعد ہمیں

موزوں زمین اور مناسب عمارت بنانا ہوگی۔ حکومت نے اس مقصد کے لئے حکیم مہدی کے مقبرے کے پاس، بہت بڑی زمین دی جس پر ایک بہت عالی شان مدرسہ تعمیر ہوا۔ مدرسہ کا نام "سلطان المدارس، جامعۂ سلطانیہ" رکھا۔ مدرسے کے اخراجات وقف حسین آباد اور خود آغا ابّو صاحب کے وقف سے پورے ہوتے تھے۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۴۰ء تک مدرسہ کی دیکھ بھال باغ اور فرش فروش خادم اور طلباء و مدرسین کے قیام و طعام کا معیار اس عہد کے تمام مدارس دینیہ سے بلند تھا۔

آغا ابّو صاحب نے اپنا قیمتی کتب خانہ بھی مدرسے کو دے دیا تھا، اس کتب خانے میں تفسیر و حدیث، فقہ و عقائد جیسے علوم پر کئی ہزار کتابیں تھیں۔

آغا صاحب کی تاریخ وفات ہے۔ سہ شنبہ ۱۸ رجب ۱۳۳۶ھ / ۳۰ اپریل ۱۹۱۷ء مرحوم کی سیرت و شخصیت پر محمد جعفر صاحب کے دیوان دفتر تاریخ جلد ہفتم سے قطعۂ تاریخ بہت کارآمد ہے اس میں ان کے کمالات بے کم و کاست نظم ہیں۔

شیوا کلام، فکر تخلص، بلند فکر — والامقام، زائر شاہان انس و جان
جرّار، شہسوار، بیاسی برس کا سن — ضیغم شکار، آل رسول فلک مکاں
عالم، فقیہ، مومن کامل، مطیع شرع — دانا، فہیم، عاقل و فرزانۂ جہاں
"سی آئی ای" خطاب، رئیسوں میں انتخاب — قیصر کے خیر خواہ، خلائق پہ مہرباں
مشہور آغا صاحب و ابّو تھے خلق میں — قانع، غنی، جواد، سخی، حاتم زماں
نسل جناب موسیٰ کاظمؑ، بزرگ عہد — ذی حوصلہ، دلیر، ضعیفی میں نوجواں
اس سال لکھنؤ کے وہ نواب نامدار — اٹھارہویں رجب کو ہوئے خلد آشیاں
حوروں نے پہلوؤں میں جگہ دی، خوشی خوشی — محبوب دل ارم میں ہیں مہدی حسین خاں
تم بھی تو موسوی ہو نہ کیوں رنج ہو تمہیں — جعفر یہ درد ہجر ہے جاں کاہ و جاں ستاں

اپریل ماہ و سی ام سہ شنبہ صبح گاہ
رفتہ ز دار فانی آغائے ما حق آگاہ
تاریخ انتقالش جعفر چنیں بگفتیم
سیّد ز آل کاظمؑ، مہدی حسین خاں، آہ

۱۹۱۷ء

آغا ابّو صاحب بانی مدرسۂ سلطان المدارس کا یہ تذکرہ ان کے تالیفات کی فہرست سے خالی رہتا اور یہ

انکو کربات ختم ہوجانی کردہ فارسی، عربی و اردو کے شاعر تھے۔ اتفاقاً ہمیں ایک پرانی مطبوعہ کتاب مل گئی جس کا نام ہے "بغیۃ الطلاب" اس کے مؤلف مولانا سید حیدر علی صاحب نے نواب آغا ابو صاحب کی ایک عربی عبارت چھاپی ہے اور آخر عبارت میں ان کا تعارف، جسے ہم نے مقدم و مؤخر کردیا ہے۔ یہ عبارت ایک ادبی تحفہ بھی ہے اور ایک محسن ملت کی یادگار بھی:

"صورة ماکتبه مقرظا علی هذه الرسالة الیف النبالة والجلالة، عمدة الامراء العظام، قدوة الرؤساء الفخام، ولی الجاه والجلال، نخبة ارباب النوال، ذوالفطرة الزکیة، والقریحة الذکیة۔ وارث المجد کابرا عن کابر، مرجع الاعاظم والاکابر، الفاضل العدیم النظیر والعالم الحبر الخبیر الامیر بن الامیر، حلیف الخیر الکثیر، جناب السید مهدی حسین المشتهر بآقا ابوصاحب وقاه الله المصائب والمصاعب، ولازال بابه الرفیع مناخا لمطایا الامال ومحط رحال الرجال"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی خلق العالمین وبعث منهم الانبیاء والمرسلین للمطیعین والمنذرین للمنکرین۔ والصلوة والسلام علی خیر خلقه ومظهر لطفه۔ ختام الرسل والنبیین افضل الخلق اجمعین الذی ارسله الله رحمة للعالمین وشفیع المذنبین ومؤیدا بالروح الامین فی تبلیغ احکام

لہ امجد علی شاہ اودھ نے ۱۸۴۵ء سے پہلے پرانے مدرسے کو نئے انداز میں قائم کیا۔ نواب جنت آرامگاہ سعادت علی خاں کے شاندار مقبرے کی وسیع عمارت میں مولانا میر احمد علی و مفتی محمد عباس و مولانا حامد حسین، مولانا شیخ علی اظہر، مولانا مرزا محمد علی جیسے علماء و مدرسین استاد مقرر کئے گئے۔ بیس استاد تھے۔ ان کی تنخواہ، سو، ستر، تمیں، چالیس اور بیس روپے تک تھی۔ طلبہ کے وظائف نو، چھ اور چار روپیہ ماہانہ۔

بادشاہ خود مدرسے آتے اور اپنے باورچی خانے سے طرح طرح کی نعمتیں بھجواتے تھے۔ قبلہ و کعبہ، سلطان العلماء سید محمد صاحب اس کے سرپرست تھے۔ ۱۸۵۷ء میں مدرسہ بند ہوگیا، ۱۸۹۲ء میں نواب آغا ابو صاحب نے اس مدرسے کو جامع مسجد آصف الدولہ میں بحال کیا جس کے شیخ الجامعہ مولانا ابوالحسن صاحب قبلہ (متوفی ۱۸۹۵ء) ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں مدرسہ کی جدید عمارت کی تعمیر شروع ہوئی اور ۱۲ مارچ ۱۹۱۲ء کو مدرسہ موجودہ عمارت میں منتقل ہوا۔

میں نے ۱۹۴۷ء میں اپنے تعلیمی مراحل طے کیے۔ مدرسے کی سند کا نام صدر الافاضل ہے جس میں الکافی، رسائل، مکاسب شرح کبیر کا درس ہوتا ہے۔

الدین وعلی سید الوصیین وصالح المومنین وقائد الغر المحجلین وعلی آلهما البررة المهدیین الذین طهر الله للاذعان بهم المومنین ونجس لانکارهم الکافرین۔ اما بعد

فہذہ الرسالة الشریفہ والعجالة العجیبة والوجیزة الرشیقہ والعلالة الغریبہ وجدنہا معدنا لدرر الفرائد ومخزنا للجواهر الخرائد جامعة لتحقیقات المتقدمین حاویة لتدقیقات المتاخرین کافیة لدفع الشبہات فارقة بین المشتبہات موصلة الی الصواب علی نہج عجاب۔ حریة بان تطبع باحسن الاسلوب علی صفائح القلوب۔ لم یر مثلہا عین الزمان ولم یقف علی عدیلہا الدوران مطالبہا خیرات حسان، لم یطمثہن قبل مولفہا انس ولا جان۔ مفیدة لکل طالب مستفید ومرشدة لکل راغب رشید الفاظہا حدیقة للناظرین ومعانیہا غنیة للطالبین۔ کیف لا وقد الفہا الماہر العریف صاحب التصنیف والتالیف نخبة العلماء الاعیان صفوة کملاء الدوران العالم العامل والورع الکامل الغائص فی بحار العلوم الذی ہو بین الامثال کالشمس بین النجوم اضاءت بانوار افاداتہ الامصار و شاع فیضہ فی الاطراف والاقطار۔ ذو القریحة القدسیہ والسلیقہ القدسیة الفاضل الشہیر الفائق فی التقریر والتحریر وحید العصر فرید الدہر المتوج بتیجان العز والرشاد المکتسی باکسیة الصلاح والسداد المالک لازمة المعقول والمنقول۔ المقتطف ثمرات الفضائل من الفروع والاصول زبدة المدرسین فخر المعاصرین تقریرہ العالی ینشط الاذان وتحریرہ العالی یطرب الاذہان۔ الادیب الکامل فخر الاماجد والاماثل رافع لواء التدقیق حامل عرش التحقیق فللّٰہ رایہ الصائب و ذکائہ الثاقب وہو الرفیع مکانا والعظیم شانا المولی الالمعی السید السند اللوذعی المولوی السید حیدر علی ایدہ اللہ المولی القوی وصانہ عن شر کل غوی وغبی بحرمة النبی المکی المدنی العربی۔ ہذا وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوة علی سید المرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین۔

سیّد آغا

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء

مولانا سید آغا فرزند زین العابدین صاحب الٰہ آبادی عالم و فاضل خطیب و پیش نماز و مصنف، بزرگ تھے۔ علمائے لکھنؤ سے تلمذ تھا، جناب ملاذ العلما سید بچھن صاحب آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔

۱۸۸۸ء میں آپ کی شہرت نقطۂ عروج کو پہنچ گئی، شہرت کا سبب یہ ہوا کہ حاجی سید محمد آغا نے جون ۱۸۸۷ء میں اپنی زمین پر مسجد بنوائی، محراب مسجد پر جو پتھر لگایا اس پر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلافصل" کندہ تھا اور مسجد میں جو اذان ہوتی تھی اس میں بھی یہ جملہ کہا جاتا تھا۔

مولوی محمد نامی ایک صاحب نے مقدمہ دائر کیا کہ ۱۳ رمضان ۱۳۰۴ھ ۱۴ جون ۱۸۸۷ء کو مسجد میں "خلیفتہ بلافصل" کہا گیا۔ حکومت مسجد کے کتبہ اور اذان سے یہ فقرہ نکلوا دے اور شیعوں کو یہ کلمہ لکھنے اور کہنے سے منع کرے۔ مقدمے نے بڑی شہرت پائی۔ مولانا سید آغا صاحب مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے اور آپ ہی کی سعی و بحث سے ۱۳ دسمبر ۱۸۹۰ء کو جسٹس لیبٹ صاحب نے مدعی کے خلاف فیصلہ[1] اور ہائی کورٹ نے ہرجہ خرچہ مدعی کے ذمے واجب الادا قرار دیا۔ اس فتح میں جناب مولانا سید آغا صاحب کی ذہانت اور علمی برتری کا حصہ سب سے زیادہ رہا۔

مولانا سید آغا صاحب نے ۴ شوال ۱۳۲۱ھ کو تخمیناً ستر برس کی عمر میں دنیا کو خیرباد کہا۔

تصانیف: • الحقیقۃ الخلافت۔ اس کے مطالعے سے بہت سے سنی شیعہ ہوئے (مطبوعہ)
• تقریر اللبابتین۔ مباحثۂ ممیز الدین و تمیز الدین (مطبوعہ)،
• اساس الایمان۔ (مطبوعہ) (بے بہا، ص ۳۶)

آغا امجد علی خان:

۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء

مدراس قدیم زمانے سے شیعوں کا معزز آباد علاقہ تھا۔ ماضی قریب کے علماء میں مولانا آغا امجد علی خان صاحب بڑے فقیہ باثر عالمِ دین اور قاضی القضاۃ تھے۔

---

[1] ۹ جون ۱۹۷۶ء کو اسی قسم کا مقدمہ لاہور کے ہائی کورٹ میں فیصلہ ہوا اور جسٹس سردار اقبال صاحب نے مدعی کے خلاف فیصلہ لکھ کر شیعوں کو اس کلمہ کے کہنے کی ممانعت کی درخواست مسترد کر دی۔

~~اس مقدمہ میں جناب سید افضل حیدر صاحب ایڈووکیٹ نے غیر معمولی محنت فرمائی جزاہ اللہ۔~~

مدراس کے آستانۂ حضرت عباسؑ کی تولیت بھی آپ کے سپرد تھی۔ ماہنامۂ اصلاح کھجوا کے شمارہ شعبان ۱۳۴۰ھ میں مولانا کی تاریخ وفات ۲۰ مارچ ۱۹۲۲ء بتائی گئی ہے۔

فرزند: مولانا غلام محمد مہدی صاحب قبلہ بھی علما میں تھے۔

آغا پویا

حدود ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء
۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا آغا پویا حسن کا نام مرزا مہدی تھا۔ انکے والد حاجی محمد محسن معروف بحاجی میرزا آقا تھے۔ مولانا ۵ شعبان ۱۳۱۴ھ کو یزد میں پیدا ہوئے عظیم عالم و مفکر اور غیر معمولی جاذب قلب و نظر شخصیت کے مالک تھے۔ آپ آقای نائینی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے۔ فقہ و اصول حدیث و تفسیر اور فلسفہ جدید و قدیم کے واقعی علامہ تھے۔ آپ نے عراق کی جنگ آزادی میں حصہ لیا اور علامہ کاشانی، ہبۃ الدین شہرستانی کی سطح پر عزت پائی، طویل مدت تک میسور یونیورسٹی و رام پور میں دینی خدمات میں سرگرم عمل رہے۔

قیام پاکستان سے پہلے کراچی تشریف لائے اور یہاں تبلیغی مہم جاری کی۔ آپ کی محفل جدید الذہن جوانوں کا جمن تھی جنئے سے نئے مسئلے پر بات ہوتی اور دین و فلسفے کی روشنی میں نئی نسل کو دین کا گرویدہ کرتے تھے۔ جوانوں کو ان سے محبت تھی۔ تمام علما ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ وہ خود عالمانہ لباس، عالمانہ آداب اور مقدس زندگی کے پابند تھے۔ اعلیٰ درجے کی تجارت تھی لیکن امور تجارت معاملات دین میں رکاوٹ نہ تھے۔ انہوں نے فارسی اور انگریزی میں بہت کچھ قلمبند کیا، عقائد و تعارف، مذہب، ضرورت دین پر اہم کتابیں تصنیف کیں خصوصیت سے تفسیر قرآن مجید انگریزی میں ان کے حواشی اور اصلاحات ایک بہت بڑا کارنامہ ہے یہ تفسیر مع متن قرآن مجید حبیب برادرز کی طرف سے بڑی شاندار طباعت کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے۔

مولانا نے ۱۷ جولائی ۱۹۷۳ء ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ کراچی میں رحلت فرمائی اور باغ خراسان میں آسودۂ لحد ہوئے۔

آغا علی شمس : دیکھیے محمد علی حسن

آغا محمد

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء
حدود ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

جناب مولوی آغا محمد صاحب عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ تحصیل علم کے لئے موصوف نے بہت سفر کئے بنارس میں مولانا گلشن علی صاحب (متوفی ۱۲۹۱ھ) سے پڑھا۔ پھر لکھنؤ جاکر علوم دین کی سند لی۔ صاحب گنج گیا (ہند) میں مولوی غلام حسین بنارسی سے حساب و جغرافیہ ہیئت و اقلیدس پڑھی۔ ماجہ پیارے لال سے حساب اور راجہ منوہر لال سے اقلیدس اور شرح ملاصدرا کا درس لیا۔ فلسفہ و منطق کے علاوہ فقہ سے بھی غیر معمولی شغف تھا۔

مولانا آغا محمد صاحب بڑے ذہین و ذکی، عابد و زاہد، قانع و متوکل بزرگ تھے۔
تیرھویں صدی کے نویں عشرے میں پچاس برس کی عمر میں وفات پائی۔
شاگرد: • مرزا جان (بے بہا ص ۲۳)

آفتاب حسین دہلوی

حدود ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء
۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۴ء

سید آفتاب حسین بن سید غازی الدین حسن صاحب

پیتن ہیڑی ضلع بجنور کے باوقار زمینداروں میں تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم میراں پور اور منصبیہ میرٹھ میں حاصل کی۔ لاہور سے مولوی فاضل کا امتحان دیا اور تمام پنجاب میں اول آئے۔
دہلی عربک ہائی اسکول مین السنۂ شرقیہ کے مدرس اول اور فقہ کے استاد رہے اور بڑی عزت حاصل کی۔
بہت ذہین و ذکی بزرگ تھے۔ مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ علم و فضل کے ساتھ ساتھ انتہائی با اخلاق و سادہ مزاج تھے۔
ذاکری میں ایک خاص طرز بیان کے موجد تھے۔ سنی اور غیر مسلم لوگ بھی آپ کی تقریر بے حد پسند کرتے تھے۔
دہلی میں مذہب حقہ کی تبلیغ اور شیعوں کی تنظیم و ترقی کے لئے بڑی محنت اور کامیاب کوششیں کیں۔ دہلی کی امامت جمعہ و جماعت آپ سے متعلق تھی۔
نواب حامد علی خاں کی مدد سے ایک مدرسہ دینیہ قائم کیا۔ دہلی کے اسی مصلح نے شیعۃ الصفا نامی انجمن قائم کی تھی۔
۱۳۲۱ھ دہلی میں انتقال فرمایا اور جناب مرزا محمد کامل صاحب کی قبر کے سرہانے پنجہ شریف میں دفن ہوئے
اولاد: • سید محمد دہلوی۔ مشہور واعظ و خطیب آل محمد۔ • بابو سید حسن۔ انگریزی تعلیم حاصل کی، ٹیلیفون کے محکمے میں ملازم اور لاہور میں مقیم رہے۔ ۱۹۶۶ء میں یہیں فوت ہوئے۔
شاگرد: • حکیم حاجی مقبول احمد صاحب کو آپ ہی نے شیعہ کیا۔ موصوف اکثر منبر پر فخر کرتے تھے کہ مولوی آفتاب حسین کا شاگرد اور ان کے اسلوب پر بولتا ہوں۔ • احمد کبیر صاحب۔ شاہ آباد ضلع کرنال کے مشہور عابد عارف تھے۔ جنگل میں عبادت کرتے اور یادِ خدا میں مصروف رہتے تھے۔ (تذکرہ بے بہا ص ۱۴۲)

آقا حسن (قدوۃ العلما)

۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء
۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء

قدوۃ العلما مولانا آقا حسن صاحب بن سید کلب حسین صاحب کے جد بزرگوار مولوی سید محمد یوسف صاحب

محمد بہادر شاہ، سلطان دہلی کے استاد تھے۔ بادشاہ نے ضلع بریلی میں کچھ گاؤں نذر کیے تھے۔ ان محمد یوسف صاحب کے اخلاف میں ولی محمد حسین صاحب نصیر آبادی مجتہد مانے جاتے تھے۔ ولی محمد حسین کے فرزند سید کلب حسین کے بیٹے سید آقا حسن ۲۶ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی کتب صرف و نحو و منطق و فقہ و ادب مولوی سبط محمد ابن خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ سے اور کتب معقول و منقول و فقہ و اصول کی تکمیل جناب میر آغا صاحب اور جناب علن صاحب سے کی۔ عراق میں جناب شیخ محمد حسین مازندرانی (۱۳۰۷ھ) و جناب شیخ زین العابدین حائری و جناب شیخ محمد حسین مامقانی جناب مرزا محمد حسین شہرستانی کربلائی (۱۳۱۱ھ) سے استفادہ و اجازات لے کر درجۂ فقاہت حاصل کیا۔ ۱۳۱۲ھ میں جناب عماد العلماء میر آغا صاحب نے اجازہ مرحمت فرمایا۔ مولانا آقا حسن صاحب فقیر منش، سادہ مزاج، جفاکش، پرہیزگار اور بے تکلف عالم تھے۔ طلباء سے محبت فرماتے تھے۔ ہیئت میں مدرس کامل سمجھے جاتے تھے۔

قومی فلاح و بہبود: مولانا بڑے فعال، بیدار مغز اور اصلاح پسند تھے۔ وہ بے حد مصروف تھے مثلاً: مسجد آصف الدولہ میں نماز جمعہ و عیدین۔ نواب میر اصغر حسین صاحب (زرعی) کے ممبر تھے۔ ۱۹۰۹ء وقف فخر الدین حسین صاحب کے مختار تھے۔ پورے ملک سے مسائل کی دریافت و سوال و جواب۔ اس کے باوجود انہوں نے ملک گیر قومی ترقی کے لئے، قومی حقوق و فرائض کا جائزہ لینے اور جدید رجحانات سے ہم آہنگ ہونے کی خاطر:

- ۱۳۱۹ھ میں انجمن صدر الصدور قائم کی جو ۱۳۲۳ھ میں "آل انڈیا شیعہ کانفرنس" کے نام سے موسوم ہوئی۔
- شیعہ کالج کی تجویز و تحریک۔
- مدرسۂ جعفریہ دینی و دنیاوی تعلیم کا انتظام تھا۔ عربی، دینیات، انگریزی و صنعت و حرفت اور دست کاری کی تعلیم کا انتظام تھا۔
- ۲۷ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ انجمن یادگار علماء قائم کی جس نے منجملہ متعدد خدمات کے مذہبی نادر کتابیں بھی شائع کیں۔
- ۱۳۲۶ھ میں شیعہ سنی فسادات کے موقع پر آپ نے اپنے وقار و تدبر سے معاملات سنبھالے۔
- ۱۳۳۷ھ شیعہ بیت المال قائم کیا۔ اس ادارے میں علم کے ساتھ ہنر کی تعلیم دی جاتی تھی۔

حج: مولانا سید آقا حسن صاحب نے عراق کے دو سفر طلب علم و زیارت کے لئے پہلے کیے تھے۔ ۱۳۴۴ھ میں خشکی کے راستے مشہد مقدس و کربلا و نجف و کاظمین ہوتے ہوئے حج و زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہو کر ۱۳۴۶ھ میں وطن واپس آئے۔

وفات: جناب قدوۃ العلماء نے پنجشنبہ ۱۲ ستمبر ۱۹۲۹ء مطابق ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ کو رحلت فرمائی اور حسینیہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔

تصانیف: • رسالہ حرمان الزوجۃ عن العقار (فقہ استدلالی، عربی) • رسالہ غسل واجب لنفسہ ہے یا واجب لغیرہ۔ • ترجمہ عماد الاسلام نامکمل • فتاویٰ • حواشی و اضافہ بر تحفۃ العوام • تفسیر قرآن مجید نامکمل۔ معالم اور اخبار الناطق میں مضامین۔

اولاد: خداوند عالم نے بائیس اولادیں عطا کیں جن میں مولانا کلب حسین صاحب (متوفی ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۳ء) نے عظمت و شہرت کا کمال پایا۔ (نزہۃ ج ۸ سنہ ۔ وفات ۱۳۴۷ھ غلط ہے • بے بہا ص ۸۵)

سید آل احمد بلگرامی:

۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء

مولانا سید آل احمد کا بلگرام سے تعلق تھا، لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ فقہ کے فاضل عابد و زاہد بزرگوار تھے ظہیر المومنین کے نام سے جناب مولانا میر آغا محمد مصطفےٰ صاحب۔ جناب سید ابراہیم صاحب، جناب سید بندہ حسین صاحب رحمہم اللہ کے بارہ سواڑتیس فتوے جمع کیے تھے۔ یہ کتاب اردو میں چھپ چکی ہے۔

حاجی آل محمد:

۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۹ء
حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

روسائے امروہہ میں حاجی اصغر حسین کے فرزند آل محمد صاحب بھی ایک زمیندار اور عالم بزرگ گذرے ہیں، امروہہ اور لکھنؤ اور نجف و کربلا کے علماء سے پڑھنے کے بعد خدمتِ دین بجالاتے رہے۔ گورنر کے دربار میں کرسی تھی۔ امروہے کی میونسپلٹی کے ممبر بھی تھے۔

۱۲۹۸ھ میں اپنے والد کے ساتھ زیارات اور ۱۳۰۰ھ میں حج اور ۱۳۲۴ھ میں دوبارہ زیارات سے مشرف ہوئے عربی، فارسی، اردو ادب پر قدرت کاملہ حاصل تھی۔ قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ عبقات الانوار پر عربی۔ فارسی آمیز (ترصیع) میں تقریظ لکھی جناب شیخ محمد مازندرانی کو بے نقطہ خط اور بے الف خطبہ لکھا تو موصوف نے داد دی اور تعریف کی۔ مولانا آل محمد صاحب ۷ شوال ۱۲۳۴ھ میں پیدا اور ۱۳۲۵ھ کے قریب فوت ہوئے۔

تصانیف: ۱۔ سبحۃ الجواہر (احوال علماء) ۲۔ طعن المنصول (واقعہ حضرت عثمانؓ) ۳۔ دافع الشکوک والدولہ (امامت) ۴۔ مثنوی نان خشک فارسی و عربی۔ ۵۔ حلیۃ الاولیاء در بحث متعۃ النساء ۶۔ القام الاحجار فی افواہ الاشرار (رد اعتراض بر عزائے امام) ۷۔ زاویۃ معاویہ (در مطاعن معاویہ) ۸۔ گلزار جنت تصویر کربلا، واقعاتِ کربلا۔ ۹۔ سہر سید الہموم فی جواز البکاء علی الحسین المظلوم۔ ۱۰۔ ذرہ ظہوار در احوال نورِ رسول مختارؐ۔ ۱۱۔ مثنوی سبعہ سیارہ در معجزات جناب امیرؑ۔ ۱۲۔ دستور الخیول در علاج اسپاں ۱۳۔ غضب البتول۔ ۱۴۔ درۃ البیضا فی اثبات حق فاطمۃ الزہراء (اردو) ۱۵۔ تفسیر بعض آیات قرآن۔

۱۶۔ نتائج فکریہ (در ابطال خلافت)۔ ۱۷۔ دوغانہ شاہد (در نفی عروسی قاسم)۔ ۱۸۔ الدرالمغنی (اصول دین ب)
۱۹۔ بیان حاسم در نفی عروسی قاسم۔

(۱) ابرار حسین پاروی

حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۳ء
۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

مولانا سید ابرار حسین پارہ ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسۂ ناظمیہ کے ممتاز الافاضل تھے۔ بڑے فاضل، اعلےٰ درجہ کے خطیب۔ مرنجان مرنج، خوش مزاج، خوش پوش اور خوش باش پچاس، باون برس کی عمر تھی کہ لکھنؤ کٹرۂ ابوتراب خان میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ مدرسۂ ناظمیہ میں پڑھائے جاتے تھے۔ اس سے پہلے مدرسۂ سلیمانیہ پٹنہ میں مدرس تھے۔ وہاں سے مدرسۂ ناظمیہ بلائے گئے اور مولانا لکھنؤ کا سب سے بڑا عشرۂ مجالس جو مولانا سبط حسن صاحب قبلہ پڑھا کرتے تھے۔ وہ مولانا پڑھنے لگے۔ اور پورا شہر ان کی عزت کرنے لگا۔ دُور دُور تک شہرت ہوگئی، مولانا نے درس وخطابت کے علاوہ متعدد مقالات ومضامین بھی لکھے۔ آخر ۱۴ر نومبر ۱۹۵۵ء مطابق ۲۷ر ربیع الاول ۱۳۷۵ھ حیدرآباد دکن میں وفات پائی۔
مطیر لکھنوی نے قطعۂ تاریخ کہا۔

حیف در عالم غربت اجل آمد او را — حیدرآباد شدہ مدفنِ ابرار حسین
قول رضواں پئے تاریخ وفات است مطیر — شد بہ گلزار جناں مسکن ابرار حسین

۱۳۷۵ھ

ملّا ابراہیم لاہوری

حدود ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء

جناب ملا ابراہیم صاحب عالم وزاہد، فقیہ ومحدث بزرگ تھے، مرزا محسن فانی کشمیری ۱۰۵۰ھ میں ملے اس وقت لاہور میں دو عالم اور بھی تھے۔ ملا محمد معصوم صاحب اور ملا محمد مومن تونی۔ لیکن ملا محمد ابراہیم صاحب متشدد قسم کے آدمی تھے۔ وہ اہلِ سنت کے ہاتھ کی چیز کھانے سے احتیاط فرماتے تھے کہ یہ حضرات ہنود کو نجس نہیں جانتے ان سے خرید کر نجس چیز بیچتے ہیں۔ (دبستان مذاہب۔ ص ۲۱۸۔ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)

ابراہیم خان نواب

۱۱۲۱ھ / ۱۷۰۹ء

نواب مردان علی خان امیرالامرا کے فرزند نواب ابراہیم خان تھے۔ ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۳ء میں شاہجہان نے "خان" کا خطاب دیا۔ اور علی مردان کی وفات ۱۰۶۸ھ کے بعد چار ہزاری ذات اور تین ہزار سوار کا منصب پایا۔

۱۰۷۲ھ میں عالمگیر نے کشمیر کی گورنری عطا کی۔ ابراہیم خان کے زمانے میں کشمیر کے اہل سنت نے شیعوں کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ ابراہیم خان نے شیعوں کی مدد کی خلیل اللہ خان کی وفات پر عالمگیر نے اسے لاہور، پھر بہار بدل دیا۔ لیکن ۱۰۸۹ھ میں پھر کشمیر بھیجنا پڑا۔ اس مرتبہ آٹھ سال تک وہاں کے ضبط و نظم اور تعمیر و ترقی میں بہت سعی کی۔ لیکن پھر وہی شیعہ سنی جھگڑا ہو گیا۔ عالمگیر نے ۱۰۹۷ھ میں بنگالہ کا گورنر نامزد کر کے کشمیر سے طلب کر لیا۔ بنگالے کے بعد الٰہ آباد اور تیسری مرتبہ پھر کشمیر گئے (۱۱۱۳ھ) پانچ سال بعد گجرات بھیجے گئے۔ گجرات میں کامیابی کے ساتھ صوبہ داری کرنے کے بعد کابل کا صوبہ عطا ہوا۔ اسی عہد میں شاہ عالم ابن عالمگیر نے "علی مردان خان" لقب مرحمت کیا۔ وہ پشاور میں رہنے کے بعد اپنے وطن ابراہیم آباد "سودھرہ" لاہور سے تیس کوس کے فاصلے پر آن کر مقیم ہوا۔

ابراہیم خان نے سودھرہ (ضلع گوجرانوالہ) میں باغ و محل سرا بنائی اور نئی بستی کا نام ابراہیم آباد رکھا۔

ابراہیم خان نے عہد ۱۱۲۱ھ میں رحلت کی۔

ابراہیم خان بڑا مدبر، منتظم، خوش اخلاق، راسخ العقیدہ سخی اور عالم و ادیب تھا۔ اس نے متعدد باغات عمارتیں اور مسجدیں تعمیر کیں۔

اولاد: زبردست خان۔ یعقوب خان۔

تصانیف: بیاض ابراہیمی سات جلد۔ جلد اول و ثانی و ثالث خلافت راشدہ تک جلد چہارم عہد حضرت ام المومنین عائشہ، جلد پنجم عہد معاویہ جلد ششم امامت حضرت علیؑ و حسنینؑ و دیگر ائمہ۔ جلد ہفتم فروع دین و فقہ بیاض ابراہیمی کی جلدیں بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔ یہ کتاب نواب ابراہیم خان کی سرپرستی میں مرتب ہوئی وہ خود بھی حصہ لیتے رہے ہوں گے۔ (• نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳، ترجمہ۔ مآثر الامراء ا ص ۲۸۸
• فہرست کتب خانہ آصفیہ)

ابنِ حسن، شمس العلماء

۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء
۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء

میر حسن رضا جائسی کے فرزند مولانا ابن حسن صاحب لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سنہ ولادت ۱۲۹۱ھ ہے۔ مولانا لطف حسین نحوی۔ مولانا سید علی نقی صاحب مدرس کیننگ کالج مولانا سید حسین ساکن محلہ احاطہ کمال جمال مولانا سید بچھن صاحب۔ مولانا سید علن صاحب سے علوم و فنون حاصل کیے۔ اور جناب بحر العلوم سے قبل سفر عراق اجازہ اجتہاد لیا۔

۱۹۰۹ء میں عراق گئے وہاں نجف و کربلا کے جن شیوخ کے درس میں شرکت کی ان میں چند نامور حضرات یہ ہیں:
آقای سید محمد باقر صاحب (کربلا)
آقای سید کاظم طباطبائی۔ نجف و آقای آخوند ملا محمد کاظم خراسانی، آقای آغا شریعت اصفہانی۔ کچھ عرصے تک

سامرے میں بھی رہے۔ فراغت کے بعد مذکورۂ بالا علماء کے علاوہ آقای الحاج شیخ حسین مازندرانی اور آقای سید علی آل کاشف الغطا اور آقای سید مصطفےٰ کاشی نے اجازہ ہائے اجتہاد دیئے۔

حکومت برطانیہ نے حجۃ الاسلام مولانا محمد باقر صاحب کی جگہ خیرات اودھ کے کئی ہزار روپے سال کی تقسیم کا مہتم قرار دیا، سلاطین و بیگمات اودھ نے بیش قرار روپیہ ماہوار عراق کے مقاماتِ مقدسہ کی تقسیم کے لئے وقف کیا ہے۔

انگریزوں اور ترکوں کی جنگ میں بڑی تکلیفیں اٹھا کر بلائے معلیٰ سے تین ماہ میں بصرے آئے اور رجب ۱۳۳۵ھ لکھنؤ پہنچے۔

مولانا ابن حسن صاحب شمس العلماء کے لقب سے پہچانے جاتے تھے۔ بہت وجیہہ، خوش پوش، بادقار بزرگ تھے۔ ورزش کا شوق تھا۔ فنونِ حرب سے باخبر تھے اس لئے جسم مضبوط اور سڈول تھا۔ بہت خوش آواز تھے۔ اس وجہ سے ان کی تقریر میں ایک خاص کشش تھی، ملا باذل کی طویل مثنوی حملۂ حیدری کے اشعار پڑھتے تو لوگ وجد کرتے تھے جنگ پڑھتے وقت تیور اور پینترے یوں بتاتے تھے جیسے جنگ ہو رہی ہے۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مدت تک فقہ و اصول پڑھاتے رہے۔ درس گھر ہی پر ہوتا تھا۔ میں نے جناب مرحوم کو دیکھا ہے بلکہ شرائع الاسلام کا ایک سبق تبرکاً پڑھا بھی ہے۔

باذل

۲۶ شعبان ۱۳۶۸ھ لکھنؤ میں وفات پائی۔

مولانا قائم مہدی صاحب قبلہ آپ کے فرزند اور جانشین ہیں۔

تصانیف: • الرای السدید فی مسائل الاجتہاد والتقلید (مطبوعہ، عربی)

- الامام الراتب (مطبوعہ اُردو) • ارث الخیار (استدلالی رسالہ) • فضائل و مصائب اہل بیتؑ دو جلد
- حاشیہ بر رسائل شیخ، مفصل • نہایۃ الاصول فی حاشیۃ کفایۃ الاصول دو مجلد ضخیم
- رسالہ ترابیہ (استدلال) (بے بہا۔ ص ۶۳)

ابنِ حسن جارچوی : ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

علامہ ابن حسن جارچوی بن سید مہدی حسن رضوی۔ جارچہ ضلع بلند شہر میں بتاریخ ۴ محرم ۱۳۲۲ھ ۳۱ مارچ ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے ہوئے تو والد نے رحلت کی اور نانا نے تعلیم و تربیت کا بوجھ اٹھایا۔ بولا مدت تک اپنے بہنوئی مولوی شبیر حسین صاحب کے پاس میر پور بھٹورو ضلع ٹھٹھہ سندھ میں رہے۔ انھوں نے رام پور اور اورنٹیل کالج لاہور سے مولوی فاضل و منشی فاضل، میرٹھ سے انٹرنس، لاہور سے ایف اے، بی اے، ایم اے اور ایم او ایل کیا۔ ۱۹۳۲ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی ٹی کی سندلی۔

۱۹۲۰ سے ۱۹۳۰ء تک وہ سندھ، پنجاب اور دہلی میں اپنی تقریر و تحریر کی وجہ سے مشہور ہو چکے تھے۔ میں نے ان کی تصویر دیکھی ہے جس میں عمامہ و عبا میں ملبوس ہیں۔ ان دنوں میں وہ سندھ میں پیش نماز و خطیب تھے۔
۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء تک وہ جامعہ ملیہ میں رہے۔ ۱۹۳۸ء میں راجہ صاحب محمد امیر احمد خان آف محمود آباد نے بلالیا۔ مولانا لکھنؤ میں علمی اور جدید فلسفی حلقے کے سربراہ رہے۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۱ء تک شیعہ کالج کے پرنسپل رہے اس درمیان وہ شیعہ وقف بورڈ، لکھنؤ یونیورسٹی، دارالتالیف محمود آباد، شیعہ کانفرنس اور تمام قومی اداروں کے رکن رہے
۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک مہینے میں ایک دو مرتبہ میری ان کی ملاقات عموماً ہوتی رہی۔ میں امیرالدولہ پبلک لائبریری جاتا تھا۔ لائبریری کے متصل وہ راجہ صاحب محمود آباد کی ایک کوٹھی میں رہتے تھے۔ میں آتے جاتے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اور ان کے سیاسی، فلسفی، تاریخی اور جدید مسائل پر تازہ مطالعے سے مستفید ہوتا تھا۔
وہ ان دنوں کمیونزم، اور جدید فلسفۂ حکومت پر بہت عمیق مطالعہ کرنے کے بعد محمدؐ و آلِ محمدؐ کی تعلیم اور اسلامی اصولوں کی بڑی عالمانہ باتیں کرتے تھے۔ انگریزی کتابوں کا ڈھیر رکھا رہتا تھا اور ہیگل، لینن، جیسے مشاہیر کے ضخیم تالیفات سامنے رکھ کر حوالے دیتے تھے۔ بالشویک تحریک پر سخت تنقید کرتے اور اس سے پیدا ہونے والے جدید نکتوں پر شیعہ نقطۂ نظر سمجھاتے تھے۔ میں نے ان سے بے حد استفادہ کیا۔ وہ نوابوں اور رئیسوں سے کھنچ کر ملتے اور ان پر کڑی تنقید کرتے تھے۔ وہ راجہ امیر احمد خان صاحب کی فقیرانہ زندگی کا اکثر ذکر کرتے تھے۔ وہ نواب صاحب رامپور نواب رضا علی خان مرحوم سے اپنا اختلاف کھل کر ظاہر کرتے تھے۔ میں نے ان کی صحبت میں بیٹھ کر یہ تاثر لیا کہ ہمارے طلباء کو جدید علوم سے باخبر ہونا چاہیئے۔ میں نے مدت تک سوچ بچار کے بعد ۱۹۴۵ء میں کل ہند شیعہ عربی جمعیۃ طلباء کی تاسیس کی اور ملک کے تمام شیعہ مدارس سے رابطہ پیدا کر کے ۱۹۴۶ء میں ایک بہت بڑا اجلاس کیا جس کے ایک جلسے کی صدارت جناب مولانا کلب حسین صاحب قبلہ نے ایک جلسے کی صدارت جناب جارچوی صاحب نے فرمائی اس اجلاس میں شیعہ مدارس کے لئے جدید نصاب طے کیا گیا۔ لیکن میں نے دیکھا اس تحریک کو بعض سیاسی جماعتیں اپنا آلۂ کار بنانا چاہتی ہیں۔ اس لئے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ لیکن خود دینی تعلیم کے فوراً بعد سیاست و ادب و تاریخ کے مطالعے میں منہمک ہو گیا۔ اگرچہ سیاست سے عملی تعلق کبھی پیدا نہ کیا۔
مولانا ابنِ حسن جارچوی ۱۹۳۵ء سے مسلم لیگ میں کام کر رہے تھے اور تحریکِ پاکستان کے وقت تو ان کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ ان کے سیاسی معلومات اور مذہبی جذبے سے متاثر ہو کر قائداعظم نے سر کرپس مشن کے سامنے دو قومی نظریہ کا دینی پس منظر سمجھانے کے لئے دو عالموں کو منتخب کیا تھا۔ ایک علامہ شبیر احمد عثمانی دوسرے ابنِ حسن رضوی ان حضرات نے کرپس مشن کو مسلمانوں کے موقف کی مکمل صورتِ حال سمجھائی۔
پاکستان کی تحریک کو مقبول بنانے اور مسلم لیگ کے اجتماعات میں شرکت کرنے کے لئے انہوں نے بہت

دورے کیے۔ وہ اپنی جسامت کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے لیکن پاکستان کی خاطر انہوں نے جان پر کھیل کر کام کیا۔ جب پاکستان بنا تو سیاسی طالع آزماؤں کی وجہ سے وہ اپنی ٹیم سے مایوس ہو کر لکھنؤ ہی میں رہ گئے۔ وہ کہتے تھے کہ میرا مقصد پورا ہو گیا اب عہدے بٹیں گے اور امیدوار دوڑیں گے۔ مجھے اس بندر بانٹ سے کیا مطلب وہ نئی نسل کی تعمیر افکار و کردار کے لئے شیعہ کالج سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن ہندوستان میں ہندوؤں کی سیاست سے بدظن اور بددل ہو کر وہ ہجرت پر مجبور ہوئے اور ۱۹۵۱ء میں کراچی آ گئے۔ ارباب سیاست نے ان کا استقبال کیا۔ وہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔ اس لئے حکومت نے انہیں عہدے دیے۔ وہ اپنا راستہ خدمت علم تجویز کر چکے تھے اس لیے کراچی کے ادارۂ اسلامیات سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن سیاسی دلچسپیاں جاری رہیں۔ لیاقت علی خان سے انھیں اختلاف تھا۔ لیکن ان کی رحلت پر جب بحث ہوئی کہ انھیں کہاں دفن کیا جائے تو وہ مسلم لیگ کے طاقت ور گروپ سے ٹکرائے اور لیاقت علی خان کو قائد اعظمؒ کے احاطے میں دفن کرنے پر آمادہ کر لیا۔

۱۹۶۴ء میں جب ایوب خان کے مقابلے میں الیکشن میں کسی کے آنے کی ہمت نہ تھی۔ اس وقت ابن حسن صاحب صرف سیاسی اختلاف ظاہر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔

وہ پاکستان کے فدائی اور ملت شیعہ کے مبلغ و مفکر تھے وہ علماء کا بے حد احترام کرتے تھے اور مذہب کے ہر آڑے وقت میں کام آتے تھے۔

انہوں نے شیعہ منبر و مجلس کو نئی فکر دی۔ انھوں نے شیعہ لٹریچر کو ادبی اسلوب دیا۔ وہ لاکھوں کے مجمعوں میں بمبئی، دہلی، لاہور، لکھنؤ اور بڑے بڑے شہروں میں مجلسیں پڑھتے رہے۔ انھوں نے ہزاروں میلاد پڑھے۔ اور متعدد مناظرے کیے وہ شیعہ سنی دونوں کے محبوب خطیب تھے سا اور اسلامی معاملات میں وہ اعلیٰ درجے کے نمائندہ تصور کیے جاتے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں انہوں نے لاہور میں آریوں سے حیرت انگیز طریقے پر ایک مناظرہ جیت کر تمام مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کی۔ آریوں کا چیلنج تھا کہ قرآن مجید وید کا ترجمہ ہے۔ مناظرہ شروع ہوا۔ حریف کی تقریر کے بعد جارچوی صاحب نے کھڑے ہو کر مدعی کی تائید میں زوردار تقریر کی اور کہا آج بہت بڑا کام ہو گیا۔ تیرہ سو سال کی گتھی حل ہو گئی۔ مسلمانو تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ ایک انوکھی اچھوتی کتاب بنا لیتے۔ پھر مدعی سے فرمایا آپ کا دعویٰ مان لیا جائے گا۔ ذرا اسے لکھ دیجیے۔ مدعی نے لکھ دیا۔ مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ آپ نے فرمایا تو آپ نے یہ مان لیا کہ قرآن مجید سنسکرت اور عربی کتابوں کا ترجمہ ہے۔ میں ابھی وصیت لکھے دیتا ہوں کہ میری اولاد میں کوئی اسلام قبول نہ کرے مگر یہ بتا دیجئے کہ اس قرآن میں کتنے دیوتاؤں، اور دیویوں کا ذکر ہے اور اللہ کے سوا، توحید کے سوا کہاں کہاں کسی اور قوت کا اثبات ہے۔ قرآن مجید نفی ماسوا اور توحید کا سبق دیتا ہے۔ پھر کیسے مان لیا جائے کہ آپ سچے اگر یہ کتاب آپ ہی کی کتابوں کا ترجمہ ہے تو کیا یہ اچھا نہیں کہ آپ اسی کو مانیں اور سب کچھ غلط جانیں۔ یہ بات ایسے

انداز سے کہی کہ مناظرہ الٹ گیا اور سب نے اقرار کیا کہ آج تک اتنا علمی اور منطقی مناظرہ نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں نے فتح کے نقارے بجا دیے۔

مولانا لجارچوی کا یہی انداز سیاست میں رہا۔ وہ جس طرح اعلےٰ درجے کے صاحب کردار مسلمان تھے۔ اسی طرح منطقی عقلی اور پکے مسلم لیگی تھے اور آخر تک وہ اسی سیاسی مسلک پر قائم رہے اور دورِ آمریت میں وہ اکیلے شخص تھے جو اپنا اختلاف ظاہر کرنے کے لئے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑے اور ناکام ہو کر اپنے نام کو مخالفت میں لکھوالیا۔ وہ غریبوں کے حامی اور ان کے دکھ کے شریک' وہ اسلامی برادری اور اسلامی حکومت کے قیام پر یقین رکھتے تھے۔

مولانا بہت سخت اصول کے پابند، حرص و ہوس سے دور قانع اور باعمل آدمی تھے۔ کراچی یونیورسٹی میں شعبہ تھیالوجی کے پہلے استاد مقرر ہوئے اور یہ شعبہ ان کی سعی سے وجود میں آیا۔ وہ طلبا کو اپنی فکر دینے کے متمنی تھے، اسی بناء پر انھوں نے "انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ کلچرل ریسرچ" کے نام سے ادارہ بنالیا، زمین خریدی اور کام شروع کیا تھا لیکن ضعف و علالت نے انہیں بے کار کر دیا تھا ان کا خیال تھا کہ وہ اسلام اور آلِ محمد کو نئی تاریخی و فلسفی نہج سے متعارف کرائیں۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور ۱۶ جولائی ۱۹۷۳ء/۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ کو جاں بحق ہوئے اور انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ کلچرل ریسرچ" کراچی کے میدان میں دفن ہوئے۔

اولاد: سید محمد مشہود ۔ سید علی حسن ۔ دو صاحبزادیاں

تصانیف: • مقدمہ فلسفہ آلِ محمد مطبوعہ • زوال رومۃ الکبریٰ کے حصہ اسلام کا ترجمہ ۱۹۲۶ء میں • فلسفہ آلِ محمد چھ حصے۔ مطبوعہ۔ • بصیرت افروز مجالس، چودہ تقریریں۔ میرے مقدمے کے ساتھ چھپی۔ • شہید نینوا۔ • جدید ذاکری۔ مطبوعہ۔ • علیؑ کا طرزِ جہانبانی (انگریزی و اردو) • "رسالہ رہبر" دہلی کے سرپرست اور بے شمار مقالات و مضامین کے مصنف تھے۔ (جولائی ۱۹۷۳ء کے شیعہ اخبارات)

ابو جعفر استر آبادی

حدود ۱۱۰۰ھ/ ۱۶۸۸ء

علامہ شیخ ابو جعفر بن محمد امین استر آبادی حر عاملی نے امل الآمل ج ۱ ص ۳۵۱ میں لکھا ہے کہ شیخ ابو جعفر عالم و فاضل، ادیب و معاصر ہیں۔ ہند کے کسی شہر میں مقیم ہیں۔

یہ بات حدود ۱۱۰۰ھ کی ہے۔ (بے بہا ص ۳، نجوم السماء ص ۱۸۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۵)

ابو جعفر ہندی

حدود ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء

عالم جلیل سید ابو جعفر بن سید علی اوسط برصغیر سے ہجرت کر کے کربلائے معلیٰ چلے گئے تھے۔ آغائے بزرگ

نے طبقات اعلام الشیعہ جلد اوّل میں ان کی علمی عظمت اور نفیس کتب خانے کا ذکر کیا ہے اور چودھویں صدی ہجری میں وفات لکھی ہے۔ (نیز، راجہ ابو جعفر پیر پور ضلع فیض آباد کے رئیس فاضل عراق متوفی حدود ۱۹۳۵ء)

ابوالحسن تاناشاہ :

۱۱۱۱ھ / ۱۶۹۹ء

ابوالحسن تاناشاہ، بڑا عالم و فاضل، درویش صفت و صوفی منش شخص تھا۔ حیدر آباد وطن اور چغتائی خاندان سے تھا۔ اس کی ہوشمندی اور شخصیت دیکھ کر عبداللہ قطب شاہ نے اپنی لڑکی بیاہ دی۔ خسر کی وفات کے بعد ۱۰۸۳ھ میں ابوالحسن صاحب تخت و تاج ہوا۔

ابوالحسن نے چودہ سال تک کی عمر میں تعلیم و تربیت شروع کی۔ چودہ سال تک علماء و زھاد میں رہا۔ چودہ سال تک عیش و عشرت حکومت و جنگ کی۔ چودہ سال قید میں رہا۔ عالمگیر اورنگ زیب نے ایک طویل جنگ کے بعد اسے گرفتار کر کے قطب شاہی عہد کا خاتمہ کر دیا۔

ابوالحسن کا عہد ایک طرف علماء و مصنفین کے عروج کا عہد ہے۔ دوسری طرف مسلسل و طویل جنگ کا زمانہ اس نے حیرت انگیز جنگ لڑی اور تیموری حکومت کو لوہے کے چنے چبوا کر اپنے وجود کو ختم کیا۔

جمعرات ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱۱۱ھ کو قلعہ دولت آباد میں بحالت اسیری رحلت کی۔

تصانیف : • حواشی تفسیر کشاف (عربی) محفوظ در کتب خانہ حبیب الرحمان خان شیروانی۔
• دیوان اشعار فارسی و اردو • دوسرے تالیفات ضائع ہو گئے۔ (نزہہ ج ۶ ص ۷)

ابوالحسن (جناب ابو صاحب):

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء
۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء

جناب مولانا سید ابوالحسن بن سید محمد بن سید علی شاہ کشمیری، فقہ و اصول کے مشاہیر علماء میں ہیں۔ آپ جمعہ کے دن ۷ ربیع الاوّل ۱۲۶۰ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور "خورشید علم" تاریخ ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اور والد بھی خاص توجہ سے عبادت و ریاضت کی تربیت فرماتے تھے مثلاً جب نماز شب کے لئے بیدار ہوتے تو فرزند کو مطالعے کے لئے اٹھاتے تھے۔ نماز تہجد سے فارغ ہو کر ایک سبق پڑھاتے تھے۔ نو سال کے تھے جب والد علام نے رحلت فرمائی۔ اس لئے دوسرے اساتذہ سے رجوع کی۔ چودہ سال کی عمر میں کمال علم کو پہنچے۔

عقائد و کلام کی مفصل کتاب عماد الاسلام جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب اور فقہ و اصول ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب سے پڑھی۔ دوران درس مطالعہ ذہانت اور قوت کا یہ عالم تھا کہ اکثر بحث میں دو دو دن صرف

ہوجاتے اور اساتذہ کو تیاری کرنا پڑتی تھی۔

جوانی ہی سے زہد و تقویٰ میں بے مثال، تقریر و درس و وعظ میں باانر خطیب دفقہ و اصول میں کئی استدلالی رسائل کے مؤلف جن کی ممتاز العلماء نے ان کی بہت تعریف کی۔

مفتی محمد عباس صاحب بھی اپنے ان شاگرد خاص پر نازاں تھے، آخر میں جب ٹلکتے جانے لگے تھے تو لکھنؤ آن کر خاص طور سے اپنے شاگرد محترم سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے۔ سید ابو صاحب قبلہ مفتی صاحب کے پاس بیٹھتے تو لوگ بے حد احترام سے دونوں بزرگوں کو دیکھتے اور کہتے تھے کہ بڑی نورانی مجلس ہوتی ہے۔ بائیس سال کی عمر میں یہ عالم تھا کہ جب

جناب مفتی صاحب "شریعت غرا"[1] پر نظر ثانی کرنے بیٹھے تو بہت سے اہل علم کو شریک مشورہ فرمایا جس کی نظر میں جو بات آئی وہ عرض کر دیا، لیکن جناب ابو صاحب کا یہ دستور تھا کہ آپ تامل فرماتے اور جناب مفتی صاحب بلا استفسار وجہ تامل وہ عبارت قلم زد کر دیتے تھے۔

سنا ہے کہ قبل بلوغ آپ کے پاس چار سو روپیہ تھا، بعد بلوغ کسی نے قرض لے لیا اور واپس نہ دیا، لیکن بشدت ورع بعد بلوغ احتمال وجوب کی بناء پر ۱۲۸۲ھ حج فرمایا۔

ذی الحجہ کا مہینہ تھا، آپ مصروف درس تھے اور گھر کے ملازم سامان عزا اور استقبال محرم کا انتظام کر رہے تھے۔ آپ کی نظر کسی چیز پر پڑگئی۔ چہرے کا رنگ بدل گیا اور یہ عالم ہوا جیسے کوئی چیز کھو گئی ہے۔ کسی نے سبب پوچھا تو یہ نہیں فرمایا کہ امام حسینؑ کی یاد میں ایسا ہو رہا ہے۔ بلکہ فرمایا: ڈرتا ہوں کہ دل میں کوئی خیال، منافی اخلاص نہ آجائے۔

سیف صارم میں ہے: ... ... "شدت احتیاط سے شاید ہی کسی مسئلے پر دستخط فرماتے ہوں"۔ علاوہ صفات حسنہ کے طلاب پر باپ سے زیادہ مہربان کسی کی غیبت اشارۃً و کنایۃً کوئی کرے تو فوراً روک دیتے تھے۔ غربائے مومنین کو حقیر نہ جانتے، حاجت مند کی سفارش کرنے میں عذر نہ کرتے تھے۔

ماہ مبارک و عید الفطر کے لیے الہ آباد تشریف لے جاتے تھے، وہاں جمعہ و جماعت و موعظ فرماتے، جمعے کے بعد آپ کے یہاں مجلس ہوتی، مجلس میں عموماً اس قدر روتے کہ دیکھنے والوں کو رقت طاری ہوجاتی تھی۔ شب جمعہ امام باڑہ غفرآن مآب میں فاتحہ خوانی کے لیے آتے اور طلباء کو بڑے شیریں الفاظ میں فاتحہ خوانی کی طرف توجہ دلاتے۔

---

[1] شریعت غرا: عربی میں مفتی محمد عباس صاحب مرحوم کی استدلالی کتاب جو عربی ادب کی کتاب بھی شمار کی گئی ہے۔ یہ کتاب مطبع صبح صادق عظیم آباد سے مفتی صاحب کی حیات میں شائع ہوئی تھی۔

انسانی صورت میں فرشتہ تھے۔ اخلاق و اخلاص، ایمان و عمل صالح، علم و ثقاہت میں اوائل و اصحاب ائمہ کی مثال تھے۔

علامہ کنتوری لکھتے ہیں (سوانح علامہ) ۱۲۸۹ھ کے قریب مدرسۂ ایمانیہ کی بنیاد ڈالی لیکن وہ چند ماہ بعد بند ہوگیا تو آپ اس قدر کبیدہ خاطر ہوئے کہ ترک وطن و ہجرت عراق پر آمادہ ہوئے۔ لیکن ہمت نہ ہارے اور کئی مدرسے قائم کیے جن میں سے دو مدرسے اب تک برقرار ہیں ایک مرزا محمد عباس خان صاحب کی تائید سے جو مدرسۂ ناظمیہ کہلاتا ہے۔ اور جناب مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں نجم العلما کو دے دیا تھا، دوسرا وقف حسین آباد کی تائید سے ۱۸۹۴ء میں مدرسۂ سلطان المدارس کے نام سے یہ دونوں مدرسے اب تک جاری ہیں۔

آپ فقہ و اصول کا درس اس اعلیٰ پیمانے پر دیتے تھے کہ نجف و کربلا کا لطف آتا تھا۔

۱۴ رمضان ۱۳۱۲ھ کو دفعتاً کربلا کے چھٹے بلکہ آخری سفر کے لئے تیار ہوگئے، لوگوں نے بہت روکا مگر نہ رُکے۔ جب مومنین نے ہم رکاب ہونے کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ لکھنؤ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ بمبئی آجایئے۔

۲۴ محرم ۱۳۱۳ھ چہار شنبہ علی الصباح کربلا معلیٰ میں رحلت فرمائی۔ جناب سید باقر صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور در زینبیہ کے قریب مقبرہ کا بلین حجرہ نواب صاحب میں دفن ہوئے۔ (نیز دیکھیے محمد جعفر)

جناب ابو صاحب کی وفات پر خطیب اعظم مولانا سبط حسن صاحب کا مرثیہ ہے۔

هوى جبل من آل عدنان راسيا	فامست بقاع الارض ارجفها هدّه
قضى نحبه والدهر يغشاه صينه	ولم يلف بحر فى الورى جزره مدّه
لقد كان حيًّا آية الله فى الورى	وفى القبر امسىٰ مصحفاً حازه جلده
تحرى العراق منه سيفا مهندا	فيا حبذا سيف، ويا حبذا غمده
فَاَرّخْتُ عاماً حَلّ فيه ضريحه	بَكَتْهُ جفون الشرع، ناح له مجده

۱۳۱۳ھ

اولاد: • سید زین العابدین متوفی کربلا ۱۳۱۲ھ • سید محمد جعفر متوفی ۱۳۱۰ھ • سید محمد باقر متوفی کربلا ۱۳۴۶ھ • سید محمد ہادی صاحب متوفی کربلا ۱۳۵۰ھ

شاگرد: • ثانی علم الہدیٰ سید علامہ مرتضیٰ • محمد صادق صاحب کھجوی • نجم العلما نجم الحسن صاحب
• ظہیر العلما سید عابد حسین بھیک پوری۔ • نظیر حسن صاحب بھیک پوری۔
• سبط حسین صاحب کربلائی جونپوری اجتہادی • سید محمد کاظم کشمیری • سید مہدی حسن صاحب
• سید احفاد الحسن صاحب ہمشیرہ غازی پور۔ • سید محمد علی۔ ان کے علاوہ بہت سے مشاہیر

تصانیف: • شرحِ فصول تا بحث نبوت • اربعین و شرح اربعین • (در نمین) تعلیقات شرح اربعین شیخ بہائی • حواشی شرح کبیر • حواشی بر رسائل شیخ مرتضیٰؒ • حواشی قوانین الاصول • حواشی بعض مقامات فصول • تعلیقات منہج الیقین علامہ حلیؒ • رسالہ تحقیق مسئلہ نجاست ماء قلیل • رسالہ تحقیق حکم تغیر تقدیری • رسالہ حرمت نظر برزن اجنبی • رویت ہلال قبل از زوال • رسالہ در حکم تخلل بین الایجاب والقبول • خیر الزاد عقائد (عربی) • تراجم علماء الکاملین • احوال مخصوص و ایام ولادت و وفات • رحیق مختوم حالات بحر العلوم • نفحۃ الورفاء (مکاتیب عربیہ) • خلاصۃ الصافیہ فی حل لغز الکافیہ کی شرح مقدمہ • شقائق الحقائق وحدائق الدقائق نکات و تحقیقات دربارۂ احادیث مشکلہ • تقریب شرح تہذیب (النحو) تالیف ۱۲۸۰ھ (بے بہا ۲۵۔ مصنفی الرجال ۲۷ نزہۃ الخواطر ۸ ص۔)

ابوالحسن، ملاذ العلما: ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء — ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء

خاندان غفراں مآب مولانا دلدار علی کے نامور عالم ملک العلما سید بندہ حسن صاحب کے فرزند سید ابوالحسن ۱۲۶۸ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ گھر میں بچھن صاحب عرفیت رکھی گئی جو مشہور ہوئی اور آخر تک آپ جناب بچھن صاحب کے نام سے یاد کیے گئے۔ فقہ و اجتہاد گھر کا ماحول تھا۔ اسی ماحول میں تعلیم و تربیت کے بعد کیننگ کالج لکھنؤ کے مشہور استاد مولانا علی نقی صاحب اور مولانا سید حسین صاحب اور مولانا کمال الدین صاحب نیز اپنے والد علام سے متداول علوم حاصل کیے۔ کمال فقہ و اجتہاد کا اجازہ کربلا معلیٰ کے مجتہد اعظم آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی نے عطا فرمایا۔

واجد علی شاہ نے مٹیا برج سے "ملاذ العلماء" کا خطاب بھیجا۔ ۱۳۰۵ھ میں حکومت برطانیہ نے "شمس العلماء" کا خطاب اور حاضری عدالت سے استثناء کا فرمان دیا۔ دربار میں ۲۵ ویں نمبر کی کرسی دی گئی۔

مرجعیت دین اور زعامت ملت، شہرت و عظمت کی معراج پر فائز ہوئے۔

برصغیر کے مجتہدین میں سب سے بڑے مجتہد ہونے کے ساتھ ساتھ علم منطق کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ شگفتہ مزاج، ملنسار، دریا دل، متقی اور زاہد تھے۔ جناب غفراں مآب کے اوقاف کی تولیت حاصل تھی۔ طلباء و مومنین کی خبر گیری اور ترویج علوم کا شوق تھا۔

منور الفکری مردم شناسی اور عظیم شخصیت کا ہر ایک مداح تھا۔ راجہ امیر حسن صاحب مرحوم آف محمود آباد نے مدرسہ قائم کیا تو آپ کی نگرانی میں دیا۔ مدرسۂ ایمانیہ بھی آپ کی تحویل میں رہا۔

نجف کے انداز میں درس خارج آپ ہی نے لکھنؤ میں جاری کیا۔ اس درس میں مولوی علی نقی صاحب، مولوی محمد حسین صاحب، مولوی سید محمد صاحب، مولوی حسن رضا صاحب نجم العلماء اور مولوی سید محمد باقر صاحب رئیس، مولوی ظہور حسین صاحب بارہوی شریک ہوتے تھے

آپ نے ضربت حیدریہ اور بعض کتابیں مفت تقسیم کیں۔

راجہ صاحب محمود آباد نے ایک تقریب میں دو موضعے عین حبات کے لیے نذر کیے تھے جس کی تولیت جناب ملاذ العلماء کے سپرد کی۔

الہ آباد کے مقدمہ خلیفۂ بلافصل میں ایک کمیشن آپ کا بیان قلم بند کرنے کے لئے رمضان مبارک ۱۳۰۵ھ میں لکھنؤ آیا۔ آپ نے جو بیان لکھوایا وہ بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ (دیکھیے آباد حسین)

۱۷ ماہ صفر ۱۳۰۹ھ لکھنؤ میں رحلت فرمائی اور غفران مآب امام باڑے میں دفن ہوئے۔

اولاد : • ملا محمد طاہر صاحب۔ • سید صاحب • مولوی سید عابد علی صاحب

تلامذہ : • نجم العلماء سید نجم الحسن • ظہیر العلماء سید ظہور حسین صاحب جیسے متعدد اکابر

تصانیف : • تنضید العقود فی حل شبہۃ عامۃ الورود (عربی) مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۰ھ (موجودہ در کتاب خانہ مرتضیٰ الہی ہو)
• حاشیہ بر شرح ملا جامی۔ • رسالہ حلت نظر بر تصویر اجنبیہ • رسالہ در بحث نکاح • ہزاروں مسائل کے جوابات۔ (ہ بے بہا ص ۳۶۱ - • نزہتہ ج ۸ ص ۰)

. . . .

ابوالحسن کشمیری

بعد ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

اسوۃ العلما مولانا ابوالحسن صاحب لکھنؤ میں تعلیم و تربیت، علم و کمال حاصل کرنے کے بعد مرشد آباد تشریف لے گئے اور وہاں فقہ و علوم دین کی ترویج کی۔ بنگال کے علما میں نامور ہوئے۔ ۱۳۰۰ھ کے بعد رحلت کی

ابوالحسن، گوپال پوری

۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء
۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

مولانا حکیم سید ابوالحسن صاحب ابن سید مقبول حسین صاحب کی ولادت ۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ ان کا وطن قصبہ گوپال پور ضلع سارن صوبہ بہار (ہند) ہے۔ بچپن تھا کہ سایۂ والدین سے محروم ہو گئے۔ آپ کے چچا سید محبوب حسین نے پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسۃ سلطان المدارس لکھنؤ میں علوم دین میں کمال حاصل کیا اور صدر الافاضل کی سند پائی۔ جناب مولانا سید ہادی صاحب قبلہ جناب سید محمد باقر صاحب جناب مولانا محمد رضا صاحب آپ کے نامور اساتذہ میں تھے۔ درس علوم دین کے ساتھ طب کی تکمیل جناب حکیم سید مظفر حسین صاحب سے کی۔ لکھنؤ سے آگرہ اور آگرہ سے مدرسۂ ناصریہ جون پور میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۳۴۲ھ میں مدرسۂ عباسیہ پٹنہ آ گئے تو مولانا محمد مصطفیٰ صاحب قبلہ جوہر کے اصرار سے مدرسے میں نائب مدرس اعلیٰ ہو کر آ گئے۔ ۱۹۴۷ء میں دیگر اساتذہ کے ساتھ آپ بھی

استعفیٰ دے دیا اور وطن آگئے۔ اس پوری مدت میں نماز، خطبہ، وعظ و درس کے علاوہ مطب بھی کرتے رہے۔

۱۹۴۹ء میں مع اہلیہ زیارت عراق و ایران کا سفر کیا۔

۱۹۵۹ء میں وقف گوپال پور کے متولی ہوئے اور ۱۹۶۹ء میں اپنے بڑے صاحبزادے مولانا سعید اختر صاحب چیف مشنری بلال مسلم مشن سے ملنے کیلئے دارالسلام، تانزانیہ تشریف لے گئے۔ ۱۹۷۱ء میں اپنی اہلیہ اور بڑے صاحبزادے کے ساتھ حج سے مشرف ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد وطن واپس ہوئے اور ۶ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ کو ایک طویل علالت کے بعد اس دارفانی سے رحلت فرمائی۔ (مرسلہ مولانا سعید اختر)

ابنِ علی : حدود ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

مولانا سید ابن علی صاحب، مدرسۂ ناظمیہ کے افاضل اور سرکار نجم الملت کے شاگردوں میں تھے، ان کے انتقال پر جناب نے گریہ فرمایا اور ارشاد کیا "بڑے عالم اور متقی و پرہیزگار سے دنیا خالی ہوگئی" مرحوم کا انتقال اندازاً ۱۹۳۸ء میں ہوا۔

ان کے فرزند مولانا محمد عادل صاحب تھے۔ (محمد محسن نبیرۂ نجم العلماء)

ابوالحسن، جزائری : حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء

صدر العلماء سید ابوالحسن بن نعمت اللہ بن اسماعیل بن مرتضیٰ بن نورالدین بن نعمت اللہ جزائری فقیہ و ادیب و مدرس۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ سے مکاتبت تھی۔ دیوان رطب العرب میں متعدد قطعات و اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف سے قرابت قریبہ بھی تھی۔ ۱۳۰۷ھ تک حیات تھے۔

تصانیف : • ایضاح الفرائض (فقہ) • تقریظ بر جواہر عبقریہ۔

اولاد : پانچ فرزند (مکتوب، مولانا طیب آغا)

ابرار حسین، متوفی حدود ۱۳۱۴ھ / ۱۹۷۴ء مولانا ابرار حسین برادر مولانا جرار حسین صاحب جون پوری فیض آباد، وثیقہ اسکول میں چالیس برس درس دیا۔ بڑے عالم و مقدس تھے۔ **اولاد** : مولوی محمد احمد فاضل علوم شرقیہ، ایم اے۔

ابن حسن، صدرالافاضل متوفی حدود ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا سید ابن حسن صدرالافاضل ابراہیم آباد ضلع بارہ بنکی (ہند) کے باشندے، عالم و عابد، واعظ و مدرس تھے۔ ستر پچھتر سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

ابوالحسن (میرن صاحب):

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء
حدود ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء

مولوی نیاز حسن برستی حیدر آبادی کے فرزند، سید ابوالحسن صاحب حیدر آباد دکن میں۔ ۱۲۸۰ھ کے حدود میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد صرف ونحو ومنطق مولوی سید اکابر حسین زید پوری سے حاصل کرکے ۱۲۹۹ھ میں لکھنؤ آئے لیکن بہت جلد واپس گئے۔ وطن میں جناب حسام الاسلام نثار حسین صاحب اور اپنے والد سے منقولات ومعقولات کی تکمیل کی۔ بعد فراغت سب رجسٹراری کا عہدہ حاصل کیا۔ لیکن ملازمت چھوڑ کر عراق گئے، درس اعلیٰ تک تحصیلات مکمل کرکے اور آقای شیخ محمد حسن مامقانی و آقای شہرستانی سے اجازے لے کر وطن آئے۔

حیدر آباد میں ان کے جذبۂ تبلیغ، خلوص علم وعمل اور خطابت کے قدردان بہت تھے مولانا بھی اخلاق و ایثار کا مجسمہ تھے۔ تقریر میں دل کشی وتاثیر تھی اسی بناء پر وہ کچھ عرصے تک افریقہ میں بھی رہے۔ حیدر آباد میں اپنے والد کی مسجد کی تعمیر جدید کے علاوہ دینی تعمیرات وتبلیغات میں بڑی جدوجہد کی ~~اور اپنے مسلک میں مرجعیت حاصل کرلی اور حجۃ الاسلام کے صحیح جانشین قرار پائے۔~~

تصانیف: • مخزن طہارت • تقریب الشرع مع اجازات طبع ۱۳۱۳ھ

ابوالحسن (منن صاحب)

۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء
۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۷ء

جناب شمس العلماء سید محمد ابراہیم صاحب کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۲۸ صفر ۱۲۹۸ھ کو بمبئی میں ہوئی ان دنوں جناب سید ابراہیم صاحب زیارت کے لیے جارہے تھے۔ جناب مولانا سید ابراہیم صاحب نے دوسرا سفر کیا تو آپ بھی سات برس کی عمر (۱۳۰۵ھ) میں والد کے ہمراہ تھے۔

فقیہ الزمن مولانا ابوالحسن صاحب قبلہ ذہین، محقق، جید الحافظہ، خوش مزاج اور قانع، عالم باعمل تھے۔ علمی وجاہت کا ہر شخص اعتراف کرتا تھا۔ اصول فقہ میں خصوصی شہرت تھی۔

اساتذہ: استاذ العلماء سید سبط حسین صاحب۔ بحر العلوم جناب علن صاحب۔ قدوۃ العلماء جناب آقا حسن صاحب (لکھنؤ میں)

۱۳۲۷ھ میں عراق گئے اور وہاں کے مشاہیر سے مستفید ہوئے جیسے شیخ الاسلام آقای شیخ فتح اللہ اصفہانی آیۃ اللہ شیخ علی گنا آبادی۔ آیۃ اللہ المرجع سید ابوالحسن اصفہانی۔ آیۃ اللہ مصطفےٰ کاشف الغطاء۔

۱۳۳۲ھ میں وطن آکر درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ مدرسۂ ناظمیہ ومدرسۂ واعظین میں درس دیا۔ مولانا سبط حسن صاحب کے بعد واعظین کے صدر مدرس بھی رہے۔

آپ کی وفات لکھنؤ میں ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ میں ہوئی اور بیرونِ امام باڑہ سید تقی صاحب، مسجد کے باہر سپردِ لحد ہوئے۔ جناب مولانا علی نقی صاحب نے شجرۂ علماءِ ہند میں تاریخ ولادت ۲۸ صفر ۱۲۹۹ھ اور وفات یکم ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ لکھی ہے۔

تالیفات: • التجری فی الاجتہاد • البرق اللامع فی منجزات المرتضیٰ • حاشیہ کفایۃ الاصول

اولاد: • مولانا سید علی نقی صاحب علی گڑھ • مولانا سید مرتضیٰ صاحب لکھنؤ • مولانا سید کاظم صاحب (طہران) • مولانا سید باقر صاحب نزیل قم۔ (تذکرۂ بے بہا)

سید ابوالحسن بن مہدی:

حدود ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۷ء

مولانا سید ابوالحسن بن سید مہدی صاحب لکھنوی۔ جن کی ایک قلمی کشکول میرے پاس ہے اس کشکول میں احادیث و افادات لغت و صرف و نحو، بڑے اعلیٰ درجے کے خطِ نسخ میں درج ہیں، ورق ۱۲، الف سے عربی خط ہیں۔ پہلا خط جناب حسین صاحب کے نام ہے اور لاہور میں نواب ناصر علی خاں صاحب کے یہاں قیام کا تذکرہ ہے۔ تاریخ ہے غرہ جمادی الثانیہ ۱۳۱۴ھ

دوسرا خط مولانا آفتاب حسین صاحب کے نام اور ۱۸ جمادی الثانیہ ۱۳۱۴ھ کی تحریر ہے۔

تیسرا خط ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ کا ہے اور غیر منقوط ہے۔ مکتوب الیہ کا نام مذکور نہیں۔

یہ خط عربی نظم و نثر میں ہیں اور کاتب کے کمال علم و ادب پر دلیل ہیں۔

مولانا ابوالحسن صاحب لکھنؤ میں رہتے تھے اور جلیل القدر عالم و فاضل تھے۔

ابوالحسن بن سید نقی کشمیری:

حدود ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء
۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء

جناب سید نقی صاحب نے نذر کی تھی کہ اگر خداوندِ عالم فرزندِ نرینہ مرحمت فرمائے تو اسے کربلائے معلیٰ لے جائیں گے۔ ۱۲۶۲ھ میں ابوالحسن صاحب کی ولادت ہوئی جب مولود کی عمر سات برس کی ہوئی تو سید نقی صاحب زیارات کے لیے کربلا روانہ ہوئے۔ حرم حضرت امام حسین علیہ السلام میں داخل ہوئے تو خادم حرم حاجی سید مہدی نے آپ کو پریشان کیا۔ جناب سید نقی نے ضریح اقدس پکڑ کر شکایت کی اور قیام گاہ واپس آ گئے۔ صبح سویرے جناب حاجی مہدی خدام حاضر ہوئے اور بڑی لجاجت سے گزشتہ گستاخی کی معذرت کی اور کہا کہ امام حسینؑ نے خواب میں فرمایا کہ تم نے میرے فرزند کو ایذا دی ہے جاؤ اور جا کر معافی مانگو۔ جناب سید نقی نے فرمایا، یہ خواب علماء کے سامنے بیان کر دو اور لکھ کر دو پھر میں معاف کر دوں گا۔ چنانچہ وہ تحریر حضرت شیخ مرتضیٰ انصاری، حجۃ الاسلام مرزا علی نقیؒ کی

مہروں کے ساتھ موجود تھی۔

جناب ابوالحسن صاحب قبلہ نے معقولات میں مولوی سید حسین صاحب ساکن محلہ احاطہ کمال جمال، مولوی محمد نعیم فرنگی محلی سے فیض پایا اور فقہ واصول میں جناب تاج العلما علی محمد اور مفتی محمد عباس صاحب سے تلمذ کیا۔ جناب تاج العلما نے اجازہ دیا۔ اور اسعاف المامول ملاحظہ فرما کر عراق کے علما میں حجۃ الاسلام حاج شیخ حسین مانندرانی کربلائی۔ آقای سید حسین شہرستانی اور دوسرے اکابر نے اجازہ ہائے اجتہاد و مکاتیب اعتراف فضل و کمال لکھے۔ حدود ۱۲۶۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ عراق کا سفر کیا اور دو تین سال بعد حج سے مشرف ہوئے۔ زمانِ قیام جدہ میں شیراز کے امامِ جمعہ جناب شیخ یحییٰ صاحب سے معالم الاصول کے ایک مسئلہ پر اصول میں مباحثہ کیا۔ اسعاف المامول میں آپ نے اپنے چند خواب لکھے ہیں۔

۱۔ کربلائے معلیٰ میں خواب دیکھا کہ ایک مسجد میں دو قبریں ہیں ان پر سیاہ چادریں پڑی ہیں۔ سامنے محراب میں ایک بزرگوار سیاہ عمامہ باندھے تشہد کی نشست میں بیٹھے ہیں۔ سامنے شمع روشن ہے۔ دونوں ہاتھوں پر چہرے تک قرآن مجید اٹھائے ہوئے ہیں۔ گویا تلاوت کر رہے ہوں۔ حاضرین میں کسی سے نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ امام حسینؑ ہیں۔ میں قریب گیا، میں نے ایسا حسین و جمیل شخص اب تک کوئی نہیں دیکھا۔ میں آپ کی جانب رُخ کر کے دو زانو بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر گردن اُٹھا اُٹھا کر زیارت کرنے کے بعد رخصت ہوا۔

۲۔ موضع بھادی ضلع جون پور میں "اسعاف المامول" لکھ رہا تھا۔ ایک رات کو خواب میں دیکھا کوفہ میں ہوں، دو بنگلے بنے ہوئے ہیں۔ ایک امام حسنؑ کا اور دوسرا امام حسینؑ کا ہے۔ امام حسنؑ حاکمِ وقت ہیں اور اپنے بنگلے میں مقدموں کے فیصلے فرما رہے ہیں۔ ان میں ایک یہودی سے ہمارا مقدمہ ہے۔ وہ لوگ علم کی گشت کو منع کر رہے ہیں۔ میں چند ہندی حضرات کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا اور سامنے بیٹھ گیا، حضرت کے دستِ مبارک پر بوسہ دیا۔ حضرت سیاہ عمامہ زیبِ اقدس کیے ہیں۔ تخت پر تکیہ ہے۔ ناگاہ دو یہودی رئیس آئے میرے، اُن کے درمیان کچھ بات چیت ہوئی۔ انہوں نے کہا اگر تم لے جاؤ۔ تو ہم تم کو اس قدر روپیہ دیں گے اور حضرت کے ہاتھ پر بیس روپے رکھ دیے۔ آنحضرت نے وہ روپے میری طرف بڑھائے، لیکن یہ حکم نہیں دیا کہ تم لو۔ مگر ہم نے نہ لیے اور اپنے فعل مرسوم سے انکار بھی نہیں کیا۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بہت مقدس اور پرہیزگار تھے اور عزائے امام کے بے حد عاشق تھے۔

آپ نے ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ وفات پائی۔ محمد حسین صاحب نے تذکرۂ بے بہا میں تاریخ ولادت ۱۲۲۶ھ بتائی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وقتِ وفات ایک سو سولہ برس کے تھے ~~اس لئے لائق~~ اور طول عمر پائی۔

اشارہ نہیں ملتا اس سے شاید تاریخ ولادت ۱۲۶۲ھ یا ۶۴ ہو۔

جناب ابوالحسن صاحب بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ عربی، فارسی و اردو کے انشاپرداز اور خطیب بھی تھے۔

تصانیف:

۱۔ اسعاف المامول، شرح زبدۃ الاصول اصولِ فقہ عربی (مطبوعہ) ۲۔ سواء السبیل شرح زاد قلیل (کلام) عربی (مطبوعہ) ۳۔ نہاریہ شرح رسالۂ ساعتیہ تاج العلماء (علم صرف) ۴۔ حل المغلفلات شرح سبع المعلقات۔ ۵۔ اقامۃ البرہان علی حلۃ القہوۃ والقلیان۔ ۶۔ ارشاد المزکین در زکوٰۃ وفطرہ (مطبوعہ) ۔ ۷۔ اذانیہ ۸۔ احسن المواعظ جلد اول مواعظ، جلد دوم فضائل جلد سوم مصائب (اردو مطبوعہ)۔ ۹۔ ازالۃ الشبہات نیچریوں کی رد۔ ۱۰۔ معراجیہ، در اثبات معراج۔ ۱۱۔ علل الصیام۔ ۱۲۔ سبب خلقت و وجہ تکلیف (مطبوعہ) ۱۳۔ رسالہ در بحث عقدام کلثوم (مطبوعہ) ۱۴۔ رسالہ مواعظ در اثبات معاد جسمانی (مطبوعہ) ۱۵۔ مواعظ حسنہ (مطبوعہ) ۱۶۔ حجج قاطعہ در بحث عروسی قاسم (اردو مطبوعہ) ۱۷۔ افادۃ المبتدین، آداب تعلیم میں۔ ۱۸۔ دفع الخیشوم در جواب سفک المہج (عروسی قاسم) ۱۹۔ رسالہ در رد تناسخ۔ ۲۰۔ رسالہ در بحث استعمال صدف مروارید۔ ۲۱۔ رسالہ در بحث دف وطبل بلا غنا در مجلس عزا۔ ۲۲۔ مسئلہ در وکالت شخص واحد در نکاح از طرفین۔ ۲۳۔ مسئلہ در بطلان نماز با نگشتری طلا۔ ۲۴۔ مسئلہ در صید سگ شکاری۔ ۲۵۔ مسئلہ در نماز اجارہ ترتیب شرط نیست ۲۶۔ مسئلہ در جواز و عدم جواز ربا۔ ۲۷۔ مسئلہ در خمس۔ ۲۸۔ مسئلہ در نماز قصر۔ ۲۹۔ مضارب موبقہ در جواب رد المغالطہ ۳۰۔ رسالہ در اثبات نبوت۔

تلامذہ کی اچھی خاصی تعداد تھی جس میں مؤلف تذکرہ بے بہا اور اصغر حسین صاحب و رضا حسین صاحب نوگانوی کے نام بھی ہیں۔

اولاد: حکیم محمد مہدی صاحب (مولود ۱۵ شعبان ۱۲۸۸ھ) عالم و فاضل وطبیب تھے۔ اپنے والد کے علاوہ مولانا محمد حسین صاحب محقق ہندی کے شاگرد تھے۔ تقریباً چالیس برس کی عمر میں زیارت عراق سے مشرف ہوئے تھے تذکرۂ بے بہا کی تالیف کے وقت حیات تھے۔ (بے بہا نزہۃ ج ۸ ص ۸)

مرزا ابوطالب اصفہانی: ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء — ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۶ء

امیر فاضل، ابوطالب بن محمد اصفہانی لکھنوی۔ محمد اصفہانی حملۂ نادر شاہ کے وقت دہلی آئے اور صفدر جنگ والی اودھ کے مقربین میں داخل ہو کر لکھنؤ پہنچے۔ ابوطالب ۱۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ ہی میں علماء سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چودہ برس کی عمر میں (۱۱۸۰ھ) لکھنؤ سے اپنے والد کے پاس مرشد آباد چلے گئے۔ جناب محمد اصفہانی کی

وفات کے کچھ عرصے بعد ۱۱۸۹ھ میں لکھنؤ آئے۔ آصف الدولہ نے اٹاوہ کا حاکم بنا کر اٹاوے بھیج دیا۔ دو سال بعد لکھنؤ واپس آئے۔ جب اسکندر انگریز حاکم گورکھ پور ہو کر آیا تو ابوطالب اس کے ہمراہ چلے گئے۔ تین سال کی ملازمت ختم ہوئی اور اسکندر معزول ہوا، مرزا صاحب لکھنؤ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ نواب آصف الدولہ نے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ مرزا صاحب ۱۲۰۲ھ میں لارڈ کارنوالس سے نواب آصف الدولہ کی شکایت اور اپنے وظیفہ کے سلسلے میں بات چیت کرنے گئے لیکن لارڈ کارنوالس سلطان ٹیپو سے نبرد آزما تھا، ابوطالب کلکتے میں چار سال تک ٹھہرے اسی درمیان میں وہاں ایک کوٹھی اور باغ بنوایا۔ کارنوالس نے واپس آ کر مرزا ابوطالب کو لکھنؤ بھیج کر آصف الدولہ سے معاملات ہموار کرا دیے۔ کارنوالس کے لندن واپس جانے پر مسٹر چیری اور آصف الدولہ سے اختلاف ہو گیا۔ نواب آصف الدولہ نے مرزا ابوطالب کو چیری ریذیڈنٹ کے ساتھ جانے کا حکم دے دیا۔ ابوطالب ۱۲۱۰ھ میں لکھنؤ سے کلکتہ روانہ ہو گئے اور وہاں سے رچرڈسن کے ہمراہ رمضان ۱۲۱۳ھ میں راس امید کے راستے ۲۹ شعبان ۱۲۱۴ھ کو لندن پہنچے، ڈھائی سال تک لندن میں قیام کر کے ۱۱ صفر ۱۲۱۷ھ کو پیرس اور وہاں سے کلکتے آ گئے۔ مرزا ابوطالب نے ۱۲۲۰ھ کلکتہ میں وفات پائی۔

تصنیفات: • منتخب ریاض الشعراء داغستانی۔ • خلاصۃ الافکار تالیف ۱۲۱۹ھ کلکتہ۔ • مسیر طالبی فی بلادِ افرنجی طبع ۱۸۱۲ء نیز انگریزی ترجمہ۔ • ترتیب و تصحیح دیوانِ حافظ طبع اوّل کلکتہ • تفضیح الغافلین۔ • تاریخ عہد آصف الدولہ نیز ترجمہ انگریزی (اعیان الشیعہ ج ۷، ص ۱۸، دائرۂ معارف اسلامیہ اردو؛ نزہتہ ج ۷، ص ۱۵)

ابوعلی امروہوی :
۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء
۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء

عالم و فاضل حکیم ابوعلی بن غلام علی امروہوی، ۱۲۰۲ھ دہلی میں پیدا ہوئے۔ سید محمد عبادت امروہوی سے فقہ و حدیث و علومِ عربیہ کی تکمیل کی۔ حکیم رضی الدین امروہوی سے طب پڑھی۔

۲۵ سال تک باندہ میں درس دیا۔ ۲۱ صفر ۱۲۷۲ھ کو رحلت کی۔

تصانیف: • ہادی المخالفین فی الرد علی تحفۃ المسلمین۔ • حجیۃ الایمان۔ • کشف الرین فی اثبات العزاء علی الحسینؑ۔ • الفوائد الحسینیہ فی المفرحات۔ • حواشی طب اکبر (نزہتہ ج ۷، ص ۱۷)

ابوالفتح گیلانی، حکیم :
حدود ۹۵۵ھ / ۱۵۴۸ء
۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء

مسیح الزمان ابوالفتح گیلانی عہدِ اکبری کے مشہور عالم تھے، فلسفہ و حکمت میں ان کی شہرت اور طب و معالجہ میں ان کا مرتبہ مسلم ہے۔ مشہور ہے کہ ان کے والد عبدالرزاق، لاہجان میں صدر الصدور تھے ۹۷۵ھ میں جاں بحق ہوئے۔

(مقدمۂ رقعات ابوالفتح، طبع لاہور) لیکن سید اکبر لکھنوی نے سبیکۃ الذہب میں اپنا نسب نامہ لکھتے ہوئے بعض اہم انکشافات کیے ہیں:

"السید الحکیم ابوالفتح (ممدوح الحکیم العرفی الشیرازی) ابن المغفور السید، عبدالرزاق الجیلانی مولداً والشیرازی موطناً والدہلوی مسکناً، مُصنّف مصباح الشریعۃ ومصباح الحقیقۃ ابن المغفور السید محمد ہاشم ابن المبرور السید محمد قاسم ابن المرحوم السید ہاشم ابن المغفور السید محمد حسن ابن المبرور میرزا نورالدین ابن المرحوم میرزا علاء الدین العطار ابن المبرور میرزا بہاء الدین ابن المغفور السید محمد النجار ابن المبرور السید عبداللہ زرنجش ابن المرحوم السید ابوبکر رضا ابن المبرور السید محمد قاسم ابن المرحوم السید حسین ابن المبرور السید موسیٰ ابن المغفور السید عبداللہ ابن المغفور السید محمد ابن المرحوم السید محمد جعفر ابن المغفور السید عبدالحق ابن المغفور السید اکبر الحائری ابن المغفور السید محمد احمد البطحی الحائری ابن المغفور السید محمد ابراہیم رحمہ اللہ ابن الامام الہمام ابی الحسن موسیٰ الکاظم علیہ السلام"۔

خلاصہ یہ ہے کہ:

ابوالفتح اپنے والد کے ساتھ شیراز سے وارد ہند ہوئے۔ عبدالرزاق مصباح الشریعت نامی کتاب کے مؤلف تھے اور یہ کتاب سید محمد اکبر ابن سید مختار ابن محمد باقر ابن محمد جواد ابن سید امیر مختار ابن ابوالاعلیٰ ابن المعالی ابن سید خلیل ابن السید حکیم ابوالفتح کے پاس ۱۳۰۵ھ کو لکھنؤ میں موجود تھی۔

مصباح الشریعت فقہ کی کتاب تھی، یہ نہیں معلوم کہ مفصل تھی یا مجمل اور استدلالی تھی یا کتاب فتویٰ۔

ملا عبدالرزاق کے چار بیٹے تھے۔

بڑے کا نام ابوالفتح، اور چھوٹے کا نام لطف اللہ تھا۔ حکیم ہمامؒ (متوفی ۶ ربیع الاول ۱۰۰۴ھ) ان کے علاوہ ایک فرزند حکیم نورالدین قراری (م ۹۸۸ھ) تھے۔

حکیم مسیح الدین ابوالفتح ۹۸۳ھ کو وارد ہند ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم و فنون میں کامل و مکمل ہو کر آئے تھے۔ کیا بعید ہے کہ انھوں نے شیراز میں معقولات و منقولات کے بہترین اساتذہ سے درس لیا ہو۔ اور فقہ د

---

[1] حکیم ہمام کے فرزند حاذق آگرے میں عزت و امارت کے ساتھ رہتے تھے۔ بقول مؤرخین ۱۰۶۷ھ میں آگرہ میں فوت ہوئے۔ ا-ح

حدیث میں کمال رکھتے ہیں۔ مگر دربار اکبری میں وہ پہلے طبیب کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ پھر اپنی اعلیٰ قابلیت کی بنا پر سیاسی وانتظامی منصب حاصل کرتے رہے۔ ۹۸۷ھ کے اواخر میں صدر وامین بنگال ہوئے۔ اس کے فوراً بعد دربار میں طلب کیے گئے اور پایۂ تخت کی صدارت کا منصب پایا۔ اکبر کے معتمد مشیروں میں حکیم ابوالفتح کا درجہ بہت بلند تھا۔ اکبر کی بے مذہب پالیسی نے ابوالفتح کی ڈاڑھی مونچھیں صاف کرادی تھیں۔ لیکن طب و اخلاق فلسفہ و مذہب کا مطالعہ جاری رہا۔ خطوط میں روضۃ الشہداء، کیمیائے سعادت و احیاء العلوم کے نام موجود ہیں۔

حکیم ابوالفتح، خوش اخلاق، منکسر مزاج، ہمدرد خلق اور مدبر وسیاست دان آدمی تھے۔ ان کے محترم دوستوں اور قابل عقیدت بزرگوں میں حضرت قاضی نوراللہ شوستری کا نام بھی ہے۔ رقعات حکیم ابوالفتح گیلانی، مطبوعہ لاہور سے حکیم کا ایک خط متعدد فوائد کے پیش نظر نقل کیا جاتا ہے۔

مکتوب حکیم ابوالفتح گیلانی

بہ آیۃ اللہ قاضی نوراللہ شوستری:

گرامی رقعہ کل الذاتی کہ استقامت ذات سامیش مسؤل ہر صحیح و بیمار است، شفا بخش خاطر رنجوران (بل] نعم البدل آب حیات بود، عرق شرم بر جبین و سر خجالت بر زمین افگند، دعای دوستاں از زبان نیکاں مستجاب باد۔ تا استجابت دعاہای ماگمراہاں را دراں درگاہ بار نیست، کلفت خبر بیماری سریع الزوال شما از خلاص خود مایوس شگن رادل کوب ترمودہ۔ فرد:

مرگست دوری از عدم تشویش ہستی دیدہ را   یارب زخواب نیستی در حشر بیدارم مکن

پریشانی خاطر شخصی کہ بمعائب نفس ناطقہ رسیدہ باشند و بصد ناامیدی دست از اصلاح خود شستہ تصور فرمودہ، ہستی در کار ماپست فطرتاں دارند، تا خود را از تحت الثرای طبع خلاص کردہ، باقصای غایت نفس ناطقہ توانند رسانید و اہل روزگار را از شر خود خلاصی توانند بخشید۔

پنجم رجب المرجب ۹۹۶ھ نوشتہ شد

ازیں نامہ مستفاد می شود کہ قاضی نوراللہ چہ اثر عمیقی داشتند و امرا دربار اکبری از آن سید بزرگوار ارادت مندانہ صحبت می کردند۔ ناراحتی حضرت قاضی، حکیم ابوالفتح را چقدر نگران ساخت ایں مرقوم در کتاب "رقعات ابوالفتح گیلانی ص ۱۱۵، ۱۱۶ چاپ شدہ کتاب را" پنجاب یونیورسٹی لاہور، در ۱۹۶۸ء نشر داد۔

وفات: ۹۹۷ھ رمضان کے بعد کشمیر سے واپسی میں اسہال ہوا۔ دھمتور پہنچ کر شب پنجشنبہ ۱۹ شوال ۹۹۷ھ داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور حسن ابدال میں دفن ہوئے۔

اولاد: سید ابوالوفا۔ ٭ سید خلیل صوبہ دار لاہور ٭ سید فتح اللہ

تصانیف: • فتاحی: شرح قانونچہ ساڑھے چار سو صفحات۔ • قیاسیہ: شرح اخلاق ناصری از قرآن و حدیث • چہار باغ "رقعات ابوالفتح" مطبوعہ • افادات حکیم ابوالفتح: موجودہ در کتب خانہ ڈاکٹر اصغر مہدی تہران۔ • مظہر الاسرار: مثنوی موجود در کتب خانہ مرکزی دانش گاہ تہران۔

(• مقدمہ رقعات ابوالفتح۔ • نزہۃ الخواطر ج ۵ • سبیکۃ الذہب)

ابوالفضل

۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء

۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء

ملا مبارک اللہ[۱] (م ۱۰۰۱ھ) کے بڑے بیٹے فیضی اور ان سے چھوٹے ابوالفضل تھے۔ ابوالفضل آگرے میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت ۶ محرم ۹۵۸ھ / ۱۴ جنوری ۱۵۵۱ء ہے۔ ابوالفضل عربی النسل یمنی الاصل طالب علم نے اپنے والد اور معاصر اساتذہ سے اسلامی علوم سیکھے۔ ملک میں نئے رجحانات کا زور و شور تھا۔ ابوالفضل نے بھی ہندو علوم اور سنسکرت زبان سیکھی۔ اکبر کو پرانے علماء کی جگہ نوجوانوں کی ضرورت تھی۔ ابوالفضل ذہانت و ذکاوت صلاحیت قابلیت کی بناء پر ۹۷۴ھ میں اکبر نے یاد کیا اور فیضی اپنے ساتھ دربار میں لائے۔ حاضر جوابی، شیریں کلامی، اور ترقی پسندی کی بناء پر بادشاہ کی نگاہِ انتخاب میں آ گئے۔ دوسرے سال تفسیر آیۃ الکرسی لکھ کر پیش کی اور ملازمت پائی۔

ابوالفضل سیاسی دماغ کے مالک تھے۔ وہ شاہی مراسلہ نویس اور پرائیویٹ سیکرٹری ہوئے، پھر وزارتِ عظمیٰ حاصل کی، مہمات میں شریک ہوئے، تقابل ادیان "عبادت خانہ" اور دار الترجمہ کے رکن رہے۔ بادشاہ کے پسندیدہ ملازم اور معتمد رکنِ سلطنت کی حیثیت سے ابوالفضل کا خلوص و عقیدہ صرف اطاعتِ اکبر تھا۔ اکبر کو شرعی احکام اور اسلامی عقائد سے صرف نام کا تعلق تھا۔ عملاً وہ خود نئے دین، نئے مسلک اور خود ساختہ مذہب کا آدمی تھا۔ ابوالفضل بھی قاضی القضاۃ قاضی خان بدخشی اور ملا عالم کابلی کے ساتھ بادشاہ کے دینِ جدید کا زبردست حامی تھا۔ لیکن یہ دین وقتی اور سیاسی تھا۔ اس کے پردے میں رہ کر سنی سنی تھے اور شیعہ شیعہ۔ یہ بات اس وقت کھلتی تھی جب نجی بحث مباحثہ ہو اور کھلم کھلا سنی علما چھیڑتے یا کھلم کھلا شیعہ علما اپنا موقف ظاہر کرتے تھے۔

---

[۱] مبارک اللہ بن خضر کے جد موسیٰ یمن سے آٹھویں صدی ہجری میں ——— صوبہ سندھ کے علاقہ ریل میں رہنے لگے۔ شیخ موسیٰ کے پوتے رکن الدین ان کے بیٹے شیخ خضر سندھ سے نکل کر پنجاب کے شہر ناگور میں اجمیر کے پاس رہنے لگے۔ شیخ مبارک ناگور میں پیدا ہوئے۔ ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء ان کا سنِ ولادت ہے۔ ۹ برس کے سن میں جوہر کھلے اور ۱۴ برس کے ہوئے تو متداول علوم میں سے ہر فن کا ایک ایک متن حفظ تھا۔ شیخ عطن، اور شیخ سالار ناگوری اور بقول بعض حضرات کے خواجہ عبید اللہ احرار سے بھی فیض حاصل کیا۔ خطیب ابوالفضل گازرونی سے بھی عقیدت و تلمذ کا رشتہ رہا۔ غرض سفر طالب علمی بعد کسب کمال

مؤرخین نے اس سلسلے میں جو واقعات لکھے ہیں ان میں عبدالقادر کا بیان ہے کہ ابوالفضل نے ملا محمد یزدی اور حکیم ابوالفتح کے علاوہ ایک عالم کو پریشان کیا۔ ملا احمد تتوی اور فتح اللہ شیرازی کا ہمیشہ احترام کیا۔ معاصر اسے شیعہ کہتے تھے اور اس کی اولاد اب تک شیعہ ہے۔

ابوالفضل کے خطوط اور یادداشتوں کا ایک مجموعہ دفتر ابوالفضل کے نام سے موجود ہے۔ اس میں سلاطین، امرأ، حکماء علماء اور مختلف لوگوں کے نام خطوط کے مطالعے سے اس کی خاص نثر نویسی، وسعت مطالعہ، دقت نظر، سیاسی سوجھ بوجھ، معاملہ فہمی، شاہ پرستی پر حیرت انگیز روشنی پڑتی ہے۔

آئینِ اکبری اس کے انتظامی، دفتری، تاریخی، ثقافتی معلومات کا قیمتی ذخیرہ ہے۔ اسے اخلاق و فلسفے سے دلچسپی تھی اور مطالعہ اس کا مشغلہ۔ بادشاہ کے خاص مشیروں میں تھا۔ اس لیے جہانگیر کو دشمنی ہوگئی تھی۔

۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء میں جہانگیر نے سرکشی کی تو ابوالفضل کو مہم دکن سے واپسی کا حکم ہوا، ابوالفضل دربار کے

سے فارغ ہو کر ۶ محرم ۹۵۰ھ کو آگرے کے قریب جمنا پار اترے اور گھر بنا کر بیٹھ گئے۔ گوشہ نشینی، مطالعہ اور لکھنا پڑھنا مشغلہ تھا۔ شیر شاہ نے بلایا نہ گئے۔ فلسفی آدمی تھے۔ معاصر حریفوں نے مخالفت شروع کر دی۔ تشیع کے الزام میں بہت ستائے گئے۔ میر حبش کو شیعہ کہہ کر قتل کیا گیا، اور شیخ مبارک کو روپوش ہونا پڑا۔ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی صدر نے زندگی اجیرن کر دی۔

۶۲ برس کی عمر میں حالات بہتر ہوئے ۹۷۴ھ میں فیضی کی دربار اکبری میں طلبی ہوئی۔ پھر سب فرزند صاحب اعزاز ہوتے ہی چلے گئے۔ خود بھی دربار کے معتبر عالم قرار پائے اس معتبری میں قاضی القضاۃ قاضی خان بدخشی اور ملا عالم کابلی کے ساتھ مل کر دینِ جدید اور نئی سیاست کا خاکہ بنایا جو دینِ الٰہی کہلایا۔

آخر ۱۷ ذی قعدہ ۱۰۰۱ھ لاہور میں رحلت کی اور آگرے میں دفن ہوئے۔ ابوالفضل نے اپنے باپ کا عالی شان مقبرہ آگرے میں بنوایا تھا۔ یہ مقبرہ آگرے اور اکبر کے مقبرے کے درمیان میں تھا، سکندرے سے ڈیڑھ میل پہلے موضع مٹو کے سوانہ میں تھا اور عوام میں "روضۂ لاڈلی" کے نام سے مشہور تھا۔ لاڈلی بیگم، نواب اعتمادالدولہ اسلام خان کی زوجہ اور ابوالفضل کی بہن تھیں۔ اس مقبرے کے گرد، احاطہ تھا اور اس کے عالی شان دروازے پر لکھا تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ و بعد ۔۔۔ ۔۔۔ ھذہ الروضۃ للعالم الربانی والعارف الصمدانی جامع العلوم شیخ مبارک قدس سرہ العزیز قد وقف بنیانٖ- بحر العلوم شیخ ابوالفضل سلمہ اللہ تعالیٰ فی ظل دولۃ الملک العادل یطلبہ المجد والاقبال والکرم جلال الدین والدنیا اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ تعالیٰ ظلال سلطنۃ باہتمام حضرت ابی البرکات فی سنۃ اربع و الف "دبستان اخیار یا تذکرۂ مشاہیر اکبرآبادی طبع آگرہ ص ۱۵۲) اولاد: ۰ ابوالفیض فیضی (۹۵۴-۱۰۰۴ھ) شیخ ابوالفضل (۹۵۸-۱۰۱۱ھ) شیخ ابوالبرکات (۹۶۰ھ-۱۰۱۶ھ) ابوالخیر (۹۶۷ھ- ؟) ابوالمکارم (۹۷۶- ؟) ابوتراب ابوحامد- ابوراشد

لڑکیوں میں لاڈلی بیگم- زوجۂ خداوند خان شیعی زوجۂ فرزند راجہ علی خاں،

ارادے سے واپس آرہا تھا، راستے میں بندیلہ نامی راجپوت سردار راجہ بیر سنگھ دیو نے روک کر گوالیار سے تین کوس کے فاصلے پر قتل کردیا، سر تو جہانگیر کے پاس الہ آباد بھیج دیا گیا اور لاش قصبۂ انتری میں دفن کردی گئی (دائرۂ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی)

یہ واقعہ جمعہ ۴ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ / ۲۲ اگست ۱۶۰۲ء کا ہے۔

اولاد: عبدالرحمٰن خان باپ کے بعد ترقی کرتے کرتے صوبۂ بہار کا حاکم ہوا اور ۱۰۴۲ھ میں فوت ہوا۔ مجھے آگرے کے معتبر و موثق بزرگوں نے بتایا کہ عبدالرحمٰن شیعہ تھے اور ان کی اولاد آگرے میں تھی۔ اور اب یہ خاندان پاکستان میں موجود ہے۔

تصانیف: • اکبر نامہ۔ تاریخ عہد اکبری طبع شد۔ • آئین اکبری (ثقافتی و آئینی تاریخ) طبع شد • عیار دانش، انوار سہیلی کا خلاصہ تکمیل ۹۹۶ھ طبع شد۔ • دیباچۂ رزم نامہ، مہابھارت کے ترجمہ فارسی کا مقدمہ (۹۹۵ھ) • انجیل۔ بائبل کا فارسی ترجمہ (۹۸۶ھ) • مناجات۔ فارسی اشعار (۹۹۳ھ طبع میڈیول انڈیا کوارٹرلی علی گڑھ نے چھاپی) • مکاتبات علامی (۱۰۱۵ھ) دفتر ابوالفضل۔ انشاء ابوالفضل اور مکاتبات علامی کے ناموں سے مشہور ہے اور مدتوں سے داخل نصاب ہے۔ • رقعات ابوالفضل۔ مرتبہ نورالدین محمد

(• ترجمہ مآثر الامراء ج ۲ ص ۶۱۱ دربار اکبری۔ ص ۵۰۷ نگارستان فارس ۴۳ ۱ منتخب التواریخ)

ابوالفیض۔ فیضی۔ فیاضی:

۹۵۴ھ / ۱۵۴۷ء

۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء

ملا مبارک مہدی ناگوری کے بڑے فرزند ابوالفیض شب پنجم شعبان ۹۵۴ھ / ۱۵۴۷ء آگرے میں پیدا ہوئے اپنے والد اور معاصر اساتذہ سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ملک کے سیاسی حالات دگرگوں تھے۔ ملا مبارک کے حریفوں نے ان کے لیے زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ علمی عملی رخوں سے حملے ہو رہے تھے۔ ابوالفیض ــــ حکیمانہ مزاج رکھتے تھے۔ حالات نے خالص دینی تعلیم سے آراستہ بزرگوں کی حالت دیکھ کر آزادہ روی، روشن خیالی اور حکمت و فلسفہ کی طرف قدم بڑھایا۔ اور ہندوؤں کے قدیم علمی و مذہبی مرکز کاشی (بنارس) جاکر شاستر کی تعلیم حاصل کی جب استاد پر حال کھلا تو اس نے نصیحت کی کہ گائتری منتر اور چار بید کا ترجمہ نہ کرے۔ فیضی نے اس پر عمل کیا۔

تصانیف: • منبع نفائس العلوم تفسیر مفصل: مولانا آغا مہدی صاحب نے اس تفسیر کے ایک مکمل نسخے کا سراغ لگایا ہے اور وہ کتب خانہ سید محمد تقی ممتاز العلماء لکھنؤ کے ذخیرے میں ہے۔ • ترجمہ حیوٰۃ الحیوان:

(• دربار اکبری۔ ۷۰۴۔ تذکرہ علماء ہند ۱۷۴

• بوستان اخیار۔ ۱۴۷، ترجمہ منتخب التواریخ ۶۰۲)

بنارس سے نکل کر وہ مختلف مشکلات سے دوچار ہوئے آخر ۹۸۴ھ میں دربار اکبری کی حاضری اور پھر ملازمت سے سرفراز ہوئے اور چارصدی منصب پایا۔ انھوں نے دانیال کو تعلیم دی تھی۔ ۹۹۸ھ میں ملک الشعرائی کا منصب ملا۔ ۹۹۹ھ میں وہ دکن کی سفارت پر بھی گئے۔

فیضی اکبری دربار کے نورتن کا رکن تھا۔ وہ بادشاہ کا مزاج شناس و محبوب تھا۔ بادشاہ کے رجحانات کی تائید کرتا۔ اور اس کی بڑھ چڑھ کر مدح کرتا تھا۔ اکبر نے آفتاب پرستی شروع کی فیضی نے بیسیوں رباعیاں لکھ دیں۔ قاضی خان بدخشی نے بادشاہ کے لیے سجدہ جائز قرار دیا تو فیضی موید تھا، فیضی کا دین حقیقی تو رضاء اکبرشاہ تھا۔ لیکن اس کے تالیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل عقیدہ تشیع تھا اور دربار کے سنی علما اس بات کا طعنہ بھی دیتے تھے۔ اس کے کلیات میں جو اس کا دیباچہ ہے اس میں بسم اللہ و حمد کے بعد ہے:

بستۂ در گنج بقفل خفا　　　داده کلیدش بکف مصطفےٰ[۲]

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و عترتہ کہ مدارج مرقات علمیہ و جواہر مرآت فطریہ اند۔

اور قصیدۂ منقبت و موعظت میں، وہ اپنے عقائد کا بیان کرتے ہوئے اصحاب کا سرسری ذکر کرتا اور نام نہیں لیتا، مگر چودہ شعروں میں وہ بارہ اماموں کا نام لیتا ہے اور آخر میں کہتا ہے۔

فیضی نشود خاتمۂ ما بہدایت　　　گر ختم امامان ھدیٰ را نشناسیم

دیکھیے (کلیات فیضی جلد اول، ترتیب اے ڈی ارشد و مرتضیٰ حسین فاضل، طبع لاہور، ۱۹۶۷، صفحہ ۱۹)

فیضی ملا احمد تتوی، حکیم فتح اللہ شیرازی، حکیم ابوالفتح گیلانی، قاضی نوراللہ شوستری، ملا احمد یزدی کے ارادتمندوں میں تھا۔ اس نے تفسیر و حدیث، طب و حساب، عربی و فارسی و سنسکرت میں بڑے اہم کام انجام دیے ہیں۔

فیضی دمے کا مریض تھا اور اسی بیماری میں ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ کو رحلت کی۔ اور آگرے میں اپنے والد کے مقبرے میں دفن ہوا۔ یہ مقبرہ ابوالفضل نے ۱۰۰۴ھ میں مکمل کرایا، مگر ۱۹۰۷ء میں کھد گیا۔ (بوستان اخیار۔ ص ۱۵۲)

تصانیف: مآثر الامراء کے مصنف نے اسے ایک سو ایک کتابوں کا مؤلف بتایا ہے جس میں سے چند یہ ہیں:

- سواطع الالہام: قرآن مجید کی تفسیر عربی جس میں کسی حرف پر نقطہ نہیں ہے۔ اس کی متعدد تقریظیں لکھی گئیں ان میں جناب قاضی نوراللہ شوستری کی تقریظ اہم ہے۔ یہ تفسیر ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ (طبع ہو چکی ہے) • موارد الکلم۔ یہ بھی عربی میں ہے اور تفسیر سے پہلے صنعت مہملہ میں لکھی ہے۔ علم اخلاق اس کا موضوع ہے۔ تالیف ۹۸۵ھ طبع شد
- مثنوی مرکز ادوار، فارسی، تصوف طبع شد۔ • ترجمہ لیلاوتی (سنسکرت سے فارسی میں) طبع شد
- مثنوی نل دمن، طبع شد۔ • لطیفۂ فیاضی، چند خطوں کا مجموعہ طبع شد۔ • کلیات فارسی، جس میں قصائد، قطعات، غزلیات ہیں اس کا پہلا حصہ چھپ گیا ہے۔ پورے کلیات کی چھان بین ڈاکٹر اے ڈی ارشد صاحب نے

کی تھی۔ میں نے اس کی جدید طرز پر ترتیب کا کام کیا۔ اور حواشی لکھے تھے۔

(• دربار اکبری ص ۵۴۴ طبع لاہور ۱۹۴۷ء • نگارستان فارس طبع دوم لاہور ص ۱۲۶ • ماثر الامرا اور متعدد کتابیں)

ابوالقاسم تستری :

۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء
۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء

ابوالقاسم بن رضی حسینی جزائری تستری مشہور بہ نواب میر عالم خان نواب صاحب کے والد رضی حسینی حیدر آباد آئے اور "پٹن چرو" کے جاگیر دار ہوئے۔ میر رضی کے فرزند ابوالقاسم حیدر آباد میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سے فقہ و اصول، تاریخ و لغت اور حکمت و فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔

ہوش مندی، سیاسی اور علمی قابلیت کی بناء پر ارسطوجاہ وزیر دکن کے یہاں اعزاز حاصل کر گئے۔ ارسطوجاہ نے پہلی مرتبہ سفیر بنا کر کلکتے بھیجا پھر ۱۲۰۷ھ میں سلطان ٹیپو کے خلاف نظام کی فوج کے سربراہ کی حیثیت سے انگریزوں کی کمک کی بخاطر جنگ کے بعد دکن واپس آئے تو ارسطوجاہ سے رقابت اور سیاسی اختلاف کی بنا پر نواب صاحب نے خانہ نشینی اختیار کر لی۔

سکندر جاہ بن نظام علی خان نے تخت نشینی کے بعد ۱۲۱۹ھ میں وزارت عطا کی۔ نواب میر عالم خان کا دور وزارت تعمیر و ترقی کا دور شمار کیا جاتا ہے۔ نواب صاحب نے حیدر آباد اور اس کے باہر متعدد عمارتیں بنوائیں بھن آباد و حیدر آباد میں "نہر کشنا" جاری کی۔ باغ بنایا موسیٰ ندی پر بند تیار کرایا۔

آخر ۸ شوال ۱۲۲۳ھ کو رحلت فرمائی اور دائرہ میر مومن میں دفن ہوئے۔

تصانیف : • حدیقۃ العالم تاریخ دکن فارسی (مطبوعہ)

فرزند : سید رضی خان دوران م ۱۲۱۶ھ

(• نزہتہ ج ۷ ص ۱۸ • اعیان الشیعہ ج ۷ ص ۳ و ۱۸۸ • میر مومن ص ۲۸۹)

اخوند ابوالقاسم کشمیری :

۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء

جناب شہید ثانی شیخ زین الدینؒ کے پوتے شیخ محمد حسنؒ دہلی میں رہتے تھے، آخری دنوں میں ملا ابوالقاسم نامی کشمیری نے آپ کی خدمت میں حاضری دی۔ وہ آپ سے علوم دین، تفسیر و حدیث، فقہ و عقائد میں تلمذ حاصل کر کے خدمت گزاری کرتے رہے۔

جناب علام شیخ محمد حسنؒ دہلی کے فقہاء امامیہ میں مرجعیت رکھتے تھے شیخ موصوف نے وفات پائی تو اخوند ابوالقاسم نے موصوف کے مقبرے کے پاس گھر بنا لیا۔ اور اپنی باقی زندگی خوش اخلاقی خدمت خلق اور یاد خدا میں بسر کی۔

آخر اٹھارہ رمضان ۱۱۹۳ھ میں بعد افطار وفات پائی اور استاد کے پہلو میں دفن ہوئے۔
(۰ سیر المتاخرین ج ۲ ص ۶۱۶)

ابوالقاسم سمنانی : بعد از ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء

مؤلف جہاں نما نے ۱۲۲۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے۔ پٹنہ میں اس وقت عالی حضرت، ستودہ مرتبت، حمیدہ خصلت، فضائل شعار، فرخندہ رفتار اخوند ملا ابوالقاسم سمنانی صاحب طبع سلیم و ذہن مستقیم تھے۔ علوم متداولہ میں خوب معرفت تھی۔
تاریخ و مذاہب و فنون عمل میں خاص درجہ تھا۔ (دبے بہا)

ابوالقاسم حائری : ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء — ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

لاہور میں فقہی اور علمی سرگرمیوں کے محرک اول جناب مولانا ابوالقاسم حائری تھے۔ مولانا موصوف کشمیری الاصل و رضوی النسل بزرگ تھے۔ موصوف ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء فرخ آباد (یوپی) میں پیدا ہوئے۔
ان کے والد سید حسین قم سے کشمیر منتقل ہوئے اور پشمینہ کا کاروبار کرنے لگے۔ وہ تجارت کے لیے لکھنؤ جایا کرتے تھے۔ مولانا ابوالقاسم بن سید حسین اسی زمانے میں بمقام فرخ آباد پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں سلطان العلما سید محمد صاحب اور سید العلما مولانا سید حسین صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔
مولانا ابوالقاسم، نیک، پرہیزگار، وسیع النظر، قادر البیان عالم تھے ان کی قابلیت و تقویٰ سے متاثر ہو کر نواب علی رضا خاں قزلباش اپنے ساتھ لاہور لے آئے۔ ابوالقاسم صاحب نے لاہور کو دینی و علمی مرکز بنانے میں بڑا کام کیا۔
موچی دروازے میں مسجد و مدرسہ کی تاسیس ہوئی، جمعہ و جماعت کا قیام ہوا۔ مدرسے کے اخراجات اور طلبا کا قیام و طعام نواب صاحب قزلباش برداشت کرتے تھے، بلکہ اس سلسلے میں وقف بھی قائم کیا۔ مولانا خود درس بھی دیتے تھے اور وعظ بھی فرماتے تھے۔ ان کے فیوض سے پنجاب میں شیعہ علوم و فنون، حدیث و تفسیر، فقہ و عقائد کے چرچے ہوئے۔ مولانا کو قرآن مجید سے بے حد عشق تھا۔ انھوں نے ملکی رجحانات و ضروریات کے مطابق مفصل تفسیر لکھنا شروع کی۔ اس وقت شیعوں پر چاروں طرف سے حملے اور اعتراض ہو رہے تھے۔ لہٰذا تفسیر میں اس پہلو پر زیادہ زور دیا گیا۔
مولانا نے نادر و قیمتی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا تھا جس میں تفسیر کا مجموعہ بہت زیادہ تھا۔

مولانا ابوالقاسم حائری نے اپنے علم و تقدس سے لاہور کے اپنے بیگانے ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ فارسی زبان میں بے تکلف گفتگو کرتے اور لکھتے تھے۔ ان کے تمام تالیفات فارسی ہی میں ہیں۔

مولانا ابوالقاسم حائری نے حج و زیارات کا سفر کیا۔ اس سفر میں وہ شیخ مرتضیٰ انصاریؒ اور علامہ اردکانی وغیرہ کے درس میں حاضر ہوئے اور ان سے اجازے لیے۔

پچاس سال کے تگ بھگ لاہور میں مساجد، جماعت، عزاخانے، مجالس اور علمی حلقے قائم ہوگئے۔ چونکہ مولانا بہت با اخلاق، خوش مزاج، سیرت و صورت میں کشش رکھتے تھے۔ اس لیے نیچری، عیسائی، آریہ، یہود، اور مختلف فرقے اور مختلف عقیدے کے افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اپنے شبہات دور کرتے تھے۔

مولانا کی وفات ۲۴ محرم ۱۳۲۴ھ کو ہوئی (کافور و کفن جو مشاہد مشرفہ سے مس کر کے ساتھ رکھتے تھے اسی سے حنوط و کفن دیا گیا) اور گامے شاہ کی کربلا میں سپرد لحد ہوئے۔

اولاد: • مولانا سید علی حائری۔ • مولانا سید ابوالفضل۔

تصانیف: مولانا کی قلمی کوششیں پنجاب کی علمی تاریخ اور فارسی زبان کی خدمات کے سلسلے میں ہمیشہ قدر کی نظر سے دیکھی جائیں گی۔ لیکن ان کی تفسیر • لوامع التنزیل: برصغیر کی تفسیر نویسی میں مایۂ ناز کتاب ہے۔ مطالعہ، تحقیق، مباحث عقائد و استدلال کے بہترین حوالے موجود ہیں۔ اس کی زبان سادہ اور رواں ہے۔ اس کی بحث دل کش اور مفید ہے۔ ہر پارے کی ایک جلد اور ہر جلد کے ساتھ ساتھ علما کی رائے چھپی ہے۔ (مولانا ابوالقاسم نے بارہ جلدیں لکھی ہیں)

لوامع التنزیل کے علاوہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی ایک مختصر فہرست یہ ہے۔ • شرح تبصرۂ علامہ حلی (عربی قلمی) • حاشیہ بر شرح مبادی الاصول قلمی۔ • تعلیقہ بر شرح میر عبدالوہاب قلمی۔ • جنۃ الواقیہ دو جلد (عقائد و فروع) قلمی۔ • معارف ملت ناجیہ (فارسی) • ناصر العترۃ الطاہرہ (فارسی) • برہان المتعہ (فارسی) • البشریٰ شرح مودۃ القربیٰ ۲ جلد (فارسی)۔ • حقائق لئالی شرح خصائص نسائی (فارسی) • نجح العروض (عربی) • سیادۃ السادہ در انساب۔ • تجرید العجود (فارسی) • ابطال تناسخ (فارسی) • جواب لاجواب (اثبات عزاداری، ف) • خیر خیر پوری مناظرہ۔ • نفی الجبر مناظرہ۔ • نفی ردیۃ اللہ مناظرہ • اجوبۂ زائرہ مناظرہ • جواب باصواب در طعام اہل کتاب (عربی) • جواب العین در وجہ کسوفین (فارسی)۔ • ارکان خمسہ (فقہ) اردو۔ • ہدایۃ الغالیہ (فا) • برہان البیان در آیۂ استخلاف (فارسی) • انوار خمسہ فقہ (فارسی) • ہدایۃ الاطفال (فارسی) • تکلیف المکلفین حصہ اول عقائد۔ دوم فروع (فارسی) • حکمۃ الایلام • ابراز و اعجاز علی بوقت خلافت۔ • تعبد مالا بد، بحث قبل غروب الشمس۔ • خلاصۃ الاصول در اصول فقہ (عربی قلمی) • تذکرہ ملأ اعلیٰ (کلام) فارسی، قلمی۔ • براہین المعراج (فارسی) قلمی۔ • زبدۃ العقائد (فارسی، قلمی) • تعلیقہ بر شرح مقداد بر فصول طوسی۔ • تعلیقہ بر شرح تجرید علامہ۔ • تعلیقہ بر تہذیب

الاصول علامہ ۔ • صیانۃ الانسان (فارسی) • اجوبہ اسئلۂ نصاری ۔ • رسالہ نوروز (فارسی) تخریج الآیات

• ابانہ در مصاہرت صحابہ (عربی)

(سوانح قاسمی طبع لاہور ۱۳۲۴ھ تذکرہ بے بہا ۔ الذریعہ ۔ مصفی المقال ۔ نزہۃ ۸ ص ۹ ۔ اعیان الشیعہ ج ۷، ص ۱۷ پر ابوالقاسم حائری کو تین شخصیتیں فرض کیا گیا ہے ۔)

ابُوالقاسم نجفی (بمبئی) :

۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء

۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

مولانا شیخ الحاج ابوالقاسم بن شیخ عبدالحکیم کاشانی ..... مجتہد نجف و کربلا و سامرا کے عظیم فقہا کے شاگرد اور عالم باعمل بزرگ تھے جو اہلِ بمبئی کے اصرار پر جناب آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ۱۳۰۷ھ میں بمبئی تشریف لائے اور اکتالیس سال تک دینی خدمات انجام دیتے رہے ۔ تہتر سال کی عمر میں اپنے فرزند جلیل مولانا شیخ محمد حسین نجفی کو خوجہ اثنا عشری مسجد کے دینی خدمات سپرد کرکے کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے اور ۲۸ صفر ۱۳۵۰ھ کو حرم حسینی میں آسودۂ لحد ہوئے ۔

تصانیف : ~~بہت بڑے عالم تھے~~، فارسی میں متعدد قلمی آثار چھوڑے جو ان کے کتب خانے میں محفوظ ہیں ۔ جن میں سے مطبوعہ کتاب روضۃ الابرار ہے ۔ (دیکھیے شیخ محمد حسین نجفی) نیز ، سید محمد جزائری ، مدرسی از تاریخ خوزستان "۔

ابُوالمعالی، سید :

۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء

۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۶ء

سید ابوالمعالی بن قاضی سید نوراللہ شوستری مرعشی سادات سے اور علماء اعلام سے تھے ۔ ہندوستان میں خدماتِ علوم دینی فرماتے رہے ۔ فلسفہ و کلام و ادب سے شغف تھا ۔ فقہ و حدیث کا سلسلہ اکابر علماء عرب سے ملتا ہے ۔ موصوف کی ولادت پنجشنبہ ۲ ذیقعدہ ۱۰۰۴ھ اور وفات ۱۰۴۶ھ بنگالہ میں لکھی گئی ہے ۔

تصانیف : • احوالِ شہادت قاضی نوراللہؒ (نجوم السماء ص ۹۲ بحوالہ امل الآمل، تذکرۂ مجید)

• تفسیر سورۂ اخلاص ۔ • شرح الفیہ (فقہ) • رسالہ نفی رویت • انموذج العلوم ۔ • دیوان فارسی ۔

احسان علی بھیک پوری :

۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ء

۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء

مولانا احسان علی بن سید سلامت علی ، ۱۲۱۷ھ بھیک پور ضلع سارن ، بہار میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ میں منطق و فلسفہ و حدیث و تفسیر ، عقائد و فقہ وغیرہ کی تکمیل کی اور جناب سید حسین صاحب قبلہ سے اجازہ حاصل کیا ۔

کچھ عرصے تک لکھنؤ میں درس و وعظ میں شہرت حاصل کی ۔ امجد علی بادشاہ اودھ نے آپ کی خدمات سے

متاثر ہو کر معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔

آخر میں وطن چلے گئے اور زہد و عبادت، درس و ترویج فقہ و دین میں عمر بسر کر کے ۱۲۷۳ھ میں رحلت فرمائی۔

آپ کے فرزند مولانا علی رضا صاحب بھی فاضل و ادیب و شاعر تھے۔ موصوف نے شعبان ۱۳۲۴ھ میں وفات پائی۔

(مہ بے بہا ص ۱۰ - طبقات اعلام الشیعہ)

احفاد الحسنین

۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء
۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

مولانا اجواد علی متوفی ۱۳۰۶ھ کے صاحبزادے مولانا سید احفاد الحسنین نے اپنے والد اور علماء لکھنؤ سے اجازات لیے۔ طب و شعر و خطابت میں مشہور تھے۔ نیک پرہیزگار اور عالم تھے۔ آخر میں اپنے والد مرحوم کی جگہ مسجد نواب علی خان صاحب حسین آباد ضلع مونگیر میں پیش نماز ہو گئے تھے۔ ذیابطیس کے بیمار تھے۔ تقریباً انچاس سال کی عمر پا کر رجب ۱۳۳۲ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔

دفتر تاریخ ج ۷، ص ۷۷، میں نواب سید محمد جعفر خاں نے تاریخ کہی ہے:

بوطن پاکش بہیرہ قصبۂ آل رسولؐ ... اندر رجب رحلت نمودہ بیرو شاہ حنین
گفتم جعفر چو وفات ذوالمناقب مولوی ... شد وارد قصر جناں الحال احفاد الحسنین
۱۳۳۲ھ

آپ کے تالیفات عربی و فارسی ضائع ہو گئے۔ (مہ بے بہا ص ۱۱۲)

احمد ٹھٹھوی ملّا

قبل ۹۴۰ھ / ۱۵۳۳ء
۹۹۶ھ / ۱۵۸۷ء

ملا احمد بن نصر اللہ فاروقی ٹھٹھہ سندھ کے قاضی زادوں میں تھے۔ آپ کے والد ٹھٹھے کے قاضی و عالم تھے۔ ملا احمد نے گھر میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور شہر کے اساتذہ سے پڑھ لکھ کر فارغ ہوئے۔ مؤلف تحفۃ الکرام لکھتے ہیں کہ ابوالفضل و فیضی کے ہم سبق تھے۔ کچھ عرصے تک ٹھٹھے کے قاضی رہے۔ مکلی پر ان کی خانقاہ ہے۔ (تحفہ مترجم ص ۶۲۱)

اس زمانے میں ایک عراقی عالم ٹھٹھے آئے اور ملا احمد سے ملے۔ ملا احمد ان سے متاثر ہوئے۔ اتفاقاً ملا صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کے دست مبارک میں تفسیر کشاف ہے اور ملا احمد سے فرما رہے ہیں آیۂ "انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنو الخ" کی تفسیر پڑھو۔ ملا احمد خواب سے بیدار ہوئے اور تفسیر کشاف کی تلاش کا خیال دل میں بیٹھ گیا۔ کچھ عرصہ بعد مرزا حسن نامی کوئی عراقی فاضل عراق سے ہرمزا اور ہرمز سے ٹھٹھے کے لیے روانہ ہوئے۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام حکم دے رہے ہیں کہ تفسیر کشاف لے لو، ٹھٹھے میں اہل بیت کا ایک دوست قاضی ٹھٹھہ کا فرزند ہے

اس سے ملنا اور کتاب اسے دینا۔ مرزا حسن بیدار ہوئے تفسیر کشاف نکالی اور اس پر یہ خواب لکھ کر تفسیر ساتھ لے کر روانہ ہوگئے۔ ٹھٹھے پہنچ کر مرزا حسن نے اپنے آدمی کو کتاب دے کر ملا احمد کے پاس بھیجا اور خواب کہلوا دیا۔ ملا احمد کتاب لے کر اور خواب سن کر مرزا حسن کے پاس آئے، اپنا خواب بیان کیا۔ مطالعہ طلب تفسیر کے مطالعے سے مستفید ہوئے لیکن ان کے دوستوں نے اس کی تردید کی۔ ملا احمد کے خیالات بدل چکے تھے۔ مرزا حسن نے شیعہ اکابر و علماء و علوم کی تفصیل بتادی تھی۔ اب ملا احمد مشہد مقدس جانے کے لیے تیار تھے۔ آخر بائیس برس کی عمر میں وہ خراسان روانہ ہوگئے مشہد مقدس، شیراز و یزد کے علما سے ملے۔ مولانا افضل قائنی اور حکیم مرزا جان اور کمال الدین حسین طبیب (م ۹۸۷ھ) سے تفسیر و حدیث، عقائد و فقہ، فلسفہ و ہیئت و طب وغیرہ کا درس لیا۔ ملا احمد ذہین و ذکی، خوش گفتار و فاضل آدمی تھے لہٰذا شاہ طہماسپ صفوی تک رسائی ہوگئی۔ بادشاہ نے بڑی عزت کی اور اپنے ساتھ قزوین میں رکھا۔ ۹۸۴ھ میں شاہ طہماسپ نے رحلت کی اور ملا احمد حج و زیارات کے لیے حجاز و عراق گئے وہاں سے گول کنڈہ اور پھر بیجاپور میں علی عادل شاہ متوفی ۹۸۸ھ کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ یہاں حکیم فتح اللہ شیرازی، و امیر نظام الدین جیسے اکابر علما کا ساتھ رہا۔ دکن میں ملا صاحب کو "ارسطوئے زماں" خطاب ملا۔ علی عادل شاہ کی وفات نے انجمن کا شیرازہ بکھیر دیا۔ جلال الدین اکبر نے ملا فتح اللہ شیرازی کو دارالسلطنت طلب کیا تو ملا احمد بھی ان کے ہمراہ ۹۹۰ھ فتح پور سیکری پہنچے۔ فتح پور میں علما کا ایک بورڈ تاریخ و تحقیق ادیان کے لیے کام کر رہا تھا۔ ملا احمد اس کے رکن نامزد ہوئے تاریخ کی ترتیب میں خلافتِ راشدہ کا آخری دور ملا احمد کے نام تھا۔ ملا صاحب نے یہ باب لکھا اور بورڈ کے سامنے پیش کیا جس پر بڑی بحث ہوئی۔ بادشاہ نے ملا صاحب کے اطلاعات اور وسعتِ معلومات کے پیش نظر پوری کتاب لکھنے کا حکم دے دیا۔ یہ کتاب "تاریخ الفی" کے نام سے مشہور ہے۔

ملا صاحب راسخ العقیدہ، نڈر اور بے باک آدمی تھے۔ ہر صحبت میں وہ اپنے عقائد کی حمایت کرنے میں بے خوفی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اس کے نتیجے میں مرزا فولاد برلاس نامی شخص نے ان کو لاہور میں خنجر مار دیا۔ یہ واقعہ ۲۲ صفر ۹۹۶ھ کا ہے۔ ملا صاحب زخمی ہوئے تو حکیم حسن اپنے گھر لے گئے۔ اکبر نے عبدالرحیم خان خاناں، نواب آصف خان خداوند خان اور ابوالفضل و حکیم فتح اللہ شیرازی کو اس واقعہ کی تحقیق کا حکم دیا۔ مرزا فولاد گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ لیکن ملا احمد جان بر نہ ہو سکے اور ۲۵ صفر کو رہ گرائے جنت ہوئے۔ ملا حبیب اللہ کے قبرستان واقع لاہور میں ان کو دفن کر کے قبر پر پہرہ بٹھا دیا گیا اور ابوالفضل و فیضی کو قبر کی حفاظت کا حکم ملا۔ لیکن جب اکبر کشمیر کے لیے لاہور سے چلے گئے تو ان کے مخالفین نے قبر سے لاش نکال کر اسے نذرِ آتش کیا اور خاک کو راوی میں بہا دیا۔ فیضی نے ملا احمد کے قتل پر بڑا عمدہ مرثیہ لکھا ہے جو کلیاتِ فیضی ج اوّل طبع لاہور میں چھپ چکا ہے۔

تصانیف: ۰ تاریخ الفی ۰ خلاصۃ الحیوٰۃ فی احوال الحکما نامکمل۔ ۰ ترجمہ معجم البلدان نامکمل۔

• رسالہ اخلاق • تریاق فاروق (طب) • رسالہ اسرار حروف

(تمام تذکرے ہیں نے اعیان الشیعہ کے لیے مفصل عربی مقالہ لکھا ہے۔ نیز دیکھیے مجالس المومنین ماثر الامراء، نجوم السماء، بے بہا وغیرہ۔)

احمد، شیخ، دیوبندی : حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء

اسرار الہدیٰ کے خاتمے میں ہے۔

"عالم باعمل، ماہر اکمل، اسوۃ الاذکیا، قدوۃ الاصفیا الادیب البارع المکرم الحسیب النسیب المعظم المحقق النحریر الاوحد الشہیر ابلغ علماء الزمان حکیم مولوی شیخ احمد بن مولوی شیخ وجیہہ الدین صاحب مرحوم عثمانی دیوبندی۔"
موصوف وکیل بھی تھے اور عالم و انشاپرداز بھی، عربی و فارسی و اُردو پر قدرت رکھتے تھے۔ خود تحقیق کر کے شیعہ ہوئے اور سُنی حضرات کی کتابوں کے جواب بڑی شدّ و مد سے لکھتے رہے۔ موصوف بجنور میں ملازم تھے۔ ۱۸۷۳ء میں استعفیٰ دے کر دیوبند آ گئے اور مصروفِ تالیف و تصنیف رہے۔ میرے کتب خانے میں ان کی ضخیم کتاب تاریخ الانبیاء در اقوالِ اصفیاء کی جلد اوّل موجود ہے۔ مقدمے میں لکھا ہے کہ اصل کتاب فارسی میں لکھی تھی۔ احباب کے تقاضے سے ترجمۂ اردو شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں توریت و انجیل کے حوالوں اور دوسرے مآخذ کی فراوانی ہے۔ کتاب میں حضرتِ آدمؑ سے حضرتِ زکریا تک کا حال ہے۔ یہ ترجمہ ۱۳۱۲ھ میں شروع کیا تھا۔

تصانیف : • اسرار الہدیٰ جواب انوار الھدیٰ • بدر الدجیٰ • شمس الضحیٰ • شرح موجز القانون دو جلد بنام تشریف الانور۔

طبقات اعلام الشیعہ ج ۲ ص ۱۰ پر آغا بزرگ نے "انوار الھدیٰ" کو شیخ صاحب کی تالیف لکھا ہے اسی طرح ان کی تاریخ وفات قبل از ۱۳۰۰ھ لکھی ہے۔ میرے پاس اسرار الھدیٰ ہے جس کے خاتمے کی عبارت ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ / ۳۰ جون ۱۸۹۴ء اور سرورق پر ۳۰ جون ۱۸۹۴ء چھپا ہے اور مصنف کو زندہ لفظوں میں یاد کیا گیا ہے۔ لیکن تاریخ الانبیاء کی تاریخ اشاعت یکم صفر ۱۳۱۵ھ کو شیخ احمد صاحب وکیل مرحوم درج ہے۔ ایک مکتوب ایسا بھی چھپا ہے جس میں ۱۸۹۵ء درج ہے اور تاریخ ترجمہ جو غالباً شیخ صاحب ہی کا ہے ۱۸۹۷ء برآمد ہوتا ہے اس لیے میرے خیال میں شیخ صاحب کی وفات ۱۸۹۷ء کے بعد ہے۔

احمد، میرزا : حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

۱۔ شجرہ کے ابتدائی نام تاریخ الانبیاء کے دیباچے میں ہیں۔

عالم جلیل، فاضل منطق و فلسفہ میرزا احمد سبزواری عظیم آباد میں رہتے تھے۔ سید عبداللطیف شوستری سے ۱۲۱۰ھ کے قریب ملاقات ہوئی تھی موصوف نے تحفۃ العالم میں ذکر کیا ہے۔

(طبقات اعلام الشیعہ)

احمد، سید لکھنوی :

حدود: ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

حدود: ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

مولانا سید احمد شاہ ذی علم و صاحبِ کمال خطیب و واعظ و عالم و مقدس بزرگ تھے۔ مقبرۂ عالیہ گولا گنج میں سکونت تھی۔ بچپنے سے مجلسیں پڑھتے تھے، علومِ دین کی تکمیل جناب علن صاحب بحرالعلوم سے کی۔

پابندیٔ وضع میں یہ عجیب بات مشہور تھی کہ جو شخص آپ سے صبح ملنے آتا آپ اس کی بازدید صبح ہی کو کرتے ۶۵ سال کی عمر میں ۱۳۲۵ھ کے بعد رحلت کی۔ مولانا ابوالحسن شاہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان کشمیریاں احاطہ تلسی رام میں دفن ہوئے۔

(الواعظ۔ مئی ۱۹۵۴ء)

احمد، سید علامہ ہندی :

۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

مولانا سید ابراہیم صاحب کے فرزند، ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ صفر ۱۲۹۸ھ کو اپنے والد کے ساتھ عراق گئے اور تحت قبہ بسم اللہ خوانی ہوئی۔ دوسری مرتبہ ۱۳۰۵ھ میں زیارات عراق و ایران سے مشرف ہوئے۔ مرزا محمد حسن صاحب کشمیری سے اور مولوی سید محمد صاحب مدرس مدرسۂ ناظمیہ اور مولوی سید سرفراز حسین صاحب اور مولوی شیخ فدا حسین صاحب، ملا سید علی اصغر صاحب اور مولوی منظر علی خان صاحب مراد آبادی اور تاج العلما سے درسیات کی تکمیل کی۔

عراق جانے سے قبل تقریر و تحریر کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ مثلاً ملتان میں سنی عالم سے مناظرہ کیا جس سے اہلِ ملتان اب تک ممنون ہیں۔ ایک شیعہ دوسری مذہب سے معراجِ جسمانی پر مباحثہ کیا۔ ایک آریہ سے ذبح حیوانات پر بحث کی اور عزت و فتح پائی۔

آپ نے عراق کے متعدد سفر کیے۔ ۱۳۲۵ھ میں مع اہل و عیال۔ ۱۳۲۶ھ۔ اس سفر میں غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے وقف اور اس کے وظائف کی تقسیم کا مسئلہ طے کرایا۔

۱۳۲۸ھ لکھنؤ میں "یادگار علما" کے نام سے خاندانِ اجتہاد کے اکابر کے لیے انجمن قائم ہوئی۔ علامہ ہندی نے تیس سال تک اس میں کام کیا۔

۱۳۳۱ھ میں وثیقۂ موقوفہ نواب ممتاز محل کی تقسیم کے لئے کربلا گئے۔ اسی زمانے میں یکم شوال تا ۲۶ شوال

نجف میں قحط آب ہوا تو مولانا روزانہ کوفے سے پانی منگوا کر مفت تقسیم فرماتے رہے۔ اسی سال جمادی الاولیٰ ،
۱۳۳۱ھ میں مدرسۂ دینیہ ، جعفریہ کی بنیاد رکھی جس میں سو سوا سو طلبا جغرافیہ ، ہندسہ، حساب، ترکی، عربی و علوم
دینیہ پڑھتے تھے۔ اس مدرسہ پر مولانا نے بڑی محنت کی تھی۔

۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم میں آپ نے عوام کی بڑی خدمت کی اور ۷۵ (زن و فرزند) افراد کا قافلہ لے
کر بہزار دقت بصرے آئے اور ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ ہندوستان واپس پہنچے۔

۱۳۳۵ھ میں انجمن ۔ ارالتبلیغ قائم کی۔

عراق کے علما میں آیۃ اللہ مرزا فتح اللہ شیرازی مشہور بہ شیخ الشریعت ، آیۃ اللہ سید محمد کاظم طباطبائی
آقای محمد باقر طباطبائی ، آقای حاج شیخ حسین مازندرانی ، رحمہم اللہ نے مولانا سید احمد کو اجازات دیے جن
میں سے جناب ملا محمد کاظم خراسانی نجفی نے اجازہ میں لکھا :

" فی الحقیقت علم دران صفحات منحصر بمثلِ ایشان ست پس امر ایشان امر من و طاعت ایشان طاعت
من و فعل من ۔"

مولانا سید احمد با عمل ، مدبر اور مفکر عالم تھے ۔ جمال الدین افغانی کی تحریک کا شباب تھا۔ انگریزوں سے
نفرت بڑھ رہی تھی ۔ مولانا سید احمد نے قومی مفادات کے تحفظ کی خاطر عراق میں قونصل برطانیہ سے ٹکر لی اور اوقاف
لکھنؤ کی جو خطیر رقم لکھنؤ سے نجف و کربلا وغیرہ کے لیے جاتی تھی اس کا محاسبہ کیا اور صحیح مستحقین تک پہنچانے ،
اور عراق میں زائرین کے تحفظ کی سعی کی۔ وطن آکر مولانا نے "علامۂ ہندی" کے نام سے شہرت پائی۔ وہ شہر شہر
قریے قریے دورے کرتے رہے اور دینی ، سیاسی اور علمی مسائل کے لیے عملی منصوبے بنائے ۔ انھوں نے
آریوں ، ہندوؤں اور مختلف مذاہب و ملل کے افراد سے مباحثے کیے۔ پورے ملک کے دورے کر کے اسلامی
تبلیغات کا کام انجام دیا۔ بہت سے شہروں میں ذہنی اور علمی بیداری کے مرکز قائم کیے۔

وہ طویل مدت تک کلکتے میں رہے اور وہاں تبلیغی کتابچے چھاپتے رہے۔ علامہ ہندی نے قوم کی علمی ،
اور ذہنی ، سیاسی اور سماجی اصلاح و ترقی کے لیے پوری زندگی جد و جہد کی۔ آخر پنجشنبہ ۱۰ جولائی ۱۹۴۷ء مطابق
۲۰ شعبان ۱۳۶۶ھ لکھنؤ میں رحلت فرمائی۔ غفراں مآب کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

اولاد : ٭ مولانا سید محمد ابراہیم عرف سید محمد صاحب ملتان میں وفات پا چکے ۔ آپ کا تاریخی نام :
سید ذوالفقار حسین تھا۔ ٭ سید محمد یوسف صاحب تاریخی نام سید خورشید حسن ہے۔ ٭ آقا حسین
سید محمد مصطفیٰ [1]

(بے بہا و نزہتہ ۸ ص ۱۵ ۔ اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۷۹)

تصانیف : علامہ ہندی شروع ہی سے زبان و قلم کے دھنی تھے، انھوں نے سینکڑوں مضمون اور رسالے لکھے اور چھاپے جن میں سے چند نام یہ ہیں :

(عربی)

• ساعتیہ، (صرف مطبوعہ) • زبدۃ الکلام۔ مطبوعہ۔ • تفسیر سورۃ الحمد و تفسیر مسئلہ (عربی) • فلسفۃ الاسلام کیمیا۔ • المنطق • اشارات فی الکلام • التصریف۔

• الیاقوت۔ • قاسمیہ۔ • کفایتہ السائلین۔ استدلال • جواز تجزی فی الاجتہاد استدلال۔ • مدارج الوصول شرح معارج الاصول • ہموع دموع العینین مقتل ابی الحسنین

• بسط مقال فی اسماء الرجال • درایۃ الحدیث۔ • عماد الدین فقہ۔ فارسی۔ عربی۔ مخلوط۔ • انشاء صد برگ • انشاء عجب العجاب۔ • ورثۃ الانبیاء

(فارسی) حل مسائل مشکلہ۔ ۱ (اردو) ریاض العباد فقہ • شکیات و جدول احکام نماز۔ • فتاویٰ احمدیہ • احکام المسافرین۔ • رسالہ عمامیہ • ازھار الھدیٰ رد بر اسرار الھدیٰ • اثبات حق در رد نصاریٰ

• عشرۂ مبشرہ بتقاتل۔ • حمایت الاسلام ۲ جلد۔ • دورہ اوّل اسلام ج ا و ۲ مطبوعہ۔ • المسیحیۃ والاسلام مطبوعہ۔ • حل مسئلہ مشکلہ مطبوعہ۔ • الدلیل والبرھان (مطبوعہ) • نظر فلسفیانہ بر معراج مطبوعہ۔ • اختیارات در ادعیہ مطبوعہ۔ • فلسفۃ الاسلام دس جلدیں نامکمل کشکول۔ • ~~الشفیع والسرف ۲ حصے~~ • اوراد الابرار

• مقالاتِ مفیدہ • رسالۃ الصحف • النسخ مطبوعہ۔

دار التبلیغ کلکتہ و لکھنؤ سے آپ کے پچاس سے زیادہ رسالے شائع ہوئے جن کی تفصیل دستیاب نہ ہو سکی۔

احمد کبیر، سید : ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء — ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

مولوی سید احمد کبیر بن فتح حسین بن قربان علی بن محمد اسمٰعیل بن سید علم الدین میاں صاحب سادات بخاری کی اس شاخ سے متعلق تھے جو نہٹور سادات ضلع بجنور میں آباد ہے۔ وہاں ان کی زمین داری اور علمی حیثیت بھی ہے۔ مولوی صاحب ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۶۵ھ نہٹور میں پیدا ہوئے۔

مولوی احمد کبیر نے گوالیار میں اپنے والد اور دوسرے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور ۱۸۶۱ء میں اپنے بہنوئی علمدار حسین کے ساتھ لاہور آئے۔ نواب ناصر علی خان صاحب قزلباش نے ان کا خیر مقدم کیا اور مولوی علمدار حسین کے ساتھ ٹھہرایا۔

مولوی احمد کبیر صاحب گورنمنٹ سنٹرل ماڈل اسکول میں عربی کے استاد تھے۔ ۱۹۰۸ء میں اسکول سے ریٹائر ہو کر خانہ نشین ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں آپ اندرون شیرانوالہ دروازہ نیم والی حویلی خضری محلے میں مدتوں مقیم رہے۔ وہی

بوبوجی کا امام باڑہ کہلایا۔

یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو آپ وطن چلے گئے جہاں اٹھانوے سال کی عمر میں ۷، ۲ صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۷، مارچ ۱۹۴۱ء کو فوت ہو کر میاں صاحب کے تکیے میں دفن ہوئے۔

مولانا بہت منکسر مزاج، خادم دین، شہرت سے دور تھے۔ آپ کے اشعار نے بڑی مقبولیت پائی۔ اردو فارسی دونوں زبان پر قدرت تھی آپ کا ایک نوحہ :-

غریب و بے نوا حسین ؑ   حسین حسین حسین ؑ

پاکستان، ایران و عراق میں مشہور ہوا یہ نوحہ۔ جناب سید ذوالفقار علی شاہ صاحب نے ابھی بہت خوبصورت طریقے سے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا دیوان، آپ کی اولاد کے پاس امامیہ کالونی جی ٹی روڈ لاہور کے پاس محفوظ ہے۔

احمد بن حسین خوافی (امانت خاں):

۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء

۱۰۹۵ھ / ۱۶۸۴ء

شیخ فاضل احمد بن حسین بن کمال بن حسن بن حسین ہروی خوافی میرک معین الدین امانت خان اورنگ آبادی فضل و کمال، ریاست و سیاست کے ساتھ ساتھ علوم دین خصوصاً فقہ سے خاص شغف رکھتے تھے۔

ملا احمد برصغیر میں پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت بھی یہیں پائی۔

۱۰۵۰ھ میں حکومت دہلی سے اجمیر کی بخشی گری اور وقائع نویسی کا منصب پایا۔ مدت کے بعد دکن گئے۔ پھر قندھار کی مہم میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد ملتان میں بخشی اور وقائع نویس مقرر ہوئے۔ پھر کابل میں دفتر خراج کے سربراہ کا منصب پایا۔ عالمگیر نے "امانت خان" لقب دے کر قلم دان و دیوان خالصجات کا اعزاز بخشا۔ آخر میں دکن کے چار علاقوں کی تحصیل وصول کا افسر اعلیٰ بنایا۔

آخری عمر میں اورنگ آباد کی قلعہ داری پر اکتفا کر کے گوشہ نشین ہو گئے۔

۱۰۹۵ھ میں اورنگ آباد میں وفات پائی۔

تصانیف : ترجمۂ شرائع الاسلام (فارسی) فقہ کی مشہور کتاب ہے۔ (نزہتہ ج ۵)

احمد الشیخ مہذب الدین حیدرآبادی بصری:

حدود : ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء

حدود : ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء

حضرت حرّ عاملی کے شاگرد

الشیخ مہذب الدین احمد بن عبدالرضا صاحب کتاب "فائق المقال فی الحدیث والرجال" نجوم السماء اور

نزہۃ الخواطر میں ان کا نام احمد بن رضا لکھا ہے لیکن علامہ آغا بزرگ طہرانی (متوفی ۱۳۸۹ھ) نے مصفی المقال میں احمد بن عبد الرضا سے تصحیح کی ہے۔ آغائے مرحوم نے مولانا مہذب الدین کے خطی تالیفات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے متعدد سنہ لکھے ہیں۔ اور اندازہ لگایا ہے کہ وہ ۱۰۶۸ھ سے ۱۰۸۰ھ تک خراسان میں رہے کیونکہ ایک تحریر ۱۰۸۰ھ کی ہے جس میں کابل لکھا ہے۔

مہذب الدین اخلاق و اعمال، ریاضی و فلکیات، فقہ و اصول، حدیث و درایت، معانی و بیان کے عالم و علامہ تھے۔ بقول ملا مہدی مؤلف تذکرۃ العلماء، ملا مہذب الدین نے فائق المقال میں حفظ حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے بارے میں لکھا ہے:

> مجھے اس وقت بارہ ہزار حدیثیں بلا سند اور بارہ ہزار حدیثیں
> بالاسناد یاد ہیں۔ لیکن کثرتِ سفر اور بے اطمینانی نے کہیں
> کا نہ رکھا۔

خیال ہوتا ہے کہ ۱۰۸۱ھ کے لگ بھگ دہلی اور ۱۰۸۵ھ میں حیدر آباد میں مقیم تھے۔ نامۂ دانشوران میں انھیں مہذب الدین بصری کے نام سے یاد کیا گیا ہے اس لیے آغا بزرگ نے کہا ہے کہ شاید وہ آخر عمر میں بصرہ چلے گئے تھے۔

تصانیف :- • الرسالۃ الاعتقادیہ، ۱۰۶۸ھ مشہد مقدس کے قریب قریۂ ارکان میں قلم بند کیا۔ (موجود در مکتبہ شیخ ھادی کاشف الغطا نجف) • العمدۃ النجفیہ فی الاصول اس تالیف پر شیخ حر عاملی کی ۱۰۷۵ھ کی لکھی ہوئی تقریظ ہے۔ (موجود در مکتبہ شیخ الھادی) • رسالۃ الفلکیہ تالیف ۱۰۷۷ھ در قریۂ ارکان (موجود در مکتبۂ ھادی) • عمدۃ الاعتماد فی کیفیۃ الاجتہاد: تالیف ۱۰۸۰ھ کابل۔ • کلیات الطب: ۱۰۸۱ھ دہلی

- رسالۃ الحساب (موجود در کتاب خانۂ شیخ ھادی) • رسالۃ القیافہ (موجود در کتاب خانۂ شیخ ھادی)
- رسالۃ آداب المناظرہ 〃 〃 • فائق المقال (عربی) 〃 〃

یہ سب رسالے (۱۰۸۵ھ) حیدر آباد میں لکھے گئے تھے: 〃 〃

- الزبدہ۔ معانی و بیان میں (موجود در کتاب خانۂ شیخ ھادی) • خلاصۃ الزبدہ 〃 〃
- رسالۃ رسم الخط 〃 〃 • رسالۃ الاخلاق 〃 〃
- رسالۃ حساب العقود 〃 〃 • رسالۃ خلق الکافر 〃 〃
- جوابات المسائل الاحدی والثلاثین 〃 〃 • غوث العالم فی حدود العالم 〃 〃
- رسالۃ الحسد 〃 〃

ان سب کتابوں کی ترتیب و خط نفیس ہے اور ہر رسالے کے آخر میں بطور معمہ سنہ تالیف درج ہے:
• تحفۂ ذخائر کنوز الاخبار • رسالۃ فی القرآۃ • المنہج القویم
(مصنفی علم زرج" نجوم السماء۔ بے بہا۔ نزہۃ الخواطر)

احمد ربیعی، شیخ احسائی:
بعد ۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۴ء

مولانا الشیخ احمد بن عبداللہ ربیعی احسائی، سورت (ہند) میں پیدا ہوئے اور وہیں رہے۔ عباس بن علی عاملی مکی نے اپنے سفرنامے "نزہۃ الجلیس" میں سورت میں ان سے ملاقات کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ۱۱۳۷ھ میں:
"الشیخ العامل المتقی الورع الشیخ احمد بن عبداللہ ربیعی احسائی نے سورت میں مجھے یہ شعر سنائے:

عبد بقید الذنب اصبح موثقا — یثنی علی من فی یدیہ عنانہ
واللہ ما اسنو فی القلیل من الثنا — لو ان کل الکائنات لسانہ

(اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۶)

احساء یا الحسا، بحرین اور اب حکومت سعود کا علاقہ ہے۔ یہاں شیعوں کی اکثریت ہے اور یہاں کے علما، سورت، کھنبات و حیدرآباد دکن میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ شیخ احمد کا خاندان بھی انھیں تبلیغی مقاصد کے لیے آنے والے علما میں تھا۔

احمد، جزائری:
بعد ۱۱۰۴ھ / ۱۶۹۲ء

حیدرآباد کے فقیہ و مجتہد، شیخ مولانا احمد بن سلامہ جزائری، علامہ حر عاملی کے معاصر اکابر علماء میں تھے، امل الآمل میں انھیں صالح و فقیہ اور حیدرآباد دکن کا قاضی لکھا ہے۔ چونکہ علامہ حر عاملی کی وفات ۱۱۰۴ھ میں ہوئی ہے اس لیے جناب شیخ احمد کی وفات ۱۱۰۴ھ کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔ اور تصانیف میں متعدد کتابوں میں صرف ایک کتاب کا نام بتایا ہے: شرح ارشاد علامہ حلی (فقہ)،
(امل الآمل ج ۲ ص ۱۵: احمد بن سلامہ نجوم السماء ص ۱۲۵ و نزہۃ ج ۵ سلافہ)

احمد، بہبہانی
۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۷ء
۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء

آقا احمد بن آقا محمد علی بن آقا باقر بہبہانی ۱۲۲۳ھ میں حیدرآباد دکن اور عہد نواب سعادت علی خان میں لکھنؤ فیض آباد، فرخ آباد و کلکتہ کا سفر کیا۔

آقا احمد، سبط استاد الکل، کرماں شاھان، ایران میں محرم ۱۱۹۱ھ میں پیدا ہوئے، چھ سال کی عمر میں قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم شروع کی۔ صرف و نحو و فقہ کا ابتدائی درس اپنے والد حجۃ الاسلام محمد علی سے لیا۔ پندرہ سال کے ہوئے تو تالیف و تصنیف کا آغاز ہوا۔ فوائدِ صمدیہ کا حاشیہ اور کچھ رسالے لکھے۔ ۱۲۱۰ھ تک گھر کی تعلیم ختم کر کے عراق گئے۔ نجف میں آقای بحرالعلوم کے تلمیذ رشید آقای ملا محمد اسماعیل یزدی اور عالم کامل شیخ مہدی مشہور بہ کاتب سے معالم الاصول کا درس لیا۔ اور دونوں کے تقریرات قلمبند کیے۔ وافیہ ملا عباد اللہ تونی سے پڑھی۔ اسی زمانے میں درر الغرویہ کی تالیف شروع کی۔ اسکی چار ضخیم جلدیں لکھیں۔

آقای بحرالعلوم کے حضور میں حاضر ہوئے اور زبدۃ الاصول شیخ بہائی اور منظومہ فقہ پڑھا۔

انہی دنوں ان کے والد نے وطن طلب کیا۔ مولانا نے استخارہ کیا۔ قرآن مجید کی یہ آیت نکلی "وان جاھداك علی ان تشرك بی ما لیس لك بہ علم فلا تطعھما" یہی آیت خط میں لکھ بھیجی۔ والد نے قیامِ نجف کی اجازت دے دی۔ تین سال میں درس مکمل کر کے وطن گئے۔ ایک مہینہ قیام کر کے پھر نجف آ گئے۔ اب کی مرتبہ شیخ المحدثین شیخ محمد جعفر نجفی سے الاستبصار و شرح قواعد علامہ تالیف شیخ جعفرؒ کا درس لیا۔ نجف سے قم کا سفر کیا۔ قم میں صاحبِ قوانین الاصول سے شرح لمعہ اور وافیۃ الاصول پڑھی اور مختصر النافع کی شرح لکھ کر صاحبِ قوانین کی خدمت میں پیش کر کے اجازہ لیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے عہد کے شیوخ فقہ و اصول سے اعلیٰ ترین مدارج درس طے کر کے کمال فقاہت پر پہنچے۔

آقای احمد نے لکھنؤ، فیض آباد، فرخ آباد کے قیام میں نجف کی علمی روایت کو فروغ دیا، یہ عہد جناب غفران مآب کا ہے۔ جناب حجۃ الاسلام آقا احمد نے جو کتابیں لکھی ہیں ان سے ان کا علمی انہماک اور ترویج دین و تبلیغ ایمان پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ وہ نواب بہو بیگم صاحبہ کی سرکار میں معزز تھے۔

آقای احمد کے قیام فیض آباد و لکھنؤ سے یہاں کی علمی فضا میں فقہ و اصول کو نئی جلا ملی ہوگی۔ برصغیر کے اس عہد میں علماء کی پذیرائی ہوتی تھی اس لیے ان علماء کی آمد و رفت ایک نئی علمی روایت کے فروغ کا باعث ہوئی۔

تصانیف: • حاشیہ صمدیہ بنام محمودیہ۔ • نور الانوار تفسیر بسم اللہ۔ • درر الغرر فی اصول الاحکام الالہیہ • شرح مختصر النافع تا بحثِ اغسال۔ • رسالہ قوت لایموت در واجبات صلوٰۃ و صوم۔ • جواب مسائل مرشد آباد • ربیع الازہار در مسائل متفرقہ اصول فقہ۔ • مخزن القوت شرح قوت لایموت جلد اوّل فیض آباد میں چار مہینے میں تالیف ہوئی۔ • رسالہ تحفۃ المحبین در مراتب فضیلت آئمہ طاہرینؑ و اثباتِ خلافت بلافصل امیرالمؤمنینؑ (فیض آباد) • جواب مسائل فیض آباد • تاریخ نیک و بد ایام حسبِ فرمائش نواب ملکہ بہو بیگم صاحبہ

• تاریخ ولادت و وفات سادات ائمہ اطہارؑ۔ • تاریخ نقلی بنام تحفۃ الاخوان در احوال مشاہیر انبیاء و خلفاء و حضرات ائمہؑ و غزوات حضرت امیر علیہ السلام۔ یہ کتاب حیدرآباد دکن میں لکھی۔

• عقد جواہر الحسان در جواب مسائل حیدرآباد دکن۔ • تنبیہ الغافلین، لکھنؤ میں تالیف ہوئی۔
• کشف الرین والمین عن حکم صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین۔ • کشف الشبہۃ عن حکم المتعۃ۔ • جدول احکام شکیات نماز۔ • مرأۃ الاحوال، تذکرۂ علماء اور خود نوشت سوانح اور سفرنامہ ہند و عراق و ایران۔
(نجوم السماء ص ۳۸۲، مصفی المقال کالم ۵۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۳)

احمد الجوہری المکی : ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء

شیخ احمد بن محمد علی جوہری مکی کا تذکرہ سلافۃ العصر میں کی شعراء کے باب میں کیا گیا ہے اور سید علی خان نے غیر معمولی بنسگی و احترامات کا اظہار کیا ہے۔ امیر نظام الدین احمد ان کے مداح تھے۔ متعدد قصائد و مراسلات سلافۃ العصر میں ہیں۔
شیخ احمد جوہری، عنفوان شباب میں وارد ہند (دکن) ہوئے تھے اور پچیس سال رہے۔ بظاہر ان کی آمد دوسرے مشاہیر علماء مثلاً خود امیر نظام الدین احمد اور ان کے ہمنشین زودیں سے پہلے ہوئی۔ سید علی خان جہاں مقیم تھے اور دکن جانے والے تھے جب شیخ احمد وطن جاتے ہوئے راستے میں ملے۔ وہاں سے ایران گئے۔ اور وہیں شب چہارشنبہ ۲۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۰۷۹ھ میں رحلت کی۔
سید علی خان کے بقول شیخ احمد کی ملاقات نظام الدین احمد صاحب سے ۱۰۵۵ھ میں دکن میں ہوئی تھی اسی موقع پر انھوں نے اپنی نظم و نثر کی ایک بیاض سید علی خان کو دی جس کا انتخاب سلافۃ العصر میں موجود ہے۔ چند شعر کی ادب و شعر کے اسلوب کی خاطر ملاحظہ ہوں،

مدح مولانا نظام الدین احمد

سلام علی وادی العتیق وزنده ۔۔۔ وعز لیالیه وسالف عهده
فلی فیه ظبی صائد کل ضیغم ۔۔۔ اغار علیه بین کثبان نجده
إذا الشمس غابت فی مغارب افقها ۔۔۔ بدا لك بدر من فواحم جعده
یعلك من فیه شراب لها شذا ۔۔۔ کنفحة روض عند تفتیح ورده
اری الدعص یربو کی یشاکل ردفه ۔۔۔ وغصن النقا ینمو لتشبیه قده
ویعلو مقام النجم ان قلت انه ۔۔۔ کمبسمه الوضاح او در عقده

یقولون لی فی الحب هل لک رتبة	فقلت لهم اعلی الذی لی بعده
فما العشق الا من کرام عشیرتی	وما الحسن الا من توابع جنده
وما القطر الا من تقاطر ادمعی	ولا البرق الا من حشای ووقده
فقولوا له انی صریع لحاظه	وانی علیل مذ نبئت بفقده
عسی انه یرضی بلثمی کفه	اذا هو لم یسمح بتقبیل خده

(۲۲ شعر، سلافہ ص ۱۹۸)

احمد۔ نظام الدین :
۱۰۲۷ھ / ۱۶۱۸ء
۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۵ء

ادب وفقہ وعلوم اسلامی کے جلیل القدر عالم، اور ریاست وسیاست کے مشہور امیر، تقدس وشرافت میں رشکِ معاصرین، دشتکِ شیراز کے معزز خانوادۂ سادات کے فرزند بلند اقبال، میر غیاث الدین کے پوتے سید محمد معصوم کی خاندانی وجاہت اور ذاتی جلالت سے متاثر ہو کر شاہ عباس صفوی نے اپنی خواہر سے عقد کر دیا تھا۔ اسی شہزادی کے بطن سے خدا نے ایک فرزند عطا کیا جس کا نام احمد اور لقب الامیر نظام الدین قرار پایا۔ امیر نظام الدین احمد کی ولادت طائف میں ہوئی۔ تاریخ ولادت ہے شب جمعہ ۱۵ شعبان ۱۰۲۷ھ۔ عبد الحی نے خلاصۃ الاثر کے حوالے سے مقامِ ولادت طائف بتایا ہے۔ (نزہۃ ج ۵ ص) نجوم السماء میں ولادتِ مکہ، ۱۰۲۰ھ تحریر ہے۔
سلافۃ العصر میں ہے "مولدہ ومنشاءہ الحجاز" (ص ۱۰)۔

محمد معصوم صاحب ثروت تھے۔ کیا بعید ہے کہ مکے سے قریب طائف جیسے سرسبز وشاداب وفرحت بخش ٹھنڈے شہر ہی میں بستے ہوں اور اسی شہر میں فرزند کی تعلیم کا انتظام کیا ہو، نظام الدین احمد صاحب نے بچپنے میں حفظ قرآن مجید اور قرأتِ سبعہ کے بعد شرف الدین بافقی۔ نور الدین شامی، شمس الدین گیلانی وغیرہ سے فیض اٹھایا۔
شاہ ایران سے قرابت اور ذاتی امارت وعلم کی بناء پر طائف وحجاز میں ان کا گھر، مہمان خانہ امراء وعلماء تھا۔ اکابرِ ملت سے ان کی دوستی تھی، علماء میں ان کا احترام تھا۔ ادباء ان کے مداح تھے اور وہ خود بھی نظم ونثر میں طویل الذیل مراسلات رکھتے تھے۔ سلافۃ العصر میں ان کی نظم کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے اس میں سے ایک مکمل قصیدہ اور ایک خط ملاحظہ کیجیے۔

قصیدۂ مدحیہ

السلطان الاعظم والخاقان المعظم شہنشاہ عبد اللہ بن محمد قطب شاہ اید اللہ دولتہ وابد صولتہ

سلا هل سلا قلبی عن البان والرند — وعن اثلاث جانب العلم الفرد
وعن سمرات بالنقا وطو نیلع — وعن سلمات بالاجارع او نجد
وعن ضال ذات الضال او شعب عامر — وعن ظله اذ کنت فی زمن نجد
وعن نخلات بالعقیق وسفحه — نهلن بماء الورد او سلسل الخلد
شمخن فابدین الشماریخ نضدا — واشبهن خیلا قد تمایلن من جهد
واطلعن لبرا کاللجین طلاوة — توشح فی لون من العسجد النقد
وعن فی کرم بالحجاز ترفعت — به الارض حتی کان کالعلم الفرد
وعن لعلع او عن زرود حاجر — وعن قاعة الوعساء او منتدی هند
وعن زینب او عن سلیمی وعزة — وعن حی لیلی او بثینة او دعد
وعن نزهة الابصار او بهجة الربی — لطیفة طی الکشح ناعمة الجعد
کثیفة ردف خصرها عز بزوها — کما عز بیت الصد من غیر ما ورد
یریك ثنا البدر والشمس وجهها — نعم ونجوم اللیل فی الجید والعقد
لها بشر السر الذی قد ندت به — کما قاله نجل الحسین فتی الکندی
انزه محیاها عن الخلد رقعة — واما المحیا لم اخل وصفه عندی
لها عنق یحکیه جید لربرب — تفیأ اکناف الاعقة فالرند
الی مثل طی الحز بهیه صدرها — عدا ان ذاك الحز اعلی من النهد
علی انه خد نضیر تجمعت — به النار والامواه بالاس والورد
وان رمت تشبیها لحاظها التی — ترکن سفیها صاحب اللب والرشد
فلمحك فی اطراف وادی بوجرة — یکن لتری من قد وصفت بلا بعد
فتبصر اسراب المهایا اذا النهی — فتعلم ما شبهت حقا بلا قصد
وعلیاد قال الله کونا فکانتا — تنزه عن التشبیه وانج بلا وجد
بروحك ام لا، فالسهام صوائب — فؤادك فاحذر ان تصاد علی عمد
فکم لسهام العین فی القلب رشقة — وکم لفؤاد الصب من رشقها المردی
ترکن ذوی الالباب حیری عقولهم — مهتکة الاستار فی الوصل والصد
ففی قربهم بالدل یصطدن لبنا — ولبعدهم بالهجر وقد علی وقد

بكلّ تداوينا ولم يشف ما بنا … على ان قرب الدار خير من البعد

بلى ليس بعد الدار يا صاح ضائراً … إذا كان عبد الله منتجع الوفد

شهنشاه شاه قطب شاهِ مليكنا … ووالى ولاة الامر مشرعة الرفد

مليكا سمى فرع السماكين راقيا … الى رتبة علياء ذات على نهد

مليكا الذى العليا تعنو لبأسهِ … اسود الشرى هيهات ما صولة الأُسد

مليكا إذا ضاق الزمان توسعت … خلائقه الحسنى فجائت على القصد

وإن ناب خطب معضل قام رأيه … مقام جيوش عزّقت فى ضفا السرد

وَدَبَّر ما الاملاك حافلة به … فيتّضح المقصود من غير ان يبدى

وقام مقام الجيش إسفار وجهه … فلا مقطب يومًا ولا هو بالصلد

يُفكِّرُ فى امرٍ اراد تقضيا … والا فامر همّه ليس عن عمد

وليشمل كل العالمين نواله … فيوسعهم جوداً ينوف عن العد

إذا شئت أن تحصى فواضل كفه … فذلك شيئٌ ضاق عن حصره جهدى

تظل ملوك الارض خاضعة له … فجبارهم عند الملاقاة كالوغد

ذليلا حقيراً ليس يدرى أمالكا … تملك ام تنا من الذل والكدّ

له هيبة قد البس الله وجهه … بهاءً ونوراً شاهدين على السّعد

فطالعه المسعود والجد عبده … كذا السعد رق قام منزلة العبد

واقباله لما يزل مترقيًا … الى ان رقى الافلاك بالعز والجدّ

يرى القطب والنسرين شسعا لنعله … كذا الشمس من خدّامه وذوى الوجد

هو الملك المنصور ذو الفخر والعلا … ورب النّدى والامر والحل والعقد

وربّ المعالى والعوالى وبيضها … وخيل لدى البأس المطهمة الجرد

ولابس ضافى النسج مسرود حوكها … كنذر كغدر كالثواقب كالصلد

صنائع داوّد موارث احمد … ملا لبس عبد الله ما لكنا المجدى

وقطب ملوك الارض دام علاؤه … ودمنا زمانا راتعي عيشه الرغد

فاكرم بظلّ الله فى كل ارضه … ونجل ملوك منتمين الى جدّ

له عزّة موروثة عن جدوده … يقصر عنها كل ذى حسب فرد

نجوم سماءٍ بل بدور مواكب شموس انبراضٍ ألبست حلل المجد

صغيرهم في المهد للملك خاطب كبيرهم للنيرات على مهد

محمد سبيل الجود منذ كان منهم مليك ترقى صهوة الطهم والجرد

ومازال منهم حيث كانوا مسود له الملك بعد الله حتى الى السد

وذلك فضل الله يوتيه من يشا فشكري لربي مع ثنائي مع حمدي

على انني قد صرت لبعض عبيده ومن حزبه او من اسنته الملد

ومن بعض غلمانٍ له او عشيرةٍ ومن جنده او من صوارمه الهند

وذلك شيئ لم تنله اوابل على انهم حازوا المفاخر من أد

ائمة دين الله وراث علمه وخزان وحي الله في كل ما يبدي

بفضلهم جاء الكتاب مبينا ببغضهم الاضداد تقذف بالهد

وهم عترة المختار من آل هاشم واهل العلى من خيرة الصمد الفرد

اولئك محيا للكرام اولى الندى ولكنهم هلك لمتهترئ وعند

فحق لي الانشاد من بيت شاعر له ذاع نظم مثل ما ضاع من ند

واني وان كنت الاخير زمانه لآتٍ بفضلٍ قاهر كل ذي حقد

فاشكر ربي ان انالني المنى وصير اعدائي مشتتة العد

وتالله لا اخشى لكيدهم اذى لعلمي ان الكيد منه كيدهم يكدي

فيا ايها المنصور بالحق جده ويا ايها المنصور بالجد والجد

تعطف على عبدكم صادق الولا غريب فريد حل في أدؤر الهند

ومحلي بلاد الله والكعبة التي اليها قلوب الناس تهوى من البعد

وزمزم والاركان والحجر والصفا ومروته والمشعر الطيب الورد

وطيبة مثوى اشرف الرسل احمد ومدفن طهر الله فاطمة الرشد

ومرقدها اعني البقيع الذي سما بسبط رسول الله والساجد الجد

وباقر علم الله والصادق الذي له امر دين الله في الاخذ والرد

وجاور ملكا للمكارم ساعداً ولكن عن الضراء والظلم ذا صد

يرجى انيه مفخرا تعس رقى الى فلك الافلاك سمكه بلا حد

ویأمل للاعدا مکاید ذلة — وخسرا وبترا للحسود وللضدّ
وباللہ لما اخفر لکم ذمة ولا — تزحزحت عن ودّ لکم ثابت العهد
فلا تستمع قول الوشاة فقلما — یحاول واش غیر اعراض ذی ود
بقیت لنا کهفاً ورکناً وموئلا — وبحر نوال لم یزل دائم المدّ
تملکت کل الخلق دان وشاحط — وراع ومرعیّ کذا الحر والعبد
بحق الرسول المصطفیٰ من کنانة — محمدٍ الهادی الی جنة الخلد
وآل له خیر البرایا فسیدّهم — ابوالحسن الکرار والخاتم المهدی
علیهم صلاة اللہ ماهب شمأل — علی سمرات الجذع والبان والرند

خط بنام علامہ محمد بن علی شامی :۔

یا مولانا عمر اللہ بالفضل زمانك وانار فی العالم برهانك ۔ سمحت للعبد قریحته فی
ریم هذه صفته بهذین البیتین وهما :

ترأی کظبی خائفٍ من حبائل — لیشیر لطرفٍ ناعس منه فاتر
وهذملت عیناه من سحب جفنه — کنرجس روض جاده وبل ماطر

فان رای المولی ان یجیزهما ویجیرهما من البخس فهو المامول من خصائل تلك النفس
وان رأهما من الغث فلیدعهما کالامس ۔ ولعل الاجتماع بکم فی هذا الیوم قبل الظهر او
بعد العصر لنحسو من کؤوس المحادثة ما راق بعد العصر والملوک علی جناح رکوب ، بیدانه
کتب هذه البطاقة وارسلها الی سوق ادبکم العامرة التی مابرح الیها کل خیر مجلوب

فاسبل الستر صفحا ان بدا خلل — تهتک به ستر اعداء وحساد

(سلافۃ العصر ص ۲۰

موصوف نے شیخ عیسےٰ النجفی (متوفی قبل ۱۰۸۲ھ) کو ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا جس میں طائف کے قریوں اور آبادیوں کا ذکر بڑے لطیف پیرائے میں کیا تھا ۔ قصیدہ کا مطلع ہے :

ذلك البان والحمی والمصلی — فقف الرکب ساعة نتملی

(۴۷ شعروں کے لیے دیکھیے سلافۃ العصر ص ۱۴)

ایک قطعہ میں سلطان مکہ زید بن محسن سے فتح یمن (۱۰۵۳ھ) کے لیے الوداعی شعر لکھے ہیں ۔ ایک خط اپنے دوست شیخ العلامہ محمد بن علی شامی کے نام ہے ۔ مولانا نظام الدین ۱۰۵۱ھ میں طائف میں تھے (سلافہ ص ۱۲۵)

عرب و عجم میں شہرت پہنچی تو قدردان کمال عبداللہ قطب شاہ کے وزیر محمد سعید میر جملہ اردستانی نے زرِ کثیر بھیج کر نظام الدین کو دکن بلالیا۔ امیر نظام الدین ۱۰۵۴ھ کو حیدرآباد پہنچے۔ یہاں عبداللہ قطب شاہ نے ان پر نگاہ انتخاب ڈالی، میر جملہ چاہتے تھے کہ انہیں اپنا داماد بنائیں لیکن بادشاہ نے اپنی بڑی لڑکی بیاہ دی، اس سے میر جملہ ناراض ہو کر مغل دربار چلے گئے۔ امیر نظام الدین احمد نے حیدرآباد میں مسند امارت کو رونق بخشی اور علماء و حکماء ادباء و شعراء، خصوصاً عرب مشاہیر کے لیے ان کی ڈیوڑھی مرکزِ ثقل بن گئی۔ علامہ حر عاملی کہتے ہیں کہ مجھ سے ان سے مراسلت تھی وہ اپنے عہد کے صاحب بن عباد تھے (امل الآمل ج ۲ ص ۲۷) عرب و عجم کے شعرا ان کی مدح میں قصیدے لکھتے، علما خط بھیجتے، اہلِ حاجت عزت و انعام پاتے تھے۔

شیخ علام عیسٰے النجفی نے ان کے ایک عالی شان مکان کی تعمیر کے لیے قطعہ لکھا ہے یہ مکان غالباً حیدرآباد میں بنا تھا:

یا من لہ دار المکارم سامیہ	من عہد آدم فی القرون الخالیہ
لک بیت فضل لا یحاکیہ رفعۃ	فبنیت دار اللنواظر حاکیہ
شیدتہا وسماءھا حتی غدت	للسبع ثامنۃ نصرن ثمانیہ
متی اسمعوا ولی اقتدوا تاریخہا	دار النعیم لاحمد متعالیہ
فانعم ولذ ذ الہا متملکا	ما دامت الشمس المنیرۃ جاریہ

(۱۰۶۱ھ) (ص ۵۶۹۔)

سید عماد الدین بن برکات بن جعفر حجازی بھی ایک عرب عالم تھے جو مولانا کے پاس آئے اور ۱۰۶۲ھ میں وہ دکن میں موجود تھے (سلافہ ص ۱۲)

اسی طرح شہاب الدین احمد مکی بن ملا علی متوفی فی الھند ۱۰۵۱ھ نے ۱۰۸۴ھ میں مولانا کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا:

سقی اللہ ربعا بالاجارع من نجد وحیا الحیا وادی الاراکۃ والرند

(دیکھیے ص ۱۰۸۲ھ) (طویل قصیدہ ہے)

ایک اور مداح شیخ احمد بن محمد علی الجواہری المکی متوفی ۱۰۷۹ھ کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ (ص ۱۹۴)

سید حسن و سید حسین بن علی شدقم بھی مداحین میں تھے۔

امیر نظام الدین احمد کے محاسن و فضائل کے لیے سلافۃ العصر قابلِ ملاحظہ ہے۔

ایک کتب خانے میں "امالی الصدوق" کا ایک خطی نسخہ ہے جس پر درج ہے "من کتب العبد الاقل

نظام الدین احمد بن جلال الدین محمد" میرے خیال میں یہ خط مولانا ہی کا ہے۔ اور یہ کتاب موصوف کے نادر کتب خانے کی ایک اہم کتاب حدیث ہے۔

مولانا نظام الدین احمد نے اکسٹھ سال کی عمر پاکر بقول صاحب خلاصۃ الاثر ۱۰۸۶ھ میں وفات پائی اور حیدرآباد دکن میں آسودۂ لحد ہوئے۔ مؤلف نجوم السماء نے تاریخ وفات ۱۰۸۸ھ لکھی۔

اولاد : صدرالدین السید علی خان المدنی ۰ سید محمد یحییٰ۔

تصانیف : اثبات الواجب (عربی، خطی کتب خانہ وزیری، یزد میں موجود ہے۔

(۰ سلافۃ العصر ص ۱۰ ۰ نجوم السماء ص ۱۳۸ ۰ تذکرۂ بے بہا ۱۷۱ ۰ نزہۃ الخواطر ج ۵، مآثر الکرام ۰ اعیان الشیعہ ج ۷، ص ۲۳۶ میں نظام الدین احمد کے ذیل میں تاریخ و احوال کسی اشتباہ کی نذر ہو گئے ہیں۔ سیر المتاخرین ج ۱ ص ۲۷۰، مقابلہ ابوالحسن تاناشاہ۔ روضات الجنات)

احمد بن محمد شیخ بن مکی :

حدود ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء

شیخ احمد بن محمد بن مکی ابن حامد شہید ی شہید اوّل کے پوتے تھے۔ شیخ محمد بن مکی لبنان کے جنوب میں جبل عامل کی ایک بستی جزین کے رہنے والے، عامل عہد حضرت ابوذر سے شیعہ چلا آرہا ہے۔ جبل عامل دراصل شام کا تابع تھا۔ جبل عامل کی طرح حلب بھی شیعوں کی قدیم تاریخ کا حامل ہے۔ یہاں بھی بنی امیہ کے عہد سے شیعہ آباد ہیں۔ دونوں جگہ بڑے بڑے فقہا و علما پیدا ہوئے۔ دونوں علاقوں کے فکری آثار شیعہ تاریخ کا قدیم سرمایہ ہیں۔

جبل عامل کے قریۂ جزین میں شہید کے پوتے احمد پیدا ہوئے۔ حر عاملی کہتے ہیں" ابوہ منسوب الی جدہ" احمد کے والد اپنے جد" مکی" کی طرف منسوب تھے۔ ان کا خاندان "فقہ" کا مجدد ان کے دادا علوم آل محمدؐ کے ترجمان تھے شیخ احمد خود بھی" عالم و فاضل' ادیب و شاعر و انشاء پرداز تھے، وہ مدتوں ہند میں مقیم رہے۔ پھر مکۂ مکرمہ کی مجاورت اختیار کی کئی سال تک حجاز میں رہے۔ شیخ حر عاملی" معاصرین" میں شمار کرتے ہیں۔

شیخ احمد نے عبداللہ قطب شاہ (سلطان گولکنڈہ م ۱۰۸۳ھ) کے حکم سے کشکول بہائی کا ترجمہ لکھا ہے اس لیے شیخ ۱۰۸۰ھ کے حدود میں وارد دکن ہوئے ہوں گے اور فتح دکن کے وقت یعنی ۱۱۰۷ھ کے حدود میں شیعہ علماء کے ساتھ ہجرت کی۔ شیخ مکہ ہی میں رہتے یا وطن واپس آئے؟ کب اور کہاں وفات پائی، تفصیل موجود نہیں۔ صورت حالات سے میں سمجھتا ہوں کہ شیخ ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء کے لگ بھگ واصل بحق ہوئے ہوں گے۔

دکن کی خوش بختی ہے کہ وہاں شہید کی اولاد نے علوم کے چمن کی آبیاری کی اور علماء عرب کی روایت سے فقہ و حدیث آل محمدؐ کا چرچا ہوا۔

تصانیف: • ترجمۂ کشکول بہائی، عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش سے یہ ترجمہ لکھا۔ اس کے قلمی نسخے حیدرآباد دکن وغیرہ میں موجود ہیں۔ (امل الآمل ج ۱ ص ۲۵)

احمد شیخ، شروانی یمنی:

۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء
۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء

شیخ احمد بن محمد بن علی بن ابراہیم شروانی، ہمدانی عربی ادب و شعر کے نابغہ اور علوم اسلامی کے عالم بے بدل تھے۔ یمن کے مقام "حدیدہ" میں بتاریخ ۲۱ رمضان ۱۲۰۰ھ متولد ہوئے۔

علوم لغت و ادب میں محسن بن عیسیٰ النخفی اور بہاؤالدین بن محسن جبل عاملی کے شاگرد تھے۔ فقہ شافعی شیخ علی بن یحییٰ عفیف یمانی اور سید زین العابدین ابن علوی مدنی سے پڑھی۔ فقہ شیعہ کی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ اس کے بعد کلکتے آئے اور حیدر علی لوٹی سے "شرح شمسیہ" اور "شرح نخبۃ الفکر" پڑھی۔ پھر ہندو پاک کی سیاحت کرتے ہوئے کلکتہ آئے۔ ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء میں مدرسہ عربیہ کلکتہ کے مدرس عربی معین ہو گئے۔ لیکن شیخ احمد کو وہ آب و ہوا راس نہ آئی۔ شیخ کلکتے سے لکھنؤ آئے۔ سلطان غازی الدین حیدر کے دربار میں پہنچے جہاں نظم و نثر عربی میں دو کتابیں لکھیں۔ غازی الدین حیدر نے پندرہ سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ غازی الدین حیدر نے رحلت کی تو مہاراجہ چندولال کی طلب پر دکن چلے لیکن راستے میں ٹھگوں نے لوٹ لیا (۱۲۵۰ھ / ۱۸۴۰ء) اس کے بعد مسٹر ولکنس پولیٹکل ایجنٹ سیوھار نے بھوپال بلا کر لیا بخبر کچھ عرصے بعد لکھنؤ سے بھوپال میں نواب جہانگیر محمد خان کے یہاں حاضر ہوئے۔ طبیعت میں سیر و سفر کا شوق تھا۔ لہٰذا بھوپال سے بمبئی، بنارس اور پونا گئے۔ اور وہیں ، ۱۹ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ ۲۰ مئی ۱۸۴۰ء میں فوت ہوئے۔

شیخ احمد برصغیر کے متنبی و حریری تھے۔

تصانیف: • المناقب الحیدریہ (عربی مطبوعہ) • المحامد الحیدریہ (عربی مطبوعہ) • نفحۃ الیمن (عربی مطبوعہ) • حدیقۃ الافراح (عربی مطبوعہ) • العجب العجاب (عربی مطبوعہ) • منہج البیان ~~(عربی مطبوعہ)~~ الشافی فی العروض والقوافی • جوارس التفریح • الجوہر الوقاد فی شرح بانت سعاد۔

(فہرست مشروح بعض کتب نفیسۂ قلمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ ج ۲ ص ۸۳۴۔ • تلامذہ غالب ، • قاموس المشاہیر • تذکرہ علماء ہند نزہۃ ج ۷ ص ۴۴ • الذریعہ)

احمد بن سید محمد ہادی:

۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء
۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

جناب مولانا سید احمد صاحب قبلہ لکھنؤ میں ۴ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ ۱۵ اپریل ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ

کے والد جناب سید محمد ہادی صاحب قبلہ صاحب نفس قدسی، جلیل القدر عالم اور فقہ و اصول کے مستند استاد تھے
مولانا سید احمد صاحب نے پاکیزہ ماحول اور علمی گھرانے میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسۂ سلطان
المدارس میں داخل ہوئے اور وہاں ــــــــ مولانا سید باقر صاحب قبلہ اور مولانا سید ہادی صاحب قبلہ،
مولانا سید محمد رضا صاحب قبلہ، مولانا عالم حسین صاحب قبلہ رحمہم اللہ سے درس لیا اور صدر الافاضل کیا۔ مولانا سید احمد صاحب
عربی ادب کے شیفتہ تھے۔ مدرسۂ سلطان المدارس میں درس دیتے تھے۔ مجھے موصوف سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

مولانا سید احمد صاحب قبلہ کی تقریر بڑی مسجع مقفیٰ اور پرتکلف ہوتی تھی۔ عربی شعر و ادب پر قدرت تھی اور کبھی
کبھی تینوں زبانوں میں لکھتے بھی تھے۔

شب دوشنبہ ۴، ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ / ۱۱ دسمبر ۱۹۷۲ء لکھنؤ میں وفات پائی۔

احمد حسن، کاظمینی :

حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء
۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

جناب حاجی ملا مرزا احمد حسن بن مولوی صفدر حسین صاحب، بڑے مشہور عالم و فاضل ذہین و ذکی بزرگ تھے۔
صفدر حسین صاحب پرانے انداز کی ذاکری خصوصاً "مختار نامے" کے پڑھنے میں بہت مشہور تھے۔ موصوف کے
فرزند عالی قدر احمد حسن صاحب محلہ کاظمین لکھنؤ میں رہنے کی وجہ سے کاظمینی کہلاتے تھے۔ موصوف نے صدر الافاضل
کے علاوہ سرکاری امتحانات اور انگریزی اسناد بھی حاصل کیے تھے۔ شیعہ کالج میں دینیات کے استاد تھے۔

عربی نظم و نثر پر قدرت تھی۔ قصائد و مراثی لکھے تھے۔ اردو میں ایک کتاب "سوانح حیات ناصر الملت"
مطبوعہ میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ الادیب کے نام سے ایک عربی ماہنامے کی ادارت بھی کی۔

لکھنؤ سے کمپالا، یوگنڈا مشرقی افریقہ چلے گئے تھے اور وہاں دس سال تک دینی فرائض کے نگران کی حیثیت
سے کام کیا۔ آخر ۱۹۶۲ء کے بعد کراچی آئے اور مدرسۃ الواعظین کراچی میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء
پنجشنبہ کے دن رحلت کی۔

احمد حسین۔ زنگی پوری :

۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء
۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء

جناب ملا احمد حسین بن سید کرم حسین زنگی پوری (ضلع غازی پور ہند) اپنے وطن زنگی پور میں
۱۲۴۶ھ کو پیدا ہوئے۔ والد کے ساتھ فیض آباد آئے اور قطبی و شرائع الاسلام ختم کی۔ ۱۲۶۲ھ میں والد کا انتقال ہو گیا۔
اس لیے لکھنؤ آن کر جناب مولانا سید حسین صاحب سے شرح لمعہ اور اصول کافی جناب قائم الدین سے اصول فقہ۔
جناب ولی اللہ صاحب اور تراب علی آپ کی ذہانت و قابلیت کی وجہ سے اپنا شاگرد رشید جانتے

اور فخر کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ تیرہ برس کی عمر میں علم تسخیر کے لیے دریائے گھاگھرا میں تین تین گھنٹے ریاضت کرتے رہے لیکن جب اس کی حرمت کا علم ہوا تو اس عمل کو چھوڑ دیا۔ پاک طینت، نفس قدسی، جذب باطن اور غیر معمولی تقوے کے مالک تھے

یکم ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔

تصانیف: • حاشیہ شمس بازغہ (عربی) • شرح تہذیب المنطق (تذکرۂ بے بہا)

احمد حسین، ولید پوری :

۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶ء
۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء

سید احمد حسین بن جان علی حسینی ولید پوری ۱۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرکے لکھنؤ گئے اور وہاں کے علماء و افاضل سے علوم متداولہ میں تلمذ، حصول اسناد سے معزز ہوئے۔

۱۲۹۳ھ میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔

مولانا احمد حسین بڑے پرہیزگار عالم تھے۔ اکبر پور میں امامت جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ راجہ باقر حسین صاحب بہت احترام کرتے تھے۔

مولانا نے اپنے وطن ولید پور میں ۱۲۹۴ھ میں انتقال کیا۔ (نزہۃ ج ۷ ص ۲۰)

احمد حسین امروہوی :

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء
۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء

امروہے کے نامور عالم مولانا احمد حسین صاحب آبائی وطن میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد صرف و نحو مولوی سید علی حسن صاحب سے کتب طبیہ حکیم امجد علی خاں رئیس امروہہ سے پڑھیں۔

لکھنؤ میں شرح لمعہ و شرح کبیر و معالم و قوانین ملک العلماء بندہ حسن صاحب سے اور شرح لمعہ و تفسیر طبرسی فردوس مآب حامد حسین صاحب سے اور شرح لمعہ و نہج البلاغہ و مسالک جناب مفتی محمد عباس ؒ سے پڑھیں۔ ان سب نے اور جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب نے اجازات و اسناد عطا فرمائے۔

جمادی الثانیہ ۱۲۸۸ھ میں علالت کی بناء پر وطن آگئے۔

مولانا احمد حسین، ہونہار طالب علم اور فاضل بزرگوار تھے۔ زمانہ طالب علمی میں جناب مفتی محمد عباس کی تحریر کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے اور نہج البلاغہ کی شرح لکھنے تھے۔ وطن میں ان کے تقدس و علم سے متاثر ہوکر حکیم امجد علی خاں نے اپنے لڑکوں کی تعلیم آپ سے متعلق کردی۔

ریاست دیوگام ضلع فیض آباد میں طلبی ہوئی اور وہاں امام جمعہ و جماعت مقرر ہوئے۔ ۱۳۱۲ھ میں جب

راجہ صاحب دیوگاؤں زیارات کے لیے تیار ہوئے تو مولانا کو شریکِ سفر کیا۔

حکیم امجد علی خاں نے سید المدارس امروہہ قائم کیا تو مولانا اس کے مدرس مقرر ہو گئے مگر راجہ صاحب دیوگام نے مجبور کر کے فیض آباد بلا لیا۔

۱۲ شعبان ۱۳۲۸ھ کو بیماری سے مجبور ہو گئے۔ وطن لوٹے اور ۱۵ ماہِ صیام ۱۳۲۸ھ کو رحلت فرمائی۔

مولانا انتہائی خلیق، قانع، عابد و زاہد، پاک نفس اور شب زندہ دار تھے۔

نمازِ شب کے پابند تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور صحیفۂ کاملہ، دعائے مشلول وغیرہ ترک نہ کرتے تھے شبِ جمعہ قبرستان جانا ضروری سمجھتے تھے۔ مجلس میں بہت روتے تھے۔

نو بجے صبح مطالعہ کے پابند تھے۔

مقبولِ بارگاہ : مولانا احمد حسین صاحب نے رات کو خواب دیکھا کہ مولوی سید علی حسن صاحب امروہوی عیادت کے لیے آئے ہیں۔ آپ نے ضعف کی شکایت کی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم مرض سے نجات حاصل کر کے ہمارے پاس پہنچو اور آج جناب امیر علیہ السلام بھی مسجد جامع میں تشریف لائے۔ آپ شوقِ زیارت میں مسجد میں آئے دیکھا کہ بیچ کے در میں قبلہ رُو کھڑے ہیں۔ چہرے پر نقاب ہے، مسجد میں نور پھیلا ہوا ہے۔ اتنے میں حضرت نے نقاب الٹ کر آپ کو دیکھا اور مسکرائے۔ مولانا نے درود پڑھنا شروع کیے۔ حضرت نظر سے اوجھل ہو گئے۔

آپ نے نصیحت فرمائی کہ مولوی اولاد حسین صاحب کی اجازت سے مجھے وہاں دفن کرنا جہاں امام کی زیارت ہوئی ہے۔

مرض الموت میں اکثر سورہ یٰسٓ و الصافات پڑھوا کر سنتے تھے، سامانِ تجہیز و تکفین رکھ لیا تھا۔ حج و روزے اور نماز کے لیے بطورِ احتیاط روپیہ الگ رکھ لیا تھا۔

جہاں نماز پڑھتے تھے وہاں چارپائی بچھوائی۔ نزع کے وقت مسکرائے اور ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ پھر اٹھنا چاہا اور کہا "بسم اللہ تشریف لائیے" اور کہا دیکھو دروازے پر کوئی پکارتا ہے حالانکہ وہاں کوئی نہ تھا۔

تصانیف : • شرح نہج البلاغہ (نامکمل) • حواشی مختصر النافع (فقہ) • اعلم المطالب فی آیات المناقب (مطبوعہ)
• اخراج الناس عن شر الوسواس • مناقب الابرار • ہدیۂ سفینہ • جواب لاجواب • فرق الفریقین فی تمسک الثقلین
• تنقید الاخبار و تعدیل الاخیار (مطبوعہ)

اولاد : حکیم مولوی سید محمد ابوجعفر صاحب • جناب مولوی سید محمد صاحب۔ (بے بہا)

احمد حسین سندیلوی :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
حدود ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء

ملا حمد اللہ شارح سلم العلوم کی اولاد میں مولوی احمد حسین صاحب سندیلے اور لکھنؤ کے مشہور علماء میں جناب ملاذ العلما سید بچھن صاحب قبلہ اور مولوی عبدالحق خیر آبادی کے شاگرد تھے۔

شیخ خادم علی وکیل سندیلوی کی کمک سے حیدر آباد دکن چلے گئے اور وہاں سرکاری مدرسہ دار العلوم میں سو روپے ماہانہ کی تنخواہ پر ملازمت مل گئی۔

مولوی محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا نے ۱۳۰۴ھ کے قریب انھیں لکھنؤ میں دیکھا تھا۔ وہ دکن سے وطن آئے ہوئے تھے۔

فقہ و حدیث، عقائد و تفسیر کے علاوہ خاص شہرت منطق و فلسفہ میں حاصل تھی۔

احمد حسین، سرسوی :

حدود ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

مولانا سید احمد حسین سرسوی، عثمانیہ یونیورسٹی شعبہ اسلامیات کے لیکچرر، عربی ادب وعلوم پر مسلم قابلیت کے مالک تھے۔ ایک رسالہ عوامل نحو پر عربی میں لکھا جو چھپ چکا ہے۔ حدیث و فقہ پر عبور کامل تھا۔

احمد حسین خان :

حدود : ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

رائے بریلی کے قریب بریاواں نامی ایک قصبہ کے رئیس و زمیندار، شیخ احمد حسین صاحب علوم اسلامیہ کے فارغ التحصیل سنی فاضل تھے، مطالعہ و تحقیق کے بعد شیعہ مذہب اختیار کیا اور تاریخ و فقہ و عقائد پر بہت اہم کتابیں لکھیں اور فکر انگیز مسائل پر بحث کی فقہ میں تقابلی مطالعہ، فہرست کتب و مصنفین وغیرہ پر آپ کی تالیفات بہت دقیع ہیں۔ موصوف کا قیمتی کتب خانہ ان کے فرزند نے کتب خانہ ناصریہ کو دے دیا ہے۔ جناب نواب احمد حسین خان شعر و ادب سے بھی دلچسپی تھی، حافظ کا دیوان حفظ تھا۔ خود بھی شعر کہتے تھے۔

مذاق، تخلص تھا اور امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ اکبر الہ آبادی سے قرابت تھی۔

۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء میں رحلت کی۔

تصانیف : • آیات بینات • تفسیر آیات، فضائل امیر المومنینؑ • تاریخ احمدی، متن و ترجمہ تاریخ اسلام عربی و اردو۔ • رفع الحجب عن اسامی الکتب طبع انتظامی کانپور ۱۳۱۹ھ • الموافقۃ والمصالحۃ فقہ شیعہ و سنی کا تقابلی مطالعہ۔ • کتاب معرفۃ العلما : اسماء الرجال۔ • سپہر امامت کے بارہ بروج مطبوعہ لکھنؤ • تصحیح الاغلاط (لغت) مطبوعہ • دیوان مطبوعہ • شرح المفاتیح لاقفال النزاع مطبوعہ کالاکانکر (ہند) • جذبات مذاق • دقائق المذہب۔

احمد حسین، صدر الافاضل : زرارہ

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
حدود ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا مرزا احمد حسین صاحب، لکھنؤ کے معزز خانوادۂ علم و عمل سے تعلق رکھتے تھے۔ مشہور مرثیہ گو "گدا" صاحب کی اولاد سے جناب مولانا کاظم حسین صاحب مقدس کے فرزند تھے۔ دینی علوم میں کامل، اور درس نظامی کے صدر الافاضل تھے۔ مدرسۃ سلطان المدارس میں درس دیتے تھے۔ مجھے دونوں بزرگوں سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

۱۹۵۰ء کے بعد ترکِ وطن کر کے کربلائے معلیٰ چلے گئے تھے، لیکن خاکِ لکھنؤ کھینچ لائی اور وطن میں ۱۹۶۵ء کے حدود میں وفات پائی۔

احمد رضا، برستی :

حدود: ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

برست ضلع کرنال کے عالم، فقیہ و فاضل مولانا احمد رضا صاحب لکھنؤ سے فارغ التحصیل اور مولانا سید حبیب حیدر اور مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی کے شاگرد و اجازہ یافتہ

نواب مرزا صاحب آف عظیم آباد کی طلب پر عظیم آباد آگئے اور نواب الطاف حسین کو درس دیا، پھر لکھنؤ آئے اور بقیہ درس مکمل کر کے وطن واپس گئے۔ (تذکرۂ بے بہا)

احمد رضا، جائسی :

حدود ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

مولانا احمد رضا بن محمد بن غلام محمد جائسی مؤلف "ذکر الحافظ" فارسی مطبوعہ ہند (مصفی المقال ص ۶۱)

احمد رضا، موسوی :

حدود ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

جناب مولانا سید احمد رضا صاحب موسوی فقیہ فاضل میرٹھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں تحقیق ادیان و مذاہب کی سند لی اور تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ ۱۹۲۸ء میں شیعہ جامع مسجد کے امام و خطیب تھے۔

احمد علی شیخ، برستی :

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء
۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء

مولانا شیخ احمد علی صاحب فاروقی۔ برست ضلع کرنال کے باشندے تھے۔ علم و فضل، زہد و ریاضت میں ضرب المثل تھے تھوڑی سی زمین تھی، اسے خود کاشت کرتے تھے۔ فقہ میں یہ کمال کہ آیۃ اللہ الشیخ زین العابدین مازندرانی نے اجازہ دیا تھا تبلیغ دین و اخلاق کے لیے دور دور جاتے تھے۔ پیدل ہی چلتے اور خوش طبعی سے پیش آتے۔ موعظے میں اثر تھا۔

مدرسہ ایمانیہ دہلی میں درس بھی دیا۔ آخری زمانے میں زیادہ قیام دھولڑی ضلع میرٹھ میں رہا۔ اور وہیں ۱۳۱۶ھ کو رحلت کی۔

تصانیف: • اختلاف البخاری عن کلام الباری۔ (بے بہا ص ۴۷)

احمد علی مرزا، ہندی: ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا مرزا احمد علی صاحب عالم مقدس و صالح و پرہیزگار پچاس سال کربلا میں مجاور رہے وہیں انتقال فرمایا۔

حکایتِ خواب: احمد علی کہتے ہیں ایک مرتبہ میرے زانو میں ایسی تکلیف ہوئی کہ تمام طبیب عاجز ہو گئے۔ میں نے اس طبیب سے جو تمام ہند میں اکمل تھا رجوع کیا جب وہ بھی عاجز ہو گئے تو ڈاکٹر کو دکھایا اس نے کہا کہ سوائے حضرت عیسیٰ ع کے کوئی اس کا علاج نہیں کر سکتا اور عنقریب اس کی سمیت سرایت کرے گی اور ایک دو روز میں مر جاؤ گے۔

جب رات ہوئی تو میں نے خواب میں امام رضا کو دیکھا کہ حضرت کے چہرہ انور سے نور ساطع ہے۔ حضرت نے مجھ کو پکارا کہ اے احمد یہاں آؤ۔ میں نے عرض کیا یا مولا آپ خوب جانتے ہیں کہ میں مریض ہوں نہیں آسکتا حضرت نے فرمایا آؤ پھر تو میں اٹھا اور حضرت کے نے اپنا ہاتھ میرے زانو پر پھیرا، میں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ انشاءاللہ تعالیٰ ایسا ہوگا۔ جب میں بیدار ہوا تو مرض کا اثر بھی نہ تھا۔ میں نے اس کو چھپایا مگر جب لوگوں نے مجھے دفعتاً صحیح و سالم پایا اور یہ قصہ مشہور ہوا تو بادشاہ نے مجھے بلا کر میرا وظیفہ مقرر کر دیا اور برابر میرا وظیفہ پہنچتا رہا اور میں کربلائے معلیٰ میں مجاور ہو گیا۔

(بے بہا: ۳ نجوم السماء ص ۲۲۷ نزہتہ ج ۵ ص ۲۸ اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۲۴)

احمد علی مرزا، امرتسری: ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء — ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

بن محمد مسیح

جناب مرزا احمد علی امرتسر میں پیدا ہوئے اور ابتدائی درسی کتابیں بعض علماءِ اہلِ سنت سے پڑھ کر اسکول میں داخل ہو گئے اور ایف اے تک پڑھ سکے تھے کہ فوج میں ملازمت مل گئی جہاں ترقی کر کے اکاؤنٹنٹ جنرل تک پہنچے۔ مولانا کو بچپنے سے علومِ دین اور خدمتِ اسلام سے دلچسپی تھی۔ حالات نے ملازمت پر مجبور کر دیا تھا لیکن انھوں نے خدمتِ دین کو شعار بنایا۔ امرتسر میں حضرات اہلِ سنت نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ مولانا نے مطالعہ اور ذہانت سے ان کا مقابلہ کیا۔ علماء سے مناظرے کیے، عوام میں تقریریں کیں اور فضا کی زہرناکی کم کی۔ آریوں، سکھوں اور عیسائیوں کے مقابلے کے لیے ہر وقت کمربستہ رہے۔ احمدیوں اور بہائیوں کو شکست دی۔

مولانا احمد علی امرتسر سے نکل کر کشمیر سے دکن اور لاہور سے برما، سیلون، حجاز و عراق و ایران تک گئے اور ہر جگہ دشمنان

مذاہب کی یلغار کا جواب دیا۔ وہ مذاہب عالم کے عقائد سے پوری طرح باخبر تھے اور ہر مذہب کے مقابلے میں اسلام اور شیعیت کی برتری ثابت کرنے میں ہمیشہ کامیاب رہے۔ انہوں نے بہت سے ہندوؤں اور آریوں کو مسلمان کیا اور بڑے بڑے شیعہ بنایا۔ علمائے نجف و قم و لکھنؤ نے ان کی ہمیشہ عزت افزائی فرمائی اور اجازات مرحمت فرمائے۔

مولانا اعلیٰ درجے کے خطیب و مبلغ تھے، وہ راہِ تبلیغ و دعوت میں جفاکش تھے۔ پیدل سفر کرتے تھے اور نڈر ہو کر مقابلوں میں جاتے تھے۔ انھوں نے سنی اخبارات کی فراوانی اور حملوں کے جواب میں لاہور سے "شیعہ" اخبار نکلوایا۔ وہ زندگی بھر احمدیوں، آریوں، بہائیوں، عیسائیوں کے خلاف لکھتے اور بولتے رہے۔ ان کا کتب خانہ وسیع تھا۔ اور ان کے تالیفات بہت اہم ہیں۔ پنجشنبہ ۲ جون ۱۹۷۰ء مطابق ۶ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ کو لاہور میں وفات پائی اور حسینیہ ہال موچی دروازے میں دفن ہوئے۔

ان کے فرزند اکبر جناب ڈاکٹر محمد عسکری صاحب ایم بی بی ایس والد کے جانشین ہیں۔ دوسرے صاحبزادے جناب علی عابد مرزا صاحب ہیں۔

تصانیف: مولانا احمد علی صاحب چالیس پچاس کتابوں کے مصنف ہیں۔ تعارف بہائیت، منشاء پرواز قیاس، دستور العمل اسلام، معارف اقبال، ترجمہ و حواشی قرآن مجید (تفسیر، اردو، مطبوعہ) ۰ شیعہ پاکٹ بک مطبوعہ

احمد علی، سید محمد آبادی:

۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء
۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

مولانا سید احمد علی بن عنایت حیدر بن سید علی محمد آباد ضلع اعظم گڑھ کے علم دوست گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ رمضان ۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو گھریلو تعلیم کے بعد مولانا سید احمد علی صاحب وطن سے تلاش علم میں فیض آباد پہنچے اور مولوی سید عبدالعلی دیوکھٹوی سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۲۵ھ میں لکھنؤ آئے اور لکھنؤ کے مختلف اساتذہ سے مختلف علوم و فنون سیکھے۔ فلسفہ و منطق مفتی ظہور اللہ سے اور فقہ و اصول و منقولات جناب غفراں مآب سے پڑھے۔

لکھنؤ کے ذی علم اور چوٹی کے مدرس مانے جاتے تھے۔ پلٹنے ٹلے کے محلے میں رہتے تھے۔ پہلے شاہی مدرسے میں مدرس رہے۔ غدر کے بعد پنشن ملتی رہی۔ لوگ گھر پر حاضر ہو کر مختلف علوم کے درس لیتے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ کی تقریر کتاب کا ترجمہ ہی نہیں بلکہ اصل مسئلہ کی تحقیق و تفصیل ہوتی تھی۔ جیسے محنت سے تیار کیا ہوا لکچر۔ پھر اصل مسئلے کے پہلو بیان کرنے کے بعد اپنی رائے بھی بیان کرتے تھے۔ قرأت میں یگانۂ روزگار تھے اور تفسیر و حدیث، فقہ و اصول منطق و فلسفہ پر استادانہ مہارت کے علاوہ عربی ادب پر قدرت کاملہ تھی، اخلاق و پاکیزہ نفسی اس پر مستزاد جناب مفتی صاحب نے اوراق الذہب میں لکھا ہے: "الفاضل الکامل العالم العامل السند ..... افصح الفصحا، ابلغ البلغاء المھذب فی خصاله، البارع فی کماله، ذو الفضل السابغ والنطق البالغ العلیم الحلیم الوقور الصبور۔

الذی اعترف السنة الاعلام عند مدحه بالقصور مولانا السید احمد علی محمد آبادی وقاه
الله من شرور الاعادی فرماتے ہیں کہ جناب غفراں مآب کی رحلت کو کچھ زمانہ گزرا تھا کہ ایک دن خواب میں دیکھتا
ہوں غفراں مآب عادت کے مطابق مسند پر گاؤ تکیہ لگائے تشریف فرما ہیں۔ اور میں حوض کے پاس کھڑا ہوں۔
میرا نام لے کر آواز دی۔ میں قریب گیا تو فرمایا۔ ہمارے فرزند (سید العلماء) سے کہہ دینا کہ سو دینار جو تمہارے پاس
ہم نے رکھوائے تھے ان پر ایک سال گزر گیا۔ زکوٰۃ واجب ہو گئی ہے۔ میں نے کہا بہتر۔ جب بیدار ہوا تو جناب
علیین مکاں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واقعہ عرض کیا تو موصوف نے فرمایا اس رقم کا علم میرے اور والدۂ محترمہ کے سوا
کسی کو تھا ہی نہیں۔ میں نے اس رقم سے زکوٰۃ نکالنا چاہی تھی، پھر ذہن سے بات نکل گئی۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب
نے یہ واقعہ کرامات کے طور پر نقل کیا ہے۔

۱۲۷۴ھ میں آپ نے سفر حج فرمایا۔ اس سفر میں مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور شیخ مرتضیٰ
انصاری، میرزا علی نقی طباطبائی حائری و مرزا لطف اللہ مازندرانی سے مباحثات ہوئے اور استفادہ سے عزت پائی۔

تصانیف : بادشاہ اودھ نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آئمہ طاہرینؑ کی سوانح حیات لکھنے کا حکم دیا۔
سلطان العلماء نے جناب مولانا احمد علی صاحب کو منتخب کیا۔ مولانا نے آنحضرتؐ کی سیرت لکھی جس کا نام تھا :۔
تحفۃ المعجزات۔ دوسری کتاب لکھی سبحۃ الجمان در احوال صاحب الزمان • اسئلۃ المحمد آبادیہ جواب مولوی امانت علی
• الرد علی الاخباریہ • شرح مکتوب امام رضاؑ • ترجمہ الاثنی عشریۃ الصلوتیۃ بہائی۔ • رسالہ فی جواز الامامۃ
فی الصلوۃ لمن یعترف بفسقہ • رحلۃ الحجازیہ سفر برکات • رسالہ جواز مسح علی الخفین در حالت تقیہ و مسح علی الجبیرۃ
اور مرض سے • رسالہ فی سجود التلاوۃ • حاشیہ علی تحریر العلامہ (فقہ) • رسالہ در تجوید و قرأت • رد بعض ابواب تحفہ • رد کتاب قیصری (خلاصہ تحفہ
اثنا عشری) • شرح منظومہ درۃ بحر العلوم • رد منتہی الکلام حیدر علی • جواب مسائل • خطوط • اشعار۔

مولانا احمد علی صاحب نے تقریباً نوے سال کی عمر پاکر بلا ربیع الاول ۱۲۹۵ھ کو لکھنؤ میں رحلت کی۔ چونکہ امین الدولہ
وزیر اعظم کے دونوں صاحبزادے آپ کے شاگرد تھے۔ لہٰذا مولانا کو امداد حسین امین الدولہ نے اپنی تعمیر کردہ کربلا میں زیر قبہ
جگہ دی۔

جناب مفتی محمد عباس صاحب نے متعدد اشعار مرحوم کی مدح میں لکھے ہیں جو رطب العرب میں موجود ہیں۔
نواب جعفر صاحب کا قطعہ تاریخ فارسی تھا :

امسال از حکم قضا رفتہ سوئے دار البقا — حاجی و سید صالح الاعمال، مرد متقی
جعفر بگفتیم مصرع تاریخ بہر رحلتش — علامہ من سلد مسکن مولوی احمد علی ۱۲۹۵ھ

اولاد : • حکیم سید محمد صاحب، جن کو آپ نے محمد آباد کی زمینداری ہبہ کر کے وطن بھیج دیا تھا۔

• مولوی سید علی میاں صاحب کامل، جو عالم و فاضل ہونے کے علاوہ بہت جامع الکمالات شاعر و مرثیہ گو تھے۔ • مولوی سید جعفر حسین صاحب • مولوی محمد صادق صاحب

(الواعظ لکھنؤ جون ۱۹۲۴ء بے بہا، اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۱۶۔ نزہتہ ج ۷ ص ۴۲)

احمد علی، مفتی : ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء — ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۹ء

لکھنؤ کے معاصر بزرگ و نامور مجتہد و عالم، مفتی احمد علی صاحب قبلہ جناب مفتی محمد عباس کے آخری فرزند تھے۔

۲۵ رجب ۱۳۰۳ھ کو لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ ابھی پانچ سال کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ۲ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ کو جناب مفتی محمد عباس صاحب۔ نے رحلت فرمائی۔

مولانا احمد علی صاحب نے یتیمی اور زوال و مشکلات کا سخت ترین زمانہ دیکھا۔ خوش نصیب والدہ نے پرورش کی اور جناب سید ابو صاحب قبلہ نے اپنی توجہ خاص سے استادزادے کی خدمت کی۔ مفتی صاحب قبلہ نے مدرسہ سلطان المدارس میں ۱۳۱۲ھ سے ۱۳۱۷ھ تک مولوی جعفر حسین صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ کے بہنوئی جناب نجم العلماء نے اپنی نگرانی میں لے لیا اور ناظمیہ میں داخل کر کے پڑھایا۔

ابتداء میں عبادت و وظائف سے زیادہ رغبت تھی اور پڑھنے میں دل نہ لگتا اس لیے ۱۳۱۸ھ میں اپنی والدہ کے ہمراہ کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے اور دل لگا کر پڑھنا شروع کیا۔ اساتذۂ کربلا میں آقای سید کاظم بہبہانی، آقای شیخ غلام حسین مازندرانی حائری کا نام مشہور ہے۔ کربلا سے نجف آئے اور آقای ضیاء عراقی، آقای مرزا حسین خلیل اور آخوند کاظم خراسانی اور جناب سید محمد کاظم طباطبائی کے درس میں شریک ہوئے۔ چوبیس سال کی عمر میں اجتہاد کے اجازے لیے۔ اور نجفِ اشرف سے کربلائے معلیٰ آ گئے۔ نجف و کربلا میں ہندی طلباء آپ سے بکثرت پڑھنے آتے رہے۔ اور قوانین و رسائل و شرح لمعہ پڑھاتے رہے۔

اسی اثناء میں جناب علامہ ہندی سید احمد صاحب کی صاحبزادی سے عقد ہو گیا۔

عقد کے کچھ دن بعد دوبارہ عراق گئے اور وہاں پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری کیا۔

عراق سے مستقل آنے کے بعد سید المدارس امروہہ، گکرولی ضلع مظفر نگر اور جانسٹھ وغیرہ آتے جاتے رہے

ایک مدت کے بعد جناب نجم الحسن صاحب قبلہ نے مدرسۂ ناظمیہ میں مدرس فقہ و اصول کے طور پر بلا لیا۔ یہاں معالم، شرائع، شرح لمعہ، قوانین اور آخر میں رسائل و مکاسب کا درس دیتے رہے۔ جناب مفتی صاحب قبلہ مرحوم نے عراق و ہند میں شہرت علمی حاصل کر لی تھی۔ ان کا درجہ ہندی علماء فقہ و اصول میں مسلم تھا۔ عمر کے ساتھ ان کی عزت و مرجعیت میں اضافہ ہو گیا۔

جناب نجم العلماء نے ۱۳۵۹ھ میں رحلت کی تو مدرسہ کے تمام انتظامات مکمل طور پر آپ کے ذمے آگئے۔

جناب مفتی احمد علی صاحب قبلہ نے ملک کے بدلے ہوئے حالات شہر کی گھٹیا سیاسی فضا اور نامساعد حالات میں مدرسے کی پرنسپلی سنبھالی اور افریقہ، کشمیر، عراق و ایران تک مدرسے کی شہرت پھیلائی اور طویل کوشش کے بعد مدرسے کو مالی بحران سے نکالا۔ مدرسے کی شہرت بحال کی۔ دنیا بھر کے شیعوں نے مدرسے کی اہمیت محسوس کی۔ ملک کے گوشے گوشے سے امداد ملی۔ عراق و ایران کے علما نے کمک کی اور مدرسے کو چار چاند لگ گئے۔ اس سے ان کی انتظامی قابلیت اور محنت میں قوت معلوم ہوتی ہے۔ مفتی صاحب قبلہ مرحوم ہندوستان میں مرجع اَعْلَم تھے۔ عربی و فارسی و اردو میں برجستہ شعر گوئی اور تاریخ کہنا ان کی میراث تھی۔

میں جناب مرحوم کا شاگرد بھی ہوں اور ان کے قریب بھی رہتا تھا۔ میں نے رمضان میں ان کا دل دہلانے والا موعظہ سنا۔ وہ رمضان میں ظہرین کی نماز سوداگر کے امام باڑے والی مسجد میں پڑھاتے تھے۔ نماز کے بعد وعظ اور وعظ میں خوفِ خدا اور اخلاق کے درس دیتے تھے۔

مفتی صاحب سادہ مزاج، خوش اخلاق اور انتہائی ذہین اور محنتی عالم تھے۔ میں نے ان سے شرح کبیر اور رسائل کا درس لیا ہے۔ ان کے مقلدین پاکستان ہندوستان، افریقہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ عوام اور حکومت احترام کرتی تھی۔ انکی وفات سے لکھنؤ کی ایک خاص روایت فقہ و فقہا کا باب ختم ہوگیا۔ جناب مفتی صاحب قبلہ نے چھیاسی سال کی عمر میں ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ / ۶ مارچ ۱۹۶۹ء رحلت فرمائی اور لکھنؤ مدرسہ ناظمیہ میں دفن ہوئے۔ (بے بہا۔ اصلاح مجموعہ المدرسیہ)

مباحثہ ناخرہ رن کی ترکیب مطبوعہ [illegible]

اخلاق حسین، حافظ:

۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء

حدود ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

حافظ اخلاق حسین سونی پتی خلف اشفاق حسین۔ عالم و فاضل، فقیہ و خطیب، بزرگ تھے۔

اصل وطن پانی پت تھا، لیکن آپ کے دادا میر مہدی صاحب۔ مع اہل و عیال سونی پت آگئے۔ حافظ صاحب ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۰ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور تکمیل تحصیل فقہ وغیرہ کے لیے لکھنؤ آئے۔ یہاں سے فارغ ہوکر عراق گئے ۱۸ سال تک وہاں رہے۔ ایک رسالہ عربی میں لکھا جو چھپ چکا ہے۔ آپ ترکِ وطن کرکے حیدرآباد دکن چلے گئے تھے۔ (تذکرۂ بے بہا ۷۲)

ارشاد حسین:

حدود ۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء

حدود ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

مولانا ارشاد حسین صاحب حضرت حبیب ابن مظاہر اسدی شہید کربلا کی اولاد سے تھے۔ جون پور آبائی وطن تھا۔ جون پور سے لکھنؤ گئے اور لکھنؤ میں اساتذہ و علماء سے تعلیم حاصل کی۔ تاج العلماء علی محمد صاحب سے تکمیلِ درس و

اجازہ حاصل کیا۔ اور کربلائے معلّیٰ ہجرت کر گئے۔ نواب اقبال الدولہ بہادر نے آپ کی پرہیزگاری سے متاثر ہو کر شاہی وقف لکھنؤ کے وظائف کی تقسیم آپ کے سپرد کر دی۔ راجہ سید باقر حسین والی ریاست اکبر پور ضلع فیض آباد کی املاک عراق کی مینجری بھی کرتے تھے۔ ہر تیسرے سال جون پور آتے اور اپنی زمینداری کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ عبادات و فقہ سے شغف تھا۔

کربلائے معلّیٰ میں مدرسہ جعفریہ کی بنیاد رکھی۔ ۱۳۲۰ھ یا ۱۳۲۱ھ میں رحلت کی۔

تصانیف: • حاشیہ بر تحفۂ جوادیہ (فقہ) اردو مطبوعہ۔ دوسرے تصانیف ضائع ہو گئے۔ (بے بہا)

ارشاد حسین، مشہدی:

حدود ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

مولوی سید ارشاد حسین بلند شہر کے معززین سے تھے۔ مولوی ارشاد حسین نے سید المدارس امروہہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۵ء میں الٰہ آباد بورڈ سے "ملا" اور پنجاب سے "مولوی فاضل"۔ پھر ۱۹۲۱ء میں ادیب فاضل پاس کیا۔

۱۹۲۵ء میں الٰہ آباد سے منشی، اور اعلیٰ قابلیت آگرے سے پاس کر لیا۔ آگرہ مشن ہائی اسکول میں مدرس تھے۔ دینی شعائر اور فقہی مسائل کی اشاعت میں آپ نے بڑا حصہ لیا۔

اسحاق خان، موتمن الدولہ:

قبل ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۹ء
۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰ء

نواب موتمن الدولہ، اسحاق خان بن علی شوستری دہلی میں پیدا و پرورش ہوئے۔ افاضل و علماء سے علم حاصل کیا۔ فلسفہ و منطق و فنونِ حکمت میں کمال پایا، پشتینی امیر تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں امارت و وزارت تک پہنچے۔ نظم و نثر، سیاست و ریاست کے ماہر تھے۔

۲، صفر ۱۱۵۳ھ کو دہلی وفات پائی اور اسی شہر میں محو خوابِ ابدی ہوئے۔

اولاد: • نجم الدولہ بخشی متوفی ۱۱۶۲ھ • نواب بہو بیگم صاحبہ زوجہ نواب شجاع الدولہ بہادر

(نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۰)

اسیر، مظفر علی:

۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء
۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء

سید مظفر علی بن مولانا سید مدد علی لکھنؤ کے قریب قصبہ امیٹھی کے رہنے والے تھے، سید مظفر علی اسیر نے ابتدائی کتابیں پڑھیں، دس برس کی عمر میں لکھنؤ آئے۔ اور یہاں علمائے فرنگی محل و اکابر شیعہ سے علوم معقولات و منقولات حاصل کیے، ان کا لباس عالمانہ تھا، مگر سیاست و شاعری کو پیشہ بنا لیا تھا۔ انکے علم کا ثبوت انکے فارسی دیوان اور منظوم ترجمہ حق الیقین ہے جو علم کلام کی بڑی کتاب ہے یہ ترجمہ واجد علی شاہ کے ذاتی کتب خانہ مٹیا برج میں محفوظ ہے عروض

میں محقق طوسی کے رسالہ معیار الاشعار کی اردو شرح لکھی وہ عروض کے بہت بڑے عالم مانے جاتے ہیں، فارسی و اردو کے صاحبِ دیوان شاعر تھے، ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء میں رحلت کی۔

اسماعیل بلگرامی

حدود ۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء

سید اسماعیل عرف چھما صاحب خلف سید قطب عالم بلگرامی اپنے عہد کے علماء اور معقولات کے ماہرین میں تھے۔

پہلے ملا عبد السلام سے درس لیا، پھر ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے مدرسے میں حاضر ہوئے۔ ملا عبد الحکیم نے آپ کی طرف خاص توجہ نہ کی اور کہا "کسی طالب علم کے ساتھ بیٹھ کر سبق سن لیا کرو، الگ پڑھانے کا وقت نہیں ہے۔" مولوی اسماعیل صاحب نے تعمیلِ حکم کی اور ایک طالب علم کے ساتھ سبق میں شریک ہو گئے، ایک روز ملا صاحب نے کہا۔ تم اتنے عرصے سے میری تقریر سن رہے ہو، کبھی کوئی سوال نہ پوچھا کیا سبب ہے؟ ۔ موصوف نے جواب دیا مجھے سننے کا حکم ہے۔ میں سنتا رہتا ہوں۔ ملا صاحب نے خوش ہو کر عصر و مغرب کے درمیان علیحدہ پڑھانے کا وعدہ کر لیا، چنانچہ پہلے ہی دن کسی بات پر بحث چھڑ گئی اور مغرب تک بحث رہی، ملا صاحب نے نماز مغرب پڑھی، اور پھر بحث شروع کر دی۔ تا اینکہ عشا کا وقت آ گیا۔ تین دن تک بحث ہوئی۔ ملا عبد الحکیم صاحب قابلیت کی داد دی اور پوچھا کہ اب تک کس سے پڑھتے رہے ہو۔ جواب دیا کہ ملا عبد السلام کا شاگرد ہوں پھر اپنا ایک حاشیہ پیش کیا۔ تب ملا صاحب نے کہا۔ اچھا تم اسماعیل ہندی ہو؟ ۔ مولوی صاحب نے اپنا نام نشان بتایا، تو ملا صاحب بغل گیر ہوئے اور بہت احترام کیا۔ (تذکرہ بے بہا بحوالہ روضۃ الکرام)

اس واقعے میں ملا عبد السلام سے مراد غالباً میر فتح اللہ شیرازی (متوفی ۹۹۷ھ) کے شاگرد ملا عبد السلام لاہوری ہیں۔ جن کی وفات بقول رحمان علی ۱۰۳۷ھ میں ہوئی۔ ملا عبد السلام لاہوری کے شاگردوں میں ان کے ایک ہم نام بھی تھے جو قصبۂ دیوہ مضافات لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ موخر الذکر یہاں مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا زمانہ ملا عبد الحکیم کے بعد کا ہے۔ اور قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید اسماعیل جب ملا صاحب سے ملے اس وقت وہ مشہور بھی ہو چکے تھے اور مصنف بھی۔

مولوی اسماعیل بلگرامی نجابت خاں صفوی کے احباب میں تھے۔ انھوں نے دربار شاہ جہاں تک رسائی کرا دی۔ ایک روز مولوی صاحب دربار میں حاضر تھے۔ حاضرین میں ایک خان صاحب اور ایک شیخ صاحب میں بحث شروع ہو گئی۔ بادشاہ نے آپ کو ثالث بنا دیا۔ بلگرامی صاحب نے فریقین کے دلائل سن کر سزا کردیا۔ افغانی عالم نے جنگ شروع کر دی اور لڑتے لڑتے تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ مولوی صاحب نے بھی بڑھ کر تلوار اٹھالی۔

نجابت خاں نے قصہ رفع دفع کردیا۔ اس وقت بادشاہ نے کہا: سید ما صاحب السیف والقلم است۔

بلگرامی صاحب نے ملازمت چھوڑ کر بلگرام میں سکونت اختیار کرلی۔ موصوف نے اپنے خاندان میں مذہب امامیہ کی تبلیغ کی اور تصوف تفضیل اور تقیہ کے خلاف کام کیا۔ درس و تدریس تصنیف و تالیف مشغلہ رہا۔

مآثرالکرام میں ہے کہ سید اسماعیل کے سامنے ماہرین موسیقی بھی کان پکڑتے تھے۔ اس سے خیال کیا گیا ہے کہ موصوف فقیہ نہیں تھے، بلکہ حکیم و فلسفی و منطقی تھے۔

رحمان علی نے سید اسماعیل کا سنہ وفات ۱۱۶۴ھ لکھا ہے۔ لیکن میر غلام علی آزاد نے، روز سہ شنبہ ۴ شوال ۱۰۸۸ھ تاریخ رحلت لکھی ہے۔

تلامذہ : • سید عنایت اللہ، حافظ قرآن و طبیب و حکیم سید محمد فیض

اولاد : • نور محمد۔ حسن عسکری۔ سید حسین۔

تصانیف : • حاشیہ مبسوط بر تہذیب المنطق • حاشیہ بر حاشیہ ملا جلال

(مآثرالکرام ص ۲۲۳، بے بہا ص ۵۔ تذکرہ علماء ہند ص ۲۱)

. . . .

اشرف حسین، عظیم آبادی:

بعد ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء

مؤلف مرآۃ الاحوال جہاں نما میں بذیل واقعات ۱۲۲۴ھ عظیم آباد کے علما میں لکھا ہے:

فواضل انتساب فاضل مقدس کامل میر اشرف حسینی صاحب خلف الصدق منشی میر احمد حسین صاحب سررشتہ دار عدالت فوجداری نے معالم الاصول مجھ سے پڑھی ہے۔

مرآۃ الاحوال کے مؤلف احمد بن محمد علی بہبہانی متوفی ۱۲۳۵ھ نے اپنے سفرنامے میں اپنے مشاہدات خصوصاً معاصر علماء کے احوال قلم بند کیے ہیں۔ اور مولانا اشرف حسین کا نام لکھا ہے (تذکرۂ بے بہا۔ مصفی المقال)

. . . .

اشرف علی، بلگرامی:

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء

جناب مولانا اشرف علی خلف نجف علی بلگرامی بہت بڑے عالم، فقہ و اصول سے باخبر اور ادب کے ماہر تھے جناب غفراں مآب مولانا دلدار علی صاحب کے شاگرد تھے۔ متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ (روضۃ الکرام۔ بے بہا)

اصغر حسین:

حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

حدود ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

مولانا سید اصغر حسین ابن مولانا سید فخر الدین صاحب قبلہ جینڈن پیٹ ضلع (دربھنگا) (ہند) کے رہنے والے تھے

عالم و ادیب ، شاعر و خطیب ، بڑے مقدس ، بہت نفاست پسند تھے
مدرسۂ ناظمیہ سے ۱۳۴۵ھ میں ممتاز الافاضل کی سند لی۔ مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ اعلیٰ مولانا سبط حسن مولانا مفتی محمد علی سے تلمذ تھا، مدرسۂ ناظمیہ میں مدرس رہے۔ میں نے ان کو دیکھا ہے۔ ضیق دم کے بیمار تھے۔ تقریباً پچاس باون سال کی عمر پاکر لکھنؤ میں وفات پائی۔ یہ واقعہ ۱۳۶۲ھ کا ہے۔

تصانیف : • حواشی و شرح نقد الشعر ابن قدامہ (عربی مطبوعہ) • دیوان قصائد عربی و فارسی (قلمی) • شرح قصیدۂ شنفری۔ **اولاد :** احمد حسین صدر الافاضل ایم اے

اصغر حسین، زنگی پوری :

بعد ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء

سید اصغر حسین صاحب پٹنہ میں امام جمعہ و جماعت تھے۔ زنگی پور کے خطۂ مردم خیز سے تعلق تھا مفتی محمد عباس کے خاص شاگرد تھے۔ علوم دین کے ساتھ شعر و شاعری پر بھی قدرت تھی۔ جناب مفتی صاحب کی مثنوی بیت الحزن پر آپ نے فارسی میں منظوم تقریظ لکھی ہے۔ اور ایک خواب بھی نظم کیا ہے۔
خواب :- خواب میں دیکھا کہ ہم اور مفتی صاحب چلے جا رہے ہیں۔ ایک ویرانے سے گزر ہوا، وہاں کچھ قبریں تھیں۔ میں نے کہا یہ کس کی قبریں ہیں؟ مفتی صاحب نے فرمایا یہ مومنین کی قبریں ہیں۔ اور ایک سمت شیخ علی حزین کا مقبرہ ہے۔ جب اس مقبرے میں گئے تو شیخ حزیں کو ایک بوریے پر بیٹھا دیکھا جہاں ایک منبر بھی رکھا تھا مفتی صاحب بیٹھ گئے اور حزیں سے باتیں کرنے لگے۔ حزیں نے کہا "امام حسین علیہ السلام کا معجزہ منظوم پڑھو" جناب مفتی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ اب تم ہمارے اشعار پڑھو، میں نے تعمیل ارشاد کی، جناب حزیں نے جناب مفتی صاحب کے اشعار کی تعریف کی اور فرمایا۔ معجزہ خوب نظم کیا ہے۔ مفتی صاحب نے شیخ حزیں سے فرمایا یہ معجزہ آپ بھی نظم فرمایئے۔ حزیں نے کہا میں اس سے بہتر نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اپنے دیوان کے چند شعر سنائے۔ مفتی صاحب نے بہت تعریف کی۔ گویا یہ خواب سرکار حسینی سے اس نظم کی قبولیت کا سند نامہ ہے۔ اس خواب کی تاریخ ہے۔
"خواب صادق است" ۱۲۶۹ھ (بے بہا ، تجلیات)

اعجاز حسن، حاجی امروہوی :

۱۲۶۶ھ / ۱۸۴۹ء
۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء

مولوی سید محمد علی صاحب رئیس امروہہ کے نامور فرزند مولوی اعجاز حسین صاحب اپنے وطن میں ۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۶۶ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا سید احمد حسین صاحب (متوفی ۱۳۲۸ھ) سے امروہے میں اور جناب مفتی محمد عباس صاحب سے خصوصی طور پر لکھنؤ میں تلمذ اختیار کیا۔ مفتی صاحب کے خوش نویس بھی ہوئے

علمی قابلیت، خاندانی ریاست، ذاتی وجاہت پرہیزگاری و اخلاق و تقویٰ نے اور عظمت بخشی تھی۔ مدتوں امروہہ میں آنریری مجسٹریٹ رہے اور اپنے بیگانوں میں قدر و منزلت پائی۔

محرم ۱۳۲۰ھ میں فرقہ وارانہ اختلاف اور لڑائی میں حاجی صاحب نے شیعوں کی مدد کی۔ اس دشمنی میں انھیں ذہنی جسمانی اور مالی پریشانیوں میں مبتلا کیا گیا۔ آخر میں تمام مقدمے آپ کے حق میں فیصل ہوئے۔ اس کے بعد موصوف نے خانہ نشینی اختیار کر لی۔ اسی زمانے میں امروہے کی مسجد ابدال کے وقف کا مقدمہ لڑا، کامیابی حاصل کی اور مسجد وقف کے حالات بہتر بنائے۔ سید المدارس کی ترقی میں حصہ لیا، سید نذر حسین صاحب نے پچیس ہزار کی مالیت حاجی صاحب کے صاحبزادوں کے نام لکھنا چاہی، حاجی صاحب نے وہ پوری جائداد مدرسے کے نام وقف کروادی۔ شیعہ کالج کی تاسیس و ترقی کتب دینیہ کی نشر و اشاعت، تصنیف و تالیف موصوف کا مشغلہ تھا۔

۱۲۹۷ھ میں حج، ۱۳۲۱ھ میں زیارات عراق و ایران سے مشرف ہوئے۔ علم رجال و تاریخ و حدیث سے خاص دلچسپی تھی۔

آپ نے ۱۹ جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ کو امروہے میں رحلت کی۔

اولاد: مولوی محمد سبطین صاحب، متوفی در حیات والد خود۔

تصانیف: • مفاتیح المطالب فی خلافۃ علی ابن طالب (فارسی، مطبوعہ) میرے پاس موجود ہے۔ اور سر ورق باخلتے ہیں مؤلف کا نام نہیں ہے۔ • کشف الخلافہ۔ مطبوعہ۔ • تفسیر الآیات۔ مطبوعہ • تنقید الاخبار و تعدیل الاخیار (مطبوعہ) • تثبیت القرآن فی حلیف القرآن در وجود صاحب الزمان مطبوعہ۔ • معارج العرفان فی علوم القرآن (مطبوعہ ۱۳۲۰ھ موجود در کتب خانہ) • الشہابہ فی معرفۃ الصحابہ • الاثابہ با لاجابہ فی رد فضائل الصحابہ۔ • القام الحجر فی فم ابن الحجر • کلمۃ اللہ العلیا فی رد وحدۃ الوجود۔ • نضارۃ البصارہ در رویۃ باری تعالیٰ • تاریخ اصحاب (اردو، مطبوعہ) • معیار الفضائل عربی حصہ دوم فارسی۔ • ترجمۂ من لا یحضرہ الفقیہ۔ • تنقیح الاخبار در رد طاعنین بر احادیث ائمہ اطہار۔ • اسئلۃ المعترضین واجوبۃ الراشدین عربی۔ • بادسموم بر صماخ الخصوم بجواب خادم حسین قادیانی در تعین قاتلان امام حسینؑ۔ • دنبالہ اہل بطال در رد عقیدہ مفوضہ۔ • سبیل المسترشدین۔ • اعجاز موسوی۔ • احکام طعام • مواہب المکاسب • جواہر مضیئہ • مرقع کربلا۔ • القرأۃ والکتابت • احسن تقویم

(تذکرۂ بے بہا، تجلیات، مصنفی الرجال)

اعجاز حسن بدایونی

دیکھیے محمد اعجاز حسن

اعجاز حسین امیر :

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء
۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء

مولانا سید اعجاز حسین صاحب قبلہ نقوی بن مولانا سید محمد عرف آغا میرزا صاحب ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء میں لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ ان کے والد کسی رئیس کے یہاں ملازم اور ان کے بچوں کے اتالیق تھے وہ اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے۔ مولانا اعجاز حسین صاحب نے ابھی ہوش نہ سنبھالا تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوگیا۔ اس ہنگامے میں مولانا سید محمد عرف آغا میرزا صاحب نے بھی حصہ لیا، لیکن جب انگریزوں نے شہر پر گولہ باری کی اور محلہ بارود خانہ اڑایا تو ان کے خاندان اور مکانات بھی اڑا دئے گئے۔ وہ خود سخت شکنجے میں پھنسے اور گھربار اہل وعیال سے بچھڑ کر لاپتہ ہوگئے ایک مدت بعد محلہ توپ دروازے میں وہ اپنے بچے کھچے لاوارث بیوی اور کم سن بچے سے ملے۔ لیکن بغاوت کے جرم اور انگریزی کی دشمنی اور خاندان کی مکمل تباہی نے ان کے حواس معطل کر دیے تھے وہ اسی عالم میں کچھ عرصے زندہ رہ کر دنیا سے گزر گئے۔ ایک بیوہ بہو، ایک زوجہ اور ایک فرزند[1] کو یادگار چھوڑا۔ اعجاز حسین صاحب نے انتہائی پریشان حالی میں ہوش سنبھالا، تعلیم حاصل کی اور گھر آباد کیا انھیں درس و تدریس کا شوق تھا۔ اسی سلسلے سے آبائی محلے میں مکان بنایا۔ شادی کی۔ بڑے فرزند علی خورشید صاحب کو اعلیٰ تعلیم علوم دین دی۔ مگر وہ بھی جوان ہوکر دو لڑکے چھوڑ کر مر گئے۔ یہ ناقابلِ برداشت صدمہ ان کے ابتدائی تاثرات پر اضافہ کا باعث ہوا۔ وہ خانہ نشین ہو گئے۔ اس سے اولاد کی تربیت اور گھر کے معاملات بگڑنے لگے۔ لڑکیوں کی شادی کی جوان لڑکی نے رحلت کی۔ پھر وہ بھی جاں بر نہ ہوسکے اور تقریباً پچاس اکاون برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔

یہ واقعہ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کا ہے۔ میرے والد علام مولانا قاسم آغا صاحب کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی وہ اپنے والد سے ابتدائی صرف و نحو اور فارسی میں سکندر نامہ و سہ نثر تک پڑھ چکے تھے۔ ان کی یہ کتابیں میرے پاس اب تک محفوظ ہیں۔ والد کی رحلت نے جوان اولاد کو لکھنؤ کی بگڑی ہوئی شرفاگردی کا شکار کیا۔ میرے والد کو مولانا اعجاز حسین صاحب خاندانی علم کا وارث بنانا چاہتے تھے۔

اعجاز حسین، کنتوری :

۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء
۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء

---

[1] ہمارے گھر کی روایت ہے کہ مولانا سید محمد صاحب عالم و فاضل، مقدس ہونے کے ساتھ شاعر بھی تھے۔ جوانی کا کلام غزلیات کا دیوان کنوئیں میں پھینک دیا تھا، قصائد فارسی و اردو غدر میں ضائع ہو گئے۔ اسی زمانے میں انھوں نے ایک مناجات کہی تھی "اللہ کی طرف سے ہیں مشکل کشا علی" اس مناجات کی وجہ سے وہ انتہائی خطروں سے بچے۔ یہ مناجات کبھی زمانے میں لوگوں کو از بر تھی اور ہمارے دروازے پر فقیر یہ مناجات پڑھنے آتے تھے اور خاص طور پر کچھ شعر سناتے تھے۔

مشہور فہرست نگار و کتاب شناس مولانا سید اعجاز حسین موسوی بن مولانا مفتی محمد قلی صاحب کنتوری ۱۲ رجب ۱۲۴۰ھ کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد علام اور اساتذہ لکھنؤ سے درس لیا۔ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، منطق و فلسفہ جیسے متداول علوم میں کمال حاصل کیا۔ جناب سید العلما مولانا سید حسین اور سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب قبلہ سے سند پائی۔

ذہانت و ذکاوت، قوتِ حافظہ، شوقِ علم اور محنت، قوت و صحت کے اوصاف جمع تھے۔ شروع میں کنتوری بھائی کے رشتہ دار رہے۔ پھر ہمہ تن خدمت علم کے لیے وقف ہو گئے۔

۱۲۸۲ھ میں اپنے بھائی علامہ حامد حسین صاحب کے ساتھ حج و زیارات میں شریک سفر ہوئے۔ اس دور میں علماء و محققین سے ملاقاتیں کیں۔ شیخ عباس قمی نے لکھا ہے کہ مولانا اعجاز حسین صاحب اپنے بھائی کی طرح ہمیشہ شیعہ کاغذ سازوں کے کاغذ پر لکھتے تھے۔ عراق میں انھوں نے علامہ نوری طبرسی سے ملاقات کی تھی اور علامہ ان کے بہت مداح تھے۔ (فوائد الرضویہ ج ۱ ص ۵۲)

نوادر کتب کا ذخیرہ جمع کیا، کتب خانوں میں بیٹھ کر کتابیں نقل کیں۔ مسائل کی تحقیق اور حوالوں کی جمع آوری کی اور اپنے برادر بزرگوار کے معاون تحقیق رہے۔

حدیث و روایت، رجال و فہارس ان کا خاص موضوع تھا۔

چھیالیس برس کی عمر پاکر، ۱۷ شوال ۱۲۸۶ھ لکھنؤ میں وفات پائی۔ امام باڑہ غفران مآب میں سپرد لحد ہوئے۔

تصانیف: • شذور العقیان فی ترجمۃ الاعیان۔ • کشف الحجب والاستار فی اسامی الکتب والاسفار (عربی، مطبوعہ) • رسالہ ترجمان محمد لاہوری • احوال مرزا محمد کامل دہلوی۔
• القول السدید فی رد الرشید (بے بہا، مصفی المقال۔ نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۶۶)

افتخار حسین : ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۲ء

سید افتخار حسین سشن جج، قصبہ ارزانی پور ضلع غازی پور کے معزز گھرانے کے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ سرکار نجم العلما مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کرانا چاہا تو ان کی نگاہِ انتخاب جناب شیخ بادشاہ حسین پر پڑی۔ موصوف نے پندرہ پاروں کی تفسیر و ترجمہ مکمل کیا، ان کے بعد نجم العلما نے افتخار حسین صاحب سے باقی ترجمہ مکمل کرایا۔ یہ ترجمہ قلمی صورت میں مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں محفوظ ہے۔

افتخار حسین صاحب نے ۷ محرم ۱۳۷۰ھ کو رحلت کی۔

افضال رضا

: حدود ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء
۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

مولانا افضال رضا صاحب لکھنؤ کے عالم و فاضل طبیب جناب سید اقبال رضا صاحب کے بڑے فرزند تھے، لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد، نیز حکیم منے آغا صاحب اور دوسرے اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے مدرسۂ ناظمیہ میں تعلیم مکمل کی۔ اور ممتاز الافاضل کی سند لے کر نجف گئے۔ کم و بیش دو سال کے بعد لاہور واپس آئے ۱۹۵۲ء میں کراچی کے ایک کالج میں استاد دینیات متعین ہوئے اور یکم شوال ۱۳۸۸ھ - ۲۱ دسمبر ۱۹۶۸ء کو کراچی میں رحلت کی اور پاپوش نگر میں سپرد لحد ہوئے۔

مولانا افضال رضا میرے بچپنے کے دوست، فاضل و ذہین ساتھی تھے۔ لکھنؤ کے بعد لاہور میں ان سے ملاقات ایک نعمت تھی۔ کراچی میں بھی ان سے مل کر خوشی ہوئی تھی۔ دو بچے حسن افضال عمر ۱۳، ۱۴ سال اور نجمی دو سال کا ایک بیوہ ان کی یادگار ہیں۔

اقبال رضا

: حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

مولانا سید اقبال رضا صاحب ابن سید محمد صاحب لکھنؤ کے نامور استاد معقولات، ادیب و شاعر عالم و طبیب تھے موصوف نے اپنے عہد کے نامور اساتذہ سے معقولات و طب اور مدرسۂ سلطان المدارس سے درس نظامی کی تکمیل فرما کر ۱۹۲۰ء میں صدر الافاضل کی سند لی۔ عربی فارسی و اردو میں اعلیٰ درجے کے قصائد مدح ائمہ لکھے موصوف بڑی آن بان کے آدمی تھے۔ شہر میں علمی اور سماجی حیثیت سے ذی اثر تھے۔ چنانچہ حدود ۱۹۲۵ء میں میونسپلٹی کے الیکشن میں کھڑے ہوئے اور کامیاب بھی ہوئے۔

۲ نومبر ۱۹۴۳ء کو رحلت فرمائی۔

تصانیف : • حواشی شرح حمد اللہ • دیوان قصائد عربی و فارسی اردو۔

اولاد : مولانا افضال رضا صاحب • علی امام صاحب۔

اکبر شاہ سید

: بعد ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء

جناب سید اکبر شاہ کا اصل نام و نسب یہ ہے :

سید علی اکبر شاہ موسوی دہلوی، ابن سید مختار ابن سید محمد باقر ابن سید محمد جواد ابن سید امیر مختار ابن ابوالاعلیٰ ابن ابوالمعالی ابن سید خلیل ابن ابوالفتح گیلانی (دیکھئے احوال ابوالفتح) ابن عبدالرزاق گیلانی مصنف مصباح الشریعۃ

ومفتاح الحقیقۃ"۔

حکیم ابوالفتح گیلانی دربارِ اکبر کے رکن تھے۔ ان کے بیٹے خلیل لاہور کے صوبہ دار اور ان کی اولاد لاہور، دہلی، کشمیر ہوتی ہوئی لکھنؤ پہنچی۔

جناب سید اکبر شاہ نے لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی اور جناب سید العلما سید حسین کے خاص حلقۂ تلامذہ میں رہے علوم دین کے علاوہ عربی ادب اور طب ان کا خاص فن تھا میرا اندازہ ہے کہ سید اکبر شاہ نے معاصر اساتذہ سے اجازات حاصل کیے، عربی بلا تکلف لکھتے اور تاریخ سے شغف تھا،

اولاد: • حکیم سید محمد باقر • سید ابوجعفر • سید علی حسین • دو صاحبزادیاں۔

تصانیف: سبیکۃ الذہب ومعیار الادب، تاریخ کی کتاب ہے جس میں سرسری طور پر حکیم ابوالفتح گیلانی کے اجداد و اخلاف، نوابین اودھ، علما و رؤسا لکھنؤ کا تذکرہ ہے ایک سو چودہ صفحے کی یہ کتاب حیات مصنف میں اثنا عشری پریس لکھنؤ سے چھپی تھی۔ سنہ طباعت ۱۳۰۹ھ ہے (طبقات علماء الشیعہ ج ۱)

اکبر، سید : ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا سید اکبر، چکر کوٹ ضلع کوہاٹ کے عالم و فاضل بزرگ ہیں، آپ نے مدرسۂ عالیہ رام پور میں رہ کر درسیات مکمل کیے۔ مولانا شیخ جواد حسین صاحب لکھتے ہیں، ستر اسی کے لگ بھگ عمر تھی۔ گھر پر درس دیتے تھے۔ (مکتوب - ۲۵ دسمبر ۷۳ء ۱۹)

اکبر علی، سید : حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء

سید اکبر علی حسینی مشہور علماء اور جناب غفران مآب مولانا دلدار علی کے نامور شاگردوں میں تھے علوم دین کے عالم اور عرب ادب کے ماہر تھے۔ ضیاء الابصار (عربی) مقتل سید الشہدا، میں لکھی جس میں چودہ فصلیں ہیں اور ہر فصل کو "تذکرہ" کا عنوان دیا ہے۔

(نزہۃ ج ۷ ص ۶۹)

اکبر مہدی، سلیم : حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء — ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

مولانا اکبر مہدی بن حیدر مہدی تعلقدار جرول بڑے مقدس بزرگ تھے علم و عمل میں مشہور، بہت متواضع و خلیق تھے، میں نے انھیں بارہا دیکھا ہے۔ ~~...~~

اردو، فارسی، عربی ادب پر عبور تھا، آپ کی ایک کتاب "جواہر البیان" مجالس عزا کی مشہور کتاب ہے۔

ریاست محمود آباد یوپی
محرم ۱۹۴۱ء مطابق محرم ۱۳۶۰ھ ~~اپنے وطن~~ میں رحلت کی اور وہیں دفن ہوئے۔

اکرم علی، سید بنارسی :

۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

جناب مولانا سید اکرم علی مولانا دلدار علی غفران مآب کے جلیل القدر شاگرد اور مشہور عالم تھے۔ آپ کو علوم فقہ و عقائد پر عبور تھا۔ مرزا خلیل زائر کے داماد تھے۔

۱۲۵۰ھ میں رحلت فرمائی۔

تصانیف : • الشواهد الفدکیه رد تبصرة المسلمین از سلامت علی بنارسی۔ تالیف ۱۲۲۷ھ

(شواہد فدکیہ کا مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے (سعادت حسین) (نزہتہ ج ۷۔ ص ۷۰)

الطاف حسین، سراج العلماء :

۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

معیار العلماء مرزا محمد تقی صاحب بن قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب کے فرزند جناب مرزا الطاف حسین صاحب کلکتے میں متولد ہوئے اور اپنے والد، ایرانی علماء کلکتہ اور لکھنؤ کے اکابر سے تعلیم حاصل کی پھر عراق میں کربلا و نجف کے شیوخ علم و عمل سے اجازے لے کر کلکتے آئے۔ واجد علی شاہ کے بڑے صاحبزادے پرنس مرزا قمر قدر بہادر نے ۱۳۳۱ھ کے قریب خلعت و خطاب سراج العلما دیا۔ موصوف نے طویل عمر پاکر ۱۳۹۲ھ میں رحلت کی۔

سراج العلما بڑے پرہیزگار، عالم اور مدبر بزرگ تھے۔ بنگال میں مولانا کے خدمات بڑی تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ مٹیا برج ضلع چوبیس پرگنہ میں مسجد کے دروازے پر قبر ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے۔ (تذکرہ بے بہا)

الفت حسین :

حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

فاضل و مصنف جناب الفت حسین صاحب مصنف "معجزۂ فرقان" وغیرہ
(تکملۂ تذکرۂ علماء ہند ص ۲۶۲)

امتیاز علی، سید سیتاپوری :

۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء
حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء

مولانا سید امتیاز علی بن محمد حسن صاحب۔ مولانا مہربان علی صاحب کے چھوٹے بھائی، امتیاز علی راجہ امیر حسن خاں صاحب آف محمود آباد کے اتالیق اور عربی و فارسی کے عالم تھے۔

محمد اکبر صاحب نے اپنے مضمون میں ۶ر رمضان تاریخ وفات لکھی ہے سنہ نہیں لکھا۔

اولاد: افضال حسین جو فراغت تعلیم دین کے بعد افریقہ گئے اور وقف محبنیہ ہگلی کے سلسلے میں بڑی جد وجہد کی۔ لیکن زیادہ عمر نہ پائی۔
(پیام اسلام، جون ۵۷ء ۱۹)

امجد حسین، الہ آبادی:

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء
۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

سید امجد حسین بن مولوی منوّر علی صاحب رسول پور سونی ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ مولوی منوّر علی عالم و فاضل بزرگ تھے۔ مولانا امجد حسین ان کے فرزند ہوئے جن کی ابتدائی تعلیم و تربیت خود مولانا نے کی پھر لکھنؤ آکر مولانا محمد حسین صاحب، مفتی محمد عباس صاحب، مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی اور تاج العلما مولانا علی محمد صاحب سے تکمیل تعلیم کے بعد اسناد و اجازات حاصل کیے۔

مولانا امجد حسین، بہت ذہین، محنتی، اور صاحب استعداد مقدس نوجوان تھے۔ ۱۳۰۵ھ اور اس سے پہلے تصنیف و تالیف میں انہماک اور درس و تدریس میں اشتغال تھا۔ دس سال تک لکھنؤ میں رہ کر الہ آباد میں، امامت نماز جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیے۔ اور ۲۰ شوال ۱۳۰۸ھ کو الہ آباد سے دھول پور وجے پور وغیرہ ہوتے ہوئے عراق پہنچے اور ساڑھے دس سال قیام کر کے ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ دھول پور واپس آئے۔ وہاں سے الہ آباد گئے۔

دس سال عراق میں رہ کر اکابر فقہ و اصول سے حدیث و تفسیر میں کمال حاصل کیا۔ آیۃ اللہ شیخ محمد طہٰ نجفی، آیۃ اللہ محمد علی رشتی نجفی، آیۃ اللہ سید محمد کاظم طباطبائی جیسے شیوخ نجف نے اجازۂ اجتہاد و روایت مرحمت فرمائے یہ اجازے سید وزیر علی صاحب نے شائع کرائے تھے (میرے کتب خانے میں موجود ہیں) آقای محمد طہٰ نجفی نے اجازہ میں لکھا ہے "حصلت لہ ملکۃ الاجتہاد وقوۃ الاستنباط فھو من المجتہدین الاعلام الذی یجب علی اھل تلک الاطراف اتباع اقوالہ واثارہ والراد علیہ رادّ علی اللہ" دوسرے اجازے بھی مولانا کی پاکیزہ نفسی، علمی بلندی کے گواہ ہیں۔

نجف سے واپس آکر تبلیغ دین، ترویج احکام شریعت میں مصروف ہو گئے، ماہ رمضان سے آخر ذی الحجہ تک الہ آباد میں رہتے تھے۔ خوش اخلاقی و سادگی، مہمان نوازی و سخاوت کی وجہ سے محبوب خاص و عام تھے۔ کہتے ہیں بے ایمان کے ہاتھ کا کھانا پسند نہ کرتے تھے۔ اپنا آثاد ال اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

۱۳۲۷ھ میں چک الہ آباد میں مدرسۂ دینیہ قائم کیا تھا۔ (یکم جنوری ۱۹۰۶ء)
اصلاح کھجوہ کی خبر کے مطابق ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۵۰ھ کو رحلت ہوئی۔

تصانیف: • زبدۃ المعارف در اصول دین • وسیلۃ النجاۃ فی احکام الصلوٰۃ ۱۳۱۸ء مطبوعہ، صفائح الابریز

فی شرح الوجیز   علامۂ بہائی عربی (۱۳۰۵ھ مطبوعہ) • خلاصۃ الطاعات در احکام جمعہ وجماعات (اردو) • الحاشیۃ الرضیہ علی البھجۃ المرضیہ۔ (بے بہا۔ اجازات، مصنفی المقال)

امداد امام :
۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء
۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء

شمس العلما خان بہادر سید وحید الدین بن خان بہادر امداد علی، ۷ راگست ۱۸۴۹ء کو قصبہ نیورہ ضلع پٹنہ بہار میں پیدا ہوئے۔ موصوف فیروز جنگ حاجی محمد سعید خاں امیر دربار شاہ جہان و اورنگ زیب کی اولاد سے تھے ان کے اجداد مغل امیروں میں تھے ان کے والد بھی امیر کبیر اور نامور و معزز عالم تھے۔ مولانا امداد امام نے بہار کے نامور اساتذہ سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کی اور علوم جدیدہ میں کمال پایا علم عقائد، تقابل ادیان و افکار، انگریزی، عربی، فارسی ادب پر بہت عبور تھا۔ طب کے ماہر تھے۔ شکار اور فنونِ سپاہ گری سے پوری طرح باخبر تھے۔ بہت سے دینی اور دوسرے مسائل پر کتابیں لکھیں۔ اور سب کتابیں بڑے اہتمام سے چھپوائیں۔ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۴ء کو رحلت کی۔

اولاد: • سر سید علی امام و سر حسن امام

تصانیف: • مصباح الظلم (مطبوعہ) • دیوان و کلیات اثر • کاشف الحقائق (اردو ادب)
• مرآۃ الحکما • کتاب الاثمار جس کا سویڈش میں ترجمہ ہوا اور ناروے یونیورسٹی کے نصاب میں رہی۔
• منظر المصائب مطبوعہ
(خمخانۂ جاوید)

امداد حسین، کاظمی :
۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء
۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

سید امداد حسین کاظمی ابن عباس علی نومبر ۱۹۰۱ء میں گجرات پنجاب میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا، سید رمضان علی کاظمی المشہدی اپنے وقت کے بڑے زاہد اور فقیہ تھے۔ مولانا حشمت علی خیر اللہ پوری موصوف کا احترام کرتے اور ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ رمضان علی لکھنؤ اور امروہہ میں پسندیدہ ذاکر تھے۔ سلطان الذاکرین کہلاتے تھے۔ ان کے بڑے بیٹے فرزند علی علامہ غلام الحسنین کے شاگرد اور مدرسۂ ایمانیہ لکھنؤ کے طالب علم تھے مولانا امداد حسین کی ابتدائی تعلیم وزیر آباد و گوجرانوالہ اور لاہور میں ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل، مولوی فاضل اور ادیب فاضل اور بی اے پاس کیا۔ اسی کے ساتھ گورمکھی میں گیانی کی سند لی۔ جموں، کشمیر اور پونچھ میں آپ کے مواعظ بہت مقبول ہوئے۔ راجہ جگت دیو سنگھ والی پونچھ نے خلعت دی "ابوالفضل ثانی" کا خطاب دیا۔ اس کے علاوہ آسام، مدراس و بنگال سی پی، یوپی وغیرہ میں تبلیغ دین فرمائی۔

لکھنؤ، نجف و کربلا، کے علماء نے لجاز نے عطا فرمائے تھے موصوف نے برصغیر کے اخبارات و رسائل میں بکثرت مضمون لکھے سنی رسالہ "صوفی" کی ادارت بھی کی۔ بعض انگریزی منظومات و مضامین لندن کے رسالے "VICTORY" اور دہلی کے رسالہ "POSTAL COMRADE" میں شائع ہوئے۔

شیعہ رسائل میں عموماً اور معارف اسلام لاہور میں خصوصاً علمی مقالات چھپتے رہتے تھے۔

مولانا امداد حسین، ڈاک خانے میں اچھی پوسٹ سے ریٹائر ہوئے، مجھ سے ان سے صیغۂ مواخات تھا۔ میں نے انھیں متقدس، صاحب مطالعہ اور فن حدیث سے باخبر پایا۔ عموماً "الکافی" کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اور اخباریت کی طرف میلان رکھتے تھے۔ قرآن مجید کا مطالعہ اور ترجمہ و تفسیر سے والہانہ عشق تھا، سائنس اور قرآن مجید ان کا پسندیدہ موضوع اور مناظرہ ان کا فن تھا۔

اچھا خاصا ذخیرۂ کتب تھا جس میں الکافی، کتاب الروضہ کا ایک خطی نسخہ تھا جس پر علامۂ مجلسی نے محمد اردبیلی کو اجازۂ قرأت دیا تھا، اور علامہ محمد باقر مجلسی کی تحریر ہے موصوف طویل مدت تک فالج میں مبتلا رہے، مگر اس میں مطالعہ و تحریر مضامین کا سلسلہ جاری رکھا۔ میں دو مرتبہ ان کی عیادت کو گجرات گیا اور دونوں مرتبہ "الکافی" کا مطالعہ کرتے پایا۔

قرآن مجید کے بارے میں مطالعہ و تحریر کا بھی عالم یہی تھا، موصوف نے ۷، ستمبر ۱۹۷۵ء کو مجھے لکھا:

"قبلۂ محترم دامت مکارمکم السامیہ۔

سلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ایک تکلیف دیتا ہوں امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔ مجھے آپ پر یقینِ کامل ہے۔

تکلیف یہ ہے کہ آپ تحریر فرمائیں کہ پادری جارج سیل قرآن مجید کا ترجمہ کس مطبع میں طبع ہوا ہے۔ جواب بواپسی ڈاک عنایت فرمائیں اور لندن میں جس کتنے میں طبع ہوا ہے اس کا نام تحریر فرمائیں۔ جواب بیرنگ لفافہ میں دیں میں اسے چھڑا لوں گا مجھے اور کسی شخص پر اعتبار نہیں ہے۔ صرف آپ کی تحریر کو صحیح سمجھتا ہوں۔ والسلام"

۱۹، ستمبر کو خط ملا، ۲۰، سے حالت بدلی۔ ۲۲، ستمبر ۱۹۷۵ء ۱۴، رمضان ۱۳۹۵ھ کو رحلت فرمائی۔ ۱۵، رمضان کو میں نے حسب وصیت لاہور سے جا کر نمازِ جنازہ پڑھائی اور روز ولادت امام حسن علیہ السلام گجرات کے آبائی قبرستان میں سپردِ لحد کیا۔

تصانیف: • اردو ترجمہ و تفسیر (حواشی) قرآن مجید بنام تفسیر الثقلین (مطبوعہ) • فتنۂ تفسیر بالرائے اردو (مطبوعہ) • تحقیق مہدی (مطبوعہ) • الفاطمہ (مطبوعہ) • برکاتِ محرم بجواب بدعات محرم (مطبوعہ) • تطبیق الشہادت (مطبوعہ) • اعمالِ واجبیہ۔ • معلم الاسلام • اخلاق المعصومین (اردو) مطبوعہ

• استقرارِ حق عزاداری منیخیم (اردو) قلمی • حق سادات قلمی

امداد علی خاں، راجہ :

۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء

امیر فاضل راجہ امداد علی بن رحمان بخش کنتور میں پیدا ہوئے، وطن میں نشو و نما پائی۔ ابتدائی تعلیم جناب حکیم سید علی حسن کنتوری سے حاصل کی۔ پھر لکھنؤ میں مولانا اعظم علی شاگرد غفران مآب اور شیخ ولی اللہ بن حبیب اللہ متوفی ۱۲۷۰ھ سے تکمیل کی تفسیر علوم قرآن و ادب سے خاص شغف تھا۔

آپ کی وفات ۱۲۹۲ھ میں ہوئی۔

تصانیف : • منہج السداد، تفسیر قرآن مجید • تفسیر سورۂ یوسف بلا نقطہ۔ • شرح خطبۂ شقشقیہ • شرح مقامات حریری۔ • رسالہ فی المنطق۔ (نزہۃ الخواطر ۷، ص ۷۸)

امداد علی، سید، کیرانوی :

حدود ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء

۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۲ء

مولانا امداد علی صاحب بن علی احمد حسن کے بزرگ بربست ضلع کرنال سے کیرانہ ضلع مظفر نگر منتقل ہو گئے تھے۔ امداد علی صاحب نے کچھ عرصہ تک دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے لکھنؤ گئے اور نصیر الدین حیدر بادشاہ کے مدرسے میں داخل ہو کر پڑھنے لگے۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب اور جناب سید العلماء کے شاگردِ خاص تھے موصوف کے حکم سے خطابت شروع کی اور بادشاہ سے پانچ پارچے کا خلعت اور پانچ سو روپیہ اور سید الذاکرین کا خطاب ملا۔ نیز بادشاہ کی ملکہ نے اپنی لے پالک لڑکی سے شادی کر دی۔ آپ نے داروغہ و مہتمم باورچی خانہ کا منصب بھی پایا۔ سرکار دربار کے علاوہ عوام میں بھی آپ کی خطابت بہت مقبول تھی۔

انتزاع ۱۸۵۷ھ کے بعد کیرانہ آ گئے تھے وہاں امام باڑہ و مسجد بنوائی۔ تقریباً ۶۶ سال کی عمر میں بتاریخ ۱۱ رجب ۱۲۹۰ھ انتقال کیا۔ (مولانا آغا مہدی صاحب نے امداد علی کے والد کا نام قلندر علی لکھا ہے)

تصانیف : بحر المصائب دو جلد مطبوعہ • (بے بہا، طبقات الشیعہ)

امداد علی، شیخ :

حدود ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء

مولانا شیخ امداد علی جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب قبلہ کے شاگرد اور فقہ و علوم دین کے فاضل تھے۔ ان کی کتاب "حلیۃ العرائس" کی تمہید میں ایک فقرہ یہ ہے۔ علی ابن علی المدعو بہ امداد علی" اس کے بعد دوسرا فقرہ ہے:

"حسبِ ارشاد سلطان العلما مسائلِ ضروریہ نکاح و طلاق وغیرہ۔ کتب احادیث ائمہ انام و اقوال علماء کرام، کتب متداولہ مثل شرائع الاسلام و شرح لمعہ و جواہر الکلام سے منتخب کر کے زبان اردو میں لکھنے شروع کیے تھے کہ سلطان العلما۔ نے رحلت کی۔"

ان کے بعد یہ کتاب مکمل کر کے اپنے استاد جناب مولانا مفتی محمد عباس صاحب کو از اوّل تا آخر سنائی اور جناب نے اصلاح اور اپنے فتووں سے مزین فرمایا"

اسلمی صاحب نے تقریظ میں لکھا ہے:

"شیخ صاحب جامع کمالات صوری و معنوی، حاوی فضائل و فواضل ظاہری و باطنی، عالم معالم دینیہ عارف معارف یقینیہ، رافع اعلام شرائع اسلام، ناشر رایات و آیات ائمہ انام، مورد الطاف خفی و جلی تھے"

تصانیف: • شیخ امداد علی صاحب نے "حلیۃ العرائس" شوال ۱۲۸۷ھ میں مکمل کی۔
• متاع الآخرہ • آئینہ حلبی (مقدمہ و خاتمہ حلیۃ العرائس طبع لکھنؤ ۱۸۹۶ء طبع پنجم)

امیر حسن، موسوی:

حدود ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء
۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء

سید امیر حسن بن حاجی سید اکبر علی سہارنپوری، ان کے جدِ اعلیٰ سید عبد الہادی شاہ چراغ تھے جو محمود غزنوی کیساتھ وارد ہندوستان ہوئے۔ مولانا حسن علوم دینیہ کے فاضل تھے پھر قانون کی تعلیم حاصل کر کے تقریباً پچاس سال عدالت میں وکالت کرتے رہے آبائی جائداد کے علاوہ خود بھی املاک بنائی تھی۔ نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔ عربی فارسی میں استعدادِ کامل رکھتے تھے۔ اوقاتِ فرصت میں درس کا مشغلہ اور علمی مباحثات کرتے تھے۔ لکھنؤ اور دہلی کے اہلِ علم آپ کے مہمان ہوتے تھے۔ اعلیٰ درجے کے خوش نویس اور عربی، فارسی، اردو کے شاعر تھے۔ مولوی مہدی خاں کے شاگرد تھے جوان بیٹے کی وفات سے عارضۂ اختلال حواس ہو گیا تھا۔

۱۸۸۹ء میں رحلت کی۔ (خم خانۂ جاوید ج ۲ ص ۲۴۴)

امیر حسن، سید غلام جبار:

۱۲۷۴ف
حدود ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۰ء

جبار یار جنگ بہادر، نواب مولوی سید غلام جبار امیر حسن ابن مولوی سید علی حسن، شمس علی پور ہسوہ ضلع فتحپور ہسوہ (ہند) وطن تھا۔ مولانا علی حسن شمسی علوم دین و عربی ادب کے بہت بڑے عالم تھے۔ انھوں نے فرزند کو بھی دینی تعلیم دلائی، غلام جبار صاحب نے پوری تعلیم لکھنؤ میں حاصل کی۔ مولانا کمال الدین موہانی تاج العلما مولانا سید علی محمد صاحب اور ابو الحسنات جناب مولوی عبد الحیٔ فرنگی محلی سے علوم معقول و منقول پڑھ کر سندِ فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد

کلکتہ یونیورسٹی سے میٹرک اور الہ آباد سے وکالت پاس کی۔

حیدر آباد میں وکالت نے عروج پایا۔ نظام دکن نے اورنگ آباد میں میر عدل بنایا۔ اس کے بعد عدالتِ عالیہ کے رکن پھر میر مجلس ہوئے۔

۱۳۴۳ھ میں ہائی کورٹ کے رکن قرار دیے گئے۔

• عتباتِ عالیات کی زیارت فرمائی • لکھنؤ جوبلی پیپر کے ایڈیٹر رہے۔ • نصاریٰ سے مناظرے کیے اور متعدد کتابیں لکھیں۔ • چند قانونی کتابوں کے ترجمے کیے۔ • آپ کے فرزند سید عسکری حسین صاحب بیرسٹر بہت مشہور آدمی ہیں۔ (منظر الکرام ص ۱۱۹، ۱۲۰)

امیر حسین شاہ :

حدود ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء
۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء

مولانا سید امیر حسین شاہ صاحب بڑے مقدس، پرہیزگار عالم تھے۔ دور دراز سفر کر کے بڑی بڑی مشقتیں جھیل کر درسِ نظامی کی تکمیل کی اور زندگی بھر لوگوں کو اپنے علوم سے فیض یاب کیا۔ حدیث سے شغف اور مسلک اخباریت تھا۔ دینی امور میں بہت متشدد تھے۔ ریاضت و عملیات اور کیمیا گری سے بھی دلچسپی تھی۔ گدائی ضلع ڈیرہ غازی خان وطن تھا اور عموماً طلبا کو درس دیتے تھے۔ ان کی تالیفات و احوال کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ مشہور تلامذہ میں مفتی عابد حسین صاحب کا نام سرِ فہرست ہے۔

تقریباً اسّی (۸۰) سال کی عمر پا کر وطن میں ۱۹۶۷ء کو رحلت کی۔

امیر علی، سید، جسٹس :

۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء
۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء

سید امیر علی کے والد سعادت علی خان موہان ضلع اناؤ کے باشندے تھے۔ لیکن چن سورہ، بنگال میں متوطن ہو گئے تھے۔ سید امیر علی کی ولادت ۶ اپریل ۱۸۴۹ء چن سورہ میں ہوئی۔ ابتدائی اسلامی تعلیم کے بعد ہوگلی کالج میں داخل ہو گئے۔ ۱۸۶۸ء میں فراغت پا کر لندن کا سفر (۶۹ء) کیا۔ ۱۸۷۳ء میں بیرسٹری کا امتحان دے کر وطن آئے۔ ۱۸۷۸ء میں کلکتہ کے جج اور ۱۸۸۴ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر قانون مقرر ہوئے۔

مولانا سید کرامت علی جون پوری سے علوم مذہبی میں تلمذ تھا۔

۱۸۸۷ء میں سی آئی اے کا خطاب پایا۔ ۱۹۰۰ء میں ہائی کورٹ کے جج ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں استعفیٰ دے کر لندن چلے گئے اور ۲۳ نومبر ۱۹۰۹ء کو لندن میں انتقال کیا۔ آپ نے لندن کے قبرستان میں مسلمانوں کے لیے ایک حصہ خریدا تھا، اسی میں دفن ہوئے۔

جسٹس امیر علی شیعہ خاندان کے فرد تھے، لیکن تجدد اور سیاست میں وہ مذہبی حدود چھوڑ بیٹھے تھے اور سرسید کی طرح روشن خیال یا آزاد منش بن گئے تھے۔ موصوف نے اسلام پر دشمنوں کے حملوں کا جواب دینا اپنا فریضہ قرار دیا تھا، انھوں نے مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی، علمی اور ملی مدد کے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

تصانیف : • اسپرٹ آف اسلام • اے شارٹ ہسٹری آف دی سارسینز • قانونِ شہادت • شرعِ محمدی

اولاد : • وارث امیر علی • طارق امیر علی۔

امیر خان، میر میران : ۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۸ء

خلیل اللہ خان یزدی کے فرزند تھے۔ ان کی والدہ حمیدہ بانو بیگم یوسف خان کی بیٹی اور یمین الدولہ آصف خان کی نواسی تھیں۔ شاہجہان نے مختلف عہدے عطا کیے، عالمگیر نے بھی معزز رکھا، اٹھارہویں سال جلوس عالمگیری ۱۰۸۵ھ میں امیر خاں خطاب اور صوبہ بہار کی حکومت حاصل کی۔ اس کے بعد بھی متعدد اہم منصب اور خدمات ملتے رہے۔

۲۷ شوال ۱۱۰۹ھ / ۲۷ اپریل ۱۶۹۸ء کو امیر خان نے رحلت کی اور دہلی میں اپنے والد خلیل اللہ خان یزدی کے مقبرے میں دفن ہوا۔

وہ شیعہ مذہب کے معاملات میں سخت تھا، ایران کے فضلاء و صلحا کو بہت روپیہ بھیجتا تھا۔ وہ بہت دانشمند، مدبر اور بہادر شخص تھا۔

اس کی زوجہ جی دختر علی مردان خان بھی معاملہ فہم اور شوہر کی معاون ریاست خاتون تھیں۔ ملاحظہ ہو، مآثرالامراء ج ۱ ص ۲۷۸ وہ حرمین کی بڑی خدمت کرتی تھیں۔ شوہر کے دو سال بعد حج کے لیے گئیں تو شریف مکہ نے بڑا اعزاز کیا۔

اولاد : • میر خان، بہادر شاہ کے زمانے میں نائب ناظم لاہور رہا۔ • مرزا جعفر عقیدت خان، صوبہ دار پٹنہ۔ • مرزا ابراہیم رحمت خان۔ • مرزا اسحٰق امیر خان • ہادی خان • سیف خان • اسد اللہ خان

(مآثرالامراء ج ۱ ص ۲۷۲)

امیر کاظم، حافظ : ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء — ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء

حکیم سید مدد علی کاظمی لکھنؤ کے بادشاہ محمد علی شاہ کے طبیب تھے۔ (ان کا خاندان ایران کے صفوی سلاطین سے تعلق رکھتا تھا) مدد علی صاحب کے بزرگ ایران سے ہجرت کر کے قنوج ہند میں قیام فرما ہوئے وہاں

سے میر مدد علی لکھنؤ آئے۔ اور عروج حاصل کیا۔ ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ میں انقلاب آیا تو سید امیر کاظم کے والد وغیرہ نگینہ ضلع بجنور میں منتقل ہو گئے۔ ماہِ صفر ۱۲۸۶ھ کو مولانا امیر کاظم صاحب نگینہ میں پیدا ہوئے۔
سید امیر کاظم نگینہ کے رئیس اور معزز آدمی تھے۔

عربی فارسی انگریزی میں اچھی قابلیت تھی۔ مذہبی تبلیغات کے لیے ایک پریس قائم کیا تھا جس سے اپنی اور دوسرے مصنفین کی کتابیں شائع کرتے تھے

پندرہ ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا اور بڑے بڑے حفاظ سے سندلی اور مقابلے میں کامیاب ہوئے۔
مولانا امیر کاظم صاحب کی خبر وفات الواعظ لکھنؤ مارچ ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی ممکن ہے فروری ۱۹۴۴ء میں انتقال ہوا ہو۔

تصانیف : • احقاق الحق لابطال الباطل رد ابطال اصول الشیعہ بالدلائل العقلیہ طبع ریاض فیض نگینہ ۱۳۲۴ھ • تردید الکاذبین۔ مطبوعہ نگینہ

اولاد : الحاج اختر حسین ایم اے (انجمن وظیفہ، جوبلی نمبر)

امین الدین خان حسین :

۱۱۲۷ھ / ۱۷۱۵ء

سید ابوالمکارم شہود بن میر ابوالبقا۔ امیر خان کے فرزند نواب میر امین الدین ۱۱۲۰ھ میں بھکر کے فوجدار اور ۱۱۲۴ھ میں ٹھٹھے کے والی ہوئے۔ سکھر میں انھوں نے ایک مسجد بنوائی تھی۔ مکلی میں ان کی قبر محفوظ ہے جس پر تاریخ وفات اور ایک رُخ کی تصویر تحفۃ الکرام میں چھپی ہے۔ جس میں لکھا ہے: سلام علیہ وعلیہم اجمعین الطیبین الطاہرین المعصومین آل طٰہٰ ویٰس۔

مطالعہ و صحبت علماء کا شوق تھا۔

تصانیف : • رشحات الفنون (مطبوعہ نول کشور) تالیف ۱۱۲۳ھ • معلومات الآفاق : (جس سے دو تین واقعے ملا قانع تتوی نے نقل کیے ہیں) خطی نسخہ ۲ جمادی الثانیہ ۱۱۲۷ھ : تصویر مخزونہ پنجاب یونیورسٹی۔
(تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۲۴۵)

امیر محمد تونسوی :

حدود ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء
۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

مولوی امیر محمد صاحب تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان کے باشندے۔ اعلیٰ درجے کے خطیب اور فاضل بزرگ۔ عربیت کے دلدادہ اور منطق کے گرویدہ تھے۔
۱۹۴۰ء کے لگ بھگ مولوی فیض محمد مکھیالوی سے مناظرے کے بعد شیعہ مذہب اختیار کیا اور دائرۂ دین پناہ

اور وہیں واقع ضلع ملتان معروف بحسین آباد میں کافی عرصہ قیام رہا۔ رحلت سے چند سال قبل دائرہ دین پناہ میں مکان بنوایا اور یہیں رہنے لگے۔

۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ یکم جون ۱۹۷۴ء وفات پائی۔

اولاد: متعدد فرزندوں میں مولوی غضنفر عباس صاحب علوم دین سے باخبر اور مقرر ہیں۔

انصار حسین : ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء — حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۰ء

مولانا المقدس سید انصار حسین ابن محمد احسن نقوی کنڈرکی ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ ولادت ۱۲۹۳ھ ہے۔ مولانا نے اپنے دادا صاحب سے فارسی پڑھی۔ سترہ سال کی عمر میں مدرسۂ ناظمیہ لکھنؤ چلے گئے۔ ناظمیہ و سلطان المدارس سے درس مکمل کر کے دہلی کی مسجد اعتمادالدولہ میں امام جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ سولہ سال تک دہلی میں ان کے علم، تقویٰ، خدمتِ خلق، خوش مزاجی اور تقدس نے بڑے بڑے لوگوں کو پابندِ دین بنایا۔

نواب حامد علی مرحوم نے رام پور میں نظامتِ تعلیم کا نیا بندوبست کیا تو مولانا کو بھی دعوت دی۔ "تذکرۂ کاملان رام پور" (ص ۰۰۰) کی روایت ہے کہ مولانا انصار حسین کی علمی شخصیت نے نواب صاحب اور علماء رام پور کو بہت متاثر کیا۔ ان کی حق گوئی اور پابندی شریعت کی دعوت کا یہ حال تھا کہ مولانا شبیہ الحسنین محمدی صاحب کے بقول ایک مرتبہ نواب صاحب نے مولانا کو بلا کر ایک خاتون سے عقد پڑھنے کا حکم دیا۔ مولانا نے دریافت کیا "یہ خاتون، بیوہ ہیں یا مطلقہ" ؟ معلوم ہوا شوہر موجود ہے۔ مولانا نے عرض کیا نکاح نہیں ہو سکتا۔ نواب رامپور نے پستول اٹھا لیا اور کہا "مولانا! نکاح نہ پڑھا تو پستول داغ دوں گا"۔ فرمایا: آپ کو اختیار ہے مگر جو حرام ہے وہ حرام رہے گا"۔ نواب صاحب نے بڑھ کر ہاتھ چوم لیے، معذرت کی اور کہا میں فقط امتحان لے رہا تھا۔

نواب حامد علی خان مرحوم کی دینی قابلیت میں مولانا کی علمیت اور سیرت و کردار کا سب سے بڑا دخل تھا۔ مولانا انصار حسین صاحب قبلہ نے ۱۳۵۰ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔

انشاء اللہ خان : ۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۶ء — ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء

انشاء اللہ خاں کے والد ماشاء اللہ خان نجفی الاصل عالم و فاضل و حکیم تھے۔ انشا مرشد آباد میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ شاہ عالم کے زمانے میں دہلی آئے۔ پھر لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ لکھنؤ میں سلیمان شکوہ اور نواب سعادت علی خان کے دربار میں عروج پایا۔

آخر عمر میں گوشہ گیر ہو گئے اور ۱۲۳۵ھ میں رحلت کی۔

انشا عربی فارسی، اردو، ہندی اور مختلف زبانوں کے عالم اور مختلف اسلامی علوم کے فاضل تھے۔

تصانیف: • کلیات اردو و فارسی و عربی وغیرہ • دریائے لطافت • لطائف السعادت فارسی • ترکی روزنامچہ • سلک گوہر • رانی کیتکی اور کنور اودے بھان۔

ان کے دو عربی شعر ہیں:۔

سکت الحبیب متانۃً — بقی التلذذ ساریہ

جلساؤہ لیتحسنون — ویزعمون محاکیا

(نزہۃ ج ۷ ص ۸۶) مقدمہ کلیات انشا طبع مجلس ترقی ادب لاہور)

انور حسین : قبل ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

مولانا انور حسین صاحب، سرا ضلع شاہ آباد (ہند) افاضل میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۳۴۷ھ میں ممتاز الافاضل کی سند لی۔ جناب مولانا مظاہر حسین اور مفتی احمد علی صاحب کے تلامذۂ خاص میں تھے، عربی کے شاعر تھے۔ جوانی میں انتقال کیا۔ موصوف کی شرح قصیدۂ سید حمیری چھپ چکی ہے۔

۱۳۶۱ھ سے کچھ پہلے فوت ہو گئے۔

انور علی، حافظ : ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء — ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء

مولانا انور علی بن رستم علی صاحب تھانہ بھون، سہارن پور کے باشندے تھے۔ خدا نے غضب کا حافظہ اور بلا کی ذہانت عطا کی تھی۔ ۱۲۴۴ھ میں گیارہ سال کی عمر تھی اور قرآن مجید حفظ ہو گیا تھا۔ ۱۲۴۹ھ میں مزید تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا تو گھر میں اطلاع دیئے بغیر دلی چلے گئے۔ آٹھ سال دلی میں پڑھ لکھ کر ۱۲۵۶ھ میں وطن واپس آئے۔

ریاضی، جبر و مقابلہ، ہندسہ و اقلیدس میں یگانہ مہارت اور محیر العقول قابلیت حاصل تھی۔ طب میں عبور کا یہ عالم کہ معاصر اطبا کے خیال میں امداد غیبی کے مالک تھے۔

ماہ شعبان ۱۲۹۷ھ میں انتقال ہوا۔ (بے بہا ص ۱۵)

انیس الحسنین : ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۶ء — ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

مولانا سید انیس الحسنین ابن مولانا سید ابوالقاسم نقوی امروہوی ۱۵ شعبان یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو پیدا ہوئے۔ اسکول کی

ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۱۲ء میں مدرسہ ناظمیہ میں تعلیم دین کے لیے آئے، ممتاز الافاضل اور الہ آباد بورڈ کے امتحانات کی سندیں حاصل کرنے کے بعد مدرسۃ الواعظین میں تبلیغی نصاب وتربیت کا دورہ مکمل کرکے ڈیرہ اسماعیل خاں میں وعظ وارشاد کے لیے متعین ہوئے۔

۱۹۲۷ء میں کراچی آئے، خوجہ اثنا عشری مسجد کھارادر کے خطیب پھر سندھ مدرسۃ الاسلام میں دینیات کے مدرس مقرر ہوگئے۔ مدرسۃ الاسلام سے ریٹائر ہوکر قائدِ اعظم کالج میں اسلامیات کی تعلیم سپرد ہوئی۔ مولانا نے دو مرتبہ حج وزیارات سے شرف پایا۔ ایک مرتبہ ۱۳۸۹ء کے حج میں میرے شریک تھے۔

مولانا انیس الحسنین صاحب نے تحریکِ آزادی وقیامِ پاکستان میں بڑا حصہ لیا۔ انھوں نے رفاہی اور سماجی کارنامے بھی انجام دیے۔ ان میں "رضویہ کالونی" رضویہ امام باڑہ اور مسجد انھیں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح "مارٹن روڈ" میں امام بارگاہ سے ۹ محرم کو خاموش جلوس کی بنیاد رکھی۔ حسینیہ ایرانیاں کی بحالی میں ان کا سب سے بڑا حصہ تھا۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم ان سے نیاز مندانہ مراسم رکھتے تھے۔ چنانچہ قائدِ اعظم کی تجہیز وتکفین کی نگرانی مولانا نے فرمائی اور نمازِ جنازہ بھی آپ نے پڑھائی۔ آپ کے بعد عام نماز جنازہ ہوئی اس نماز کا تذکرہ حذف کردیا جاتا ہے

مولانا نے مختلف مضامین ورسائل کے علاوہ "المراجعات" کا بھی ترجمہ کیا تھا۔

ان کے ایک صاحبزادے پروفیسر سید محمد حسن صاحب ایم اے بہت موفق ہیں ابھی انگریزی میں الکافی کا ترجمہ کیا ہے

مولانا نے ۲۵ اگست ۱۹۷۵ء ۱۶ شعبان ۱۳۹۵ھ کو رحلت فرمائی۔

اولاد حسین، شکوہ آبادی :

۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء

سید اولاد حسین خلف سید احمد حسین شکر شکوہ آبادی لکھنؤ میں علما سے تعلیم مکمل کی۔ جناب سید العلماء مولانا سید حسین صاحب علیین مکاں کے شاگردِ رشید تھے۔

علوم عقلیہ اور ادب میں مہارت تھی۔ آپ کے تالیفات میر باقر داماد کی ہمسری کرتے تھے۔
درس وتدریس مشغلہ تھا۔

جوانی میں رحلت کی۔ ان کے بھائی سید اسماعیل حسین منیر نے قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے۔

میرے بھائی متقی و فاضل اولاد حسین	واصل حق ہو گئے وہ صاحب ادراک ہائے
پیشوائے عارفان و مقتدائے زاہداں	چھپ گیا وہ نورباری آج زیر خاک ہائے
قبلہ و کعبہ کے شاگرد اور دریائے علوم	سید دیندار آلِ صاحب لولاک ہائے

منطق و علم کلام و ہم ریاضی و حدیث　　سب میں تھے یکتا و کامل وہ جناب پاک ہائے
عازم جنت جوانی میں ہوئے وہ نورِ حق　　لکھنؤ مجھ کو ہوا صحرا ہے وحشت ناک ہائے
جس کے سر سے باغ عالم میں اٹھے ایسا بزرگ　　کیوں نہ ڈالے مثلِ صرصر اپنے سر پر خاک ہائے
مصرعِ تاریخ رحلت میں نے پایا اے نیر
آج ڈوبا آفتابِ علم و شرعِ پاک ہائے

۱۲۶۲ھ

تصنیف : • انوار الربوبیہ فی امور العامہ والاعراض الذاتیہ　　(بے بہا ص ۵۶ - نزہتہ ج ۷، ص ۹۰)

اولاد حسین امروہوی :

۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء
۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

مولانا محمد حسن امروہہ کے صاحب ثروت بزرگ تھے وہ خود اور ان کے باپ دادا، دینی علوم کے حامل تھے مولانا محمد حسن کے صاحب زادے اولاد حسین صاحب ۱۲۶۸ھ کو امروہے میں پیدا ہوئے۔

وطن میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ گئے اور مشاہیر سے معقولات و منقولات کی تکمیل کر کے وطن آئے۔ فقہ میں شہرت اور علم الفرائض و میراث میں مہارت و شہرت پائی۔ آپ کے نفیس کتب خانے میں فقہ کی بہت عمدہ عمدہ کتابیں موجود تھیں۔

سلیم تخلص سے شعر کہتے تھے۔ خوش نویس لاجواب تھے۔ اشرف المساجد محلہ دربار پوتہ امروہہ کی تمام دیواری تحریریں آپ کے قلم سے ہیں۔ شناعت

بہت مقدس، متورع اور با اخلاق تھے۔

زیارت عتبات عالیہ سے مشرف ہوئے تھے۔

اولاد: محمد عبادت

~~اپنی خاص علمی~~ یکم شعبان ۱۳۳۸ھ روز چہار شنبہ امروہے میں جاں بحق اور وہیں دفن ہوئے۔

تصانیف : • نیرنگِ زمانہ • طرفۃ العین • دلائل حسینیہ • چراغ ایمان • انوار المومنین • معلم الاطفال • الاشاعۃ فی شرح نہج البلاغہ • نظم الفرائض • بدور الفرائض طبع ۱۳۲۱ھ عربی فارسی اردو اشعار و قطعات تاریخ۔　　(بے بہا)

اولاد حیدر فوق :

۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

خان بہادر سید اولاد حیدر فوق بلگرامی، بڑے معزز، صاحب اقتدار زمیندار آدمی تھے، علوم دین کی باقاعدہ تعلیم تو حاصل نہ کی تھی لیکن تاریخ سے گہرا تعلق اور سیرت سے عشق تھا۔ مطالعہ و شوق کی مدد سے سیرت و سوانح

حضرت رسالت مآبؐ و احوال ائمہ پر بہت مقبول کتابیں لکھیں۔ جن سے فوق صاحب کی قابلیت و وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ زندگی بھر پڑھنے لکھتے رہے۔ چہاردہ معصوم کے سوانح خاصکر سیرت النبیؐ پر ان سے زیادہ ضخیم شیعہ کتابیں اردو میں موجود نہیں۔

فوق صاحب نے اچھی عمر پاکر ۲۰ رمضان ۱۳۶۱ھ ۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء جمعہ کے دن مرحوم ہوئے۔

تصانیف : • تفسیر قرآن مجید (جلد اوّل بلا ترجمہ متن و باحواشی اردو شائع ہو چکی ہے)
• اسوۃ الرسول سیرۃ النبیؐ پر ۵ ضخیم مجلد، مطبوعہ • سراج المبین، سیرت امیر المومنینؑ دو مجلد، مطبوعہ
• سرد چمن، سیرت امام حسنؑ۔ • ذبح عظیم، تاریخ امام حسینؑ۔ • صحیفۃ العابدین • مآثر الباقریہ
• آثار جعفریہ • علوم کاظمیہ۔ • تحفۂ رضویہ • تحفۃ المتقین طبع ۱۹۱۶ء۔ • سیرۃ النقی طبع ۱۹۱۷ء
• العسکری • دُرِ مقصود۔ طبع دہلی ۱۹۱۹ء • تاریخ جدید صوبۂ بہار و اڑیسہ۔ طبع پٹنہ۔ • گلدستۂ مومنینؑ
قصائد مدح ائمہؑ، طبع دہلی ۱۳۴۱ھ۔

اعظم علی، پنگوڑوی : حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

مولانا سید اعظم علی، پنگوڑ کے سادات سے تعلق رکھتے تھے (پنگوڑ، دہلی کا ایک قصبہ جو سالم ملکیت سادات ہے، جناب غفران مآب کے شاگرد تھے۔

تصانیف : رسالہ در فضیلت نکاح مؤبد، و بحث محبت

نسا و اولاد : رسالہ در ردّ صوفیہ (تکملۂ نجوم السماء، ج ۲، ص ۲۴)

احمد، ملا، الاعرج : ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء

فاضل مقدس ملا احمد الاعرج، کشمیری نوجوانی میں لکھنؤ آئے اور پورا دورۂ درس مکمل کرکے جناب سید العلما سے اجازہ لیا۔ نحو میں خاص طور پر مشہور رہے۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ کو رحلت کی۔

تصانیف : • حل غایۃ البیان (صرف، عربی) حاشیہ بر شرح صحیفۂ کاملہ سید علی مدنی (عربی) (تکملہ نجوم السماء ج ۱، ص ۳)

احمد علی، وفاخانی : ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

پروفیسر، مولانا میر احمد علی صاحب سجادی وفاخانی ایم اے، بی او ایل، بی ٹی عربی و فارسی کے لکچرار اور علوم دین کے فاضل اور قرآن مجید کے عاشق تھے۔ موصوف نے مدراس میں یتیم خانہ حسینی، ایلیمنٹری، مڈل، ہائی سکول قائم کیا۔

مطالعہ اور تصنیف و تالیف سے شغف رہا۔ ان کی کتابوں میں (KING OF MARTAYERS)

سوانح حضرت امام حسین علیہ السلام چھپ چکی ہے۔

تفسیر قرآن: مولانا میر احمد علی صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ انگریزی میں تفسیر قرآن مجید ہے جو خلیل شیرازی صاحب نے ۱۹۶۴ء میں کراچی سے شائع کی۔

موصوف کی وفات ~~حدود ۱۹۸۰ء میں~~ ۲۱ رمضان ۱۳۹۶ھ کو کراچی میں ہوئی۔

. . . .

اولاد حسین لکھنوی: ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۸ء

سید اولاد حسین شاعر، ذاخر لکھنوی کے فرزند تھے، تاریخ پر عبور تھا۔ بڑے عمدہ شاعر اور خطیب تھے۔ ساٹھ سال سے زیادہ عمر میں رحلت کی۔ موصوف نے "تذکرۃ الصحابیات" نامی کتاب لکھی تھی۔

. . . .

اولاد علی: حدود ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء

مولوی میر اولاد علی صاحب علوم اسلامی کے فاضل اور روشن خیال آدمی تھے۔ موصوف نے اپنی تدریسی قابلیت کی بنا پر انگریزوں پر اثر ڈالا چنانچہ ۱۸۵۶ء میں ڈبلن یونیورسٹی کے فارسی اردو پروفیسر کی حیثیت سے نامزد ہوئے اور دس بارہ سال تک لندن میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۸۶۹ء میں سرسید لندن گئے تو مولانا سے ملاقات کی۔

مولوی اولاد حسین وطن واپس آئے اور یہیں رحلت کی۔

میر اولاد علی شاعر بھی تھے۔ (خطبات گارساں دتاسی ص ۸۰ ۔ خطبہ ۱۸۶۲ء)

. . . .

امتیاز حسین:

مولانا سید امتیاز حسین صاحب کرارہ ضلع الٰہ آباد کے رہنے والے تھے۔ سلطان المدارس لکھنؤ سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ جناب مولانا امجد حسین صاحب قبلہ کے داماد تھے۔ وطن میں خدمات دینی انجام دیتے رہے۔

. . . .

امیر الدین: ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۳ء

بن حافظ ... مستقیم

چک جلال دین جھنگ کے زمیں دار اور حافظ علی محمد صاحب کے شاگرد حکیم امیر الدین تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ و کلام کے فاضل جلیل تھے۔ جہانیاں شاہ کے رؤسا موصوف سے علاج کرواتے تھے۔ ایک مرتبہ حکیم صاحب جہانیاں شاہ

سرگودھے میں ایسے وقت پہنچے جب علامہ عبدالعلی ہروی طہرانی وہاں فروکش تھے۔ علمی شہرت سُن کر حکیم صاحب مولانا ہروی سے ملنے گئے۔ گفتگو ہوئی اور حکیم صاحب تبادلۂ خیال پر آمادہ ہوگئے۔ طویل مباحثے کے بعد استاد شاگرد دونوں نے مذہب جعفری قبول کرلیا، دونوں نے مذہب حق (الاستدلال) کی ترویج کو شعار بنالیا۔ دونوں نے مل کر "فلک النجاۃ" نامی کتاب عربی میں لکھی (اور دوسری کتاب ابطال الاستدلال لاہل الزیغ والضلال) جس میں ان اعتراضات کو رد کیا ہے جو حضرات اہل سنت کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ مولانا امیرالدین صاحب حج و زیارات سے بھی مشرف ہوئے تھے، عبادت و ریاضت مشغلہ تھی۔

۸ رمضان ۱۳۸۲ھ کو جھنگ میں رحلت کی۔

موصوف کا اچھا خاصا کتب خانہ تھا جو ان کے بعد کچھ تو ضائع ہوگیا، باقی کتابیں مدرسۂ حسینیہ جھنگ کو دے دی گئی ہیں۔ دو کتابیں بھی شائع ہوئیں۔

ابطال الاستدلال لاہل الزیغ والضلال۔

احمد عباس :

مولانا سید احمد عباس صاحب صدرالافاضل منجھیانوان ضلع الٰہ آباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں مدرسۂ سلطان المدارس سے فارغ التحصیل ہوئے۔ عالم و متقی بزرگ تھے۔

اظہر حسن، متوفی حدود ۱۹۲۸ء، مولانا اظہر حسن ممتازالافاضل سرسی ضلع مراد آباد ہند کے رہنے والے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سید ایوب حسین صاحب ممتازالافاضل ماشاءاللہ زندہ ہیں ستر برس کی عمر ہے۔

اعجاز حسین، متوفی حدود ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء، مچھلی گاؤں فیض آباد کے مولانا اعجاز حسین صاحب طبیب و عالم و مدرس مدرسۂ دینیہ موسوم بوثیقہ[1] اسکول فیض آباد۔ (مولانا سعادت حسین صاحب)

امداد حسین خان متوفی ۱۹۶۴ء، اہٹ ضلع سلطانپور، یوپی کے باشندے ان کے والد وزیر علی خان بڑے شجاع و بہادر تھے۔ میٹرک تک پڑھنے کے بعد تبلیغ کا شوق ہوا۔ لاہور میں علامہ ہروی کی فارسی تقریریں سُن کر حفظ کرلیتے تھے۔ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے خصوصی جماعت میں داخلہ مل گیا پھر تبلیغی دوروں کی اجازت لے کر شہر شہر گئے۔ چوہتر برس کے تھے، جہلم میں رحلت کی اور مومن پورہ لاہور میں مدفن بنا۔

---

[1] نواب بہو بیگم صاحبہ نے اپنی اور اپنے بھائی کی سرکار کے تمام ملازمین کی تنخواہ کا ایسٹ انڈیا کمپنی کو قرضہ کے ذیل میں پابند کیا تھا۔ پانچ روپے مرد اور ساڑھے چار روپے کنیزوں اور مصاحب عورتوں کے جن کی تعداد پانچ سو تھی، یہ لوگ مرگئے تو متولیان نے حکومت سے کہا کر نوسو روپے ماہانہ کی بچت سے دینی مدرسہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر نے سرکاری بورڈ کے عربی فارسی امتحانات کے لیے مدرسہ کی اجازت دی۔ یہ مدرسہ مارچ ۱۹۰۴ء سے اب تک وثیقہ اسکول کے نام سے قائم ہے۔

(ب) بادشاہ حسین، شیخ :

۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

بادشاہ حسین بن فدا حسین صاحب سیتاپوری عربی، فارسی، انگریزی کے فاضل اور سنسکرت میں ایم اے تھے۔ نہایت متدین، متشرع، وضع دار، خوش اخلاق، اسلام کے فدائی اور مبلغ اور تعلیمات محمد و آل محمد کے شیدائی تھے۔ بہت سے مقالات لکھے اور قرآن مجید کا طویل مطالعہ کرنے کے بعد مستشرقین کی رد کی۔ پھر براہ راست انگریزی میں تفسیر لکھنا شروع کی۔ نصف سے زیادہ کام مکمل کر چکے تھے کہ موت نے مہلت نہ دی۔ دو جلدیں مع طویل مقدمے کے مدرسۃ الواعظین سے چھپ چکی ہیں۔ باقی حصہ کتب خانہ واعظین میں محفوظ ہے۔ جناب نجم الملت مولانا سید نجم الحسن صاحب نے باقی تفسیر جناب افتخار حسین جج صاحب سے مکمل کروائی جو طبع نہ ہو سکی۔

مولانا بادشاہ حسین صاحب نے سیتاپور میں ۷ / جمادی الاولی ۱۳۵۶ھ میں رحلت کی۔

باسط علی :

۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء

مولانا خواجہ باسط علی لکھنؤ کے علماء و افاضل میں تھے، تدریس و تعلیم ان کا مشغلہ تھا، ہنگامہ ۱۸۵۷ء نے ان کے احوال تک رسائی ناممکن بنا دی ہے۔ شیخ جان محمد شاد نے مولانا کو "فقیہ و صرفی و نحوی" کے اوصاف سے یاد کیا ہے۔ ان کا قطعۂ تاریخ ہے۔

بخلد رفت چو باسط علی استادم فقیہ و صرفی و نحوی و فاضل و اکمل
شدہ بمصرع تاریخ معنوی صوری دو شنبہ روز، شب نوزدہ ربیع اوّل

۱۲۷۳ھ (دیوانِ شاد طبع لاہور)

روشن علی بارہوی نے ایک اور خواجہ باسط کے بارے میں لکھا:
خواجہ باسط از علماء شیعہ تاریخ وفات ۱۱۷۷ھ "شیخ المومنین باسط"
(سید التاریخ ص ۹۴)

باقر حسین، سید :

بعد ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

مولوی سید باقر حسین صاحب صادق، علوم اسلامیہ کے فارغ التحصیل، مقدس و محترم رئیس، جون پور کے مشہور فاضل سید محمد مرتضی کے چچا زاد بھائی تھے۔ "افہام الحائرین" کے قطعات تاریخ میں ان کا نام محمد باقر درج ہے، اسی قطعہ سے معلوم ہوا کہ موصوف عربی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ تاریخ سے دلچسپی تھی۔ اسی بنا

پر "مقتل ابی مخنف" کا ترجمہ کیا۔ دوسری مطبوعہ کتاب "اسوف ترجمہ لہوف" ہے مطبع اثنا عشری لکھنؤ کے نسخہ مطبوعہ ۱۳۲۰ھ پر مؤلف کا تعارف ان لفظوں میں ہے :۔

"یکے از تالیفات عالی مراتب جمیل المحامد والمناقب۔
جناب مولوی باقر حسین صاحب دام اقبالہ"

کتاب کے مقدمے میں سید محمد مرتضیٰ بن سید حسن علی صاحب جون پوری کا نام پورے احترام سے لیا گیا ہے۔ مؤلف ۱۳۲۰ھ تک زندہ تھے۔

باقر حسین، امروہوی :

۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

مولانا سید باقر حسین صاحب، امروہہ محلہ قاضی زادہ میں رہتے تھے، معاصر علماء و اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور عالم و فاضل ہوئے۔ جناب نجم العلما مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ کے ماموں تھے۔ امروہے کے مدرسۂ دینیہ میں پڑھاتے تھے (بقول مولانا سید محمد محسن صاحب نبیرۂ نجم العلما) ۱۹۳۷ء امروہے میں رحلت فرمائی اور امام باڑہ قاضی زادہ میں دفن ہوئے۔

(تواریخ واسطیہ ص ۵۴۸ - طبع ۱۳۲۲ھ)

باقر حسین، فتویٰ نویس :

حدود ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء

مولانا سید محمد حسین صاحب لکھنؤ کے ممتاز عالم دین، نہایت متقی اور پرہیزگار فقیہ تھے۔ جناب علیین مکان سید حسین صاحب سے تلمذ خاص تھا۔ جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب اور جناب سید محمد ابراہیم صاحب کے فتوے لکھا کرتے تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب کے فرزند سید باقر حسین صاحب لکھنوی نے اپنے والد اور جناب سید العلماء سید حسین صاحب علیین مکان اور سید علی شاہ اور سید محمد تقی صاحب سے علوم دینیہ حاصل کیے۔ اپنے والد کی طرح فقہ پر عبور تھا، صلاح و تقویٰ، قابلیت و اعتماد کی بناء پر آپ بھی علماء کے فتوے نویس رہے۔ ۱۳۲۰ھ کے بعد رحلت کی۔

آپ کے شاگردوں میں مولانا حسام الاسلام سید نثار حسین اور فرزندوں میں مولانا حکیم سید حید رحسین پیش نماز آگرہ و کان پور نیز مولانا یاور حسین صاحب فاضل عراق مشہور ہیں۔ (بے بہا صفحہ ۸۴)

باقر علی مرزا، دہلوی، میرٹھی :

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء
حدود ~~۱۳۹۰~~ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

باقر علی ابن آغا علی صاحب ۔۔۔۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ طب آپ کا خاندانی فن تھا۔ معقول و منقول مولانا جعفر علی صاحب جارچوی سے حاصل کیے۔ ۱۸۵۷ء میں آپ میرٹھ میں متوطن

ہوئے۔ اسی زمانے میں عنایت حسین خان صاحب نے کمبوہ دروازے میں مسجد تعمیر کی تو آپ امام جمعہ وجماعت ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں مدرسہ منصبیہ کا قیام ہوا تو آپ مدرس اول ہوئے۔

بڑے مقدس و صالح و فاضل تھے۔

تخمیناً پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور پرانی کربلا میں آسودۂ لحد ہوئے۔ (بے بہا)

تصانیف: • فضائل مرتضوی۔ (۲۵۵ صفحات، اردو مطبوعہ) • ارشادیہ شرح اعتقادیہ • رد رسالہ سیف حسینی • صولت حیدریہ۔

باقر علی، نجفی:

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء

۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء

مولانا باقر علی خان نجفی، لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد مختلف اساتذہ کے علاوہ مولانا محمد حسین صاحب محقق ہندی سے تلمذ کیا۔ کچھ عرصے تک نجف میں تحصیل علم کی اور نجفی کہلائے۔ تبلیغ سے عشق تھا، گھر بار بیچ کر لندن گئے اور انگریزی میں لکھنے بولنے لگے۔ سنا ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا تھا۔

حیدر آباد و علی گڑھ اور لکھنؤ میں پروفیسر رہے۔ آخر کار پنجاب کے محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہو گئے اور ایک زمانے تک گورنمنٹ ہائی اسکول باغبان پورے میں عربی کے استاد رہے۔

نبی پورہ شیعیان لاہور میں ذاتی مکان بنا لیا تھا اور مذہبی وعلمی و قومی کاموں میں والہانہ شغف سے کام کرتے تھے۔

مولانا کے پاس فقہ وحدیث وتفسیر وعقائد کا بہت بڑا کتب خانہ تھا جس میں ان کے بھائی صادق علی خان صاحب مرحوم نجفی کا ذخیرہ بھی تھا۔ افسوس ہے سب کتابیں ضائع ہو گئیں۔ وہ خود ملازمت کے سلسلے میں مشرقی پنجاب میں تھے۔ وہاں گھر لٹا، پھر میانوالی میں آباد ہوئے وہاں کتابیں الگ ہیں اور لاہور کے مکان میں الگ تھیں۔

مولانا ملازمت سے ریٹائر ہو کر میانوالی ہی میں رہے اور اخباری اطلاع کے مطابق ۱۹۵۶ء میں رحلت کی۔

ان کی اہلیہ، دختر جناب محقق ہندیؒ نے مجھے ان مرحوم کی کچھ بوسیدہ کتابیں دی تھیں۔ وہ ان کے نام سے میرے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

مرحوم کے فرزند جناب علی حضور صاحب لاہور کے مشہور وکیل ہیں۔

باقر مہدی:

۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء

۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء

مولانا سید باقر مہدی بن مولانا سید ظفر مہدی انجم جرول وعلی نگر ضلع بہرائچ۔ بہت بڑے عالم، فقیہ اور

محدث وخطیب تھے۔ اپنے قصبے میں امامت جمعہ و جماعت بھی کرتے تھے۔ پرہیزگار اور نیک سخی اور غریب نواز تھے۔ شاعری کا شوق تھا۔ مرزا دبیر سے اصلاح لیتے تھے۔ مرثیہ میں واقعات و تواریخ کے لیے کتاب اور سند شرط جانتے تھے۔ چھتیس سال زندہ رہے۔ ۹ صفر ۱۳۱۲ھ کو رحلت کی۔

اساتذہ: • مولانا ظفر مہدی۔ • مولانا علی محمد تاج العلما، مولانا کلب باقر۔ • مولانا عبدالحی فرنگی محلی عبدالحلیم و تفضل حسین فتح پوری۔

تصانیف: • مجموعہ خطوط عربیہ • مواعظ باقریہ • رسالہ تجہیز اموات • عید کا چاند
(دبستانِ دبیر، نزہتہ ج ۸ صفحہ ۸۸)

ببر علی: ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء

مولانا ببر علی صاحب لکھنؤ کے ممتاز عالم دین اور فن حدیث کے ماہر تھے۔ دینی معاملات سختی سے انجام دیتے تھے بڑے پرہیزگار و متقی تھے۔ مسلکا اخباری تھے۔
آخر میں عراق چلے گئے تھے اور ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۲۴۸ھ کو کربلا میں رحلت کی اور حرم امام حسینؑ میں لحد پائی۔ (دیکھیے، بختاور علی و بدرالاسلام، آخرب) (نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۹۶)

بدیع الدین، مرشد آبادی: حدود ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء — ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء

سرخیل اتقیاء مومنین زبدۂ اصحاب یقین حاجی بدیع الدین سارن بہار کے باشندے تھے۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد مجاہدۂ نفس کیا اور خواجہ محمد جعفر مرحوم درویش کے ساتھ رہے۔ حاجی احمد علی داماد مولوی نصیر مرحوم کے ساتھ حج و زیارات سے مشرف ہوئے اور کچھ عرصے مشہد مقدس میں ٹھہر کر مصطفےٰ آباد (اپنی زوجہ کے ملکو گاؤں) میں آئے اور وہیں اہل و عیال کے ساتھ رہے۔
فقہ و حدیث و تفسیر میں ماہر تھے۔ علوم عقلیہ سے دلچسپی نہ تھی۔ شیخ محمد علی صاحب (حزیں) کہا کرتے تھے۔ کہ عظیم آباد میں صرف ایک حاجی صاحب کا وجود ہے۔
ایک مرتبہ بنارس سے وطن کے لیے رخصت ہوئے تو شیخ محمد علی سے ملاقاتِ رخصت کے لیے گئے شیخ نے دروازے تک آکر آپ کو الوداع کہی اور رو کر دعا دی۔
مولانا الحاج بدیع الدین عبادتِ الٰہی میں دن رات مصروف رہتے تھے۔ کبھی نمازِ شب قضا نہیں کی۔ اسّی برس کی عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو عمر ملی ہے وہ کسی امام کی عمر نہ تھی۔ نہ معلوم میری عمر اتنی کیوں ہوئی۔ مؤلف

سیر المتاخرین موصوف سے ملے تھے۔ عبدالحیٰ نے موصوف کی تاریخ وفات ۱۱۹۵ھ لکھی ہے۔

(بے بہا ص ۹۷، نزہتہ ج ۶ ص ۹۶، سیر المتاخرین ج ۲ ص ۶۲۰)

برکت علی، سید، لاہوری:

بعد ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء

مولانا برکت علی صاحب جناب سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب اور ممتاز العلما سید ابراہیم صاحب کے شاگرد۔ علم ریاضی وفقہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ ~~جناب سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب نے~~ آپ کی سند میں لکھا تھا:

"ان السید الادیب اللوذعی والفاضل المتوقد الذکی المولوی السید برکت علی حرسہ العلی لقد حازحظا وافرا من الفنون المدرسیۃ لاسیما الریاضیہ واونی کفلا (؟) جزیلا من العلوم الفقہیۃ الدینیۃ لازال مویدا بالتائیدات الغیبیۃ ومسددا بالتسدیدات الملاریبیہ۔

وانا الفقیر الی رحمۃ ربہ الغنی محمد بن علی بن محمد الرضوی تقبل اللہ اعمالہم وخفف اثقالہم وکان ذلک اول الربیعین۔

۱۲۶۷ھ

مولانا برکت علی صاحب لاہور میں رہے اور دینی خدمتیں انجام دیں۔ ۱۲۷۰ھ کے بعد رحلت کی۔

مفید العوام مطبع دہلی ۱۲۶۳ھ ان کی تالیف ہے۔ (تاریخ سلطان العلماء ص ۱۶۴)

برکت علی، بنگلوری، حیدرآبادی:

حدود ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء

سید برکت علی بن میر اشرف حسین بنگلور کے باشندے اور حیدرآباد کے متوطن تھے۔ ان کے بھائی مولوی غلام حسین صاحب بڑے نامور عالم تھے۔ برکت علی صاحب ان کے چھوٹے بھائی مجتہد کہلائے جاتے تھے۔ ۱۹۱۳ء میں رام پور آئے تھے۔ خطیب بھی تھے اور خلیق بھی۔ بارہہ ضلع مظفر نگر میں بھی رہے۔

(بے بہا)

صـ۱

بُرھان نظام شاہ، احمد نگری:

۹۰۷ھ / ۱۴۰۱ء
۹۶۱ھ / ۱۵۵۴ء

برھان بن احمد بن حسن بحری احمد نگری، احمد نگر کے بادشاہ تھے۔ ۹۱۴ھ کو اپنے والد کے بعد تخت نشین ہوئے۔ ان کے وزیر مکمل خان نے نوعمر بادشاہ کی تعلیم کے لیے بڑا اہتمام کیا۔ ۹۲۸ھ میں طاہر بن رضی قزوینی وطن چھوڑ کر احمد نگر آ گئے تھے۔ بادشاہ نے ان کو دربار میں طلب کیا اور قلعہ کے اندر ان کے لیے مدرسہ قائم کیا۔ جناب مولانا طاہر قزوینی ہفتے میں دو دن درس دیتے تھے جس میں علماء شہر اور خود بادشاہ بھی شریک ہوتا تھا۔ اور اس قدر ادب سے حاضری دیتا تھا کہ پیشاب کے لیے بھی اٹھنا ترک کر دیا تھا۔

مولانا کی تعلیم اور اپنے شہزادے کی معجزانہ طور پر صحت کی وجہ سے بادشاہ نے اپنے تشیع کا اعلان کر کے خطبے میں ائمہ اثنا عشر کے نام اعلان کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد احمد نگر شیعہ علوم و علما کا مرکز بن گیا۔

(نیز دیکھیے ملا طاہر)

بادشاہ کے درباری علما:

- ملا رستم جرجانی • ملا علی مازندرانی • ایوب ابوالبرکت • ملا عزیز اللہ گیلانی • ملا محمد امامی استرآبادی
- سید حسین مدنی • شیخ احمد نجفی۔ (نزہتہ ج ۴ ص ۹۹)

. . . .

بشیر حسن، امروہوی:

حدود ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

مولوی سید بشیر حسن صاحب امروہے کے رہنے والے تھے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کر کے سید المدارس میں پڑھتے رہے پھر پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی عالم اور مولوی فاضل کے اسناد حاصل کیے۔

فروری ۱۹۱۵ء میں انھیں گورنمنٹ اسکول میں عربی مدرس کی جگہ مل گئی وہ ۱۹۳۶ء میں ہائی اسکول میں مدرس تھے دینی اور اخلاقی تحریکات کے محرک ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم نسواں کے حامی اور آل احمد گرلز اسکول امروہے کے سرپرست تھے۔ اس سلسلے میں "گھر گرہستی" نامی کتاب تعلیم نسواں کے لیے بہت مشہور ہوئی اور موصوف کی اس کتاب کا ہندی ترجمہ بھی چھپا۔

۱۹۴۰ء کے بعد رحلت کی۔

(انجمن وظیفہ سادات جوبلی نمبر)

. . . .

بقا، خواجہ:

حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء

خواجہ بقا، نواب عبداللہ کے بھتیجے اور نواب مہابت خان کے بھانجے تھے، سرکار لکھنؤ میں جاگیردار

تھے۔ عقائد وکلام سے دلچسپی اور مذہبی علوم کی مزاولت تھی۔
شیخ فرید، خواجہ بقا کے مصاحب اور فوجدار تھے وہ بقا صاحب کے مباحثوں کے مداح تھے۔
(ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۲۵۲)

بندہ حسین، سید ملک العلما:
۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء

ملک العلما مولانا سید بندہ حسین صاحب جناب سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب کے فرزند تھے۔ اپنے بڑے بھائی جناب خلاصۃ العلما سید مرتضیٰ صاحب سے معقولات اور اپنے والد سے فقہ و اصول و منقولات کی تکمیل فرمائی۔ جناب سلطان العلما نے ۱۲ شوال ۱۲۵۱ھ کو اجازۂ اجتہاد مرحمت فرمایا۔ ان کے علاوہ جناب علامہ شیخ محمد حسین مازندرانی اور جناب علامہ سید علی تستری حائری سے اجازے حاصل کئے۔
یکم فروری ۱۸۶۱ء رجب ۱۲۷۷ھ اور ۲۸ جولائی ۱۸۶۲ء صفر ۱۲۷۸ھ کی دو تحریروں کے ذریعے جناب سلطان العلما نے حکومت کو اطلاع دی کہ جناب بندہ حسین صاحب تمام املاک و جائداد کے سربراہ ہوں گے۔ جناب سلطان العلما نے اپنی اولاد میں تقسیم کار فرمادی تھی۔ اتفاق سے چار فرزند آپ کی زندگی میں وفات پاگئے۔ تو بعد سلطان العلما جناب ملک العلما سید بندہ حسین صاحب والد کے جانشین ہوئے۔
والد کی رحلت (۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء) کے بعد آپ نے حج کی سعادت حاصل کی آپ متحدہ ہندوستان کی مرجعیت کبریٰ کے مرتبے پر فائز ہوئے۔
حکومتِ اودھ نے "ملک العلما" خطاب دیا اور انگریزوں نے شرکت دربار اور استثناء حاضری عدالت کا اعزاز دیا۔
آپ فقیہ و منطقی و فلسفی مشہور رہیں۔ لیکن آپ کا ترجمہ و تفسیر قرآن مجید آپ کے مفسر ہونے کا گواہ ہے۔
آپ فنون سپہ گری کے ماہر اور شہسواری میں یکہ تاز تھے۔ اردو بڑی صاف اور ادیبانہ لکھتے تھے۔
۲۹ جمادی الثانیہ ۱۲۹۶ھ لکھنؤ میں رحلت فرمائی اور غفران مآب کے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ مغفرت مآب لقب ہوا۔ عبدالحی نے تکملۂ نجوم السما کے حوالے سے سنہ وفات ۱۲۹۴ھ لکھا ہے۔

تصانیف: • تفسیر شبیری (اردو مطبوعہ لکھنؤ) • رسالہ مختصرہ در طعام اہل کتاب • قواعد المواریث بطرز جدول (اردو مطبوعہ) • فتاوی کئی مجلد • رسالۃ التخلیلیہ • تحفۃ السالکین مقطوع الید • الصراط السوی • نہج السداد • مواعظ حسینیہ

اولاد: • جناب بحر العلوم سید محمد حسین صاحب معروف بہ علن صاحب • جناب ملاذ العلما ابوالحسن صاحب

معروف بہ بچھن صاحب • جناب مولانا سید رضا حسین صاحب ۔ (بے بہا ۸۵۰ • نزہتہ ج ۷، ص ۱۰۲)

بندہ حسن، حیدرآبادی :

سید فاضل بندہ حسن بن نیاز حسن اصلا پانی پت کے مضافات کے رہنے والے تھے۔ مگر مولانا خود حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم و تربیت حاصل کر کے تدریسی مشاغل میں منہمک ہوگئے۔ چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں رحلت کی۔ (نزہتہ ۸ ص ۹۲)

بُنیاد علی، فتح پوری :

۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء
۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء

مولوی بنیاد علی بن مولوی اولاد علی صاحب فتح پور ہنسوہ کے قریب بہیڑہ بستی کے باشندے تھے۔ آپ نے لکھنؤ کے مختلف اساتذہ کے علاوہ جناب مفتی محمد عباس صاحب جناب ممتاز العلماء مولانا محمد ابراہیم صاحب سے خصوصی تلمذ کے بعد جمعہ و جماعت کے اجازے حاصل کیے۔

بڑے ذہین اور جید الحافظہ تھے۔ آگرے کے محلہ شاہ گنج میں پیش نماز تھے۔ جناب نواب علی خاں صاحب بہادر رئیس حسین آباد ضلع مونگیر ج و زیارات کے لیے اپنے ہمراہ لے گئے۔ واپسی میں مولانا صاحب حسین آباد ضلع مونگیر ہی میں رہے اور انتالیس سال کی عمر میں رحلت کی۔ قطعہ تاریخ وفات ہے ۔

مولطن پاکش بہیڑہ بود در ہندوستاں — خود بودہ عالم کامل فقیہ و متقی
از جہاں بے وفا رفتہ بسال سی و نہ — فخر اسلام آہ بنیاد علی مولوی — ۱۲۸۷ھ

فرزند : مولوی سید مہدی حسین صاحب متوفی ۱۳۱۴ھ

بُنیاد علی، ممتاز الافاضل :

حدود ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

مولوی بنیاد علی صاحب ممتاز الافاضل، واعظ مدرستہ الواعظین لکھنؤ گجرات پنجاب اور بنگلور میں واعظ رہے۔ شکار پور ضلع بلند شہر وطن تھا۔ عالم و خطیب تھے تقریباً ۱۹۷۰ء میں رحلت کی۔

بہادر شاہ، اوّل :

۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء
۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء

یوں تو بادشاہوں اور سیاسی سربراہوں کا مذہب اقتدار ہوتا ہے، لیکن ان کے رجحانات اور دینی اعمال بہر حال انھیں کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر انھیں شیعہ یا سنی کہا جاتا ہے، برصغیر کی

طویل تاریخ میں تیموری سلاطین عموماً سنی کہے جاتے ہیں۔ اگرچہ شاہزادہ حیدر شکوہ نے ان کے شیعہ ہونے کے سلسلے میں دو کتابیں لکھی ہیں۔

- مثنوی شوکت حیدری (فارسی)
- رسالۂ علم حیدری (فارسی مطبوعہ)

تیموریہ سلطان حسین مرزا کے بارے میں ان کے تصوف پسند رجحانات اور ائمہ اہل بیت سے عقیدت کی بنا پر یہ خیال اور بھی قوت حاصل کرلیتا ہے۔ پھر ہمایوں کا شیعہ ہونا اور بیرم خاں کا تشیع تو بالاتفاق مانا جاچکا ہے۔ اکبر کے دربار میں مذہبی مناظرے اور حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم فتح اللہ شیرازی، ملا احمد ٹھٹھوی اور ملا نوراللہ شوستری جیسے شیعہ علماء وافاضل کا وجود شیعہ مذہبی اہمیت کی ضمانت ہے۔ جہانگیر کا وزیر اور اس کی ملکہ یعنی آصف خان اور نورجہاں کی شیعیت مشہور ہے۔ اگرچہ جہانگیر کے بارے میں یقینی ہے کہ وہ شیخ احمد سرہندی کی سیاسی اہمیت سے متاثر تھا۔ اس نے قاضی نوراللہ شوستری کو شہید کیا۔ اسی طرح شاہجہاں بھی تشیع سے دور رہا، اگرچہ اس دور میں شیعہ علما وفقہا دارالخلافت میں بڑے مکرم تھے ملا سعید اشرف مازندرانی، ملا شفیعا جیسے فقہا دربار میں اثر رکھتے تھے۔ شہزادے اور شہزادیاں شیعہ علما کی تربیت میں رہیں۔ شاہ جہان نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا بہت اچھا انتظام کیا، اس کے لڑکے پڑھے لکھے تھے۔ داراشکوہ تصوف اور ہندو فلسفے کا عالم تھا، اورنگ زیب عالمگیر اسلامی علوم کا دلدادہ اور مذہب کا پرستار، اس نے کتابت قرآن کو شرف جانا اور فقہ حنفی کی عظیم الشان کتاب "فتاویٰ عالمگیری" مرتب کرانے میں براہِ راست دلچسپی لی۔ اس کے خطوط اور وصیت نامے سے ثابت ہے کہ وہ متعصب حنفی اور شیعہ مذہب سے بیزار تھا، لیکن شیعہ امرا اور شیعہ ریاستوں سے دوستانہ ومخالفانہ معاملات کے بعد وہ شیعہ ہوگیا تھا۔ اس نے آخری وصیت نامہ میں شیعہ مذہب کے احکام کو مانا اور اس کا رازداں بہادر شاہ کو بنایا۔[1]

بہادر شاہ جس کا ابتدائی نام معظم ہے۔ ۳۰ رجب ۱۰۵۳ھ کو نواب بائی دختر راجہ راجو والی کشمیر کے بطن سے پیدا ہوا۔ عالمگیر نے اس بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے اعلیٰ درجے کے اساتذہ مقرر کیے، چنانچہ اس نے قرأت، تجوید تفسیر و حدیث میں مہارت حاصل کی۔ تلاوت ایسی تھی کہ سننے والوں کے دلوں پر اثر ہوتا تھا، مطالعۂ تفسیر سے والہانہ شغف تھا، عربی پر اہلِ زبان کی طرح قدرت تھی، حدیث کا علم ایسا تھا کہ مؤرخین "قُدْوَةُ الْمُحَدِّثِين" لکھتے ہیں۔ صوبۂ کابل و دکن و بنگال میں صوبے دار رہے۔ حیدر شاہ کی مہم میں سربراہی کی۔ اسی زمانے میں بادشاہ ناراض ہوگئے۔ اور نظر بند یا قید کردیے گئے۔

نواب بیگم (والدہ معظم شاہ کی وفات کے بعد ۲ ذی قعدہ ۱۱۰۲ھ کو قید سے رہائی پائی اور پنجاب کی صوبے داری

[1] شیخ احمد علی سندیلوی نے مخزن الغرائب ج ۱ ص ۱۱ پر لکھا ہے کہ "محمد اکبر بن اورنگ زیب کہ ترتیب دفتر ضریح امام رضا علیہ السلام کردہ است و قصیدہ در منقبت آن امام ابن والا نسب در نہایت سلاست گفتہ و قصیدہ مزبور گرد روضۂ متبرکہ ثبت است"۔

پر فائز ہوئے۔

۱۱۰۹ھ میں کابل کے صوبے دار ہوئے۔ ۱۸؍ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ کو اورنگ زیب عالمگیر فوت ہوئے۔ شاہزادہ معظم نے کابل میں خبر سنی۔ ۳؍ محرم ۱۱۱۹ھ کو تاجِ شاہی سر پر رکھا اور بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ بادشاہ غازی لقب اختیار کیا۔

جب لاہور آن کر تخت نشینی کی تو ممالکِ محروسہ میں حکم دے دیا کہ مساجد میں جمعہ کے دن جو خطبہ دیا جائے اس سے مروجہ ناموں کو خارج کر کے بارہ اماموں کے نام لیے جائیں۔

جمعہ کے دن ائمہ اثنا عشر کے ناموں کا خطبہ کیا پڑھا گیا کہ قیامت آگئی۔ کسی خطیب کو قتل کر دیا گیا۔ کسی خطیب کو رسوا۔ معززین و امرا و علماء اہلِ سنت نے شدید ردِّ عمل کا مظاہرہ کیا اور بادشاہ کو فرمان واپس لینا پڑا ملک میں مرہٹوں، سکھوں اور راجاؤں کی سرکشی، نیز محمد اعظم اور کام بخش کی بغاوت کی وجہ سے اندرونی نظم و نسق بحال کرنا تھا۔ اس لیے فرقہ وارانہ ہنگاموں سے بچنے کی خاطر حکم تو واپس لے لیا مگر نعمت خان عالی جیسے امرا و علما سے روابط بحال رکھ کر اپنا مذہب کسی نہ کسی طرح قائم رکھا۔ نزہۃ الخواطر جیسے تذکروں میں بہادر شاہ کی قابلیت اور حدیث میں مسلمہ حیثیت کا تذکرہ موجود ہے۔ اور تاریخوں میں شیعیت کا تفصیلی بیان محفوظ ہے۔

بہادر شاہ نے ۷۳ سال کی عمر میں دوشنبہ ۲۱؍ محرم ۱۱۲۴ھ کو رحلت کی اور دہلی میں دفن کئے گئے۔

(• نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۰۳ • بزم تیموریہ ص ۲۹۷ • تاریخ عزاداری از مرتضیٰ حسین • سیر المتاخرین)

بہادر علی شاہ

۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء

پنجاب میں سکھوں کی حکومت نے مسلمانوں کے تمام نظامِ زندگی کو مکمل طور پر معطل کر دیا تھا۔ نادر کے حملہ احمد شاہ ابدالی کے قبضے کے بعد پنجاب کے خاندان دہلی، اودھ، عظیم آباد، مرشد آباد، بنگال میں آوارہ وطن ہو گئے۔ باقی ماندہ نامور جو یہاں بچ گئے تھے وہ تمام سرگرمیوں سے دور ہو گئے۔ سکھوں نے اپنی افراتفری میں مسجدوں اور مدرسوں کو تباہ کر دیا۔ امرا و علماء کو بے دست و پا بنا دیا۔ اس لیے تاریخ پنجاب میں سنی علماء و مشائخ عموماً اور شیعہ علماء خصوصاً نایاب ہیں۔ زوال پذیر معاشرے میں اگر شکست خوردہ قوم متحد ہو تو بڑی حد تک اس کے آثار محفوظ رہ جاتے ہیں مگر یہاں باہمی اختلاف بڑھ گئے۔ مسلمانوں کے دو بڑے دشمن ہندو اور سکھ انھیں مٹا رہے تھے اور شیعہ سنی دونوں تباہ و برباد تھے۔ اس بربادی میں نیا شاخسانہ شیعہ دشمنی کی شدت تھی۔ شیعوں کے پاس لاہور میں علی مردان خان، آصف جاہ جیسے بڑے امیروں کے گھرانے تھے۔ ان خاندانوں میں علماء بھی تھے اور معززین بھی۔ ادھر گجرات میں حکیم فتح اللہ شیرازی اور لقبیۃ السیف امرا کی اولاد بھی تھی مگر احمد شاہ ابدالی کے

بعد متعصب سنیوں نے انھیں بے اثر کر دیا اور سکھوں نے نام و نشان فنا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی آخر اسی پنجاب سے رجب علی شاہ اٹھے اور انھوں نے شیعوں کو سہارا دیا پھر قزلباش آئے اور اس خاندان نے شیعوں کی ثقافتی زندگی کو نمایاں کیا۔ آخری دور میں پنجاب کی بڑی ضرورت مبلغین تھے اس لیے پورے صوبے میں بڑے بڑے خطیب پیدا ہوئے یہ خطیب شیعہ عقائد کی تبلیغ اور تشیع پر حملوں کی تردید کے لیے کمربستہ ہو کر میدان میں آئے ان پر اعتراض تھا کہ "حافظ" نہیں ہوتے۔ یہ حافظ ہوئے۔ ان پر اتہام تھا یہ قرآن نہیں مانتے۔ یہ قرآن مجید کی آیتوں ہی سے گفتگو کرنے لگے۔ ان حضرات میں قاری سید بہادر علی شاہ نے بڑا نام پیدا کیا آپ جلال پور جٹاں کے سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے، وہاں میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے دہلی گئے اور وہاں جناب جعفر علی صاحب جارچوی سے ضروری کتابیں پڑھیں اور خطابت شروع کر دی آپ خوش الحان قاری، خوش بیان خطیب، حاضر جواب مناظر، اور وجیہہ و خوش پوش نیک اور پاک نفس فاضل تھے آپ نے پنجاب میں بڑی تبلیغ کی اور یوپی میں بہت مقبول خطیب قرار پائے۔

آپ نے ۲۶ محرم ۱۳۲۵ھ گجرات میں وفات پائی۔ دفتر تاریخ حصہ ہفتم میں صفحہ ۷۸ پر نواب محمد جعفر صاحب نے یہ قطعۂ تاریخ لکھا ہے:

بداں مسکنش پور بعد جلال ۔۔۔ کہ در پنج آبست ایں ارض پاک
مناظر بدو در غم شاہ دیں ۔۔۔ دلی در بغل داشتہ چاک چاک
شش و بست ماہ محرم بد ۔۔۔ کہ رسید دریں جا گشتہ ہلاک
بگفتا چنیں جعفر دل حزیں ۔۔۔ بہادر علی شاہ نیک آہ خاک (۱۳۲۵ھ)

مولانا اظہر حسن صاحب زیدی فرماتے ہیں کہ بہادر علی شاہ کا کتب خانہ نادر کتابوں کا گنجینہ تھا جو ضائع ہو گیا۔

تصانیف: تفسیر سورۂ یوسف • دلیل الوصل فی جواب قوامع الفصل مطبوعہ ۱۳۱۲ھ
• واقعات مناظرہ نگینہ وغیرہ ۱۸۹۱ء • دلائل الصادقین تاریخ محمدی ۱۸۹۵ء

اولاد: غلام علی صاحب اور سیف علی صاحب، سیف علی صاحب خطیب تھے ان کے فرزند جناب حافظ ذوالفقار علی شاہ صاحب ~~حیات ہیں~~ یکم/۱۷ جنوری ۱۹۸۲ء کو وفات پاگئے

بہادر علی، مرزا، حیدرآبادی:

۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء
۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۹ء

مروج شریعت قدسی صفات عمدۃ العلما مولانا بہادر علی بن محمد رضا بن غلام علی بن بیگلر جنگ تیمور کے بھائی کی اولاد سے تھے۔ حیدرآباد میں ۱۴ رمہر ۱۹۹۳ فصلی نماز صبح کے وقت (۱۲۹۴ھ) میں پیدا ہوئے۔

مولانا کاظم علی و مولانا غلام حسین اور دوسرے اساتذہ سے علوم متداولہ پڑھ کر درجۂ فقاہت کو پہنچے۔ عراق بھی گئے اور معاصرین میں معزز قرار پائے۔ حیدر آباد میں ایک بہت بڑا مدرسہ "باب العلوم" اور ۱۳۵۰ھ میں کتب خانہ قائم کیا تھا مولانا حکومت دکن کے مشہور کالج "جاگیردار کالج" میں شعبۂ دینیات کے استاد مقرر ہوئے اور وفات تک اسی ادارے میں رہے۔

آپ عبادت خانۂ دار الشفاء میں جماعت و امورِ دینی کے خدمات انجام دیتے تھے قومی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، شعر و خطابت میں کمال حاصل تھا۔

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ کو حیدر آباد میں انتقال کیا۔ تجہیز و تکفین دائرہ میر مومن میں ہوئی۔ میت میں اتنا بڑا مجمع کسی شیعہ عالم کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔

تصانیف: • سلسلۂ تعلیم مذہبی دو حصے • طریقِ شریعت • رباعیاتِ صفی • مسدس تعلیم۔ وصالِ آخرت۔ • عرفانِ صفی۔ مطبوعہ • اخلاقِ آصفی۔ مطبوعہ • تسبیح فاطمہ غیر مطبوعہ • چراغِ ہدایت مطبوعہ • خلاصۃ المسائل۔ غیر مطبوعہ۔ • تسہیل المنطق۔ غیر مطبوعہ (سرفراز لکھنؤ۔ ۲۵ اپریل ۱۹۵۱ء نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۹۲)

بختاور علی خان :

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

مولانا الحاج بختاور علی ابن محمد حسین خان، بخشی خان راجپوت تعلقدار (امہٹ سلطان پور پرتاپگڑھ یوپی ہند) کے پوتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں حکومت اودھ کا ساتھ دینے کے جرم میں ریاست ضبط ہوئی۔ ان کا خاندان تلاش معاش میں لاہور پہنچا۔ کچھ عرصے بعد بختاور علی بھی لاہور آئے۔ یہاں ملازمت ملی مگر دل میں علم دین کا شوق تھا۔ لہٰذا نجف روانہ ہو گئے ۱۹۱۴ء کی جنگ میں علماء نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا تو بختاور علی ترکوں کی حمایت میں پکڑے گئے ناصریہ میں قید کاٹی ہوا انگریزی فوج نے وطن پہنچایا۔ وطن میں وہ چین سے نہ بیٹھے۔ نوگانواں، امروہہ اور لکھنؤ کے مدرسوں میں علم دین پڑھتے رہے اور حالات ساز گار ہوتے ہی عراق چلے گئے۔ طویل مدت تک وہاں رہے۔ ۱۹۶۰ء کے بعد ہند آئے اور بمبئی میں قیام کیا۔ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ میں وفات ہوئی۔

اولاد : مولانا محمد حسین نجفی مولانا محمود الحسن صاحب نجفی۔ آقا حسین صاحب وکیل۔

(مولانا محمد محسن صاحب آل نجم العلماء نومبر ۱۹۷۷ء مولانا سعادت حسین صاحب قبلہ دسمبر ۱۹۷۹ء)

بدر الاسلام، جارچوی :

حدود ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا سید بدر الاسلام صاحب قبلہ جارچوی منصبیہ کالج میرٹھ میں درس دیتے تھے۔ موصوف نے میرٹھ اور امروہے میں تعلیم حاصل کی تھی اور مکرر علی تمنا تا

(پ) پیارے مرزا صاحب:

حدود ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء
حدود ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء

جناب مولانا پیارے مرزا صاحب ابن حکیم عباس مرزا صاحب ابن حکیم وزیر مرزا صاحب کڑہ محمد علی خان لکھنؤ میں رہتے تھے۔ مولانا سبط حسن صاحب کے ہم درس اور جناب نجم الحسن صاحب قبلہ کے تلامذہ میں تھے تقدس، ریاضت و عبادت کے ساتھ ساتھ ادب و شعر میں مہارت تھی۔ فراغتِ تعلیم کے کچھ عرصے بعد مشہد مقدس چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی اور اسی شہر مقدس میں وفات پائی۔ مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ مدظلہ مولانا پیارے مرزا صاحب کے بھتیجے ہیں۔

(پیر علی دیکھیے: علی، سید)

پیر محمد، احمد نگری:

بعد ۹۳۰ھ / ۱۵۲۳ء

عالم و فاضل پیر محمد حنفی شروانی اپنے عہد کے بہت بڑے عالم تھے۔ برہان نظام شاہ نے ان سے درس لیا اور مقرب بارگاہ بنایا۔

ایک مرتبہ نظام شاہ نے اپنے خواجہ جہان (وزیر) کے پاس قلعہ پرینڈہ بھیجا وہاں ملا طاہر سے ملاقات ہوئی۔ ملا صاحب نے پیر محمد کو "مجسطی" پڑھائی۔ ایک سال کے بعد جب مولانا پیر محمد احمد نگر آئے تو بادشاہ نے استقبال کیا اور اعزاز میں اضافہ کیا۔

ملا صاحب نے تین ہزار آدمیوں کے ساتھ مذہب شیعہ قبول کر لیا اور خطبہ میں ائمہ اثنا عشرؑ کے ناموں کا اعلان کیا۔ اس سے مشتعل ہو کر اہلِ شہر کے بارہ ہزار سوار پیادوں نے نظام شاہ پر حملہ کر دیا۔ برہان نظام شاہ نے انھیں نظر بند کر دیا۔ اور ان کے ساتھ شیعہ ہونے والوں میں بہت سے لوگوں نے مذہب بدل دیا۔ چار سال بعد ملا صاحب رہا ہوئے۔ یہ واقعہ ۹۲۸ھ کا ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۴، ص ۱۰۰، بحوالہ فرشتہ)۔

ملا عبدالقادر بدایونی فرماتے ہیں: "نہایت خوش فہم، شگفتہ مزاج عالم تھے۔ (کچھ مذمت کرنے کے بعد) شیروان سے قندھار پہنچا اور بیرم خان خاناں کے ہاں ملازمت کر لی۔ بہت جلد ترقی کے مدارج کو پہنچا۔ ہندوستان فتح ہوا تو خان کا خطاب اور پھر "ناصر الملک" کا خطاب ملا۔ تین چار سال شان و شوکت سے بسر کیے (ترجمہ) کچھ عرصے بعد نربدا ندی میں ڈوب کر مر گئے۔ بدایونی نے دور سے دیکھا تھا، ہم نشینی کا موقع نہ ملا۔"
اسی کا خلاصہ رحمان علی نے تذکرہ علماء ہند میں لکھا ہے۔ (نیز دیکھیے طاہر شاہ)

(ت) تاثیر حسین :

۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء
بعد ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء

سید اشرف علی صاحب چھندیڑی ضلع مراد آباد کے ایک بزرگ تھے۔ ان کے نیک نہاد فرزند مولانا تاثیر حسین صاحب ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۱ء سے سرکاری مدارس میں تعلیم شروع ہوئی۔ ۱۸۹۱ء میں اردو مڈل پاس کرکے دینی تعلیم کی طرف مائل ہوئے۔ مدرسۂ منصبیہ میرٹھ میں سات سال رہ کر سند لی۔ ۱۳۱۷ھ لکھنؤ گئے اور مدرسۂ ناظمیہ میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۲۰ھ میں ممتاز الافاضل کیا۔

جناب نجم العلماء کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ مدرسہ کے انتظامات آپ کے سپرد تھے۔ جب جناب زیارات کے لیے گئے تو مولانا بھی ہم رکاب تھے۔ شعبان ۱۳۳۱ھ میں مدرسۂ عالیہ رامپور میں طلب کر لیے گئے۔ (بے بہا، ۱۰۰)

تراب علی :

۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا سید تراب علی صاحب متوفی یکم رمضان ۱۳۶۲ھ یوم جمعہ، مدرسہ باب العلم نوگانواں سادات مراد آباد کے مدرس اور مولانا سبط نبی صاحب مرحوم کے معاون تھے۔ (البرهان اکتوبر ۱۹۴۵ء)

تُرابی : دیکھیے رضا حسین علامہ ترابی

تصدق حسین :

۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء
۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء

ابو طالب سید اشرف کاظمی نامی ایک سید بزرگوار ہلاکو خان کی تباہیوں سے متاثر ہو کر نیشاپور سے پاکستان و ہندوستان میں وارد ہوئے اور تغلق نے خدماتِ عالیہ کے سلسلے میں (بروایتے سید اشرف کے فرزند کو قتل کرنے کے خوں بہا میں) کنتور ضلع جرول (لکھنؤ سے قریب) سات سو چوراسی گاؤں عطا کیے۔ یہ خاندان اس وقت سے ۱۹۴۸ء تک اس علاقہ کا مالک رہا۔ ابو طالب موسوی کاظمی کی اولادِ کرام میں برِّ صغیر کے حکیم بزرگ مرتبہ علامہ سید غلام حسنین کنتوری کا نام سب جانتے ہیں۔ علامۂ کنتوری کے فرزند جناب تصدق حسین صاحب ۱۷ ربیع الثانی ۱۲۶۳ھ مطابق ۴ اپریل ۱۸۴۶ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں آپ کے نانا جناب مفتی محمد قلی صاحب رزیڈنسی (بیلی گارد) کے قریب رہتے تھے۔ مولانا تصدق حسین صاحب نے علمی گھرانے میں ہوش سنبھالا اور اپنے گھر کے بزرگوں اور شہر کے اساتذہ سے مقدمات صرف و نحو و منطق و فقہ و عقائد کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی ہوئی۔ اس میں علامۂ غلام حسنین صاحب پیش پیش تھے اور ان کو نیپال جانا پڑا تو تصدق حسین صاحب اپنے وطن کنتور چلے گئے۔ جناب علامہ جب نیپال سے وطن پہنچے تو فرزند کو ساتھ لائے اور منطق و فلسفہ و ریاض و اقلیدس و مجسطی و شفا تک درس دیتے رہے۔

۱۸۶۹ء میں کیننگ کالج قائم ہوا تو آپ نے عربی کی آخری سند فاضل کا امتحان دیا اور اعلیٰ درجے

میں کامیاب ہوئے۔

فقہ و حدیث، تفسیر و علوم دینی کے لیے اپنے خال علام مولانا حامد حسین صاحب اور جناب مفتی محمد عباس اور آیۃ اللہ جناب مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی سے درس لیا۔ اس درس میں آپ کے ساتھ مندرجہ ذیل حضرات شریک تھے۔

سید جعفر حسین صاحب فرزند مولانا احمد علی صاحب۔ سید حسن ساکن کھجوہ۔ سید محمد تقی صاحب ساکن کھجوہ سید مہدی حسین صاحب ساکن بڈولی (بارہ بنکی) سید کرامت حسین صاحب جج۔ خواجہ عابد حسین صاحب سہارنپوری سید رضا حسین صاحب نونہروی۔ یہ درس سہ پہر کو ہوتا تھا۔ مولانا نے دو سال میں شرح لمعہ مکمل کی۔

ادھر جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب نے شرح کبیر و مسالک کا درس خارج نجف کے طرز پر شروع کیا جس میں مولانا تصدق حسین کے ساتھ بہت سے حضرات تھے مثلاً:

جناب سید محمد ابراہیم صاحب۔ نواب والاجاہ۔ سید مصطفےٰ عرف میر آغا صاحب۔ سید محمد تقی صاحب خواجہ عابد حسین۔ سید کرامت حسین صاحب۔ سید حیدر صاحب لکھنوی۔ سید علی حسین صاحب والد جناب محقق ہندی۔

فراغت و تکمیل درس کے بعد اپنے ماموں جناب فردوس مآب حامد حسین صاحب کے ساتھ رہنے لگے۔ جناب مرحوم کو آپ سے بے حد انس تھا۔ ایک آن کے لیے جدائی گوارا نہ تھی۔ عبقات الانوار و استقصاء الافحام میں ساتھ کام کیا۔ اور درس بھی دیتے رہے۔ درس میں بے حد محنت فرماتے تھے۔ طلباء آپ کی محبت اور شفقت و طلباء پروری سے بے حد متاثر تھے اور آپ کو جناب فردوس مآب کے اخلاق کا نمونہ کہتے تھے۔

۱۳۰۶ھ میں جناب علامہ حامد حسین صاحب نے رحلت کی تو مولانا نے حیدر آباد کا سفر کیا۔ حیدر آباد میں آپ کے شاگرد مولانا سید محمد عباس صاحب رسول پوری مدرس مدرسۂ دار العلوم نے پذیرائی کی۔ پندرہ سولہ دن کے بعد جناب حکیم سید عنایت حسین کے ذریعے نواب بہادر صاحب خیر آبادی کے فرزند نواب مرزا خورشید بہادر اور امرائے بہادر علی بہادر کے اتالیق ہو گئے۔ اور نواب صاحب کے یہاں منتقل ہو گئے۔

نواب تہور جنگ اشرف الدولہ بہادر رکن الملک خان دوران اس وقت نواب محبوب علی خان کے معتمد وزیر تھے (انھیں کی سعی سے نواب عثمان علی خان تخت نشین ہوئے تھے) نواب صاحب کو جو مولانا کی اطلاع ملی تو محلہ یاقوت پورہ میں بہرام الدولہ کے یہاں گئے اور اپنے یہاں نہ ٹھہرنے کی شکایت کی کیونکہ تقریباً ۱۲۸۶ھ میں نواب تہور جنگ اور فردوس مآب اور مولانا تصدق حسین صاحب حج میں ساتھ رہ چکے تھے۔ نواب تہور جنگ نے میر عثمان علی خان آصف جاہ سابع سے ان حضرات کی تعریف کی تھی اسی وجہ

سے میر عثمان علی خاں آخر دم تک اس خاندان کے علمی کمالات کے معترف اور ان حضرات کے محب رہے۔

اتفاق سے مولوی چراغ علی المخاطب بہ نواب اعظم یار جنگ بھی دکن میں تھے۔ وہ میرٹھ کے صدر الصدور جناب مفتی محمد قلی صاحب کو بھی جانتے تھے اور علامہ کنتوری کو بھی پہچانتے تھے کیونکہ مرحوم کی ایک شادی میرٹھ میں ہوئی تھی۔ اس قدیم تعلق کی بنا پر وہ اکو اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ مولانا تصدق حسین صاحب کو یہاں اپنے ذوق کی چیز یعنی کتب خانہ مل گیا۔ استاد اور خاندان سے کتابوں کا عشق ورثہ میں ملا تھا تحقیق کی لگن تھی۔ مولوی چراغ علی صاحب "رسالۂ علوم جدیدہ و اسلام" لکھ رہے تھے۔ مولانا تصدق حسین نے ان کا ہاتھ بٹایا اور تالیفات کو بھاری بنایا۔ چار سال تک مولانا کا قیام چراغ علی صاحب کے یہاں رہا۔

۱۷ شوال ۱۳۱۲ھ کو آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی صاحب نے رحلت کی۔ اس سانحے نے مولانا پر بہت اثر کیا۔

۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو نواب عماد الملک نے آپ کو مہتمم کتب خانہ آصفیہ کی خدمت کے لیے منتخب کیا اور گزٹ میں یہ لکھا:

> "جو حضرات مولوی صاحب موصوف سے واقف ہیں
> وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل ملک میں تو کیا بلکہ تمام ہندوستان
> میں اس کام کے لیے ایسا موزوں و بہتر شخص نہیں
> مل سکتا۔"
>
> (۲۷ مہر ۱۳۰۵ ف)

کتب خانۂ آصفیہ میں مولانا نے کتاب شناسی، کتاب داری، تحقیق و مطالعہ کا حق ادا کیا۔ محققین کی مدد، نوجوانوں میں تحقیق کا شوق نادر کتب خانے کی ترقی کا اہتمام فرمایا۔ ہزاروں کتابوں کی نقلیں حاصل کیں۔ سینکڑوں محققین کو بلا کر کام دلایا۔ متعدد نوادر دریافت کیے۔ فہرستیں بنوائیں۔ اور کتب خانۂ آصفیہ کو ایک فعال ادارے کی حیثیت عطا کی۔ لکھنؤ میں انھوں نے اشاعت کتب کا منصوبہ بنایا تھا جسے ان کے بھائی نے نول کشور کے ذریعے پورا کروایا اب دکن میں ان کو خدمت کا موقع ملا اور وہاں یہ کام شروع کروایا۔

حیدر آباد میں جناب انیس کی آمد فردوس مآب کی تحریک اور نواب بہرام الدولہ کی تائید سے ہوئی اس کے بعد اکثر اہل علم و ادب کے سفر حیدر آباد مولانا تصدق حسین صاحب کی بنا پر ہوئے علماء و محققین میں ہر شخص آپ کی مہمان نوازی، اخلاق، انکساری کا مداح تھا۔ مصر کے مشہور شاعر عبد المسیح انطاکی نے تو آپ کی شان میں ایک قصیدۂ سپاسنامہ عربی میں لکھ کر چھپوایا تھا۔

بیس سال کے قریب علمی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۲۷ھ میں پنشن ملی۔ مگر کتب خانے کی

انتظامیہ کے رکن نامزد ہوئے اور شریک معتمد کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

۱۳۴۲ھ میں زیارتِ عتباتِ عالیات سے مشرف ہوئے۔

۲۵ شوال ۱۳۴۸ھ میں پنجشنبہ کے دن گیارہ بجے کے قریب وفات ہوئی۔ آپ کے جنازے میں ہندو مسلمان، سنی، شیعہ حضرات کا بہت بڑا مجمع شریک تھا۔ ترپ بازار کے قطب شاہی قبرستان فرمان باڑی میں سپردِ خاک کیے گئے۔

آپ کی خبرِ وفات نے عراق، ایران، ہند و دکن میں ہر شخص کو رلایا، اور مراکزِ علم میں علمانے اور عام حضرات نے فاتحہ خوانی میں مجلسیں برپا کیں۔ شعرا نے مرثیے اور قطعاتِ تاریخ لکھے۔ اخبارات نے اظہارِ غم کیا۔

اولاد: مولانا سید عباس حسین صاحب مہتمم کتب خانہ آصفیہ ۔ مولانا سید علی محمد صاحب صدر محاسبی دکن میں منتظم تھے۔ ۲۷ رجب ۱۳۵۵ھ میں رحلت فرمائی۔

تلامذہ: مولوی سید غلام عباس مدرس دار العلوم حیدرآباد ۔ حکیم سید محمد رسول خان عرف حکیم چھوٹے صاحب ابن حکیم مولوی سید ہاشم علی خان ۔ مولوی سید احمد سعید ۔ مولوی سید مصطفےٰ حسین کنتوری ۔ مولوی سید محمد علی برادرِ حقیقی سید محمد نکی خالہ زاد بھائی ۔ مولوی سید بندہ حسن کنتوری ۔ قاری محمد علی لکھنوی ۔ ولایت حسین برجیس لکھنوی ۔ قاری مولوی ہادی حسین اکبرپور ضلع فیض آباد ۔ مولوی سید محمد حسین نوگانوی ۔ مولوی سید محمد مہدی مؤلف لوامع الاحزان ۔ مولوی سید محمد جواد ۔ حکیم سید محمد محسن جھبک پور ۔ مولوی سید گلزار حسین متوطن سنبھل ضلع بانس بریلی ۔ مولوی سید قاسم علی ۔ مولوی سید زوار حسین رائے بریلی ۔ مولوی سید علی ساکن عشری چھپرہ آپ عراق بھی گئے تھے اور درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ مولوی سید ابو الحسن عشروی برادر مولانا سید علی ۔ حکیم سید اکبر حسین موہانی ۔ حکیم سید تصدق حسین موہانی ۔ حکیم میرزا مہدی خلف میرزا محمد علی مؤلف نجوم السماء ۔ مولوی سید محمد رضا رئیس سرسی ۔ حافظ مولوی سید عبد الجلیل مارہروی ۔ حکیم میرزا محمد کاظم لکھنوی

تصانیف: ۔ نور العین ترجمہ ابصار العین فی انصار الحسینؑ تالیف علامہ شیخ محمد بن شیخ طاہر سماوی نجفی ۱۳۴۵ھ طبع اول، ۱۳۵۷ھ حیدرآباد ۔ ترجمہ شرح باب حادی عشر ۔ ترجمہ جامع الاحکام۔

(۔ مکتوب جناب مولانا ضیاء الحسن صاحب موسوی مدظلہ ۔ بے بہا ص ۱۰۶ ۔ نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۹۴)

تفضل حسین، خان علامہ:

حدود ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء
۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء

تفضل حسین خان بن اسد اللہ بن کرم اللہ کشمیری فلسفہ و علوم عقلی میں اپنے عہد کے عظیم ترین علما میں تھے۔ ان کے دادا بھی عالم و فاضل و مدبر ہونے کی وجہ سے کچھ عرصے تک لاہور کے صوبے دار بھی معین الملک میر منو

کے وکیل رہے ۔اس وقت ان کی تنخواہ تین لاکھ روپے سالانہ تھی ۔کرم اللہ خان کے فرزند اسد اللہ امیر آدمی تھے ان کے حالات پردے میں ہیں نہیں معلوم کہ وہ لاہور میں رہتے تھے یا سیالکوٹ میں کہتے ہیں کہ اسد اللہ خان کے فرزند تفضل خان سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ بعض تذکروں میں ان کی ولادت گاہ لاہور درج ہے۔

لاہور میں تفضل حسین خان نے علوم متداول کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔تیرہ سال کے تھے جب دہلی اور اٹھارہ سال کی عمر میں لکھنؤ آئے اور مولوی وجیہہ الدین و مرزا محمد علی بن خیر اللہ مہندس سے معقولات و ریاضی و منقولات پڑھے ۔لکھنؤ میں ملا حسن (شارح مسلم العلوم) سے استفادے کے لیے حاضر ہوئے مگر اپنی ذہانت اور بحث کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا ۔

خان علامہ کے اساتذہ میں شیخ علی حزیں (م ۱۱۸۱ھ) کا نام بہت اہم ہے ۔حزیں عالم جلیل اور حکیم بے بدل تھے ۔خان علامہ نے یقیناً ان سے غیر معمولی استفادہ کیا ہوگا ۔آگے بڑھ کر ان کو مختلف زبانوں سے دلچسپی ہو گئی اور انگریزی کے ساتھ ساتھ لاطینی میں قابلیت پیدا کی ۔

ان کو نواب سعادت علی خان مولود ۱۱۶۷ھ کی اتالیقی کا عہدہ ملا اور خوش خلقی خصوصیت سے خان علامہ نے سکھائی (عماد السعادت) اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شجاع الدولہ کے زمانے ہی میں شہرت و اعزاز حاصل کر چکے تھے ۔نواب سعادت علی خان کی اتالیقی سے اندازہ ہوتا ہے کہ تفضل حسین خان نواب سے پندرہ سال کے قریب عمر میں بڑے ہوں گے ۔اسی لیے میں ۱۱۵۰ھ کے لگ بھگ ان کی تاریخ ولادت فرض کرتا ہوں

آصف الدولہ کے زمانے میں تفضل حسین خان سفیر اودھ کی حیثیت سے کلکتے گئے ۔غالباً یہ واقعہ ۱۷۷۴ء کا ہے ۔دس سال تک کلکتہ میں رہے پھر نواب آصف الدولہ نے لکھنؤ طلب کر لیا اور وکالت سے سرفراز کیا ۔مؤلف عماد السعادت کہتے ہیں کہ ۱۲۰۱ھ میں خان علامہ کلکتے میں تھے ۔۱۲۰۳ھ میں راجہ گوبند رام وکیل نواب آصف الدولہ تو خان علامہ وکیل ہوئے ۔لارڈ ہسٹنگ نے ان سے جیمٹی و مجسطی پڑھی تھی اس نے نواب آصف الدولہ سے سفارش کی ۔نواب نے محبت کے ساتھ علامہ کی گردن میں باہیں ڈال کر اپنے نمک کا واسطہ دے کر وزارت پر راضی کیا ۔لکھنؤ میں ان کی علمی صحبت غفران مآب مولانا دلدار علی سے رہتی تھی ، وہ ایک مرتبہ غفران مآب کے ساتھ الہ آباد میں مولوی برکت اللہ الہ آبادی کے شاگرد مولوی غلام حسین دکنی سے مناظرہ بھی کرنے گئے تھے ۔اس مناظرہ میں خان علامہ کی منطق میں مہارت اور علمی شرف کا سب نے اعتراف کیا تھا ۔

۱۲۱۱/۱۲ھ میں تفضل حسین خان کو "خان علامہ" کا خطاب اور نیابت وزارت اودھ کا منصب

---

[۱] رحمان علی تذکرہ علماء ہند و نجوم السماء ۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۱۰

[۲] نزہۃ الخواطر میں دہلی ۱۳ سال کی عمر میں لکھا ہے اور اٹھارہ سال عمر میں ورود لکھنؤ۔

دربار اودھ سے ملا، مگران کے علمی مشاغل نے اس منصب پر زیادہ عرصہ تک نہ رہنے دیا۔ انھیں آخر عمر میں نئے علوم اور مغربی سائنس اور فلسفے سے غیر معمولی انہماک ہوگیا تھا، کلکتے اور الہ آباد میں انگریزوں سے روابط گہرے ہو چکے تھے اس لیے وہ عہدۂ سفارت اودھ پر دوبارہ کلکتے چلے گئے۔ بظاہر کلکتے میں وہ سیاست و ریاست سے کنارہ کش ہو کر درس و تدریس، مطالعہ و تصنیف و تالیف میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

شوسٹر کے فاضل سیاح سید عبد اللطیف نے اپنے سفر نامہ "تحفۃ العالم" میں خان علامہ سے ملاقات کا ذکر کیا ہے وہ خان علامہ سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ تفضل حسین خان ارسطوے زماں اور معلم ثالث تھے۔ ان کی علم دوستی، معارف پروری، شیریں زبانی، بذلہ سنجی، خوش طبعی، ذہانت و قابلیت دولت و امارت کا سب نے تذکرہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سادہ مزاج اور بے تکلف بھی تھے ان کے گھر پر حاجب و دربان نہ تھے، عیال و اطفال کو لکھنؤ میں رکھا خود اکیلے رہتے تھے۔

مطالعہ کا یہ عالم کہ رات رات بھر پڑھتے تھے۔ صبح کو پہر دن چڑھے اٹھتے اور ضروریات سے فارغ ہو کر درس شروع کر دیتے تھے۔ ریاضی و منطق و فلسفہ پڑھنے والے آتے اور درس لیتے تھے۔ بعد ظہر انگریزوں سے ملاقات یا دفتری کام انجام دیتے تھے۔ اس کے بعد طلباء آجاتے اور فقہ امامیہ پڑھتے تھے اس کے بعد نماز ظہرین اور کھانے سے فارغ ہو کر فقہ حنفی پڑھاتے تھے۔ مغربین کے بعد پابندی سے مطالعہ کرتے تھے۔

سونے سے قبل موسیقی بھی سننے لگے تھے۔ ان کے موسیقی نواز کا نام محمد پناہ تھا (عماد السعادت) انگریز ان کی بڑی عزت کرتے اور ان سے مستفیض ہوتے تھے۔ خان علامہ مغربی مصنفین کی کتابیں بڑے شوق سے پڑھتے تھے اور اہل علم انگریزوں نے ان سے متعدد انگریزی، لاطینی اور یونانی کتابوں کے ترجمے کروائے۔ یہ ترجمے عربی و فارسی میں تھے۔

لاہور، دہلی اور لکھنؤ کے علاوہ نواب سعادت علی خان کے ساتھ بریلی اور بنارس بھی رہے۔ وہ بنارس سے کلکتے اور گوالیار بھی گئے، گوالیار سے جنرل پامر انھیں لکھنؤ لائے تھے۔

آخر میں وہ لقوہ اور پھر فالج کا شکار ہوئے اور کلکتے سے مرشد آباد سفر کرتے ہوئے ۱۵ر شوال ۱۲۱۵ھ کو انتقال کر گئے اور غالباً بنارس میں دفن کئے گئے۔

شاہ محمد اجمل الہ آبادی نے ان کی وفات پر جو قطعۂ تاریخ لکھا تھا اس کے چند اشعار یہ ہیں:

در ہزار و دوصد و دوازدہم — شدہ چوں فضل قادر قدوس
خان عالی مقام و الا جاہ — اشرف النفس و ذوات نفوس

آن تفضل حسین خان یعنی | زده بر کشور امارت کوس
نائب آصف زماں گردید | رفت نامش ز ہند تا حد روس
آن چناں بندوبست کرد بہ ملک | کہ بہ ملکش نہ ماندہ یک سالوس
بعد چندی بہ ملک مشرق رفت | خور بہ دولت سرائے او زد بوس
گشت از شرق چوں بجانب غرب | ھای شد مطلع جہاں معکوس
آفتاب شرف غروب نمود | تیرہ تر گشت ایں جہاں عبوس
دو صد و یکہزار و پانزدھم | طالع روزگار شد منکوس
کہ بہ ناگاہ آن عدیم المثل | بسوی ملک آخرت زد کوس
یک جہاں رفت بہر استقبال | عالمی در امید شد مایوس
مثل او گردشش زمانہ نہ دید | صاحب ننگ و صاحب ناموس
سر بہ شاگردیش فرو برد ند | یکہ تاز اوستاد بطلیموس
در متانت دگر فطانت و فہم | از فلاطون و دیسقوریدوس
بر زباں بود یاد او ہمدم | چہ صراح و صحاح و چہ قاموس
رای مشائیاں و اشراقییں | پیش ایشاں چو رای نامحسوس
داشت او در خزانہ علم چناں | کہ نہ دیدہ بخواب کیکاؤس
بوعلی زمانۂ خود بود | علم او پیش علم او چو دروس
صاحب دیں و صاحب اسلام | بے شک و ریب چوں محقق طوس
نیک و بد رانمی گذارد حیف | آہ از گردش سپہر سموس
آن کہ بر قاقم و سمور نشست | دارد از خاک گور ہی ملبوس
گر بہ پرسند سال تاریخش | با سر حیف و غم بگو افسوس

خانِ علامہ، خاندانی امیر تھے، خود بھی ریاست و امارت کے مالک تھے۔ وفات کے بعد اور املاک کے علاوہ نو لاکھ روپیہ نقد چھوڑا جس میں سے چھ لاکھ روپے ان کے فرزند نواب تجمل حسین خان اور تین لاکھ روپے ان کی دختر کے حصّے میں آئے۔ نواب سعادت علی خان کے زمانے میں ساٹھ ہزار روپے سالانہ کی جاگیر بھی عطا ہوئی تھی۔ (طلسمِ ہند ص ۲۴۷)

تلامذہ: متعدد شہروں میں ان کے شاگرد تھے۔ لیکن آخری دور چونکہ کلکتہ میں گذارا اس لیے تلامذہ کی فہرست نہیں

معلوم البتہ چند شاگردوں کے نام یہ ہیں: • نواب سعادت علی خان (آف اودھ متوفی ۱۲۲۹ھ)
• نواب فریدالدولہ وزیر شاہ عالم بادشاہ علم نجوم و ریاضیات پڑھنے لکھنؤ آئے تھے۔ متوفی ۱۲۴۴ھ
• مفتی علی کبیر مچھلی شہری (م ۱۲۶۹ھ)

تصانیف: • فقہ و حدیث کی متعدد کتابوں پر حاشیے لکھے۔ • ایلونیوس۔ دیوبال اور سمسن کے "مخروطات" کی شرحیں۔ • یورپ کے علم ہیئت پر ایک کتاب • جبر و مقابلہ پر دو رسالے۔ طبیعیات پر ایک کتاب۔

یہ سات کتابیں کچھ عرصے تک شامل نصاب بھی رہیں لیکن جب نصاب سے خارج ہوئیں ان کا وجود ختم ہوگیا۔ • نیوٹن (م ۱۸۲۷ء) کی کتاب

PHILOSOPHIAC · NATURALIS PRINCIPIAMATHEMATICA

کا فارسی ترجمہ کیا۔ اور تالیفات و حواشی و متفرقات کا سراغ نہیں ملتا۔

اولاد: نواب تجمل حسین خان جو کرنل ابو تراب خان لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کی یادگار میں ان کا بنا کردہ امام باڑہ اور وقف اب تک باقی ہے۔ اور غالباً اولاد بھی ہے۔ • ایک دختر

(• نزہۃ الخواطر جلد ۷ ص ۱۰۹ • ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص ۱۴۰
تحفۃ العالم ص ۲۸۶۔ نجوم السماء ۳۲۵۔ تذکرہ علماء ہند ۳۶۔ تذکرہ بے بہا
المعارف لاہور اکتوبر ۱۹۷۲ء نیز نواب سید محمد علی خان کی تالیف حیات علامہ تفضل خان در انگریزی' در رائل ایشیاٹک سوسائٹی جنرل ۱۹۰۴ھ۔)

ترجمہ / رسالہ / خواص الحروف / کہر عربی / بحر فارسی —

تفضل حسین

۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء
۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء

مولوی کرامت علی صاحب فتح پور ہسواں ضلع بارہ بنکی بھارت کے تعلقہ دار اور وقف حسنیہ ہگلی کے متولی تھے۔ ان کے فرزند تفضل حسین صاحب ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے اور رئیسانہ طور پر نشو و نما اور تعلیم و تربیت حاصل کر کے لکھنؤ آئے اور اس مرکز علم میں امیرانہ انداز سے رہ کر اور اساتذہ سے علوم متداولہ حاصل کیے۔ مولوی نعمت اللہ صاحب کو اٹھارہ سال تک دو سو روپیہ ماہوار دے کر علوم عقلیہ کی تکمیل کی۔ پندرہ سال تک جناب علیین مکان سید حسین صاحب سے علوم شرعیہ اور جناب مفتی محمد عباس صاحب سے علوم ادب وغیرہ میں تلمذ رہا۔

ذہین، ذکی، محنتی اور طالب علمانہ ذوق تھا۔ اساتذہ کے احترام کا یہ عالم تھا کہ مولوی نعمت اللہ صاحب

سے ان کے گھر پڑھنے جاتے تھے ——————— ایک مرتبہ مولوی صاحب نے آپ کے ملازم کو کتابیں لیے ہوئے دیکھ لیا، خادم سے کہا "تو ہی پڑھ لیا کر۔ ہم اسی کو طالب علم جانتے ہیں جس کے پاس کتاب ہو" اس کے بعد ایک ماہ تک شیخ صاحب، مولوی صاحب کے پاس حاضر ہوتے رہے مگر مولوی صاحب نے سبق نہ دیا جب مولانا سید حسین صاحب قبلہ نے سفارش کی تو خطا معاف ہوئی۔

قابلیت کا یہ عالم تھا کہ اعلیٰ درجے کے طلباء آپ سے درس لیتے تھے۔ ریاست اور اعزاز یہ تھا کہ بڑے بڑے امراء و حکام ادب سے حاضری دیتے تھے۔ تقدس یہ تھا کہ لوگ اصرار کرتے تھے مگر نماز نہ پڑھائی محتاط و علم پرور تھے۔ طلباء کو وظائف و خرچ و قیام و طعام دیتے تھے۔

معاصر علماء سے نجف کے طرز پر مباحثات کرتے تھے۔ علماء آپ کا احترام کرتے تھے۔ جناب محمد ابراہیم صاحب قبلہ جناب اور انیس مرحوم سے بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ تیزی کے باوجود علما کی شان اور طلباء سے محبت تھی۔

ریاضی میں یکتائے زمانہ مانے جاتے تھے۔ فتح پور میں خاندانی عزاخانہ تھا جس کی از سر نو تعمیر کرائی تھی۔ اربعین میں بہت بڑی بڑی درس مجلسیں ہوتی تھیں، خود تحت اللفظ مرثیہ بھی پڑھتے تھے۔

مختلف موضوعات پر کتابیں اور حاشیے تحریر کیے مگر اشاعت و شہرت سے پرہیز کیا۔ آپ کے تلامذہ کی کی فہرست بڑی اہم ہے مثلاً:

معتمد الدولہ آغا میر صاحب وزیر اودھ۔ جناب باقر العلوم سید باقر صاحب فخر الحکماء سید محمد جعفر صاحب، مولوی شیخ فدا حسین صاحب پروفیسر علی گڑھ کالج، حکیم میاں سید فضل علی صاحب۔ علامہ سید مرتضیٰ شاہ صاحب، جناب سید علی نقی صاحب، جناب سید محمد تقی صاحب جائسی، جناب نواب مہدی حسن خان بہادر، فتح نواز جنگ بہادر بیرسٹر حیدر آباد دکن۔

آپ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی اور اپنے امام باڑے میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات ۴ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ ہے۔

اولاد: • مولوی ابو جعفر صاحب عرف منے صاحب • مولوی ابو القاسم صاحب • مولوی حکیم ابو محمد صاحب

(دبے بہا ص ۱۰۴)

تفضل حسین سنبھلی :

۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء
۱۳۱۸ھ / ۱۸۹۸ء

مولانا حاجی تفضل حسین خلف میر حیدر علی سنبھلی (ضلع مراد آباد) وطن کے علاوہ دہلی و لکھنؤ میں درس لیا۔

اور جناب قاری جعفر علی صاحب جارچوی۔ جناب علیین مکان مولانا سید حسین صاحب مفتی محمد عباس صاحب سے خصوصی طور پر تلمذ تھا۔ جیدالاستعداد، فاضل، فقیہ، ادیب، زاہد، متقی تھے۔ تعلیم و تدریس سے شغف تھا۔ آخر میں تو یہ بھی ہوا کہ جب آپ سوار ہو کر نکلتے تو طلبا کو راستے میں سبق پڑھاتے جاتے تھے۔ ہیئت و ریاضی و ادب و طب پڑھانے میں شہرت رکھتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مراد آباد، گورکھپور اور کانپور کے گورنمنٹ اسکولوں میں استاد رہے۔ پھر بجنور و دھرم دون میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے تھے۔

ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے وقت ضائع کرنے سے پرہیز تھا۔ رحم دلی کا یہ عالم تھا کہ گھوڑے کو قمچی مارنے کی ضرورت ہوتی تو رکاب میں اپنے پیر کے جوتے کی نوک پر قمچی لگاتے تھے۔

احتیاط و پابندی طہارت، لقمۂ طیب اور حلال نوش فرماتے تھے۔ اگر نجس یا مشتبہ خوراک ہوتی تو چٹنی سے روٹی کھانے میں تکلف نہ تھا۔

خوفِ خدا کا یہ حال کہ ایک دوست نے ڈپٹی انسپکٹری کی مبارک باد دی تو آپ نے فرمایا کیا مبارکباد ہے۔ پیشِ خدا اور حساب زیادہ ہو گیا۔

قبولیتِ دعا کے بارے میں آپ کے فرزند اکبر کہتے تھے۔ سفرِ حج میں ہم رکاب تھے۔ راستے میں طوفان آیا۔ تمام مسافر ہلکان ہو گئے۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا فرمائی۔ دعا کے فوراً بعد طوفان رک گیا تمام مسافر اس کیفیت کو دیکھ کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ سب نے دست بوسی کی۔

خدا نے زبان میں اثر دیا تھا، جس کو نصیحت فرماتے وہ اس کی تعمیل کرتا تھا۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۸ھ کو آپ نے رحلت کی مصنف تکملہ نجوم السماء نے متعدد قطعات کی تاریخ لکھے ہیں لیکن بے بہا میں سنہ ۱۳۱۰ھ لکھ کر نواب جعفر علی خان کا قطعہ نقل کیا۔

مکین قصبۂ سنبھل جناب علامہ — فقیہ آلِ نبی عالم علوم ادق
بشد بماہ مئی بست و ششم ز دار فنا — جناں مقام تفضل حسین محب حق
بگو جماد دوم بست و ہفت از ہجری — ہزار و دو صد و ہشت فرز برائے طبق

صحیح تاریخ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ ہی ہے۔

تصانیف: حاشیہ شرح لمعہ (۱۸۵۷ء میں تلف ہو گیا) عربی

اولاد: • حکیم سید حسن صاحب امام جمعہ و جماعت کان پور تھے۔ • محمد سبطین صاحب جو حیدر آباد میں رہے۔

تلامذہ: • نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ • مولوی مظفر علی خان مراد آبادی • مولوی سید علی حسن صاحب نوگانوی۔ • مولوی سید حسین صاحب امروہوی • مولوی سید علی رضا صاحب ساکن کندر کی موصوف کلام و فلسفہ و ریاضی کے ماہر تھے۔ • مولوی علی حسن صاحب، ساکن سنبھلی مناظرہ و فقہ میں توغل تام رکھتے تھے۔ • سید زندہ علی ساکن جھالو ضلع بجنور۔ (تکملۂ نجوم السماء ص ۱۲۹ و بے بہا ص ۱۰۰)

(ج) جان محمد (چھوٹے میاں)
۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء

چودہویں صدی ہجری کے آغاز میں، قصبۂ مبارک پور اعظم گڑھ میں جن اساتذہ نے تعلیمی ترقی میں سب سے زیادہ کام کیا وہ ہیں مولوی جان محمد صاحب چھوٹے میاں، ان کے قائم کردہ مدرسے میں شیعہ سنی طلبہ سب پڑھتے اور مولوی صاحب ہر ایک سے وہ سلوک کرتے تھے کہ طلبہ ان سے بدل و جان محبت کرتے اور زندگی بھر ان کے احترام و تلمذ پر فخر کرتے رہتے تھے۔ ان کی روحانیت و تقویٰ کے سب معترف تھے۔ انھوں نے قصبہ میں قرآن مجید کی تعلیم کو عام کیا اور اپنے بچوں کو علوم دین کا ایسا درس دیا کہ اب تک ان کی اولاد میں علما موجود ہیں۔

چھوٹے میاں جان محمد کے پوتے مولانا الحاج شیخ جواد حسین صاحب صدر الافاضل، مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ ایک مدت دراز سے پنجاب و سرحد میں تبلیغ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

موصوف نے اپنے قصبے میں بھی علمی یادگار قائم کی یعنی ۱۹۲۹ء میں مدرسۂ باب العلم قائم کیا جو اب تک باقی ہے۔ مولانا جواد حسین صاحب ابھی نومبر ۱۹۷۷ء میں مبارک پور گئے اور وہ وہاں سے "شجرۂ مبارکہ یعنی تذکرہ علمائے مبارک پور" لائے اور کتاب مجھے مستعار دی۔ اس کتاب میں ہے۔

مولوی جان محمد صاحب نے ۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۱ھ کو وفات پائی۔ ان کی قبر قصبے کے پچھم، پنجہ شاہ کے روضے کی جنوبی دیوار کے مغربی گوشے میں ہے، قبر کے سرہانے بڑا سا پتھر نصب ہے جس پر لکھا ہے:

"تاریخ از تصنیف جناب مولوی سید محمد صاحب دام ظلہ"

مولوی جان محمد کہ نظیرش بجہاں	چشم گردوں ہمہ دید و ہمہ دانست محال
عالم و معدنِ اخلاق و عزیز دو لہا	زاہد و عابد و دیں پرور و بوذر بمثال
یک جہاں شاہد فضلش ہمہ خاص و ہمہ عام	در کمالش بکسی ہیچ نہ قیل است و نہ قال
بود بست و یکم از ماہ جمادی الاولیٰ	کرد آہنگ سفر جانب رب متعال
یا الٰہی بجناں مسکن طیب باشد	این دعا از من و آمیں ز سمک تا بہلال
آنکہ این مصرع تاریخ بقبرش بنوشت	شد بفردوسِ جناں راہ نما پیمبر و آل

۱۳۱۱ھ

جان محمد (بڑے میاں):
حدود ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

مولوی جان محمد، بڑے میاں صاحب مبارک پور کے مشہور مدرس تھے۔ حسن علی فاروقی نے واقعات و حادثات میں مرزا دلی بیگ کے بارے میں لکھا ہے۔ "مرزا دلی بیگ تھانے دار مبارک پور نے سات برس

تک بڑے کرّوفر سے نظامت داری کی، اور تاریخ ۲۶ صفر شب جمعہ ۱۲۵۶ھ میں انتقال کیا۔ ان کی تاریخ مولوی جان محمد صاحب ساکن محلہ شاہ محمد پور من محلات قصبہ مبارک پور نے کہی۔

در کشور انصاف ولی بیگ در آمد — در خلق خدا منبع فضل و ہنر آمد

از دار فنا رفتہ سوئے منزل فردوس — تاریخ وفاتش "بغم و درد" بر آمد

۱۲۵۶ھ (شجرۂ مبارکہ ۱۲۱)

جعفر دہلوی :

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

مولانا سید جعفر عرف ابو علی خان موسوی بنارسی دہلوی، جناب مفتی محمد قلی خان صاحب کے معاصر، تاریخ و رجال و حدیث و مناقب اور فارسی ادب میں مہارت تھی۔

مولانا اعجاز حسین صاحب کنتوری نے "کشف الحجب والاستار" میں لکھا ہے :

"شفاء المسلمین بالفارسیہ، لشرف الدین الاخباری، زین الابرار نقاوۃ الاماثل، الموفق بجلائل الشمائل السید المعروف بابی علی خان الموسوی البنارسی ثم الدہلوی"

اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا سید جعفر اخباری المسلک ہونے کی بنا پر حدیث سے شغف رکھتے تھے۔ بنارس وطن تھا۔ بنارس سے دہلی چلے گئے اور اپنے معاصر عبدالعزیز صاحب کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ کے نویں اور دسویں باب کا جواب لکھا۔

شرف الدین ابو علی صاحب کی کتابیں لکھنؤ کے کتب خانہ ناصریہ کھجوے میں موجود محفوظ ہیں۔

تالیفات : شفاء المسلمین ردّ تبصرۃ الایمان سلامت علی بنارسی۔ • تکسیر الصنمین، جواب باب دہم تحفۂ اثنا عشری۔ • مہجۃ البرہان ردّ باب نہم تحفہ۔ • معین الصادقین جواب رجوم الشیاطین۔ یہ کتابیں اکثر فارسی میں ہیں۔ (تکملۂ نجوم السماء، ج ۲، ص ۲۲۷)

جعفر، مرزا، حکیم :

۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء

حکیم جعفر مرزا صاحب خلف حکیم علی صاحب لکھنؤ کے رہنے والے عالم و فاضل معقولات و منقولات بزرگ تھے۔ متعدد حضرات نے آپ سے درس لیا۔ لکھنؤ میں مشہور تھا حکیم آدھا مجتہد ہوتا ہے۔ یعنی مستند حکیم وہ تھا جو فقہ و حدیث میں بھی اتنی دسترس رکھتا تھا جیسے کوئی عالم، حکیم مرزا جعفر بھی اسی قسم کے افاضل میں شمار ہوتے ہیں میں نے اس قسم کے بزرگوں میں حکیم احمد حسن صاحب، حکیم مرزا علی محمد عرف آغن صاحب کو دیکھا جو فقہ و حدیث میں صاحب کمال تھے۔ حکیم منے آغا صاحب فاضل منطق و فلسفہ کے استاد و مدرس تھے۔ حکیم منے آغا صاحب آفتاب علم تجوید و قرأت کے عالم تھے۔ حکیم جعفر آخر ماہ محرم ۱۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ (نزہتہ ج، ص ۱۱۷)

جعفر، بحرانی :

~~۱۰۸۰~~ ۱۰۹۱ھ / ~~۱۶۶۹~~ ۱۶۸۰ء

حجۃ الاسلام مولانا شیخ جعفر بن کمال الدین عربی النسل، بحرین کے اکابر علما میں تھے۔ علم کے ساتھ عمل سے آراستہ اور کمالاتِ باطنی کے حامل تھے نورالدین علی بن علی عاملی اور علی بن سلیمان بحرینی سے تلمذ تھا۔ ان کے دوسرے رفیق شیخ صالح بن عبدالکریم کرزکانی بھی اوصافِ اخلاق کے مالک تھے، دونوں نے بحرین سے ہجرت کی ایک صاحب شیراز چلے گئے اور شیخ جعفر حیدر آباد آگئے اور یہاں شہرت و عظمت کے عروج کو پہنچے۔ آپ کا گھر علما و طلبا کے لیے چشمہ علم و دولت تھا۔

جناب حر عاملی نے شیخ جعفر کو مکہ مکرمہ میں دیکھا تھا گویا شیخ جعفر نے حجاز میں بھی تحصیل علم کی تھی۔

جناب سید علی خان مدنی، صاحب سلافۃ العصر آپ کے شاگرد اور آپ سے صاحب اجازہ تھے، سید علی خان نے ۱۰۶۸ھ میں ان سے "مخا" میں ملاقات کا واقعہ لکھا ہے۔ (سلافۃ العصر ص ۵۵۷)

جناب شیخ جعفر نے بقول شیخ یوسف ۱۰۸۰ یا ۱۰۹۱ھ میں وفات پائی اور حیدر آباد میں دفن ہوئے۔

(لؤلؤۃ البحرین ص ۷۰۔ نجوم السماء ۸۵۔ امل الآمل ج ۲ ص ۵۳۔ اعیان الشیعہ ب ۱۰۸ نزہتہ ج ۵۔ روضات الجنات ج ۲ ص ۱۹۲)

جعفر حسن، بدایونی :

۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء
۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء

مولانا علی حسین صاحب کے فرزند مولانا جعفر حسن صاحب بدایون میں بتاریخ ۱۲۴۰ھ پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کر کے لکھنؤ گئے۔ لکھنؤ کے مختلف اساتذہ سے استفادہ کر کے مولانا سید حسین صاحب سے تکمیل فقہ و اصول کے بعد، خدمت دین شروع کی۔ مکہ و مدینہ، نجف و کربلا اور عرب و عجم کے مقامات مقدسہ کی زیارت کے ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول میں مراحل کمال تک پہنچے۔
آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی اور جناب آیۃ اللہ حسن آل یٰسین رحمہما اللہ سے اجازات پائے۔
مولانا جعفر حسین صاحب نے متعدد مدرسے بنائے جن میں میران پور اور نوگانوے کے مدرسے مشہور ہوئے۔ مظفر نگر میں ایک پریس قائم کیا اور اخبار الصادقین نامی اخبار جاری کیا۔
آپ نے تبرہ حج اور زیارت مدینہ کا شرف پایا اور گیارہ مرتبہ عراق و ایران کے مشاہد مشرفہ کی زیارت کی۔
جلالی ضلع علی گڑھ میں ۲ر شعبان ۱۳۳۲ھ کو رحلت کی اور وہیں آسودۂ لحد ہوئے۔
تلامذہ: • مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ • مولانا سید محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا۔
• مولانا شیخ اعجاز حسین فرزند وغیرہ۔

جعفر حسین محمد آبادی لکھنوی:

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء
۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

استاذ العلما مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی (دیکھیے احمد علی) لکھنؤ کے نامور عالم کے فرزند تھے آپ کا نام تھا سید بندہ رضا عرف جعفر حسین صاحب ۹ر رمضان ۱۲۶۰ھ تاریخ ولادت ہے۔ لکھنؤ میں اساتذہ و علما سے تحصیل و تکمیل علوم دینیہ فرمائی۔ کئی مرتبہ حجاز و عراق و ایران کے سفر کیے۔ مطالعہ و درس، عبادت و ریاضت کا شوق تھا مدرسۂ سلطان المدارس میں پڑھاتے تھے۔
بڑے نورانی صورت، خوش اخلاق، سخی بزرگوار تھے۔ اپنے والد کی صحیح جانشینی کی طویل عمر پا کر ۱۱ر شعبان ۱۳۳۲ھ کو لکھنؤ میں فوت ہوئے اور غفران مآب کے امام باڑے میں دفن کیے گئے۔
نفیس کتب خانہ اور متعدد حواشی یادگار چھوڑے۔ (حوالہ: تذکرۂ بے بہا ص ۱۱۷)

جعفر حسین شاہ:

حدود ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء
حدود ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

سید جعفر حسین شاہ بن مولوی سید میر جعفر مرحوم موضع استرزئی پایاں ضلع کوہاٹ میں پیدا ہوئے دینی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر مڈل کا امتحان دیا، ایک ہائی سکول میں ڈرائنگ ماسٹری مل گئی لیکن طبعاً دین دار اور مذہبی ذوق سے سرشار تھے۔ حجۃ الاسلام مرزا یوسف حسین قبلہ مدظلہ العالی سے ۱۹۲۶ء کے بعد، ملاقات ہوئی اور موصوف نے قبلہ و کعبہ سے عربی کتابیں پڑھنا شروع کیں پھر جب قبلہ و کعبہ پاراچنار تشریف

لے گئے تو وہاں بھی فیض یاب ہوئے، ڈیرہ اسماعیل خان اور پاراچنار میں مولانا یوسف حسین صاحب سے استفادے نے انہیں بہت دسترس و قوت پہنچائی۔ موصوف خاندانی طور پر پیر و مرشد تھے اور تبلیغ اسلام ان کا خاندانی وتیرہ تھا لیکن پشتو میں ترجمہ عوام میں قرآن مجید کی تبلیغ کے لیے ایک اہم اقدام تھا۔ عربی فارسی انگریزی زبانیں اور مذہب و تاریخ کا مطالعہ اور عرفانیات سے وابستہ ہو گئے۔ زاہد و متقی، صاحب اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ پشتو کے قادرالکلام شاعر بھی تھے۔ ان کے مرثیے اور دوسرے اصناف سخن کی شہرت تھی۔ آخر چار برس کی مسلسل محنت سے قرآن مجید کا پشتو میں ترجمہ منظوم مکمل کر لیا۔ یہ ترجمہ چھپ کر شہرت پا چکا ہے۔ سرگند علی نے لکھا ہے کہ جعفر حسین صاحب کا تخلص "ریختونی" تھا۔ جس کے معنی ہیں راست باز، موصوف واقعا راست باز بزرگ تھے۔ مولانا جواد حسین صاحب نے اپنے مکتوب بنام مؤلف میں لکھا ہے کہ ریختونی کو تاریخ اسلام پر عبور تھا۔ اس کتاب میں جعفر حسین صاحب کا تذکرہ ترجمہ قرآن مجید کی بناء پر درج کیا گیا۔ اتفاق سے جن دنوں مولانا جعفر حسین پشتو میں ترجمہ منظوم کر رہے تھے اسی زمانے میں محمد نبی بخش حلوائی۔ (متوفی ۱۹۴۴ء) لاہور میں پنجابی نظم میں ترجمہ لکھ رہے تھے۔

(تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور۔ صفحہ ۲۹۰)

مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ کے نزدیک شاہ صاحب کی عمر ستر سال کے لگ بھگ تھی اور ۱۳۶۰ھ کے حدود میں فوت ہوئے۔

جعفر حسین، فدوی :

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء
۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا جعفر حسین فدوی ہمارے زمانے میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ بے حد مقدس، متقی، زاہد، تارک الدنیا، علم دوست، طلباء نواز تھے۔ علوم دین کی تعلیم مکمل کر کے لندن گئے اور وہاں سے پی ایچ ڈی کر کے واپس آئے لکھنؤ یونیورسٹی میں ملازمت ملی۔ کچھ عرصے بعد اپنے ہمدرس مولوی محمد حسین ایم اے کو اپنی جگہ دے کر کر سچین کالج میں لکچرر ہو گئے۔ اچھی تنخواہ ملتی تھی لیکن سب روپیہ غرباء و فقراء و اعزا میں تقسیم فرما دیتے تھے اور خود ۲۵، ۳۰ روپے میں بسر کرتے تھے۔ طلباء کو اخلاق و آداب کا پابند بناتے تھے۔ علم پر ناز، فقر پر فخر تھا۔ ۱۹۵۰ء کے بعد ریٹائر ہو کر کربلاء معلیٰ چلے گئے تھے اپنا تمام روپیہ ایک مسافر خانے پر صرف کر دیا اور خود تمام عمر سادہ طالب علموں کی طرح درس دیتے رہے۔ آخر ۱۹۶۵ء میں تقریباً ستر برس عمر پا کر رحلت فرمائی۔

ڈاکٹر جعفر حسین فدوی بلا کا حافظہ رکھتے تھے۔ متعدد عربی دیوان حفظ تھے۔ ادب و مذہب پر یکساں عبور تھا پوری زندگی تاہل پسند نہ کیا۔ مولوی محمد حسین ایم اے سے غیر معمولی اخوت تھی۔ اپنے استاد علامہ ظہور حسین صاحب قبلہ کا احترام کرتے تھے۔

میری بسم اللہ انہی مرحوم نے کرائی تھی۔ والد مرحوم کے دوست و ہمدرس تھے۔

جعفر علی جارچوی :

۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء
۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء

مولانا جعفر علی بن سید افضال علی بن رحم علی رضوی ۲ صفر ۱۲۲۷ھ بروز یکشنبہ قصبۂ جارچہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر لکھنؤ پہنچے۔ اگرچہ وہ آخر زمانہ غفران مآب کا تھا مگر آپ کو جناب علیین مکاں سے اکثر علوم دینیہ انہی سے پڑھے۔ فن تجوید و قرأت میں قاری محمد اصفہانی تبریزی نزیل لکھنؤ سے تلمذ حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ فن قرأت و تجوید و حسن لحن میں موصوف کا جواب نہ تھا۔ دہلی کی مسجد حامد علی خان میں آپ کا قرآن سننے کے لیے بڑے بڑے سنی امرا و علماء حاضر ہوتے تھے۔ راہ گیر چلتے چلتے ٹھہر جاتے، سننے والے مسحور ہو جاتے۔ بہادر علی شاہ (جد ذوالفقار علی شاہ) جلال پور جٹاں سے مولوی محمد حسین نے سنا کر لاہور میں ایک روز رہا تھا مسجد میں اجتماع اور قاری کی صدا سن کر ٹھہرا، میں نے آج تک ایسی آواز و قرأت نہ سنی تھی۔ مسجد میں گیا تو معلوم ہوا، جعفر علی صاحب قرآن پڑھ رہے ہیں۔
مولوی محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا، علامۂ کنتوری نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ: جب موصوف لکھنؤ میں برسر کار تھے تو جناب قاری سید جعفر علی صاحب لکھنؤ آئے۔ جناب ممتاز العلماء کے مکان پر جلسۂ قرأت ہوا جس میں علماء و طلباء نے بکثرت شرکت کی۔ چونکہ خاندان غفران مآب اور قاری صاحب سے پرانے تعلقات تھے۔ اس لیے لوگ شوق سے گئے۔ قاری صاحب نے سورۃ الدھر اور الرحمٰن کی تلاوت کی اور ابتدائی جیسے مشکل مقام کو یوں ادا کیا کہ سب حیران رہ گئے۔ اسی طرح حکیم مشتاق احمد صاحب سہارنپوری حنفی بہت تعریف کرتے تھے۔ صغیر احمد کے بقول ہندی نہیں۔ ان کی قرأت عربستان میں بھی پسند کی گئی جب مولانا جعفر صاحب حج کرنے گئے اور وہاں کے اجتماع قرأ میں قرأت کی تو سب دنگ ہو گئے۔
۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں سادات جارچہ جیل خانے بھیج دیئے گئے تو ان میں آپ بھی تھے آپ اپنے ہاتھ سے ہتھکڑی اور بیڑی نماز کے وقت جدا کر دیتے تھے اور بعد نماز پھر پہن لیتے تھے اور جب سلامت جیل خانہ سے چھوٹے تو آپ نہایت عسرت میں بسر کرتے تھے اور مومنین نے کچھ آپس میں چندہ جمع کر کے آپ کو دینا چاہا۔ آپ کو بھی معلوم ہو گیا کہ میرے واسطے چندہ کیا جا رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جارچہ چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں گا، پھر اپنے وطن چھوڑ دیا۔ آپ احکام شرعیہ کی پابندی بڑی مستعدی سے کرتے تھے اور مسئلہ شرعیہ کے مقابلے میں غیرہ کا دباؤ نہ مانتے تھے۔ جناب نواب فضل علی خان صاحب بہادر اعتماد الدولہ رئیس دلی کے مدرسے کے مدرس اول تھے اور مدرسۂ منصبیہ میرٹھ میں بھی مدرس اول ہی رہے تھے۔ لیکن بہت جلد مومنین میرٹھ

کی عنایتوں سے تنگ آکر چلے گئے اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ علیگڑھ کالج کے بانی نے آپ کو مدرس عربی بنانا چاہا مگر آپ نے انکار کردیا۔ آپ حیدر آباد بھی تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں جناب مختار الملک بہادر وزیر دکن تھے مگر بہت جلد وہاں سے بھی تشریف لے آئے۔

محمد حسین صاحب نے اپنے زمانہ لڑکپن میں سنا تھا کہ کوئی کہیں کا سوداگر مالدار عازم زیارات عتبات عالیات ہوا۔ اس نے خواب دیکھا کہ امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ قاری سید جعفر علیؒ صاحب کو ساتھ لانا۔ موصوف کسی کا نذرانہ قبول نہ فرماتے تھے۔ جس سے وعدہ کرتے تھے۔ اس کے ایفاء میں کیسی ہی زحمت ہو۔ مگر اس کو پورا کرتے۔ محتاط و قانع، عابد و زاہد تھے۔ معمولی غذا اور سالن میں پانی ملا کر نوش فرماتے تھے۔ آپ حج و زیارات سے مشرف ہوئے تھے۔

آغا محمد باقر مدیر" دہلی اردو اخبار" سے اختلافات بڑھے اور دونوں کے حامیوں نے بڑی مناظرہ بازی کی، دونوں پارٹیاں باقری اور جعفری کے ناموں سے یاد کی جانے لگیں۔

مولانا جعفر علیؒ دہلی میں دینی امور میں حرکت و حرارت کے باعث ہوئے۔ ان سے پہلے دہلی میں تقیہ اور خوف کی فضا تھی۔ آپ دہلی کالج میں شعبہ دینیات کے استاد بھی رہے، اور یوں بھی لوگ فائدہ اٹھاتے تھے۔ قرأت کے شاگردوں سے کہتے تھے کہ پہلے سوز خوانی سیکھو (تاکہ آواز سنبھلے اور حرام حلال کے حدود معلوم ہوں) پھر تجوید بتاؤں گا۔

۱۳۱۴ھ کو دہلی میں رحلت کی۔ تلامذہ میں چند مشہور حضرات،

- الطاف حسین حالی ۔ مولوی خدا بخش بڈھانوی ۔ مولوی حسین بخش ۔ مولوی الفت حسین ۔
- مولانا سید تفضل حسین سنبھلی ۔ مولوی خواجہ ابراہیم حسین پانی پتی ۔ مولوی عمار علی سونی پتی مفسر
- مولوی علی صغیر میمنی ضلع بجنور ۔ انور علی ۔ برکت علی ۔ محمد حسن ۔ علی حسین ۔
- فرزند رشید شمس العلماء قاری عباس حسین صاحب کا ذکر آگے آتا ہے۔

(تذکرہ بے بہا ۱۱۵ ۔ صغیر جعفر جارچوی، غالب اور قاری جعفر علی ماہ نو کراچی فروری ۱۹۶۵ء ۔ نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۱۱۸)

جمال الدین بن فتح اللہ حیدر آبادی :

حدود ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء

شیخ فاضل جمال الدین بن فتح اللہ بن صدر الدین شیرازی مختلف علوم میں ماہر تھے۔ حیدر آباد میں آئے اور قطب شاہ کے حکم سے "مصباح کفعمی کی شرح لکھی۔ گویا عبادات سے خاص شغف تھا بارہویں صدی ہجری

کے آخر میں فوت ہوئے۔ (نزہتہ ج ۵)

جمال الدین محمّد بن حسین خوانساری:

حدود ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء

مولانا جمال الدین محمد بن حسین خوانساری، حیدر آباد دکن کے عالم جلیل جن کی تالیفات میں "مفتاح الفلاح" تالیف علامہ بہاؤالدین العاملی کا ترجمہ متعدد کتب خانوں میں موجود ہے۔

جمال الدین، عاملی:

۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۷ء

برِصغیر میں جن خالص عرب علماء نے تشیع کی خدمتیں انجام دی ہیں ان میں علامہ جمال الدین بن نورالدین بن علی بن ابی الحسن موسوی کا نام بہت اہم ہے۔ موصوف جبل عامل (لبنان) کے باشندے تھے۔ اپنے والد علام سے علوم حاصل کیے اور دمشق میں سید محمد حمزہ نقیب الاشراف سے معارف میں فیض پایا۔

علامہ حر عاملی کہتے ہیں کہ عالم، فاضل، محقق، مدقق، ماہر ادیب و شاعر تھے، میرے ساتھ شریک درس رہے۔ دمشق سے اپنے والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں سے الامام احمد بن حسن کے عہد میں وارد یمن ہوئے امام یمن نے ان کی پذیرائی کی اور آپ نے ان کی مدح میں قصیدہ لکھا:

اذا ماجری ذکر البلاد وحسنها	فتلک فروع والغراس هی النخل
وان عدّ ذو فضل ومجد مؤثّل	فاحمد من بین الانام له الفضل
فلاغرو ان قصّرت طول مدائحی	ففی البعد قصر الفرض جاء به النقل

علامہ جمال الدین مشہد میں بھی رہے۔ ابوالحسن تاناشاہ کے زمانے میں حیدرآباد آئے۔ حیدرآباد میں مرجع افاضل و اکابر رہے۔ بادشاہ نے دربار میں اعزاز کیا۔ تا ایں کہ عالمگیر نے دکن فتح کیا اور مولانا جمال الدین گوشہ گیر ہو گئے اور ۱۰۹۸ھ حیدرآباد میں رحلت کی۔

امل الآمل میں حر عاملی نے آپ کے آٹھ شعر اور اپنے عم محترم کی مدح میں دو قصیدوں کے پانچ چھ شعر اپنے نام ایک منظوم خط اور ایک اپنے منظوم خط کے بیالیس اشعار میں سے بائیس شعر نقل کیے ہیں۔ جن میں سے چھ شعر یہ ہیں:

اقبل ارضاً شرفتها نعاله واهدی بجهدی کل ما ذکرناه

۱۔ نزہتہ ج، یہ شعر امل الامل و اعیان میں نہیں ہیں صاحب نزہتہ نے خلاصۃ الاثر سے سارے شعر نقل کیے ہیں)

من المشهد الاقصی الذی من ثوی به | ینل فی حماه کل ما یتمناهُ
الیٰ ماجد تعنوا الانام ببابه | فتدرك ادنی منه واقصاه
واضحیٰ ملاذاً للانام وملجاءً | یخوضون فی تعریفه کلما فاهوا
فتیً فی یدیه الیمن والیسر للوریٰ | فللیمن یمناهُ وللیسر یسرٰه
جناب الامیر الامجد الندب سیدی | جمال العلی والدین ایدہ اللہ

(ترجمہ) بعد سلام ..... میں اس زمین کے لوازم احترام ادا کرتا ہوں۔ جہاں آپ کے قدم پہنچے۔ اس مشہد مقدس سے جہاں کا رہنے والا اپنی ہر تمنا حاصل کرتا ہے۔ اس بزرگوار کے نام جس کی ذات عوام کے لیے ملجا و ماوا ہے۔ جب بھی کوئی لب کشائی کرتا ہے تو آپ کی تعریف کرتا ہے۔ وہ جواں مرد جس کے دونوں ہاتھوں میں لوگوں کے لیے برکت و فارغ البالی ہے جس کا داہنا ہاتھ برکت اور بایاں ہاتھ دولت کی بارش کرتا ہے یعنی جناب امیر الامجد الندب محترمی جمال الدین اَیَّدہُ اللہ کے نام (یہ خط صفر ۱۰۷۶ھ کو لکھا گیا ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب جمال الدین ۱۰۷۶ھ میں وارد حیدرآباد ہو چکے تھے (غالباً) اور یہاں عزت و مرجعیت کے مالک تھے۔ جناب حرعاملی ۱۰۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور تاریخ وفات ۱۱۰۴ھ ہے۔ وہ خود شیخ الاسلام اور محدث بزرگ تھے۔ اتنے بڑے آدمی کی طرف سے مدح کے اشعار پڑھ کر خیال ہوتا ہے کہ جمال الدین جناب حرعاملی سے عمر میں بھی بڑے تھے اور مرجعیت و احترام بھی زیادہ رکھتے تھے۔

حرعاملی کہتے ہیں کہ جمال الدین کے اشعار کی تعداد بہت ہے ان میں معمے وغیرہ بھی ہیں اور بہت سی کتابوں پر حاشیے اور فوائد لکھے تھے۔ (امل الآمل ج ۱ ص ۵۴ ۔ • نجوم السماء۔ تذکرۂ بے بہا • نزہۃ الخواطر ج ۵ • لؤلؤۃ البحرین ص۱۲۴)۔

جوادحسین، امروہوی :

حدود ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا سید جواد حسین صاحب مرحوم عربی و فارسی زبان کے بے مثل ادیب تھے۔ سرکار نجم العلماء سے تلمذ تھا، ان کے داماد بھی تھے۔ میٹرک اور مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کیا تھا۔ درسیات میں کمال تھا۔ بہت منکسر مزاج اور مقدس تھے۔ (میری سرگزشت ص ۶۲)

جواد علی مرزا، لکھنوی :

۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰ء
۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء

فاضل نحریر، تقدس انتساب محقق مدقق مجمع الفضائل والفواضل زبدۃ الاماثل ذکی لوذعی علامی فہامی مولانا

دلدار علی لکھنوی اپنے عہد کے بہت بڑے عالم تھے۔ جناب غفرآن مآب کے تلامذہ میں جلالت علم و عمل کے لحاظ سے بہت محترم تھے۔

مختلف کتابوں پر حاشیے لکھے۔

شوال ۱۲۵۸ھ میں بمقام لکھنو وفات پائی (تکملۂ نجوم ج ۱ ص ۲۹، نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۱۲۵، بے بہا ص ۱۱)

جواد علی بن سید اولاد علی :

۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء

۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء

سید عاشق علی دہلی میں شاہی طبیب تھے ان کا کوچہ عاشق دہلی میں مدتوں آباد رہا۔ حکیم عاشق علی صاحب کے فرزند مولوی ناد علی صاحب کے بیٹے علی بخش ان کے بیٹے اولاد علی صاحب بہیرہ ضلع فتح پور ہنسوہ کے سادات سے تھے۔ مولوی اولاد علی کے فرزند مولوی جواد علی نے ۱۲۳۱ھ کو دنیا میں قدم رکھا۔ دس سال کے ہوئے تو والد نے رحلت کی۔ گردش زمانہ سے تنگ آکر سواروں میں نوکری کرلی۔ ایک روز کسی انگریز نے آپ کا وطن دریافت کیا، موصوف نے کہا بہیرہ ہنسوہ۔ بہیرہ کا نام سنتے ہی پوچھا کہ ناد علی اور عاشق علی یہاں کے باشندے تھے؟ موصوف نے کہا وہ ہمارے اجداد میں تھے۔ انگریز نے کہا ایسے باپ دادا کا فرزند اور سواروں میں نوکر ہو۔ اس بات نے آپ پر اثر کیا اور آپ چپکے سے لکھنؤ روانہ ہوگئے۔ لکھنؤ میں علوم متداولہ میں کمال حاصل کرکے ناموری پائی۔ آپ کے اساتذہ یہ تھے :

- ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب • مفتی محمد عباس صاحب • حکیم سبحان علی صاحب • حکیم بنا صاحب
- حکیم مرزا محمد علی۔

خطیب تھے اور مجالس محرم جناب بادشاہ بیگم کے یہاں پڑھتے تھے اور اسی سرکار کے ملازم تھے۔

عہد امجد علی شاہ (۱۲۵۸ھ - ۱۲۶۳ھ) میں معین مفتی کی حیثیت سے ضلع ٹانڈہ میں متعین ہوئے۔ اوائل عہد واجد علی شاہ میں نوکری چھوڑ کر زیارات کے لیے گئے۔ تین سال بعد وطن آئے۔

۱۸۵۷ء میں انتزاع سلطنت کے بعد وطن چلے گئے اور مطب شروع کیا۔ ۱۲۷۵ھ میں جناب ممتاز العلماء نے مونگیر کے لیے روانہ کیا۔ اکیس روز میں عظیم آباد پہنچے۔ نواب جعفر حسین خان کے مہمان ہوئے۔ نواب علی خان صاحب کو معلوم ہوا تو وہ اپنے یہاں لے گئے۔ چند دن قیام کرکے آپ حسین آباد گئے اور وہاں دینی خدمات انجام دینے لگے۔ آپ کی فقہی تالیف "تحفۂ جوادیہ" (متعدد مرتبہ چھپی ہے) پر جناب تاج العلماء مولانا علی محمد صاحب نے جو تقریظ لکھی ہے اس کے چند فقرے یہ ہیں :

"اس کے مصنف عالم باعمل، فاضل کامل، سلمان عصر، مقداد دھر، زاہد و عابد، راکع و ساجد، خاشع و اضع و متواضع، المتفرد بالمعالی، المتہجد باللیالی، المولوی الاولی، جناب المولی سید جواد علی ... ... جناب مصنف

زہد و ورع اور تقدس و تقویٰ میں شہرۂ آفاق اور یگانۂ زمانہ ہیں اور کیونکر ایسا نہ ہو۔ حالانکہ از بس یہ دوست دلی اور امین و
معتمد ہمارے بزرگوں کے ہیں اور تلمیذ جناب مغفرت مآب علامہ و فہامہ ازہد و اعبد روزگار امام الابرار معظم جناب
سید حسن صاحب طاب ثراہ ...... کے ہیں اور بعض علوم غیر شرعیہ میں جناب مقدس الالقاب وحید زمانہ،
فرید یگانہ، سرشار ولائے حیدر کرار، و دلدادہ و جانثار ائمۂ اطہار، رفیع المقامات صاحب کرامات سید رشید
مجید امجد سید ذوالفقار علی صاحب ہمارے جد مادری طاب ثراہ سے تلمذ رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم خود اپنا
بزرگ مانتے ہیں"

مولوی جواد علی صاحب ۱۲۹۷ھ میں لکھنؤ تشریف لائے تو علما نے بڑا اعزاز کیا اور شایان اجتہاد جانا۔
۱۳۰۴ھ میں فالج ہوا اور ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ میں رحلت کی اور وطن میں حسب وصیت اپنی بناکردہ مسجد کے
پیش دروازے میں سپرد خاک ہوئے۔ (بے بہا ص ۱۱۰)

اولاد: سید عماد الحسن حکیم۔ ارشاد الحسن ۔ اولاد الحسین ۔ حکیم اولاد الحسین جن کا ذکر گزر چکا ہے۔

جرار حسین: جواد: دیکھیے محمد جواد کشمیری

۱۳۹۹ھ

مولانا جرار حسین وثیقہ اسکول جون پور کے فاضل اور مولانا شبیر حسین صاحب
نیز اپنے ماموں مولانا عنایت حسین خان کے شاگرد، مدرس و مقدس و خطیب تھے) رجب ۱۳۹۹ھ
میں رحلت کی۔

(چ) چراغ علی، شیخ

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

شیخ چراغ علی صاحب اودھ کی شاہی میں مبارک پور کے تعلیمی اور مذہبی تبلیغات کے سربراہ تھے انہوں
نے قصبے کے پچھم میں ایک شاندار امام باڑہ بنوایا جو شاہ پنجہ کے نام سے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

چھوٹے سے قصبے میں ڈیڑھ دو سو برس قبل کے جو آثار مل سکے ہیں ان کی روشنی میں مبارک پور پانچ چھ
مدرسوں کا قصبہ ہے۔ یہ مدرسے یکے بعد دیگرے عروج و زوال سے دوچار ہوئے۔

- مدرسہ بڑا مکان امام باڑہ رمضان علی۔ • مدرسہ امام باڑہ لالن مہتر۔ • مدرسہ بر پشت مسجد مبارک شاہ۔
- مدرسہ چھوٹے میاں صاحب جان محمد • مدرسہ باب العلم جو اب تک باقی ہے۔ (شجرۂ مبارک)

چراغ علی صاحب کی طرح شیخ سیف علی صاحب نے بھی ۱۲۰۹ھ کے قریب ایک امام باڑہ بنوایا اور
تعلیم و تبلیغ کا اہتمام کیا تھا، ۱۹۴۷ء تک اس امام باڑے کے کھنڈر باقی تھے۔

ح حامد حسین میر : ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء
۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء

برصغیر کے جن علماء کی عرب و عجم میں علمی عظمت تسلیم کی گئی ہے ان میں علامہ حامد حسین صاحب قبلہ فردوس مآب کا نام سرفہرست ہے۔ اودھ کے زوال اور ملک کی ابتری کا عہد تھا۔ سیاسی و ذہنی خلفشار نے علمی کام کے لیے فضا خراب کردی تھی۔ شیعہ اقتدار کو زوال ہوا، لکھنؤ طوفانوں کی آماجگاہ بنا، چھوٹے بڑے ہوگئے، نظام درہم برہم ہوگیا۔ شیعوں پر سیاسی اور مذہبی حملے شدت اختیار کر گئے۔ علماء منتشر ہو گئے۔ کتاب خانے لٹ گئے۔ سکون تباہ ہوگیا۔ اس بحران میں مولانا حامد حسین علوم اسلامی کی شمع فروزاں کو دامن سے چھپائے، جھگڑوں سے بچائے بیٹھے رہے اور سراپا انہماک بنے کام آگے بڑھاتے رہے۔ انھوں نے وقیع کتب خانہ قائم کیا۔ شیعہ سنی اختلافات پر عظیم الشان دائرۃ المعارف لکھی۔ بحث و تحقیق کی نئی راہ نکالی۔ علوم روایت و درایت کو اجتہاد و فکر انگیز حد تک پہنچایا۔ مناظرہ و استدلال کو نیا آہنگ بخشا اور فن تحریر و اظہار کو نئی روایت عطا کی۔

عبقات الانوار۔ عظیم و ضخیم کتاب ہی نہیں وہ ایک روایت بھی ہے اور درایت بھی۔ وہ ایک شخص کی عظمت و عزیمت کی مثال بھی ہے اور قوم کے لیے سرمایۂ عزت و افتخار بھی ہے۔ جمع و تالیف۔ مباحث و مسائل۔ مآخذ و مصادر پر گفتگو، وسعت نظر اور استدلال، استخراج نتائج کے نقطۂ نظر سے اسے جس نے دیکھا ہے۔ داد دی ہے۔ فارسی عبارت کا اسلوب، عربی خطبوں کا نہج ایران و عرب کے علماء سے امامتِ فن کی سند لے چکا ہے۔ بڑے بڑے محدث و محقق، یورپ و ایشیا کے اہل دانش و بینش عبقات کے مؤلف سے استفادہ شرف جانتے تھے۔ اکابر عالم کے خطوط کا ایک دفتر کتب خانہ ناصریہ میں محفوظ ہے جو شائع ہونے کے لائق تھا۔ مگر ملک میں ان نوادر کا قدردان کون ہے۔

مولانا حامد حسین نے صرف کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ اپنی مماثل شخصیتیں بھی بنائیں۔ علامہ غلام حسنین کنتوری علامہ سراج حسین۔ علامہ جسٹس کرامت حسین۔ علامہ تصدق حسین۔ علامہ ناصر حسین، علامہ عباس حسین۔ علامہ محمد مہدی ادیب ان کے غیر معمولی صحبت یافتہ بزرگ ہیں۔ میری کتاب تفصیل کی متحمل نہیں ہے۔ مجھے دکھ ہے کہ اختصار اس عظیم عالم کے تذکرۂ کمال سے مانع ہے۔ مختصر یہ ہے کہ

نیشاپوری سادات کاظمیہ کی ایک فرد وارد ہند ہوئی۔ ان کے فرزند ابوالمظفر علاؤالدین حسین کنتور میں پیدا ہوئے ان کی اولاد اسی علاقے میں پھلی پھولی آباد ہوئی۔ سیاست و ریاست، ملک و ملت کی خدمتوں کے صلے میں جاہ و جلال پایا۔

اسی خاندان کے ایک فرد حامد حسین تھے جن کے فرزند محمد حسین اور ان کے بیٹے محمد قلی حکومت اودھ اور

۱۶۰

لکھنؤ میں رہے۔ محمد قلی (دیکھیے احوال علمائے کرام) علمی مرتبہ کمال پر پہنچ کر مفتی کہلائے اور تصنیف و تالیف کی بدولت شہرت تام و بقائے دوام کے مالک ہوئے۔ مفتی محمد قلی صاحب نے تقدس و پاک ضمیری حاصل کی۔ جس زمانے میں وہ میرٹھ کے صدر الصدور تھے۔ ایک رات انہوں نے خواب میں اپنے جدِ امجد سید حامد حسین صاحب کو دیکھا، بیدار ہوئے تو ولادتِ فرزند کی خوش خبری سنی۔ آپ نے اس مولود کا نام دادا کے نام پر رکھا، آپ جن بزرگ کے مکان میں مقیم تھے۔ انھیں آپ سے عقیدت تھی۔ فرزندِ نو مولود کی کرامت کو دیکھ کر موصوف نے اس مکانِ ولادت اور سہ دری کو امام باڑہ قرار دے دیا۔ اس طرح حامد حسین پیدائش کے بعد ہی سے تاسیس و تعمیر نو کا باعث بنے۔

آپ کی تاریخ ولادت ۵ محرم ۱۲۴۶ھ ہے۔ کم سنی میں فہم و فراست، ذہانت و ذکاوت ایسی کہ جو دیکھتا تعجب کرتا تھا۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۵۰ھ کو بسم اللہ ہوئی۔ ابتدائی اور وسطی علوم متداولہ والد نے تعلیم دیئے۔ پندرہ سال کے ہوئے تو والد کا سایہ اٹھ گیا۔ (۹ محرم ۱۲۶۰ھ) ان دنوں آپ لکھنؤ میں تھے اور یہاں ادب مولوی برکت علی حنفی اور مفتی محمد عباس سے معقولات خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ بن سلطان العلماء اور فقہ و اصول سلطان العلماء سید محمد صاحب اور علیین مکان سید حسین صاحب سے پڑھ کر سند لی۔

"مناہج التدقیق" تالیف علیین مکان کا وہ نسخہ اب تک محفوظ ہے جس کو موصوف پڑھا کرتے تھے اس پر زمانۂ طالب علمی کے حواشی دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تحقیق و معلومات و جودت ذہن کا کیا عالم تھا۔

تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، کلام و ادب کے اساتذہ دیکھ رہے تھے کہ سید حامد حسین کی محنت و شوق انہماک و بصیرت قابلیت و عمل روشن مستقبل کی علامت ہے۔ وہی ہوا

تکمیلِ تعلیم کے بعد اپنے والد کے تالیفات کی ترتیب و اشاعت کی طرف توجہ فرمائی۔ فتوحاتِ حیدریہ رسالۂ تقیہ۔ تشئید المطاعن وغیرہ کے بعد منتہی الکلام کے جواب میں استقصاء الافحام کی تالیف چھ ماہ میں مکمل کی۔ اس کے بعد شوارق النصوص کی تالیف میں حافظے اور قوتِ استدلال کو عروج پر پہنچا دیا۔

۱۲۸۲ھ میں حج و زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں اکابر علماء اسلام سے ملے، مکہ و مدینہ کے نوادر مخطوطات و کتب کی نقلیں اور ملخص حاصل کیے۔ اس سفر میں نواب تہور جنگ اور مولانا کے عزیز شاگرد مولانا تصدق حسین ساتھ تھے۔ تہور جنگ نے مولانا کی ہمہ گیر شخصیت اور علوم اسلامی کی عظمت سے بہت اثر قبول کیا یہ ہم سفری آگے بڑھ کر حیدر آباد دکن کے نئے علمی ارتقاء میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ علماء و ادباء و شعراء لکھنؤ و کنتور کی دکن میں پذیرائی اور کتب خانہ آصفیہ کی عظمت میں یہ سفر فالِ نیک بنا۔

اسسٹنٹ انڈیا کمپنی کے حکام پر بڑا اثر رکھتے تھے، مولانا محمد قلی صاحب میرٹھ میں کمپنی کی طرف سے صدر الصدور تھے۔ ۵ محرم ۱۲۴۶ھ کو اسی میرٹھ میں مولانا حامد حسین پیدا ہوئے۔

اس رات کو مفتی محمد قلی صاحب نے اپنے جدِ امجد کو خواب میں دیکھا بیدار ہوئے تو ولادتِ فرزند کی خبر ملی اس لیے آپ نے حامد حسین نام رکھا

جس سہ دری میں آپ کی ولادت ہوئی تھی اس کو مالک مکان نے احتراماً امام باڑہ قرار دیا۔

مفتی صاحب کی شخصیت اور علمی وقار کے سائے میں حامد حسین صاحب کی ذہانت و ذکا بڑھتی گئی۔ خداداد برجستگی و حافظے نے روشن مستقبل کی نشاندہی کر دی۔

۱۷ ربیع الاول ۱۲۵۲ھ کو تقریب بسم اللہ ہوئی جس میں آپ نے یہ دعا پڑھی ——

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدة من لسانی یفقھوا قولی ـ رب یسر وتمم بالخیر وادفع عنی کل ضیر" (تکملہ)

تقریباً ۱۵ سال کی عمر تک اپنے والد سے پڑھا، مفتی محمد قلی صاحب کی رحلت کے بعد لکھنؤ کے مشہور اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مثلاً • برکت علی صاحب اور مفتی محمد عباس صاحب (سے ادب) • خلاصۃ العلماء سید مرتضےٰ صاحب (سے معقولات) سید العلماء سید حسین علیین مکان اور سلطان العلماء سید محمد صاحب رضواں مآب (سے فقہ و اصول) تمام اساتذہ آپ کی ذہانت و ذکاوت، حافظے اور محنت کی قدر کرتے تھے۔ شرح کبیر پڑھتے وقت آپ کی بحث نکتہ رسی کی مثال تھی۔

سید العلماء مولانا سید حسن صاحب قبلہ کی تالیف "مناھج التدقیق" پر مولانا کے حواشی و مباحث دیکھنے والوں نے بتایا ہے کہ وہ طالب علمی ہی میں کمالِ فن تک پہنچ گئے تھے۔

تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے اپنے والدِ محترم کے تصانیف کی طرف توجہ فرمائی۔ انھیں مرتب کیا، متن کی تصحیح و تحقیق کے بعد یکے بعد دیگرے شائع کیا:

• فتوحات حیدریہ: تصحیح متن کے بعد خلاصے ہیں جو ادبی نشان ہے اس سے مولانا کی اٹھان کی بلندی نظر آتی ہے۔ • رسالۂ تقیہ: تصحیح و ترتیب • • تشئید المطاعن: تصحیح و تحقیق محنت و جانکاہی کے ایک عمل کے بعد ان کی اشاعت و طباعت کا اہتمام کیا،

سفر حج و زیارات؛ ۱۲۸۲ھ، نوجوانی کا عالم تھا، اور شوقِ مطالعہ و تحقیق کا شباب، اس پر

لے ـ یہاں سے مسودہ اور کتابت شدہ کتاب خدا جانے کہاں ضائع ہوگئی، زین العابدین تک ستر صفحے کس محنت سے لکھے تھے اور کہاں کہاں سے کس کس کے احوال قلمبند ہوئے تھے اس لیے یہ حصہ دوبارہ لکھ رہا ہوں۔ مرتضیٰ حسین ۱۳ اگست ۱۹۷۷ء

، برادر بزرگ مولانا اعجاز حسین صاحب کا ساتھ سونے پر سہاگہ، لکھنؤ سے مکۂ مکرمہ تک طالب علم جستجوئے علماء تلاشِ کتب، تحقیق رجال و تتبع حدیث کا سلسلہ رہا، جہاں گئے علماء نے استقبال کیا، افادہ و استفادہ کا بازار گرم ہوا، اخذ روایت و نقل حدیث کی بات چلی تو معلوم ہوا سمندر سے سمندر مل گئے، کتب خانوں میں گئے تو کئی کئی دن مطالعہ و نقل و یادداشت میں نگاہ و قلم مصروف عمل رہے، بھائی بھی کتاب شناس و عاشق علوم، خود بھی مصنف و صاحب نظر، ہر لمحہ نورانی، ہر آن علمی بنتی گئی۔ شیعہ سنی محققین ملتے تو دم بخود رہ جاتے تھے کہ یہ حافظہ اور یہ مطالعہ؟! رواۃ، طبقات، انساب و اسناد پر یہ عبور، حدیث و جرح و تعدیل میں اتنی مہارت، اللہ اکبر۔ مولانا سمندری راستے سے حج کے لیے چلے، دخانی جہاز جس بندرگاہ پر رکتا، وہ اُترتے، کتاب فروشوں سے کتابیں خریدتے اور جہاز پر واپس آجاتے۔ یوں مدینۂ منورہ و مکۂ مکرمہ پہنچے تو بے شمار کتابیں ساتھ تھیں۔ حج کے بعد عراق و ایران گئے تو ذخیرہ اور بڑھ گیا۔

مولانا ضیاء الحسن صاحب[1] موسوی فرماتے ہیں کہ ایک دن مدینۂ منورہ میں ایک عرب نے مجھے روک کر پوچھا کہ تم آل سید حامد حسین موسوی سے ہو؟ میں نے کچھ تامل سے اپنا رشتہ بتایا، اور پوچھا کہ آپ مجھے کیونکر پہچانے؟ انھوں نے فرمایا: تمہارے جدِ محترم نے اپنے سفرِ حج کے بعد "عبقات الانوار" نامی کتاب لکھی، جس میں ان مطالعات کی مدد سے اہل سنت کے مختلف النوع اعتراضات کے جواب دیے، اور وہ کتاب ہمارے والد کو بھیجی، ہمارے والد نے میر حامد حسین کا جو حلیہ بتایا تھا اس کے خد و خال تمہارے چہرے میں نظر آئے تو بطور قیافہ شناس میں سمجھ گیا کہ تمہارا ان سے کوئی تعلق ہے۔

مولانا اعجاز حسین اور مولانا حامد حسین کا یہ سفر عہدِ قدیم کے ان حافظ و محدث حضرات کے سفر کا نمونہ تھا جو صحرا صحرا پھر کر شیوخ و آئمۂ فن سے ملتے تھے اور طلب حدیث کی خاطر ہزاروں دکھ اٹھاتے تھے۔ مولانا اس سفر سے جو کچھ لائے اسے "عبقات" کے ذریعہ علماء تک پہنچا دیا۔

مولانا کی علمی حیثیت اور لکھنؤ میں ان کا احترام مسلم تھا، اس سفر کے بعد وہ اسلامی دنیا میں عظمت و احترام کے مالک ہو گئے، مولانا محقق و مصنف بزرگ تھے اور عوامی مشاغل و معاملات کا وقت نہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود ڈاکٹر اسپرنگر مصنف "فہرست کتب خانہ شاہان اودھ" اور دوسرے علمی افراد سے روابط تھے۔ انجمن تہذیب کے رکن تھے۔ پورے ملک کے شیعہ کلام و حدیث، فقہ و علوم میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔

مولانا حامد حسین زمین دار و باحیثیت آدمی تھے اس لئے کسی کے دست نگر نہ تھے۔ جو کچھ آمدنی تھی

---

[1] مولانا سید ضیاء الحسن موسوی سرکار ناصر الملت کے نواسے اور مولانا نجم الحسن صاحب کے فرزند، کراچی میں رہتے تھے، کراچی کے بہت بڑے ادیب اور قادر البیان نظم و نثر لکھنے والے ادیب، متکلم و عالم ۱۳۹۸ھ میں وفات پائی۔

سب کتب خانے برخرچ ہوجاتی تھی۔ پوراوقت نذرتصنیف و تالیف تھا۔ برصغیر میں ہمیشہ اہلسنت کی حکمرانی رہی، ہر دور میں شیعوں نے سیاسی اور جنگی میدانوں میں حکومت کی کمک کی، مگر معاشرتی زندگی میں اور نجی معاملات میں جب بھی بات ہوئی تو بڑے بھائیوں نے چھوٹے بھائیوں کو زک پہنچائی، انہیں غیر سمجھا، ان کی توہین کی، لفظ "رافضی" کو "شیعہ" کا مترادف قرار دیا، محمود غزنوی، فیروز شاہ تغلق، جہانگیر اور عالمگیر اور بہت سے سلاطین، وامرأ و نوابین نے علماء کے قتل وجلاوطنی، شیعہ کتابوں کو جلانے اور مدرسوں کو تباہ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خود اکبر کا عہد جسے غیر مذہبی عہد کہا جاتا ہے، جسے مؤرخ کبھی ایرانیوں کا سازشی دور یا ایرانیوں کی بالادستی کا عہد کہتے ہیں۔ اس زمانے میں شیعوں کے خلاف لٹریچر مکے مدینے سے لکھوا کر منگوایا جاتا تھا "الصواعق المحرقہ" اسی سلسلے کی ایک کتاب ہے۔ خود اندرون ملک ہر شخص شیعوں کے خلاف سخت تقریر و تحریر میں مصروف تھا، ملا احمد ٹھٹھوی کے دلیرانہ جواب کو ان کے قتل کا بہانہ بنایا گیا اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ان کی قبر کھود دی گئی، ان کی لاش جلائی گئی اور ملا عبد القادر بدایونی نے سب وشتم کے کریہہ سے کریہہ الفاظ لکھ کر منتخب التواریخ کو سیاہ کیا۔ شیعوں کو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حق نہ تھا۔ "حکیم ابو الفتح" نے ہاتھ نہ باندھے تو عبدالنبا درانگاروں پر لوٹ گیا۔ عہد جہانگیری میں آگرہ شیعوں کے لیے "اکرہ بلاد اللہ" بن گیا۔ ممالک محروسۂ تیموریہ میں شیعوں کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ ملا روزبہان کی "ابطال الباطل" اور ابن حجر کی "الصواعق المحرقہ" گھر گھر پھیل گئی شیعوں کو چیلنج کہ جواب دو، شیعہ مذہب کا تمسخر، اور ان کی بے دینی و بے علمی کا طعنہ تھا۔ نوراللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کا جواب لکھا تو جہانگیر کے حکم اور ملاؤں کے فتوے سے اس سید گھر والا اور عالم جلیل القدر کو جام شہادت پینا پڑا، یہ دونوں واقعے لاہور اور آگرہ جیسے دارالسلطنت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملا احمد ٹھٹھوی کی شہادت ۹۹۶ھ لاہور میں ہوئی اور قاضی نوراللہ شوستری شہید ثالث ۱۰۱۹ھ آگرے میں شہید کیے گئے۔ اس کے بعد شیخ احمد سرہندی متوفی ۱۰۳۴ھ نے ملک گیر سطح پر جو مہم چلائی اس کا ہلکا سا خاکہ ان کے مکتوبات میں موجود ہے۔ انھوں نے شیعوں کے خلاف تشدد کا پرچار کیا۔ شیعہ علماء پر حملے کیے، ملا مقصود علی تبریزی اور ملا احمد تتی کے نام لکھ کر بہت کچھ کہا، شیخ احمد سرہندی کے دور میں شیعوں نے مجبور ہو کر جواب لکھے، اور نواب ابراہیم خان (متوفی ۱۱۲۱ھ) نے، لاہور اور سوہدرہ (ابراہیم آباد) میں علماء سے سات جلدوں میں تمام اعتراضات وجوابات کا ایک مجموعہ "بیاض ابراہیمی" تیار کرایا۔ شیخ صاحب کے بعد ولی اللہ صاحب دہلوی نے پھر ان کے فرزند عبدالعزیز صاحب متوفی ۱۲۳۹ھ نے باہمی جھگڑوں کو "تحفہ اثنا عشریہ" تک پہنچایا۔

عالمگیر سے شاہ عالم تک سیاسی طور پر شیعہ کمزور رہے، اب پھر ملک کو ایک مدبر اور جرنیل کی ضرورت پڑی اور تاریخ نے بیرم خان خاناں کا متبادل نجف خان پیدا کیا، جس نے روہیلے، مرہٹے اور جاٹ جیسے

سرکشوں کو زیر کیا۔ دہلی، آگرہ اور دور دراز علاقوں سے باغیوں کو نکال باہر کیا۔ ذوالفقار الدولہ نجف خان نے ۱۱۹۶ھ/ ۱۷۸۲ء میں رحلت کی، ان کے بعد آگرہ و اودھ پر شیعوں کی سیاسی حکومت قائم ہوگئی اس دور میں شاہ عبدالعزیز (متوفی ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) نے "تحفۂ اثنا عشریہ" لکھی۔ اب پریس قائم ہو چکا تھا، تحفۂ اثنا عشریہ کی تالیف کے دوران حکیم مرزا محمد صاحب نے دہلی ہی سے جواب لکھنا شروع کیا۔ ادھر کتاب چھپ کر باہر آئی ادھر اس کا جواب "نزہۂ اثنا عشریہ" مکمل ہو کر چھپنے لگا۔ حکیم صاحب ۱۲۲۵ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ لکھنؤ آباد تھا۔ کتب خانے وافر تھے، علماء با اختیار تھے، لہٰذا وہاں اس کا ردِ عمل شدید ہوا اور متعدد علماء نے جواب لکھ ڈالے، جن میں جناب مفتی محمد قلی صاحب نام بر آوردہ تھے۔ ابھی یہی گرما گرمی تھی کہ ملا حیدر علی صاحب نے شیعوں کے خلاف "منتہی الکلام" کے نام سے ایک اور کتاب لکھ ڈالی۔ مولانا حامد حسین صاحب نے اس کے جواب میں "استقصاء الافحام" قلم بند کی۔ اس کے بعد "عبقات الانوار" کے نام سے ایک مفصل کتاب شروع کی جو نہ صرف تحفۂ اثنا عشریہ کے باب انکار خلافت امیر المومنینؑ کا جواب تھا بلکہ حدیث و رجال، مناقب و مناظرہ پر ایک جامع انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کتاب نے فن جدل و مناظرہ میں شیعوں کی بالادستی پر مہر ثبوت ثبت کر دی۔

مولانا حامد حسین صاحب قبلہ کی اس کتاب کو دیکھ کر سید مرتضےٰ موسوی علم الہدیٰ کی "الشافی رد المغنی" اور سید نور اللہ موسوی شوستری کی "احقاق الحق" کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ مولانا حامد حسین صاحب موسوی کو قاضی نور اللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ سے خاص محبت تھی۔

۱۲۷۱ھ میں مولانا آگرہ تشریف لائے تو شہید ثالث کے مزار پر حاضری دی۔ یہ مزار ۱۰۱۹ھ سے ۱۱۸۸ھ تک آہستہ آہستہ شیعہ آبادی کے نہ ہونے سے کھنڈر بن چکا تھا۔ ۱۱۸۸ھ/ ۱۷۷۴ء میں ذوالفقار الدولہ، نجف خان کے زمانے میں سید محمد منصور موسوی نیشاپوری صوبہ دار آگرہ نے دوبارہ اس کی تعمیر کی۔ جناب آیۃ اللہ میر حامد حسین صاحب موسوی نے کم و بیش ایک سو پندرہ سال بعد اس مزار کی تعمیر و تجدید و آبادی کی طرف توجہ دلائی اور دو سال بعد ۱۲۹۰ھ میں ڈپٹی سید علی نقی صاحب تیرسری کی سربراہی میں یہ عمارت از سر نو مکمل ہوئی اور ۱۲۹۱ھ کے بعد سے اب تک یہ مقام [illegible] زمانے میں کو آبادی و رونق ہوتی ہے ہم [illegible]

جناب حامد حسین صاحب کی ان علمی کوششوں کو دیکھ کر ایک جہاں ان کا گرویدہ ہو گیا، علمائے ایران و عراق نے انھیں آیۃ اللہ فی العالمین، مجدد ملت، محی الدین حجۃ الحق علی الخلق کے القاب سے یاد کیا، آیۃ اللہ سید حسین طباطبائی یزدی، سید الفقہا سید حسین قمی، مرجع اکبر زین العابدین مازندرانی، محدث اعظم شیخ حسین نوری جیسے اکابر نے ان کو محقق و محدث و حافظ و فقیہ کے بلند ترین اعزازات کا حامل مانا۔

جناب حامد حسین صاحب قبلہ نے اپنی پوری زندگی مطالعہ کے لیے وقف کی، وہ نحیف الجثہ پہلے تھے۔

شب و روز کے مطالعے نے انہیں اور لاغر کر دیا، جم کر بیٹھنے سے ان کو امراض معدہ نے گھیر لیا، کثرت تحریر سے ان کے ہاتھ کمزور ہو گئے، سینے پر کتاب رکھ کر مطالعے سے نشان پڑ گئے مگر وہ پڑھنے اور لکھنے میں کسی قسم کی کمی نہ کر سکے۔

دس ہزار نادر و کمیاب، قلمی اور بخط مصنفین کتابوں کے ذخیرے کو یکجا کیا، یہ کتب خانہ آج بھی لکھنؤ کی آبرو اور علوم اسلامیہ کا بیش بہا خزانہ ہے۔ مولانا نے اس کتب خانے کے ساتھ اپنی اولاد کو اپنا کام بھی سونپا۔ اور

وفات: ۱۸ صفر ۱۳۰۶ھ / ۲۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو اپنے کتب خانے واقع محلہ کھجوہ لکھنؤ میں رحلت فرمائی وفات سے ایک دن پہلے تک تصنیف کا کام کرتے رہے تھے۔ وفات کے بعد جنازہ گھر لایا گیا، اور پورے شہر کی مشایعت میں امام باڑہ غفرآن مآب میں سپرد لحد کیے گئے اور آپ کا لقب فردوس مآب مشہور ہوا۔

تصانیف: • استقصاء الافحام (فارسی، مناظرہ، چاپ شدہ)۔ • شوارق النصوص (غیر مطبوعہ)۔ • عبقات الانوار۔ • تحفۂ اثنا عشریہ کے باب ہفتم میں جن حدیثوں کے ثبوت کو مسترد کیا گیا ہے۔ عبقات ان حدیثوں کی سند، متن، مفہوم اور استدلال پر مفصل بحث کی جامع ہے۔ علامہ حامد حسین فردوس مآب نے حدیث ولایت، حدیث نور، حدیث طیر اور حدیث غدیر پر سات جلدیں لکھیں جو فارسی میں چھپ چکی ہیں۔ • کشف المعضلات فی حل المشکلات (غیر مطبوعہ)۔ • الدرالسنیہ فی المکاتیب والمنشآت العربیہ (عربی، غیر مطبوعہ)۔ • العضب البتار فی مبحث آیۃ الغار اس کا ایک عمدہ خطی نسخہ حاجی داؤد لائبریری کراچی میں ہے۔ • اسفار الانوار عن وقائع افضل الاسفار (سفرنامہ حج و زیارات)۔ • النجم الثاقب فی مسئلۃ الحاجب (فقہ، غیر مطبوعہ)

• الذرائع فی شرح الشرائع، (ناتمام، فقہ استدلالی، عربی)۔ • زین الوسائل الی تحقیق المسائل۔ (عربی، فقہ، غیر مطبوعہ) • افحام اهل المین فی رد ازالۃ الغین

یہ ضخیم کتابیں دو دو تین تین جلدوں پر مشتمل ہیں اور کتب خانہ ناصریہ کھجوہ میں محفوظ ہیں۔

عبقات الانوار دو اہم واقعے:

جناب مولانا محمد حسین صاحب نے تذکرۂ بے بہا میں رسالۂ شیعہ کھجوہ بہار، کے شمارہ مئی ۱۹۰۸ء اور جولائی ۱۹۰۸ء کے حوالے سے ایک واقعہ تو یہ لکھا ہے کہ کمشنر (؟) بہادر عبقات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

پشاور میں ملا عبدالحق ہاشمی اہل سنت کے عالم تھے، ان کو تحقیقِ حق کا شوق ہوا، انتہائے شوق میں کشفِ حق کی دعا شروع کر دی، ایک دن بعد نماز عشا، کنارۂ دریا جا کر سورۂ مزمل کا عمل اور چلّہ کشی آغاز کر دی۔ چالیسویں دن عمل کر کے وہیں لیٹ گئے، آنکھ لگ گئی خواب دیکھا: ایک بزرگ صورت، سفید ریش جو

سید دولی اللہ معلوم ہوتے تھے، تشریف لائے اور فرمایا۔ اے عبدالحق! اگر حق کی تلاش ہے تو شیعوں کے مولوی سید حامد حسین کی مصنفات دیکھو۔ مثل آفتاب حق روشن ہو جائے گا"۔ مولوی عبدالحق بیدار، اندھیری رات میں شہر کا رُخ کیا اور حاجی ملک رحمان صاحب کے گھر پہنچے، ملک صاحب جاگے، باہر آئے اور ناوقت آنے کی وجہ پوچھی۔ مولوی صاحب نے معذرت کے بعد کہا: جناب! شیعہ عالموں میں کوئی سید حامد حسین بھی ہیں؟ حاجی صاحب نے فرمایا مولانا سید حامد حسین صاحب لکھنؤ میں علم و فضل میں بڑے بڑے عالموں سے بڑے ہوئے ہیں فصاحت و بلاغت میں سب سے کامل، انشا پردازی میں اعلیٰ درجے کے منشی (انشا پرداز) درایت و علم کلام میں بے مثل محققین کے تو بادشاہ تھے۔ مختصر یہ کہ وہ آیۃ اللہ فی العالمین شیعوں کے رئیس اور شریعت کے سردار تھے، اب موجود نہیں"۔ ملا صاحب نے پوچھا: ان کی کچھ تصنیفات ہیں؟ حاجی صاحب نے فرمایا: مناظرہ میں ان کی بہت کتابیں ہیں! ملا صاحب نے کہا: کوئی کتاب مجھے بھی دیجیے کہ کچھ فائدہ اٹھاؤں"! حاجی صاحب نے عبقات کی (مجلد) حدیث طیر دی" وہ بہت شکر گزار ہوئے۔ چند روز مطالعہ کیا اور اس سے متاثر ہو کر مذہب حق، شیعہ اثنا عشری میں داخل ہو گئے۔ مولانا حامد حسین صاحب قبلہ، فارسی و عربی کے صاحب کمال ادیب و مصنف، فقہ و اصول کے بالغ نظر مجتہد، منطق و فلسفہ کے ماہر کی حیثیت سے ملک میں مرجعیت رکھتے تھے، سنی افاضل ان سے رجوع کرتے تھے۔ عرب و عجم کے افاضل سے مراسلت تھی۔

آپ بڑے باوجاہت، امیری کی شان اور عالمانہ وقار سے رہے۔ آپ کی تہذیبی اور علمی روایت کو آپ کے بڑے فرزند نے کمال و عروج پر پہنچایا۔

اولاد: • مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ (دیکھیے احوال) • مولانا ذاکر حسین صاحب (دیکھیے احوال) تکملہ ۱، ص ۴۹۔ بے بہا ص ۱۳۲ • نزہۃ الخواطر • تذکرہ ناصر الملت۔ • الشہید خاص نمبر آگرہ مارچ ۱۹۶۰ء)

حامد حسین لکھنوی:

حدود ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء
حدود ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

سید حامد حسین بن حسین لکھنوی، مولانا حامد حسین صاحب قبلہ فردوس مآب صاحب العبقات کے شاگرد مقدس و عالم، مناظر، عربی و فارسی میں نظم و نثر پر پایہ اثر قدرت رکھنے والے کتب خانۂ ناصر الملت لکھنؤ کے منتظم علی شعبہ تصنیف و تالیف کے معاون لکھنؤ وطن تھا۔

حبیب حیدر کنتوری:

۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء
۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء

مولانا الحاج سید حبیب حیدر بن حبیب اللہ موسوی نیشاپوری، کنتوری۔ خاندان مفتی محمد قلی صاحب

قبلہ سے تعلق تھا۔ ۱۲۵۵ھ میں ولادت ہوئی، خداداد ذہانت اور الٰہی توفیق کی بدولت علوم وفنون میں عجیب طرح سے مہارت پائی، مرزا محمد مہدی صاحب تکملۂ نجوم السما میں لکھا ہے کہ کبھی کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا، کسی سے سبق نہ پڑھا مگر فلسفہ، ومنطق حتیٰ کہ رسائل وقوانین وضوابط وشرح کبیر وشرح لمعہ وقواعد علامہ کا درس دیتے تھے اور طلبہ بصد شوق مستفید ہوتے تھے۔

حبیب حیدر صاحب ادب وریاست وسیاست سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے حلقۂ احباب میں علماء اور رؤسا بھی تھے اور انگریز بھی۔

مولانا سید حبیب حیدر صاحب کنتور کے متمول زمیں دار تھے۔ اپنے زمانے میں لکھنؤ کے عالم متبحر اور بے مثل مدرس مانے جاتے تھے۔ آپ کے درس میں بڑے بڑے طلبا حاضر ہوتے اور اعلیٰ درجے کے طالب علم شاگردی کی آرزو کرتے تھے۔

تعلیم علوم دین کے ساتھ سرکاری ملازمت بھی کرتے تھے اور سب رجسٹرار کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ موصوف نے روضہ خوان اور مرثیہ گو حضرات کو صحیح روایتیں نقل کرنے پر متوجہ کیا۔

تقریباً پچاس برس کی عمر میں وفات پائی۔ مولانا محمد حسین نوگانوی کے خیال میں تاریخ وفات غالباً ۱۳۰۲ھ ہے۔

تلامذہ: چند نام • سید باقر صاحب قبلہ • سید محمد جعفر صاحب قبلہ • جناب مولانا ظہور حسین صاحب بارہوی • سید فدا حسین

تصانیف: القدریہ • تحقیق دربارۂ علی اکبر شہید • شرح زیارت ناحیہ کبریٰ • رسالۂ عطش (عربی مطبوعہ) بنیان الایمان، معانی واحتمالات نحویہ لاالٰہ الااللہ (اردو مطبوعہ) (تکملۂ نجوم السماء ج ا ص ۱۲، بے بہا، ۱۳۳)

حزیں، محمد علی

۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۲ء
۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء

شیخ صفی الدین اردبیلی سلاطین صفویہ کے مرشد شیخ ابراہیم زاہد گیلانی اپنے دور کے بڑے عابد وعالم شیخ زاہد کی سترھویں پشت میں ابوطالب نامی عالم دین بزرگ گزرے ہیں، شیخ ابوطالب کے فرزند تھے۔

محمد المدعو بہ علی (محمد علی) ان کی ولادت دوشنبہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۰۳ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۶۹۲ء اصفہان میں ہوئی۔ محمد علی چار سال کے تھے، اتفاقاً مولانائے اعظم ملا شاہ محمد شیرازی، اصفہان آئے اور اپنے دوست ابوطالب کے یہاں مہمان ہوئے۔ مولانا نے فرزند کی تقریب بسم اللہ کرائی۔ حزیں کہتے ہیں کہ ملا محمد شاہ نے بسم اللہ کے بعد مجھ سے تین مرتبہ یہ آیت پڑھوائی "رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی"

پھر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دعا دی۔ سواد خوانی و خوش خطی اور سادہ کتابوں کے بعد صرف و نحو و فقہ شروع کی۔ منطق پڑھتے ہوئے حزیں نے دلچسپی محسوس کی اور استاد نے آفرین کہی۔ انہی دنوں شعر و شاعری شروع کر دی۔ استاد اور والد دونوں نے روکا مگر چھپ چھپا کر شعر کہتے رہے۔ آخر ایک دن والد سے اجازتِ شعر گوئی ملی اور شیخ نے بآزادی شاعری شروع کر دی۔

خوش نصیبی یہ ہوئی کہ شاعری نے ذوقِ طالب علمی اور شوقِ علم و عمل کو کمزور نہیں کیا۔ اصفہان رشکِ جہاں تھا، صفوی حکومت نے علومِ اسلامی کے چمن کی آبیاری سے شہر شہر میں علم کے مرکز قائم ہو گئے تھے۔ تفسیر و حدیث فقہ و اصول، فلسفہ و منطق، غرض تمام علوم کے ماہر ہر جگہ موجود تھے۔ شیراز، یزد، تبریز، قم، مشہد کا ذکر کیا ہی کیا اصفہان ان شہروں میں یوں تھا جیسے تاروں میں چاند۔ استاذ الکل عند الکل، آیۃ اللہ آقا حسین خوانساری (متوفی ۱۰۹۹ھ) اور الحافظ الجامع للحدیث علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۱ھ) کے وجود ذی جود کی بدولت دنیا بھر کے تشنگانِ حدیث و فقہ اصفہان آنے پر مجبور تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار کا ہر فن کا جمگھٹ تھا۔ ان بزرگوں میں خود مولانا ابو طالب عرفان و زہد، علم و فضل میں مشہور تھے۔ ہر وقت طلباء کا مجمع، دن رات درس کا مشغلہ تھا۔ بڑے بڑے علماء آتے جاتے تھے۔ شیخ نے توفیقِ خدا اور ذہن رسا سے فائدہ اٹھایا۔ والد علام سے سفر و حضر میں پڑھا، اصفہان کے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، طلب علم کے لیے عرب و عجم گئے اور ماہرینِ علم و فن تلاش کیے اور کاملینِ روزگار سے دینی و دنیاوی، عقلی، روحانی فیوض حاصل کیے۔ تفصیل کے لیے "تذکرۃ الاحوال" کا مطالعہ مفید ہے۔ مجھے اختصار مانع ہے۔ لہٰذا اسی خود نوشت سوانح سے کچھ اساتذہ اور ان سے پڑھی ہوئی کتابوں کے نام پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس سے اس عہد کا نصابِ تعلیم اور اعلیٰ درجے کے علماء کا دائرہ اطلاعات معلوم ہوگا۔

اساتذہ: • ملا شاہ محمد سے بسم اللہ پھر آخری درس۔ • آٹھ سال کی عمر میں قاری ملک حسین سے تجوید و فن قرأت میں تلمذ کیا۔ • ملا ابو طالب (والد) سے شرح جامی، شرح نظام، تہذیب، شرح ایساغوجی، شرح شمسیہ، شرح مطالع الانوار، شرح ہدایۃ الحکمہ، حکمۃ العین، تلخیص المعانی، مطول، المغنی، جعفریہ، مختصر النافع، الارشاد شرائع الاسلام، معالم الاصول، من لا یحضرہ الفقیہ، تفسیر صافی اور سفر لاہیجان میں شرح تجرید پڑھی۔ زبدۃ الاصول اور تشریح الافلاک کا درس لیا۔ • عارف کامل شیخ خلیل اللہ طالقانی سے روحانی تربیت حاصل کی۔ کمسنی کے دن تھے، شیخ ہر روز ایک کاغذ پر ایک نکتہ اور مسئلہ لکھ کر دیتے اور اس کا مطلب بتاتے تھے۔ تین سال ان کی صحبت میں رہ کر تزکیہ و کمال عرفان کا درجہ حاصل کیا۔ شیخ خلیل شاعر بھی تھے اور شاعر نواز بھی۔ محمد علی کو حزیں تخلص انھیں نے عطا کیا۔

عارف کامل شیخ بہاؤالدین گیلانی شاگرد میر قوام سے احیاء العلوم و رسائل اصطرلاب۔ شرح چغمنی

والد کا حکم تھا کہ کتب اخلاق پڑھو۔ نو عمری میں اخلاق و صحبت اولیا اور کثرت مطالعہ نے محنت کا عادی کر دیا، شب بیداری و نوافل نے دل کی جوت جگا دی۔ پڑھنا، پڑھانا، مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں زندگی بسر ہونے لگی۔ خوشحال گھر نے کسی کا دست نگر نہ ہونے دیا۔

• مجتہد الزماں آقا ہادی بن ملا صالح مازندرانی سے تہذیب الاحکام کا درس خارج لیا، استدلال و حدیث و رجال پر عبور حاصل کر کے درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔

• عم محترم سے خلاصۃ الحساب۔ کمال الدین فسوی سے تفسیر بیضاوی۔ جمع الجوامع طبرسی، امور عامۂ شرح تجرید۔ • مولانا حاجی محمد طاہر محدث و فقیہ سے الاستبصار، شرح لمعہ دمشقیہ۔ • قدوۃ الحکما شیخ عنایت اللہ گیلانی سے منطق تجرید و کتب شیخ الرئیس۔ • امیر حسن طالقانی سے فصوص الحکم ابن عربی و شرح ہیاکل النور۔

• حکیم مسیحا سے طب پڑھی۔ • فاضل محقق میرزا محمد طاہر بن میرزا ابوالحسن قائنی سے ریاضی و حکمت۔

• ملا محمد شیرازی سے اصول کافی کا سماع۔ • شیخ الاسلام محمد مسیح مسیحا فسوی (م ۱۱۲۷ھ) سے طبیعات شفا۔ الہیات شرح اشارات۔ حواشی قدیمہ و جدیدہ۔ • مولانا لطف اللہ شیرازی شاگرد ملا محمد محسن فیض سے الوافی اور مباحث رجال و درایت و حدیث پڑھ کر اجازہ مفصل لیا۔ • مولانا العارف محمد باقر صوفی سے تلویحات، اور قانون۔ • مولانا عبدالکریم اردکانی سے نجوم۔ • عارف ربانی شیخ سلام اللہ شولستانی شیرازی سے تجرد و قطع تعلقات کے آداب سیکھے۔ • محی الحکمت محمد صادق اردستانی اصفہانی سے فلسفہ وغیرہ کی مشہور و غیر مشہور کتابیں پڑھیں۔ یہ سلسلہ ۱۱۳۴ھ تک جاری رہا۔ اسی سال موصوف نے رحلت کی۔

اسلامی علوم و ریاضت باطن کے بعد عیسائی و یہودی و مجوسی افکار کے لیے مختلف افاضل سے ملے۔

• سینٹ آوگس سے انجیل و شرح انجیل و عقائد و اعمال کا علم حاصل کر کے اسلامی عقائد کی برتری بتائی۔

• شعیب ربی سے توریت پڑھی اس کا ترجمہ لکھوایا۔ یہ شخص تمیز و فکر سے بیگانہ تھا، بات نہ سنتا تھا۔

• دستور مجوسی سے شیراز کے اطراف میں زردشتی مذہب سے باخبری لی۔ • رستم مجوسی سے کتب مجوس و نجوم و تقویم، ہیئات و رمل و اصول رصد۔ • حویزہ میں صابئیہ کے افکار و عقائد کا مطالعہ کیا۔

• طویل طویل سفر کیے۔ جن میں لاہیجان، گیلان، قم، مشہد، شیراز، قزوین، بیضا، اردکان، فسا، گازرون، شولستان، جہرم، یزد، لار، بندر عباس، عمان، مسقط، بحرین، بندر کنگ، حجاز، بغداد، کاظمین، کربلا، نجف، سامرہ، یمن، مخا، لحسا، بصرہ، کوفہ، ہمدان، ٹھٹھہ، ملتان، لاہور، دہلی، عظیم آباد، آگرہ، بنارس قابل ذکر ہیں۔

مشاہیر جن سے شیخ نے ملاقات کی :- آیۃ اللہ آقا حسین خوانساری ۔ مولانا الحاج ابو طالب ابن ابو تراب ،

شیخ الاسلام علامہ محمد باقر مجلسی، عمدۃ الاعلام میرزا علاء الدین محمد گلستانہ، شیخ الاسلام شیخ جعفر قاضی کرہ کی علامہ شیخ علی ۔ مسیح الزمان اخوند مسیحا کاشانی ۔ مولانا الحاج ابو تراب ۔ مولانا رضی الدین ابن آقا حسین خوانساری مولانا شمس الدین ابن فاضل مجتہد محمد سعید گیلانی ۔ فاضل محقق میرزا حسن ابن عبد الرزاق لاہجی، سید العلماء میر ابراہیم قزوینی ۔ سید الافاضل قوام الدین محمد قزوینی ۔ حجۃ الاسلام جمال الدین (فرزند اکبر آقا حسین خوانساری) متوفی ۱۱۲۵ھ ۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد گیلانی سراب ۔ شیخ محمد امین شیرازی ۔ مولانا محمد علی سکاکی تلمیذ مولانا شاہ محمد داخوند مسیحا فسائی ۔ شیخ الاسلام میرزا مہدی نسابہ ۔ میرزا ابو طالب شوشتانی ۔ صدر الدین سید علی خان مدنی ۔ شیخ الاسلام شیخ محمد بحرینی ۔ نجف و کربلا میں ۔ مولانا ابو الحسن اصفہانی ۔ مولانا نور الدھر گیلانی ۔ شیخ یونس ۔ سید قاسم نجفی ۔

نو عمری میں درجہ اجتہاد حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی، اس پر طرہ متنوع علوم کا شوق شاعری، عرفان اور علوم فلسفہ و حکمت، مطالعہ و محنت، ریاضت و تصنیف و تالیف نے کمزور کر دیا تھا۔ ایک دن گھوڑے پر سوار تفریح کو نکلے گھوڑے سے گرے اور دائیں ہاتھ کی ہڈی چکنا چور ہو گئی۔ سال بھر تک دکھ میں مبتلا رہے اسی عالم میں ہزار بیت کی مثنوی بائیں ہاتھ سے لکھ ڈالی۔ کچھ عرصے کے بعد وجع مفاصل نے بٹھا دیا، شفا ملی تو سیر و گردش کو نکل کھڑے ہوئے۔ نیت تھی حج کی مگر راستے میں لٹ گئے۔ والدین کے حکم سے اصفہان آ گئے۔ پھر پڑھنا پڑھانا شروع کر دیا۔

۱۱۲۷ھ میں والد اور ۱۱۲۹ھ میں والدہ نے رحلت کی۔ اب گھر میں رہنا مشکل ہو گیا۔ شیراز چلے گئے۔ ادھر چچا نے انتقال کیا اور گیلان کی زمین کچھ تو بزرگوں کی موت سے کچھ روس کے حملوں سے غتر بود ہو گئی۔

حزیں تیس برس سے زیادہ کے جوان تھے، گھر کا سکھ دیکھ چکے تھے۔ ریاضت نے توکل و استغنا سے آراستہ کر دیا تھا۔ شادی کی نہ تھی۔ کچھ ایسا عالم ہوا کہ ترک دنیا کی ٹھان لی۔ ملک میں افراتفری تھی۔ افغانوں نے تخت ایران کو تاک لیا اور اصفہان کو دشمن کی نظر کھا گئی۔ پورا ایران شعلوں کی لپیٹ میں آگیا۔

۱۱۳۴ھ میں محمود نے شہر پر حملہ کر دیا، حزیں تین ماہ تک خانہ نشین رہے۔ نانی، دونوں بھائی بھی رخصت ہو گئے۔ گھر لٹ گیا۔ تو حزیں بھیس بدل کر نکلے۔ خوانسار سے خرم آباد آئے۔ بیماری و پریشان حالی کے باوجود طلبہ نے گھیر لیا تو تفسیر بیضاوی، اصول کافی و شرح اشارات جیسے اعلیٰ درجہ کا درس جاری کر دیا اور دو سال تک پڑھاتے رہے۔

اتنے میں ترکوں نے حملہ کر دیا اور ایران ایک اور زلزلے سے دوچار ہو گیا۔ ان ہنگاموں میں صفویوں کی حکومت

ختم ہوگئی۔ امرا، اکابر، علما، اولیا اور دوست عزیز سب مارے گئے۔ خرم آباد دشمن کی زد میں آگیا۔ حزیں نے ہمدان کا رُخ کیا۔ راستہ میں رومیوں نے گرفتار کرلیا، ممکن چوٹیں کھاکے بچ نکلے ہمدان پہنچے تو شہر کشتوں سے پٹا پڑا تھا۔ وہاں سے نہاوند سے ہیپر خرم لوٹے وہ خالی تھا لہذا دزفول آئے وہاں سے شوستر میں نورالدین بن نعمت اللہ جزائری سے ملاقات ہوئی مگر قیام نہ کرسکے۔ حویزہ اور حویزے سے بصرے اور بصرے سے حج کے لیے کشتی پر بیٹھ کر آگے چلے مگر وہاں طوفان اور بے سروسامانی نے رخنہ ڈالا۔ یمن کی بندرگاہ مخا میں اترے پھر صحت کے لیے اچھی آب و ہوا کی فکر میں صنعا میں رہے۔ لیکن دوبارہ حویزہ و شوستر و خرم آباد آنا پڑا۔ وہاں چند خادموں کے ساتھ اترے ہی تھے کہ رومی آگئے۔ حزیں ان کی فوج کے ساتھ کرمان شاہ پہنچے، یہاں دو تین رسالے لکھے۔ پھر نوی، سرکان اور کوہ الوند کی راہ سے بغداد و کربلا و نجف حاضر ہو کر تین سال گذارے نجف میں سکون ملا، ایک قرآن مجید لکھ کر روضۂ علویہ کی نذر کیا۔ مطالعہ و درس و استفادہ کا موقعہ تھا۔ دل کھول کے مطالعہ کیا۔ کاظمین و سامرہ و بغداد سے نجف آرہے تھے کہ مشہد جانے کی نیت ہوگئی، مگر راستے خطرناک لہذا کرمان اور کردستان، آذربائیجان، اردبیل و گیلان واستار پہنچے وہاں کی دنیا بدل چکی تھی، طاعون سے گھبرا کر مازندران سے استرآباد وہاں سے مشہد مقدس میں حاضری دی۔ شاہ طہماسپ وہاں پناہ گزیں تھے۔ انھیں خبر ہوئی تو مولانا حزیں سے ملنے آئے۔ حزیں کو مشہد میں دوبارہ سکون ملا، انھوں نے ملاقاتوں کے بجائے تصنیف و تالیف کو مشغلہ بنایا۔

صفر ۱۱۴۲ھ کو بادشاہ نے حزیں کو طلب کیا اور حزیں بادشاہی لشکر کے ساتھ چلے، سبزوار پہنچ کر حزیں کو بخار آیا اور دامغان میں طبیعت بگڑ گئی لہذا دس دن وہاں قیام کیا، پھر مازندران میں دو ماہ بستر پر گذرے۔ اتنے میں طلبا نے گھیر لیا۔ اصول کافی و من لا یحضرہ الفقیہ والہیات شفا و شرح تجرید کا درس دینے لگے — اس کے بعد درس کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔

حزیں مازندران سے تہران اور تہران سے اصفہان آئے۔ یہاں بادشاہ سے ملے۔ اصفہان سے شیراز، لار و بندر عباس پہنچے اور حجاز کے لیے انگریزی جہاز لیا، سورت سے جدہ اور وہاں سے حج کی سعادت سے مشرف ہو کر محرم ۱۱۴۵ھ میں لحسا کے حاجیوں کے ساتھ خشکی کی راہ سمندر اور سمندر سے بحرین و بندر عباس پہنچ کر ایران کے حالات سنے۔ نادر شاہ فتح یاب ہو چکا تھا۔ قرض اور ضعف سے نجات حاصل کرنے کے لیے دو ماہ بندر عباس میں قیام کیا۔ اس کے بعد اصفہان کے ارادے سے لار تک پہنچے، وہاں فوج نے لوٹ مچا رکھی تھی۔ حزیں نے نجف کا ارادہ کیا، وہ ادھر اُدھر دوڑے مگر جہاں گئے راہِ عراق نہ ملی۔ آخر بندر عباس سے سندھ کا ارادہ کیا۔ انگریزی جہاز والوں سے بات کی انگریزوں کو خبر ہوئی کہ مولانا علی حزیں سندھ جانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے یہاں کے حالات بتائے اور مشورہ دیا کہ یورپ چلے جائیں، مگر وہ فیصلہ کر چکے تھے۔ جہاز روانہ ہوا اور حزیں یکم شوال ۱۱۴۶ھ، ۲۴ فروری ۱۷۳۴ء

کو ٹھٹھہ پہنچ گئے۔

ٹھٹھہ پہنچ کر حزیں کسی سے ملنا نہ چاہتے تھے مگر ایرانی تاجروں کو جو مخدوم شاہانِ صفویہ اور عالمِ اصفہان کی خبر ملی تو ٹوٹ پڑے۔ بہر حال دو ماہ قیام کیا، وہاں سے خدا آباد آئے، سات ماہ یہاں بیماری کے عالم میں گذارے اس کے بعد بھکر و ملتان میں ٹھہرے۔ کچھ رسالے تصنیف کیے۔

ملتان میں سیلاب اور اس کے بعد وبا پھیلی تو مولانا بھی زد میں آگئے۔ غموں سے نڈھال، یہاں کے حالات اور وطن کی یاد میں پریشان نہ کوئی نوکر نہ ساتھی، مجبوراً لاہور کا راستہ لیا، تین ماہ میں رو بصحت ہوئے تو دہلی کا سفر شروع کیا دہلی میں ایک سال رہ کر ہمت جوان ہوئی اور مشہد کے لیے کمربستہ ہو کر لاہور جو آئے تو نادر شاہ کے حملے اور راستوں کے خطرے معلوم ہوئے۔ مجبوراً لاہور سے سرہند آئے اور وہاں ایک دستہ مسلح سپاہیوں کا تیار کر کے بحفاظت دہلی واپس پہنچے۔ ۹ ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ کو نادر نے دہلی فتح کر لیا۔ اس کے بعد قتلِ عام ہوا۔ اور ۷ صفر ۱۱۵۲ھ کو نادر واپس ہوا۔

۱۱۵۴ھ میں بقول حزیں ان کی عمر ۵۲ سال تھی، وہ دنیا سے دل برداشتہ ہو چکے تھے۔ دہلی میں ساڑھے تین سال گذرے تھے کہ انھوں نے تذکرۃ الاحوال کو تمام کیا۔ خوش قسمتی سے یہاں شاہ نعمت اللہ ولی کے خاندان کا ایک رئیس امیر خان انجام، ہفت ہزاری منصب رکھتا تھا، صفوی خاندان سے قرابت اور مولانا حزیں کے بزرگوں کی عزت سے باخبر تھا۔ اس نے محمد شاہ سے سفارش کر کے دو لاکھ روپے کی جاگیر دلوادی۔ لیکن ۲۲ ذی حجہ ۱۱۵۹ھ/۲۵ دسمبر ۱۷۴۶ء کو عمدۃ الملک نواب امیر خاں انجام دہلی میں قتل کر دیئے گئے۔ حزیں کے لیے یہ واقعہ روح فرسا تھا۔ مگر نواب برہان الملک اور صفدر خاں اور شجاع الدولہ ان کی عزت و حرمت جانتے تھے، اسی کے ساتھ اہلِ دہلی مولانا، حزیں کی نازک مزاجی اور یہاں کے علما و شعرا سے ان کی بے رخی بلکہ ان پر نقد و نظر سے برافروختگی نے انھیں دہلی چھوڑنے اور حج و زیارات پر جانے کے لیے تیار کر دیا۔ ۱۱۶۱ھ میں وہ آگرے ہوتے ہوئے عازمِ بنگالہ ہوئے لیکن عظیم آباد سے واپس آنے پر مجبور ہو گئے، نواب اودھ اور قدر دانانِ عظیم آباد نے ان سے درخواست کی یا مرض دمنعت مانعِ سفر ہوا؟ تاریخ میں تفصیل نہیں ملتی۔ والہ داغستانی اور لطف علی بیگ آذر ان کے ایرانی دوست تھے۔ دونوں اسی گردش کا شکار ہوئے۔ والہ تو انھیں سندھ لانے اور دہلی میں غم بٹانے کا باعث بھی ہوئے۔ ان دونوں کی ملاقات کرماں میں ہوئی تھی۔ حملۂ نادری میں حزیں کا قیام والہ کے یہاں تھا۔ اور علی قلی خان والہ دہلی میں پنجہزاری منصبدار تھے۔ حزیں لاہور میں نواب زکریا خان کی دشمنی کا نشانہ بنے تو حسن قلی خان کاشی سفیر دہلی اُڑے آئے اور حزیں کو اپنے ساتھ دہلی واپس لائے۔ بھکر میں میر غلام علی آزاد بلگرامی سے ملاقات ہو چکی تھی۔ اس بنا پر حزیں کی شخصیت کا چرچا عام ہوا، لاہور و دہلی میں ان کے خلاف جو پارٹی بندی ہوئی، شیعہ امرا و علما اس سے باخبر ہوں گے۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ معززین نے ان کی پذیرائی و اظہارِ عقیدت میں کسر نہ اٹھا رکھی ہوگی۔

حزیں کا تقدس اور دنیا سے بے تعلقی، گوشہ نشینی اور ہنگاموں سے بیزاری کی خواہش یوں پوری ہوسکتی تھی کہ وہ دہلی، آگرہ اور لکھنو کے بجائے بنارس میں منزل کریں۔ اس وقت شجاع الدولہ اور راجہ بنارس سے معاہدہ ہو رہا تھا۔ وہاں ایرانی و ترک امرا کی چشمک اور شیعہ سنی جھگڑے بھی نہ تھے۔ بنارس میں شہر سے باہر ایک شاندار مکان باغ اور فاطمان نام کا حسینیہ بنوایا اور وہاں خوشحالی و فارغ البالی سے رہنے لگے۔

حاکم لاہور، بندرا بن خوش گو اور شاہ عالم بادشاہ و نواب شجاع الدولہ ان سے ملنے بنارس گئے، گویا حزیں بنارس میں مرکز عقیدت بن گئے۔ اور بنارس علم و معرفت، شیعہ عقائد و اعمال کی تبلیغ سے منور ہوگیا۔

میر محمد حسین فیض آبادی ایک مرد مقدس بھی حزیں کی طرح ایک جہانگرد بزرگ تھے۔ انھیں حزیں سے ارادت ہوگئی اور ان کی خدمت میں رہنے لگے۔

حزیں نے بنارس میں درس تو جاری نہیں کیا مگر ان کی علمیت اور ذوق، شاعری اور پرہیزگاری نے لوگوں کو کھینچا، مختلف مذاہب میں تبلیغ کا جذبہ اور علما سے علمی مباحثے کا شوق ضرور رنگ لایا ہوگا، لوگ سوال کرتے ہوں گے اور مسائل پر بحث رہتی ہوگی۔ شاعر کلام دکھلاتے اور ارادتمند زیارت کے لیے حاضری دیتے۔ وہ خالی اوقات میں لکھتے پڑھتے اور عبادت میں مصروف رہتے۔ میر شیر علی قانع کے بقول "بصیام دوام، وقیام لیالی و ایام علی الدوام اہتمام تمام بکار داشتہ، بغایت موفق و مرتاض می زیست" (مقالات الشعرا) بندرا بن داس خوش گو بنارس میں حاضر ہوئے۔ ان کے تاثرات یہ تھے "چند شعر بخدمت ایشاں فرستادہ استدعای ملازمت نمود، طلب فرمودند، چوں بہ سعادت حضور رسید فرشتہ دید بآب و گل رحمت سرشتہ و عشق الٰہی سراپایش یکدل درد آلود آفریدہ، خیلی مرد بزرگ دردمند گداختہ از خود رمیدہ بنظر آمدہ" (سفینۂ خوش گو)

وفات: ۱۱ جمادی الاولی ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء کو رحلت کی اور اپنی بنوائی ہوئی قبر میں محو آرام ہوئے۔ لوح قبر اپنے سامنے لکھوا رکھی تھی جس پر یہ تحریر ہے:

اللہ ـ محسن ـ قد اتاک المسیٔ ـ العبد الراجی رحمۃ ربہ الغفور محمد المدعو بعلی ابن ابی طالب الجیلانی"۔

روشن شد از وصال تو شبہای تار ما
صبح قیامت است چراغ مزار ما

اور قبر کے پہلو میں یہ مصرع ہیں:

زباں دان محبت بودہ ام دیگر نمی دانم	ہمی دانم کہ گوش از دوست پیغامی شنید این جا
حزیں از پای رہ پیمائی بسی سرگشتگی دیدم	سر شوریدہ بر بالین آسایش رسید این جا

بھگوان داس ہندی زیارت کو حاضر ہوئے تو مذکورہ بالا پہلا شعر چراغ داں پر کندہ لکھا اور قدم رسول کے پائیں چبوترہ قبر کی جگہ دیکھی۔ اس موقع پر دو باتیں اور عرض کر دوں۔ • نقش مہر انگشتری حزیں تھا: "علی ابن ابی طالب" فاطمان ایک مدت سے شیعی مراسم عزا کا مرکز ہے۔ محرم کے جلوس وہاں جاتے ہیں اور ہندو، سنی اور شیعہ سب زیارت مزار کو آتے ہیں۔ مولانا محمد سجاد صاحب نے مدرسۂ جوادیہ قائم کر کے حزیں کی شمع کو فروزاں کیا۔

شاگرد : حزیں کے شاگرد مخلص سید محمد حسین، حسین فیض آبادی نے ۱۲۰۵ھ میں رحلت کی۔ (روز روشن ص ۱۷۸)

- دوسرے شاگرد میر اولاد علی زائر، آل کمونہ، اودھ کے کسی ضلع کے رہنے والے تھے۔ حزیں سے بعض علوم اور میر محمد عسکری سے طب پڑھی (سفینۂ ہندی) • خان علامہ تفضل حسین خان۔

تصانیف : • شیخ علی سادہ بیان، بلیغ الکلام اور نفیس اسلوب نگارش رکھتے تھے۔ ان کا قلم شیریں تھا۔ زود نویسی اور متنوع مطالعے کے ساتھ ساتھ، ذہنی یکسوئی جو پڑھا ہے اسے محفوظ رکھنے کے شوق کا نتیجہ وہ سینکڑوں کتابیں، حاشیے اور رسالے ہیں جو حزیں نے سفر و حضر، جنگ اور مرض کے دوران لکھے۔ حیرت یہ ہے کہ ان کے فرزندانِ قلم کے ضائع ہونے سے انھیں ذہنی جھٹکا نہیں لگا، وہ لکھتے رہے اور ان کا حافظہ ان کا ساتھ دیتا رہا، وہ بیک وقت مفسر و محدث، فقیہ و متکلم بھی ہیں اور عارف و حکیم، مہندس و منجم بھی، تاریخ و رجال و درایت پر کام کرتے اور حیوان شناسی، گیاہ شناسی، رمل و جفر پر بھی کتابیں لکھتے ہیں۔ چار دیوان، متعدد مثنویاں لکھیں، کچھ کلام، کلیات و دیوان کے نام سے الگ الگ چھپا ہے۔ تذکرۃ المعاصرین اور خود نوشت سوانح بھی شائع ہو چکی ہے۔ لیکن سینکڑوں، کتابیں اور رسالے تو کیا خود فہرست تصانیف بھی نایاب ہے۔ مؤلف نجوم السماء کو مصنف کی لکھی ہوئی فہرست مل گئی تھی جو نجوم السماء میں چھپی ہے۔ اس میں مندرج دس بیس کتابیں دنیا کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ہم اس، فہرست سے تفسیر و حدیث و علوم دین پر کچھ کتابوں کی درجہ بندی کر کے دوسرے رسائل و تصانیف کو اسی فہرست کی ترتیب کے مطابق نقل کر رہے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جائے گا کہ شیخ علی حزیں نے علوم اسلامی پر کس قدر کام کیا اور تقریباً پینتیس سال کے قیام دہلی و بنارس میں ان کے ثقافتی اثرات کیا مرتب ہوئے ہوں گے۔ یہ کتابیں عموماً عربی و فارسی میں ہیں۔ • کتاب فضائل القرآن۔ • تجرید القرآن۔ • الناسخ والمنسوخ۔ • خواص بعض السور والآیات (نجف میں لکھی)۔ • شجرۃ الطور، شرح آیۃ النور (تالیف در مشہد)۔ • رسالۃ الاسنی فی تحقیق قولہ تعالیٰ "ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی۔ • تفسیر سورۃ ھل اتیٰ۔ • کتاب معنی الصمد و سورۃ التوحید • تفسیر سورۃ الحشر۔ • شرح عیون اخبار الرضا۔ • ترجمہ نوادر محمد بن ابی عمیر و ذکر سیرہ واحوالہ۔ • ھشام بن الحکم و مناظراتہ۔ • سبب الاختلاف فی الاخبار و بیان طریق جمعہا۔ • کتاب الفضائل فی احیاء السنن۔ • اصول المنطق: شرح بعض خطبات حضرت علیؑ (فارسی)

• رسالة فی تدوین بعض ما کتبه الی الاصحاب دعائم الدین • حصر ضروریات الدین
• رسالة الحسن والقبح العقلیین • الرد علی التناسخیه عربی • ابطال تناسخ (فارسی)
معرفة الباری وما یتعلق به • بشارات النبوة بحوالۂ توریت وانجیل وصحیفۂ یوشع
(فارسی) • ابطال الجبر والتفویض • سیف الله المسلول علی اعداء الرسولؐ • الاغاثه
فی الامامة (مکمل میں تالیف) • وجوب النص علی الامام • الامامة والبحث
فی شرائطه • رسالة فی بیان خوارق العادات والمعجزات والکرامات • الرد
علی النصاری فی القول بالاقانیم • الحکم واحکام المیاه • رسالة فی
جواب مسئلة الوضو • رسالة فی معرفة القبله • رساله فی تحقیق صلوٰة الجمعة
• رسالة فی الکسوف والخسوف • النوافل اللیلیه • احکام الشک والسهو
فی الصلوٰة • مناسک الحج (سفر حج میں) • کتاب الزکوٰة • کتاب الصید
والذبائح وخواص بعض الحیوان • المواریث • شرح مصباح الشریعة
• کتاب الوصیة • کشف الغطا فی تحقیق الغنا • المعیار فی الاوزان الشرعیة
• انیس الفواد فی حقیقة الاجتهاد • الرمح المصقول علی اکثر قواعد الاصول
• کشف التلبیس فی هدم اساس ابلیس (قیاس کی رد) • رسالة فی تحقیق بعض
المسائل التی اشتهر الخلاف فیها بین الامة المحمدیه • الادعیة والادویة
• مایعمل فی لیلة الجمعه • آداب دعوات الاسماء والاذکار • مختصر الدعوات
والزیارات • شرح دعاء عرفه • ترجمه دعاء مشلول • ترجمه دعاء صباح • ترجمۂ
دعاء علوی مصری • الذخر والسعادة فی العبادت • الدعوات الصالحات واسماء الله الحسنیٰ
• روائح الجنان • کنز المرام • مدة العمر • الرموز الکشفیه • خلاصة المنطق
• الفصح • التوجیه لقول قدماء الفهرس فی المبدء • شرح رسالة الشیخ شهاب الدین
یحیی المقتول • اللباب فی الحساب • جوامع الآداب • کتاب النصره • کتاب
الانساب • التعلیقات فی الطبیعی والالهی • المراصد فی الرائج والکاسد
کتاب الفوائد..... • جلاء الاذهان فی علم المساحة • نجح الطلب فی استخراج ضلع
المکعب ومشکلات الهندسة • کد القلم حل شبهة جذر الاصم • التعلیقات علی
شرح المقاصد • الصراط السوی فی غوایة البغوی • خلق الاعمال • اللمع فی

انہاق البدع ۔ • تحقیق الرؤیا واصول التعبیر ۔ • التعلیقات علی مبحث الفلکیات (شفا)
• التعلیقات علی امور العامۃ من شرح التجرید ۔ • التعلیقات علی کتاب المطارحات
للشیخ المقتول ۔ • التعلیقات علی نصوص الفارابی ۔ • التعلیقات علی نجاۃ الشیخ الرئیس
• التعلیقات علی مقامات العارفین من شرح الاشارات ۔ • التعلیقات علی غوامض
المجسطی ۔ • التعلیقات علی تلویحات للشیخ المقتول ۔ • التعلیقات علی تذکرۃ ابن الرشید
• شرح رسالۃ حکیم عیسیٰ بن زرعۃ ۔ • لوامع المشرقۃ فی تحقیق الواحد والوحدۃ ۔
• جوامع الکلم ۔ • مدارج العلیہ ۔ • شرح قصیدتی المدونۃ دونوں قصیدے سید حسین
آل صخر کو لکھنے سے پہلے اور پھر لکھا آن کران کی شرح لکھی ۔ • الدیباج فی ابانۃ اغلاط الزجاج
• ھدایۃ الامم فی الحدوث والقدم ۔ کتاب النیہ ؛ ۔ الجوابات عن مسائل سأل
عنھا الشیخ احمد بن محمد الصیمری العمانی ۔ • الجوابات عن مسائل الطبریۃ ۔
• کتاب الجواب الی السید نصر اللہ الحائری فی مواضع من کلام ابن العربی ۔ • کتاب
خلق الاعمال ۔ • کتاب تحقیق الازل والابد والسرمد ۔ • کتاب الطول والعرض ۔ کتاب
العین فی شرح القصیدۃ العینیۃ للسید الحمیری ۔ • الفصول البلیغہ ۔ • مختصر البدیع والعروض
والقوافی ۔ • کتاب فتح الابواب ۔ المشاھد العلیۃ ۔ • کتاب حیاۃ الاخوان ۔ • بھجۃ
الاقران ۔ معراج النفس ۔ راح الارواح ۔ • المقلہ فی بیان النقطہ ۔ نوادر العرب واخبارہم
اخبار ابو الطیب المتنبی احمد بن الحسین بن عبد الصمد الجعفی الکوفی و ذکر لبعض
اشعارہ ۔ • اخبار الصاحب الجلیل اسماعیل بن عباد و ذکر ما وصل الی من قصولہ ونوادر
اشعارہ ۔ • کتاب نوادر ابی الحسن مہیار الکاتب الدیلمی و ذکر لبعض غرر
اشعارہ ۔ • اخبار ابی تمام الطائی حبیب بن اوس ولبعض اشعارہ ۔ • اخبار الشیخ
صفی الدین الحلی ونوادر اشعارہ • اخبار المحقق الطوسی ۔ • اخبار جدی السعید
الشیخ ابراھیم زاھد الجیلانی ۔ • ماجری بہ القلم ۔ • معرفۃ النفس وتجردھا (فارسی)
تالیف کرمان شاہان ۔ • رسالہ در حدوث وقدم ۔ • فتح السبل ۔ • مقالات لبعض
مشائخ ۔ • نسب تالیفیہ ۔ • فوائد الطب ۔ • الحلبات ؛ ۔ • دستور العقلا در آداب
ملوک وامرا ، حکمت عملی تالیف ۱۱۵۳ھ ۔ شرح قصیدہ جیمیہ فارضیہ ۔ • معرفت
الاجسام وتناھیھا ۔ • جام جم در موالید وکائنات جو ۔ • خواص مجربہ ۔ • علاجات

غریبہ۔ • شرح مطلع الانوار (ہیئت)۔ • شرح بعض فصول افلاطون الٰہی۔ • المواشد السماریہ، شاید؟ ذیل فہرست کیمبرج، شمارہ ۱۲۸۰ پر اسی کتاب کا نام موائد الاسماء فقہ، فارسی، صفحات، ۲۲۰، بتایا گیا ہے۔ • جمع بین الحکمت والشریعت۔ • ترجمۂ رسالہ صفیہ فی علم الاصطرلاب از شیخ بہائی با توضیحات وافادات۔ • ترجمہ منطق تجریہ

• ترجمۂ کتاب اقلیدس باضافہ وتوضیح۔ • رسالہ در سیرت متعلمین۔ • رسالہ در تضعیف شطرنج۔ • حل بعض اشعار خاقانی۔ • مناظرات ومحاضرات (بلاغت)۔ • اداب عزلت وخلوت۔ • آداب معاشرت۔ • معرفت تقویم واحکام نجوم۔ • کتاب جر اثقال۔

• تعریف در حصر انواع قسمت۔ • حیات وممات، در عمل وذم بی عملی۔ • کتاب المعادن

• معرفت لآلی۔ • فلذۃ الاکباد۔ شیخ رئیس کے شاگرد ابوعبداللہ معصومی کے رسالۃ العشق کا فارسی خلاصہ مع اضافہ مطالب۔ التحلیہ والتخلیہ۔ • التالیف بین الناس۔ • فضل عزلت

• تذکرۃ المعاصرین (تالیف ۱۱۶۵ھ) طبع شد۔ • مکیال العلوم؟ • ریاض الحکمت

• مواعظ حکما۔ • تقسیم اسماء ومعانی آنہا۔

• شرح رسالہ والد، در بحث حرکت۔ • شرح رسالہ والد در عمل مسبع ومتسع در دائرہ اب ج۔ • شرح رسالۂ والد، در بحث قول ارسطو لم صارما المطر خفیفا۔ • ترجمہ رسالہ والد در بیان قل الروح من امر ربی۔ ترجمۂ رسالہ والد در تحقیق ما ھو الحق در مسئلہ علم۔ ترجمہ رسالہ والد در تحقیق عرفت ربی بفسخ العزائم وحل عقود۔ • کتاب المواھب فی لیلۃ الرغائب، فرنیس کا جملہ ہے: "الخیرات منہا ماھی شریفۃ ومنہا ماھی ممدوحۃ ومنہا ماھی بالقوہ کذالک..." یہ رسالہ ایک رات میں مکمل ہوا۔ • کتاب الفرق بین اللمس والمس وما یتعلق بہ ومایتعلق علیہ

• شرح رسالۂ ابو یوسف یعقوب کندی در تحقیق نفس۔ • کتاب المفصل فی اعقل وتوکل

• رسالہ فی دلالۃ فعل المضارع المثبت ونقل اقوال وحمایت قول ابی حیان۔ • جواب از سوال اربعۃ المتناسبہ۔ • رسالۃ در ذکر احوال فاضل عارف افضل الدین کاشانی وبعض مکاتیب وفوائد مختصرہ۔ • جواب نامہ ھای خراسان۔ • جواب مسائل از جیلان۔ • جواب نامۂ از قسطنطنیہ۔ • رسالہ تذکیہ نفس بنا بر قول ارسطو وقول افلاطن۔ • رسالہ در بیان قوتِ قدسیہ وامکان نفوس قدسیہ در نوع انسانی بنا بر قول مشائیں وتجویز کشف والہام بنا بر قول اشراقیین وصوفیہ۔ • رسالہ در فرق ما بین علم ومعرفت۔ • رسالہ اصول

اخلاق ۔ رسالہ تجدد امثال ۔ • رسالہ در بحث مسلک شیخ سہروردی در رویت ۔ • رسالہ در شرح قصیدہ لامیہ مصنف ۔ • رسالہ در اقسام مصدقین بسعادت اخرویہ ۔ (نجوم السماء)

• تذکرۃ الاحوال (تالیف ۱۱۵۴ھ دھلی، چاپ شد) ۔ • سفینہ علی حزین (چاپ ۱۹۴۳ء دکن) حملہ ھای ایران بر ھند (تالیف در حسین آباد ۱۱۷۰ھ) ۔ • چار دیوان ، کلیات چاپ ھند ۔ دیوان چہارم بخط علی قلی والہ و تصحیح حزین چاپ کراچی ۔

حسن، سید باخدا :

۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء
۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء

کھجوہ ضلع سارن صوبہ بہار ہند شیعوں کا علم دوست علاقہ ہے، نوابین عظیم آباد در ریاست مرشد آباد، نیز سادات کے قدیم گھرانے مدتوں سے شیعہ چلے آرہے ہیں۔ ان میں علوم دین کی روایت بھی پرانی ہے۔ لکھنؤ کی علمی مرکزیت قائم ہوئی تو بہار کے علما و طلبا نے سمت سفر بدلی۔ وہ لکھنؤ آئے اور یہاں سے سند فضیلت لے کر دور دور تک پھیل گئے۔ کھجوے کے زمیں دار گھرانوں میں سے ایک بزرگ تھے۔ سید علی حسین ان کے گھر سید حسن نامی فرزند کی ولادت ہوئی۔ تاریخ پیدائش ہے ۶ جمادی الثانیہ ۱۲۵۶ھ کمسنی میں یتیم ہوگئے والدہ اور جد بزرگوار نے پالا پوسا۔ ہوش سنبھالا تو پاک نفسی و عبادت دوستی کی وجہ سے "باخدا" نام پڑ گیا۔ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا محمد تقی صاحب اتالیق نواب سید ناصر حسین خان صاحب سے میزان منشعب سے قواعد احمدیہ تک پڑھا تھا کہ مولانا کان پور چلے گئے۔ سید باخدا، گھر سے دو کوس روزانہ سفر کرتے اور ایک استاد سے سبق لیتے تھے۔

۱۲۷۵ھ سے پہلے آپ کی شادی ہوئی، ۱۲۷۷ھ میں علی اظہر صاحب کی ولادت ہوئی، فرزند کی پیدائش کے تین سال بعد مولانا حسن باخدا صاحب لکھنؤ کے دار العلوم میں حاضر ہوئے۔ جناب ممتاز العلما سید تقی صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ وہاں مولانا سید احمد علی صاحب قبلہ سے تعارف ہوا۔ مولانا نے بڑی شفقت و محبت کا اظہار فرمایا، فرزند کی طرح رکھا۔ قطبی، صدرا، شمس بازغہ احمد علی صاحب سے پڑھیں۔ تفسیر و حدیث و فقہ و اصول جناب ممتاز العلما سے اور علم کلام جناب فردوس مآب مولانا حامد حسین صاحب سے پڑھا۔

۱۲۸۰ سے ۱۲۸۴ھ تک تن دہی سے دورۂ درس مکمل کیا، ۱۲۸۴ھ میں اہلیہ کی خبر علالت سن کر وطن چلے گئے۔ ڈیڑھ سال بعد دوبارہ لکھنؤ آئے اور ایسے معزز طالب علم قرار پائے کہ جناب ممتاز العلما اور فردوس مآب آپ کی قیام گاہ آتے تھے۔ تحصیل علم مکمل کرکے اجازات لے کر وطن پلٹے، جائداد کا انتظام اور تبلیغ کے اہتمام میں مشغول ہوئے۔

۱۲۹۵ھ میں حج، ۱۲۹۷ھ میں زیارات عراق و ایران سے مشرف ہوئے۔
۱۳۰۲ھ میں لکھنؤ آن کر کچھ عرصہ علمی مذاکرات کیے۔ اس سفر میں ان کا خاص کام "عبقات الانوار" کا مسودہ و مآخذ سے مقابلہ تھا۔
مولانا حسن، باخدا، پرہیزگار، قائم اللیل، صائم النہار عالم تھے۔ بر مخصوص دن روزہ رکھتے، رجب، شعبان، رمضان صوم سے رہتے۔ تمام مسنونات و نوافل ادا کرتے۔ دو بجے رات سے طلوع صبح تک مسجد میں رہنا، لوگوں کو نماز شب کا شوق دلانا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ خوف خدا اور حقوق بندگان خدا کا لحاظ تھا۔
امر معروف، نہی عن المنکر میں کسی کی پروا نہ کرتے تھے۔ زہد و قناعت، ایثار و مہمان نوازی میں ضرب المثل تھے۔
علم دین کے عاشق اور تبلیغ مذہب کے شیدائی تھے۔ رئیس ہونے کے باوجود اولاد کو ایسی تربیت دی کہ آج تک دینی خدمت کا سلسلہ جاری ہے۔ (دیکھیے احوال مولانا علی اظہر و علی حیدر)
ساٹھ سال کی عمر تھی، ضعف و امراض بڑھتے گئے۔
مولوی سید غلام صادق صاحب (چچازاد بھائی اور شاگرد) کی روایت ہے کہ میں نے خواب دیکھا، آفتاب میں پورا گہن لگا ہوا ہے اور مولانا باخدا نماز پڑھ رہے ہیں۔
مولانا کے فرزند علی اظہر صاحب نے خواب دیکھا کہ مولانا کے حکم سے سورۃ الحجرات پڑھ رہا ہوں کہ دفعتہً سورہ ہاتھ سے غائب ہو گیا۔
جوں جوں قرآن مجید کی ورق گردانی کرتا ہوں، اجزا غائب ہوتے جاتے ہیں۔
حالات ایسے تھے کہ سب مولانا کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔
ایک روز مولانا نے بیٹے سے کہا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ اس کے بعد بے ہوش ہو گئے۔ یہ نماز صبح و ظہرین و مغربین قضا ہوئی کہ ہوش نہ آیا۔ عالم احتضار میں دفعتاً گوشۂ ردا کو اٹھایا اور کہا:
"آیئے سیدہ آیئے"
۱۲ رجب ۱۳۱۶ھ کو وفات پائی۔
"شمس العلم لقد انکسفت" سے تاریخ نکلی۔
آثار: امام باڑہ، کتب خانہ اور خواتین کی مجلسیں اور مجلس خوانی خواتین۔
تعمیر مساجد و حسینیہ
اولاد: • مولانا سید علی اظہر صاحب۔ فخر الحکما (بے بہا: ص ۱۳۷)

حسن ابن زین العابدین :

حدود ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء

الشیخ حسن حسینی بخاری ابن سید زین العابدین ابن سید راجو راجن پور ملتان کے عارف باخبر اور عالم معتبر بالفاظ حضرت شہید ثالث نوراللہ شوشتری " خلیق ترین سلالہ و خزین اعتقاد تعصب خود آجوالہ مبلغ دین متین، مروّج شریعت خاتم المرسلین ملتان و سندھ کے مرجع و زعیم سید حسن نقوی بخاری عہد اکبر کے علما میں تھے (ان کے دادا سید راجو شاہ کا حال " ز " میں دیکھیے) یہ لوگ بلا تقیہ زندگی گزارتے رہے اور کھلم کھلا مذہب امامیہ کی خدمت کو شرف سمجھا کیے۔ مجالس المومنین سے معلوم ہوا کہ جب قاضی نوراللہ الشہید لاہور میں قاضی تھے۔ اس وقت سید حسن ان سے خط و کتابت کرتے اور سوالات کے جواب منگواتے رہے۔ ان میں سے ایک سوال نامہ نواحی سندو سوئی پور سے لاہور بھیجا اور جناب قاضی نے اس کا جواب مجالس المومنین میں بایں الفاظ محفوظ کر دیا ہے :

" سوال اول آں کہ بچہ دلیل مذہب شیعہ اثنا عشری مذہب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام است ؛

جواب : آں ست کہ ہم چناں کہ علمای شافعی را مذہب شافعی ثابت می شود و بنقل اصحاب حنفی اعتقاد می کنیم کہ مذہب حنفی آنست کہ ایشاں می گویند و ہم چنیں بنقل اصحاب جعفر علیہ السلام و مجتہدان و علمای شیعہ اثنا عشریہ ثابت می شود کہ مذہبی کہ دارند مذہب امام جعفر است ؑ۔ و آں کہ اہل سنت و جماعت مذہب امام جعفر ؑ را ندانستہ باشند یا گویند کہ نمی دانیم کہ مذہب شیعہ اثنی عشریہ مذہب امام جعفر ؑ است مضری بمذہب شیعہ نمی رساند۔ ہم چنانکہ حنفی مذہبان مذہب شافعی را نمی دانند و ندانستن ایشاں خللے در مذہب نمی رسانند و ہم چنیں برعکس۔

و ایضاً، ملا سعد الدین تفتازانی کہ از اکابر علمای اہل سنت و جماعت است و در حاشیہ مختصر اصول عضدی اختلافی کہ در جواز بیع امہات اولاد و عدم آں در میان صحابہ واقع شدہ اعتراف بآں نمودہ کہ مذہب شیعہ مذہب امیرالمؤمنین علی علیہ السلام است، زیرا کہ در مقام دلیل بر آنکہ مذہب حضرت امیر جواز بیع است، گفتہ کہ قول بجواز را شیعیان از او نقل نمودہ اند و مذہب ایشان ست و ایشاں مذہب آنحضرت را بہتر می دانند۔ اینست حاصل کلام مولانای مذکور پس آنکہ بعضی از اہل سنت و جماعت گویند کہ : ما نمی دانیم کہ مذہب شیعہ اثنی عشریہ مذہب حضرت امیرالمومنین علیہ السلام است محض مکابرہ و عناد خواہد بود۔

سوال دوم : اہل سنت و جماعت نیز دعوی می کنند کہ مذہب ما نیز مذہب امام جعفر علیہ السلام

است، چرا که ابوحنیفه شاگرد امام جعفرؑ بوده، پس این اختلاف از کجاست؟

جواب آن است، که علمای اهل سنت وجماعت این دعوی می کنند ولهذا در بعضی از کتاب های خود نوشته اند که ابوالحسن اشعری درفلان سال مروج مذهب اهل سنت وجماعت بوده وحضرت امام علی بن موسی الرضاؑ درفلان سال مروج مذهب شیعه عشریه بوده وظاهر است که مذهب شیعه غیر مذهب اهل سنت وجماعت است، پس چگونه مذهب اهل سنت مذهب علی بن موسی الرضاؑ وجد او امام جعفرؑ باشد؟ واگر چنین بودی بایستی که بگویند که درفلان سال علیؑ بن موسیؑ الرضا نیز مروج مذهب اهل سنت وجماعت بوده۔

الغرض این که مذهب اهل سنت وجماعت مذهب امام جعفرؑ باشد سخنی است که از روی جهل برزبان جاہلان اهل سنت جاری شده، آنها که از حقیقت مذهب خبری دارند این نمی گویند۔ وپوشیده نماند که کسی که شاگرد شخصی باشد لازم نمی آید که مذهب آن شخص داشته باشد، نمی بینی که ابوحنیفه شاگرد مالک نیز بوده ومذهب علیحده دارد وهم چنین احمد حنبل شاگرد شافعی بوده ومذهبی دیگر دارد و ابوالحسن اشعری شاگرد ابوعلی جبائی معتزلی بود ومذهبی دیگر دارد ونظیر این بسیار است۔

وایضا شاگردی ابوحنیفه نسبت بحضرت امام جعفر علیه السلام این قدر بوده که از آنحضرت بعضی از احادیث شنیده وچون آنحضرت او را ازم ر۔۔ ان می دانسته از او تقیه می نموده اظهار مذهب حق باو نمی نمود واو را مکرر درباب عمل بقیاس تشنیع کرده والزام نموده واز آن برنگردیده وتفصیل روی که آنحضرت دراین باب با ابوحنیفه نموده اند درکتاب "حیوة الحیوان" که تصنیف یکی از علمای اهل سنت وجماعت است مذکور است۔

سوال سیم آن که در مذهب شیعه مجتهد هست یا نیست؟ اگر هست پس مذهب مذهب مجتهد است، نه مذهب امام جعفرؑ ومجتهد گاه برصواب است وگاه برخطا، ومذهبی که احتمال خطا داشته باشد صواب نخواهد بود۔

جواب آنست که مجتهدان در مذهب شیعهٔ اثنا عشریه بسیارند، لیکن از این لازم نمی آید که مذهب مذهب مجتهد باشد بلکه اصل مذهب منسوب با امام است والیشان فهم واستعداد خود دران مذهب اجتهادی کنند هم چنانکه اهل سنت نیز مذهب خود را بیکی از شافعی وابوحنیفه ومالک واحمد ابن حنبل منسوب می سازند والیشان را امام ومجتهد بالمذهب می گویند۔ ومجتهدان درمذهب ایشان را مانند مزنی وابویوسف قاضی ومحمد بن الحسن الشیبانی را مجتهد فی المذهب می گویند ونسبت مذهب بایشان نمی دهند واگر چنین بودی که بایستی که اصول مذهب اهل سنت منحصر در چهار نبودی بلکه متجاوز از چهار هزار بودی وازین جا ظاهر شد که لازم نمی آید از آن که مجتهدان شیعه در فهمیدن کلام امام خود گاهی خطائی کنند آنکه اصل مذهب امام ایشان خطا داشته باشد وحال آنکه در علم

کلام برهان بر عصمت ایشان ثابت نشده و ظاهر است که در مذهب معصوم و افعال و اقوال او خطائی باشد بخلاف مذهب چهار امام اہل سنت که هر یک از آن چهار امام را با دیگری مخالفت تمام و در ابطال مذهب او صاحب اہتمام است.

و هم چنین جمعی کثیر از اصحاب از ایشان که در آن چهار مذهب اجتهادات کرده اند و با ائمه خود مخالفت ها نیز نموده اند و طریق ابطال فتاوای ایشان را پیموده اند تا آنکه الحال در بسیاری از مسائل بقول اصحاب ایشان فتوی می دهند و فتوای امام مذهب را اعتباری نمی نهند و معهذا خطای مجتهدان مذهب شیعه که همیشه علم را از مشکاة نبوت و ولایت اخذ کرده اند و اجماعات ایشان بحضور امام انتظام یافته و بنائی کار بر نصوص مفیده علم و یقین و آثار منقوله از فتاوای عاد قین نهاده اند و در مرتبه خطائی ائمه اہل سنت و مجتهدان ایشان است که مبنای احکام و اقوال بر مجرد اجتماع و اجماع از جهال و اعمال قیاس و استحسان و ظن و تخمین مستنبط از اخبار موضوعه زمان و امثال ایشان نهاده اند ولهذا در جائی که مجتهدان مذهب شیعه در فهمیدن کلام خدا و پیغمبر و امام علیهم السلام با هم مخالفت کنند چنانکه مثلا نزد یکی سلام در نماز مستحب است و دیگری گوید که واجبست بیقین می دانیم که مذهب امام بحسب ظاهر از این دو بیرون نیست و نحن نحکم بالظاهر والله یتولی السرائر. بخلاف آنکه دیگری گوید که سلام نه واجب است و نه مستحب و این معنی را اصلا از سخن امام فهم نتوان کرد، بلکه کلام امام صریح در خلاف آن باشد که این هنگام بیقین می دانیم که خطاست و اکثر مخالفتها که ابوحنیفه و شافعی و امثال ایشان با علمای شیعه نموده اند ازین قبیل است که مبنای آن بر قیاس و استحسان و مانند آنست و کلام ائمه و احادیث ایشان بر خلاف آن دلالت صریح دارد و از سخنان ایشان آن چه ایشان مذهب ساخته اند اصلا فهم نمی شود، پس بیقین خطا باشد.

سوال چهارم: آنکه شیعه بچه دلیل می گویند که مذهب ما حق است و مذهب دیگران باطل است؟

جواب: دلیل آنست که بعد از آنکه مقرر شد که مذهب شیعه اثنا عشریه مذهب اہل بیت و عترت پیغمبر است و در کتب شیعه بدلیل عقلی و نقلی ثابت شده که ائمه اہل بیت طاهر و معصوم اند از خطا، پس ثابت می شود که مذهب ایشان حق است. زیرا که مذهب معصوم است و معصوم بر حق است. و این نیز ظاهر است که حضرت پیغمبر بموجب حدیث انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی، کتاب الله و عترتی اهلبیتی. امت خود را بمتابعت کتاب خدا و عترت خود که بمعانی آن عالمند وصیت نموده و هیچ دلیل عقلی و نقلی نیست که ما را متابعت ابوحنیفه یا مالک یا شافعی یا حنبل جائز باشد. پس شیعه که تمسک بعترت پیغمبر نموده اند از ضلالت دور باشند و فرقه حقه ناجیه ایشان باشند و حدیث مذکور در کتب حدیث اہلسنت مذکور است و صحت آن پیش ایشان مقرر و مشهور.

سوال پنجم آنکہ ہر یک از ائمۂ اثنا عشر را مذہب علیحدہ بودہ یا ہمۂ ایشاں یک مذہب داشتہ اند چرا آنرا بحضرت امام جعفرؑ نسبت می دہند و بمذہب آں حضرت اشتہار یافتہ؟

جواب آنست کہ مذہب ایشاں ہمہ یکی ست اما چوں بعضی از ائمۂ معصومین کہ در زمان بنی امیہ بودند بواسطۂ اشتغال بقتال اہل بغی و ضلال و بعضی بسبب خوف اعدا مجال نیافتند و نتوانستند کہ تفصیل مذہب خود را آشکارا بمردم تعلیم نمایند و معظم وقایع و حوادث مکلفان را بیان فرمایند۔ بلکہ بیان بعضی از کلیات مسائل و قلیلی از جزئیات آں ایشاں را میسر شد، لاجرم آں مذہب بنام ایشاں مشہور نشد و چوں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام در زمان خلفای عباسی بود و آں قدر خوف کہ از بنی امیہ داشتند از ایشاں نداشتند بلکہ قدمای عباسیاں در باطن ہم شیعہ بودند لاجرم آنحضرت آشکارا تعلیم و ارشاد مردم می نمودند، و احادیث بر مردم می خواندند و تفاصیل احکام حوادث مکلفان را اصحاب ایشاں ضبط می کردند بنا بریں مذہب شیعہ بنام شریف ایشاں نسبت یافت۔ و در تواریخ مذکور است کہ در کوفہ و بغداد راویان حدیث آں حضرت زیادہ از ہفتاد ہزار بودہ اند (مجالس المومنین طبع طہران ۱۲۷۵ھ ۱ص ۳۵)

یہ خط ~~طویل ہے~~ لیکن میں نے مکتوب الیہ کی شخصیت اور شیخ حسن بخاری کے روابط کو واضح کرنے کے لیے نقل کیا ہے۔ اس خط سے ان حالات اور کوششوں پر بھی روشنی پڑتی ہے جو شیعہ علما کو دینی تبلیغ کے معاملات میں پیش آتے تھے۔ شیخ حسن نے پاکستان میں لوگوں کو مذہب محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی طرف دعوت دی اس سلسلے میں انھوں نے کیا لکھا اور کس کس شیعہ عالم سے ان کا تعلق تھا؟ اس کا جواب سردست ممکن نہیں۔ شاید راجن پور کے کسی بزرگ کے پاس کوئی ذخیرہ مدد دے سکے۔ (دیکھیے، راجو بن حامد)

حسن ابن دلدار علی لکھنوی

۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۱ء
۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

۱۲ ذی قعدہ ۱۲۰۵ھ کو جناب مولانا دلدار علی صاحب قبلہ کے تیسرے فرزند پیدا ہوئے، اس وقت لکھنؤ میں جناب غفران مآب کا آفتاب اقبال بلند ہو رہا تھا، فرزند کی تربیت و تعلیم کے لیے اچھے اچھے استاد حاضر خدمت تھے۔ ابجد خوانی کے بعد مقدمات و درس نظامی کا آغاز ہوا۔ ذہانت اور محنت کی بدولت تھوڑے دنوں میں برادر بزرگوار اور والد نامدار کے درس میں حاضر ہونے لگے اور چند دن بعد جناب غفران مآب کے تلامذہ میں شہرت پا گئے۔

جناب سید العلما مولانا سید حسین صاحب علیین مکان نے جناب سید حسن صاحب کی انیس[۱۹] سال کی عمر میں قابلیت کا تذکرہ ان الفاظ میں لکھا ہے:

"جناب سید حسن موصوف کثیر الحیا، عظیم العنا و جمیل البہا بود در ابتدائے حال بسبب قلت کلام و شدت

استحیای کرداشت جودت بیان ازاں جناب ظاہر نمی شد. مگر آنکہ مرا باآں جناب در بعض مسائل علم کلام اتفاق مباحثہ افتاد و آں جناب تحریر یا اشکال دراں چہ مبحث اثبات ذات واجب از استدلال تعلق دارد ابتداء فرمود و سن شریفش دراں وقت بہ نوزدہ سال رسیدہ بود. پس آں جناب کلامی وافی در غایت متانت و فصاحت بیانی تحریر نمود، بہ نحویکہ ازاں علوشان آں جناب برمن ظاہر شد و من جوابش بہ تحریر آوردم و آں چہ لغزش در کلام آں جناب بخاطرم رسید نوشتہ برآں جناب عرض نمودم (ودیعۃ الانبیاء ص ۴۸)

جناب غفران مآب اور سلطان العلماء سے سند تکمیل سے سرفراز ہوئے۔

نوجوانی کا زمانہ، حیا اور زہد کا عالم تھا گڑدی ایسے کہ جھری جڑ کی جس کا وزن تین من سے زیادہ ہوگا تنہا اٹھا کر حرم میں ڈال دی۔ مگر مسلسل ریاضت کی بنا پر بہت کمزور ہو گئے تھے۔

طہارت باطنی، عرفان و تقوی، زہد و تواضع میں ضرب المثل تھے۔ عموماً روزے رکھتے، رات رات بھر جاگ کر عبادت کرتے، نوافل و زیارت امام حسین علیہ السلام ترک نہ کرتے تھے۔ عارف کامل اور متقی و محبوب خدا تھے۔

جناب بحر العلوم سے روایت ہے کہ ایک روز جناب سلطان العلماء گھر سے یہ فیصلہ کر کے صبح سویرے نکلے کہ آج کسی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ دیکھا کہ جناب سید حسن نماز پڑھا رہے ہیں، سلطان العلماء بھی نیت کر کے کھڑے ہو گئے۔ بعد نماز جناب سید حسن مصلے سے اٹھے اور بڑے بھائی سے معذرت کی۔ جناب سلطان العلماء نے فرمایا "الحمد للہ، آج نماز حسن اختیار کر کے ماجور ہوا"۔

تذکرۃ العلماء کے مصنف نے ایک خواب دیکھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں نے خیال کیا کہ جناب سید حسن کی جماعت میں، اتنے میں دیکھا، کوئی بزرگ برابر فرماتے جاتے ہیں "الحسن ؑ فی الجنان والحسین ؑ فی الجنان" خواب سے بیدار ہوا اور خیال کیا کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا فضول ہے۔

۱۱ر شوال ۱۲۶۰ھ کو رحلت فرمائی۔ کہتے ہیں کہ جنازے میں علما، صلحا، رؤسا، شہزادگاں غمگین و اشک ریز ساتھ تھے، لکھنؤ کے دونوں بزرگ عالم، مولانا سید محمد صاحب قبلہ سلطان العلماء اور مولانا سید حسین صاحب سید العلماء سید محمد جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ نے اس واقعے کی منظر کشی کی ہے۔

گویا کہ خامہ صور سرافیل می دھد	یا شور محشر است کہ راہ سخن گرفت
یا رب چہ شیون است کہ در عالم اوفتاد	فریاد از غمی کہ دل مرد و زن گرفت
سید حسن، کہ سید عباد عصر بود	برخاست از جہان و جناں را وطن گرفت
گردون دوں شکست بباز و دیں رساند	گر مختہ بر دارد گل زیں چمن گرفت

ہر کس کہ یافت نکہت خلق حسن ازو | دیگر ز نام نافہ مشک ختن گرفت
پر نور بود شب ز قیام و تہجدش | تزو ز فلک سیاہ کہ شمع از لگن گرفت
در مسجد شریعت کہ خالی ست جائی او | محراب و طاق صورت بیت الحزن گرفت
چوں نعش پاک او ز سر کوچہ ہا گذشت | ہر کس کہ دید بر سر و صورت زدن گرفت
سیلاب خوں ز دیدہ زدند اہل چشمہا | روئے تمام رنگ عقیق یمن گرفت

سید تبر از تجال رقم کرد سال فوت

زہد و ورع عزائے جناب حسن گرفت (۱۲۶۰ھ)

بہت بڑے مجمع کے ساتھ نماز جنازہ کے بعد غفران مآب کے امام باڑے میں محو خواب ہوئے۔

تصانیف: مولانا سید حسن صاحب قبلہ اس غیر معمولی زہد کے باوجود تصنیف و تالیف میں بھی منہمک رہے۔ ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

- باقیات الصالحات (اردو، اصول دین)۔ • احکام اموات۔
- رسالہ در فن قرأت (اردو، مطبوعہ)۔ • تذکرۃ الشیوخ والشبان (وعظ و اخلاق)
- رسالہ فی کتابۃ انشاء اللہ (عربی)۔ • حواشی تحریر اقلیدس۔

اولاد: • سید حسن مثنیٰ • سید مہدی • ایک دختر

(• نجوم السماء، ص ۴۰۵۔ • تجلی بہا ۱۲۲۔ • نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۱۳۰۔ • درشریۃ الانبیاء، ص ۲۶)

حسن، جزائری:

حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۱۲ء

سید حسن موسوی جزائری عالم و فاضل فقیہ و ادیب تھے۔ حیدرآباد دکن میں قیام رہا۔

حسن بن علی ابن شدقم، مدنی

۹۴۲ھ / ۱۵۲۵ء
۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء

سید حسن بن علی بن حسن بن علی بن شدقم حسینی مدنی ۹۴۲ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد مختلف علما سے تلمذ کیا۔ خصوصیت سے علامہ شیخ حسین عاملی والد شیخ بہائی اور علامہ شیخ نعمت اللہ بن احمد بن خاتون عاملی سے سند روایت و فضیلت حاصل کی۔ نظام الدین سید احمد مدنی شیرازی سے گہرے روابط تھے۔

حیدرآباد دکن میں عرب شیعہ علما کا ایک خوبصورت گلدستہ بن گیا تھا۔ سید حسن اس کے گل صدر رنگ تھے۔ میرا خیال ہے کہ علامہ حسن بن علی نے ہندوستان میں فن حدیث پر بنیادی کام کیا اور وہ برصغیر کے عظیم محدث تھے، تفسیر و فقہ و عقائد کے علاوہ ادب میں بھی بڑا پایہ تھا۔ امیر نظام الدین مدنی سے گہرے تعلقات

جناب نواب صاحب : جناب نواب جعفر علی خان رئیس شمس آباد ضلع فرخ آباد
(موصوف نے اکثر علما کی تاریخ وفات فارسی میں نظم کی ہیں)
سلطان العلما یا رضوان مآب : جناب مولانا سید محمد صاحب قبلہ

ممتاز العلما یا جنت مآب : مولانا سید محمد تقی صاحب
علامۂ ہندی : مولانا سید احمد صاحب
ملاذ العلما : جناب سید بچھن صاحب (ابوالحسن)
جناب مرحوم : جناب سید ابو صاحب (جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب)
خلاصۃ العلما : جناب سید مرتضیٰ بن سلطان العلما
زبدۃ العلما : سید تقی صاحب
نجم العلما : جناب سید نجم الحسن صاحب
شمس العلما : جناب مولوی سید عباس حسین صاحب
جناب شیخ صاحب : جناب شیخ زین العابدین مازندرانی کربلائی و علامۂ هروی
حافظ صاحب : جناب حافظ انور علی صاحب و حافظ کفایت حسین
حاجی شیخ حسین صاحب : جناب شیخ محمد حسین مازندرانی حائری
سرکار میرزا : جناب مرزا محمد حسین شیرازیؒ
محقق ہندی : جناب سید محمد حسین صاحب لکھنوی محدث
جناب فردوس مآب : جناب سید حامد حسین صاحب عبقات
سید المحدثین : جناب سید علی صاحب محدث
سید علامہ : جناب سید مرتضیٰ صاحب کشمیری
علامۂ کنتوری : جناب غلام الحسنین صاحبؒ
شریف العلما : جناب شریف حسین خان صاحبؒ
حائری صاحب : جناب سید علی حائری لاہوریؒ
مفسر حجۃ الاسلام : جناب سید ابوالقاسم صاحب قبلہ
تاج العلما : جناب سید علی محمد صاحبؒ

مسافر چیخ رہے تھے، پرہیزگار توبہ کر رہے تھے لوگ دعا کر رہے تھے۔ آپ تسبیح خاکِ شفا پڑھ رہے تھے کہ سامنے سے ایک جہاز نمودار ہوا۔ دونوں جہاز یکجا ہوئے، مولانا اور اہلیہ بھی نئے جہاز میں پہنچے ہی تھے کہ پہلا جہاز تہ نشین ہو گیا۔ سب ساز و سامان ڈوب گیا۔ مولانا کلکتہ پہنچے تو حاجی کربلائی نامی تاجر نے اپنی ایک دن کی کل آمدنی قبلہ و کعبہ کے حضور میں پیش کر دی۔

سفر ہی کے واقعات میں یہ قصہ بھی عجیب ہے کہ حاجی مکارم سمندر سے پانی لینے گیا اور غائب ہو گیا، چھٹے روز لوگوں نے دیکھا کہ جہاز کی زنجیر میں لٹکا چلا آ رہا ہے، جہاز میں اٹھا کر رکھا تو صرف سانس آ رہی تھی، علاج کے بعد خدا نے رحم کیا اور مکارم ٹھیک ہو گیا۔

۲۵ سال بعد وطن گئے تو آپ کے فرزند محمد حسین انتقال کر چکے تھے۔ لکھنؤ میں ان کا قیام بڑی وضعداری و سادگی سے رہا، نواب مبارک محل صاحب نے مولانا کی اہلیہ کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور خود مولانا کو ایک سو ساٹھ روپے ماہانہ حاضر کرتی تھیں۔

مولانا کا گھر ایرانیوں کا مہمان خانہ تھا، آپ انھیں مہمان بھی رکھتے اور کچھ نہ کچھ ہدیہ بھی دیتے تھے۔ ہر مہینے کی نوچندی اور محرم کی دسویں تک مجلسیں کرتے اور ایرانی واعظ وعظ کہتے تھے۔ مجلس کا خرچ دس روپے ہوتا تھا۔

ایک سال محرم کا ہلال دیکھ لیا، ہاتھ خالی تھا، دعائے ہلال پڑھ کر مغرب کی نماز پھر تعقیب و دعا میں مصروف تھے کہ ایک صاحب آئے اور ایک تھیلی پیش کی وہ صاحب چلے گئے تو تھیلی کھولی، ایک سو روپے یعنی دس مجلسوں کا خرچ تھا۔ شکرِ خدا بجا لائے اور حسبِ دستور مجلسیں کیں۔

حاضر جوابی و بذلہ سنجی، ادب اور مزاح میں سے دو لطیفے مولانا محمد حسین صاحب مرحوم نے نقل کیے ہیں۔

لستگڑھی: ایک مرتبہ جناب سلطان العلماؒ نے باتوں باتوں میں فرمایا: آپ لنگڑی سیادت پر کیا نازاں ہیں؟ مولانا نے برجستہ کہا۔ جھوٹی تو نہیں!

۱۸۵۷ء میں ہزاروں آدمیوں نے لکھنؤ سے ہجرت کی، جناب سلطان العلماؒ بھی نصیرآباد (ضلع بریلی) تشریف لے گئے، آپ کے گھر میں صدر دروازے پر شہد کی مکھیوں کا چھتہ تھا، گورے جو اندر آئے تو مکھیاں ان سے لپٹ گئیں، امن و امان بحال ہوا اور قبلہ و کعبہ لکھنؤ آئے تو مولانا سے ایک ملاقات میں یہ واقعہ بیان فرمایا، مولانا نے فرمایا: اب ثابت ہوا کہ آپ امیر النحل کے پوتے ہیں۔ منیر شکوہ آبادی نے سلطان العلما کی غیبت اور امدادِ غیبی کے سلسلے میں یہ شعر لکھا تھا (مندرج در قطعۂ تاریخ وفات سلطان العلما)

اَنکہ بہرِ حفظِ جانش آمد اندر قتلِ عام … لشکرِ زنبور از حکمِ خداوندِ قدیر

۱۸۵۷ء کے بعد حالات کچھ بدل گئے۔ میر عطا حسین ابن ذوالفقار ناصر علی خان ساکن کھجوہ (جن کا لکھنؤ

میں ایک امام باڑہ، مسجد اور معقول وقف ہے) نے اپنی قیام گاہ کان پور میں بلایا اور مولانا لکھنؤ سے جانے لگے تو سلطان العلما ملنے اور رخصت کرنے آئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا، افسوس آپ نے بھی لکھنؤ چھوڑا۔

جناب سلطان العلما شرعی فیصلوں میں گاہے گاہے آپ سے بھی مشورہ لیتے اور اپنا قوت بازو سمجھتے تھے مولانا کان پور چلے گئے جہاں ۱۲۷۹ھ میں کسی نے زہر دے دیا۔ آپ کی اہلیہ لکھنؤ میں رہتی تھیں اور اور آپ کا گھر ایرانی مہمانوں کے لیے حسب دستور مہمان خانہ تھا۔

تصانیف: خوش خط بے مثال تھے ایرانی خط بہت نفیس تھا۔ ایک قرآن مجید بڑے اہتمام سے لکھا تھا۔ اور بھی کتابیں نقل کی تھیں۔ خود ان کی کتابوں میں ایک سفر نامہ تھا اور تمام تصانیف ضائع ہو گئے۔ (بے بہا ۹)

حسن عسکری:

حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

مولانا سید حسن عسکری صاحب جگیہان جون پور (ہند) کے رہنے والے عالم و فاضل متقی و عابد امام جمعہ جماعت تھے۔ مدرسۃ محمڈن کالج علی گڑھ میں عربی کے استاد تھے۔ بعض اخبارات ۱۹۰۱ء میں ان کا تذکرہ دیکھا تھا۔

حسن علی بن ملا صالح مازندرانی:

حدود ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء

ملا صالح مازندرانی (متوفی ۱۰۸۱ھ) کے فرزند جناب علامہ حسن علی اوائل شباب میں برصغیر آئے اور یہاں بڑی عزت و اقتدار کے مالک ہوئے۔ لوگ فاضل لبیب و عالم و ادیب کہتے تھے۔ حسن علی خان کے نام سے شہرت پائی۔ ان کے ایک فرزند مرزا علی اشرف اصفہان میں رہے باقی اولاد برصغیر میں رہی۔

ملا حسن علی چھ بھائی تھے اور سب جید عالم

- فاضل مقدس علامہ آقا محمد ہادی مترجم قرآن مجید اور۔ • فاضل مقدس عزیز، آقا نور الدین
- محمد سعید۔ • فاضل عارف آقا حسن علی۔ • فاضل مقدس صالح آقا عبد الباقی۔ • عالم مقدس آقا محمد حسین رحمہم اللہ (بے بہا بحوالہ رجہان نما، ص ۱۲۱)

حسن علی، حاجی:

بعد ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۷ء

عالم و فاضل، محدث و فقیہ، مرزا مولانا حسن علی صاحب لکھنؤ کے نامور اخباری بزرگ تھے۔

۱۲۶۱ھ سے پہلے حج و زیارات کا سفر کیا اور علما و افاضل عرب و عجم سے مستفید ہوئے، موصوف شیخ گھاسی کے باغ وزیر گنج لکھنؤ میں رہتے تھے اور نواب جعفر حسین خاں ابن نواب کلب علی خان ابن نواب سعادت علی خان

سے روابط تھے۔ اخباریت میں راسخ تھے۔ اخباری حضرات کے لیے متعدد کتابیں لکھیں۔
موصوف اردو و فارسی کے شاعر تھے اور جعفری تخلص تھا۔

تصانیف: • **تحفۃ العوام:** اردو میں متوسط درجے کی کتاب اعمال و فرائض جو ۱۲۶۰ھ کے لگ بھگ شائع ہوئی اور بے حد مقبول ہوئی۔ موجودہ تحفۃ العوام جو برصغیر میں متداول ہے۔ اس تحفۃ العوام سے بالکل مختلف ہے۔ • **احکام الائمہ:** اوراد و وظائف و اخلاق و مواعظ پر مشتمل یہ کتاب ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۷ء میں بہت نفیس کتابت و طباعت سے شائع ہوئی۔ • **تحفۂ جعفری:** ایک طویل مثنوی اردو جس میں فضائل و اخلاق و حکایات نظم ہیں، ۱۲۶۲ھ کا مطبوعہ نسخہ اور احکام الائمہ کا پہلا ایڈیشن میرے کتب خانے میں موجود ہے۔

حسن علی، میر لنڈنی:

۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء

(دیکھیے نزہتہ الخواطر)

حسن علی، وقار:

حدود ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء
حدود ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء

جناب سید حسن علی زمیں منڈیاہو جون پور، کو میں نے ۱۹۴۴ء کے حدود میں دیکھا۔ ان دنوں میں کتب خانہ سرکار ناصر الملت میں دن گزارا کرتا تھا، ~~مولانا غیاث الحسن صاحب وغیرہ کا کرتا دھرتا کا ملاقات احباب کا مرکز تھا~~ اسی کتب خانے میں وقار صاحب آیا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ پڑھے لکھے بزرگ ہیں۔ سرکار ناصر الملت سے روابط تھے۔ مولوی عبدالاول جون پوری کی تالیف مناقب معاویہ کا جواب تاریخ معاویہ اور متعدد کتابیں لکھیں۔ ــــــــ وقار صاحب نے ۱۹۴۵ء کے بعد رحلت کی۔

حسن مرزا، لکھنوی:

حدود ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء
حدود ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء

مولانا حسن مرزا صاحب خاندانِ علماء و صلحا سے تعلق رکھتے تھے۔ جوانی میں دستور لکھنو کے مطابق فنونِ سپہ گری سیکھے تھے، فنِ پہلوانی و تیراکی میں استاد مانے جاتے تھے۔ لیکن عبادت و زہد، درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ دنیاداری سے دور تھے، چونکہ مدت سے لکھنؤ سے باہر رہے اس لیے گمنام رہ گئے۔
لکھنؤ میں پیدا ہوئے، مفتی گنج میں رہے، معاصر اساتذہ سے تحصیلِ علم کی۔ خلاصۃ العلما سید مرتضیٰ اور

مولانا حامد حسین فردوس مآب اور جناب مفتی محمد عباس صاحب رضوان اللہ علیہم سے خاص تلمذ رہا۔

جناب سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب قبلہ نے نواب محمد علی خان صاحب رئیس شیخ پور ضلع مونگیر کی درخواست پر مولانا حسن مرزا صاحب کو بھیج دیا۔ نواب صاحب نے رئیسانہ اہتمام سے مولانا کو رکھا اور مولانا کی سیرت و کردار، تبلیغ و رشد و ہدایت نے ایک دنیا کو شیفتہ بنالیا، نواب محمد علی خان حسین آباد سے ایک کوس کا سفر کرکے شرکت جماعت سے خوش ہوتے تھے۔

پینتیس سال تک مولانا حسن مرزا صاحب جمعہ و جماعت، وعظ و ارشاد کے فرائض انجام دے کر وطن واپس آئے اور ستر برس کے قریب عمر پاکر مرحوم ہوئے۔

فرزند: • شاہ مرزا صاحب (بے بہا، ص ۱۴۲)

حسنو میاں حیدر آبادی

حدود ۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ء
۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

مولانا حسین علی خان عرف حسنو میاں، عالم و فاضل تھے۔ آپ کے اساتذہ میں معقولات کے استاد عبدالصمد خان قندھاری اور منقولات کے استاد مولانا محمد علی صاحب قبلہ تھے۔

مولانا حسنو میاں حیدر آباد دکن میں فلسفی یا معقولی کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ حیدر آباد کے اکثر افاضل آپ کے شاگرد تھے۔

تقریباً ایک سو بارہ سال کی عمر پاکر ماہ ذی حجہ ۱۳۲۹ھ میں رحلت کی۔

نواب جعفر علی خان کا قطعۂ تاریخ ہے:

مومن کامل، محب بادشاہ انس و جان — مسکنش در ہند بودہ، حیدر آباد دکن
رفت زینجا مولوی فلسفی حسنو میاں — در مہ ذی حجہ آی وا، حیدر آبادی بخواں

(۱۳۲۹ھ) (دفتر تاریخ حصہ ۲، ص ۷۰)

تلامذہ: مولانا آغا محمد علی مداح جعفری پسر آغا معصوم رشتی، مولود ۱۶ ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ فاضل و شاعر و مدرس، مؤلف رسالہ افضل الصرف • صراطِ مستقیم • ایقاظ الغافلین (طبع شدہ)

مولانا مرزا صادق علی بیگ مدرس ملازم نواب اقبال الدولہ بہادر بمشاہرہ چار صد ماہانہ (بے بہا ص: ۱۴۲)

حسن، عظیم آبادی:

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

مولانا الحاج میرزا حسن عظیم آبادی فاضل وفقیہ و عابد و زاہد خوش اخلاق تھے۔ جناب سید العلما مولانا سید حسین صاحب اور معاصر اساتذہ تھے کسب فیض کے بعد حج و زیارات سے مشرف ہوئے، پھر کربلائے معلیٰ میں مجاورت کرلی۔ ان دنوں شیخ احمد احسائی و سید کاظم رشتی سے متاثر ہوگئے۔ ۱۲۵۲ھ کے آخر میں لکھنو آئے تو کشف الظلام و ترجمۂ حیوۃ النفس کے ساتھ ساتھ تبلیغ بھی شروع کی جناب سید العلماء نے افادات حسینیہ میں اس کے جواب لکھے۔ علما لکھنو کی مزاحمت سے گھبرا کر ۱۲۶۰ھ میں عزم سفر عتبات عالیات سے الہ آباد پہنچے اور وہیں ۱۷ رمضان ۱۲۶۰ھ کو وفات پائی۔

تصانیف: • رسالہ در صلوٰۃ جمعہ • رسالۂ صوم • اور فقہی رسائل (تکملۂ نجوم السماء ج ۲، ص ۲۱)

حسن رضا، شمس العلما:

۱۳۴۹ھ / ۱۹۲۰ء

مدراس کے مشہور عالم مولانا سید حسن رضا صاحب کو گورنمنٹ سے شمس العلما کا خطاب ملا تھا آپ انسپکٹر آف اسکولز رہے اور شیعوں کی دینی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ میں رحلت کی۔ (مکتوب حاجی غلام محمد تقی صاحب)

حسن یوسف:

حدود ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء

مرزا حسن یوسف اخباری فرزند زبدۃ المتفقہین، قدوۃ العلما، الاعلام، نخبۃ الافاضل الکرام زین الاتقیا الحاج آقا احمد میرزا لکھنو کے پرانے علمی اور رئیس خانوادے کے بزرگ و مقدس عالم تھے جو کربلائے معلیٰ ہجرت کر گئے تھے اور آخر عمر میں ایک عرصے تک لکھنو میں مقیم رہے۔ جب میں نے انھیں دیکھا (۱۹۴۰ء تا ۱۹۵۰ء) اس وقت ان کا سن ساٹھ برس سے زیادہ تھا۔ عربی لباس، ٹوٹی پھوٹی اردو بولتے تھے موصوف نے "نور ساطع" ترجمہ فارسی ہدایۃ الہدایہ مجھے عطا کیا تھا۔ میری ہجرت پاکستان کے بعد رحلت کی میرا خیال ہے کہ ان کی رحلت عراق میں ہوئی۔ عراق میں لکھنو سے متعدد خاندان کربلا ہجرت کر گئے تھے۔ ان لوگوں نے وہاں املاک خریدی اور دینی علوم حاصل کیے۔ مرزا حسن یوسف صاحب۔ مرزا بادشاہ فیض آبادی کی اولاد سے تھے، ان کے دادا بھی لکھنؤ سے کربلا گئے۔ مرزا صاحب کے ایک فرزند محمد صالح دوسرے محمد علی کربلا میں رہتے تھے۔ (مولانا سعادت حسین خان صاحب ۴ محرم ۱۴۰۰ھ)

حسین بن شہاب الدین العاملی

حدود ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء
۱۰۷۶ھ / ۱۶۶۵ء

علامہ الشیخ حسین ابن شہاب الدین بن حسین بن محمد بن حسین بن حیدر عاملی کرکی ۱۰۱۴ھ کے قریب پیدا ہوئے "کرک" وطن تھا، معزز اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے علم و فضل کی بلندیوں پر پہنچے، فصیح البیان ادیب و شاعر ہونے کے علاوہ طب میں مہارت تھی۔ سید علی مدنی نے سلافۃ العصر اور حر عاملی نے امل الآمل میں ان کی تعریف کی ہے، ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ مولانا اعجاز حسین نے شذور العقیان میں شیخ حسین کے نام بہاءالدین عاملی کا اجازہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ان کے تلامذہ میں تھے۔

حرمین حجاز، عتبات عالیات عراق و ایران کی زیارت کی، اصلاً عرب تھے مگر مدت تک ایران و دکن میں رہے، اصفہان میں قیام کر کے حیدرآباد آگئے۔ دکن میں اس وقت عبداللہ قطب شاہ کی حکومت تھی۔ عرب و عجم کے علما ملک میں عزت و احترام سے زندگی بسر کر رہے تھے، علم کا دور تھا تصنیف و تالیف کی قدر تھی حسین عاملی اپنی شگفتہ مزاجی حاضر جوابی، خوش اخلاقی اور درس و تدریس کے شئون کی وجہ سے مقبول خاص و عام ہوئے۔ علامہ نے چونسٹھ سال کی عمر میں دو شنبہ ۱۹ صفر ۱۰۷۶ھ کو حیدرآباد میں رحلت کی۔

تصانیف: • حاشیہ تفسیر بیضاوی۔ • شرح نہج البلاغہ مفصل۔ • ھدایۃ الابرار فی اصول الدین
• الاسعاف۔ • رسالۃ القرائفۃ فی طریقۃ العمل۔ • عقود الدرر فی حل ابیات المطول والمختصر
• حاشیۃ المطول۔ • مختصر الاغانی۔ • دیوان الشعر عربی۔ • کتاب کبیر فی الطب
• کتاب مختصر فی الطب۔ • رسائل فی الطب۔ • ارجوزۃ فی النحو۔ • ارجوزۃ فی المنطق۔ وغیرہ۔

(امل الآمل ج ۱، ص ۷۰۔ • نجوم السماء ص ۹۳ • بے بہا، ص ۲۰۰)

حسین ابن شدقم مدنی

۱۰۲۶ھ / ۱۶۱۷ء
حدود ۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۹ء

مولانا سید حسین ابن علی ابن حسین / حسن بن شدقم مدنی، جمعہ ۱۵ شعبان ۱۰۲۶ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، معاصر علما سے تعلیم حاصل کی۔ ایک مدت کے بعد وارد دکن ہوئے۔ اور یہیں ۱۰۹۰ھ کے قریب وفات پائی۔ مجلہ دانش شمارہ اسلام آباد میں "مقتصدہ میاسہ و متعداد" عربی کا فارسی کتب خانہ آیۃ الحکیم نجف میں ان کے قلم کے تصحیحات صحیفہ کاملہ پر محفوظ ہیں۔

(امل الآمل د د)

حسین، خالص، اصفہانی:

۱۱۲۲ھ / ۱۷۱۰ء

حسین ابن باقر اصفہانی، ایران و عراق کے فاضل، عالم و علامہ سندھ و لاہور، دہلی آگرے میں رہے، خالص تخلص تھا۔ شاعری میں نام پایا۔ ۱۱۲۲ھ میں وفات پائی۔

حسین، شہرت:

۱۱۴۱ھ / ۱۷۲۸ء

سید حسین، شہرت، عالم و فاضل آدمی تھے، عراق سے ہجرت کر کے شیراز اور شیراز سے ہند آئے۔ شہزادہ محمد اعظم نے حکیم الممالک خطاب دیا، عالم و فاضل حاجی و زائر تھے۔ علم و زہد میں بے مثال تھے۔ ۱۱۴۱ھ میں رحلت کی۔ "شہرت مرد" تاریخ ہے۔ (نزہۃ الخواطر میں سال وفات ۱۱۴۹ھ لکھا ہے)

حسین بن رمضان علی:

۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء
۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء

بحر العلوم السید حسین بن عارف کامل، مولانا السید رمضان علی نونہروی تیرھویں صدی کے ان حیرت انگیز شخصیتوں میں تھے جو خدا سے خاص قوتیں لے کر آتے ہیں مہینہ بھر میں نصف قرآن حفظ کر لیا، ایک مرتبہ کسی مسئلے کو دیکھ لیا تو اس کے کلیات و جزئیات ازبر ہو گئے۔ فلسفہ و منطق، ریاضی و اقلیدس غرض تمام علوم عقلیہ پر حکیمانہ قدرت تھی، انگریز بھی لوہا مانتے تھے "جامع بہادر خانی" پر ایسے اہم اعتراض کیے کہ مولانا غلام حسین گردیدہ ہو گئے۔ اتنی ذہانت و ذکاوت، حافظے اور قابلیت کے باوجود شوق مطالعہ کا یہ عالم کہ کھنیوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ شرح لمعہ اول سے آخر تک سات مرتبہ دیکھی اور کہا کرتے تھے کہ یہ کتاب علم فقہ کا سمندر ہے۔

نواب صاحب مرشد آباد نے باصرار تمام ریاست کے مدرسے کی صدارت پر راضی کیا تھا وہیں چھبیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ تاریخ وفات ۱۱ صفر ۱۲۷۱ھ ہے۔ لکھنؤ میں علمائے فرنگی محل سے معقولات اور معاصر علماء سے علوم ہندسہ۔ ریاضی و ادب و تفسیر و حدیث پڑھی۔ جناب سید العلماء سے فقہ و اصول کا درس لیا۔ فخر العلماء سید محمد صاحب کہتے تھے کہ کربلا و عرب و عجم میں مولانا سید حسین جیسا ذہین و کامل حکیم و فلسفی نہیں دیکھا جو پڑھاتے اسے پانی اور سمندر کی گہرائی و روانی مل جاتی۔ عابد شب زندہ دار و تہجد گذار، طہارت کے پابند اور کمال تقویٰ پر فائز تھے۔ طلبہ سے محبت اور مطالعے سے عشق تھا۔ بحر العلوم فرنگی محلی و غلام حسین صاحب اور بڑے سے بڑے علمائے مباحثہ اور علمی حقائق پر گفتگو کرنے میں بند نہ تھے۔ ایک مرتبہ گورنر بنگال، نواب صاحب مرشد آباد سے

سے ملنے آئے۔ نواب صاحب نے اس اجتماع میں مولانا کو بھی شریک کیا تھا، اثنائے گفتگو میں ریاضی وفلسفہ وحکمت، واصول سیاست پر بات چھڑ گئی، مولانا کی گفتگو سن کر گورنر تڑپ اٹھا اور بے حد متاثر ہوا، کلکتے کی دعوت دی اور انگریزی میں تقریر کو ترجمہ کرنے کی خواہش کی مگر مولانا نہ مانے۔

مولانا حسین صاحب کے بعد ان کے جانشین سید مرتضٰے نونہروی ہوئے۔ مولانا نے بے توجہی کی وجہ سے اپنے حواشی وتعلیقات ورسائل کو محفوظ نہ رکھا۔ (تکملہ نجوم السماء ج ۲، ص ۱۳۲، نزہتہ ج ۷)

حسین، مرعشی :

حدود ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء

مولانا سید حسین مرعشی، فقیہ، محدث، عالم، علامہ ترکِ وطن کر کے لکھنو آئے جناب سید العلما کے شاگرد ہوئے اور ۱۲۷۳ھ میں وفات پائی او، امام باڑہ غفراں مآب میں محوِ خواب راحت ہوئے۔

(تکملہ ج ۲، ص ۴۴۵، نزہتہ ج ۷)

حسین، سید العلما :

۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء

۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء

۱۴ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ / اکتوبر ۱۷۹۶ء کو جناب آیۃ اللہ سید دلدار علی صاحب کے گھر سید العلما مولانا سید حسین صاحب قبلہ کی ولادت ہوئی۔ "خورشید کمال" مادۂ تاریخ ہے۔

جناب غفراں مآب نے ایک زیرِ خواب دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام فرما رہے ہیں "تم نے اپنی اولادِ نرینہ کے نام رکھنے میں پنجتن کا سلسلہ کیوں موقوف کر دیا" آپ نے عرض کیا: اب میں ضعیف ہو گیا ہوں اس لیے آخری فرزند کا نام آخری امام کے نام پر رکھا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا، ایک فرزند اور ہو گا اس کا نام میرے نام پر رکھنا۔

اس لیے نومولود فرزند کا نام حسین رکھا۔ عرف میرن صاحب قرار پایا۔

بچپنے میں کھیل کود سے دلچسپی نہ تھی۔ چار پانچ بھائی پڑھنے لکھنے والے، اندر باہر لوگ احترام وعزت سے پیش آنے والے نظر آتے تھے، لہٰذا اخلاق وکردار میں طبعی میلان اور ماحول نے دل کشی پیدا کر دی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد والدِ بزرگوار سے پڑھنے لگے۔ جب ان کی طبیعت ناساز ہوئی تو سلطان العلما سے درس لیا اور جب ان کا مزاج رُو بصحت ہو گیا تو پھر ان سے سبق شروع کر دیے۔ عماد الاسلام، شرح اربعین بہاء الدین عاملی، کافی (اصول وفروع)، منتقی الجمان، غفراں مآب سے پڑھی اور سلطان العلما سے سلم العلوم، شرح حمد اللہ، سیف ماسح کا درس لیا۔

دونوں بزرگوں نے اجازہ دیا۔

مفتی محمد عباس صاحب نے منطق و فلسفہ، ہیئت و ہندسہ، تجوید و ادب، علم الکلام و اصولِ فقہ و فقہ میں یکتائی روزگار مانا ہے۔

ذہانت و ذکاوت شوق و محنت کی بدولت سترہ برس کی عمر میں تجزی فی الاجتہاد پر رسالہ لکھا! دوسرا مقالہ "حکم ظن در رکعتین اولیین" تحریر کیا مگر شرم کی وجہ سے والد سے اس کا اظہار نہ کیا۔ جناب غفران مآب نے فرمایا کہ اجازے کے لیے یاد دہانی کرانا۔ اجازہ لکھ دوں گا۔ عرض کیا کہ کسی وقت میری تحریر بھی ملاحظہ فرما لیجئے جناب نے درخواست منظور فرمائی لیکن ناسازی مزاج کی بنا پر سلطان العلما کو حکم دیا کہ رسالے کو دیکھ کر اپنی رائے سے مطلع کرو۔ مولانا سید محمد صاحب نے تعمیلِ حکم فرمائی۔ خود مولانا دلدار علی صاحب نے بھی نظر ڈالی۔ اور فرمایا "ماہرانہ باتیں لکھیں۔ مبتدیانہ کمزوریاں نہیں ہیں"۔ اس کے بعد اجازہ دیا۔

جامعیت تحریر و تقریر کا عالم یہ تھا کہ بحث یا سبق کے درمیان برجستہ کہی ہوئی بات آخر تک اپنا وزن ظاہر کرتی رہتی، استفتا کے جواب میں جو جملہ لکھ دیا وہ مسئلے کے تمام پہلوؤں کو گھیر لیتا تھا۔ عراق و ایران کے فقہی ماحول اور اصولی فضا کے رہنے والے اس درّاکی پر حیران ہو جاتے تھے۔

لوگوں کی رجوع، عوام کی محبت، طلبا کا ہجوم، سائلوں کا مجمع، افاضل کی گرویدگی کا عالم دیدنی ہوتا تھا لکھنؤ کو ثانی نجف بنا دیا تھا، عرب و عجم سے مراسلت تھی، بادشاہ بھی تعمیلِ حکم کو شرف جانتے تھے۔

بادشاہ ثریا جاہ مصلح الدین ابوالمظفر محمد امجد علی شاہ جنت مکان نے مولانا ہی کے اشارے سے مدرسۂ[1] سلطانیہ قائم کیا۔

---

[1] اعلم العلما، افضل المجتہدین فخر المدرسین، ممتاز العلما مولانا سید محمد تقی صاحب فرزند سید العلما کی صدارت و ادارت میں امجد علی شاہ نے ۱۲۴۵ھ سے قبل "مدرسۂ سلطانیہ" کی بنا رکھی۔ شاہی عمارتوں کے قریب نواب سعادت علی خاں مرحوم کا شاندار مقبرہ اپنی وسعت و گنجائش کے اعتبار سے منتخب کیا گیا دیکھیے احوال "آغا ابو صاحب" اور ذیل حاشیے میں مدرسۂ سلطانیہ کے ایک استاد کا نام بڑھا لیجئے۔ مرزا علی اظہر صاحب برلاس اپنی کتاب تاریخی شہ پارے میں لکھتے ہیں ۔ "مولانا مرزا محمد مہدی صالح شاہی مدرسے کے ایک پروفیسر اور واجد علی شاہ کے ذاتی عملے کے ایک رکن تھے۔ وہ واجد علی شاہ اور علی نقی خان وزیر اعظم کو فنِ شناوری بھی سکھایا کرتے تھے۔

۱۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو جنرل اوٹرم نے نواب علی نقی خان کی کوٹھی واقع گاؤ گھاٹ پر حملہ کیا، جس کا منہ توڑ جواب لکھنؤ کے دلیروں نے دیا۔ گئو گھاٹ کے میدانِ جنگ سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے

(جاری ہے)

حاوی علوم دین، حامی سادات و مومنین، حافظ احکام اللہ مجتھد العصر سید العلما" یہ مہر کندہ کرائے نذر کی اور سرکاری طور پر مولانا کو انھی القاب سے یاد کرنے کا فرمان جاری ہوگیا۔

سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب نے شرعی احکام کے نفاذ کی جو مہم شروع کی تھی۔ امجد علی شاہ نے اسے قبول کیا۔ شریعت کا نفاذ ہوا، اور سلطان العلما کو عدلیہ و انتظامیہ کی نگرانی حاصل ہوئی، سید العلما مولانا سید حسین صاحب کو نگرانِ تعلیم کا غیر رسمی منصب ملا اور وہ پورے ملک میں دینی سربراہ بن کر ابھرے بادشاہ سکندر جاہ، ابو المنصور ناصر الدین حضرت سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بہادر بھی ہمیشہ خلوص و عقیدت، اخلاص و ارادت سے پیش آتے رہے۔

بقیہ) پر مفتی گنج نامی محلہ آباد ہے۔ علما و صلحا کے اس گنجان آبادی کے علاقہ میں ہائی لینڈرس (اسکاٹ لینڈ کے پہاڑی باشندے) نے مفتی گنج کی طرف پیش قدمی کی، مولانا محمد مہدی صاحب اپنے گھر سے صبح صبح اپنے باغ جا رہے تھے۔ انھوں نے دشمن کو دیکھا تو جھپٹ پڑے اور ان کے آدمیوں کو مار کر خود بھی گولی کا نشانہ بنے۔ مولانا محمد مہدی کو ان کے رہائشی مکان میں دفن کیا گیا۔ (تحقیقی مقالے ص ۳۲۴)

لہ واجد علی شاہ ہمیشہ علما کی عزت کرتے رہے، بچپنے سے ان کی تربیت ہی یوں تھی۔ ایک مرتبہ اپنی ولی عہدی کے زمانے میں ایک کنیز کو اس کی مالکہ کی رضامندی کے بغیر محل سرائے شاہی میں داخل کرلیا۔ یہ عورت نائکہ تھی اور اس عورت کو نوچی بنانا چاہتی تھی۔ جناب رضوان مآب کی کچہری میں استغاثہ دائر ہوا، تحقیق کے بعد آپ نے لکھا:

وتحقیق بہ نہج شرعی ثابت گردید ولی عہد بہادر را حکم محکم صادر شود کہ ویرا بمالکہ وی حوالہ فرمایند و بمالکش حکم محکم صادر شود کہ ویرا بحبالۂ نکاح مومنی در آورد و پیرامن فجور نہ گردد	اس کی کنیزی شرعی طور پر ثابت ہوگئی ولی عہد کو حکم محکم دیا جاتا ہے کہ اسے اس کی مالکہ کے حوالے کریں اور مالکہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کی شادی کردے اور فسق و فجور نہ کرے۔

کچہری کا فیصلہ اور مجتہد کا فرمان پہنچتے ہی تعمیل حکم ہوئی۔ امجد علی شاہ کے بعد جب ولی عہد تخت نشیں ہوا تو سلطان العلما کو مقدمہ پر نظر ثانی کی درخواست دی۔ سلطان العلما نے جواب میں لکھا۔ حلال محمد حلال الی یوم القیامۃ و حرام محمد حرام الی یوم القیامۃ۔

(حقائق لکھنؤ، ص ۳۲، جمادی الثانیہ ۱۲۵۴ھ)

سلطان العلما سید محمد صاحب قبلہ تمام معاملات میں چھوٹے بھائی کی رائے کو مقدم سمجھتے رہے، موصوف نے ممتاز العلما سید محمد تقی صاحب کے اجازے میں لکھا ہے:

"السمیدع الالمعی والحبر اللوذعی، ذی النظر الصائب والذھن الثاقب، عالی الکعب فی الفنون العقلیہ، طویل الباع فی العلوم النقلیۃ، الرائع فی ریاض الاجتہاد والافادہ الکارع من احادیث الجد والسادۃ، سید العلماء العاملین سند الفقہاء الکاملین عین الانسان وانسان العین اخی وصنوی ومھجۃ قلبی السید حسین لازال قریر العین محفوظاً عن اصابۃ العین"۔

اعلام و مجتہدین عظام سے برابر کے تعلقات استوار تھے، شیخ الشیوخ محمد حسن النجفی مؤلف جواہر الکلام کے مفصل و طویل خط چھپ چکے ہیں۔ ہزاروں مقلدوں، حاجت مندوں، شاگردوں کے خطوط کا انبار، ملنے والوں کا مجمع، طلبا کا ہجوم، اہل حاجت کا جم غفیر، وعظ و تذکیر، درس و تدریس، خطوں کے جواب، کتابوں کی تصنیف مومنین کی عیادت، محتاج، مسکین، یتیم اور بیوگان کی خبر گیری۔

تقسیم اوقات: آخر شب مسجد میں آنا، نوافل و فرائض و تعقیبات کے بعد واپسی اذ تاتخانے میں جانا، وہاں تصنیف و تالیف کا کام کرنا، کچھ ضروری کاغذات دیکھنا۔

دس بجے تقریباً مردانے مکان میں تشریف آوری، پہلے درس دینا، درس میں اکثر افاضل و علما شریک ہوتے تھے۔ درس کے بعد اہل حاجت کی عرضیوں پر حکم ان کو حسب امکان داد و دہش، فتویٰ مانگنے والوں کو فتوے دینا۔

بعد زوال مسجد میں نماز ظہرین پڑھانا اور تعقیبات عصر کے بعد، برادر بزرگ سلطان العلما کی خدمت میں حاضری کے بعد گھر واپسی، مغرب تک درس، بعد درس گھر پر نماز جماعت۔

مغربین کی نماز کے بعد احباب و مسترشدین سے بات چیت اور جواب طلب خطوں کے جواب و فتوئی، کبھی اس نشست کا سلسلہ نصف شب تک کھنچ جاتا تھا۔

وعظ و درس قرآن مجید: مولانا سید حسین صاحب کا دستور تھا، جمعہ، دوشنبہ، پنجشنبہ اور رمضان المبارک میں روزانہ درس قرآن مجید، بیان عقائد، تعلیم اخلاق دیتے، تقریر میں نکات و حقائق کا بحر زخار ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ دُور دُور سے لوگ وعظ سُننے آتے اور زبردست اجتماع ہوتا تھا، حاضرین گوش دل سے سنتے اور دل و جان سے یاد رکھتے تھے۔

مصروفیات کے اس بحران اور وقت کی اس تنگی میں عشق قرآن میں ایک عرصے تک بپابندی قرآن مجید لکھتے رہے۔ کامل قرآن مجید جناب سید ابراہیم صاحب کے پاس تھا، جس کا ترقیمہ یہ ہے:

قد وقع الفراغ من کتابة القرآن المجید والفرقان الحمید بتائید الله سبحانه وحسن توفیقه علی ید اقل الخلیقة بل لا شیئ فی الحقیقة اقل العباد عملاً واکثرهم زللاً۔ ابن العلامة المرحوم الساکن فی جوار رحمة ربه الکریم السید دلدار علی رفع الله و درجاته فی جنات النعیم السید حسین صانه عن کل شین ورزقه شفاعة سید الثقلین رسول الثقلین صلی الله علیه وآله - وکان ذلک یوم الاحد خمس بقین من شهر جمادی الاخرة سنة ست واربعین بعد الف ومأتین من الهجرة النبویة علی الصادع بها الف تسلیم وتحیة

حلیہ: میانہ قد، نحیف و لاغر، کتابی چہرہ، نور ساطع، ریش مبارک گھنی ہوئی تھی۔

اخلاق: شہرت کی زیادتی سے عاجزی و انکساری بڑھتی گئی بیوہ اور یتیموں پر مہربان، طلبہ اور زائرین پر شفیق تھے۔ قبولِ دعا اور زبان کی تاثیر کا یہ عالم۔

بارشِ رحمت: جناب مفتی محمد عباس صاحب نے اوراق الذہب میں لکھا ہے:

ایک سال بارش نہ ہوئی، موسم گذر گیا لوگ رو رو کر دعائیں مانگتے تھے، مگر بارش کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا۔ جناب سید العلماء بھی استسقا کے لیے صحرا میں آئے۔ جماعت ختم کی ہی تھی، اور عبا کو جھٹکا بھی نہیں دیا تھا کہ گھٹا آئی اور خوب بارش ہوئی، جل تھل بھر گئے گلی کوچے پانی پانی ہو گئے۔

شوقِ خدمتِ دین: مولانا سید حسین صاحب علیین مکاں نے مدارس کی تاسیس، مساجد کی تعمیر، دُور دراز مساجد میں ائمہ و واعظین کا تقرر کیا، کتابیں چھپوائیں، علماء و طلباء کی مدد کی، متعدد حضرات کے وظیفے مقرر کرائے جن میں ایک مرزا غالب دہلوی بھی ہیں۔

برصغیر کے علاوہ مراکز عراق، نجف و کربلا تک پہنچے۔ وہاں کے علماء و طلباء کی خدمت کی اور روضوں کی تعمیر کرائی۔

مشاہد مشرفہ کی تعمیر: جناب سید العلماء علیین مکان نے نجف میں نہر آصف الدولہ کی اصلاح و تعمیر کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپیہ، اور روضۂ حضرت عباس ع کے نقرئی دروازوں کی تجدید اور ایوانِ طلا کی تعمیر کے لیے تیس ہزار روپے، اور سامرے میں روضۂ عسکریین کی چار دیواری، گنبد پر طلا کاری اور ایک مسافر خانے کی تعمیر کروائی اور نہر حسینی کربلا کی کھدائی کے لیے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ، حضرت حر کی قبر پر عمارت بنوائی۔

یہ سب روپیہ آیۃ اللہ شیخ محمد حسن صاحب، جواہر الکلام اور آیۃ اللہ سید ابراہیم صاحب مصنف ضوابط الاصول کو بھیجا۔ اس سلسلے میں خطوط "ظل ممدود" میں چھپ چکے ہیں۔

دو ڈھائی لاکھ روپے یہ اور حرمین کی خدمت کے لیے ہزار ہا روپے محمد علی شاہ بادشاہ اودھ اور رؤسا اور خود اپنے پاس سے بھجوائے۔ (ورثۃ الانبیاء، ص ۱۱۸)

~~محمد علی شاہ بادشاہ کے بعد امجد علی شاہ تخت نشین ہوئے تو وہ بھی سید العلما کا بیحد خلوص احترام کرتے تھے مگر آپ نے کبھی توجہ نہیں کی۔ امرا فرماں بردار تھے مگر کبھی کہیں نہ جاتے تھے۔ لوگوں کی سفارش کے لیے جانا ہوتا تو بار خوشی گئے۔~~

تعمیر روضۂ مسلم و ہانی : کوفے میں حضرت مسلم و ہانی کے مزار ایک مدت سے بے توجہی کا نشانہ تھے جناب سید العلمائے نے پندرہ ہزار روپیہ بھجوا کر دونوں روضوں کی تعمیر ہوئی۔

صاحبِ نظر جوہری : لکھنو میں ایک شخص موتی بیچتے بیچتے قبلہ وکعبہ کے یہاں حاضر ہوا۔ جناب نے موتی دیکھے اور خادم سے پانی طلب اور فرمایا یہ موتی اس میں ڈال دینا، سوداگر گھبراگیا، اپنا صندوق بند کرنے لگا تو جناب نے فرمایا: تم شہر کو لوٹ چکے اب شہر میں اب نہ آنا۔ معلوم ہوا کہ سوداگر نے مصری کے موتی بنائے تھے۔

غربا پر شفقت : غربا پر لطف وکرم آپ کی فطرت کا خاصہ تھا۔ چنانچہ ایک دن آپ تعقیبات کے بعد ہاتھ اٹھائے، دعا کر رہے تھے۔ ایک سائل آیا اور غصے میں آپ کے منہ کے قریب ہاتھ لاکر چلایا،

"میں غریب بھوکا مرا جاتا ہوں، آپ ہیں کہ دعا ختم نہیں کرتے"۔

حاضرین نے اسے نکالنا چاہا مگر آپ نے روکا اور سائل کی حاجت پوری کرتے ہوئے اس سے معذرت کی۔

ایک مرتبہ دو آدمیوں نے گلے کی ردا کھینچ لی کہ دم گھٹنے لگا، جناب زبدۃ العلما نے ان کو ڈانٹا تو آپ ناراض ہوئے اور ان دونوں سے کہا، واقعاً تمہارے کام میں تاخیر ہوئی معاف کر دو اور فرزند سے کئی دن تک بات نہ کی۔

ایک جامع واقعہ : اوراق الذہب عربی ادب وسوانح کی نفیس ترین کتاب ہے۔ اس میں مولانا سید یحییٰ قبلہ نے سیرت بڑے جذب وشوق سے قلم بندکی ہے۔ مولانا کے زہد و اتقا، دنیا سے کنارہ کشی، صبر و عاجزی، عشق عبادت کی ایک نفیس تصویر اس واقعے میں نظر آتی ہے۔ مفتی محمد عباس صاحب ناقل ہیں۔

سید العلما بیمار ہوئے، مرض سخت ہو گیا، شعبان کے آخر میں کچھ افاقہ ہوا ہی تھا کہ ماہِ مبارک آگیا۔ اور جناب نے روزے شروع کر دیے، میں (مفتی صاحب) نے اور اطبا نے منع کیا لیکن وہ عشقِ ثواب و ذوقِ عبادت میں روزہ رکھنے سے باز نہ آئے۔ کمزوری بڑھی تو انھوں نے تاویلیں کرنا شروع کر دیں، کوشش

کی کہ لوگ روزے اور اعمال وسنن سے مانع نہ ہوں۔ بخار دوبارہ آنے لگا، روزے، نمازیں، وعظ کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک روز منبر پر لرزہ آیا اور بہت نڈھال ہو گئے۔ منبر سے اترے گھر آئے کچھ دیر بعد ایک جنازہ آگیا کہ نماز پڑھا دیجیے۔ قبلہ وکعبہ اس قدر معذور تھے کہ عذر کر دیا۔ وہ تھے دکھی اور صاحب غرض فرمانے لگے کہ ابھی کسی رئیس کا جنازہ ہوتا تو عذر نہ کرتے۔ جواب سُنا، صبر کیا اور اسی اذیت و تکلیف میں باہر آئے نماز پڑھائی۔

رمضان یونہی گذرا، ایک دن بخار ہوا، ایک دن نہ ہوا، مولانا بہر حال روزے رکھتے چلے گئے۔ آخری دن تھا کہ صحیفہ کاملہ سے دعاء وداع ماہِ رمضان پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ مفتی صاحب نے پوچھا۔ حضور ہمیشہ رمضان میں یہ اعمال بجالاتے ہیں مگر جو حالت اس سال ہے پہلے کبھی نہیں دیکھی فرمایا: مجھے یہ آخری رمضان نظر آتا ہے۔ میری زندگی تمام ہو چکی ہے۔

یہ ان کا عام طریق کار تھا (ورثتہ الانبیاء، ص ۷۱)۔

وفات: محنت وریاضت اور ضعف قوائے جگر، اصل میں وقت آچکا تھا۔ لہٰذا شب شنبہ، ۷ صفر ۱۲۷۳ھ/ اکتوبر ۱۸۵۶ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔

صبح کو شہر میں کہرام بپا تھا۔ میرن صاحب رحلت کر گئے۔ چھوٹے قبلہ وکعبہ مرحوم ہو گئے، سید العلما کو اب علیین مکان کہا جائے۔

دریائے گومتی پر غسل ہوا، مجمع کی زیادتی تھی، لہٰذا آصف الدولہ کے امام باڑے میں نماز ہوئی، کہتے ہیں کہ لکھنؤ میں اتنے بڑے اجتماع سے اب تک کوئی جنازہ نہ اٹھا تھا۔ جناب سلطان العلماء غم سے نڈھال تھے۔ آپ ہی نے نماز پڑھائی، اور امام باڑہ غفران مآب میں اندرونی دالان میں جناب غفران مآب کے پائیں یا مغربی حجرے میں دفن کیا۔ قبر پر مرمر کی سل جس پر سونے کا کام، قبر کے اوپر چوب صندل کا جنگلہ لگا دیا گیا۔

لکھنؤ تو سوگوار ہوا ہی، پورے ملک میں حسرت وغم کی فضا چھا گئی۔ مرزا غالب نے کالپی کے رئیس انورالدولہ کو لکھا:

"آپ کو معلوم ہوگا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا، یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنؤ کے نام ان کا سید حسین اور خطاب سید العلماء نقش نگیں "میر حسین ابن علی" میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی، اس میں پانچ بڑھتے ہیں۔ یعنی ۱۲۷۸ ہوتے تھے، تخرجہ تئی لہٰذا کا میرے خیال میں آیا، میں تو جانتا ہوں اچھا ہے۔۔۔۔۔۔

حسین ابنِ علی آبروئے علم و عمل — کہ سید العلما نقش خاتمش بودی
نماند و ماندے اگر بودے پنج سال دگر — غم حسین علی سال ماتمش بودی

(اردوئے معلے طبع مجلس ترقی ادب۔ ص ۵۹۷)

بے شمار شعرا نے مرثیے اور قطعاتِ تاریخ لکھے، جناب مفتی محمد عباس صاحب نے عربی و فارسی میں لاجواب قطعات لکھے ہیں، ان میں ایک قطعہ ہے۔

الدھر اقبل بالعوالی وانتضیٰ — سیفنا ولیس الحکم الا للقضا
لھفی علی حبرٍ علیم بارع — فندبات من مخضٍ علی جمر الغضا
ھو سید العلما مولانا الحسین سلیل آل المصطفیٰؑ والمرتضیٰؑ
مازال کھفا للانام مواسیا — متعطفا متفجعا و ممرضا
حتی اذا اصفرت انامله من — الحمی لسابع عشر من صفر مضیٰ
والیوم یوم وفاۃ مولانا الرضاؑ — فبکت علیه عیون اخبار الرضا

مرزا غالب نے قطعہ تاریخ کے علاوہ ایک درد انگیز ترکیب بند فارسی میں لکھا ہے۔

(کلیاتِ غالب، طبع مجلس ترقی ادب ج ۱، ص ۲۶۴ و ۵۰۴)۔

نواب خیرات علی خان نجم کے چار مصرعے ہیں:

ہفدہ ز صفر، ثلث شبِ شنبہ بود — مولای جہاں بخی چو فرمود وصال
شد سالِ وفات باسنہ میلادش — ای نجم "زوال دید، خورشید کمال"

۶۲ = ۱۲۱۱ھ

اولاد: • سید علی حسین صاحب، حکومتِ اودھ نے زین العابدین خطاب دیا تھا۔ علوم طبیہ میں کامل تھے۔ ۱۲۶۴ھ میں رحلت کی۔ • ممتاز العلما سید محمد تقی صاحب جنت مآب۔ • زبدۃ العلما سید محمد تقی صاحب
• مولانا سید عبد الجواد صاحب اودھ کی کسی ریاست میں پیش نماز تھے۔

تصانیف: • تفسیر سورۃ الحمد، مفصل۔ • تفسیر سورۃ البقرہ، نامکمل۔ • تفسیر سورۃ ھل اتیٰ علی الانسان
• تفسیر سورۃ التوحید۔ • تفسیر آیہ کریمہ کنتم خیر امۃ، رد اعتراضاتِ رازی۔
• تفسیر پر نوٹ اور اشارے (غیر مطبوعہ)۔ • رسالہ در فن تجوید۔ • رسالۂ تجزی فی الاجتہاد
• رسالہ مسئلہ شک در رکعتین اولیین۔ • مناہج التدقیق و معارج از اوقاتِ نماز تا احکام سلام شیخ محمد حسن صاحب جواہر اور شیخ سلیمان بحرانی شیخ باقر رشتی نے تعریف کی طبع شد و جیز رائق احکام طہارت فقہ (املا کرائی) طبع شد

• روضۃ الاحکام (فارسی، فقہ) مقصدِ اوّل مقدمہ و طہارت و صلوٰۃ و صوم، طبع شد اور مقصدِ چہارم کا باب اوّل یعنی میراث بھی طبع ہوچکا۔ • رسالۂ مبسوط فی المیراث (عربی، فقہ)۔ • حدیقۂ سلطانیہ در مسائلِ ایمانیہ، حسب ایما امجد علی شاہ بادشاہ۔ • اصول دین و احکام تاج، باب ششم (مقصدِ ثانی) بیان زیارات۔ اس ضخیم کتاب کا مقدمہ، باب اوّل و دوم (توحید و عدل و نبوّت)
باب چہارم امامت دو جلدوں میں چھپا ہے (فارسی، عقائد)۔ • وسیلۃ النجاۃ۔ اصولِ دین تا آخر بحث نبوّت (فارسی، عقائد، غیر مطبوعہ)۔ • رسالہ اصالۃ الطہارت، سید ابراہیم حائری نے مدح لکھی (فقہ، غیر مطبوعہ، عربی)۔ • رسالہ، منع از بیع مابیعات نجس و متنجس (فارسی؛ فقہ، غیر مطبوعہ)۔ • طرد المعاندین اہلِ نفاق بر جواز لعن (فارسی، مطبوعہ)۔ • حاشیہ شرح کبیر (ریاض المسائل) کتاب الصوم، الھبۃ، الصدقہ
• تعلیقات علی شرح ہدایت الحکمت، ملا صدرا (عربی، فلسفہ، غیر مطبوعہ)۔ • رسالہ تبصرۃ العقول فی تحقیق النسبۃ بین الحقیقۃ والمجاز المنقول (عربی، اصول فقہ، غیر مطبوعہ)۔ • مجالس مفجعہ۔ • فوائد فی تنقیح العقائد، افاداتِ حسینیہ، رد اقوال شیخ احمد احسائی و کاظم رشتی۔

تلامذہ: سینکڑوں افاضل میں سے چند نام: • مفتی محمد عباس (سید العلماء کے تلمیذِ خاص مؤلف اوراق الذہب۔ سوانح سید العلما نیز ظل ممدود مکاتیب سید العلماء کا مجموعہ۔ • ممتاز العلماء جناب سید محمد تقی صاحب۔ • علامہ کنتوری غلام حسنین صاحب۔ • زبدۃ العلماء سید نقی صاحب۔ • حامد حسین فردوس مآب۔ • عمدۃ العلما سید ہادی صاحب۔ • مفتی مظفر حسین نانوتوی۔ • قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب
• مفتی مقبول حسین بدایونی۔ • مولانا نیاز حسن صاحب برسنی حیدر آبادی۔ • مولانا شیخ تفضل حسین تعلقہ دار فتح پور بسواں۔ • نواب دولہا صاحب۔ • مولانا شیخ علی حسین صاحب بدایونی۔ • مولانا شیخ علی اظہر صاحب
• مولانا سید حسین مرعشی۔ • مولانا سید علی نقی صاحب۔ • وحاج مرزا حسن عظیم آبادی جو کاظم رشتی کی صحبت میں شیخی ہوگئے۔ وفات الہ آباد ۱۲۶۰ھ۔ • مولانا سید محمد بن سید باقر شاہ بخاری۔ • مولانا اولاد حسین صاحب۔ • مولانا حکیم مرزا غازی صاحب۔ • مولانا حافظ انور علی صاحب۔ • مولانا قاری جعفر علی جارچوی صاحب۔ • مولانا سید مہدی شاہ کشمیری، عظیم آبادی۔ • مولانا مرزا محمد صاحب بخاری
• مولانا سید علی حسن صاحب جائسی۔ • مولانا سید محمد حسین صاحب۔ • مولانا مرزا محمد ہادی صاحب صلاح مصنف خلاصۃ المصائب۔ • حکیم سید اکبر شاہ کشمیری۔ • شفاء الدولہ، ذکاء الملک حکیم سید افضل علی خان صاحب بہادر مدبر جنگ۔ (آخر حدیقۂ سلطانیہ، باب چہارم، طبع لکھنؤ ۱۳۰۴ھ • بے بہا ص ۱۲۴
• درشنۃ الانبیاء۔ فوائد الرضویہ۔ • اوراق الذہب۔ • ظل ممدود تکملۂ نجوم السماء ج ۲، ص ۱۲۵)

حسین آذربائجانی :

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا محمد حسین ابن مولانا محمد علی آذربائجانی، کھمبات میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد علی اردمرآذربائجان سے وارد کھمبات ہوئے (کھمبات بمبئی کے قریب شیعہ ریاست تھی اور قدیم زمانے سے اس بندرگاہ پر شیعہ قافلے اترتے رہتے تھے، میں نے ۱۹۵۰ء میں حسب نامہ خاندان مومن خان ثانی کا ترجمہ کیا تھا جس میں اس شیعہ ریاست پر مختصر نوٹ ہے (یہ کتاب ابھی تک منتظر اشاعت ہے) مولوی محمد حسین، حسین نے کھمبات میں ہوش سنبھالا، والد کے ساتھ ایران گئے اور تعلیم مکمل کر کے کھمبات اور لکھنؤ پہنچے، لکھنؤ میں شاہی عزاخانے کے "روضہ خوان" و کتاب خوان مقرر ہوگئے۔

نواب صدیق حسن خان نے حدود ۱۲۹۵ھ میں لکھا ہے کہ ان دنوں مولانا حسین رام پور میں ملازم ہیں۔

تصنیف : مجالس الاخیار، فارسی، حدیث و تاریخ و مناقب، (روز روشن، ص ۱۷۷)

حسین، امروہوی :

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۲ء

۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا سید حسین، امروہہ وطن تھا، نوجوانی میں وفات پائی، تاریخ وفات ۱۳۰۰ھ ہے۔

حسین، صابر :

۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء

۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء

مولانا سید حسین بن مفتی محمد عباس صاحب قبلہ، لکھنؤ میں ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ علم و کمال حاصل کر کے، اجازات سے سرفراز ہوئے۔ (صابر تخلص تھا)

دریائے ہگلی کے کسی سفر میں (۱۳۰۶ھ) غرق ہوئے۔

حسین، سیتاپوری :

حدود ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء

مولانا سید حسین صاحب سیتاپور کے علما میں تھے۔ لکھنؤ کے علما سے فقہ و اصول، حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی تھی۔ حدود ۱۳۰۸ھ میں رحلت کی۔

لہ۔ لکھنؤ میں بہت سے ایرانی افاضل جو خطابت میں طاق تھے، صاحب اعزاز ہوئے۔ ان میں ملا بازل کے خاندان سے آقا جان زائر۔ ملا محمد شوستری خطا مؤلف بحر البکا۔ مولانا محمد علی ابن غلام علی مؤلف لسان الواعظین وسیع النظر عالم و فاضل حضرات تھے۔

حسین ابن عاشق علی، لکھنوی: حدود ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء
واسطیہ ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

مولانا سید حسین ابن سید عاشق علی سادات واسطیہ بارہویہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے اجداد دہلی میں بستے تھے۔ رسول دار کہلاتے تھے۔ عہد آصف الدولہ میں لکھنؤ آئے۔ نواب مرحوم ان کی قیام گاہ احاطہ شاہ جمال و کمال میں ملنے آئے۔ اٹھارہ بیگھے زمین کا معافی نامہ دیا۔

مولانا سید حسین صاحب، عہد نواب سعادت علی خان میں پیدا ہوئے۔ یعنی ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء کے لگ بھگ۔

مقدمات صرف و نحو اور فارسی کا نصاب شاہی مدرسے میں پڑھا، پھر اعلیٰ درجے کی کتابیں بڑے اساتذہ سے پڑھیں، اِن اساتذہ میں سید العلما سید حسین علیین مکان سے خاص تلمذ رہا۔

۱۸۵۷ء سے بہت پہلے سفر عراق و ایران کے لیے بہلیوں پر نکلے منزل بمنزل بھوپال پہنچے وہاں مدرسے میں مدرسی کی پھر دوسری منزل پر روانہ ہوئے۔ یہ سفر تحصیل علم و ملاقات علما و زیارات عتبات عالیات کا سفر تھا۔ ساڑھے تین سال اس میں بسر ہوئے۔ اس کے بعد تین سفر عراق اور کیے، آخری سفر فالج کی حالت میں اپنے فرزند محقق ہندی کے ساتھ کیا تھا۔

مولانا سید حسین صاحب معقولات کے استادِ کامل اور مدرس مشہور تھے۔ علامہ غلام حسنین صاحب کنتوری کے مدرسۂ ایمانیہ لکھنؤ میں مدرس رہے۔ مولانا ادب و کلام، فقہ و اصول پر عبور رکھتے تھے مگر درس طب و معقولات میں شہرت تھی۔ آپ کے شاگرد بہت نامور ہوئے۔

۳۲ سال فالج میں مبتلا رہے۔ اسّی سال کی عمر پاکر سہ شنبہ ۱۲ر رمضان ۱۳۱۹ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔ نواب جعفر علی خان رئیس شمس آباد نے قطعہ تاریخ لکھا:

روز سہ شنبہ دہ و دو بود در ماہِ صیام	رفت این کامل مدرس نزدِ شاہِ مشرقین
در وفات منطقی لکھنوی جعفر بگو	ماہ روزہ خلد منزل مولوی سید حسین

۱۳۱۹ھ

آپ کی قبر شبیر جنگ کے باغ واقع ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ میں ہے۔ مَیں نے قبر پر لکڑی کا کٹہرہ بھی دیکھا تھا۔

مولانا سید حسین صاحب زہد و ورع، علم و عمل میں سلمان و ابوذر وقت تھے۔ تمام علما ان کا احترام کرتے تھے۔ ان کے فرزند مولانا سے پڑھتے تھے، عراق کے اکابر ان کی جلالت علمی سے باخبر

تھے، چنانچہ مولانا محمد حسین صاحب محقق ہندی کے اجازات میں سے چند عبارتیں مولوی محمد حسین صاحب نوگانوی نے بر نقل کی ہیں:۔ • شیخ زین العابدین مازندرانی الاعلم۔

"سید العلماء الاعلام، قدوة الفضلاء الکرام، ذخیر الاواخر والاوائل الحبر بلاساحل صاحب التصنیف فی المعقول والتالیف فی الاصول۔ مولی الموالی سید حسین۔ • آقای مرزا حبیب اللہ رشتی الاعلم

"العالم الربانی والفاضل الصمدانی والنحریر الذی لیس له ثانی الالمعی اللوذعی جناب السید حسین صاحب الهندی۔ • آقای شیخ حسین۔

"العالم الفاضل، والکامل الباذل ذخر الاواخر والاوائل البحر بلاساحل۔ المولوی السید حسین الکهنوی"۔ • آقای میرزا فضل اللہ مازندرانی۔

"سید علماء الاعلام قدوة فضلاء الکرام جامع العلم والعمل المهذب عن الزلل والعلل الجلیل الکبیر الذی عزله مثیل و نظیر ابو التصانیف فی المعقول والتالیف فی الاصول وسائر العلوم الدینیة والمطالب الشرعیه۔ المولی القمقام۔ المولی العلام، جامع سعادات الدارین المولوی المعنوی، السید حسین"۔

تلامذہ : اِن اوصاف کا مظہر ان کے فرزند محقق ہندی مولانا محمد حسین صاحب اور ~~دو~~ بے حساب شاگرد ہیں جو درج ذیل ~~ہیں~~ ہیں • بحر العلوم جناب علن صاحب۔ • ملاذ العلماء سید بچھن صاحب۔ • باقر العلوم سید باقر صاحب • مولانا ابو الحسن صاحب ساکن مقبرہ لکھنو۔ • مولانا سید علی جواد زنگی پوری۔ • ظہیر العلماء ظہور حسین میراں پوری۔ • مولانا محمد حسن مولانا کے فرزند اکبر۔ • مولانا خواجہ عابد حسین سہارن پوری۔ • مولانا حکیم محمد جواد صاحب • مولانا محمد حسین مؤلف بے بہا۔

بچھن

تصانیف : • چند نام، • رسالہ اصولِ فقہ در عربی۔ • رسالہ در علمِ کلام۔ • حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ ملاصدرا۔ • رسالہ منظومہ در عروض و قوافی۔

اولاد : • مولانا محمد حسن صاحب۔ • مولانا محمد حسین صاحب محقق ہندی۔

حسین، بلگرامی :

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۵ء
۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء

مولانا سید حسین بلگرامی عماد الملک، عالم و فاضل، مدبر و منتظم، مولانا سید علی بلگرامی و سید حسن بلگرامی کے بھائی، عربی، فارسی، انگریزی و اردو کے ادیب اسلامی تبلیغات میں آپ کا نام مشہور ہے ~~[illegible]~~ حیدر آباد دکن میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔

۱۳۴۴ھ میں وفات ہوئی۔

• ترجمہ انگریزی، قرآن مجید بڑی محنت سے لکھا تھا۔

حسین، سنبھلی :

۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۷ء

مولانا سید حسین، سنبھل (ہند) کے رہنے والے تھے۔ عالم و فاضل، مقدس و پیش نماز، کانپور میں قیام رہا۔

۲۳ اپریل ۱۹۳۷ء محرم ۱۳۵۴ھ میں رحلت کی۔ (ا'برہان' لدھیانہ)

حسین احمد، بارہوی :

۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء
۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

مولانا حکیم سید حسین احمد صاحب زیدی میرٹھ اور رام پور کے تعلیم یافتہ اور پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل تھے۔ طب بھی پڑھی تھی اور معالجہ سے شغف تھا۔

ہائی اسکول میں عربی کے مدرس تھے۔ ریواڑی اور ملتان میں رہے۔ میری مولانا سے ملاقات ۱۹۵۴ء ملتان میں ہوئی۔ بہت مقدس اور ملنسار تھے۔ عمر ۵۵ برس کے قریب تھی۔

ملتان، گورنمنٹ ہائی سکول سے ریٹائرڈ ہو کر ملتان شہر ہی میں رہے۔ آخر میں فالج ہو گیا تھا۔ کئی سال فالج کی حالت میں رہ کر ۲ نومبر ۱۹۷۶ء / ۸ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ کو دنیا سے کوچ فرمایا

اولاد : متعدد فرزند اور دختران تھیں۔

تصانیف : • اصلاح المصلین، قرائت و مسائل نماز دو مرتبہ چھپی۔ • معراج الصلوٰۃ، شرح اصلاح المصلین۔ (مکتوب مرحوم مولانا حسین احمد صاحب اور مجلس جہلم کا اشتہار)

حسین اصغر، جونپوری :

۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء
۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا سید حسین اصغر ابن میر امام علی صاحب چورا ضلع جون پور کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۳۵ھ کے لگ بھگ ولادت ہوئی۔ لکھنؤ میں جناب مفتی محمد عباس صاحب اور جناب مولانا سید حسین صاحب علیین مکان سے تلمذ رہا۔ متداول علوم سے باخبر اور فقہ و اصول کے عالم تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں شعر گوئی کرتے تھے۔

جناب سلطان العلما سید محمد صاحب اور علیین مکان نے جمعہ و جماعت کے لیے اجازے دیے

تھے۔ مولانا احمد حسین صاحب زنگی پوری نے آپ کے زہد و تقویٰ، امانت و دیانت کی بنا پر اپنا وصی و امین بنایا تھا، حسین اصغر صاحب نے حق وصایت ادا کیا اور مولانا مرحوم کا متروکہ سامان ان کی والدہ کو بحفاظت پہنچا دیا۔

نواب سید لطف علی خان صاحب بہادر مرحوم کے یہاں چلے گئے اور جمعہ و جماعت و تبلیغ احکام و دین کے فرائض انجام دے کر تر سٹھ، چونسٹھ سال کی عمر پاکر ۲۳ر شعبان ۱۲۹۹ھ پٹنہ ہی میں رحلت کی۔ تلسی منڈی، پٹنہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

اولاد : مولانا حسین اصغر صاحب کی شادی بارہ ضلع غازی پور میں ہوئی تھی اس لیے آپ باروی کہلاتے تھے۔ آپ کے فرزند مولانا محمد صالح صاحب شرح لمعہ و شمس بازغہ تک پڑھ کر بارہ میں زمیں داری کی دیکھ بھال کرتے رہے اور قصبے میں بحد امکان دین اور علم کی خدمت بھی کی۔

محمد صالح صاحب ۱۲۸۳ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۳۵۵ھ تک زندہ تھے۔ (بے بہا، ۱۳۱)

حُسین اصغر جلالوی :

۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

مولوی سید حسین اصغر، جلالی ضلع علی گڑھ کے رہنے والے تھے، مدرسۂ ناظمیہ میں تعلیم حاصل کی۔ مجھ سے شرائع الاسلام اور منتخب العربی کا درس لیا۔ وطن سے ہجرت کر کے کراچی میں آباد ہو گئے تھے اور وہیں تقریباً تیس پینتیس کی عمر پاکر ۲۲ر مئی ۱۹۷۵ء کو رحلت کی۔

حُسین علی خان بارہوی :

۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء

امیر الامراء حسین علی خان، بڑے بہادر، مدبر، عالم فاضل شخص تھے، چہارشنبہ ۶ر ذی الحجہ ۱۱۳۲ھ میں رحلت ہوئی۔ آپ نے محمد بن رستم بن قباد حارثی بدخشی سے "نزول الابرار بما صح من مناقب اہل بیت الاطہار" نامی کتاب لکھوائی۔ (نزہۃ ج ۶، ص ۶۷)

حُسین علی بریلوی :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

مولانا حسین علی بریلوی، عالم و فاضل بزرگ تھے ۱۲۵۰ھ کے لگ بھگ رحلت کی۔

حسین مہدی :

۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا سید حسین مہدی صاحب مانک پوری (الٰہ آباد) ممتاز الافاضل، ناظمیہ میں مدرس تھے، وہاں سے مدرسہ ناصریہ آگئے اور صدر مدرس تک رہے۔ ۱۹۷۳ء کے حدود میں رحلت کی۔

حسین ابن نورالدین جزائری :

۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء

سید نعمت اللہ سید آغائی جزائری کے بھائی سید نورالدین کے فرزند سید حسین علم و فضل میں ماہر اور فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے۔ بادشاہ نے پذیرائی کی، مگر دل نہ لگا آخر دہلی سے بنگال اور بنگال سے جہاز کے ذریعے نجف پہنچے اور مطالعہ و تحقیق، عبادت و ریاضت میں عمر بسر کر کے حدود ۱۱۸۰ھ میں رحلت کی۔

اپنے والد اور شیخ یعقوب و شیخ علی سے فیض حاصل کر کے ... شوشتر میں ۱۱۴۰ سے ۱۱۴۳ تک ... اصفہان ... کربلا میں ... آخر کار

- حواشی و تعلیقات بر کتب حدیث و فقہ ٭ شرح غرر و درر ٭ تالیف در لکھنؤ
  موجود در کتب خانہ مسجد سپہ سالار در تہران

فرزند: • سید محمد علی۔ (نجوم السماء، شجرہ مبارکہ، یا بزرگی از تاریخ خوزستان ج ۲ ص ۳۶۲)

اس کتاب میں جا بجا ان عرب علما کا ذکر موجود ہے جو ایران اور برصغیر میں تبلیغ و تعلیم دین کے لیے تشریف لائے ان کے خانوادے یہاں رہے۔ انھوں نے تفسیر و حدیث و فقہ و اصول کے درس دیے وہ اسی خطے میں رہے سہے اور یہیں پھلے پھولے۔ ان علما میں شط العرب کے علاقے "الجزائر" کا ایک خاندان قابلِ توجہ ہے یعنی سید نعمت اللہ بن سید عبداللہ حسینی موسوی جزائری، سید نعمت اللہ الجزائری کے قریۂ صباغیہ میں پیدا ہوئے، مقامی علما سے پڑھ لکھ کر شیراز و شوشتر گئے اور علامہ مجلسی محمد باقر سے حدیث میں آخری اجازہ لیا۔ ان کے ساتھ کام کیا اور ۱۱۱۲ھ میں رحلت کی۔

ان کے فرزند سید نورالدین اور ان کی اولاد حیدرآباد دکن میں رہی جن میں مفتی محمد عباس کا نام سونے کے حرفوں سے لکھا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ نعمت اللہ جزائری کے نواسے سید نعمت اللہ سید آغائی، جو زیج محمد شاہی کے رکن تھے لاہور پشاور میں جاں بحق ہوئے سنہ وفات ۱۱۵۱ھ ہے۔ اسی طرح ان کے بھائی سید حسین بن نورالدین دہلی میں رہے مگر یہاں کی تباہ حالی اور متعصبانہ روش سے گھبرا کر نجف چلے گئے۔

ان حضرات کی اولاد میں بہت سے علما برصغیر میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔

(تحفۃ العالم اور نجوم السماء جلد دوم میں ان حضرات کے بارے میں تفصیلات ملیں گے)

حسین علی جارچوی :

۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء

مولانا الحاج سید حسین علی صاحب جارچوی، مقدس و پرہیزگار واقف فقہ، لودھیانے (متحدہ پنجاب کا ایک ضلعی مرکزی شہر) میں جمعہ و جماعت کے امام تھے۔ آپ نے ۷، جنوری ۱۹۱۸ء/ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ کو رحلت کی۔ (البرہان، جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ)

حشمت علی :

۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء

۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

مولانا سید حشمت علی صاحب موضع خیراللہ پور سیدان تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد حاجی جماعت علی صاحب متدین و مقدس بزرگ تھے (موصوف نے ۱۲۵ برس عمر پانے کے بعد رحلت فرمائی) خاندانی طور پر یہ لوگ شیرازی سید کہلاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب ہمایوں ہندوستان سے شکست کھانے کے بعد ایران گیا اور شاہ طہماسپ نے فوجی کمک دی اور کچھ اشراف و سادات ساتھ کیے تھے ان میں سے ایک بزرگ سید سعید نوروز شیرازی بھی تھے۔ یہ بزرگوار مستجاب الدعوات تھے۔ ہمایوں چاہتا تھا کہ موصوف بادشاہ کی فتح کے لیے دعا کریں۔ سید صاحب کی دعا قبول ہوئی۔ بادشاہ نے کامیابی کے بعد آپ کو اجازت دی کہ جو جگہ پسند فرمائیں وہ نذر کی جائے۔ سید صاحب نے سیالکوٹ کے قریب موجودہ نارووال کے مضافات کی سرسبز و شاداب زمین کو پسند فرمایا۔ اس علاقے میں پانچ بستیاں آپ کی اولاد کی آباد ہوئیں جن میں علی پور سیداں اور خیراللہ پور سیداں مشہور ہیں خیراللہ پور میں سید جماعت علی کے گھر میں سید حشمت علی پیدا ہوئے۔ مولانا حشمت علی کی تاریخ ولادت ۱۸۵۸ء/ ۱۲۷۴ھ ہے۔

طلب علم کے لیے سفر: ہوش سنبھالا تو قصبے کے مدرسہ مولانا عبدالرشید میں جانا شروع کیا۔ عبدالرشید حنفی سے فارسی کی تعلیم مکمل کی۔ حاجی جماعت علی صاحب نے فرزند کو عالم دین بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لاہور میں مولانا ابوالقاسم حائری صاحب کا مدرسہ تھا لہذا حاجی صاحب نے بیٹے کو لاہور بھیج دیا۔ محلہ شیعاں میں مسجد نواب صاحب درس گاہ تھی۔ حشمت علی مدرسے میں پڑھتے اور "ماتم سرائے" میں رہتے تھے۔ طالب علم کی ذہانت اور شوق سے متاثر ہو کر نواب نوازش علی خان قزلباش نے سرپرستی کی اور مولانا کو اورنٹیل کالج میں داخلہ مل گیا۔ موصوف نے مولوی فاضل پاس کر لیا تو لکھنؤ جانے کی تیاری کی۔ مولوی فاضل میں درس نظامی کی اعلیٰ ترین کتابیں پڑھ کر اور مولانا ابوالقاسم صاحب سے تفسیر و حدیث و فقہ کا درس لے کر لکھنؤ پہنچے۔ اساتذہ سے فقہ و اصول کا آخری درس لیا اور سند تکمیل کے بعد دل چاہا کہ حنفی علماء سے بھی اجازے لیے جائیں چنانچہ دیوبند گئے مدرسہ

مدرس نے حشمت علی صاحب کے شوقِ تحصیلِ علم، محنت اور اخلاق سے متاثر ہو کر مدرسے میں رہنے کی اجازت دے دی، خود مولانا فرماتے تھے کہ اجازتِ داخلہ کے ساتھ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حق بھی دیا۔ کچھ عرصے تک دیوبند میں رہ کر وطن آئے۔ تمام اطراف و جوانب میں ان کا شہرہ ہو گیا، نارووال کے شیعوں نے درخواست کی اور مولانا کو اپنے یہاں رکھنے کی سعی کی۔

سفرِ عراق: مولانا کی پیاس ابھی بجھی نہ تھی وہ عراق کے لیے تڑپ رہے تھے، سب نے روکا مگر نہ مانے آخر والدہ نے منع کیا تو مجبور ہو گئے مگر مناسب وقت تلاش کر کے والدہ کی منت سماجت کی اور نجف کی راہ لی۔ ایک دیہات سے چلنا، راستوں کی زحمت، سفر کا طول سب مشکلیں سامنے آئیں، نارووال کے معززین آڑے آئے مگر مولانا کے ارادے میں تزلزل نہ آیا، نارووال کے ایک مومن مخلص شیخ ماہیا کو ساتھ لیا اور پیدل چل کھڑے ہوئے۔ کبھی گھوڑے پر کبھی پیادہ سفر کا ارادہ تھا۔ خیر اللہ پور سے لاہور چھیاسٹھ میل دور ہے، خاندان اور ارد گرد کے لوگ موضع بنواں چونڈہ تک میل بھر رخصت کرنے آئے۔ مولانا نے سب کو خدا حافظ کہا اور سفر شروع کر دیا، زادِ راہ کم، طولانی سفر پیشِ نظر، خدا پر تکیہ اور جذبِ کامل پر بھروسہ تھا۔ دیک موضع لہلیاں میں رات بسر کرنا تھی۔ برساتی نالہ عبور کر رہے تھے کہ ایک غیبی امداد مل گئی اور اتنی بڑی رقم کا انتظام غیب سے ہوا کہ تیرہ سال تک انھیں کسی کا احسان مند نہ ہونا پڑا، یہ مولانا کی روحانی کیفیت کا نتیجہ تھا۔ مولانا کے خلفِ اکبر جناب محمد حسین شاہ صاحب نے اس کی تفصیل بیان کرنے سے پہلو تہی فرمائی ہے کہ شیعہ علما باطنی کمالات کے اظہار کو پسند نہیں فرماتے) مولانا لاہور پہنچے ہی تھے کہ آپ کے والد کچھ روپیہ لے کر وارد لاہور ہوئے اور بیٹے کو وہ رقم پیش کی مولانا نے بصد احترام وہ رقم والد صاحب کی نذر کرتے ہوئے درخواست کی کہ اس سے آپ حج کر لیں، ادھر نواب نوازش علی خان صاحب حج کے لیے تیار تھے۔ جناب سید جماعت علی شاہ صاحب شریکِ قافلہ ہو گئے۔

ورودِ عراق: مولانا حشمت علی صاحب کراچی سے بصرہ اور بصرے سے کربلا حاضر ہوئے۔ اس وقت شیعوں کے مرجع اکبر آیۃ اللہ، المجدد العلام سید محمد حسن شیرازی تھے۔ نجف و کربلا میں، سید مہدی قزوینی (م ۱۳۰۶ھ) شیخ محمد حسن مامقانی (متوفی ۱۳۲۳ھ) سید محمد کاظم صاحب کفایہ (م ۱۳۲۹ھ) سید محمد حسین شہرستانی جیسے جید علمائے اعلام مسندِ درس پر جلوہ افروز تھے، شہر طلبا سے آباد اور علما جوق در جوق آرہے تھے۔ الامام المجدد محمد حسن شیرازی نے سامرہ کو مرکزِ ثقل بنایا تھا۔ مولانا حشمت علی صاحب بھی اس چشمۂ آبِ حیات کے پاس پہنچے اور چند مہینوں میں سرکار آیۃ اللہ کے معتمدین میں داخل ہو گئے۔ مراسلات کا شعبہ مولانا سے متعلق ہو گیا۔

آیۃ اللہ سرکار میرزا محمد حسن شیرازی : سرکار میرزا کا دور حوزۂ علمیہ نجف کا اہم ترین دور گذرا ہے مجدد اصول آیۃ اللہ شیخ مرتضٰے انصاری رحمہ اللہ کے بعد میرزا ملت شیعہ کے سب سے بڑے مرجع تھے آپ نے ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء میں رحلت کی۔ جناب محمد حسین صاحب (فرزند اکبر مولانا حشمت علی صاحب قبلہ) نے اپنے مکتوب میں چار باتیں ایسی لکھی ہیں جو قابل توجہ ہیں۔ موصوف نے اپنے والد علام کی زبانی سُنا۔

• آپ کے درس میں سینکڑوں طالب علم حاضر ہوتے تھے۔ آپ منبر پر تشریف لے جاتے اور درس شروع کرتے تو آواز ایسی ہوتی کہ جس طرح قریب کے طلبا سنتے تھے۔ اسی طرح دور کے بیٹھنے والے سنتے تھے۔

• حاجت مند آتے تو آپ ہر ایک کو اتنی ہی رقم دیتے جو اس کی حاجت کے مطابق ہوتی تھی خواہ سائل کتنی ہی زیادہ رقم کیوں نہ طلب کرتا۔ رقم لے کر وہ شخص قائل ہوجاتا تھا۔ • پنجشنبہ کو بعد نماز صبح بالائی منزل پر آتے اور کربلا کی طرف رُخ کرکے زیارت امام حسین علیہ السلام پڑھتے تھے اور امام حسین علیہ السلام ان کا جواب دیتے تھے۔" خود قبلہ حشمت علی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں سرکار سید الشہدا علیہ السلام کی آواز آٹھویں روز سنا کرتا تھا۔" مولانا حشمت علی نے اس عارف کامل کی صحبت میں رہ کر طہارت باطن اور اخلاق عالیہ کی تربیت اور درس علوم دین لیا۔

چھ سال مسلسل درس میں رہنے کے بعد ایک سال کے لیے وطن آئے یہ سال تمام کرکے دوبارہ گئے۔ اور پھر چھ سال تک تحصیل درس میں مصروف رہے۔

عراق میں ان کے خاص اساتذہ تھے : • محقق اردکانی۔ • مرزا عبدالوہاب مازندرانی۔ • محقق شہرستانی، سید محمد حسین (فقہ کے ساتھ علوم سائنس کے بھی عالم تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے غیر مسلموں اور سائنسدانوں سے استفادہ کیا تھا)

مولانا حشمت علی صاحب معقولات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک سال قسطنطنیہ میں رہے، اس سفر کی یادگار ایک منقش حقہ ہے جو اب تک ان کے آثار میں محفوظ ہے۔

مجموعی طور پر تیرہ سال عراق و ایران و ترکیہ میں رہ کر وطن آئے اور مرجعیت حاصل کی۔ مقامی مزاج نے ان کے علم فقہ و اصول کے بارے میں تو کچھ نہ کہا البتہ انھیں صدرا کا حافظ اور معقولات کا ماہر ضرور مانا۔ لیکن یہاں ایک جگہ بیٹھنا ممکن نہ ہوا، قومی اصلاح اور مناظروں کی بنا پر دورے کرنا پڑے اور پورے برصغیر سے دعوت نامے آنے لگے یہی یہاں کا ماحول تھا اور مناظرہ و وعظ ہی کو معیار علم سمجھا جاتا تھا، مولانا علمی مزاج رکھتے تھے۔" آپ کو وعظ و خطابت کا اتنا شوق نہ تھا جتنا خود مسائل سمجھانے اور بتانے "۔ اس کے باوجود ملک کے تقاضوں کو قبول کیا مناظرے کیے تو ڈنکے بج گئے، جلسوں میں گئے تو لوہا منوالیا۔

سیدھی سادھی وضع، قانع و زاہد ہونے پر سب کا اتفاق تھا، علم و فضل میں لاجواب ہونے کے ساتھ

ساتھ تہ۔ اسب عرفان و صاحب باطن بزرگ مانے گئے۔

قومی خدمات: مولانا محمد حسین صاحب نے تذکرہ بے بہا میں معاصر اخبارات و رسائل سے نار نواز...
خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

شیعہ کانفرنس کے اجلاس امروہہ کی شرکت کی، ۱۹۰۶ء میں سرگودھا میں امام باڑے کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس جلسے میں انگریز حکام اور معززین شہر جمع ہوئے تھے۔ مولانا کی تحریک سے چندہ بھی بہت ہوا۔ ۱۱ محرم ۱۳۲۶ھ کو ناروووال میں سالانہ جلسہ ہوا اور مولانا نے تقریر فرمائی موضوع تھا:

"ان اللہ لا یغیر ما بقوم" الخ اس موضوع پر اصلاحی اور علمی تقریر کی۔ جمعہ کے دن بہت بڑے اجتماع کے ساتھ نماز ہوئی۔۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے لیے دورہ کیا۔ چنانچہ ۱۰ مارچ ۱۹۱۱ء کو گوجرانوالہ میں قلندر حسین صاحب ڈسٹرکٹ انجینیر گوجرانوالہ کی صدارت میں جلسہ ہوا گوجرانوالہ و امین آباد وغیرہ سے شیعہ جمع ہوئے۔ بہت بڑا اجتماع تھا، حکام بھی موجود تھے مولانا نے تقریر کی اور دل موہ لیے۔ لوگوں نے یونیورسٹی فنڈ کے لیے دل کھول کر چندہ دیا۔۔ ۱۹۲۳ء جھنگ کے اجلاس شیعہ کانفرنس میں آپ صدر منتخب ہوئے تھے۔۔ شیعہ کالج کی تحریک میں مولانا نے دل کھول کر امداد دی۔

سفرِ زیارات: ۱۳۴۴ھ میں مولانا حشمت علی صاحب دوسری مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے سفر سے واپسی کے بعد بھی آپ کے مساعی جاری رہے، ضلع سیالکوٹ خصوصاً اور پنجاب عموماً آپ کے فیوض سے بہرہ ور ہوا۔ نارووال کی تو دینی فضا۔ ف مولانا کی محنت کا پھل ہے

وفات: یکم و دوم جنوری ۱۹۳۵ء کی درمیانی رات کو دس بجے (۲۵ رمضان ۱۳۵۳ھ) مولانا نے رحلت فرمائی۔ صبح کو بٹالہ، امرتسر، جھنگ، منٹگمری اور لاہور سے لوگ جوق در جوق جمع ہو گئے عظیم الشان مجمع کے ساتھ نمازِ جنازہ ہوئی اور امام باڑہ خیر اللہ پور میں سپردِ لحد کیے گئے۔

مولانا کی خواہش تھی کہ خیر اللہ پور میں ایک مسجد بنوائیں لیکن حالات ساز گار نہ ہوئے۔ آپ نے وصیت کی تاکہ ان کے بعد مسجد ضرور بن جائے چنانچہ خان بہادر نور محمد صاحب ڈپٹی کمشنر مرحوم کی ہمت اور لوگوں کی والہانہ عقیدت کام آئی۔ ایران سے حجۃ الاسلام عبد الکریم زنجانی لاہور آتے تو انھیں تکلیف دی گئی۔ موصوف نے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور مسجد مکمل ہوئی۔

۱۹۷۰ء کے لگ بھگ مولانا کا شاندار مقبرہ بھی مکمل ہو گیا۔

اولاد: مولانا کی دختری اولاد کے علاوہ تین فرزند ہیں۔

- جناب سید محمد حسین شاہ صاحب بی اے۔ • ڈاکٹر محمد طفیل شاہ صاحب۔ • مولانا نذیر احمد صاحب۔

لہ۔ حجۃ الاسلام آقای حاج عبد الکریم زنجانی زعیم الاسلام نے ۸۵ سال کی عمر پاکر ۱۰ ستمبر ۱۹۶۸ء میں رحلت فرمائی۔

تصانیف : • معراجیہ (ثبوت معراج جسمانی) • رسالہ ضرورتِ امام (غیبتِ امام پر بحث) • شرح حدیث طینت (جس پر مولانا اصغر علی روحی حنفی نے بہت عمدہ تقریظ لکھی ہے) • رسالہ عرشیہ (ردِ تناسخ) ۔ • نمازِ شبیہ مترجم با اصولِ دین ۔ پانچوں کتابیں چھپ چکی ہیں ۔ ان کی زبان فلسفیانہ اردو ہے ۔

(بے بہا : ۱۴۳ ۔ • مکتوب جناب محمد حسین صاحب فرزند اکبر قبلہ وکعبہ • ذاتی اطلاعات)

حفاظت حسین :

۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

مولانا سید حفاظت حسین صاحب بزرگ افاضل میں تھے ۔ ان کے احوال مفصل گم ہوگئے ۔ خیال ہوتا ہے کہ بھیک پور سے تعلق تھا ۔ لکھنو میں تکمیلِ علوم کے بعد دینی خدمات انجام دیئے اور ۱۳۸۴ھ میں وفات پائی ۔

حمایت حسین :

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء

مولانا سید حمایت حسین عرف میر علی بخش کنتوری جناب غفران مآب مولانا دلدار علی صاحب کے شاگرد اور کنتور (بہرائچ) کے باوجاہت رئیس تھے ۔ عالم و فاضل بزرگ تھے ۔ عربی ادب و نظم کے عظیم المرتبت ادیب تھے ۔ لوگ انھیں امرؤ القیس کہتے تھے ۔ طب سے بھی شغف تھا ۔ موصوف نے اصول فقہ میں غفران مآب کی تصنیف اساس الاصول کا اردو میں ترجمہ فرمایا ۔ اِس طرح موصوف کو اردو میں اصولِ فقہ منتقل کرنے کی اولیت حاصل ہے ۔

۱۲۸۰ھ کے حدود میں رحلت فرمائی (تکملہ نجوم السما ، ص ۴۲۲ ، سوانح غفران مآب ص ۳۰ ، بے بہا ص ۱۵۱)

حمد اللہ :

۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء

مولوی حمد اللہ ابنِ حکیم شکر اللہ ابنِ شیخ دانیال ابنِ پیر محمد حضرت ابوبکر کی اولاد سے تھے اور لکھنو کے قریب سندیلہ کے رہنے والے تھے ، ملا نظام الدین سہالوی کے نامور شاگرد اور برصغیر کے نامور فلسفی و منطقی و حکیم تھے ، حکومتِ دہلی (شاہ عالم) کی طرف سے فضل اللہ خان کا خطاب اور جاگیر کا فرمان رکھتے تھے معاصر شیعہ علمائے سے فیض یاب ہوئے اور شیعہ مذہب قبول کرلیا ۔ میر باقر داماد (متوفی ۱۰۴۲ھ) کے افکار سے بہت متاثر تھے اور انھیں اپنی کتابوں میں " خیر اللَّاحقة بالمَهَرَہ " کے نام سے یاد کرتے اور ان کے افکار کی حمایت کرتے تھے ۔

میرا خیال ہے کہ حزیں سے استفادہ کیا تھا ۔

منطق کی مشہور و متداول کتاب سلم العلوم کی شرح لکھ کر برصغیر کے منطقیوں کی حدِ آخر قرار پائے۔ ملا صدرا کی
رح حکمۃ العین پر عالمانہ حاشیے لکھے۔
بہاء الدین عاملی رحمہ اللہ کی اصول فقہ شیعہ کا درس دیا اور زبدۃ الاصول کی شرح قلم بند کی۔
صوبہ دار اودھ نواب ابو المنصور خان سے صبغۂ اخوت تھا اور دستار بدلی تھی۔ سندیلہ میں بہت بڑا
رسہ قائم کیا تھا اور نواب اودھ نے اس کے لیے بہت بڑی امداد دی تھی۔ ان کے فرزند حیدر علی بھی شیعہ تھے اور
پ کی طرح بڑے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔
مولوی حمد اللہ نے ۱۱۶۰ھ دہلی میں رحلت کی۔

تصانیف: شرح زبدۃ الاصول (اصول فقہ، عربی) • شرح تصدیقات سُلّم معروف بہ حمد اللہ (عربی مطبوعہ)
• حاشیہ شمس بازغہ (فلسفہ، عربی) • حاشیہ صدرا

اولاد: • حیدر علی • اکبر علی۔

تلامذہ: • قاضی احمد علی سندیلوی داماد۔ • ملا باب اللہ جون پوری۔ • عبد اللہ مخدوم زادہ سندیلوی
• احمد حسین لکھنوی۔ • قاضی زادہ محمد اعظم سندیلوی۔ (تذکرہ علماء ہند: ۵۲، نزہۃ الخواطر)

حیدر حسین، نکہت:

حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
~~[illegible]~~ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

مولانا حسین صاحب صدر الافاضل ہ زیر گنج لکھنو کے رہنے والے افاضل و علماء میں تھے۔ جناب
ز العلوم مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ اور جناب سید ہادی صاحب قبلہ سے تلمذ تھا۔ ۱۹۱۸ء کے لگ بھگ
صدر الافاضل کا امتحان پاس کیا۔ مولانا حیدر حسین کے ساتھی بڑے پائے کے تھے، ذہین، ذکی اور مقدس مثلاً
مولانا حیدر علی صاحب ملا یوسف صاحب، مولانا سید محمد صاحب امروہوی، حکیم صادق حسین صاحب، ملا محمد جواد
صاحب مناظر۔ ان میں مولانا حیدر حسین صاحب شعر و ادب میں فائق تھے، شستہ تحریر اور شگفتہ تقریر، اردو،
عربی، فارسی میں برجستہ شعر گوئی میں امتیاز حاصل تھا۔
شوق تبلیغ میں بیرونِ لکھنؤ زیادہ رہے۔ بمبئی کے مومنین نے آپ سے بہت فیض حاصل کیا۔
لکھنؤ میں مدرسۂ ناظمیہ اور سلطان المدارس دونوں جگہ کچھ عرصہ درس بھی دیا۔ میں نے موصوف کی مجلسیں لکھنو
میں سنی ہیں۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء / ۲ شعبان ۱۳۹۰ھ لکھنو میں وفات پائی
~~جب میں نے لکھنؤ چھوڑا ہے اس وقت مولانا نکہت صاحب پچاس ساٹھ کے درمیان میں تھے~~
~~تھے کہ ۱۳۹۰ھ کے قریب لکھنؤ میں وفات پائی۔~~
تالیفات: متعدد رسائل و کتب۔ جن میں سے حیات باقر العلوم
مطبوعہ امامیہ [illegible] تفسیر قرآن مجید اردو [illegible] مصنف کراچی میں ہے

حیدر علی سندیلوی : ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

ملا حیدر علی ابن ملا حمد اللہ، سندیلے کے مشہور عالم تھے۔ ان کے والد ملا حمد اللہ سے خاندان شاہان اودھ کے قدیمی تعلقات تھے۔ ملا شیخ حیدر علی صدیقی بھی لکھنؤ میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ شیعوں کے مشہور عالم مولانا دلدار علی غفران مآب ان کے شاگرد تھے۔ مولانا حیدر علی کا خاندان سنی تھا لیکن ان کے والد اور وہ خود شیعہ ہو گئے تھے۔

ان کے اساتذہ میں قاضی احمد، باب اللہ جونپوری اور مولانا حمد اللہ کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

مولانا حیدر علی کی تاریخ وفات ۷ رجب ۱۲۲۵ھ اور مقام دفن مدرسہ حمد اللہ، سندیلہ ہے۔

تصانیف : • تکملہ شرح سلم العلوم۔ • حاشیہ شرح سلم۔ • حاشیہ میر زاہد۔ • حاشیہ میر زاہد ملا جلال۔

(نزہۃ ج ۷)

حیدر علی لکھنوی : ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء — ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء

مولانا حیدر علی بن محمد علی موسوی محلہ توپ دروازہ لکھنؤ کے رہنے والے اور عالم باپ کے عالم فرزند تھے۔ اپنے والد کے علاوہ مولوی تراب علی حنفی (متوفی ۱۲۸۱ھ) مولانا احمد علی محمد آبادی۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب سے، شرح ملا حسن، مسلم الثبوت، زبدۃ الاصول، تہذیب الاصول، مسالک اور مدارک کے درس لیے۔

مفتی صاحب کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ عابد و زاہد، شاکر و قانع، انتہائی منکسر المزاج و محتاط تھے۔ رؤسا کے یہاں سے چہلم کے جوڑے اور فاتحہ کا سامان جو بہت قیمتی ہوتے تھے۔ مولانا قبول نہ کرتے تھے۔

فقہ و اصول میں مجتہد، معقولات میں یکتا اور ادب میں مانے ہوئے ادیب تھے ترویج علوم تدریس کا شوق تھا۔ بہت بڑے بڑے علما آپ کے شاگرد ہوئے۔ مولانا غلام حسنین صاحب کنتوری نے مدرسۂ ایمانیہ قائم کیا تو مولانا اس کے مدرس ہوئے۔ آپ صرف فیلس کا کرایہ لیتے تھے۔ پٹنہ میں نواب لطف علیخاں کے یہاں جمعہ و جماعت پڑھاتے تھے مگر چھ ماہ پٹنے اور چھ ماہ لکھنؤ میں رہتے۔

۱۹ محرم ۱۳۰۲ھ کو رحلت کی اور ممتاز العلماء کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

تلامذہ : مولانا حیدر علی صاحب کثیر التلامذہ تھے۔ آپ کے شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے :

- مولانا سید محمد باقر صاحب۔ • جناب سید محمد جعفر صاحب۔ • صاحبزادگان جناب سید باقر صاحب
- مولانا نثار حسین صاحب عظیم آبادی۔ • احمد حسین صاحب الہ آبادی۔ • علی جواد صاحب زنگی پوری

تصانیف: فہرست تصانیف سے مولانا کے تنوع اور خصوصی ذوق و رجحان کا حال معلوم ہوتا ہے۔

- شرح زبدۃ الاصول۔ • رسالہ در استدلال نجاست کفار۔ • حاشیہ شرح لمعہ۔ • حاشیہ شرح ملا صدرا۔
- حاشیہ شرح حمد اللہ۔ • دیوان عربی۔ • منشأت العربیہ۔ (تکملۂ نجوم السماء، ج ۱، ص ۶)

(خ) خادم حسین، مفتی:

۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء
۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء

مولانا مفتی سید خادم حسین صاحب ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد کے مشہور عالم، مبلغ اسلام، مقدس اور محترم بزرگ۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم مدرسۂ عالیہ رام پور میں حاصل کی اور مولوی فاضل کا امتحان دے کر سلطان المدارس لکھنؤ میں داخل ہوئے اور آیۃ اللہ الاستاذ الاکبر مولانا سید محمد باقر صاحب، مولانا سید محمد ہادی صاحب اور دوسرے اساتذہ سے متوسطات و درس اعلیٰ کے بعد سند الافاضل و صدر الافاضل کی سندیں حاصل کیں۔ ۱۹۲۱ء میں مدرسۂ سلطان المدارس سے فارغ التحصیل ہوئے اور مدرستہ الواعظین میں تربیت تبلیغ کے لیے چلے گئے، وہاں جناب مولانا سبط حسن صاحب قبلہ اور مولانا ابو الحسن صاحب قبلہ سے فیض یاب ہوئے۔ مدرستہ الواعظین نے مولانا کو سندھ کے لیے مبلغ متعین کیا۔ آپ نے خیر پور میں مرکز بنایا اور حمایت اسلام و تشیع میں عمر گزاری۔ قیام پاکستان اور مہاجرین کی آبادکاری میں انتھک کوشش کی۔

مولانا مرزا عبد الحسین صاحب لکھنوی کی وفات کے بعد ریاست خیر پور میں مفتی مقرر کیے گئے تھے عراق و ایران کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک کتاب بھی لکھی۔

مئی ۱۹۵۵ء میں رحلت فرمائی۔

تصانیف: الحق مع حیدر الکرار۔ (مطبوعہ، اردو) (مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ)

لہ۔ مدرسۂ عالیہ رام پور، ریاست رام پور کا مشہور مدرسہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے شیعہ سُنی علمائے نے تعلیم حاصل کی۔ آخر میں مولانا سید محسن نواب صاحب صدر مدرس تھے۔ رام پور کی حکومت شیعہ تھی اور آخری نواب، سر سید رضا علی خاں نے مدرسے کی بڑی خدمت کی تھی۔ رضا علی خان، ریاست رام پور کے آخری نواب تھے۔ ۱۹۴۸ء میں ریاست ضبط ہوئی اور ۶ مارچ ۱۹۶۶ء کو مرحوم ہوئے۔ موصوف نے ریاست کے کتب خانہ رضائیہ کو بڑی ترقی دی، یہ کتب خانہ اس وقت ہندوستان کے وقیع کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔

خادم حسین، فیض آبادی:

حدود ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء
۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء

مولانا سید خادم حسین صاحب بڑا گاؤں ضلع فیض آباد (ہند) جناب مولانا سید عالم حسین صاحب قبلہ استاذ ادب جامعۂ سلطانیہ کے فرزندِ اکبر تھے۔ اپنے والد علام الجناب مولانا محمد رضا صاحب، جناب سید محمد ہادی صاحب اور سرکار محمد باقر صاحب قبلہ سے تلمذ تھا، سلطان المدارس سے ۱۹۳۱ء میں سے صدر الافاضل اور لکھنؤ یونیورسٹی سے دبیر کامل، فاضل ادب اور فاضلِ حدیث میں گولڈ میڈل تھے۔ (۲۵-۱۹۲۸ء)

جناب مولانا عالم حسین صاحب قبلہ کی وفات کے بعد ۱۵ ستمبر ۱۹۳۴ء سے مدرسہ سلطان المدارس میں شعبہ امتحانات عربی و فارسی الہ آباد کے درجہ موزی میں استاد مقرر ہوئے۔ ۱۷ سال بعد اور ٹمیل کالج رامپور چلے گئے، کچھ دنوں بعد افریقہ میں طلب کیے۔ آپ نے وہاں خدماتِ دینی انجام دیئے۔

مولانا خادم حسین صاحب جیدالاستعداد عربی، فارسی کے شاعر و ادیب، فقیہ اور مقدس عالم تھے

خادم علی خان:

۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء
۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء

مولانا خادم علی خان بن سردار بلادل خان بلوچ۔ ملکانی ضلع ڈیرہ غازی خان۔

مولانا آغا سید شرف حسین شاہ صاحب مرحوم ساکن بھکر ضلع میانوالی کے شاگرد تھے۔ نہایت مرد فاضل اور مقدس تھے۔ ساری عمر اس جگہ گزری۔ ہمیشہ طالبانِ علمِ دین کو درس دیتے رہے۔ وسیع کتب خانہ تھا جس کا ایک حصہ اب بھی اسی بستی میں بطور امانت محفوظ ہے۔ جس کے نگران شاد محمد خان بن واجد علی خان بلوچ ہیں۔ اولادِ نرینہ نہیں چھوڑی۔

ان کی ولادت ۱۸۸۹ء اور ۲۹ ستمبر ۱۹۵۹ء میں رحلت ہوئی۔

مسائل فقہ و اصول و کلام پر پورا عبور تھا۔ تاریخ و حدیث پر مکمل نظر تھی۔ مناظرہ کے ماہر تھے اور روزمرہ کا شغل تھا۔ اس علاقہ میں اپنے مواعظ مناظرے اور درس سے بڑی تبلیغ فرمائی۔ نہایت سادہ مزاج بے تکلف گوشہ نشین شہرت پسندی سے دور رہتے۔

اس دور کے اکثر تعلیم یافتہ حضرات ان کے شاگرد رہ چکے ہیں۔

خاقان حسین :

۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء
حدود ۱۳۷۴ھ / ۱۹۴۵ء

سید خاقان حسین ابن سید مظفر حسین رضوی، نواب سید محمد آغا میر کے نواسے تھے، فقہ و منطق و ادب عربی و فارسی آقا احمد آذر بائیجانی سے پڑھے، اور کچھ ترکی بھی سیکھی۔ انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ وثیقہ یاب و رئیس ہونے کے باوجود علوم اسلامی سے شغف رہا۔

موصوف کی ولادت ۱۸۷۶ء میں ہوئی اور وفات ۱۹۴۵ء کے لگ بھگ کان پور میں رہتے تھے۔

اولاد : • قیصر حسین قیصر • انور حسین

تصانیف : • دیوان • معدن الاسرار (مذہبی عقائد، فلسفہ و حکیمانہ و عارفانہ افکار، تین ہزار شعر) • العلم والعمل (اردو)، مذہب شیعہ کے عملی پہلو مطبوعہ • الحکمۃ اللدنیہ (عربی، فلسفہ مطبوعہ)

(انجمن اسلوب جوبلی نمبر)

خدا بخش :

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء

فاضل کامل، میر خدا بخش، جناب غفرانمآب کے شاگرد تھے، وطن کنتور تھا، لکھنؤ میں آفرین علی خاں کے مختار کار تھے۔ ۱۲۳۲ھ میں وکٹوریہ گنج کے آگے تال کٹورے کی کربلا میر خدا بخش صاحب نے بنوائی تھی یہ کربلا موصوف کی آرام گاہ بھی ہے۔ ان کے بیٹے (سوانح حیات غفرانمآب، ورثۃ الانبیاء) فرزند نور رشید علی نے ۱۲۶۲ھ میں کربلا میں رحلت کی۔ اکرام البدیدہ

خورشید حسن

حدود ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء
۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۸ء

مولانا سید خورشید حسن صاحب قبلہ جناب نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد طاب ثراہ کے چھوٹے بھائی جناب مولانا سید بدر الحسن صاحب قبلہ جو کہ اچھے صاحب علم تھے اور بعہدہ ڈپٹی کمشنری ریاست اودے پور میں فائز رہنے کے بعد ریاست محمود آباد میں تحصیلدار کی حیثیت سے تشریف لائے انھیں کے بڑے صاحبزادے اور ناظمیہ عربی کالج کے ممتاز طلبا میں رہ کر ممتاز الافاضل کے بعد درجاتِ اجتہاد کے سلسلہ میں عراق تشریف لے گئے۔ حصول اجازہ ہائے اجتہاد کے بعد لکھنؤ تشریف لائے کچھ عرصہ نور المدارس امروہہ میں پرنسپلی کے بعد جامع مسجد گیا میں امام جمعہ و جماعت رہے اور وہاں تقریباً ۴ سال مقیم رہنے کے بعد امروہہ تشریف لائے اور یہیں انتقال فرمایا مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے مبلغ کی حیثیت سے جناب مرحوم نے خدمات انجام دیں۔ آخر عمر میں فریضۂ حج بھی ادا فرمایا اور زیارات کربلا و نجف سے بھی مشرف ہوئے۔ چند کتب، گیا میں طبع ہوئیں۔ جامعہ ناظمیہ کے سالانہ

جلسہ کی صدارت بھی فرمائی اور جشنِ الماسی میں بہترین خطبہ پیش فرمایا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ آپ بہترین خطیب و ذاکر تھے۔ اور زہد و ورع اور سادگی میں سرکار نجم العلماء کا پرتو تھے۔ موصوف کے ایک فرزند اور متعدد صاحبزادیاں موجود ہیں مولانا خورشید حسن کی تاریخ وفات ۲۳ر جنوری ۱۹۶۸ء / ۲۲ر شوال ۱۳۸۷ھ ہے)

تصانیف: • تنبیہ الغافلین۔ • شرح نہج البلاغہ۔ • نجم الزاہر طبع لکھنو ترتیب و ترجمہ جوامع الکلم (طبع شد) (مولانا محمد محسن نبیرہ، نجم العلماء)

خیرات احمد :

حدود ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

مولانا خیرات احمد صاحب، پٹنہ کے قریب ایک قصبے کے رئیس تھے۔ علومِ دینیہ سے شغف تھا۔ ان کی تبلیغی کتاب "نور ایمان" ساٹھ ستر برس سے مشہور ہے اور عام قاری کے لیے بے حد کارآمد ہے۔ اس کتاب نے سینکڑوں کو مذہب شیعہ کا حلقہ بگوش بنایا۔

۱۹۴۰ء کے کچھ دیر بعد انتقال فرمایا۔

ان کے فرزند سید سلطان احمد خان صاحب برصغیر کے عظیم قانون دان، بیرسٹر تھے۔ اطاعتِ والدین، منکسر المزاجی، محبتِ اہلِ بیت اور ملت کی خدمت میں اپنی مثال آپ تھے۔ موصوف نے ۱۹۶۲ء میں رحلت کی۔

خیرات علی :

حدود ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء

سید خیرات علی ابن قنبر علی بلگرامی، لکھنو کے علماء میں تھے۔ ان کی تالیف "خلاصۃ الایمان" اشارہ صفحے پر مشتمل کتب خانہ وزیری، یزد میں موجود ہے۔ اس کتاب کی تاریخ کتابت ۲۲ محرم ۱۲۰۹ھ ہے

آغاز: الحمد للہ الذی خلق الموت والحیوٰۃ ....

اما بعد فیقول ...... خیرات علی بن سید قنبر علی البلگرامی الھندی

.. ان اعتقدان وجود اللہ تبارک وتعالیٰ ـــ (فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ وزیری یزد، ج ۲ ص ۲۹۲)

آخر کتاب: ولعنۃ اللہ علی اعدائہم الیٰ یوم الدین۔

یہ رسالہ اعتقادیہ ہے۔ اور زبان عربی ہے۔ الذریعہ میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔

خیر اللہ

دیکھیے ـ خیر الدین الہ آبادی

خیرالدین، حیدرآبادی :

۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء
۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء

الشیخ الفاضل خیرالدین بن معصوم الحسینی، مدراسی، حیدرآبادی ۔

ولادت ۱۱۸۸ھ، مدراس۔ تعلیم و تربیت کے لیے اودے گیر میں امیرالدین، امین الدین علی، حافظ حسین، شیخ علاءالدین لکھنوی سے مدراس میں استفادہ کیا۔ پھر شیخ باقر بن مرتضیٰ مدراسی سے تعلیم حاصل کر کے حیدرآباد چلے گئے اور وہاں درس شروع کیا۔ حکومت سے پانچ سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا۔

وفات ۱۲۴۲ھ حیدرآباد (نزہتہ ج ۷ ص ۱۶۳۰)

خیرالدین، الہ آبادی :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

مولانا خیرالدین صاحب اصلاً جون پوری اور بنا بر شہرت الہ آبادی ہیں۔ ان کے تالیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفسیر و حدیث و فقہ و ادب و تاریخ کے عالم تھے۔ بقول مولانا سعادت حسین صاحب۔ جون پور نامہ تالیف مصنف علی ضامن خان رئیس جونپور کے یہاں موجود ہے، جس میں ہر محلہ اور اس کی آبادی کے حالات درج ہیں ہدیۂ عزیزیہ جواب باب چہارم تحفۂ اثنا عشریہ کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں ہے۔ بظاہر عراق ہجرت کر گئے تھے وہیں حدود ۱۲۵۰ھ میں رحلت کی امین الدین حسن ان کے فرزند تھے۔

تصانیف : بلونت نامہ (تاریخ بنارس) تذکرۃ العلماء موجود کتب رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نقد البلاغہ شرح تلخیص المعانی قزوینی تالیف جون پور ۱۲۱۵ھ بقول بدائی اور بقول آغا بزرگ ۱۲۲۵ھ

(نزہتہ ج ۷ ص ۱۶۲ طبقات اعلام ج ۲ تکملہ)

(د) دانشمند خان :

۱۰۸۱ھ / ۱۶۷۰ء

ایران سے متعدد شیعہ علماء و فضلاء، اکبر و جہانگیر و شاہ جہان کے دور میں وارد لاہور و آگرہ و دہلی ہوئے ان میں سے کچھ لوگ سیاست و ریاست میں صاحب اعزاز ہوئے کچھ شعر و ادب میں استاد مانے گئے، کچھ طبیب قرار پائے عموماً اہل علم دین ملا کہلاتے تھے مثلاً ملا احمد یزدی، ملا محمد تقی ہمدانی ملا علاء الملک تونی مخاطب بفاضل خان مظفر خان میر عبدالرزاق نجفی، ملا نوراللہ شوستری ملا احمد ٹھٹھوی، ملا امانت خان میر محمد زمان موسوی خان مرزا معز شاگرد آقا حسین خوانساری، ملا ملک قمی، ملا فتح اللہ شیرازی وغیرہ

ان علماء میں ملا محمد شفیع معروف بہ شفیعا یزدی [illegible] کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ ملا محمد شفیع عرصہ دراز

تک ایران میں علوم حاصل کرتے رہے۔ اور مروجہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے حصول و کمال کے بعد کسب حلال و تجارت کی نیت سے مال و متاع لے کر اکبرآباد و لاہور پہنچے اور مال تجارت بیچ کر، علم و دانش کے آثار چھوڑ کر واپس ہوئے ابھی سورت کی بندرگاہ پہنچے تھے کہ شاہ جہاں نے ان کی قابلیت کا حال سن کر دربار میں طلب کیا۔ ملا صاحب ۹ ذی الحجہ ۱۰۶۰ھ کو دربار شاہ جہان (دہلی) میں شرف یاب ہوئے، بادشاہ نے خلعت، تین ہزار روپیہ اور ہزاری صد سوار کا منصب عطا کیا (شاہ جہان نامہ ج ۳، ص ۱۱۵) ملا صاحب نے ایک مختصر مدت میں فلسفہ و ہیئت و حساب (سائنس) میں کچھ ایسے کمالات دکھائے کہ میر بخشی و منصب پنج ہزاری تک ترقی کی۔

(شاہ جہان نامہ، ص ۲۸۲)

۹۶۴ھ میں "دانشمند خان" خطاب پایا۔ ۱۰۶۶ھ میں منصب بخشی گری سے مستعفی ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

عالم گیری جلوس کے دوسرے سال چار ہزاری ذات دو ہزار سوار کا منصب ملا جو ۵ھ جلوس میں پنج ہزاری اور آٹھویں سال جلوس میں قلعہ دہلی کی نگرانی و صوبہ داری، ۱۰ھ جلوس میں میر بخشی اور ۱۲ھ جلوس میں آگرے کی نظامت بھی ملی۔

عالمگیر نے دانشمند خان خطاب ملا، اور کچھ کتابیں ان سے پڑھیں خصوصاً احیاء العلوم غزالی فرحۃ الناظرین محمد اسلم پسروری، ص ۱۷۰، مشمولہ مقالات مولوی محمد شفیع ج ۴)

شاہ جہاں نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) اور مولانا سے ایک نحوی و تفسیری بحث کرائی جس کا موضوع تھا واو "إياك نعبد و إياك نستعين" یہ بحث بہت عرصے تک جاری رہی۔ آخر کار ملا سعد اللہ خان کے فیصلے پر ختم ہوئی۔ سعد اللہ خان (م ۱۰۶۶ھ) "ثالث تھے، فیصلہ میں برابری کا اعتراف تھا (مآثر الامراء) یہ بحث ۱۰۶۵ھ کے حدود میں ہوئی تھی۔ مآثر الامرا میں ہے کہ جب شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو ملا عبدالحکیم سے بحث کا اشارہ ہوا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملا شفیع بڑے عالم و مناظر تھے۔

ملا شفیعا، مغربی علوم و فلسفے کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے برنیر کہتا ہے کہ مغربی علوم پر مذاکرات کرتے تھے یعنی لاطینی زبان، اور مغربی سائنس میں درک حاصل تھا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ دانشمند خان کے بعد ان جیسا کوئی فاضل آدمی مغل حکومت میں نہیں دیکھا گیا۔ (٭ عمل صالح ٭ مآثر الامراء ٭ فرحۃ الناظرین)

. . . .

داؤد علی، عظیم آبادی:

حدود ۱۱۶۰ھ / ۱۷۵۶ء

داؤد علی بن محمد نصیر، شیخ پور و عظیم آباد سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے والد اور علماء معاصر سے مستفید ہوئے

حج و زیارات سے مشرف ہوکر، علمائے عرب و عجم سے فیض یاب وطن آئے، عبادت و وعظ و درس میں مصروف رہے گیارہ سو ساٹھ ستر کے درمیان فوت ہوئے۔ (نزہتہ ج ٦ ص ۸۳)

دبیر، سلامت علی :

۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء
۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء

سلامت علی دبیر ابن غلام حسین، ملا اہلی شیرازی کی اولاد سے تھے، اس خاندان کے بزرگوں میں ملا رفیع شاہ دہلی کے میر منشی تھے۔ غلام محمد اور ان کے بیٹے غلام حسین سیاسی افراتفری کی وجہ سے پریشان حال رہے۔ غلام حسین ۱۲۲۴ھ کو لکھنو آئے تو مرزا صاحب سات سال کے تھے کیونکہ ان کی ولادت ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۱۸ھ ۲۹ اگست ۱۸۰۳ء کو محلہ بلی ماراں دہلی میں ہوئی تھی۔

مولانا غلام ضامن اور مولانا مرزا کاظم علی اخباری (متوفی ۱۲۴۹ھ) اور ملا مہدی مازندرانی مجتہد (متوفی ۱۲۵۹ھ) اور مولوی کاظم علی اخباری رحمہم اللہ سے صرف و نحو، معانی و بیان، منطق و فلسفہ، تفسیر و حدیث فقہ و اصول کا درس لیا۔

مرزا سلامت علی دبیر، فارسی و عربی کے عالم اور متقی و عارف، سخی، عابد و زاہد بزرگ تھے۔ ان کی شہرت مرثیہ گوئی کی حیثیت سے ہوئی۔ مگر وہ دراصل عالم و واعظ تھے۔ ان کے مرثیہ میں استدلال، بحث، تاریخ و تبلیغ کا بھرپور مظاہرہ ہے۔ انھیں بالاتفاق عالم و مقدس مانا گیا۔ کچھ لوگ انھیں اخباری کہتے تھے کچھ محتاط۔

مرزا صاحب نے تیسویں محرم ۱۲۹۲ھ رات کو قریب صبح صادق رحلت کی، دریائے گومتی پر غسل ہوا، جناب سید ابراہیم صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور مجمع عظیم کے ساتھ خود ان کے گھر میں دفن کیا گیا۔

اولاد: جناب مرزا محمد اوج صاحب (م ۱۳۳۵ھ) ٭ مرزا محمد ہادی حسین عطارد (م ۱۲۹۱ھ)

تصانیف: ٭ مراثی و قصائد و مثنویات و قطعات (عربی و فارسی) اردو ابواب المصائب

دلدار حسین، مفتی :

حدود ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء

سید دلدار حسین بن سید عسکری علی بن سید علی رضا ترمذی داعی پوری، بلگرامی فقیہ شاگرد رشید سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب۔ ٭ سلطان العلماء نے انھیں مفتی کا منصب سپرد کیا ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد عراق چلے گئے۔

تصانیف: ٭ حجۃ الاسلام۔ ردِ منتہی الکلام۔

اولاد : • محمد تقی • محمد رضا • علی نقی جو ۱۳۰۶ھ میں زندہ تھے۔ رسالۂ تحفۂ سلیمانیہ پر ان کی تقریظ سے ان کے علم پر روشنی پڑتی ہے (طبقات اعلام الشیعہ ۲/۲، ص ۵۱۸)

دلدار حسین :

فہرست افاضل مدرسۂ سلطان المدارس لکھنؤ میں ایک بزرگ ہیں۔ مولانا دلدار حسین صاحب صدر الافاضل ان کے احوال نہیں مل سکے۔

دلدار علی غفران مآب : ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء — ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء

برصغیر کے مجدد زعیم اور حکومت اودھ میں دینی نظام کے داعی جناب غفران مآب سید دلدار علی ہمارے علما میں سب سے بلند مرتبے کے مالک ہیں۔ موصوف کا خاندان صدیوں سے رائے بریلی کے قریب نصیر آباد و جائس نامی قصبوں میں آباد تھا۔ آخری زمانے میں سید محمد معین بن عبدالہادی ایک مقدس زمیندار کی حیثیت سے نصیر آباد میں رہتے تھے۔ اللہ نے اس سید محترم کو ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۲ء، ۱۷۵۳ء میں ایک فرزند بلند اقبال مرحمت فرمایا۔

نصیر آباد کے اکابر میں ایک صاحب جو اس زمان و مکان میں موجود تھے، کہا کرتے تھے کہ جناب کی ولادت شب جمعہ کو ہوئی اور میں نے اس مکان میں ایک نور چمکتے دیکھا۔ (ورثۃ الانبیا)

ہوش سنبھالا تو گھریلو تعلیم اور ابتدائی کتابیں وطن میں پڑھیں اور گھر کا کام کاج کرنے لگے۔

ایک روز اپنے مویشی لیے کھیت میں مصروف کار تھے کہ صدا آئی " دلدار علی اپنی تعلیم جاری رکھو" دل کی آواز یا غیب کا اشارہ ملتے ہی طبیعت نے شوق اور دل نے عزیمت کی انگڑائی لی اور متوسطات پڑھنے رائے بریلی اور الہ آباد گئے۔ رائے بریلی میں مولوی باب اللہ سے اور الہ آباد میں فاضل کامل سید غلام حسین دکنی سے اور لکھنؤ کے قریب سندیلے میں مولانا حیدر علی ابن ملا حمد اللہ سے منقولات و معقولات کا درس مکمل کیا۔

شاید یہی وہ زمانہ تھا کہ ایک غیر مسلم دوکاندار سے رات کو حفاظتِ دوکان کی شرط پر اس کے چراغ کی روشنی میں پڑھنے اور اس دوکان کے باہر سونے کی اجازت لی اور یہ دور صبر و محنت سے گذار کر علم سے بہرہ ور ہوئے (آغا مہدی : سوانح حیات غفران مآب)

مولوی محمد باقر شمس فرماتے ہیں کہ مولانا دلدار علی اس نو عمری میں ذہانت و ذکاوت میں اس درجہ پر تھے کہ بسا اوقات استاد کے الجھے ہوئے مطلب کو اس طرح سلجھا دیتے تھے کہ طلبہ کے ذہن میں اتر جاتا تھا۔

فیض آباد کا واقعہ مشہور ہے کہ اقلیدس کا کوئی مسئلہ زیر بحث تھا۔ طالب مطمئن نہ ہو رہے تھے استاد بار بار سمجھاتے تھے مگر مسئلہ الجھتا جا رہا تھا۔ مولانا دلدار علی بڑھے، قلم اٹھا کر ایک سرا زمین پر اور ایک سرا دیوار پر رکھا اور مثلث کی عملی شکل بنا کر زیر بحث مسئلہ کو حل کر دیا، یہ بات استاد کو ناگوار گذری اور اس کا تذکرہ نواب حسن رضا خان تک پہنچا اور اسی طرح تقریب ملاقات نکل آئی۔

شاہجہان پور میں ملا عبد العلی صاحب سے ایک مسجد میں ملاقات ہوئی موصوف نے شرح سلم ملا حمد اللہ پر کچھ بڑے بڑے اعتراض کیے تھے، مباحثے میں مولانا نے ان اعتراضات کو رد کر کے ملا صاحب کو حیران کر دیا۔

ملا حسن سے دہلی کی جامع مسجد میں ملاقات ہوئی اور مسئلۂ انجرار و تز پر تفصیلی بحث میں ملا صاحب کو اعتراف فضل کرنا پڑا۔ (ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ، ص ۱۲)

ہندوستان میں تکمیل تحصیل کے بعد عراق و ایران کے لیے کمر ہمت باندھی اور اس عہد کے عالم جلیل، مجدد فقہ و اصول، زعیم اکبر ملا سید محمد باقر بہبہانی (متوفی ۱۲۰۸ھ) سید مہدی طباطبائی (م ۱۲۱۲ھ) سید مہدی موسوی شہرستانی (متوفی ۱۲۱۶ھ) سید علی صاحب ریاض المسائل (متوفی ۱۲۳۱ھ) تاریخ تشیع کے رہنما اور حوزۂ علمیہ نجف و کربلا کے سربراہ تھے۔ ان حضرات کے تلامذہ نے شام، حجاز ایران، ہندوستان اور خلیج فارس کی عرب ریاستوں اور ترکی میں فقہ شیعہ پر بہت کام کیا۔ آقای بہبہانی تمام شیعی دنیا کے مرجع تھے۔ ان کا حلقۂ درس نجف و کربلا کی تاریخ کا ممتاز حلقہ مانا گیا ہے۔

مولانا دلدار علی نجف و کربلا و سامرا کے ان اساتذہ سے اجازات لے کر ایران پہنچے اور یہاں کے شیخ الفقہ والاصول سید مہدی ابن ہدایت اللہ اصفہانی کے درس میں حاضری دی۔ کچھ عرصے تک قم و مشہد میں قیام کر کے اکابر علمائے سند حدیث و اجازات لیے ایران سے وطن کا رخ کیا۔

سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خان اور رؤساء و علماء فیض آباد و لکھنؤ مولانا کی واپسی کے منتظر تھے، نواب حسن رضا خان علم پرور اور دین کے حامی تھے۔ انھوں نے مولانا کو سفر عراق کے لیے بیش قرار

لہ برصغیر میں شیعہ مدارس کی تاریخ بہت طویل ہے۔ دہلی، آگرہ، لاہور، ٹھٹھہ، بھکر، سورت، مدارس، بیجاپور حیدرآباد، احمد نگر، مرشد آباد، میسور، کلکتہ، عظیم آباد جیسے شہروں میں عموماً مدارس بکثرت قائم ہوئے برہان نظام شاہ نے قلعہ احمد نگر کے سامنے مدرسہ بنوایا اور جون پور، سنور، آسیا پور (احمد نگر) کے گاؤں اس مدرسے کے لیے وقف کیے۔ علی وردی خان نے مرشد آباد میں مدرسہ بنوایا اور عرب و عجم کے شیعہ علماء وہاں جمع کیے۔ فیض آباد میں نواب بہو بیگم صاحبہ کے علاوہ حسن رضا خان وزیر آصف الدولہ نے مدرسہ بنوایا اسی معارف پرور وزیر نے فرخ آباد میں بھی درسگاہ بنوائی جس کے ایک مدرس عبد الواحد خان خیر آبادی تھے۔ (حاشیہ)

امداد بھی دی تھی۔ مولانا کی لکھنؤ آمد کا سنہ ۱۱۹۴ھ بتایا جاتا ہے، سفر اور قیامِ عراق کا زمانہ متعین کرنے کے لیے کسی سوانح نگار نے کچھ نہیں لکھا، چونکہ اجازات علماء اسی زمانے میں چھپ گئے تھے اس لیے اگر وہ دستاویز مل جائے تو سفرِ عراق کے بہت سے نکات سامنے آجائیں۔

مولانا آغا مہدی صاحب کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غفراں مآب کو اپنے استاد سے غیر معمولی محبت و عقیدت تھی، وہ جب وطن آئے تو ان کا کرتہ تبرک کے طور پر ساتھ لائے۔ یہ معلوم نہیں کہ استاد سے مراد، آیۃ اللہ بہبہانی ہیں جن کی عمر سو برس اور علم و عمل میں اصحابِ معصومین کا درجہ رکھتے تھے، دینی اقدار کی بحالی، مدارس و علماء کا سلسلہ تمام اسلامی علاقوں میں پھیلانے والے تھے) یا کوئی اور بزرگ!

غفراں مآب لکھنؤ آئے تو یہاں علومِ عقلیہ کا زور تھا، شیخ علی حزیں، خان علامہ تفضل حسین خان کے تلامذہ ملا حمد اللہ اور ملا حسن کے شاگرد پھیلے ہوئے تھے۔ خود مولانا دلدار علی بھی معقولات میں شہرت کے حامل تھے۔ معقولات کے بعد دینی علوم میں اصولِ فقہ کا چرچا کم اور اخباریت کا دور دورہ زیادہ تھا۔ مولانا مرزا محمد عسکری مفتی شہر تھے، حکومت سے پانچ سو روپے تنخواہ تھی۔ (لکھنؤ کی تہذیبی میراث ص ۲۳۲) مولانا دلدار علی، آیۃ اللہ بہبہانی اور سید علی طباطبائی جیسے اصولیوں کے شاگرد اور اصولی عالم و مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے ایک حلقے میں بڑی پذیرائی ہوئی۔ موصوف نے حکومت کا تو کوئی منصب قبول نہیں فرمایا، مگر لوگوں کے دل موہ لیے۔ نواب حسن رضا خان نے مولانا دلدار علی صاحب کو نصیر آباد سے بلا کر لکھنؤ میں بڑے اعزاز و احترام سے رکھا، مولانا نے یہاں درس قائم کیا، کتابیں لکھیں۔ اصولِ فقہ و اجتہاد کا تعارف کرایا، اخباریت کی تردید کی۔ اس سلسلے میں "اساس الاصول" کی تالیف خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ پانچ چھ سال کی کوشش بارور ہوئی اور کم از کم دو ایسے شاگرد ابھر کر سامنے آئے کہ ملا محمد علی بادشاہ نے آصف الدولہ مرحوم کو جو رسالہ "فضیلت نمازِ جماعت" پر لکھا تھا، اس کی عبارت "ملا علی" کے احوال میں مندرج ہے، اس خط میں مولانا دلدار علی کے لیے شاندار خیالات کا اظہار ہے:

"عاکفِ کعبۂ مقبلی و سعیدِ ازلی، میر دلدار علی ست کہ از سالکانِ راہ مقربانِ درگاہ است۔ بشری ست فرشتہ سیرت و آدمی قدسی سریرت کہ انوار عرفان و اشعۂ ایمان از حلیہ اش

(بقیہ حاشیہ) نواب سعادت علی خان آف اودھ کے وزیر حکیم و مولانا مہدی کشمیری نے فتح گڑھ میں مدرسہ قائم کیا۔ بدن پور، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، غرض ہر جگہ مدرسے تھے جن میں سے دو تین مدرسوں کا تذکرہ مولوی ابو الحسنات ندوی نے اپنے رسالے "ہندوستان کی گذشتہ اسلامی تعلیم گاہیں" میں لکھا ہے۔ (مرتضیٰ)

درخشاں فروغ علم و عمل از جبہۂ اش تاباں، رافع اعلام شعائر شرع سید الانام و سرمایۂ برکت خواص و عام، زبدۂ اذکیا فحول، جامع منقول و معقول۔ بحر لیست مواج و ملکی امتزاج، بالاھتداء حقیق و بالاقتداء بلیق

از مجتہدین کربلای معلی و مشہد مقدس ثامن ائمہ ہدیٰ سجل و افتاء ابمہر و توقیع رسانیدہ و استفاضۂ فقہیہ نمودہ است، بر محک اعتبار ایشان طلائین کامل عیار برآمدہ۔ تحمل مشقتہای دو رود راز کردہ گوہر اجتہاد بدست آوردہ، سعیش مشکور و مشقتش ماجور شدہ۔

"صدق الله العظیم والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان الله لمع المحسنین" .. ..

و پرہیزگاران دیگر ہم از تلامذۂ ایشان ذوالنفس

القدسیہ والخصال الملکیہ، شعلۂ ادراک و ذکا سید مرتضیٰ و مرزا محمد خلیل زائر، کہ بلاشبہ قابل امامت نماز اند"۔

اس خط پر تاریخ نہیں ہے، لیکن تیرہ رجب ۱۲۰۰ھ/ ۱۲ مئی ۱۷۸۶ء کو پہلی مرتبہ نماز جماعت کے انعقاد سے زمانۂ تحریر متعین ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۱۹۹ھ کے قریب لکھا گیا ہوگا۔

مولانا محمد علی بادشاہ دینی سربراہ اور فیض آباد میں نواب بہو بیگم صاحبہ کی سرکار میں اثر رکھتے تھے، حسن رضا خان نے تعمیل حکم میں ۱۳ رجب کو اپنے گھر پر نماز ظہرین کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر خود مولانا محمد علی صاحب کے علاوہ شیخ اکبر علی چشتی مودودی الہ آبادی م ۱۲۱۰ھ) بھی اقتدار کے لیے حاضر تھے۔ دو ہفتے کے بعد ۲۷ رجب ۱۲۰۰ھ/ ۲۶ مئی ۱۷۸۶ء کو نماز جمعہ ہوئی۔ نماز کے بعد موعظے کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ بدعات کے خلاف تقریریں اور اخلاق و عادات کی اصلاح پر خطبے دیئے۔ اخباریت نے فقہی جمود اور تصوف نے اسلامی اقدار میں تعطل پیدا کر رکھا تھا۔ مولانا کی کوششوں سے اور ان کی تقریروں کے اثر سے سب سے بڑی بات تو یہ ہوئی کہ آصف الدولہ نے بھنگ کی عادت چھوڑ دی اور توبہ کی۔ پھر اخباریت کے بے معنی حامی فقہ و اصول کا درس لینے لگے۔ تصوف کے پرستار شیعہ سنی، پیری مریدی، عرس، قوالی، قبروں پر چادریں، پنکھے اور بیرقیں چڑھانے میں حد سے آگے بڑھ چکے تھے۔ مولانا نے بھنگ کے بھونرے، شیخ سدو کا بکرا، شیخ فرید کی شیرینی، باباشکر گنج کا کوٹا شاہ مدار کی کندوری، سید سالار کی بیرق جیسے رسومات کو یک قلم ختم کرادیا۔

آصف الدولہ نے خود سرکاری سطح پر جامع مسجد اور امام باڑہ بنوایا، سرفراز الدولہ حسن رضا خان نے کم و بیش ڈیڑھ لاکھ روپے کی کتابیں خرید کر عظیم الشان اسلامی کتب خانہ قائم کیا۔ مجلس درس کا قیام عمل میں آیا۔ اور مولانا دلدار علی کی محنت سے لکھنو کی نو مولود حکومت شیعہ مذہب کے اقدار و تعلیمات کے پرچار اور اسلامی

دعوت و افکار کی مروج ہوئی۔ مولانا دلدار علی نے نمازِ جمعہ، بدعتوں کے قلع قمع، درسِ اجتہاد کے قیام میں اوّلیت کا امتیاز حاصل کیا۔ اور حکومتِ اودھ نے دکن کی حکومتوں کے بعد شمالی ہند میں شیعہ مذہب کو استحکام و رواج دینے میں ان کی کمک کی اور ایک اتنی بڑی کامیابی حاصل کی جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ کے ورق عاجز ہیں۔ وہ بات تھی شیعہ سنی اتحاد۔

لکھنؤ میں شیعہ سنی علاقوں سے آباد تھے، سنی علما کا اثر و اقتدار تھا۔ حکومتِ اودھ نے سنی علماؑ کو قاضی و مفتی مقرر کیا اور شیعہ مفتی و قاضی معین کیے۔ شیعہ علماؑ نے حکومت کی سرپرستی کے باوجود سنی نظامِ حکومت میں کوئی مداخلت نہیں کی اور سنیوں نے شیعوں کے معاملات میں دخل نہ دیا، دونوں علما شیر و شکر تھے۔ اور دونوں مدرسوں کے طلباؑ ایک دوسرے کے اساتذہ سے مستفید، برادرانہ فضا قائم تھی اور یک جان دو قالب کا منظر عام تھا۔ فرنگی محل سنی علما کا محلہ تھا اسی کے برابر جوہری محلہ غفران مآب اور ان کی اولاد و تلامذہ کا محلہ، دونوں کی مرکزی حیثیت تھی۔

کو کلتاش خاندان مدتوں سے لکھنؤ میں آباد تھا۔ اور درگاہ قدم رسولؐ ان کی تولیت میں تھی آصف الدولہ کے زمانے میں میر منصور اور میر سنگی میں مقدمہ بازی ہوئی۔ عرصے تک مقدمہ چلتا رہا۔ مفتی غلام حضرت (متوفی ۱۲۳۴ھ) اور صدر الصدور مفتی جلال صاحبان اس معاملے کو طے نہ کر سکے تو جناب مولانا سے رجوع کیا گیا اور مولانا نے اختلاف ختم کرا دیا، صلح نامے کی عبارت یہ ہے:

> "در کچہری عدالت العالیہ پیش مفتی غلام حضرت برائے سوال و جواب می فرستادیم تا مدتی آنجا قضیہ ماند، عاقبت الامر بحضور جناب سید دلدار علی صاحب مصالحۂ شرعیہ واقع شد۔"

۱۰ ذی قعدہ ۱۲۱۱ھ کی اس تحریر پر مندرجہ ذیل علماؑ کے دستخط ہیں۔ مفتی غلام حضرت — مفتی سعد اللہ — مفتی گھسیٹ خان — مفتی نعمت خان اور مفتی جلال (سوانح حیات غفران مآب ص ۱۶)

یہی ایک واقعہ نہیں بہت سے ایسے واقعات ہوئے جن میں باہمی حب الوطنی نے کام کیا اور علمی خدمت کے لیے اچھا ماحول مل گیا۔ ۱۲۲۹ھ میں شاہ زمن غازی الدین حیدرؒ نے تختِ حکومت پر قدم رکھا اور مولانا دلدار علی کی دینی جد و جہد ربع صدی پوری کر کے پانچ سال زیادہ کی عمر حاصل کر چکی۔ ان کے فرزند سید محمد صاحب جو ۱۱۹۹ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اب تیس سال کے تھے۔ اور علوم دین کی تعلیم سے فارغ ہو کر والد کے معاون بن چکے تھے۔ مرجعیت کبریٰ کا عالم اور ستتر اٹھتر برس کی عمر تھی۔

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۵ھ کو انھوں نے فرزند اکبر کو مبلیت نامہ لکھتے ہوئے اپنا قائم مقام

نامزد کیا۔ اس تحریر کے دو مہینے سات دن بعد مولانا دلدار علی نے رحلت فرمائی۔
مولانا دلدار علی غفران مآب کی تاریخ وفات شب ۱۹ رجب ۱۲۳۵ھ مطابق ۳ مئی ۱۸۲۰ء ہے۔
لکھنؤ میں ان کی رحلت سے تلاطم بپا ہو گیا۔ مولانا سید محمد صاحب قبلہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خود جناب کے عزاخانے میں سپرد لحد کیا۔ اس وقت سے مولانا دلدار علی کو غفران مآب کہا جاتا ہے۔ سیکڑوں مرثیے اور قطعات تاریخ لکھے گئے۔ جن میں ایک جامع قطعہ جناب مولانا احمد علی صاحب کا یہ ہے:

فقیہ و مجتہد و عالم و مروّج دیں — شریف مکرئہ علم و کمال و فضل و تقا
ضیائے دیدۂ دروازۂ مدینۂ علم — عزیز مصر سیادت، سپہر مجد و علا
مدید چشم فلک مثل آں مجدد دیں — کہ فتنہا اند بفضل و بزرگیش اعدا
جمال در نظر علم و کمال دانشت ایں — کہ بُدز دوز ازل مہبط فیوض خدا
بآبیاری ارشاد آں سحاب فیوض — دمید در گل ناچیز ہندیش گلہا
رسید چوں شب تاسع عشر ز ماہ رجب — سفر بروضۂ رضواں نمود از دنیا
دریں مصیبت جانکاہ شیعیان یکسر — بسوز سینہ نمودند ماتمش برپا
چو ایں مصیبت عظمیٰ در اہل دیں رو داد — بدل گذشت کہ تاریخ اس کنم انشا

سروش غیب ہماں وقت ناگہاں فرمود
ستون دیں بزمیں اوفتادہ واویلا (۱۲۳۵ھ)

خدمات: جناب غفران مآب، ہندوستان کی آخری خود مختار اور شاندار حکومت کے ابتدائی دور میں آفتاب بن کر ابھرے۔ ان کے علمی انوار سے آج تک کی تاریخ منور ہے۔ وہ پہلے نامور عالم ہیں جو برصغیر سے تحصیل علوم اجتہاد کے لیے عراق گئے اور مجدد اکبر، آیۃ اللہ محمد باقر بہبہانی سے کسب فیض کر کے آئے اور اس فیض کو زبان و قلم، درس و کردار سے عام کرنے میں کامیاب ہوئے۔ علمائے عراق و ایران نے ان کو مساویانہ، پھر بزرگانہ القاب سے یاد کیا۔

- جناب غفران مآب ان خوش نصیب علما میں ہیں جنھوں نے شب قدر کی مبارک ساعت میں زیر قبۂ حضرت امیر المومنین علیہ السلام دعا فرمائی کہ ان کی اولاد در اولاد علم دین سے وابستہ رہے اور علمائے مجتہدین پیدا ہوتے رہیں۔ ان کی دعا قبول ہوئی اور کم و بیش دو سو برس سے یہ سلسلہ جاری ہے۔
- نواب آصف الدولہؒ سے تحریک کر کے کربلا میں نہر بنوائی اور نجف و کربلا و مقامات مقدسہ کے لیے بیش قرار روپیہ بھیج کر مدارس و طلبہ کی امداد کی۔

- بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا اور کتب خانوں کے بنانے میں لوگوں کی مدد کی۔
- مسجدوں کی تعمیر کا سلسلہ قائم کیا۔ خود آپ کے نام کی دو مسجدیں مشہور ہیں ایک نصیر آباد میں دوسری لکھنؤ میں
- امام باڑے بنوائے، خود ان کے بنا کردہ دو عزا خانے ہیں۔ ایک لکھنؤ میں دوسرا نصیر آباد میں۔
- امام حسین علیہ السلام کے روضۂ اقدس کی تعمیر کے لیے کربلائے معلّیٰ میں نواب اودھ سے روپیہ بھجوایا۔
- اخباریت و تصوّف و بدعات کو ختم کیا۔ • عزاداری کو فروغ دیا۔ • اپنی زمین پر کنویں بنوائے
- حکمران اور اعلیٰ عہدیداروں کو مذہب کا پابند کیا۔ • سُنی شیعہ اتحاد قائم کیا۔ • متعصب افتراق پسند حضرات کے ان حملوں کا دفاع کیا جو ایک طویل مدت سے شیعوں پر ہو رہے تھے۔ • منبر پر وعظ و مستند تفسیر و حدیث و مناقب و مصائب کو فروغ دیا۔

اولاد : • سلطان العلما سید محمد رضوان مآب (م ۱۲۸۴ھ) • مولانا سید علی المفسر (م ۱۲۵۹ھ، کربلا)
- مولانا سید حسن، (م ۱۲۵۹ھ) • سید مہدی۔ • سید العلما سید حسین (م ۱۲۷۳ھ) علیین مکان
- دختر۔

تصانیف : جناب غفران مآب نے انتہائی پریشانی اور بے حد مصروفیت کے عالم میں تصنیف و تالیف کا کام کیا اور بہت بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ستائیس (۲۷) کتابوں کے نام معلوم ہو سکے
- اساس الاصول (عربی، ردِ اخباریہ، طبع لکھنؤ ۱۲۶۲ھ) • منتہی الافکار (عربی، مطبوعہ، اصول فقہ،
- مرآۃ العقول معروف بہ عماد الاسلام اصولِ دین میں ہر اصل پر ایک جلد اور ہر جلد ضخیم و طویل، (عربی، مطبوعہ تین جلدیں، علمِ کلام) • شہابِ ثاقب (عربی، غیر مطبوعہ، ردِ صوفیا) • صوارم الالٰہیات (فارسی، طبع کلکتہ، ردِ تحفۂ اثنا عشریہ)۔ • حسام الاسلام (فارسی، جواب تحفہ، بابِ نبوّت)۔ • تتمۂ صوارم، (فارسی، جواب تحفہ، بابِ امامت۔ • ذوالفقار، (فارسی، جواب تحفہ، باب ۱۲، طبع لودھیانہ۔
- رسالہ در حکم اوانی ذہب و فضہ • اثارۃ الاحزان علی قتیل العطشان، (عربی، مقتل، غیر مطبوعہ)
- مسکن القلوب عند فقد المحبوب، (عربی، مصائب الانبیاء و آئمہ)۔ • اجازہ مبسوطہ و وصیت نامہ (عربی و فارسی)۔ • حاشیہ شرح حکمۃ العین ملا صدرا، (عربی، فلسفہ، غیر مطبوعہ)۔
- حاشیہ شرح مسلم العلوم ملا حمد اللہ (عربی، منطق، مطبوعہ لکھنؤ)۔ • رسالہ بر بحث مثناۃ بالتکریر • رسالہ در رد نصاریٰ۔ • مطارق (رد اخباریین)۔ • رسالہ در جواب محمد سمیع صوفی (فارسی، ۵۰ صفحات، غیر مطبوعہ)۔ • رسالہ کفن (ادعیہ کفن)۔ • جواب مسائل فقہیہ (فارسی

• احیاء السنہ (فارسی، جواب تحفہ، بحث، معاد و رجعت۔ • رسالہ غیبت (فارسی، طبع لکھنو)
• مواعظ حسینیہ۔ • شرح حدیقۃ المتقین، طہارت، صوم، زکوٰۃ (۳ جلد فقہ، فارسی، غیر مطبوعہ) • رسالہ جمعہ۔ • رسالہ ارضین، بارہ گھنٹے سورج والے علاقوں کے احکام، کفارے معاملات پر بحث استدلالی۔

تلامذہ : • مولانا سید مرتضیٰ (مؤلف اسرار الصلوٰۃ داوزان شرعیہ)۔ • مولانا سید احمد علی۔ • مفتی محمد قلی
• میرزا فخر الدین احمد خان معروف بمیرزا جعفر مؤلف تحفۂ آصفیہ۔ • مولانا سید یاد علی مفسر (م ۱۲۵۲ھ)
• مولانا میرزا محمد خلیل۔ • مولانا سید غلام حسین۔ • مولانا سید محمد باقر واعظ۔ • مولانا سید نثار علی
• مولانا الحاج سید نظام الدین حسین۔ • مولانا سید جواد علی۔ • مولانا میرزا علی شریف خان۔
• مولانا سید مرتضےٰ۔ • مولانا میرزا محمد رفیع معروف بمیرزا مغل خافل (م ۱۲۴۷ھ)۔
• مولانا سید علی اصغر بن بہاء الدین۔ • علی نقی ابن بہاء الدین۔ • مولانا الحکیم میرزا علی۔ • مولانا امان علی
• مولانا سید حمایت حسین عرف علی بخش مترجم (اردو) اساس الاصول۔ • مولانا حکیم میرزا اسمٰعیل (مبلغ در دکن)۔ • مولانا میرزا محمد علی (مہاجر مکہ) • مولانا حکیم سید احسان علی۔ • مولانا بنیاد علی۔
• مولانا سید سجاد علی، مترجم مقدمات عماد الاسلام (اردو)۔ • مولانا میر کاظم علی۔ • مولانا میرزا زین العابدین۔ • میرزا محسن۔ • مولانا سید اعظم علی۔ • مولانا علی نقی قزوینی۔ • مولانا بناہ علی۔
• مولانا میر خدا بخش بانی کربلا تال کٹورہ لکھنؤ (در سنہ ۱۲۳۲ھ)۔ • مولانا عبد العلی[1] دیوکھٹوی نیز ان کے دو فرزند سید محمد و سید کلب علی فیض آبادی۔ • مولانا سید اعظم علی۔ • مولانا اشرف علی بلگرامی۔
• مولوی منو خان۔ • مولانا محمد عبادت امروہوی۔

ماخذ : • نجوم السماء۔ • تذکرۂ علمائے ہند۔ • ورثۃ الانبیاء۔ • بے بہا۔ • آغا مہدی : سوانح حیات غفران مآب۔ • محمد باقر شمس : ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ نیز تاریخ لکھنؤ حصہ اول۔
• صفدر حسین : لکھنؤ کی تہذیبی میراث۔ نیز دیکھیے میرا مقالہ در "دائرۂ معارف اسلامیہ اُردو" دانش گاہ پنجاب لاہور و نزہۃ الخواطر

---

[1] مولانا عبد العلی کی ولادت ۱۱۶۲ھ اور وفات ۱۲۴۳ھ میں ہوئی۔ انھیں ملا محمد علی پادشاہ سے بھی تلمذ حاصل تھا، مولانا عبد العلی نے فیض آباد میں امامت جمعہ و جماعت کرائی اور ان کی اولاد اُب تک عالم ہے۔
(سبط محمد : امجد علی شاہ، ص ۱۴۴)

دیدار جہاں :
حدود ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء

تقدس و تورع ایاب مولانا سید دیدار جہاں مترجم احادیث ، مفسر قرآن ، جناب غفران مآب کے شاگردوں میں تھے ، ورثۃ الانبیاء میں تذکرۃ العلماء سے یہی سطر نقل ہے ۔

مولانا آغا مہدی صاحب نے بڑا گاؤں ضلع فیض آباد کا باشندہ اور مولانا عالم حسین صاحب کو ان کا نواسا لکھا ہے ۔ مولانا سبط محمد فیض آبادی نے اپنی وقیع کتاب " امجد علی شاہ " میں اس پر بحث کر کے بتایا ہے کہ یہ بزرگ راجہ ارادت خان ، رئیس خرسون ضلع اعظم گڑھ کی اولاد سے تھے جو ۱۸۵۷ء کے بعد بڑا گاؤں ضلع جون پور میں آباد ہوا " مولانا دیدار جہاں ۱۲۵۳ھ میں فوت ہوئے ۔ (امجد علی شاہ ، ص ۲۲۶)

(ذ) ذاکر حسین لکھنوی :
حدود ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

مولانا سید ذاکر حسین ابن مولانا سید حامد حسین فردوس مکان ، سرکار ناصر الملت کے چھوٹے بھائی ، عالم و فاضل ، ادیب و شاعر ۔ حدود ۱۳۵۸ھ میں رحلت کی ۔

~~ذاکر حسین بھریلوی~~ : غیر عالم
~~حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء~~
~~۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء~~

~~مولوی سید ذاکر حسین صاحب بھریلی کے سادات سے تھے ، عربی و فارسی سے واقف تھے ، متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا ، اردو ترجمہ نہج البلاغہ بنام نیرنگ فصاحت بہت مشہور ہوا اگرچہ ترجمہ اصل سے آزاد ہے ۔~~

~~مرحوم نے ۱۹ نومبر ۱۹۵۲ء شب یکم ربیع الاول ۱۳۷۲ھ کو رحلت کی ۔~~

ذاکر حسین بارھوی :
حدود ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء
۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

مولانا سید ذاکر حسین زیدی البارھوی لکھنؤ ، بہرائچ آگرہ ، بھرت پور ، پہرسر ، اجمیر اور اٹاوہ کے مبلغ دین ، مصلح احوال اور مرشد پاک باطن تھے ، ان کے تقوے ، ورع اور علم و فضل کے دوست دشمن سب معترف تھے ۔ اپنے دور کے ابوذر اور سلمان وقت تھے ، جہاں تشریف لے گئے ، لوگوں کو پابند شریعت بنا دیا ، مسجدیں آباد کیں ۔ واقفیت مسائل شریعت کا شوق بڑھایا ۔ سوکھی اور خشک روٹی ، معمولی اور کم قیمت قمیص و عبا ، سادہ زندگی ، ٹھاٹھ باٹھ سے دور ، شہرت سے نفور مگر عیسائی ، ہندو ، سنی ، شیعہ سب

صدقے قربان ہوتے تھے۔ قرآن مجید و احادیث الکافی حفظ اور صبح شام کا ورد تھا۔

مولانا کے والد حکیم گوہر علی خان صاحب بارہوی بڑے مشہور طبیب تھے۔ مولانا ذاکر حسین صاحب بہرسر میں پیدا ہوئے کہ گوہر علی صاحب وہیں رہتے تھے۔ ذاکر حسین صاحب نے وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ علوم جدیدہ و قدیمہ و طب کے بعد خدمت خلق و خدمت دین میں مصروف ہوگئے۔ انتہائی قوی الحافظہ اور حدید الذہن تھے، بڑے خوش خط اور نکتہ شناس، فارسی نظم برجستہ لکھتے تھے، قرآن و تفسیر کا وسیع مطالعہ تھا۔ قرآن مجید کا عربی حاشیہ لکھا تھا، باقی تصانیف و تعلیقات ضائع ہوگئے۔ مثنوی در مکنون شائع ہو چکی ہے۔ انگریزی میں بھی کام کیا اور صحیفۂ کاملہ کے ترجمے میں امداد کی۔

مولانا آخر عمر میں لکھنؤ آکر رہے اور ندر باغ میں تقریباً پینسٹھ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور اپنے مکان مسکونہ میں محو آرام ہوئے۔ تاریخ وفات یکم رجب ۱۳۴۹ھ ہے۔

اولاد: ۰ محمد ذکی صاحب مرحوم و آغائے بارہوی زاہد حسین صاحب مرحوم۔ ۰ ایک دختر مکرمہ۔

(تکملہ ج ۲)

ذاکر علی، جون پوری:

۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء

جون پور کے خاندان مفتی ابوالبقاء کے نامور عالم بزرگ مولانا ذاکر علی جون پور میں پیدا ہوئے اور اسی شہر علم کے اساتذہ مولانا سید محمد عسکری اور مولانا عبدالعلی بن علی عظیم سے علوم دین و ادب عربی و فارسی میں سند کمال حاصل کی۔ مدت تک لکھنؤ رہے۔ کرنل بیلی ریذیڈنٹ لکھنؤ نے ان سے تعلیم حاصل کی۔ آخر عمر میں جون پور آگئے اور سہ شنبہ ۲۳ محرم ۱۲۱۱ھ کو انتقال فرمایا۔ مفتی محلے کے قبرستان میں دفن ہیں۔

تصانیف: تفسیر بعض آیات قرآن کریم بنام ذریعۃ المغفرت۔ ۰ ترجمۂ شرائع الاسلام (فارسی میں)

(تکملہ نجوم السماء ج ۲، ص ۲۶، نزہتہ ج ۷، ص ۱۷۰)

ذاکر علی، سندیلوی:

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

مولانا ذاکر علی بن اکبر علی بن حمد اللہ سندیلے میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور چچا سے تعلیم حاصل کی۔ جوانی میں غرق آب ہو کر جاں بحق ہوئے۔ (نزہتہ ۷/۱۷۰)

ذکی، محمد ذکی:

حدود ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء

۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء

مولانا مرزا محمد ذکی صاحب محلہ توپ دروازہ لکھنؤ کے رہنے والے، سلطان المدارس کے فاضل تھے۔

صدر الافاضل کے بعد حسین آباد گورنمنٹ اسکول میں شیعہ دینیات کے مدرس مقرر ہوگئے۔ بڑے نیک، عمدہ خطیب اور بڑے دوست نواز بزرگ تھے۔ تقریباً ساٹھ برس کی عمر میں رحلت کی تاریخ وفات شعبان ۱۳۹۷ھ ہے۔ (مولانا محمد محسن صاحب بتلمیرہ سرکار نجم العلماء)

ذوالفقار حسنین:

۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء
۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء

مولانا سید ذوالفقار حسنین صاحب زیدی بارہوی، جناب مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ کے شاگرد خاص اور علوم معقول و منقول کے فاضل، زاہد و مقدس، خاموش اور گوشہ نشین بزرگ تھے۔ کتب خانہ رام پور (یوپی)، ہند میں مہتمم تالیفات کے عہدے پر فائز تھے۔ جامع حامدیہ کی تالیف میں استاد کا ساتھ دیا، خود بھی کچھ نہ کچھ لکھا کرتے تھے۔ "معارف الاخبار" ۱۹۵۷ء اور علامہ کلینی، اس کے بعد چھپی۔ جناب خورشید صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا کی تاریخ ولادت ۲۰ مارچ ۱۸۹۴ء رمضان ۱۳۱۱ھ اور تاریخ وفات ۱۱ جنوری ۱۹۶۶ء۔ ۱۸ رمضان ۱۳۸۵ھ ہے۔

مولانا ممتاز الافاضل اور طبیب حاذق واستاد تھے۔ ریاست کے شہزادے اور امراء و عوام آپ کے علاج سے مستفید تھے اور مدرسۂ عالیہ رامپور کے طلبہ آپ کے درس سے مستفید ہے۔ آپ نے مومنین کو نماز جماعت کی عادت ڈالی۔

ر) راجو بن حامد بخاری: (راجو شاہ)

حدود ۹۵۰ھ / ۱۵۴۴ء
حدود ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء

راجن پور صدیوں سے شیعہ تعلیم و تربیت کا مرکز ہے۔ سید جلال شاہ بخاری کی اولاد سے ایک نامور فرزند سید محمد راجو ابن حامد حسینی بڑے مجاہد بزرگ تھے۔ موصوف نے ملتان اور سندھ میں اسلام کی تبلیغ اور تشیع کی حمایت کی۔ راجو شاہ نے کھلم کھلا لوگوں کو دین محمدؐ و آلِ محمدؐ کی دعوت دی اور علوم اسلام کو پھیلایا، عقائد و اعمال کو درست کیا اور خاندان میں علمِ دین کو لازم کر دیا۔ ان کی اولاد میں سید محمد باقر صاحب نے ماضی قریب میں پورے پنجاب کو علوم جعفری کے چرچے سے بلند آہنگ بنایا؛ تزکیہ نفس و تقویٰ کا گرویدہ کیا۔

سید محمد راجو نیک نہاد، پاک ذات، سخی، دلیر اور صاحب کرامات تھے۔ موصوف نے بلوچ قبائل کو تعلیم و تربیت دی اور انہیں مذہب شیعہ کا حلقہ بگوش کیا۔ دور دور تک انکی روحانیت و اخلاق کا چرچا تھا۔ اس وقت ہمایوں تختِ دہلی پر جلوہ فگن تھا، مذہبی یگانگت یا کسی اور سبب سے راجو صاحب نے بادشاہ سے ملاقات کرنا چاہی، بادشاہ کو شاہ صاحب کی خبر آمد ملی تو استقبال کے لیے تیار ہوئے۔ سواری طلب کی مگر مخدوم الملک ملا عبداللہ نے روکا، اور سید صاحب کے خلاف تقریر کرتے ہوئے رافضی

وبدعتی قرار دیا نیز توجہ دلائی کہ ان کی تعظیم واستقبال سے حضورؐ کی وجاہت کو نقصان پہنچے گا۔ امرا آپ سے بدظن ہوجائیں گے۔ ہمایوں نے کوئی جواب نہ دیا اور دوسرے دن سواری منگائی۔ آج پھر مخدوم الملک نے روکا اور کہا کہ ان کی پیشوائی کو جانا دین سے جدائی اور حکومت میں انتشار کا باعث ہے۔ ہمایوں نے ابھی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی اس لیے رُک گیا اور ملا صاحب سے کہا : میں تو فقط دینی احترامات اور اُن کے اولادِ سید المرسلینؐ ہونے کی وجہ سے استقبال کرنا چاہتا تھا۔ اب آپ اسے دین کے خلاف فرماتے ہیں لہذا میں استقبال کو نہیں جاؤں گا، پھر خانخاناں اور شہزادہ اکبر کو استقبال کے لیے بھیجا جب سید صاحب ملے تو عذر کیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر حاجی سیستانی لاہور کا حاکم تھا اس نے ملا صاحب کو خارجیوں کے ساتھ سازش کے جرم میں گرفتار کرلیا اور موصوف کو جیل جانا پڑا، موصوف نے اپنے دوست عزیز اللہ عباسی ملتانی ساکن سلطان پور کو صورتِ حالات لکھی اور رہائی کے لیے امداد و دعا چاہی، شیخ عزیز اللہ صاحب کرامات بزرگ تھے، کہتے ہیں کہ سرورِ دوعالم نے ان کے سر پر دستِ مبارک رکھا تھا۔ عزیز اللہ صاحب نے خط پڑھا۔ حالات سے مطلع ہوئے۔

ایک دن خواب میں دیکھا، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجمع اصحاب میں جلوہ فرما ہیں اور سید راجو آپؐ کے زانو پر ہیں۔ عزیز اللہ نے بڑھ کر سلام کے بعد عرض کیا : یا رسول اللہؐ ملا عبد اللہ آپ کا ثنا خواں ہے، بیچارہ جیل میں بند ہے۔ اشارہ کیا اور فرمایا، میرا یہ فرزند اس کے ہاتھوں خون کے آنسو روتا ہے۔ شیخ عزیز اللہ نے یہ خواب ملا عبد اللہ کو لکھا اور توبہ وانابت کا مشورہ دیا۔

سید راجو نے بڑی دلیری سے عوام کا مقابلہ کیا، اور کبھی اپنے مسلک کو نہ چھپایا، لوگ تقیے کا مشورہ دیتے تھے تو ان سے کہتے تھے کہ میرا تقیہ میری اولاد کے خارج از دین ہونے کا سبب بھی ہوسکتا ہے لہذا مشکلات گوارا ہیں۔ اس پامردی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے پوتے سید حسن علم وکمال میں شہرۂ آفاق ہوئے۔
سالِ وفات ہمایوں ۹۶۳ھ ہے گویا اس وقت راجن شاہ جوان تھے۔

اولاد : ● سید محمد راجو شاہ کی اولاد میں ایک فرزند سید زین العابدین تھے جن کے بیٹے سید حسن بڑے عالم وفاضل گذرے ہیں۔ (ان کے حالات دیکھیئے "ح" میں۔) (مجالس المومنین۔ تذکرۂ بے بہا)

مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ راجن پور کے متعدد سجادہ نشین راجو شاہ کہلاتے ہیں ان حضرات میں عموماً مخدوم ایسے گذرے ہیں جو درس علومِ دینیہ بھی دیتے رہے۔

راجن پور میں حضرت شاہ صاحب کے زمانے سے ایک مجلس ۹ ذی الحجہ کو ہوتی چلی آرہی ہے

اور دوسرا جلسہ عید نوروز پر ہوتا ہے اور واقعۂ غدیر کا تذکرہ فرحت و مسرت کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ محرم کی عزاداری بھی مدتوں سے ہو رہی ہے۔

مجالس المومنین۔ • تذکرہ بے بہا۔ • نادرۃ الزمن در احوال۔ سید محمد راجن تالیف وصی حیدر خان، طبع لاہور ۱۹۷۵ء۔ • نیز دیکھیے احوال حسن ابن زین العابدین۔

راحت حسین، بھیک پوری:
۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء
۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

ابوالخلیل مولانا سید راحت حسین رضوی ابن مولوی سید محمد ابراہیم صاحب متوفی صفر ۱۳۰۹ھ علی نگر بھیک پور ضلع ساران کے زمیندار تھے، مولانا راحت حسین صاحب یکم محرم ۱۳۰۶ھ کو اپنے وطن میں پیدا ہوئے، اور غلام زین العابدین تاریخی نام رکھا گیا۔ تین سال بعد یتیم ہو گئے، لیکن مولوی سید بشارت علی نے ابتدائی تعلیم دی۔ آپ کے خالو سید محمد مہدی صاحب بھیک پوری نے عربی تعلیم دی۔ اس کے بعد مدرسۂ سلیمانیہ پٹنہ میں مولانا حافظ فرمان علی صاحب سے درس لیا۔ ۱۳۲۲ھ میں سلطان المدارس لکھنؤ آ گئے، معالم، شرائع، شرح لمعہ، مسلم العلوم نہج البلاغہ وغیرہ مولانا ظہور حسین صاحب، مولانا ناصر حسین صاحب مفتی سید محمد علی صاحب اور اپنے برادر نسبتی مولانا عابد حسین صاحب سے درس اور ۱۳۳۴ھ میں اجازہ لے کر تبلیغ کے شوق میں نکلے۔ "آل انڈیا شیعہ گزٹ" کے مدیر ہوئے، زیارات عراق و ایران کو تشریف لے گئے، مولانا مقبول احمد صاحب کے ساتھ رام پور میں رہ کر مولوی فاضل کا نصاب پورا کیا، مجلسیں پڑھیں، مضمون لکھے۔

۱۳۳۶ھ دہلی میں اخبار اثنا عشری کے مدیر ہوئے۔

۱۳۴۰ھ میں وطن واپس آ گئے۔ کچھ مدت بعد افریقہ چلے گئے اور وہاں تبلیغ فرمائی۔ بھاؤنگر کاٹھیاوار میں امام جمعہ و جماعت رہے۔ جولائی ۱۹۵۸ء، محرم ۱۳۷۸ھ میں رحلت ہوئی۔

اولاد: • مولوی سید خلیل عباس صاحب سلمہ، صدر الافاضل مبلغ افریقہ۔ (انجمن وظیفہ نمبر)

راحت حسین، گوپالپوری:
۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء
۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء

حجۃ الاسلام مولانا سید راحت حسین ابن طاہر حسین رضوی گوپالپور میں بتاریخ ۵ رجب ۱۲۹۷ھ پیدا ہوئے، سید حیدر رضا تاریخی نام تھا، ابتدائی تعلیم کے بعد سید باخدا مولانا سید حسن اور سید عابد حسین اور مولانا سید محمد مہدی صاحب اور مولانا نظیر حسین صاحب سے قطبی و میبذی، حریری و شرائع الاسلام کا درس لیا۔ لکھنؤ آ کر چھ سال تک

درس و تدریس کے بعد اپنے خسر مولانا نثار حسین کی تحریک سے عراق تشریف لے گئے، نجف میں آقای شیخ علی گناآبادی، آقا ملا رضا اور آقای سید کاظم خراسانی، آقای شیخ سید کاظم یزدی کے درس میں حاضر ہوئے۔ نو سال تک اساطین سے فقہ و اصول میں کمال کی سند لی۔ ۱۹۱۴ء میں عراق جنگ کی زد میں آگیا تو مولانا راحت حسین صاحب اہل و عیال کے ساتھ بہزار دقت وطن واپس آئے۔ پندرہ بیس سال کے بعد دوبارہ عراق و ایران کا سفر کیا۔

بہار میں علما کی ایک روایت قدیم زمانے سے چلی آرہی تھی، رؤسا کے بڑے بڑے کتب خانے نوادر کتب سے لبریز تھے، ان میں مونگیر کے ضلع میں حیدرآباد نامی ایک قصبے میں بڑے تعلقہ دار کا بہت عمدہ کتب خانہ تھا۔ مولانا راحت حسین صاحب اس ریاست میں قیام فرما ہوئے اور یکسوئی سے مطالعہ و تحقیق میں مصروف رہے۔ علاقے میں تبلیغ فرمائی، جمعہ و جماعت کا سلسلہ قائم کیا، ایک عرصے کے بعد صوبے کے دوسرے مقامات سے طلب ہوئی، اور متعدد مدرسوں میں صدارت کے آخر میں مدرسۃ الواعظین کے صدر مدرس نامزد ہوئے۔ لیکن ضعف و علالت کی بنا پر وطن چلے گئے اور ۲۶ رمضان ۱۳۷۶ھ کو وفات پائی۔

مولانا راحت حسین صاحب فقہ و اصول، رجال و درایت میں فخر روزگار تھے۔ ایک عرصے تک تفسیر پر کام کیا ~~اور بہ تفسیر نا مکمل~~ [illegible] پاروں کی تفسیر لکھ کر وفات پائی۔

تصانیف : • قاطع لجاج (میراث ازواج، فقہ، مطبوعہ) • تعدیۃ النکاح (عربی، مطبوعہ)۔ • الاستنصار فی حرمۃ الاستنابار (فقہ، مطبوعہ) • منازل آلام (منازل سفر امام حسینؑ مطبوعہ، اردو) • رافع الالتباس از سند زیارت ناحیہ (اردو، مطبوعہ ۱۳۷۱ھ) • تفسیر انوار القرآن۔ (اردو، مقدمہ و سورہ آل عمران تک چھپ چکی) • رسالۂ لبسط یدین۔ **اولاد :** • مولانا سید علی صاحب صدر الافاضل • مولانا محمد صاحب • مولوی محمد محسن • مولوی نور اللہ۔ (بے بہا ص ۱۶۲، اصلاح ماہ شوال ۱۳۷۶ھ)

رتن سنگھ، زخمی :

حدود ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء

۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء

دلہا راجا رتن سنگھ ابن بالک رام بریلوی لکھنوی، ہندو مذہب کے پرستار تھے۔ اسی مذہب کے علوم حاصل کیے، پھر عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی سیکھی، فن حساب و نجوم میں یکتا اور فارسی ادب و لغت میں استاد تھے۔ بادشاہ اودھ نے فخر الدولہ دبیر الملک راجا رتن سنگھ بہادر ہوشیار جنگ خطاب دیا۔ غازی الدین (قدر دان سائنس) نے انھیں امیر الانشا مقرر کیا اور منشی الممالک کہا اور محمد علی شاہ نے دیوان و بخشی کا منصب دیا۔

مصحفی نے ۱۲۳۶ھ سے پہلے کچھ زخمی کا سن چالیس سال بتایا ہے۔ وہ مرزا قتیل کے شاگرد تھے۔ استاد شاگرد دونوں فارسی اُدب کے علاوہ فلسفے میں بھی مشہور تھے۔ مرزا قتیل ہندو سے مسلمان ہو چکے تھے، رتن سنگھ بھی ۱۲۶۴ھ میں کھلم کھلا شیعہ ہو گئے اور ۱۲۶۷ھ میں رحلت کر گئے۔

تصانیف: شرح گل کشتی، فارسی قلمی موجود در کتب خانہ پروفیسر مسعود حسن۔ ● سلطان التواریخ، فارسی قلمی (۱۲۴۵ھ) موجود در کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور اور لکھنؤ یونیورسٹی۔ ● حدائق النجوم، فارسی، قلمی ضخیم موجود در کتب خانہ پروفیسر مسعود حسن لکھنؤ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول یہ کتاب محمد علی شاہ اودھ کی فرمائش سے ۱۲۵۲ھ میں لکھی اِس کے تصین اجزا ہیں یہ اِس فن کی بہترین کتاب شمار کی جاتی ہے، انگریزی کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا۔

● دیوان فارسی طبع لکھنؤ ۱۲۵۲ھ۔ (نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۱۷۲، صبح گلشن، ریاض الفصحا، پروفیسر مسعود حسن: شاہان اودھ کا علمی و اَدبی ذوق)

رجب علی، ارسطو جاہ: ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء — ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء

مولانا سید رجب علی ابن سید علی بخش نقوی پنجگرائیں ساوات سے تعلق رکھتے تھے، مولانا کی ولادت ۱۸۰۶ء / ۱۲۲۱ھ تلونڈی میں ہوئی جو آپ کے اجداد کی جاگیر تھی۔ ۱۸۰۷ء میں دیوان محکم چند نے یہ جائداد ضبط کر کے ان سیدوں کو جلاوطن کر دیا اور یہ لوگ جگراؤں آ گئے۔ رجب علی کی عمر بارہ سال تھی جب انھوں نے تحصیلِ علم کے لیے لاہور کا رُخ کیا۔ لاہور میں جناب ملا مہدی خطا تلمیذ ملا محمد مقیم تلمیذ شیخ حر عاملی علیہم الرحمہ سے کتبِ امامیہ کا درس لیا اور سید خیر شاہ سے طب پڑھی۔ اِس روایت سے یہ انکشاف بھی ہوا کہ ۱۲۳۳ھ میں ملا مہدی صاحب لاہور کے شیعہ عالم تھے اور ان کا سلسلۂ تلمذ علامہ حر عاملی سے ملتا تھا یعنی رجب علی شاہ کی ابتدائی دینی تعلیم دبستانِ حر عاملی علیہ الغفران سے ہوئی۔

۱۸۲۵ء میں دلی مدرسے میں داخل ہو گئے اور اساتذہ دہلی میں مفتی صدرالدین سے پڑھا، اور مدرسے میں ریاضی کی معلمی مِل گئی، ان دنوں ان کے روابط ملا محمد باقر صاحب دہلوی اور مرزا غالب سے ہو گئے۔ ۱۸۳۰ء میں دہلی مدرسے کو چھوڑ دیا، ہو سکتا ہے ان کی مذہبی قابلیت اور دینی مباحثے آڑے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد وہ اِدھر اُدھر علم کی جستجو میں پھرے، شاید ان کی ملاقات میرٹھ کے صدر الصدور مفتی محمد قلی صاحب سے ہوئی ہو اور ان سے استفادہ کیا ہو کیونکہ آگے بڑھ کر مولانا حامد حسین صاحب سے ان کے بہت گہرے مراسم ہو گئے تھے۔ آگرہ، گوالیار، ہوشنگ آباد ہوتے ہوئے بھوپال پہنچے وہاں کرم محمد خان مختارِ ریاست نے شرعی فتوے لکھنے پر مامور کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا سنی فقہ کے بھی

عالم تھے۔ تین سال بھوپال میں رہے مگر تبلیغ کا سلسلہ نہ چھوڑا، آخر بیگم صاحبہ بھوپال کے مرشد عبداللہ بغدادی سے مباحثہ شروع کر دیا۔ ملا عبداللہ بغدادی جامعیت کے دعوے دار اور ایک لاکھ حدیثوں کے حفظ کا غرّہ رکھتے تھے۔ مولانا رجب علی نے مباحثے شروع کیے تو شہر کے سینکڑوں آدمی اس میں شرکت کرتے تھے اور رزیڈنٹ کو بھی رپورٹ دی جاتی تھی۔ آخر عبداللہ صاحب بغدادی اور بھوپال کے بہت سے پٹھان شیعہ ہو گئے۔ اس سے بھوپال میں ملا کی مخالفت ہونے لگی۔ مگر نواب سکندر جہاں کی والدہ ملا کی مرید تھیں اس لیے وہ تو بھوپال میں رہے اور مولانا رجب علی ۱۸۴۳ء میں بھوپال سے جگراؤں آ گئے۔ سردار فتح سنگھ والی کپورتھلہ کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے ریاست میں طلب کر کے نہری انتظام کے لیے رجب علی شاہ کو انجنیر مقرر کیا۔ موصوف نے "نقشہ بعد مساحت ارتفاع و انخفاض زمین کا درست کر دیا" اسی نقشے کے مطابق نہر تیار ہوگی۔ چار ماہ کے بعد بھوپال کے ارادے سے نکلے تو انبالے میں سر جارج رسل کلارک سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے یکم فروری ۱۸۴۴ء کو جمنا و ستلج کے دو آبے کی منشی گری دی جس سے ترقی پا کر منشی ممالک پنجاب ہو گئے۔ ۱۸۵۳ء میں خلعت و سند و جاگیر جگراؤں ہو کر ریٹائرڈ ہوئے۔ اب وہ رئیس اور انگریزوں کے معاون سیاستدان تھے اسی لیے ہنری لارنس نے راجپوتانے کی جنگ میں انھیں طلب کیا اور انھوں نے انگریزی فوج کی کمک کی۔ واپسی میں دہلی ٹھہرے تو وہاں مولوی حیدر علی مصنف منتہی الکلام سے مباحثہ اور مباہلہ ہوا جس کے ثالث مفتی صدرالدین تھے، حیدر علی صاحب سے طے ہوا کہ جامع مسجد کے مینار سے چھلانگ ماریں گے جو حق پر ہوگا وہ زندہ بچے گا، مگر مولوی حیدر علی موقع اور وقت پر نہ آئے۔ شہر میں اس کا چرچا ہوا اور رجب علی شاہ کامیاب قرار دیے گئے۔ جس کی کاروائی اخباروں میں چھپی۔

۱۸۵۷ء میں غدر کا واقعہ ہوا تو انگریزوں نے پھر یاد کیا اور جنرل نیچر کے ساتھ میر منشی کے طور پر کام کیا۔ غدر کے بعد لارڈ کیننگ نے خلعت، پانچ ہزار روپے، ارسطو جاہ۔ خان بہادر کا خطاب اور جاگیر بھی دی۔

۱۸۶۱ء میں سکھر، کراچی، بمبئی، عدن ہوتے ہوئے حج سے شرف یاب ہوئے، اس حج میں ان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے جن میں تقدس مآب سید عوض علی صاحب نوگانوی خود ارسطو جاہ کے دونوں فرزند سید شریف حسین اور سید شریف حسن بھی تھے۔ یہ سفر باطمینان ہوا اور دو سال صرف ہوئے میں نے جھنگ میں مولوی رضی الدین حیدر صاحب کے پاس جگراؤں کی بچی کھچی کتابوں میں سے تفسیر درّ منثور سیوطی" کا ایک عربی قلمی نسخہ دیکھا ہے جو موصوف نے بحرین میں خریدا تھا۔

اس سفر میں وہ علما سے ملے، کتابیں خریدتے پورے اطمینان سے ۱۲۷۸ھ میں مدینہ منورہ میں

حاضری دی، رمضان المبارک مدینے میں رہے۔ رمضان کے بعد مکۂ مکرمہ حاضر ہوئے۔ اس سال نامور علماء میں آیۃ اللہ مرزا نصر اللہ مجتہد (امام جمعہ و جماعت مسجد گوہر شاد مشہد مقدس) حج کے لیے تشریف لائے تھے۔ مولانا رجب علی نے انھیں کے ساتھ مناسک انجام دیئے۔

محرم میں جدہ آکر مراسم عزا بجالائے اور بہت بڑی بڑی مجلسیں کیں جن میں علماء عرب و عجم شرکت کرتے تھے۔ بعد محرم بمبئی ہوتے ہوئے وطن واپس آئے۔

مولانا رجب علی فارسی و عربی کے ادیب و شاعر، خطیب و مناظر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی سوجھ بوجھ اور سیاسی بصیرت کے مالک تھے، وہ برصغیر کے مسلمان سیاستدانوں میں شمالی ہند کے سب سے بڑے مدبر ہونے کے ساتھ مذہبی معاملات میں کسی سے دبتے نہ تھے، سیاست کی خاطر مذہب کو پس پشت ڈالنا گوارا نہ کیا۔ نتیجہ میں ان کے حریفوں نے مل کر ان کے خلاف بہت سخت پروپیگنڈا کیا اور ان کے اسلامی خدمات پر خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کی بالادستی سے نجات دلانے پر پردہ ڈال دیا۔

رجب علی شاہ نے پنجاب میں شیعوں کے خلاف تباہ کن دشمنی کو ختم کیا اور شیعہ تبلیغات کے لیے مجمع البحرین پریس اور اس سے اخبار، رسالہ اور کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم کیا۔ اس پریس سے بے شمار کتابیں چھپیں جن میں صحیفۂ علویہ کی پہلی اشاعت اور تحفۂ اثنا عشریہ کا جواب تشئید المطاعن (طبع ۱۲۸۴ھ) کا نام بھی ہے۔ اور بہت سی کتابیں۔

۱۲۸۴ھ میں جناب فردوس مآب مولانا حامد حسین صاحب قبلہ لودھیانے آئے اور رجب علی شاہ کے مہمان رہے۔

مولانا رجب علی صاحب نے بڑی عزت و آبرو کے ساتھ پینسٹھ سال کی عمر پاکر ۲ جمادی الثانی ۱۲۸۶ھ کو جگراؤں میں رحلت کی۔

اولاد: ۰ مولانا شریف الحسن۔ ۰ مولانا شریف الحسین۔

تصانیف: ۰ کشف الغطائی تفسیر سورۃ ھل اتیٰ۔ ۰ سر اکبر فی تفسیر سورۃ والفجر۔ ۰ افادات علیہ قصائد مدحیہ ائمہؑ فارسی مطبوعہ (خود نوشت سوانح، مشمولہ تحقیقات چشتیہ و بے بہا)

. . . .

رحم علی

حدود۔ ۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء

مولانا سید رحم علی سونی پتی علوم دینیہ و عقلیہ کے عالم کامل تھے، دہلی میں شیعوں کے ملجا و ماوی

حکیم مرزا محمد کامل شہید رابع (در ۱۲۲۵ھ) اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کے بھائی اچھے میاں کے استاد تھے۔
سید مطیع احمد جعفری ساکن خانیوال نے مجھے بتایا کہ مولانا رحم علی صاحب نے مؤلف تحفۂ اثنا عشریہ، عبدالعزیز صاحب کو معاصر اور ننھیالی رشتے دار ہونے کی وجہ سے تحفہ لکھتے وقت بہت روکا مگر وہ نہ مانے تو اسی زمانے میں حکیم محمد صاحب سے اس کا جواب لکھوایا اور خود بھی اپنے شاگرد کی مدد کی۔ جواب تحفہ کے بعد مولانا رحم علی صاحب نے شاہ صاحب کو بہت سے معاملات میں قائل کر لیا چنانچہ تحریر الشہادتین اور فضائل اہل بیت پر عبدالعزیز صاحب کی کتابیں اسی اثر کا نتیجہ ہیں۔
مولانا نے ۱۲۲۵ھ کے حدود میں رحلت کی۔ (تکملۂ نجوم ج ۲ ص ۲۲۲)

تصانیف: • بدر الدجیٰ ۔ مطبوعہ۔

رستم علی، عظیم آبادی: ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء

مولانا رستم علی بن مولوی محمد اعلیم کشمیری، عظیم آبادی پٹنے کے عالم اور معقولات میں ماہر تھے۔ مؤلف تاریخ جہاں نما میں ۱۲۲۳ھ کے ارد گرد ان کی تعریف کی ہے اور اپنے شاگردوں میں لکھا ہے۔ مؤلف سیر المتاخرین، غلام حسین طباطبائی کے بقول سید رستم علی، مرد مستغنی، گوشہ گزیں، اور علوم ظاہری سے بہرہ ور تھے۔ ان کے کرامات لوگوں میں مشہور ہیں۔
رام نرائن صوبیدار (آغاز عہدہ ۱۱۷۲ھ) کے زمانے میں میر افضل سوداگر کشمیری کے مقبرہ میں سپرد لحد ہوئے۔ میر افضل سوداگر آپ کے معتقد تھے، رستم علی کا مقبرہ مشہور ہے۔
جہاں نما میں میرزا اور سیر المتاخرین میں سید درج ہے۔ (بے بہا، ص ۱۵۷)

رشید، ترابی: ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء — ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

برصغیر میں جن خطباء نے اقتدار و عظمت کا نقطۂ آخر حاصل کیا ان میں حکیم مقبول احمد صاحب کے بعد مولانا سبط حسن صاحب مولانا کلب حسین صاحب، مولانا سید محمد صاحب دہلوی اور مولانا رشید ترابی رضا حسین کا نام خاص اہمیت رکھتا، علامہ رشید ترابی کے بقول:
والد، شرف حسین صاحب حیدرآباد دکن کے بڑے متدین بزرگ تھے۔ ان کے یہاں ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء ترابی صاحب پیدا ہوئے، بچپنے ہی سے ذہین، ہونہار اور دینی رجحان رکھتے تھے تعلیم تو سرکاری اسکولوں میں پائی اور ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۰ء تک اسمبلی کی ممبری سے سرکاری ملازمت تک مصروفیت

رہی۔ سیاست سے دلچسپی تھی اور تحریک پاکستان سے وابستگی، بہادر یار جنگ اور قائد اعظم کے ساتھ کام کیا۔

مذہبی رجحان اور خطابت کا شوق منبر پر لایا، اور بہت جلد شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۸ء تک بمبئی محفل شاہ خراسان کی مجلسوں نے مولانا رضا حسین ترابی کی فکر کو آگے بڑھایا اور پاکستان میں تو وہ منفرد خطیب و مفکر بن کر ابھرے، آخری تین چار سال تو یہ عالم رہا تھا کہ ریڈیو، ٹیلیویژن کے علاوہ ان کی مجالس محرم میں سو سو ٹیپ اور ان کی تقریریں، کراچی کے شہر لاہور، ملتان، حیدرآباد اور خدا جانے کہاں کہاں ریلے ہوتی تھی، ٹیلیفون کے ذریعے شہر شہر میں اسی وقت ازدحام ہوتا تھا جس وقت وہ نشتر پارک خالق دینا ہال یا کسی امام باڑے میں مجلس پڑھتے تھے۔ ہر جگہ وہی آواز سننے والے جمع ہوتے تھے۔ یہ بات دنیا میں شاید ہی کسی بولنے والے کے حصے میں آئی ہو۔

مرحوم نے لاہور کے آخری سفر میں ۱۳ اپریل ۱۹۷۲ء پنجشنبہ کے روز اپنے حالات بیان کرتے ہوئے ان حضرات کا نام بڑی خصوصیت سے لکھوایا جن سے انھوں نے فیض اٹھایا۔ سید ابوبکر ابن شہاب مرعشی تلمیذ زینی دحلان (حیدرآباد دکن) مولانا علی حیدر نظم طباطبائی، ضامن کنتوری، مولانا سبط حسن لکھنوی، مرزا محمد ہادی رسوا، نجف میں آقای نائنی، آقای میرزا علی شیرازی، آقای اصطہباناتی، آقای بزرگ تہرانی، آقای ہبۃ الدین شہرستانی، ہندوستان و پاکستان میں بھی تمام اکابر علما سے ملاقات تھی، میں نے ان کو حدیث و رجال و تفسیر، ادب و تاریخ میں حافظہ و نظر کے اعتبار سے کامل تر پایا۔ آپ نے ایران و عراق کے متعدد سفر اور پورے جنوبی ہند کا دورہ کیا۔ آخر ۶۵ برس عمر پا کر دوشنبہ ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ/ ۱۹ دسمبر ۱۹۷۲ء رات گیارہ بجے رحلت فرمائی۔ دوسرے دن ان کا جنازہ بے مثال مجمع سے اٹھا اور امام باڑہ سجادیہ میں آسودۂ لحد ہوئے۔

جہاں ان کی قبر انتہائی شاندار طرز پر موجود ہے۔

تصانیف: • کنز مخفی، طبع لکھنو ۱۹۲۴ء۔ • طب معصومین۔ طبع حیدرآباد، ۱۹۲۶ء، • حیدرآباد کے جنگلات، طبع ۱۹۴۲ء۔ • دستور علمی و اخلاقی مسائل، طبع حیدرآباد و کراچی۔ • ترجمہ انگریزی مطبوعات بنام مالک اشتر۔ • روزنامہ المنتظر کراچی۔ • بے شمار اشعار و حواشی اور اقتباسات۔ غیر مطبوعہ۔

. . . .

رضا بن زین العابدین شہیدی:

۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

الشیخ رضا بن زین العابدین ہندی، عاملی الشہیدی (بہاء الدین) فقیہ و اصولی، جناب شہید کے

احفاد میں تھے۔

صاحب اعیان الشیعہ (۲۲۱) کے بقول ۱۲۸۹ھ مدراس میں رحلت فرمائی گویا مدراس کے مجتہدین کے اساس گزار اور جناب شہید کی سند روایت کے مروج تھے۔

تصانیف : • شرح شرائع الاسلام (عربی) (اعیان الشیعہ ج ۳۲، معجم المؤلفین ج ۳ ص ۱۱۳)

رضا حسین نونہروی : ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء

سید رضا حسین ابن حسین ابن رمضان علی حسینی نونہرہ ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سفر لکھنؤ کیا۔ لکھنؤ میں مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ سے علوم دین میں کمال کی سند لی، اور تدریس میں عمر گذار دی۔

۱۲۹۱ھ میں رحلت کی۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۱۷۹)

رضا حسین، کمبوہ ؛ حدود ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء حدود ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء

مولانا رضا حسین خان کمبوہ ابن سبحان علی خان صاحب (متوفی ۱۲۶۴ھ) سبحان علی خان صاحب عالم و فاضل، فقیہ و ادیب مدبر و امیر آدمی تھے۔ بریلی روہیل کھنڈ میں املاک تھی۔

رضا حسین صاحب لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم حاصل کی اور حدیث خواں کی حیثیت سے شہرت پائی، حدود ۱۳۲۵ھ میں وفات پائی۔

رضا حسین : (دیکھیے رشید ترابی) نیز رضا حسین بھل کے رہنے والے مولوی و ادیب و ذاکر

پنجاب متوفی ۲۰ فروری ۱۹۵۶ء / ۱۳۷۵ھ

رضا حیدر : حدود ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء

مولانا رضا حیدر صاحب لکھنؤ کے افاضل و مشاہیر میں تھے۔ (میں نے ان کے احوال مفصل لکھے تھے لیکن ضائع ہو گئے۔)

رسول احمد (متوفی ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء) ممتاز الافاضل جناب مفتی احمد علی صاحب کے ارشد تلامذہ میں اور مدرسۂ ناظمیہ کے مدرس

معقول و منقول تھے ۱۳۸۹ھ میں سفر عراق کیا تھا [illegible] ۱۹۷۹ء لکھنؤ میں رحلت کی عمر تقریباً ۵۵ برس تھی۔

رضا علی، مرزا :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۵ء
۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء

مولانا مرزا رضا علی صاحب مرحوم ساکن محلہ مفتی گنج لکھنؤ خاندانِ صلحا میں سے تھے، بہت بڑے فاضل، جید عالم اور مناظر تھے۔ آخری دنوں میں اپنے گھر پر سالانہ مجلس پڑھا کرتے تھے اور تین چار گھنٹے کی تقریر میں مناظرانہ نکات بیان فرماتے، اندازِ بیاں باوقار، مہذب اور بہت نفیس تھا۔

ریاست محمود آباد میں دینی خدمات پر مامور تھے اور ریاست بڑی عزت کرتی تھی۔ مولانا کی ذاتی فطن تھی اور بڑی شان سے رہتے تھے۔

مولانا کے بہنوئی مولوی غلام رضا صاحب بھی بڑے فاضل اور واعظ تھے، مقدس اور منکسر مزاج ایسے کہ جب کسی نے مجلس کے لیے کہا بلا تکلف وعدہ فرما لیتے تھے، گریہ بلند آواز سے کرتے۔ ان کے فرزند تھے، بندہ رضا صاحب اور بندہ رضا صاحب کے فرزند مرزا ہادی حسین ہدّو صاحب۔

مولانا مرزا رضا علی صاحب نے تقریباً ۸۵ سال کی عمر پاکر ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔

اولاد : مولوی غلام حیدر صاحب اور قاری حبیب حیدر صاحب مولانا بندہ حیدر صاحب صدر الافاضل بھی اسی خاندان سے ہیں۔

رضی بن نور الدّین :

۱۱۲۸ھ / ۱۷۱۵ء
۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء

مولانا سید رضی بن شیخ الاسلام نور الدین موسوی، جزائری، شوستری جناب نعمت اللہ شوستری کی دختر کے بطن سے ۱۱۲۸ھ کو شوستر میں پیدا ہوئے چونکہ والد علام شیخ الاسلام شوستر تھے اس لیے عزت و اقتدار اور دینی وقار کے مالک ہوئے، شہر علماء و مدارس سے آباد تھا، سید رضی نے اپنے بڑے بھائی مولانا سید حسن اور والد علام سے بھی پڑھا اور اکابرِ علما سے بھی فیض اٹھایا۔ تفسیر و حدیث، عقائد و فقہ میں درجۂ اجتہاد کو پہنچے، اصفہان و کاشان، مشہد و قم، نجف و کربلا، کاظمین و سامرا گئے اور زیارات کے ساتھ ساتھ شیوخِ علم سے اجازات حاصل کیے۔

ابھی جوانی کا عالم تھا اور وطن میں بفراغت دن گذار رہے تھے کہ افغانوں سے ایران کی جنگ چھڑ گئی وہ ختم نہ ہوئی تھی کہ ترکوں نے حملہ کر دیا۔ عراق و ایران تباہی سے دوچار ہوا، شہر ویران اور عوام و خواص کا قتل عام ہو گیا۔ اسی افراتفری میں شیخ علی حزیں کی طرح مولانا بصرے سے سورت میں اترے یہ واقعہ ۱۱۴۹ھ کا بتایا گیا ہے۔ مولانا سید حسین تو کچھ عرصے بعد وطن واپس چلے گئے مگر سید رضی سورت سے دہلی آئے۔ یہاں ابو المنصور خان

قزلباش وزیب نے بڑی پذیرائی کی لیکن مولانا کا دل نہ لگا اور وطن جانے کا فیصلہ کر لیا، لیکن کابل و قندھار کے راستے بند تھے۔ دونوں بھائی بنگال اور وہاں سے بذریعۂ جہاز، ایران جانے کے لیے بنگال پہنچے۔ شجاع الدولہ ناظم بنگالہ نے انھیں اپنا درباری بنالیا۔ شجاع الدولہ کے بعد مرشد قلی خان صوبہ دار اڑیسہ نے ان کی خاطرداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا اپنی علمی عظمت اور نفسیاتی خودداری کے ساتھ مرشد قلی خان کے یہاں رہے، مرشد قلی دکن گئے تو مولانا ساتھ تھے، وہاں آصف جاہ کو فکر ہوئی کہ مولانا کو اپنے ساتھ رکھیں، چنانچہ سید رضی حیدرآباد آگئے۔ غلام علی آزاد بلگرامی ۱۱۶۰ھ میں پہلی مرتبہ اور ۱۱۶۵ھ میں دوسری مرتبہ ملے۔ اس سے پہلے آزاد بلگرامی ۱۱۴۷ھ کے لگ بھگ حزیں سے مل چکے تھے۔ مولانا رضی نے دارالانشا میں منصب اور دکن میں جاگیر پائی۔ ایک تفریشی سید گھرانے میں شادی کی جن سے

۱۱۶۶ھ میں ابوالقاسم پیدا ہوئے۔ ابوالقاسم جوان ہوئے تو مولانا ترکِ دنیا کر کے دائرہ میر مومن میں بیٹھ گئے اور زندگی بھر عبادت و ریاضت میں مصروف رہے اور ۱۱۹۴ھ شب بست و چہارم جمادی الاولیٰ کو رحلت کی۔

مولانا رضی فقیہ و ادیب تھے اقدس تخلص تھا۔ حواشی و تالیفات ترکِ وطن کی نذر ہو گئے۔

اولاد : ۰ ابوالقاسم (میر عالم متوفی ۱۲۲۳ھ دیکھیے احوال) و سید زین العابدین۔

(نزہتہ ج ۶، ص ۸۷، نجوم السما، ص ۲۶۱، تذکرۂ بے بہا ۱۵۵، مرقع دکن ص ۹۳)

رضی الدین امروہوی : ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۷ء

مولوی سید رضی الدین امروہوی فاضل و پرہیزگاری آدمی تھے۔
۱۲۳۲ھ میں وفات پائی (احوال تلف ہو گئے)

رمضان علی : ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء

سید رمضان علی ابن نجف علی حسینی، نونہرہ ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ معاصر اساتذہ سے تعلیم پائی اور طلبِ علم کے لیے سفر کیے۔ علما سے اسناد و اجازات پائے۔ مولانا رمضان علی ہر وقت لا الٰہ الا اللہ برزبان رہتے تھے۔ زاہد ایسے کہ اکثر دال سالن میں زائد پانی ڈال کر بے لذت کر لیتے اور کہتے تھے کہ سگِ نفس لذیذ کھانے کے قابل نہیں۔ عرفان و اخلاق و ایثار و تقویٰ کے واقعات مشہور تھے لکھنؤ، عظیم آباد، بنارس وغیرہ میں قیام رہا سب کہتے تھے کہ بشر کے جامہ میں ملک ہیں۔ بہتر سال سے زیادہ عمر پا کر یکم محرم ۱۲۷۴ھ نونہرے میں وفات ہوئی (تکملہ نجوم السماء ج ۲ ص ۱۵۵، نزہتہ ج ۷ ص ۱۸۶)

ریاض، بنارسی

غیر عالم

۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

جناب سید ریاض علی بنارسی، علما میں تو نہ تھے لیکن مؤرخ وسیع النظر اور مصنف نکتہ سنج ضرور تھے، انگریزی پر عبور تھا اور اسی رنگ میں انھوں نے بہت اچھی اچھی کتابیں اردو میں لکھیں۔ میں نے ان پر ایک مفصل مقدمہ "الکرار" پر لکھا ہے جو طبع لاہور میں چھپ چکا ہے۔ ریاض صاحب خطیب و شاعر ہونے کے علاوہ بنارس میں اسلام کے بہت بڑے مبلغ تھے۔ ہندوؤں سے مناظرہ میں لاجواب کامیابیاں حاصل کیں۔

موصوف نے شعبان رمضان ۱۳۶۱ھ ۲ ستمبر ۱۹۴۲ء، پانچ بجے صبح لاہور میں رحلت کی۔

تصانیف: • الکرار (مطبوعہ) • ذبح عظیم دو جلدیں (مطبوعہ) • سوانح فاطمہ زہراؑ (مطبوعہ) • خصوصیات اسلام (مطبوعہ)

(ز) زائر : دیکھیے محمد خلیل

زکی حسین / گدا حسین :

۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء
۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

مولانا سید زکی حسین عرف گدا حسین ۱۵ رمضان ۱۲۵۶ھ کو بمقام زنگی پور میں پیدا ہوئے، چھ سال کے تھے (۱۲۶۱ھ) جب آپ کے والد مولانا کرم حسین صاحب نے وفات پائی۔ اور زکی حسین اپنے عالم و فاضل و مقدس بھائی سید احمد حسین صاحب کی نگرانی میں آگئے اور مولانا محمد علی و علی حسین صاحب سے پڑھتے رہے طلب علم کے لیے لکھنو بھی گئے۔ جہاں بڑے بھائی اور دوسرے اساتذہ سے فیض اٹھا کے وطن اور وطن سے پٹنے گئے، وہاں مولوی حسین اصغر صاحب چوردی پاردی، مولوی گلزار علی حنفی سے علوم عربیہ اور منشی منوہر لال سے ریاضی خلاصۃ الحساب و تحریر اقلیدس جیسی کتابیں پڑھ کر کلکتے گئے اور وہاں کے عظیم عالم مولانا قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب قبلہ سے فقہ و اصول پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ طلب علم کے عاشق اور اس راہ میں کثیر السفر تھے۔

حاجی فرحت حسین صاحب رئیس عظیم آباد نے اپنے فرزندوں کی تعلیم کے لیے بلا لیا، آپ نے عظیم آباد پہنچ کر درس و تدریس کا ایسا سلسلہ شروع کیا جس میں نماز و وظائف کے علاوہ کوئی وقت فارغ نہ تھا۔ عام درسیات کے علاوہ علوم ریاضی و اقلیدس میں حکیم تھے۔ خلاصۃ الحساب و تشریح الافلاک و شرح چغمینی و شرح تذکرہ مجسطی اور مقالات اقلیدس پڑھانے میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز تھے۔ اسی کے ساتھ فقہ و اصول میں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ بعض مسائل میں تقلید اور بعض میں احتیاط

پر عمل کرتے تھے۔ زہد و تقدس کا عالم یہ تھا کہ نماز پڑھانے سے گریز کرتے رہے۔ ایک روز موقعہ دیکھ کر حاجی فرحت حسین اور میر عطا علی صاحب نے اقتدا میں نماز پڑھ لی۔ اس لیے امامت جماعت شروع کی مگر پہلے علما سے اجازت طلب کی۔ جس کے جواب میں جناب تاج العلما اور مولانا علی جواد صاحب زنگی پوری بنارسی نے لکھا:

"بلی، شکی نیست دریں کہ عالی جناب مستطاب مولانا سید گدا حسین صاحب قبلہ زنگی پوری، دامت افاداتہ جامع شرائط اوصاف عدالت داحق واحری بامامت جمعہ وجماعت و مستجمع کمالات علمیہ و عملیہ و حاوی ملکات نفسیات البتہ می باشند۔ وکفی باللہ شہیدا"

آیۃ اللہ حاج شیخ حسینؒ نے لکھا تھا:

"واخذ بعضی از وجوہات و ایصال آن بفقرا و سادات قیام و اقدام نمایند وعموم مومنین ہم چنانچہ شائستہ است البتہ در احترام و رعایت اکرام و اعظام آں جناب کوتاہی و مسامحہ نخواہند فرمود۔"

مولانا سید علی حسین صاحب ابراہیم آبادی ضلع بارہ بنکی نے آپ کو اجازۂ اجتہاد عطا کیا تھا۔ مولانا نے مرجعیت و احترام کا کمال پایا۔

حاجی میر فرحت حسین صاحب نے اپنی ثلث جائداد کا مالک اور وقف کا متولی بنایا۔ مگر حاجی صاحب کے بعد ان کی اولاد نے مولانا کو پریشان کرنا چاہا۔ مولانا نے استغنا کی بنا پر سب کچھ چھوڑ دیا۔

پٹنہ کے عوام آپ کے گرویدہ تھے، مولانا زہد و عبادت و گوشہ نشینی صوم و صلوٰۃ، تہجد و نوافل، اوراد و وظائف، تلاوتِ قرآن کے عاشق آخری عمر میں ضعفِ بصارت کی بنا پر درس چھوڑ دیا تھا اور تمام وقت عبادت میں صرف کرتے رہے اور مسجد باولی میں جمعہ و جماعت و تبلیغ احکام مسائل کے فرائض انجام دیتے رہے۔

تاریخ وفات یکم ذی الحجہ روز دوشنبہ ۱۳۲۳ھ ہے۔ مقبرۂ تلسی منڈی پٹنہ میں مزار بنا۔

اولاد: حاجی مولانا محمد لطیف صاحب عالم و فاضل و متقی اور اپنے والد کے قائم مقام ہوئے۔

شاگرد: • مولوی حسن عسکری صاحب۔ • مولوی علی رضا صاحب۔ • مولوی محمد صالح صاحب کے علاوہ بہت سے شاگردوں کے نام تاریخ نے چھوڑ دیئے۔

مولانا محمد لطیف صاحب کا قطعۂ تاریخ لوحِ قبر پر یوں کندہ ہے:

جناب مولوی سید گدا حسین زکی   کہ ہم چو او خلفی مادر زمانہ نہ زاد

وجود آن مہ دیں بود فخر زنگی پور | مگر بخدمتِ دیں بود در عظیم آباد
بزہد و طاعتِ معبود عمر صرف نمود | مدام گرم روی داشت در رہِ ارشاد
قوی بضعفِ مرض ہم دلش بیادِ خدا | لب و زباں او فخر وظائف و اوراد
چو آمد اوّل ذی الحجہ یوم دو شنبہ | ازیں جہاں سوئے جنّت شد آں خجستہ نہاد
برائے سالِ وصالش چو فکر کرد لطیف | فلک بگفت بصد غم چہ رکن شرع فتاد

(۱۳۴۲ھ) (بے بہا)

زندہ علی :

۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء

قصبۂ جلالی ضلع علی گڑھ (ہند) امرا و علمائے شیعہ کا قصبہ ہے۔ بڑے بڑے کتب خانے اور اچھے اچھے صاحبانِ علم و فضل گذرے ہیں۔ خود میرے ساتھیوں میں مولانا مکرم حسین صاحب (متوفی ۱۹۷۰ء) اور مولانا سید راحت حسین صاحب صدر الافاضل (حی) سلطان المدارس میں پڑھتے تھے۔ مدرسۂ ناظمیہ میں مولوی سید عنایت حسین صاحب (کراچی) اور مولوی حسین اصغر صاحب مرحوم (۱۹۷۴ء) پڑھتے تھے۔ ایک نے فاضلِ ادب لکھنؤ یونیورسٹی کا نصاب عربی جدید مجھ سے پڑھا دوسرے نے شرایع الاسلام و معالم پڑھی تھی۔

اسی دَور کے اہلِ فضل میں ایک بزرگ مولانا محمد رفیع صاحب تھے جن کی وفات غالباً ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔ دوسرے صاحب علم مولانا زندہ علی صاحب تھے جو ۱۹۴۷ء میں فوت ہوئے۔

(نیز دیکھیے مکرم حسین، مجتہد)

زوار حسین، نوگانوی :

حدود ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء
۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء

مولانا سید زوار حسین صاحب صدر الافاضل ابن استاذی مولانا سید کاظم حسین مدرس مدرسۂ عابدیہ کٹرہ ابوتراب خاں لکھنؤ نوگانواں ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ سرکار محمد باقر صاحب اور مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ مولانا عبد الحسین صاحب، مولانا عالم حسین صاحب قبلہ سے فیض یاب ہوئے۔ سلطان المدارس سے تکمیل دورۂ نصاب کے علاوہ لکھنؤ یونیورسٹی اور الٰہ آباد بورڈ کے امتحانات پاس کیے۔

بڑے پرہیزگار، متقی، عابد، منکسر مزاج، شگفتہ طبع، حاضر جواب، بدیہہ گو عربی و فارسی و اردو

کے قادرالکلام شاعر، ایک مدت تک افریقہ میں تبلیغ کی۔ اور کئی مرتبہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔
۱۹۶۰ء کے قریب ممباسہ سے لاہور آئے اور تین دن تک میرے یہاں مقیم رہے، بہت محبت فرماتے تھے۔ آنے کا سبب ملاقات اور میرے تالیفات کی داد دینا تھا۔
افریقہ سے واپس آن کر لکھنؤ میں مکان بنا لیا تھا۔ تقریباً ساٹھ باسٹھ سال کی عمر پاکر جولائی ۱۹۷۷ء اپنے وطن نوگانواں سادات میں رحلت کی اور مزار شہید ثالث آگرے میں دفن ہوئے۔
اولاد: متعدد دختری و فرزندی اولاد میں مولوی متقی عباس صاحب اور مبارک حسین کے نام معلوم ہو سکے۔ (ذاتی اطلاعات نیز محمد محسن صاحب نبیرۂ نجم العلماء۔ ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ۔ لاہور)

زوّار علی خان:

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء
۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

نواب زوار علی خان رئیس حسین آباد ضلع مونگیر (بہار، ہند) تاج العلماء مولانا علی محمد صاحب کے شاگرد تھے۔ علوم دینیہ سے پوری طرح واقف اور عربی ادب کے ماہر، متعدد عربی قصائد لکھے۔ اور آخر میں شرح نہج البلاغہ تالیف کی جس میں ابن ابی الحدید کے اغلاط پر تفصیلی بحث ہے۔
۱۵ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ کو رحلت فرمائی۔
تصانیف: دیوان اشعار عربی و فارسی۔ ۰ شرح نہج البلاغہ (بے بہا، ص ۱۶۴)

زیرک حسین

۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء
حدود ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

ابن سید حسین صفی۔
ضیاء الاسلام سید زیرک حسین امروہوی بہت ذہین و جید الحافظہ بذلہ سنج تھے۔ ~~مذہبیات کے مطالعے اور شوق~~ مناظرہ نے وسعت نظر پیدا کردی، عراق جاکر زیارت مشاہد مشرفہ کے ساتھ ساتھ عربی کی مشق فرمائی۔ مولانا مقبول احمد صاحب اور اعجاز حسین صاحب کے ساتھ رہے اور ہومیوپیتھک کے ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کہلائے۔ امروہے کے محلہ غلام علی میں رہتے تھے۔ ۱۲۸۸ھ میں ولادت اور مولانا محمد محسن صاحب نبیرۂ نجم العلماء کے اندازے کے مطابق ۱۹۲۶ء میں وفات ہوئی۔

نور المدارس میں تعلیم حاصل کی

تصانیف: اردو ترجمہ و حواشی قرآن مجید (طبع شدہ) الخلفاء (اردو مطبوعہ)۔ ۰ المذاہب (اردو، طبع شدہ) میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ مشتمل بر خصوصیات چیدہ و اعمال پسندیدہ۔
۱۳۳۱ھ

زین الدّین، عاملی :

حدود ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء

زین الدین علی، جبلی عاملی (لبنان) کے رہنے والے تھے، معاصر اساتذۂ عرب و عجم سے علم حاصل کیا، حجاز و عراق و ایران کا سفر کر کے واردِ ہند ہوئے اور دکن میں رحلت کی۔

(نام و احوال کے لیے مراجعہ ضروری ہے، احوال کا مسودہ گم ہوگیا اور حوالہ محفوظ نہیں صرف فہرست پر بنا کی ہے۔ مرتضیٰ)

زین الدین، مرزا محسن :

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء

مولانا سید احمد نے ورثۃ الانبیا میں شاگردانِ غفران مآب کے ذیل میں تذکرۃ العلما سے نقل کیا ہے سلالۂ امرائے کرام، نخبۂ ازکیائے فخام، ذوالمفاخر والمناصب جلیل المآثر والمناقب رونق سادۂ جاہ و جلال، یکتا گوہر دریائے علم و کمال منبع فصاحت و بلاغت، معدنِ رشادت و براعت غواص قاموس فنون ادبیہ مصحح صحاح علوم لغویہ زبدۃ الاعیان فخر الاماثل والاقران جناب مستطاب میرزا زین العابدین احمد خان بہادر المعروف بمیرزا محسن دام الطافہ فنونِ ادب، خصوصاً عروض و قوافی میں یکتا تھے۔

زین العابدین، موسوی :

۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء
۱۳۱۷ھ / ۱۹۰۰ء

مولانا سید زین العابدین بن مولانا سید محمد صاحب وزیر بن مفتی محمد عباس صاحب جن کی ولادت پر جناب مفتی صاحب قبلہ بے حد خوش ہوئے اور یہ قطعہ نظم فرمایا :

بمیلاد فرزندِ فرزند ناظم — کہ او ہست چشم و چراغ محمد
بر آمد ز تاریخ یک طرح رنگین — دمیدہ گلے نو ز باغ محمد (۱۲۸۱-۱=۱۲۸۰)

مولانا سید محمد صاحب اور تاج العلما مولانا علی محمد صاحب سے تلمذ تھا۔ فقہ استدلالی میں ایک رسالہ لکھا تھا، ایک اسکول میں دینیات کے مدرس تھے۔

بڑے مقدس و محترم اور خاص و عام کی نظر میں مؤقر و مکرم تھے۔ پٹنہ میں قیام رہا اور وہاں کی علمی انجمن میں عزت پائی، برجستہ شعرگوئی میراث میں ملی تھی۔

والد کے بعد عین جوانی میں رحلت کی تاریخ وفات تکملۂ نجوم السماء میں شوال ۱۳۱۷ھ درج ہے۔

اجازہ تاج العلما میں مولانا زین العابدین کو مجتہد لکھا گیا ہے۔

تالیفات : متعدد رسائل میں سے منابع الافاضات فی الجہر والاخفات فقہ استدلالی میں ہے، اور نواب ولایت علی خان نے چھپوائی تھی۔

زین العابدین بٹالوی :

۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء
۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

سید زین العابدین بخاری بن فضل علی بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب کے مناظر و خطیب تھے۔ دُور دُور تبلیغی دورے اور اشاعتِ دین میں مخالفین سے مناظرے کیے۔ کشمیر تک گئے۔ منقولات میں باخبر تھے۔

تاریخ ولادت ۱۸۳۶ء اور تاریخ وفات ۱۹۰۶ء ہے۔

تصانیف : براہین الانصاف (اُردو) اعانت السادات (اُردو)

اولاد : سید کلب حسین بخاری (مضمون، بشیر حسین بخاری، رضاکار، اکتوبر ۱۹۷۹ء)

زین العابدین بن حسین بخش :

۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء
۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

مولانا زین العابدین بن حسین صاحب (ان کے احوال گم ہوگئے صرف تاریخ ولادت و وفات فہرست میں تھی جو لکھ دی)

زین العابدین حیدرآبادی :

حدود ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء
حدود ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

مولانا زین العابدین ابن مولانا نثار حسین صاحب عظیم آبادی ثم حیدرآبادی ۱۳۰۴ھ کے حدود میں پیدا ہوئے۔ حسام الاسلام مولانا سید نثار حسین صاحب (دیکھیے نثار حسین) عالم جلیل القدر تھے۔ اِس لیے صرف و نحو، منطق و فلسفہ اقلیدس و جغرافیہ، ہیئت و طب فقہ و اصول، ادب وغیرہ کے متوسطات خود پڑھائے مثلاً، قوانین الاصول، شرح لمعہ، مختصر معانی و شمس بازغہ، نفیسی شرح اسباب، قانون شیخ بوعلی سینا۔

متوسطات پڑھ کر مولانا زین العابدین نجف گئے۔ وہاں کے اساتذہ سے درس سطح اور درس خارج میں تین سال گزارے۔

حسام الاسلام نے لکھا ہے۔ زین العابدین صدر او معالم پڑھ رہے کہ انہوں نے خواب دیکھا۔ زین العابدین خود اور میر رستم علی تاجر کتب سیر کرتے ہوئے ایک صحرا میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک باغ باغ کے اندر پہنچے اور عمدہ دیکھ کسی سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا تو یہ باغ حضرت صاحب عجل اللہ ظہورہ کا ہے، حضور اس مکان کے ایوان میں فرش کے بغیر بیٹھ گئے۔ دریافت فرمایا : کیوں آئے ہو؟

لدا نعین البخل والاعتساف ص ۲۱۱ طبع جعفری پریس

عرض کی: مجھے علم حاصل ہوگا؟
حضور نے سیب دہن مبارک میں ڈال کر دانت اور ڈاڑھوں کو مس فرمایا اور ارشاد کیا:
مطلب حاصل ہے۔
عرض کی:
میری عمر کتنی ہے؟
فرمایا: مشکوک ہے!

میر رستم علی صاحب نے کچھ عرض کیا، یہی جواب پایا۔ گفتگو صاف تھی مگر میں سمجھ نہ رہا تھا، صبح بیدار ہوا تو اپنے والد سے بیان کیا، اس وقت سید حسن صاحب حشمت بلگرامی حاضر تھے، انھوں نے فرمایا: مولوی زین العابدین تم کربلائے معلی جاؤ۔ اور تین سو روپے مرحمت فرمائے چنانچہ والد کے حکم سے دوسرے دن عراق روانہ ہوگئے عراق کی زیارتیں کرتے ہوئے سامرہ گئے، وہاں سے ایک فرسخ دور جاکر قیدخانۂ امام علی نقیؑ دیکھنے پہنچے۔ یہاں ایک ڈاکو نے بندوق کی نالی سے مار کر زخمی کردیا اور کپڑے، قرآن اور روپیہ لوٹ لیا۔ مجبوراً آپ وطن لوٹ آئے۔ بعد صحت و مدت دوبارہ عراق گئے اور بعد تعلیم واپس آئے۔ موصوف نے حیدرآباد میں بڑی شہرت و عظمت حاصل کی۔ آپ کو اشرف الواعظین، شریعت مدار جانشین قبلہ و کعبہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔
میرے پاس موصوف کی جوانی کا عکس موجود ہے۔

تالیفات: • اصل الاصول (عربی) • اصل المیزان (عربی) • رسالۃ التوحید (اردو)
(بے بہا: ۱۶۸)

زین العابدین، ملتانی:

۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء
۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

جناب مولانا سید زین العابدین صاحب بن ممتاز علی اپنے تقدس اور کردار سازی میں بڑی شہرت رکھتے تھے موصوف نے ملتان کے رؤسا میں دینی تہذیب اور مذہبی شوق کی لہر دوڑا دی۔ ملتان کے عوام و خاص آپ کے جاں نثار اور اطاعت گزار تھے۔
مولانا سید زین العابدین صاحب کے جد اعلیٰ سید شمس الدین تقی گردیزی غزنوی تھے جناب سید شمس الدین کو سلطان علاؤ الدین غوری اپنے ہمراہ دہلی لائے تھے (۶۰۵ھ) اور اپنی دختر سے عقد کر کے حکومت کے معزز عہدے پر فائز کیا تھا۔ سید شمس الدین کی قبر حوض شمسی دہلی کے نام سے مشہور ہے۔ سید شمس الدین شاہ محمد یوسف گردیزی مدفن در ملتان کے بھانجے تھے۔ موصوف کی اولاد عرصۂ دراز تک جنگی فتوحات اور قومی خدمات میں مصروف رہی منصب

حاصل کیے، جاگیریں ملیں۔ اور مضافات دہلی میں ان کی بستیاں قائم ہوئیں۔

مولانا زین العابدین کے والد سید ممتاز علی موہنہ ضلع گوڑگانواں میں رہتے تھے۔ اسی بستی میں مولانا پیدا ہوئے ۱۲ صفر ۱۳۰۵ھ آپ کی تاریخ ولادت اور تاریخی نام جواد اصغر ہے۔ مذہبی گھرانے میں بچپنا گزارا، ہوش سنبھالا تو نیک طبع، عبادت دوست تھے۔ مولانا مظفر علی خان اور مولانا سید محمد ہارون صاحب سے کچھ تعلیم حاصل کر کے مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ میں داخلہ لیا اور سند الافاضل تک تعلیم حاصل کی۔ آپ جناب مولانا محمد رضا صاحب، مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ جیسے اکابر کے شاگرد اور عمدۃ العلما مولانا کلب حسین صاحب اور استاد معقولات مولانا عبد الحسین کے ہم درس تھے۔ جناب سرکار باقر العلوم نے آپ کو ملتان کے لئے منتخب فرمایا۔ ملتان کے عالم و فاضل و متدین رئیس جناب خان بہادر سید حسین بخش نے آپ کی پذیرائی کی۔ جمعہ و جماعت، اصلاح اخلاق و تعلیم عقائد و احکام دین امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور قیام مدرسہ باب العلوم میں آپ کی سعی نے ملتان کے شیعوں کی حالت بدل دی۔ رؤسا پابند صوم و صلوٰۃ و خمس و زکوٰۃ ہو گئے۔ مسائل کا چرچا ہونے لگا۔ دور دور سے طلبا آنے اور تعلیم حاصل کر کے لکھنؤ جانے لگے۔ لکھنؤ کے بڑے تعلیمی مرکزوں اور حوزۂ علمیہ نجف و کربلا و مشہد کے طلباء کی امداد اور وظیفے مقرر کروائے۔ ملتان میں ہر شخص کی خبر گیری اور اہل علم کی امداد و عزت افزائی عما کا احترام طلبا کی عزت، غربا سے محبت، اہل ریاست سے دینی مطالبات کی تعمیل آپ کی سیرت کے نمایاں پہلو تھے۔ نورانی صورت، دلکش شخصیت باعمل عالم ہونے کی بنا پر ملتان کے تمام باشندے بلا امتیاز مذہب و ملت آپ کے گرویدہ تھے۔ فقہ میں مہارت اور میراث میں کمال حاصل تھا۔ سیکڑوں طلبا آپ سے فیض یاب ہوئے اور تمام مومنین آپ کے احسانمند ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی خدمت گزاری آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

مولانا نے آخری عمر میں بلڈ پریشر کی شدید تکلیف اٹھائی مگر کبھی شکوہ نہ کیا۔ آخر ۲۵ جولائی ۱۹۶۴ء ۱۷ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ کو اناسی برس کی عمر (یہی آپ کے والد کا سن تھا) میں رحلت فرمائی۔ اور ہزاروں عقیدت مندوں کی اشکبار آنکھوں اور آہوں کے سائے میں غفران مآب میں محو آرام ہوئے۔

زین العابدین خان : حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

ملا آقا زین العابدین خان لکھنوی، افاضل علمائے لکھنؤ میں شمار ہوئے ہیں۔ مولانا موصوف جناب غفران مآب کے شاگرد تھے اور مولانا کی تالیف "اساس الاصول" سے اصول و اخبار پر ایک کتاب مرتب کی تھی۔

(کشف الحجب والاستار و تکملہ نجوم السماء، ج ۲، ص ۲۱۴)

(س) ساطع، ملا عبدالحکیم:

۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۱ء

ملا عبدالحکیم ساطع بن ملا غالب کشمیری، شاگرد مرزا داراب جویا اور ملا محمد سعید اشرف مازندرانی شاہ عالم کے وابستگان دولت میں تھے، کشمیر وطن تھا، پشاور میں بھی رہے۔ ۲۱ رمضان ۱۱۴۳ھ کو کشمیر میں فوت ہوئے۔ (تاریخ کشمیر اعظمی ص ۲۴۸، ۲۸۷) ملا ساطع کے نام سے دوسرے فاضل ملا ابوالحسن بن ملا علی کشمیری (م ۱۱۵۶ھ/ ۱۷۴۳ء) ہیں۔ مخزن الغرائب در روز روشن میں مرزا جویا کا شاگرد اور صمصام الدولہ کا مداح لکھا ہے ان کی کتاب "حجت ساطع" برھان قاطع کا خلاصہ ہے۔ دونوں شاعر، مذہبی علوم اور فقہ سے بھی اچھی طرح باخبر تھے جیسا کہ ملا کے لقب سے واضح ہے۔

سبط الحسن، ھنسوی:

حدود ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء
۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

مولانا سید سبط الحسن بن السید فیض الحسن رضوی (الہ آباد کے قریب) فتح پور ھنسوہ میں پیدا ہوئے۔ موصوف ہمارے عہد کے فاضل محقق کتاب شناس اور رجالی و مؤرخ بزرگ تھے، چھان بین اور تحقیق ان کا مشغلہ تھا، کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد اور کتب خانہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مخطوطات کے عمید تھے، حج و زیارات کے سفر اور تبلیغی دوروں میں ان کا محبوب مشغلہ کتب خانے دیکھنا تھا۔ وہ فقط فہرست نگار ہی نہیں تھے بلکہ اہم اور نادر موضوعات پر کام کرنے کی لگن بھی رکھتے تھے۔ منتدی النشر نجف۔ انجمن تبلیغات اسلامی طہران۔ اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی اور دوسرے علمی اداروں کے رکن تھے۔

مولانا سبط الحسن صاحب، خاموش، گوشہ نشین اور متقی آدمی تھے۔ موصوف نے تقریباً ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر میں علی گڑھ میں وفات پائی۔ ۸ر اپریل ۱۹۷۸ء تاریخ رحلت ہے۔

تصانیف: • تذکرہ مجید احوال شہید نور اللہ (طبع ۳، ۱۹۷۹ء)۔ • اثبات عزاداری (اردو) مطبوع۔ • عزاداری کی تاریخ (اردو) مطبوع • فلسفہ نماز (اردو) مطبوع۔ • اظہار حقیقت رد کتاب شہید انسانیت (اردو) مطبوع۔ کشف الداھیہ (اردو) مطبوع۔ • ازاحۃ الوسوسہ (اردو) مطبوع۔ • امام جعفر صادقؑ و اشاعت علوم (اردو) مطبوع۔ • عربی مرثیے کی تاریخ (اردو) مطبوع۔ • منہاج نہج البلاغہ (اردو) مطبوع۔ • (متعدد علمی مقالات و رسائل مطبوعہ)

مخطوطات: • الکتب والمکتبات قبل الاسلام (عربی) مخطوط۔ • الکتب والمکتبات فی ادوار التشیع (عربی) • شہاب ثاقب شرح دیوان حضرت ابوطالب (اردو) • الدر المنظوم من کلام المعصوم • لسان الصدق در تحقیق فارقلیط وایلیا۔ • قول سدید، رد اہل سنت۔ • ابوذر غفاری۔ • رسالۃ الحقوق الامام علی بن الحسینؑ با ترجمہ اردو و حواشی و توضیحات۔ • مسالک المشاھد و تقویم المقابر۔ • مجموعہ مضامین علمیہ

سبحان علی خان :

حدود ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء
۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۷ء

سبحان علی خان بہادر بن علی حسین کنبوہ بانس بریلی کے رئیس تھے۔ عبدالحی صاحب نزہتہ الخواطر کے بقول ان کے اجداد قائن سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا سبحان علی خان، منطق و فلسفہ، ادب کے علاوہ تفسیر و حدیث و فقہ کے بھی عالم جلیل تھے، شیخ علی حزیں اور خان علامہ تفضل حسین خان سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔ غفران مآب مولانا دلدار علی ان کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے، مفتی محمد قلی صاحب، مفتی محمد عباس صاحب اور سلطان العلماء سید محمد صاحب کے نام جو خطوط ملتے ہیں ان سے سبحان علی خان کی قابلیت، تقدس، اور شخصیت پر پر روشنی پڑتی ہے۔ حسن التین میں انھیں فاضل کامل فصیح و ادیب حاضر جواب، طب و ریاضی و علم کلام میں ماہر تھے، عابد و تہجد گذار و کثیر البکا تھے۔

علم و تقدس کے ساتھ ساتھ ان کے تعلقات دربار سے عوام تک اور علماء و ادباء سے لے کر بادشاہ اور گورنر جنرل تک سے تھے۔ کلیات نثر غالب میں سبحان علی خان کے نام تین خط ہیں۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب نے ان کی مدح میں قصیدۂ[1] عربیہ لکھا ہے۔ خود مولانا سبحان علی خان کے عربی و فارسی خطوط میری نظر سے گزر چکے ہیں خیال ہوتا ہے کہ وہ عربی و فارسی میں اعلیٰ درجے کے انشا پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی و عبرانی سے بھی باخبر تھے۔ وہ پہلے غازی الدین حیدر کے اتالیق تھے، پھر نصیر الدین حیدر کے زمانے میں نیابت وزارت اور کمپنی و حکومت کے درمیان سیاسی تعلقات کے نگران تھے۔ اس سلسلے میں انھیں پچاس ہزار روپیہ انعام بھی ملا تھا۔ علما و ارباب ریاست و سیاست ان سے مشورے لیتے تھے اور وہ انتہائی احتیاط و دور اندیشی سے یہ فرائض انجام دیتے تھے۔ ۱۲۴۳ھ میں آغا میر کو سیاسی زوال ہوا تو سبحان علی خان کے خلاف بھی انکوائری ہوئی مگر وہ بری ہوئے اور رپورٹ میں انھیں مخلص بتایا گیا لہٰذا وہ دوبارہ مشیر حکومت بنائے گئے۔

---

[1] دیوان رطب العرب ص ۲۳۸ پر قصیدہ ہے :

سجع العنادل سحرۃ اشجانی | لولا الهوی زالت به اشجانی

ایک سو سات شعروں میں سے تین شعر ہیں :

متنزہ ، عال کما ان اسمہ | متضمن للعلو و السبحان
ھذا رصین المجد فرد زمانہ | علامۃ حبر عظیم الشان
متوقد، متکلم ، متفنن | متبحر، متفرد الازمان

مولانا سبحان علی خان کی شخصیت کے بارے میں منیر شکوہ آبادی کے قطعۂ تاریخ سے کچھ روشنی ملتی ہے اور ان کی علمی و عملی زندگی کے کچھ پہلو سامنے آتے ہیں۔

مرجعِ روح و ملک، ثانیِ عقل اوّل	زائرِ حضرت شاہ شہداء ہے وائے
زاہد و عابد و استادِ حکیمانِ جہاں	قطبِ اسلام و امام العلماء ہے وائے
منطق و علم کلام و ادب و فقہ و حدیث	کہتے ہیں ہوگئے ہم بے سروپا ہے وائے
حکمت و علم ریاضی ہیں بغیر ان کے یتیم	ہوگئے خاک بہ سر مجد و علیٰ ہے وائے
مسند دولت و دین ہوگئی خالی افسوس	آج بے کس ہیں ملوک و امراء ہے وائے

یعنی مولانا سفرِ زیارت اور شاید حج بھی کر چکے تھے، علما کے زمرے میں وہ صدر نشین تھے، منطق و کلام، ادب و فقہ و حدیث، فلسفہ و ریاضی و طب میں کمال رکھتے تھے اور تدبیر و انتظام، مشورہ و رائے میں ارسطو تھے۔
عبادت گزار و پابندِ شرع تھے، مدرس بھی تھے اور مدبر بھی، مخالفینِ مذہب سے مناظرہ بھی کرتے تھے اور مختلف علوم پر کتابیں بھی لکھتے تھے۔ ان کی کتابیں کچھ تو غدر میں ضائع ہوگئیں، کچھ ان کے خاندان کے نقل و انتقال نے تلف کر دیں۔ **اولاد**: ان کی اولاد بھی عالم و فاضل تھی۔ ۰ احسان حسین۔ ۰ مظفر حسین۔ ۰ فدا حسین۔ ۰ پیارے صاحب۔ ۰ رضا حسین۔ ان میں سے کچھ حضرات اور ان کی اولاد کربلا عراق ہجرت کر گئی تھی۔
مولانا سبحان علی خان نے ۱۲۶۴ھ میں رحلت کی۔ اور حسبِ وصیت لاش کربلائے معلّٰی میں دفن ہوئی۔
منیر نے تاریخ لکھی:

مجھ سے رضوان نے کہا مصرعِ تاریخ منیر۔ قبلۂ دہر ملاذ الحکما ہے ہے، وائے (۱۲۶۴ھ)

تصانیف: ۰ شمس الضحیٰ (کلام، فارسی، مطبوعہ) ۰ الوجیزہ۔ ۰ رسالہ در حدیث الاثر۔ ۰ رسالہ در حدیث ثقلین۔ ۰ رسالہ در حدیث حوض۔ ۰ رسالہ لطافۃ المقال ۰ جواب رسالہ مکاتیب حیدر علی (تکملہ نجوم السماء):
(تذکرۂ بے بہا ص ۱۷۰ - نزہۃ الخواطر ۷، ص ۱۹۱ - بزم غالب ص ۱۸۳)

بعض اہم خدمات: ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں نے برِصغیر کے بے شمار علما کی زندگی اور ان کی خدمات کو نقصان پہنچایا، مولانا سبحان علی خان کی سوانح حیات بھی انقلابات کی زد میں آئی مگر کام کرنے والوں کے تمام بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ ان کارناموں میں ایک ناقابلِ فراموش کام وہ ہے جس کو خیرپۂ اودھ کہا جاتا ہے۔
اودھ کی حکومت بہت کم عمر رہی، لیکن وہاں کے عوام اور حکمرانوں نے خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ شفاخانے اور اسپتال بنوائے، مدرسے، اسکول اور کالج قائم کیے، پریس اور سائنسی تحقیقات کے مرکز کھولے غربا کے رہنے کے لیے بڑے بڑے مکان بنوائے۔ تصنیف و تالیف کے بورڈ بنائے۔ امام باڑے

مسجدیں، تالاب، کنویں، باغ و عمارات بنوائے، سب کے لئے وقف کیے۔ ان اوقاف سے آج تک حاجی حج کرتے اور زائرین زیارت کو جاتے ہیں۔ علم و اہل علم کی اندرون ملک مدد کی، وظیفے مقرر کیے جو آج تک مل رہے ہیں، بیرونِ ملک مستقل امداد کے لیے جو کچھ کیا اس میں سے ایک کام "خیریۂ اودھ" ہے۔

خیریۂ اودھ: سے مراد وہ خطیر رقم ہے جو غازی الدین حیدر بادشاہ کی طرف سے نجف و کربلا جاتی ہے۔ بات یہ ہوئی کہ

۱۸ ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ ۹ اکتوبر ۱۸۱۹ء روز شنبہ نواب غازی الدین حیدر نے شاہی کا اعلان کیا تو علامہ سبحان علی خاں ان کے مشیر اعلیٰ تھے۔ بادشاہ کا سکہ، سبحان علی خاں نے لکھا:

سکہ زد بر سیم و زر، از فضل ربِ ذوالمنن   غازی الدین حیدر عالی نسب شاہ زمن

سبحان علی خان نے اِس دَور میں ایک علمی و سیاسی کارنامہ یہ انجام دیا کہ لارڈ امیہرسٹ گورنر جنرل ہندوستان نے حکومت اودھ کی اقتصادی خوش حالی کو دھچکا لگانے اور اس کی ترقی روکنے کے لیئے اسکیم بنائی۔ اس وقت برصغیر کی حکومتیں انگریزوں کے تسلط کی بنا پر بے بس تھیں، جیسے آج کل امریکہ و روس جو چاہے وہ کرے دوسری حکومتیں ان کے مہرے ہیں۔ وہ ترقی یافتہ ممالک ہیں باقی ہمارے جیسے ممالک ترقی پذیر، وہ ہمیں فوجی امداد دیتے ہیں اور وہ ہمارے محافظ ہیں۔ اگر ہم ذرہ برابر بھی ان کی رائے سے مخالفت کریں تو وہ ہمیں کچل دیں، جیسے ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے ساتھ ہوا۔

اودھ کے حکمران یمین الدولہ سعادت خان نے منصوبہ بنایا تھا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہر قسم کے ہرجانے تاوان، ٹھیکہ وغیرہ کی تمام رقم ادا کر کے ملک خالی کرالیں گے، لیکن ۲۱ رجب ۱۲۲۹ھ/ ۱۱ جولائی ۱۸۱۴ء کو نواب رحلت کر گئے۔ اس وقت خزانے میں تقریباً تیرہ کرور روپیہ تھا۔

انگریزوں نے اس روپے کو تاکا اور چند برسوں میں خزانہ خالی کرا دیا۔ نواب غازی الدین حیدر کو مجبور کر کے ایک مرتبہ ایک کروڑ آٹھ لاکھ پچاس ہزار روپیہ لیا۔ ۱۸۱۵ء میں ایک کرور روپیہ لیا، ۱۸۲۵ء میں پھر ایک کرور روپیہ قرض لیا، ہم اور قرضوں کی تفصیل چھوڑتے ہیں۔ ۱۸۲۵ء میں مولانا سبحان علی خان اور معتمد الدولہ آغا میر صاحب نے اس ایک کرور روپے کے لیے جو منصوبہ بنایا وہ ان حضرات کی علم دوستی اور ایمان کی دلیل ہے۔

غازی الدین حیدر بادشاہ نے طے کیا کہ حکومت جو روپیہ قرض ناقابلِ واپسی دے رہی ہے، اُن کا سالانہ منافع شروع شروع میں کچھ افراد پر خرچ کیا جائے گا، کیونکہ سر دست عراق کے لیے بادشاہ و امرا وظائف و امداد بھیجتے رہتے ہیں، مستقبل کے لیے ایک بہت بڑی رقم کا جو انتظام کیا گیا۔ اس کی تفصیل تاریخ میں موجود نہیں، کیونکہ یہ معاہدے حکومت انگلیشیہ سے تھے۔ انھوں نے ان دستاویزات کو تاریخ میں نہ آنے دیا۔ تاریخ علما

جو

میں یہ دستاویز اس وجہ سے درج کر رہا ہوں کہ علما نے علومِ دین اور عوام کے لیے کتنے دُور رس اقدامات کیے۔ عام لوگوں کے علم میں آسکیں۔

"خیریۂ اودھ کی اصل دستاویز"

وثیقۂ عہد و قرار نامۂ ہذا مابین سرکار عظمت آثار ظلِ سبحانی ابو المظفر شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ و سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر خلداللہ ملکہا در باب مبلغی کہ جناب بادشاہ ذی جاہ ممدوح بطریق قرض بہ سرکار کمپنی انگریز بہادر سپردہ انداز دست خود جناب بادشاہ والا جاہ معزے الیہ معرفت مارؤنٹ رکیٹس صاحب بہادر جانشین دربار عالی مقدار جناب محتشم الیہ از طرف کمپنی بہادر بموجب اختیاری کہ از جانب سنی الجوانب نواب مستطاب معلی القاب زبدۂ نوئینان عظیم الشان مشیر خاص حضور فیض معمور بادشاہ کیواں بارگاہ انگلستان اشرف الامراء ولیم پٹ لارڈ امہرسٹ گورنر جنرل بہادر ناظم اعظم ممالک محروسہ سرکار کمپنی بہادر متعلق کشور ہند بہ حساب معزی الیہ در اجلاس کونسل مفوض است زیب توثیق یافتہ :

دفعۂ اول : کرور روپیہ کہ یکمشت زر بسرکار کمپنی انگریز بہادر بطریق قرض سپرد شدہ منافع آن بحساب پنج روپیہ فی صد سالانہ از تاریخ غرۂ محرم ۱۲۴۱ھ مطابق ہفتدہم ماہ اگست ۱۸۲۵ء سرکار موصوف رادادن خواہد شد۔ و اگر در سرکار موصوف نرخ منافع از پنج روپیہ فی صد سالانہ کم یا زیادہ شود۔ از مقدار منافع این کرور روپیہ قرض کہ پنج لک روپیہ سالانہ می شود کم و بیش نہ خواہد گشت۔

دفعۂ دوم : از این زر برای دوام بسرکار موصوف سپردہ شد فی وقت من الاوقات و بوجہ من الوجوہ والیانِ سلطنت اودھ را اختیار استرداد این مبلغ و نوعی مداخلت در منافع آن نخواہد بود۔

دفعۂ سوم : از منافع مزبور در ماہہ علاقہ داران ذات خاص خود بموجب تفصیل ماتحت و عنوان مفصلۃ الذیل مقرر کردہ شد، آں را سرکار موصوف بذمۂ خود گیرد کہ ابداً مؤبداً نسلاً بعد نسلٍ بآنہا دادہ باشند و ہیچ نوع در آں تغیر و تبدل راہ نیابد۔

دفعۂ چہارم : کفالت عزت و آبروی جملہ مشاہرہ داران این منافع و حفاظت اموال منقولہ و غیر منقولہ آنہا از قسم مکانات و باغات بخشیدہ این جانب خواہ خریدہ و تعمیر کردہ آنہا از دست حکام و دیگر متعدیان بذمۂ سرکار کمپنی انگریز بہادر خواہد بود، بہر شہر و دیار کہ باشند ہماں جا در ماہہ آنہا بہر طوری کہ تواند رسید می رسانیدہ باشند۔

دفعۂ پنجم : مطابق وثیقۂ ہذا صاحب ریذیڈنٹ مسٹر مارؤنٹ رکیٹس صاحب بہادر وثیقہ نوشتہ دادہ اند، در حقیقت بجائی نوشتہ نواب مستطاب گورنر جنرل بہادر است، ہرگاہ وثیقۂ دیگر مطابق وثیقۂ خود بمہر و دستخط نواب معزی الیہ طلبیدہ دہند وثیقۂ خود واپس گیرند۔

پنج لک منافع فی سال بحساب سنہ شمسی دوازدہ شہر فی شہر چہل و یک ہزار و شش صد و نصت روپیہ دہ آنہ ہشت پائی ہرماہ درماہہ خادمان امام باڑہ جدید مشہور بہ امام باڑہ شاہ نجف بموجب تفصیل اسامی مندرجہ سند علیحدہ ماہانہ ۸ - ۱۰ - ۱۱۴۷ جمع سالانہ × × × ۱۳۶۵۲ روپیہ ابدالآباد این مشاہرہ می دادہ باشند و اختیار عزل و نصب آنہا بکسی کہ تولیت امام باڑہ مزبور از حضور مفوض خواہد شد خواہد بود۔

نواب مبارک محل صاحبہ ماہواری دہ ہزار روپیہ جمع سالانہ یک لک و بست ہزار روپیہ تاحین حیات این مشاہرہ بہ بیگم مزبور می رسانیدہ باشند و برای مابعد خود برائی ہرکس و ہرامر کہ وصیت نمایند تا مقدار یک ثلث مشاہرہ قبول فرمایند و دو ثلث مشاہرہ کہ باقی ماندہ یا بسبب نہ کردن وصیت مطلقاً ہمان مشاہرہ باقی ماند باقی مزبور دو حصہ کردہ نصف بنجف اشرف و نصف کربلای معلیٰ نزد مجتہدان مجاوران آستان ملائک پاسبان رسانیدہ باشند کہ مشار الیہم از طرف اینجانب بنا بر کسب ثواب بارباب استحقاق تقسیم کردہ باشند۔

نواب سلطان مریم بیگم ماہواری دوہزار پانصد روپیہ، جمع سالانہ سی ہزار روپیہ بشرح عنوان مفصلہ مشاہرہ نواب مبارک محل صاحبہ دربارہ مشاہرہ ایشان ہم بعمل آید۔

نواب ممتاز محل صاحبہ، ماہواری یازدہ صد روپیہ، جمع سالانہ یک لک وسی و دو ہزار روپیہ بشرح صدر۔

نواب سرفراز محل، ماہواری یک ہزار روپیہ، جمع سالانہ دوازدہ ہزار روپیہ بشرح صدر۔

اسامیاں نوکران سرفراز محل صاحبہ ماہواری نہصد و بست و نہ روپیہ، جمع سالانہ یک ہزار و یکصد وسی و ہشت روپیہ بموجب تفصیل علیحدہ نسلاً بعد نسل می دادہ باشند و مشاہرۂ فوتیان صورت شامل مبلغ نذر عتبات مذکور الصدر سازند۔

نواب معتمد الدولہ بہادر ماہوار بست ہزار روپیہ جمع سالانہ دو لک چہل ہزار روپیہ ۔۔۔۔

نواب مبارک محل کی وفات کے بعد ان کی تنخواہ دس ہزار روپے ماہوار عراق منتقل ہوگئی، ایک لاکھ بیس ہزار روپے پہلی مرتبہ ۱۲۶۵ھ میں تقسیم کیے گئے لیکن معاہدہ کے مطابق تخمیناً چھیاسٹھ ہزار سالانہ گورنمنٹ برطانیہ نے خورد برد کر دیے۔ دس ہزار روپے ماہانہ کا حال سید محمد حسنین صاحب کی رپورٹ کے مطابق یہ ہے:۔

تیس سال تک مولانا سید کلب باقر صاحب اور ان کے بڑے صاحبزادے کلب مہدی صاحب اس رقم کے مُقسّم رہے یہ روپیہ پہلے پہل ۱۲۶۵ھ میں آیا اور کربلا کے مجتہد آقای حاج میرزا علی نقی طباطبائی کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ عام باشندوں کے گھروں پر جا کر ان کو حسب تعداد افراد روپیہ دیا جاتا تھا، اور سادات کو شادی کے لئے الگ رقم ملتی تھی، ۱۲۸۹ھ میں آقای علی نقی نے رحلت فرمائی تو شاہزادہ اقبال الدولہ بہادر فرزند امجد علی شاہ کی سفارش پر کربلا کی رقم آقای حاج میرزا ابوالقاسم طباطبائی مجتہد کے سپرد کی جانے لگی۔

شاہ زادہ اقبال الدولہ کی تجویز ہوئی کہ اس رقم کا ایک تہائی ہندیوں کو دیا جائے۔ باقی عام تقسیم ہو۔ اسی زمانے میں یہ روپیہ ماہانہ کے بجائے سہ ماہی ہوگیا مگر طریقہ یہی رہا کہ گھروں پر جاکر روپیہ دیا جاتا تھا۔

۱۳۰۲ھ نجف و کربلا کے دونوں مجتہدوں کے دو، دو معاون مقرر ہوئے۔ پھر حکومت برطانیہ کا ناظر ہی رہ گیا۔

۱۳۰۸ھ میں آیۃ اللہ میرزا ابوالقاسم طباطبائی نے رحلت کی اور ان کی جگہ ان کے فرزند اکبر حجۃ الاسلام سید محمد باقر طباطبائی مقسّم معین ہوئے، کچھ عرصے بعد دس دس علماء کا بورڈ نجف و کربلا کے لیے نامزد ہوا۔ بورڈ کے بعد ناظر کا عہدہ ختم کردیا گیا۔

مسٹر لاریر کونسل جنرل بغداد نے کچھ شکایتوں کے بعد ایک ایسی کمیٹی بنائی جس میں مقسمین کے علاوہ چند زائد ممبر بھی داخل کیے گئے۔ یہ لوگ مستحقین کی تشخیص کرکے ٹکٹ دیتے تھے۔ ہر ممبر کی تنخواہ تیس روپے ماہانہ اور مقسمین کو دو سو روپے ماہانہ اور آقای سید محمد باقر طباطبائی کو چار سو روپے ماہوار، بقیہ رقم مستحقین پر تقسیم ہوتی تھی۔ ہندی طلباء (بشمول پاکستان موجودہ) دوگنی رقم کے مستحق قرار دیئے گئے اور عرب و عجم کے طلباء کو ان سے کم۔

مارچ ۱۹۲۰ء سے طاہر حسین قریشی خیریۂ اودھ کی تقسیم کے ناظر مقرر ہوئے۔ انھوں نے حکومت برطانیہ کے سیاسی مفادات کو مقدم کردیا اور علماء کا فیصلہ کم وزن قرار دیا۔

۱۹۳۰ء میں مولانا کلب مہدی صاحب نے رحلت کی اور سید مصطفےٰ کشمیری کو ان کی جگہ نامزد کیا گیا۔

(خلاصۂ بیان مولانا محمد مہدی بتاریخ ۱۰ شعبان ۱۳۵۷ھ / ۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء)

ان تبدیلیوں میں رقم خرد برد ہوتی گئی اور طلبہ و علماء کربلا و نجف کو کم سے کم رقم ملنے لگی اور خیریۂ اودھ امداد علم و علماء کے بجائے حکومت ہند کی پبلسٹی کا مصرف بن گیا۔

شیخ شمشاد حسین کی روایت کے مطابق:

خیریۂ اودھ کا روپیہ پہلی مرتبہ نجف آیا تو سید مہدی بحر العلوم کو پانچ ہزار اور کربلا میں سید ابراہیم بن باقر صاحب ضوابط الاصول کو پانچ ہزار دینار طے پایا۔ لیکن روپیہ نجف پہنچا تو سید مہدی کا انتقال ہوچکا تھا۔ لہذا آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ مرتضیٰ الانصاریؒ کو روپیہ دے دیا گیا۔ کچھ عرصے بعد حضرت انصاری نے معذرت فرمائی اور فرزند آیۃ اللہ سید مہدی مقسم معین ہوئے۔

آیۃ اللہ ملا محمد کاظم خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مد رقم سے طلبہ کے لیے روٹی کی دوکان کھلوادی تاکہ طلباء وہاں سے قیمت کے بغیر روٹی حاصل کرلیا کریں۔

اس تفتیش کے سلسلے میں ۷، ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء پنجشنبہ کے دن جناب محمد شاہ کمبوہ نے بھی بیان دیا

اور کہا:

"میں عرصہ دراز سے کربلا میں رہتا ہوں جہاں میری املاک ہے ۔ میں نواب سبحان علی خان کا پوتا ہوں جنہوں نے بادشاہ غازی الدین حیدر مرحوم سے یہ روپیہ خیریہ کا وقف کرایا تھا اور شہر الہ آباد کا قدیم رہنے والا ہوں"
(رپورٹ مع ضروری اسناد و کاغذات متعلق کمیٹی تقسیم خیریہ اودھ و حبیبہ کربلائے معلے و نجف اشرف ۔ مرتبہ سید محمد حسین رضوی ردولوی مطبع سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۲۰ء ۔

خیریہ اودھ کے علاوہ متعدد امراء، نوابین و راجگان برصغیر کی طرف سے ہزاروں روپے ماہانہ حوزۂ علمیہ نجف و کربلا و سامرا کے لئے وقف تھے ۔ اور زیارت کے لیے جانے والے حضرات کے ہدایا ان پر مستزاد تھے ۔ اس طرح سلما لکھنؤ اور شیعہ عوام کے ان روابط کا پتہ ملتا ہے ۔ جو نجف و کربلا سے قائم ہیں۔

سبط حسن جائسی (خطیب اعظم)

۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء
۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

سید سبط حسن بن وارث حسین النقوی ۱۲۹۶ھ جائس ضلع رائے بریلی ہند میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی پھر لکھنؤ آئے اور مدرسۂ ناظمیہ میں نام لکھوایا، جناب نجم الحسن صاحب قبلہ کی نگرانی میں ممتاز الافاضل کیا۔ اس کے بعد سید باقر صاحب قبلہ سے درس لے کر صدر الافاضل کی سند لی۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کیا۔

ذہن خداداد، اعلیٰ درجے کے ساتھی، توفیق الٰہی محنت اور شفیق اساتذہ نے سونے کو کندن بنا دیا۔ جو دن گزرتا تھا، طالع چمکتا تھا، جو کام کرتے عزت بڑھتی تھی، درس دیا تو طلباء نے فخر کیا، لکھا تو پڑھنے والے پھڑک گئے۔

عربی و فارسی میں ادیبانہ مہارت اور اسالیب بیان میں اہلِ زبان کا تیور تھا۔ اردو کی نظم و نثر تقریر و تحریر ہر میدان میں لوہا منوایا۔

ذاکری، یعنی بیان فضائل و مصائب محمدؐ و آلِ محمدؐ کی سینکڑوں سال پرانی روایت میں ایسا ڈھنگ اختیار کیا کہ اہلِ دانش و بینش گرویدہ ہو گئے، ادب و علم و نکتہ آفرینی کا وہ رنگ ایجاد کیا کہ علماء دنگ رہ گئے۔ تفسیر و حدیث کی بات ہو یا کلام و فلسفہ کا موضوع عام مسئلہ ہو یا خاص نکتہ جب چاہتے تھے اور جس طرح چاہتے تھے لکھتے، اور بولتے تھے۔

۱۹۲۵ء میں حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا اور اہلِ علم "خطیب آلِ محمدؐ" کے نام سے یاد کرنے لگے "بلبل بوستانِ خطابت" اور عالم شیوا بیان ان کے صفاتی نام تھے۔

آپ نے ۲۸ محرم ۱۳۵۴ھ ۲ مئی ۱۹۳۵ء کو لکھنؤ میں وفات پائی خبر وفات پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی، تمام ملک کے اخبارات نے خاص نمبر شمارے اور اعلامیے نکالے۔ پورے ملک کے دانشوروں نے سوگ منایا۔ آپ کا جنازہ شیعہ، سُنّی، ہندو اور عیسائیوں کے اجتماع سے اٹھا۔ اس کی مثال اس سے پہلے بزرگوں نے نہیں دیکھی تھی۔ دریائے گومتی پر غسل ہوا۔ وکٹوریہ پارک میں باقتداء نجم العلما نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور امام باڑہ غفران مآب میں دروازۂ مسجد کے سامنے صحنچی میں سپردِ لحد ہوئے۔

مولانا کے اردو، فارسی، عربی دیوان کی ترتیب و اشاعت نہ ہو سکی۔ ورنہ ادب میں ایک قیمتی اضافہ ہوتا مجھے اس وقت دو عربی شعر ملے ہیں۔ دیکھیے کیا خیال ہے، کیا ترکیب و زبان ہے۔

یھاب زئیرّ اللیث واللیث باعد   فکیف اذا اللیث المھیج اطلقا

وقرطان جوّالان کالقلب خافقا   کنجمین بالبدر التمام تعلقا

تعمیری کارنامے:

شیعہ کالج لکھنؤ کی تاسیس جس میں رؤسا و راجگان کے پہلو بہ پہلو آپ نے خود اپنی آمدنی کا معتد بہ روپیہ دیا۔ میرے نزدیک اس عظیم ادارے کے بانی تین ہیں: مولانا سبط حسن صاحب قبلہ، نواب فتح علی خان قزلباش اور نواب حامد علی خان آف رام پور رحمۃ اللہ علیہم۔

۱۳۳۷ھ میں مدرسۃ الواعظین لکھنؤ قائم ہوا، تو مولانا پہلے صدر مدرس معین ہوئے۔

کتب خانہ: مرحوم کو کتابوں سے عشق تھا۔ آپ کا انتہائی قیمتی کتب خانہ جناب راجہ صاحب محمود آباد نے محفوظ فرما لیا تھا

تصانیف: • ترجمہ محیط الدائرہ (عروض) طبع شد۔ • الحجر الدامغ المعروف بالعذاب الواقع، واقعہ غدیر طبع شد • جواہر الکلام دس مجلسیں۔ طبع شد • خطاب فاصل ترجمہ میزان عادل۔ طبع شد۔ • تقویم الاود فی مداواۃ العمد عربی۔ طبع شد۔ • الکلاظم (سوانح امام ہفتم) طبع شد۔ • فریاد، مجموعۂ نوحہ جات۔ طبع شد۔ • ہدم الاساس فی حدیث قرطاس (اردو)۔ سچا موتی ترجمۂ درثمین محسن امین عاملی در عقائد (طبع شد)

سہیل یمن: علمی اور مذہبی ماہنامہ بھی عرصہ تک جاری رہا۔ جس میں اعلیٰ درجے کے علمی مسائل پر بہت عمدہ مضامین چھپا کرتے تھے۔

اولاد: متعدد فرزند یادگار تھے۔ جن میں منظر اور محمد موسیٰ مرحوم میرے ہم درس تھے۔ آخر الذکر فرزند بڑے صاحب ہمت و ذکاوت تھے۔ مجھے بھی مرحوم نے مقابلے میں آگے نہ بڑھنے دیا۔ افسوس صد ہزار افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور بیس برس کے قریب عمر پا کر ۱۹۴۵ء میں رحلت فرمائی۔

جناب سالک لکھنوی، لکھنؤ کے پختہ گو صاحب طرز شاعر تھے۔
جناب وارث حسن صاحب ماشاء اللہ سب سے چھوٹے فرزند مگر سب سے بڑے سعادت مند ہیں۔ ماشاء اللہ صدر الافاضل بھی ہیں اور یورپ سے کسی موضوع پر اعلیٰ سند بھی رکھتے ہیں۔

• الرضوان لکھنؤ، ربیع الاول ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۴ء • خطیب اعظم۔

سبط حسین، (مجتہد)

۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء
۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء

سید سبط حسین ابن سید رمضان علی جائسی لکھنوی جناب غلام حسین صاحب کی دختر جناب امۃ الھادی کے فرزند تھے۔ موصوف کی ولادت جناب سلطان العلما کی وفات کے بعد بقول شمس صاحب ۱۵ شعبان ۱۲۸۴ھ کو ہوئی۔ کسی نے قطعۂ تاریخ کہا:

قبلہ و کعبہ چو برخاست ازیں دار فنا — ای کہ گرد رہ او افسر تارک باشد
پسر دختر فرزند وی آمد بوجود — ای کہ در مولد او ماہ چو صحنک باشد
سال تاریخ وی از چرخ کہن پرسیدم — گفت نو سبط حسین است مبارک باشد

حسن اتفاق یہ بھی ہے کہ "حضرت صاحب الزمان" ہم عدد نام ہے۔ اس خصوصیت کے علاوہ ماحول بھی یہ تھا کہ یہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، سلطان العلما کے گھر اور علما و اکابر کی گودیوں میں پلے بڑھے۔ ابتدائی استاد مولانا حبیب حیدر تھے اور اعلیٰ اساتذہ مولانا محمد حسین صاحب بحر العلوم، ملاذ العلما سید بچھن صاحب، تاج العلما سید علی محمد صاحب سے قرآن و حدیث تفسیر و فقہ، منقولات و معقولات کا درس لیا۔ طب میں حکیم محمد جی سے فیض اٹھایا۔

ذہانت و قابلیت کے جوہر میں محنت نے چار چاند لگا دیے۔ اساتذہ سے جو کچھ حاصل کرتے طلباء کو درس دے کر اسے اور جلا دیتے تھے۔ اصول فقہ و فقہ سے بہت شغف تھا۔ اہل سنت کے کتب فقہ و اصول پڑھتے بھی تھے اور پڑھاتے بھی تھے۔ اس طرح ابتدا ہی میں تقابلی مطالعہ شروع کر دیا تھا۔

۱۹۰۱ء میں لکھنؤ سے تعلیم مکمل کر کے باب مدینۃ العلم کا رخ کیا، نجف سے کربلا اور کربلا سے سامرے گئے جہاں آقای بزرگ میرزا محمد حسین شیرازی، نجف میں میرزا حبیب اللہ رشتی اور شیخ علی یزدی کربلا میں میرزا محمد حسین شہرستانی جیسے اہم ترین اشخاص مسند اجتہاد کی زینت تھے۔ جناب سبط حسین نے سب سے فیض اٹھایا، لیکن خصوصیت سے آقای شہرستانی اور آقای شیرازی کے درس میں تیرہ سال صرف کر کے دو مکمل دورے

---

[1] قبلہ و کعبہ سے مراد ہیں سلطان العلما سید محمد ابن غفران مآب دلدار علی جن کی وفات صفر ۱۲۸۴ھ کو ہوئی، قبلہ و کعبہ جناب مولانا غلام حسین صاحب کے والد تھے۔

تیسرے دورے میں نصف دورہ سے زیادہ میں حاضری دی۔ اور فقہ و اصول میں کمال اجتہاد تک پہنچے۔
آقای محمد حسین شہرستانی کے درس کی یاد ہمیشہ رہی اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر آقای شہرستانی اور زندہ رہتے تو میں زندگی بھر ان کے درس میں پڑھنے جایا کرتا۔
آقای شہرستانی بھی بہت قدر و عزت کرتے اور درس خارج کہنے کی فرمائش کرتے تھے، مگر مولانا نے احتراماً درس شروع نہ کیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے ارشاد کی تعمیل میں درس خارج دینا شروع کیا۔ یہ درس کربلا میں دیا کرتے تھے۔
۱۳۱۹ھ سے ۱۳۲۳ھ تک عراق و ایران کے شیوخ و اکابر سے اجازات لے کر وطن واپس آئے۔
لکھنؤ کے علما نے آپ کا زبردست خیر مقدم کیا اور آپ کی علمی عظمت سب نے مانی۔ جناب علی صاحب قبلہ کے بعد مولانا سبط حسین صاحب برصغیر کے مرجع مان لیے گئے۔
مدرسۂ سلیمانیہ پٹنہ اور مدرسۂ منصبیہ میرٹھ میں صدر مدرس رہے۔ اپنے عہد کے سب سے بڑے اصولی ہونے کی وجہ سے علماء و طلباء نے استفادہ کیا۔ درس کے علاوہ آپ نے بڑی اہم کتابیں بھی تالیف فرمائیں۔
اصول و فقہ، عقائد و کلام کے علاوہ عربی و فارسی و اردو ادب و شعر میں غیر معمولی اقتدار حاصل تھا۔
طب میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، فن میں درجۂ اجتہاد اور علاج میں دستِ شفا تھا، حیرت انگیز علاج کیے اور حیران کن تشخیص و تجویز فرمائی۔
آخر عمر میں جون پور چلے گئے تھے اور وہیں ۴ مارچ ۱۹۵۲ء جمادی الثانیہ ۱۳۷۲ھ کو راہیٔ جنت ہوئے۔

اولاد: آپ کے متعدد فرزند تھے اور ہیں ان میں جناب محمد باقر صاحب شمس تاریخ و ادب میں مشہور ہیں۔

تصانیف:
- زواھر الدُّرَر، احوال حضرت حجت (اردو) مطبوعہ
- ھات الغدیر عن خبر الغدیر (اردو) مطبوعہ
- صفائح العقیان فی بحث تحریف القرآن (اردو) مطبوعہ
- مشارع الشرائع اصول فقہ (عربی) خطی
- فرائد الافکار بحث در نظریہ (عربی) خطی
- عرائس الافکار (عربی) فقہ استدلالی (مطبوعہ) • تحفۃ العوام جدید (اردو) مطبوعہ • شرح صومیہ اثنا عشریہ بہائی استدلالی عربی
- حواشی نخبۃ الاحکام (اردو) مطبوعہ۔ • حواشی جامع عباسی (اردو) مطبوعہ •
- تکملہ منتھی الافکار غفرانِ مآب (عربی) غیر مطبوعہ۔ • مناھج الاصول۔ تحقیق الاصول۔
- معارج الفقہ۔ استدلالی۔ • معجزاتِ مریض۔ مطبوعہ۔ • تاج العلما نے اس رسالے پر اجازہ مرحمت فرمایا۔
- رسالہ مفردہ در ولایت بالغہ رشیدہ۔ غیر مطبوعہ۔ • تاج الکرامہ فی اثبات الامامہ۔ غیر مطبوعہ

(اکثر تالیفات خصوصاً قلمی وغیر مطبوعہ مؤلفات۔ جناب مولانا علی نقی صاحب کے پاس محفوظ ہیں)
• مولانا محمد باقر صاحب شمس۔ (بے بہا ۱۷۶، سرفراز لکھنؤ۔ نزہۃ ج ۸ ص ۱۵۷، تکملہ نجوم السماء)

سبط محمّد : حدود ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

مولانا سبط محمد صاحب، خلاصۃ العلما مولانا سید مرتضٰے بن سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب کے فرزند جناب مولانا سبط محمد صاحب لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مقدس ماحول اور طبعی رجحان کی وجہ سے بڑے مقدس، عالم باعمل تھے عرصے تک ریاست محمود آباد میں امام جمعہ وجماعت رہے۔ ۱۳۲۵ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔
(بے بہا ص ۳۲۵)

سبط نبی : ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء — ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۹ء

مولانا سید سبط نبی خلف سید بشیر علی صاحب نوگانوہ ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت ۴، شعبان ۱۲۹۸ھ ہے۔ اس زمانے میں علوم دین حاصل کرنا اعزاز تھا۔ عام و خاص دین سے گرویدگی رکھتے تھے، مولانا کے والدین بھی نیک اور مقدس تھے۔ انھوں نے فرزند کو علوم دین کی تعلیم دلوائی۔

مولوی محمد حسین نوگانوی وحکیم سید ظہور الدین نوگانوی سے پڑھ کر نور المدارس امروہہ میں حاجی مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب اور محمد امین صاحب حنفی سے درس لیا۔

۱۳۲۴ھ میں مولانا یوسف حسین کے ساتھ عازم عراق ہوئے وہاں کربلا و نجف اکابر علماء ومجتہدین سے درس متوسط و درس خارج لے کر اجازہ ہائے روایت واجتہاد سے شرفیاب ہوئے۔ ان کے شیوخ درس کی فہرست یہ ہے:

مولانا سید کلب باقر جائسی و مولانا شیخ مہدی کشمیری (کربلا)۔ مولانا سید کاظم طباطبائی۔ اخوند سید کاظم خراسانی۔ آقای سید ابوالحسن اصفہانی۔ آقا شیخ علی قوچانی۔ آقا سید محمد بن سید کاظم طباطبائی۔ آقا سید محمد فیروز آبادی۔ آقا شیخ ضیاء الدین عراقی۔ آقای شریعت، فرج اللہ اصفہانی۔ آقای ابوتراب موسوی۔ آقای شیخ محمد حسین حائری مازندرانی (نجف و سامرا)۔

۱۳۳۲ھ میں وطن آئے اور ۹، ربیع الاول ۱۳۳۲ھ میں مدرسۂ باب العلم قائم کیا۔ نوگانوہ میں دینی اور فقہی زعامت اور بڑی شخصیت کے مالک ہوئے۔ اپنی املاک و زمین بڑی سیر چشمی سے منصب علی کو دے دی۔ اپنے امام باڑے میں مدرسہ جاری کیا اور اس کے اخراجات میں بھی خود کفیل ہوئے۔

کچھ عرصے بعد مسلم یونیورسٹی میں بلا لیے گئے جہاں شیعہ دینیات کے صدر کی حیثیت سے خدمت دین انجام دی اور وہیں جنوری ۱۹۳۹ء میں علیل ہوئے جمعہ پونے گیارہ بجے ۲ فروری ۱۹۳۹ء کو انتقال فرمایا اور علیگڑھ

میں دفن ہوئے۔

مولانا سبط نبی کی روحانی عظمت اور تقوے کے سب معترف تھے۔ ہندو، سنی، شیعہ سب عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ (زیب بہا ۱۷۸۔ انجمن جوبلی نمبر۔ رضا کار لاہور ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء)

سجاد حسین لکھنوی لڈن صاحب

۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

جناب مولانا سید سجاد حسین صاحب، طب و منطق و مناظرہ کے ماہر اور کثیر الدرس بزرگ تھے۔ تبلیغ دین سے غیر معمولی شغف تھا، عیسائیوں اور آریوں سے بے شمار مناظرے کیے۔ بھاری جسم، کربدن، اور گرجدار آواز تھی۔ حریف کے سامنے اگر جب تقریر شروع کرتے تھے تو اسے مرعوب کر دیتے تھے۔ اصول مناظرہ کے پابند تھے۔ حوالوں اور برجستہ جوابوں میں لاجواب تھے۔ عام طور پر لڈن صاحب مناظر کے نام سے شہرت رکھتے تھے۔ متوسطات کے درس میں شہرت تھی۔ بہت سے علما آپ کے شاگرد ہیں۔ طویل عمر پاکر لکھنؤ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات جمادی الثانیہ ۱۳۷۵ھ ہے۔

سید سجاد حسین، جونپوری:

۱۲۹۶ھ / ۱۸۸۹ء
۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء

مکرم العلما، عمدۃ الفقہا مولانا سید سجاد حسین صاحب زیدی سید اور جون پور کے متوطن اور اس شہر کی علمی تاریخ کے رکن تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ مولوی سید منصب علی، جون پور کے صاحب علم اور تعلقہ دار تھے۔ ان کے صاحبزادے مولانا سید عابد علی مجتہد آخر عمر میں عراق چلے گئے تھے وہاں ایک معجزہ یہ ہوا کہ ضعف و کبر سن کی بنا پر آنکھوں نے جواب دے دیا۔ لیکن دعا کی برکت سے بینائی واپس آگئی۔ مولانا عابد علی صاحب کے فرزند محمد حسن صاحب بھی عالم و مجتہد و خطیب تھے۔ جناب مولانا سجاد حسین صاحب انھیں کے فرزند ہیں۔ آپ جونپور محلہ ملا ٹولہ میں شب جمعہ ۱۷ شعبان ۱۲۹۶ھ کو پیدا ہوئے۔ ذوالفقار حسنین تاریخی نام رکھا گیا۔ پانچ سال کی عمر میں مولانا ناصر حسین صاحب جون پوری نے بسم اللہ کرائی۔

کمسنی ہی میں والدین کے ہمراہ زیارت کے لیے عراق جانا ہوا وہاں اپنے دادا مولانا عابد علی صاحب قبلہ کے ساتھ کربلا میں عرصہ تک مقیم رہے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے خانوادۂ علم و عمل کے افراد یعنی اپنے والد اور چچا جناب زاہد علی صاحب سے حاصل کی۔ مولانا ناصر حسین صاحب مجتہد جون پوری سے فیض حاصل لیا۔

لکھنؤ میں عماد العلما جناب میر آغا صاحب اور مولانا علی محمد صاحب تاج العلما اور مولانا ظہور حسین صاحب قبلہ

سے پڑھا اور مدرسۂ عالیہ اسلامیہ لکھنؤ میں بہت دنوں تک رہے۔

خوش نویس و فاضل جوان ہونے کی وجہ سے، مولانا آقا حسن صاحب نے عماد الاسلام کی کتابت وطباعت کی خدمت آپ کے سپرد کی۔ لکھنؤ سے فراغتِ تعلیم کے بعد عراق کے اساتذہ سے تکمیلِ اجتہاد کے لیے گئے اور ۱۳۲۱ھ میں اعلام کربلا و نجف سے اجازے لیے۔

مولانا سجاد حسین صاحب بڑے فعال، عالمِ باعمل، ذہین، ادیب اور خطیب تھے۔ آپ کے اہم خدمات میں ۱۳۱۷ھ میں انجمن صدر الصدور کی تاسیس ہے۔ یہی انجمن کچھ عرصہ بعد "شیعہ کانفرنس" ہوئی۔

معالم نامی رسالہ جاری کیا جس میں نظم و نثر کے علاوہ عماد الاسلام کی جلد اوّل کا ترجمہ شائع ہوتا تھا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مولانا سبط حسن صاحب کی تقریر پر جو بد مزگی ہوئی تو مولانا سجاد صاحب نے قوم کو جھنجھوڑا اور اعلیٰ درجہ کی نظم لکھی یہ نظم "اثنا عشری" اخبار دہلی میں چھپی۔ نظم پڑھ کر قدر دانِ علم و علماء نواب سر فتح علی خان قزلباش مرحوم نانپارہ گئے اور مولانا سے مل کر اپنے تعاون کا یقین دلایا اور مولانا نے سب سے پہلے پانچ سو روپیہ اپنی جیب سے چندہ دیا۔ اور مومنین نانپارہ سے چھتیس ہزار روپیہ دلوایا۔

مولانا عربی، فارسی، اردو کے بہترین شاعر تھے۔ طور تخلص ہے ان کے قصائد مدحِ ائمہ علیہم السلام بہت مقبول ہوئے۔ مدت مدید تک نانپارہ میں خدمتِ دین و امامتِ جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دے کر کبر سن کی بنا پر خانہ نشین ہوگئے اور مولانا کے فرزند سید محمد ابن حسن صاحب

آخر میں ۱۸ محرم ۱۳۰۷ھ کو نانپارے ہی میں رحلت فرمائی۔

تصانیف: • مشارق المشارق (عربی) • روضۃ الرضا (نکاح منقطع پر) اردو • صراطِ مستقیم
• وعظِ سجاد • ترجمہ عماد الاسلام کتاب التوحید • الاجتہاد والتقلید (عربی) جس پر علامۂ صدر کی تقریظ ہے۔
• ارشاد المسترشدین علم عقائد (اردو میں) • وظیفۂ سجادیہ • تجلی طور (قصائد) • جلوۂ طور (قصائد)
• منظومۂ سجادیہ ترجمہ دیوان امام زین العابدین طبع لکھنؤ ۱۳۰۷ھ موجود در کتاب خانۂ حقیر (انجمن جوبلی رضا کارلاہور سرفراز نجمی)

سراج حسین، موسوی:

۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء
۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء

مولانا مفتی محمد قلی کنتوری کے بڑے فرزند مولانا سراج حسین صاحب علم و فضل میں بڑی اہم شخصیت کے مالک تھے ان کے اوصاف و کمالات کے لیے جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ کے تعزیت نامہ (وفات مفتی محمد قلی) کا سرنامہ دیکھیے:

"السید الزکی، الفاضل الیلمعی، الحبر اللوذعی، الخل الوفی، الخدن الرضی، المتواضع الاریحی۔

المتورع التقی"

نجوم السما میں انھیں، فاضل جلیل، حکیم عصر، فلسفی ماہر لکھا ہے۔ تفسیر وفقہ وحدیث وعلوم اسلامیہ کے بعد جدید علوم اور انگریزی زبان سے بھی واقفیت حاصل کی۔ انھوں نے سرسید کی تاریخ میں اساسی حصہ لیا۔

جامیٹری وہندسہ، علم مناظر وعلم مرات میں حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے۔ مثنوی روم وتصوف کے اسرار رموز سننے والے ایہیں صوفی و ولی مانتے تھے۔ امیرانہ مزاج اور فقیرانہ لباس پسند تھا۔ کھدر کا سفید انگرکھا پہنتے تھے۔ عالمانہ لباس پہننے سے بچتے تھے۔ لکھنؤ میں آپ کے والد کی بڑی شاندار کوٹھی تھی۔ یہ کوٹھی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مسمار ہوگئی، ان کے چھوٹے بھائی مولانا اعجاز حسین صاحب نے خبر لکھی تو بڑی بے پروائی سے کہا۔ خوب شد اسباب خود بینی شکست۔

اپنے کھپریل کے مکان میں سادگی سے رہتے تھے، لذیذ کھانے پر سوکھی روٹی کو ترجیح دیتے تھے، مریضوں کا علاج کرتے، غذا اور مالی امداد دیتے تھے۔ سلیمن، ریذیڈنٹ بہت قدر کرتا تھا۔

راجہ رتن سنگھ نے اپنی ریاست چرکھاری میں بلا لیا تھا۔ آپ نے سو روپے سے زیادہ تنخواہ لینے سے انکار کیا۔ ریاست میں غربا اور مریضوں کی خدمت کی موصوف نے۔ انتقال انکی موت سانپ کے کاٹنے یا ہیضے سے ہوگی اتفاقاً ۲ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ اگست ۱۸۶۵ء میں ہیضہ کا شکار ہوئے۔ آخری حالت تھی کہ ایک فقیر منش ٹھاکر دیکھنے آیا، صورت دیکھ کر کہنے لگا "مولوی جی اپنے گرو کا نام لو! مولانا نے فرمایا" یا علیؑ" اور چپ ہوگئے۔ چرکھاری ہی میں دفن کیے گئے۔ مفتی صاحب نے تاریخ کہی ہے:

اٹھ گئے مولوی سراج حسین	جن سے پھولا پھلا تھا باغ دیں
اس مصیبت کے سال کی تاریخ	کر رقم اب بجھا چراغ دیں

۱۲۸۲ھ

چرکھاری میں آپ کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے۔ لوگوں کی دعائیں قبول اور کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں، ایک مرتبہ سخت قحط پڑا، لوگ گھبرا گئے۔ انھیں دنوں ایک ہندو عقیدت مند پیتل کی لٹیا میں پانی لے کر آیا، قبر پر پانی چھڑک کر کہنے لگا:

" مولوی بابا، مرے جلتے ہیں پانی برساؤ"

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی دن بارش بھی ہوگئی۔

اولاد: • مولانا عنایت حسین • مولانا کرامت حسین جج۔

(تکملہ نجوم السما، مطبع بہار ص ۱۷۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۹۵۔ نجوم السماء ج ۱ ص ۴۲۲ اوراق الذہب ص ۴۷، ج ۲ ص ۲۱۵)

سراج الدین علی خان :

حدود ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۹ء

قاضی القضاۃ سراج الدین علی خان ضلع اناؤ کے قصبۂ موہان کے باشندے تھے۔ لکھنؤ میں تعلیم مکمل کی۔ طب و فلسفہ، ادب و علم مذہب میں کمال پایا۔ شعر بھی کہتے تھے اور مطب بھی کیا۔ مرشدآباد و کلکتہ کی سیاحت کی۔ کمپنی نے منصب قاضی القضاۃ قائم کیا تو سراج الدین صاحب اس عہدے کیلئے نامزد ہوئے اور اپنی علمی عظمت سے ہر ایک کو متاثر رکھا۔ کثیر الدرس و کثیر المطالعہ، وسیع الظرف ہونے کی بنا پر شیعہ سنی دونوں اپنا ہی آدمی مانتے رہے۔ غالب سے اور سراج الدین علی خان سے مراسم تھے۔ مولوی عبدالقادر رام پوری بھی ان سے ملے تھے۔

قاضی صاحب نے کلکتہ میں رحلت کی۔ ان کی تاریخ وفات ۱۲۳۸ یا ۱۲۴۴ھ ہے۔ (نزہۃ الخواطر ج۔ ص ۱۵۶ و بزم غالب ص ۹۹)۔ ان کے بھتیجے نے قبر کے لیے ایک مسجد و امام بارہ تعمیر کروایا تھا۔

مولوی عبدالحی صاحب کے بقول فقہ میں چند رسالوں کے مصنف بھی تھے۔

سعداللہ سلونی :

۱۱۳۸ھ / ۱۷۲۶ء

سلون ضلع رائے بریلی (ہند) کا ایک آباد و شاداب قصبہ ہے۔ مغلوں کے دور میں جہاں افاضل و رؤسا رہتے تھے۔ انھیں بزرگوں میں پیر محمد سلونی کے نواسے مولانا سعداللہ تھے۔ سعداللہ صاحب نے اپنے نانا سے ۵ برس تک علوم دینیہ حاصل کرنے اور اپنے والد سے خرقہ لینے کے بعد حرمین شریفین و عتبات عالیات کا سفر کیا۔

حج و زیارات کے لیے گئے تو بقول عبدالحی بارہ اور بقول رحمان علی چودہ سال وہاں قیام کیا۔ اس مدت میں شیخ عبداللہ بن سالم بصری اور شیخ احمد نخلی سے درس حدیث لیا اور خود بھی پڑھاتے رہے۔ شریف مکہ آپ کی عزت کرتا تھا۔

آخر عمر میں سورت میں سکونت گزیں ہو گئے تھے۔

عالم گیر اور زیب آپ کا بہت ادب کرتا تھا، ایک مکان اور دو گاؤں جاگیر میں دیے جن کی آمدنی آٹھ ہزار ماہوار تھی۔ اپنے ہاتھ سے خط میں سیدی سندی لکھتا اور آپ کی سفارشوں کی عزت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ موصوف نے کسی حاکم کے لیے سفارش لکھی تو بادشاہ نے جواب لکھا حضور عالم ہیں ظالم کی سفارش آپ کے لیے زیب نہیں دیتی۔ اس کے بعد بادشاہ نے جواب دینا چھوڑ دیا۔ مگر مولانا مسلسل خط لکھتے اور محبت ائمہ اثنا عشر کی تلقین کرتے رہے ایک مرتبہ بادشاہ نے کہا محبت اہل بیت بلا شبہ واجب ہے مگر اہل سنت کے نزدیک امامت بارہ اماموں میں منحصر نہیں ہے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۹۶) تذکرۂ علما ہند میں انھیں شیخ لکھا ہے۔ نجوم السما میں ان کا

تذکرہ نہیں۔ خافی خان نے مختصر ذکر کیا ہے لیکن شیخ بہادر عرف شیخو میاں نے حقیقت السورت میں لکھا ہے :

"سید سعد اللہ سورتی نسبتش بہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ می رسد، خرقۂ خلافت از مولانا عبد الشکور وی از مسعود اسفرانی، وی از سید علی وی از سید جعفر وی از سید ابراہیم وی از سید عبد اللہ وی از سید عبد الرزاق وی از عبد القادر جیلانی یافتہ۔

در علوم ظاہری و باطنی و منطق و حکمت و نیرنجات و سیمیا و ہیمیا و کیمیا وغیرہ عدیل و نظیر نہ داشتند و از علوم انجیل و توریت باخبر بودہ و راہبانان آنرا درس می فرمودند و اورنگ زیب عالمگیر آں جناب را سیدی و سندی در رقعات می نوشت۔

از پورب در بندر سورت تشریف آوردہ سکونت اختیار نمودند فخر العلما عہد خود بودہ۔

تصانیف : حاشیہ بر حکمت۔ و رسالہ کشف الحق۔ و رسالہ چہل بیت مثنوی و رسالہ نبوت۔ مذہب شیعہ و رسالہ تحفۃ الرسول و حاشیہ بمبین الوصول در فقہ و اداب البحث در منطق و حواشی بر حاشیہ قدیم و جدید و غیرہ تصانیف نایاب داشتہ۔

بہ بست و ششم ماہ جمادی الاولیٰ ۱۱۳۸ھ رحلت نمودہ نزدیک مکان خود در مغلی سرا مدفون شدند۔ تاریخ

جناب قطب اقطاب زماں رفت ازیں دار فنا، سوے جناں رفت

مشائخ را تفاوت در میاں شد چو سعد اللہ سید از میاں رفت

زمکر و غدر کذاب فسوں گر بحق پیوست و در دار اماں رفت

ز ہجرش اہل ایماں چوں نہ نالند کہ از دنیا پناہ مومناں رفت

نماند صبر و طاقت زیں مصیبت قرار و صبر طیر و انس و جان رفت

صدائے گریہ و فریاد و نوحہ ز بالائے زمیں تا آسماں رفت

ہزار افسوس زیں ماتم کہ ہر دم دریغا بر لب کرد بیاں رفت

بکثرت خلق گردیدہ گرفتار ازاں روزی کہ آں وحدت نشاں رفت

زمان غم چو عاشورہ قیامت رسید و کرد قائم، ہوش ازاں رفت

مریداں سر برہنہ چوں نہ باشند کہ از فرق سر ایشاں سائباں رفت

برائے فاتحہ، ہر کس برآمد زچشم خویشتن گوہر فشاں رفت

زہر سال تاریخ وصالش بہ ہاتف التماس ایں و آں رفت

زدا بلا کشید و آہ گفتہ ز عالم نائب صاحب زماں رفت

۱۱۳۸ھ

سن تشریف در ساجد — شد نولد چو ظل سبحانی
علم آمد نداء نوحہ بگوشش — سیدی رفت قطب ربانی

۱۲۳۸ھ

اولاد: ازاں جناب سہ پسر عقب ماندند:
سید عبدالعلی المتخلص بہ عزلت، نادرۂ زمان و مجتہد مذہب امامیہ گشتہ، احوالش در شعراء تحریر یافتہ۔
و سید عبداللہ
و سید عبدالولی ــ کہ مرزا باقر پسر سید عبدالولی بودہ در ۱۲۱۷ھ وفات نمودہ یازدہم محرم واز ایشاں سید بھولو میر فرخ علی عرف چھوٹے صاحب بودند۔ کہ ہر دو برہ سالہ رحلت نمودند و یک پسر میر بھولو از خاندان ایشان باقی است" (در حاشیہ کتاب چاپی قلمداد کردہ اند" و پسر میر بھولو ہم مرد)

(حقیقۃ السورہ، اسم تاریخی گلدستۂ صلحائے سورت ۱۳۱۵ھ۔ تالیف شیخ بہادر عرف شیخو میاں۔ طبع مطبع ضیائی واقع بمبئی۔ صفحہ ۴۳، ۴۴؛ بزم تیموریہ ص ۲۵۲، نزہۃ الخواطر)

سعید حسن، امروہوی: حدود ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء

مولانا سید سعید حسن، بن سید لیٰسین علی صاحب امروہے میں پیدا ہوئے۔ وطن سے علوم کی تحصیل کے بعد لکھنؤ گئے اور معاصر علما سے اجازات لے کر وطن آئے۔ آپ حج و زیارات کے لیے حرمین و عراق و ایران بھی گئے۔ عالم باعمل پیش نماز امروہہ تھے۔
جوانی میں رحلت کی۔ (تواریخ واسطیہ ص ۱۸۴)

سعید الدین: حدود ۱۲۳۱ھ/ ۱۸۱۵ء — ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء

سید سعید الدین خلف رفیع الدین غریب، اصل وطن کنواں کھیڑا ضلع فرخ آباد تھا۔ لیکن رفیع الدین صاحب کی زمیں داری شاہ جہان پور ضلع میرٹھ میں تھی۔ اس لیے وہیں آباد ہو گئے تھے، سعید الدین یہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کر کے رام پور میں مولوی فضل حق اور مولوی عبدالحق و مولوی عبدالعلی و حکیم وارث علی خاں سے منطق و فلسفہ و ریاضی و طب اور شیعہ علما سے فقہ و کلام کا درس لیا، غدر سے پہلے سردھنہ میں تحصیلدار اور آگرے میں منصفی پر فائز ہوئے۔ کچھ عرصے تک ہائی کورٹ میں وکالت بھی کی۔
آخر عمر میں مذہبی تبلیغ اور دعا تعویذ میں شہرت ہو گئی تھی اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے محبوب خاص و خاص تھے۔

... پور کے قصبہ میں جمعہ ۲۰ رجب ۱۳۱۶ھ کو وفات پائی اور ... سادات ضلع میرٹھ میں سپرد لحد کیے گئے۔

اولاد: حکیم ...العباس

تصانیف: • حدیقۃ المنطق (اردو) • ریاضی میں رسالہ (اردو) • رسالہ موسیقی (اردو)
• حواشی حمداللہ و قاضی
(بے بہا ۱۷۵)

سلامت علی مرزا: دیکھیے دبیر:

۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء
۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء

سکندر حسین:

تاریخ ولادت ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء
۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

مولانا سید سکندر حسین ابن مولانا سید محمد حسین صاحب محقق ہندی رکاب گنج میں رہتے تھے۔ بڑے صاحب ذوق، خوش پوشاک، نازک مزاج تھے، لکھنؤ یونیورسٹی کے فاضل ادب کا امتحان پاس کیا۔ ۴۵، ۱۹۴۶ء کی بات ہے، کتب خانہ سرکار ناصر الملت میں مولانا محمد سعید صاحب، مولانا محسن نواب صاحب، مولانا سعادت حسین ملا طاہر صاحب مرحوم جمع ہوا کرتے تھے۔ مولانا سکندر حسین صاحب بھی اس حلقے کے ممبر تھے۔ تقریر کرتے اور مجلسیں پڑھتے تھے۔ ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ افریقہ چلے گئے تھے۔ وہاں خوجہ اثنا عشری جماعت کی سرگرمیوں کے رکن قرار پائے۔ بمبئی میں موصوف کی بڑی قدر و عزت تھی۔

ایک مرتبہ لاہور آئے تھے، اور میرے کتب خانے میں اپنے والد کی تالیف "القول المفید فی مسائل الاجتہاد والتقلید" دیکھتے رہے۔ یہ رسالہ عربی زبان اور اصولِ فقہ کے موضوع پر ۵۶ صفحات میں ہے اور مطبع ریاض ارضا لکھنؤ سے ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوا تھا۔

میرے کتب خانے میں دو اور ہندی علما شیعہ کی مطبوعہ کتابیں ہیں: • منتہی الافکار: تالیف غفران مآب دلدار علی۔ طبع لکھنؤ ۱۳۲۰ھ۔ • القول الصواب فی جواز التسامح فی ادلۃ السنن والآداب طبع لکھنؤ۔ بقول مولانا محمد محسن صاحب مولانا سید سکندر حسین صاحب واسطی لکھنوی نے ۲۸ صفر ۱۳۹۵ھ لکھنؤ میں وفات پائی۔

... ...

سلام اللہ خاں:

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۵ء

تفضل حسین خان علامہ کے چھوٹے بھائی اور اسد اللہ خان ابن کرم اللہ خان کشمیری کے فرزند تھے، اپنے عہد

کے افاضل سے پڑھا اور بھائی سے فیض پایا۔ (بے بہا، تحفۃ العالم۔ نجوم السماء)

سلطان حسین :

حدود ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۶ء

مولانا سلطان حسین صاحب برستی، افاضل و متقین میں تھے۔ خواتین کی اصلاح و تعلیم و پابندی صوم و صلوٰۃ کے لیے بہت بڑی خدمت کی، اسّی برس سے زیادہ عمر تھی۔ خاندان کی سیدانیوں کو بیٹی سمجھتے تھے اور ان کو حقوقِ مادری اور حقوقِ دین کی طرف متوجہ کرانے سے دینی شغف بڑھاتے تھے۔

بہت بڑے مناظر تھے اور برست سے پنجاب تک بڑی تبلیغ کی۔

سلطان حسین :

حدود ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

مولانا سلطان حسین مدرسۂ ناظمیہ میں شرح لمعہ تک تعلیم حاصل کی، پھر عراق تشریف لے گئے اور وہاں درس حاصل کرتے تھے۔ مقدس و پرہیزگار بزرگ تھے، عراق میں وفات پائی۔

سلطان علی :

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء

۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

جناب مولانا سلطان علی صاحب صدر الافاضل سیتاپور کے باشندے تھے۔ مدرسۂ سلطان المدارس سے صدر الافاضل کی سند لی، پندرہ سولہ سال تک علوم دینیہ حاصل کرکے تبلیغ و تعلیم دین میں مصروف ہو گئے اور اپنے اخلاق و تقدس و پاکیزہ نفسی سے ایک دنیا کو گرویدہ بنالیا۔ آپ ایک مدت تک خوجہ مسجد کھارادر کراچی میں خطیب و امام جمعہ و جماعت رہ کر یکم محرم الحرام ۱۳۹۲ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔

سیف اللہ خاں، ٹھٹھوی:

۱۱۴۲ھ / ۱۷۳۰ء

سیف اللہ خان صاحب، نواب ابراہیم خان بن علی مردان خان کے بیساول تھے۔ ۱۱۲۷ھ میں بخشی چہارم ہوئے اور ذی حجہ ۱۱۲۷ھ میں ٹھٹھے گئے۔ ٹھٹھے میں ان کی آمد برکت تھی، انھوں نے پاکیزہ اخلاق اور اعلیٰ درجے کے ضبط و نظم سے شہر اور صوبے کو چار چاند لگا دیئے۔ علوم عقلی و نقلی میں ماہر اور اوامر و نواہی کے رواج اور تشیع کے فروغ کا باعث تھے۔ انھوں نے مکلی میں جلوہ گاہ امامین کی تعمیر کروائی اور اس میں دفن ہوئے ان کی تاریخ وفات ۱۱۴۲ھ ہے۔ تحفۃ الکرام ص ۳۷۳

ان کی قبر پر یہ عبارت ہے:۔

یا اللہ۔ اللھم صل علی محمد المصطفیٰ وعلی المرتضیٰ و فاطمۃ الزھراء والحسن والحسین وعلی بن الحسین زین العابدین ومحمد الباقر وجعفر الصادق وموسیٰ الکاظم وعلی الرضا ومحمد التقی و علی النقی والحسن العسکری ومحمد المہدی صاحب الزمان صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

سیف جنگ خلد منزل از دلی — کز وفاتش خلق مشتاق فناست
از برائے جستن تاریخ او — نکتہ سنجاں راز فکرش جاں بکاست
بلبل طبعم زغم نالید و گفت — دست وی با دامن آل عباست

۱۲۴۳ھ نہم ذی قعدہ

فرزند: • صادق علی خان • محمد تقی خان • محمد محسن شاد مشہور مصنف عقائد شیعہ

(ش) شاکر حسین امروہوی :

حدود ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء
۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

مولانا سید شاکر حسین صاحب مولوی فاضل، گورنمنٹ ہائی اسکول غازی آباد میں عربی فارسی کے استاد تھے۔ بڑے بذلہ سنج، خطیب و مدرس تھے۔ امروہے میں وطن اور گھر تھا، عموماً وطن ہی میں رہتے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء کو رحلت فرمائی اور محلۂ دانشمنداں کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

(بروایت مولانا سید محمد محسن صاحب نبیرہ سرکار نجم العلماء۔ موصوف نے جون ۱۹۷۸ء اور اس سے پہلے بہت سے معلومات بہم فرمائے۔)

شاکر علی :

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

مولانا سید شاکر علی صاحب، کتب عقلیہ و نقلیہ پڑھنے کے بعد بڑھاپے میں ایک خواب دیکھ کر حاضر خدمت غفراں مآب ہوئے اور معالم الاصول پڑھتے رہے۔ مؤلف آئینۂ حق نما کے زمانے میں رحلت فرمائی۔ (نجوم السماء، ص ۴۲۵ و نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۲۰۵)

---

[1] مندرجہ بالا عبارت ضمیمہ ملکی نامہ ص ۷۲ سے نقل کی۔ ترجمۂ تحفۃ الکرام میں ۱۲۴۳ھ تحریر ہے اور لکھا ہے کہ سیف الدولہ نے سندھ میں علوم و علمائے شیعہ کی بڑی کمک کی۔ وہ خود متقی، عالم اور پابند شریعت تھا اس نے جنگ پر پابندی لگائی۔ وہ نواب ابراہیم خان اور شریف آملی کی تربیت سے مستفید ہوا تھا۔ (دیکھیے، ابراہیم خان و شریف آملی)

شاہ عالم اوّل : دیکھیے بہادر شاہ اوّل، متوفی ۲۱ محرم ۱۱۲۴ھ

شاہ مرزا، لکھنوی :

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۰ء

جناب مولانا شاہ مرزا صاحب کے والد جناب حسن مرزا صاحب صوبہ بہار ہند کے علماء میں تھے۔
شاہ مرزا صاحب نے اپنے والد سے شیخوپور (بہار) میں شرائع الاسلام شرح سلم ملا حسن، مختصر المعانی مکمل کی۔
مولانا حسن مرزا صاحب لکھنؤ آئے تو فرزند کو ساتھ لائے۔ موصوف نے مولانا فضل اللہ حنفی کے علاوہ شیعہ علماء میں مولانا کمال الدین، مولانا رضا علی اور دوسرے اکابر سے فقہ و حدیث عقائد و ادب وغیرہ کا درس لے کر کمال حاصل کیا۔ اور اجتہاد کے درجہ پر فائز ہوئے۔
لکھنؤ میں درس دیتے تھے اور عزت کے مالک تھے، انقلاب کے بعد حیدر آباد، سلہٹ اور کلکتہ و بہار کے سفر کیے۔ آخری عمر کلکتے میں گزاری اور وہیں محو خواب ہو گئے۔
اندازہ ہے کہ تاریخ وفات ۱۳۱۰ھ کے لگ بھگ ہوگی۔ (بے بہا ص ۱۸۸)

اولاد: محمد حیدر
شاہ ولی : ابوالفتح برھان نظام شاہ کے عہد میں بیجاپور، دکن، ہند، کے علماء میں ولی بن محمد امین کرمانی کا نام ان کی اہم فارسی تالیف منہج الیقین کے ساتھ آیا ہے۔ یہ کتاب باقی ہے۔ محمود آباد لائبریری کی نفائس مخطوطات میں مخطوط میں ۔۔۔ [illegible]

شاہ نجف :

۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء

آگرہ میں محلہ نئی بستی کی گلی عمر دراز خان میں ایک مزار "شاہ نجف" کے نام سے مشہور ہے۔ لوگ بکثرت یہاں آتے ہیں۔ مزار پر لوح ہے۔ لوح پر "ناد علی" کندہ ہے اور اس کے نیچے "شاہ نجف دستگیر ۱۱۴۳ھ" درج ہے۔ لوگ کہتے ہیں یہ ایک شیعہ عالم و عارف باللہ کی قبر ہے۔ (بوستان اخبار ص ۲۲۴)

شبیر حسین، جون پوری :

حدود ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء
۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

مولانا سید شبیر حسین[1] زیدی جون پور کے خاندان علماء و فقہاء کی فرد تھے، آپ کے دادا کے بھائی جناب مولانا ناصر حسین جون پوری (متوفی ۱۳۱۲ھ) نے سرپرستی کی۔ ماں کی طرح پالا اور باپ کی طرح پرورش کی، ان کی

---

[1] حاجی جلال الدین حیدر صاحب نے مولانا شبیر حسین صاحب مرحوم کو اپنا چچا زاد بھائی اور مولانا کے والد کا نام میر محمد مجتبیٰ صاحب لکھا ہے۔
(خود نوشت سوانح عمری و سفرنامہ، طبع لکھنؤ، ۱۹۴۷ء)

تربیت کا اثر تھا کہ زہد و تقویٰ ۔ ریاضت و علم دوستی ۔ ذہانت و ذوق سب کمالات موجود تھے، لکھنؤ آئے تو نہایت علمی اور دور شباب تھا، انقلاب ۱۸۵۷ء کے اثرات ختم ہو چکے تھے ۔ نئے دور کا عروج جناب ناصر الملت کا اقتدار تھا۔ مولانا شبیر حسن صاحب نے سرکار ناصر الملت سے تلمذ کا شرف حاصل کیا۔ مدرسۂ ناظمیہ میں سرکار نجم الملت نے سرپرستی کی اور مولانا شبیر حسین صاحب نے ممتاز الافاضل کیا۔ مدرسۂ سلطان المدارس میں سرکار باقر العلوم کے حضور میں حاضر ہوئے اور صدر الافاضل کی سند لی۔ اساتذۂ اکابر لکھنؤ سے خوشہ چینی کے بعد ۱۳۱۹ھ میں نجف اشرف کا سفر کیا۔ نجف و کربلا و سامرہ کے شیوخ کے درس میں حاضر ہوئے، اور بڑی محبوبیت و اعزاز کے ساتھ اسناد و اجازات سے مفتخر ہوئے ۔ آقای سید کاظم خراسانی ۔ آقای سید حیدر، آقای سید کاظم یزدی اور آقای شریعت جیسے اساطین فقہ سے سلسلۂ حدیث و اجتہاد کا حاصل کرنا بہت بڑا شرف تھا۔

وطن واپس آکر درس و تدریس، تصنیف و تالیف میں مصروف ہوگئے ۔ آخری دنوں میں وثیقہ اسکول فیض آباد میں فقہ و اصول کا درس عالی دیتے تھے کہ دماغی امراض میں مبتلا ہوگئے اور ۹ نومبر ۱۹۴۷ء ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کو رحلت کی ۔

مولانا شبیر حسین صاحب عربی کے عظیم شاعر تھے ۔ میں نے آپ کے قصائد کا ایک مجموعہ مختلف رسائل سے مرتب کیا ہے۔ مجلۂ عربیہ لکھنؤ "الرضوان" میں مولانا کے پندرہ بیس قصائد شائع ہو چکے ہیں۔

سر دست آپ کے ایک قصیدہ مطبوعہ اخبار شیعہ لاہور بابت یکم مارچ ۱۹۲۷ء سے چند عربی اشعار نقل کرتا ہوں :

حُبُّ آلِ النبی لی خیر زاد	عند عرش الاعمال یوم المعاد	(مولانا سعادت حسین صاحب
انا عبد لہم، وحاشا لعبدٍ	ان یضل الہدی وموجدہ ماد	نے فرمایا کہ شبیر حسن صاحب کا
خصّہم ربہم بکل جمیل	سیما بالصلوٰۃ فی کل ناد	عربی دیوان مولانا مظفر حسین صاحب
سادۃ اتقیاء بیض کرام	ہم حماۃ الدین ہداۃ العباد	ایم اے کراچی یونیورسٹی کے
منہل سائغ و روض عشیب	عندکم للورود والرواد	پاس موجود ہے)
ولکم اوجہ حسان وسام	وعلیہا نور النبوۃ باد	
انتم الکتاب مثوان حقا	سقیا من منابع الارشاد	
سادتی ہذہ ہدیۃ عبد	مخلص فی ودّہ واعتقاد	
فاقبلوہا فذاک جہد مقل	لا یرد الکریم رجل الجراد	(کل ۳۲ شعر ہیں)

مولانا جعفر حسین صاحب گوجرانوالہ فرماتے ہیں کہ ایک مقاصدے میں مولانا شبیر حسین صاحب کا قصیدہ بے حد کامیاب ہوا تھا۔ مطلع تھا : ولی شاہد صدق، فواد مقید ۔ ودمع طلیق، للعبابۃ اطلقا بہا

شریف آملی، ملا :

حدود ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء

ملا شریف آملی، سید شریف عالم و حکیم و طبیب و شاعر تھے۔ نواب علی ابراہیم خان بن علی مردان کے دربار میں معزز تھے۔ قصبۂ موہان ضلع لکھنؤ (یوپی) میں جاگیر تھی، وہاں ہی میں رحلت فرمائی۔ (صبح گلشن ص ۲۲۲)

شریف حسن :

حدود ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء

حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

جواد العلما مولانا سید شریف حسن صاحب ابن ارسطو جاہ سید رجب علی شاہ جگراؤں ضلع لدھیانہ کے امیر کبیر و عالم جلیل، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ مولانا خواجہ محمد ابراہیم حسین صاحب اور اپنے والد سے انتہائی کتابیں پڑھیں۔ پھر لکھنؤ اور عراق سے تکمیل تحصیل کی۔ ان کے والد کا بہت کا بہت بڑا کتب خانہ تھا، مجمع البحرین نامی پریس بھی گھر کا تھا، علما کا مجمع رہتا تھا۔ علم و عمل، صلاح و تقویٰ، جود و سخا میں شہرت تھی۔ ان کے چھوٹے بھائی شریف العلما شریف حسین اور بھانجے مقرب علی صاحب بھی عالم تھے۔ اس لیے دینی خدمات اور تبلیغ اسلام میں پورے گھر کی سربراہی کی، پنجاب میں تشیع کی اشاعت اور علوم دین کے عام کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ افسوس ہے کہ ان کے اخلاف نے احوال سے مطلع کرنے میں کوئی دلچسپی نہ لی۔

شریف حسین :

حدود ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۲ء

۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

مولانا سید شریف حسین خان صاحب خلف سید رجب علی ارسطو جگراؤں ضلع لودھیانے میں پیدا ہوئے گھر پر تعلیم حاصل کی۔ اساتذہ میں خواجہ ابراہیم حسین صاحب پانی پتی کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ گھر کی تعلیم مکمل کر کے لکھنؤ گئے جہاں مولانا سید حامد حسین صاحب صاحب عبقات الانوار سے فقہ و حدیث و علم کلام پڑھا۔ اور شریف العلما لقب پایا۔ لکھنؤ کے بعد عراق میں آیۃ اللہ سید حسین بہبہانی اور جناب شیخ جعفر شوستری سے اجازات لیے۔

شریف العلماء شریف حسین صاحب امیر و دولت مند ہونے کے ساتھ بڑے مقدس، محتاط اور متقی تھے۔ جناب فردوس مآب کے اوصاف کمالات اور جناب شیخ جعفر شوستری کے اخلاق و تقویٰ کی تصویر تھے۔ تقریر میں وعظ و نصیحت اور روزمرہ میں احتیاط و خوفِ خدا ان کا وتیرہ تھا۔ حدیث و رجال، درایت و تفسیر سے خاص شغف تھا، عربی، فارسی و اردو میں شعر بھی کہے، جناب انیس سے تلمذ تھا۔ محبت محمد و آلِ محمد میں سرشار اور خوفِ خدا کے آثار سراپا سے نمایاں،

رئیس ہونے کے باوجود علما کا احترام یوں کرتے تھے جیسے ادنیٰ خادم ہو، صفائے باطن کی یہ حالت تھی کہ علامہ کنتوری مولانا غلام حسنین صاحب کی روایت ہے۔

شب پنجشنبہ ۲۴ رمضان ۱۲۸۹ھ کو شریف العلما نے خواب میں ممتاز العلما سید تقی صاحب کو دیکھا، خواب سے بیدار ہوئے تو علامہ کنتوری کو خیریت طلبی کا خط لکھا۔ اسی شب میں یہاں مولانا محمد تقی صاحب رحلت فرما چکے تھے۔

۱۸۷۱ء میں مولانا شریف حسین صاحب نے حیدر آباد دکن میں اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر میر انیس کو حیدر آباد بلوایا۔

۱۹۰۸ء میں حکومت ترکیہ نے حجاز میں ریلوے لائن بچھانے کا کام شروع کیا تو سب سے پہلے مولانا شریف حسین نے یہ آواز بلند کی کہ مقام غدیر خم پر ایک اسٹیشن بنوایا جائے۔ حکومت ترکیہ نے کہا ہے کہ جو شخص کسی خاص نام سے اسٹیشن بنوانا چاہتا ہے وہ حکومت کو پانچ ہزار روپیہ دے۔ مولانا شریف حسین صاحب نے محسوس کیا کہ حجاز میں شیعوں کی واضح آبادی ہے اور غدیر خم کے شیعہ بہت خوشحال نہیں ہیں، شیعہ حاجی غدیر خم بھی جاتے ہیں اس لیے یہ اسٹیشن قومی سطح پر بنوایا جائے۔ اس سلسلے میں مولانا نے سو روپے دینے کا اعلان بھی کیا۔

مولانا شریف حسین صاحب اپنی علمی وجاہت کی بنا پر لکھنؤ میں بھی باوقار تھے۔ ان کی تاریخ وفات ہے ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ اس وقت عمر اسی برس تھی۔

مرزا محمد ہادی عزیز نے قطعۂ تاریخ میں لکھا:

مرکز دائرۂ فضل خبیر علّام — جس نے کی نصرت اسلام میں عمر اپنی تمام
موجۂ قلزم اخبار دُرِ بحر سیَر — ماہر علم رجال و سبق آموز کلام
تھی مصائب کے مقاتل پہ نظر ایسی بسیط — دل تھا آئینہ حالات شہید اسلام
فیض علامۂ شیخ نجفی طاب ثراہ — ان کی گفتار سے پیدا تھا دم ذکر امام
اثر قوت روحانی فردوس مآب — ان کی رگ رگ میں رہا خون کے مانند مدام
وہ کیے مجمع بحرین سے موتی پیدا — جن سے پھیلی ہے ضیا دین کی مابین انام
سعی وافر سے زمانے میں کیا نشر علوم — جن کے محتاج تھے ہم، کام دیے وہ انجام

فارسی قطعے کے چند شعر ہیں:

آہ صد آہ ، شریف العلما — جوہر آئینہ صدق و صفا
گوہر قلزم زخار شرف — دُرّۃ التاج سر مجد و علا

بست و ہفتم زمہ ذیقعدہ — رخت بربست ازیں دار فنا
نعمتی بود زانعام کریم — آیتے بود ز آیاتِ خدا
مشعلی بود براہ ظلمت — جلوۂ بود بہ طورِ فقہا
زد رقم مصرع تاریخ عزیز — بجناں است شریف العلما (۱۳۲۹ھ)

قطعے میں شیخ نجفی سے مراد ہیں "شیخ جعفر نجفی مصنف خصائص حسینیہ" اور فردوس مآب سید حامد حسین صاحب عبقات الانوار کا لقب ہے۔ "مجمع البحرین" لدھیانہ کا وہ پریس ہے جس سے بہت بڑی بڑی کتابیں شائع ہوئیں۔

تصانیف: مقالات و مضامین جو معاصر اخبارات میں شائع ہوئے۔ باقی ذخیرہ ہنگامہ ۱۹۴۷ء میں ضائع ہوگیا۔

اولاد: • سید مصطفٰے حسین • مولانا مرتضیٰ حسین۔ (بے بہا ص ۱۸۸، قومی زبان، کراچی۔ جنوری ۱۹۷۶ء)

شریف حسین، بھریلوی: ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء — ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

بھریلی ضلع انبالہ مشرقی پنجاب (ہند) میں سید امام علی سبزواری صاحب کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا۔ خوش نصیب والدین نے شریف حسین نام رکھا۔ ابتدائی تعلیم بھریلی میں، مڈل تک منی ماجرہ تحصیل کھرڑ ضلع انبالہ میں پڑھنے کے بعد لاہور آئے۔ شریف حسین کو مذہبی تعلیم اور دینی تبلیغ کا شوق تھا، لاہور میں انھیں کوئی باقاعدہ دینی مدرسہ تو نہ ملا مگر اہلِ علم کا ماحول ضرور مل گیا۔ شریف صاحب نے پنجاب یونیورسٹی سے فارسی و عربی کی اعلیٰ ڈگریاں (منشی فاضل و مولوی فاضل) حاصل کیں۔

گورنمنٹ سنٹرل ماڈل اسکول، لاہور کا سب سے بڑا معیاری ہائی اسکول تھا۔ مولانا شریف حسین صاحب عربی و فارسی کے استاد مقرر ہوگئے اور تینتیس برس تک اسی ادارہ سے وابستہ رہے۔

لاہور میں مولانا ابوالقاسم حائری، مولانا عبدالعلی الہروی الطہرانی کی صحبت سے تفسیر، حدیث و فقہ میں استفادہ کیا، قابلیت و ذہانت کے ساتھ محنت خدا کا بڑا انعام ہے۔ شریف حسین صاحب ان انعامات سے مالا مال تھے، اس لیے مولانا عبدالعلی ہروی نے موصوف کو اپنے معتمدین میں شریک کیا۔ مولانا سید احمد کبیر، مولانا محمد سبطین سرسوی ہروی صاحب کے اردو ترجمان اور مولانا محمد ذکی ٹاٹا پوری ملتانی زبان کے ترجمان تھے۔

علامہ ہروی قرآن مجید پر حیرت انگیز عبور رکھتے تھے۔ وہ جہاں جاتے ؛ فلاسفہ، علماء، پادری اور پنڈت ان کو گھیر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ راولپنڈی میں آریہ سماج کے مناظر نے ان سے ۱۴۷ سوال کیے، اور علامہ نے ستاون منٹ میں ہر سوال کا جواب دیا۔

مولانا شریف حسین اس تیز رفتار ایرانی عالم کی تقریر کا رواں صاف اور معنی خیز ترجمہ فرماتے تھے۔

علمائے لکھنؤ اور علامہ ہروی سے "امی" کے لفظ و معنی پر بحث ہو گئی۔ مولانا شریف حسین صاحب علامہ ہروی کی طرف سے جواب لکھتے رہے۔

مولانا شریف حسین، زاہد، عابد، سخی اور غریب پرور بزرگ تھے، بھائیوں کی امداد اور عزیز و اقارب کی خبر گیری، طلبا کی کمک ان کی عادت تھی۔

امام باڑوں اور مسجدوں کی تعمیر، دینی مدارس کی تعمیر میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔ بڑی چھٹیوں میں تبلیغ دین کے فرائض انجام دیتے۔ مسجد میں جا کر مسائلِ فقہ سمجھاتے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے۔ گھر گھر جا کر بچوں، بوڑھوں کو قرآن مجید پڑھاتے اور تلاوتِ قرآن مجید کی ترغیب دلاتے تھے۔ انھیں قرآن مجید سے عشق تھا، اس کے نتیجے میں ان کی تقریب سوم کے موقع پر ان کے شاگردوں نے آٹھ قرآن مجید تمام کیے۔

۲۹ ذی الحجہ سے ۸ ربیع الاول تک مسلسل مجلسیں کرتے تھے۔

۱۹۲۹ء میں بھر پیلی بھیت میں طاعون پھیل گیا، مولانا شریف حسین اکیلے بزرگ تھے جو ہندو مسلم کا امتیاز کیے بغیر ہر شخص کی عیادت کے لیے گئے۔

۲۴، ۱۹۲۵ء کے قحط میں راتوں کو گھر گھر کھانا پہنچایا، چودہ پندرہ غریب بچیوں کی شادیاں کرائیں۔

۱۹۲۴ء میں ایران و عراق و شام کی زیارت کی۔ ۱۹۳۶ء میں دوبارہ یہ سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۹۳۸ء کو حج کے لیے کمربستہ ہوئے۔ ۱۷ جنوری کو دردِ قولنج کی شدت نے نڈھال کر دیا، آپ نے وصیت کی "مجھ پر حج واجب ہو چکا ہے جس طرح ممکن ہو مجھے حج کے لیے سوار کر دینا اور اگر میں مر جاؤں تو حج بدل کرا دینا" گیارہ بجے رات کو حالت غیر ہوئی۔ لوگوں نے یٰسٓ پڑھنا شروع کی، کچھ دیر بعد حالت سنبھلی اور صبح کو مولانا مع اہلیہ حج کے لیے روانہ ہو گئے۔

مرنے سے پہلے آخری خمس کا روپیہ آقای ابوالحسن اصفہانی کو نہ بھیج سکے۔ عراق و برطانیہ کے معاملات کشیدہ تھے تو حکم دیا کہ یہ روپیہ لکھنؤ بھیج دیا جائے۔

نمازِ شب پابندی سے ادا کرتے رہے۔ یعنی امورِ واجبہ میں شدت سے اہتمام کیا۔

تصانیف: • آثار حیدری ترجمہ تفسیر عسکری طبع شد • ترجمہ مودۃ القربیٰ مطبوعہ • ترجمہ کوکب دری مطبوعہ • ترجمہ نزہۃ اثنا عشریہ از مرزا محمد کامل شہید رابع • ترجمہ تحفۂ رضویہ (مطبوعہ) اور بہت سے تالیفات ۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان کے وقت پورے کتب خانے کے ساتھ ضائع ہو گئیں۔

اولاد: • مصطفےٰ اطہر (تقسیم ہند کے وقت ہندوؤں کے ہاتھوں شہید ہو گئے) سید محمد مہدی (م ۱۹۷۸ء)، طاہر حسین اور چار صاحبزادیاں جن میں سے ایک دختر کے شوہر سید شمشاد علی زیدی صاحب کی توجہ سے یہ حالات دستیاب ہوئے۔

شرف حسین، آغا، بھکری : ابن سید نور حسین
حدود ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء
۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

مولانا آغا شرف حسین شاہ صاحب بھکر (میانوالی) کے سادات رفیع الدرجات میں بڑے فاضل، زاہد، متواضع، حق گو، عابد و متقی بزرگ تھے۔ موصوف نے عالمانہ تقریروں اور بے داغ کردار سے لوگوں کو مذہب حق کا شیفتہ بنایا۔ فقہ کی ترویج کی۔ مناظرے کیے اور بلسیتوں کی بستیاں شیعہ بنائیں۔

مولانا نے بہت سے افاضل کی تعلیم و تربیت بھی فرمائی جن میں مولانا خادم علی خان (بستی شاہو خان، مظفر گڑھ) مولانا سید کرم حسین شاہ (معشوق پیرہ مظفر گڑھ) اور رضائی شاہ بھکر کے کرم حسین شاہ صاحب مشہور رہیں۔

اولاد : آغا حسن۔ آغا حسین (مشہور ذاکر) آغا عباس بی اے۔ آغا رضا۔ (از مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ)

شفیق حسن، ایلیا :
۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء
حدود ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء

مولوی سید شفیق حسن صاحب ۴ر جولائی ۱۸۸۵ء کو امروہے میں پیدا ہوئے اور اپنے دادا امیر حسن صاحب سے قرآن مجید پڑھا۔ اپنے والد سید نصیر حسن اور مولوی اولاد حسین صاحب سے فارسی و عربی پڑھی۔ ذہن رسا اور طبع سلیم کے سہارے انگریزی اور سنسکرت میں درک پایا اختر تخلص ہے۔

مذہبی شغف زیادہ تھا۔ لکھنے کا بہت شوق تھا مسلسل مضمون لکھتے تھے۔

تصانیف : • اصل الاصول در بیان حقیقت تولا و تبرا • حقیقۃ المسیح • رئیس العالمین • شہید ازل • صاحب الزمانؑ • تصدیق من تحقیق السراج (علم ہیئت)

۱۹۶۰ء کے حدود میں رحلت کی۔ (انجمن جوبلی نمبر)

شفیعا، ملا : دیکھئے دانشمند خان

شمس الدین، ابوالمعالی : دیکھئے محمد بن علی بن خاتون

شمس الدین، عراقی، میر : دربار ۵ ککما… ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء

میر شمس الدین عراق سے خراسان آئے، خراسان سے ۸۸۲ھ میں کشمیر پہنچے۔ کشمیر سے سلطان حسین مرزا کی سفارت کے فرائض انجام دے کر خراسان واپس گئے لیکن سیاسی وجوہ کی بنا پر کچھ دنوں بعد دوبارہ کشمیر آئے اور اسماعیل شہ… گوشہ نشینی اختیار کر… اور نشلہ… کشمند… رگر… کر… ۹۱…

دوبارہ کرنا ہے

~~کچھ لوگ انھیں نوربخشی شیعہ کہتے ہیں جیسا کہ انکی طرف منسوب تالیف سے کتاب الاحوط سے واضح ہوتا ہے۔ شمس عراقی کے فرزند دانیال نے اسکردو کو شیعہ کیا وہ ۹۵۵ھ میں قتل ہوئے۔ (تاریخ کشمیر ...)~~

شمس الدین، فقیر :

۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء
۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۹ء

جناب شمس الدین فقیر دلی کے باشندے تھے، باپ کی طرف سے عباسی اور ماں کی طرف سے سید تھے۔
شعر و ادب میں مشہور تھے۔ نسبی طور پر عباسی اور مادری رشتے سے علوی تھے، فقہ و کلام و حدیث و تصوف کی تعلیم حاصل کی۔
۱۱۴۰ھ میں ترکِ دنیا کر کے اورنگ آباد دکن چلے گئے، پانچ سال بعد قزلباش خان امید کے ساتھ دہلی واپس آئے۔ نادر شاہی غارت گری کے بعد لکھنؤ بھی گئے اور ایک سال قیام کیا۔
دہلی والے بڑا ادب کرتے تھے، علی قلی خان، ظفر جنگ داغستانی سے بڑے اچھے تعلقات تھے، کچھ دنوں عماد الملک بن امیر الامراء فیروز جنگ آصف جاہ کی رفاقت میں رہے، لیکن پھر گوشہ نشین ہو کر آگرہ چلے گئے۔
آخر عمر میں زیارت مقاماتِ مقدسہ کے لیے دکن وہاں سے سورت کے راستے روانہ ہوئے۔
درِ مکنون، مثنوی قلمی میں ہے۔ ۱۱۷۵ھ میں دلی سے لکھنؤ اور ۱۱۸۰ھ میں نجف روانہ ہوئے کے بعد زیارات کر کے واپس آ رہے تھے کہ مسقط میں کشتی ٹوٹی اور آپ غریقِ رحمتِ الٰہی ہوئے۔
مثنوی درِ مکنون میں وہ رباعی بھی ہے جو آپ نے روضۂ حضرت عباسؑ پر لکھی تھی۔

> بر شط فرات حملہ آور گشتی — وز یاد حسینؑ تشنہ لب برگشتی
> عباسؑ دو دست یافتی در رہ دیں — ہمدست بہ عم خویش جعفرؑ گشتی

ایک خط شاہ نصیر کو لکھا تھا جس کا اقتباس یہ ہے :

"در مسقط سہ معجزہ حضرت امیر المؤمنینؑ ظاہر و باہر دیدم۔ اوّل آنکہ دور از دہ کروہ در مسقط چشمۂ آب گرم از کوہ می جوشد و ہمہ می گویند کہ در اینجا جناب مولا علیہ السلام بن نیزہ در کوہ زدہ انداز آں وقت این چشمہ ظاہر شدہ و اقسام مرضا از مسقط می روند و در آن آب غسل می کنند و شفا می یابند حتی خوارج ہم۔ دوم آنکہ در مسقط شیعہ تقیہ نمی کنند و کسی بکسی کار ندارد مثل لکھنؤ۔ سیم آنکہ خوارج کہ دریں جا معدودے بیش نیستند تقیہ می کنند و نمازِ جمعہ در مسقط می کنند۔"

شمس الدین فقیر ان اساتذہ میں ہیں جن کی علمی خدمتیں ناقابلِ فراموش ہیں۔ حدائق البلاغہ اس وقت سے اب

تک معانی و بیان و بلاغت میں منفرد کتاب ہے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف علوم عربیہ کے مدرس تھے۔
عبدالحی نے مہر جہاں تاب سے سنہ وفات ۱۱۰۷ھ نقل کیا ہے، لیکن صحیح ۱۱۸۳ھ ہے۔

تصانیف: • حدائق البلاغہ • دیوان اشعار • مثنوی شمس الضحیٰ
• الوافیہ فی العروض والقافیہ • مثنوی دُرِّ مکنون۔
• خلاصۃ البدیع • حسن وعشق

تلامذہ: قمرالدین منت وغیرہ (نجوم السماء ج ۱ ص ۲۹۳، بیعنہ جلد ۱ ص ۱۸۶، نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۰۷۔ دیباچہ دستور الفصاحت اُردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں دیکھیے میرا مقالہ۔ نیز سفینۂ ہندی بھگوان داس۔ آتشکدہ آذر)

شریف الدین بن شہید ثالث ؒ:

۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء
۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء

سید نوراللہ شوستری اکبر آبادی کے بڑے فرزند سید شریف موسوی یکشنبہ ۱۹ ربیع الاول ۹۹۰ھ اور بقول نسابۂ علامہ شہاب الدین مرعشی ۹۹۲ھ کو پیدا ہوئے، ان کے والد وطن سے ہجرت کر کے ہندوستان آ گئے، سید شریف الدین عرصے تک ایران میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ موصوف نے والدِ بزرگوار کے علاوہ، مولانا عبداللہ تستری سید تقی الدین شیرازی سے شیراز میں فقہ واصول اور بہاء الدین عاملی سے حدیث و تفسیر اور میرزا ابراہیم ہمدانی سے معقولات و عرفان سے پڑھنے کے بعد اجازت حاصل کیے اور بائیس برس کی عمر میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ جناب شہید ثالث کے خطوط کا ایک مجموعہ نواب عنایت خاں راسخ کی بیاض میں ہے۔ ان خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سید شریف سے حضرت قاضی صاحب کو والہانہ محبت تھی، وہ انھیں تحصیل کمال و علم کا شوق دلاتے تھے، پھر حصول فراغت کے بعد اپنے پاس بلاتے تھے۔ خواجہ شرف بیگ شوستری نے حضرت شہید سے لاہور میں ملاقات کی اور خبر سنائی کہ شاہ ایران نے ان سے ملاقات کی تو خوش ہوئے اور بیٹے کو خط لکھا۔ ایک مرتبہ نظم و نثر میں اپنی شدت آلام میں "فرزند ارجمند شریف شرف اللہ بطاعتہ" کے بغیر زندگی کو حرام بلکہ موت تحریر فرمایا۔ آخر سید شریف حاضر خدمت ہوئے لیکن ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۹ھ کو قاضی صاحب شہید ہو گئے اس کے بعد مولانا سید شریف گیارہ ماہ زندہ رہ کر جمعہ ۵ ربیع الثانی ۱۰۲۰ھ کو آگرے میں فوت ہوئے اور والد کے پاس لحد ملی۔

تصانیف: حاشیہ تفسیر بیضاوی۔ حاشیہ مبحث جواہر۔ حاشیہ قدیم۔ حاشیۂ شرح مختصر عضدی۔ حاشیہ بر شرح مطالع الانوار۔ رسالہ فی عویصات العلوم (و متعدد رسائل۔ فردوس میں اشعار فارسی بھی نقل ہیں۔ (مقدمۂ احقاق الحق از شہاب الدین مرعشی طبع تہران۔

• تذکرۂ مجید از سبط الحسن ہنسوی)

(ص) صابر حسین :

حدود ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء
۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا سید صابر حسین صاحب بن سید تقی حسین قصبۂ سیتھل ضلع بریلی کے اشراف و سادات سے تھے ۱۹۴۲ء میں لکھنؤ مدرسۂ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کر کے مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لے لیا اور فراغت کے بعد تبلیغی، خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نہایت متدین، با اخلاق اور با اثر بزرگ تھے۔

مولانا کی تاریخ ولادت حدود ۱۳۴۰ھ اور سنہ وفات ۱۳۹۳ھ ہے۔

صادق، اُردوبادی :

۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء

فاضل کبیر مرزا صادق، علما کے خانوادے سے تھے۔ اردوباد، آذربائیجان میں پیدا ہوئے۔ اکابر اساتذہ سے علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کیے۔

احمد نگر گئے اور دس سال قیام کے زمانے میں صلابت خان کی وزارت سے سرفراز ہوئے۔

جمادی الاولی ۹۹۷ھ احمد نگر میں قتل کیے گئے۔ (نزہتہ ج ۷)

صادق، لکھنوی، سیّد :

۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء

مولانا سید محمد صادق صاحب سلطان العلما مولانا سید محمد بن غفران مآب مولانا دلدار علی کے ہونہار فرزند جوان، عابد، واعظ و مبلغ تھے۔ وعظ میں تاثیر و کشش تھی۔ عیسائیوں کے عقائد کی تردید میں یگانہ تھے۔

جوانی کے عالم میں دو کم سن صاحبزادیاں چھوڑ کر ۴ رجب ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۸۴۲ء کو دنیا سے رخصت ہوئے اور اپنے والد کے بنا کردہ امام باڑے میں دفن کیے گئے۔

تصانیف : • تائید المسلمین فی اثبات خاتم النبیین والرد علی المسیحین۔

• قاطع الاذناب (فارسی، مطبوعہ) • قامع النصاب (یہ تالیفات بخط مصنف کتب خانہ ممتاز العلما لکھنؤ میں محفوظ ہیں) (بے بہا ص ۱۹۴، نزہتہ ج ۷، ص ۲۱۷، تاریخ سلطان العلما ص ۹۹)

صادق بن عباس :

۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

مولانا صادق بن عباس کشمیری جناب مولانا سید علی کشمیری اور جناب سید العلما سید حسین صاحب کے شاگرد اور علوم دین کے ماہر تھے۔ ۱۲۹۰ھ میں رحلت کی۔ (نزہتہ ج ۷، ص ۲۱۷)

صدرا شیرازی، لاہوری:
حدود ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء
۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۰ء

حکیم صدرا جناب حکیم فخرالدین شیرازی کے فرزند فخرالدین شیرازی کے اجداد عرب جاہلیت کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ کی اولاد سے تھے۔ حکیم صدرا نے لاہور و دہلی و کشمیر میں معقولات کا درس دیا اور فلسفہ و منطق کو فروغ بخشا۔

۴۶ جلوس اکبری میں ہندوستان آئے۔ جہانگیر نے مسیح الزمان خطاب دیا۔ کہتے ہیں کہ تین ہزاری منصب بھی پایا۔

شاہ جہان نے خصوصی توجہ کی، عرض مکرر کا عہدہ دیا، ۴ جلوس میں سفر حجاز کو گئے۔ چار سال کے بعد واپس آئے اور چالیس گھوڑے نذر دیے۔ جس کے صلے میں پہلا عہدہ ایک ہاتھی اور بیس ہزار روپیہ اور حکومت سورت بندر مع پرگنہ جات عطا ہوئی۔

کچھ دنوں بعد حکیم صاحب لاہور آ گئے اور سرکار دربار سے الگ ہو کر رہنے لگے، گرمیوں میں کشمیر چلے جاتے تھے۔ جہاں آراء بیگم بیمار ہوئیں تو حکیم صاحب نے علاج کیا۔ صحت کے بعد دس ہزار روپیہ سالانہ کا اضافہ اور سالانہ پچاس ہزار روپے کے ساتھ واپسی کی اجازت ملی۔

۱۰۶۱ھ ۲۴ جلوس کشمیر میں انتقال کیا۔

بڑے مقدس، عالم اور صاحب دست شفا تھے۔ امیرانہ شان یہ تھی کہ فقط محل سرا میں تین سو کنیزیں تھیں جن میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی خدمت تفویض تھی۔ فرماتے تھے کہ عورت کو ہر وقت مصروف رکھنا چاہیئے تاکہ ذہن خالی نہ رہے۔

مسیح اللہی تخلص تھا۔ (مآثر الامراء ج ا ص ۵۷۴، بے بہا ۱۹۲)

صدرالدین محمد خان، فائز:
۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء

نواب علی مردان خان شاہ جہانی کے پوتے نواب صدرالدین محمد بن نواب زبردست خان بن ابراہیم خان بن نواب علی مردان خان خاندانی نواب اور عالم و مبلغ رئیس تھے۔ وہ سرکاری اعزازات کے علاوہ مذہبی، ادبی، تاریخی علوم میں ماہر تھے۔ ان کے بہت سے تصانیف ہیں جن میں حدیث و فقہ، اوراد و وظائف، مناظرہ و عقائد، سوانح ائمہ، مجالس، طب و نباتات، ہیئت و اقلیدس، انشاء و شعر عربی و فارسی و اردو کی طویل فہرست ہے۔ جناب پروفیسر مسعود حسن ادیب نے ان کے دیوان اردو میں ان کی سوانح و تالیفات پر مفصل بحث کی ہے اور تصویر بھی شائع کی ہے۔

ان کے تصانیف کا معتدبہ ذخیرہ مسعود حسن صاحب ادیب اور پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

تصانیف: • دیوان اردو مطبوعہ دہلی ۱۹۴۶ء • دیوان قصائد مملوکہ پروفیسر ڈاکٹر وحید قریشی صاحب لاہور
• ارشاد الوزراء خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری • زینۃ البساتین (درختوں کا بیان) مخزونہ کتاب خانہ دانشگاہ پنجاب
• نحر الصدر، بہائی کی "خلاصۃ الحساب" کا ترجمۂ فارسی۔

جناب کلب علی خان فائق صاحب نے تاریخ محمدی ص ۷۰ سے فائز کی تاریخ وفات ماہ صفر ۱۱۵۱ھ نقل کی ہے۔

صغیر حسن :

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

مولانا سید صغیر حسن ابن ضمیر الحسن صاحب اور مولانا سید الطاف حیدر صاحب محمد آباد ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، خوشحال زمیں دار اور صاحب علم استاد تھے، اپنے عہد کے مشاہیر سے تلمذ تھا، سلطان المدارس سے صدر الافاضل کرکے اسی مدرسے کی جماعت نہم کو درس دیتے تھے۔ میں نے شرائع الاسلام، معالم الاصول، میبذی، مسلم العلوم، حریری وغیرہ آپ سے پڑھی۔ بہت شفیق اور خلیق استاد تھے۔ بھاری جسم اور بارعب بزرگ تھے۔

۲۳ مارچ ۱۹۵۸ء بلیا میں وفات پائی۔ توقیر حسنین و علی سجاد صاحب اور تین صاحبزادیاں یادگار رہیں

صفدر حسین، لکھنوی :

۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء

مولانا صفدر حسین صاحب حیدر گنج لکھنؤ میں رہتے تھے۔ میر عشق کے داماد تھے۔ مولوی فیض اللہ فرنگی محلی کے معقولات میں شاگرد تھے۔ علم و زہد میں یگانہ اور فن طب میں کامل تھے، طلبا آپ سے پڑھ کر فخر محسوس کرتے تھے۔ بڑے خلیق و منکسر مزاج تھے۔

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۲۷ھ میں مرحوم ہوئے۔ (بے بہا : ۱۹۶)

صفدر شاہ :

۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء

لکھنؤ میں جن علماء کی اولاد نے علم و عمل میں شہرت پائی۔ ان میں جناب مولانا سید صفدر شاہ رضوی کشمیری کا نام بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

مولانا صفدر شاہ کشمیر میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ ایران و عراق کے متعدد سفر کیے اور علمی مراکز سے بھی فیض حاصل کیا۔ لیکن انھیں عالم ربانی فقیہ صمدانی ملا محمد مقیم کشمیریؒ سے خاص تلمذ حاصل کیا تھا۔ اکثر سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ ملا محمد مقیم صاحب کے داماد ملا محمد قاسم نے اپنی دختر کی شادی بھی آپ سے کر دی تھی۔

مولانا سید صفدر صاحب کے والد سید صالح رضوی بہت مقدس و عابد تھے، موصوف نے خراسان سے واپس آتے ہوئے کابل میں رحلت کی، کابل کے لوگ موصوف کی قبر کی زیارت کرتے تھے۔

ملا صفدر نے اپنے والد بزرگوار سے تقویٰ، عبادت، گوشہ نشینی زہد و انکساری میراث میں پائی تھی۔ مطالعہ کا شوق اور درس کا مشغلہ تھا۔

حدیث پر عبور تھا اور اسی پر عمل کرتے تھے۔ تفسیر و معانی و بیان و فقہ و تاریخ و نجوم وغیرہ پر دسترس تھی۔

ملا محمد مقیم ۱۲۲۲ھ کے قریب لکھنؤ آئے تو ملا صفدر شاہ صاحب بھی ہمراہ تھے۔ منتظم الدولہ حکیم نواب مہدی علی خاں وزیر الممالک نے پذیرائی کی۔ اور بہت احترام کیا اور جب وہ فرخ آباد گئے تو مولانا صفدر شاہ کو بھی ساتھ لے گئے اس کے بعد وہ کشمیر چلے گئے۔ مگر جب ان کے فرزند مولانا سید علی صاحب عراق سے تعلیم ختم کر کے فرخ آباد آئے تو انھوں نے والد کو بلا لیا۔ نواب صاحب جب فرخ آباد سے لکھنؤ آئے تو دونوں بزرگ ساتھ تھے۔ مولانا صفدر شاہ نے پنجشنبہ ۷؍رجب ۱۲۵۵ھ کو لکھنؤ میں رحلت کی۔ ان کا دردناک مرثیہ دیوان رطب العرب میں جناب مفتی محمد عباس صاحب کا لکھا ہوا موجود ہے۔

تصانیف : • اناسی العیون، ضخیم کتاب ہے۔ • تین جلدیں کشکول کی جن میں حدیث و مشکلات حدیث و قرآن و تفسیر اور متعدد علوم و فنون پر تحقیق و مطالعہ قلم بند ہے۔

اولاد : • سید عبد اللہ جو ۱۲۴۴ھ میں آٹھ سال کے ہو کر فوت ہوئے۔ • سید علی جنہوں نے علوم کی ترویج و اشاعتِ دین کا کام کیا۔ (نجوم السماء ص ۳۸۸، بے بہا ص ۱۹۳۔ نزہتہ ج ۷، ص ۲۲۳)

صفدر علی، شیرازی :

بعد از ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

مولانا صفدر بن حسن بن اسماعیل شیرازی، عربی ادب کے فاضل و ماہر جناب محمد اصغر بن محمد حسین کے شاگرد۔

۱۲۵۰ھ میں زندہ تھے۔

تصنیف : • حاشیۂ شرح شافیہ (نزہتہ ج ۷، ص ۲۲۲)

صفدر علی، زنگی پوری :
۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء
۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۲ء

سید صفدر علی زنگی پور ضلع غازی پور کے مردم خیز خطے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید نوازش علی صاحب زمیندار اور خوشحال بزرگ تھے۔ فرزند کو علم دین سے آراستہ کیا۔ مولانا سید محمد صاحب قبلہ دلدار کھنوی سے منقولات و معقولات کی تکمیل کے بعد مطالعہ اور کتب نویسی میں مصروف رہے۔ شرح لمعہ اور شرائع الاسلام و زاد المعاد، جیسی کتابیں بہت خوش خط نقل کی تھیں۔

ماہِ محرم میں عزاداری میں منہمک رہتے اور ایسا غم طاری ہوتا کہ لوگ آپ کو دیکھ کر گریہ کرنے تھے۔

۱۴ر رمضان ۱۲۶۷ھ کو اکاون برس کی عمر میں رحلت کی۔ تاریخ وفات ہے " ازلفت الجنۃ المتقین"

اولاد : • سید محمد قاسم اور سید فرزند حسین (بے بہا ص ۱۹۵)

صفی قمی :
۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

۱۲۲۲ھ میں لکھنؤ آنے والے مؤرخ و سیاح نے اپنی کتاب "تاریخ جہاں نما" میں لکھنؤ کے علما کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "عالی جناب معلی القاب خجستہ آداب نقاوۃ الاطیاب میرزا صفی" خادم آستانۂ معصومۂ قم نواب آصف الدولہ (متوفی ۱۲۱۲ھ) کے عہد میں لکھنؤ آئے۔ نواب نے شایانِ شان احترام کیا۔ اس وقت لکھنؤ علما عرب و عجم کا مرکز دائرہ تھا۔ علما یہاں آتے اور مال و منال، عزت و اقبال ان کا استقبال کرتے تھے۔ میرزا صفی قمی کی شادی نواب ظفر الدولہ کی خواہر سے ہوگئی۔

میرزا صفی عالم و فاضل شخص تھے :

میرزا جان، میرزا صفی کے بڑے صاحبزادے بھی عالم ہوئے۔ (بے بہا ص ۱۹۲)

صفی مرتضیٰ :
حدود ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء
۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا سید صفی مرتضیٰ امروہوی شاگرد الحاج مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب غالباً ۱۹۱۸ء کو امروہے میں پیدا ہوئے۔ الہ آباد اور پنجاب سے عربی و فارسی کے امتحانات پاس کیے پھر امام المدارس انٹر کالج میں استاد مقرر ہوگئے۔ واعظ و زاہد و متقی بزرگ تھے۔

۱۹۷۳ء وطن میں حرکتِ قلب بند ہونے سے وفات ہوئی۔ (بروایت مولانا محمد محسن صاحب)

(ض) ضامن حسین مرزا لکھنوی:

۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

جناب مولانا ضامن حسین صاحب لکھنؤ میں شنبہ ۱۰ جمادی الثانیہ ۱۳۱۵ھ کو پیدا ہوئے، گھر کے متدین ماحول میں پرورش پائی۔ پھر مدرسۃ سلطان المدارس میں داخل ہو کر صدر الافاضل کی سند لی۔ اس کے علاوہ دوسرے اداروں سے بھی فارسی و عربی کے امتحانات دے کر درس و تدریس میں مصروف رہے۔ مولانا بڑے شاندار بزرگ تھے، خطابت و شعر میں بھی مہارت تھی۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے چھوٹے بھائی جناب مبلغ اسلام مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ مدظلہ کے پاس میانوالی میں آن کر سکونت پذیر ہو گئے تھے اور اسی شہر میں رحلت کی۔ مولانا نے قومیات و تبلیغ میں بڑے شاندار خدمات انجام دیئے۔

تاریخ وفات ۲۵ شعبان ۱۳۸۶ھ ۷ بجے شب ہے۔

ضامن حسین، حائری:

۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء
۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۶ء

مولانا سید ضامن حسین صاحب حائری لنڈی کمی ضلع کوہاٹ میں ۹ جنوری ۱۸۹۱ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عراق گئے اور بیس پچیس سال تک نجف اشرف میں علوم دین حاصل کر کے اپنے آبائی وطن میں قیام فرما ہوئے۔ موصوف نے پورے علاقے میں فقہ کا چرچا کیا، دینی علوم کی درس و تدریس کا مدرسہ قائم کیا۔ لوگ آپ سے فقہی مسائل میں رجوع کرتے تھے اور آپ کے معتقد تھے۔ قبائل کے عوام و خواص آپ کی تبلیغ و ارشاد سے اوامر و نواہی، زکوٰۃ و خمس، روزہ و نماز کے پابند ہوئے، آپ کے مواعظ حق گوئی اور پاکیزہ نفسی و عملی زندگی نے بے حد خوشگوار نتائج پیدا کیے۔ قریے قریے اور قبیلے قبیلے میں آپ کے دورے مذہبی نشو و نما کا باعث بنے آپ بڑے عابد، منکسر مزاج، سادگی پسند اور عالم و فاضل بزرگ تھے۔

مولانا سید ضامن حسین نے ۵ جولائی ۱۹۶۶ء / صفر ۱۳۸۷ھ کو رحلت فرمائی۔ (مکتوب رمزی بنگش)

ضامن علی:

بعد ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

جناب مولانا مفتی ضامن علی صاحب بارہہ کے سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ بڈولی ضلع مظفر نگر آپ کا وطن تھا۔ لکھنؤ میں تعلیم مکمل کر کے منصب افتا حاصل کیا۔

فروری ۱۸۵۶ء / رجب ۱۲۷۲ھ کو حکومت اودھ ضبط ہوئی تو مارچ ۱۸۵۶ء میں آپ کو لکھنؤ طلب کر کے معزولی کا حکم دیا گیا۔ جس کے بعد آپ وطن جا کر قیام فرما رہے۔

مولانا فقہ میں ماہر اور بڑے مقدس تھے۔ سلطان العلماء نے جب مفتیانِ مملکت کی فہرست لکھی تو پہلا نام حافظ ازعلی صاحب کا تھا اور آخری نام ضامن علی صاحب کا تھا۔ جناب سید حسن صاحب قبلہ نے فرمایا مناسب ترتیب ہے۔ جناب علیین مکان نے فرمایا جی ہاں اول میں حفاظت موجود ہے۔ آخر میں امام ضامن کی ضمانت ہے۔

ضیاء اللہ : ۱۰۹۸ھ / ۱۶۵۶ء — ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۴ء

ضیاء اللہ بن سید محمد فاخر حسینی زنگی پوری مولود حدود ۱۰۹۸ھ محمد شاہی دور کے بزرگ تھے، جہانگیر نگر بنگال میں جاکر فقہ و حدیث و حکمت و فلسفہ وغیرہ کی تکمیل کی، پندرہ بیس برس کے بعد وطن واپس آئے اور نہایت جرأت کے ساتھ بلا تقیہ تبلیغ دین کی کوشش فرمائی۔ سید امجد حسین مؤلف نسب نامہ زنگی پور نے لکھا ہے کہ موصوف ہی نے اس علاقے میں مسائل اصول و فروع کو فروغ دیا۔

نواب عبداللہ بن شیخ محمد قاسم عامل غازی پور نے اپنے فرزند نواب فضل علی خان کی تعلیم و تربیت آپ کے متعلق کردی۔ مولانا ضیاء اللہ نے ۴ محرم ۱۱۶۸ھ کو رحلت کی۔ (ربے بہا ص ۱۹۶)

تالیفات ضائع ہوگئے۔ شاگردوں میں سید عطا حسین اور سید وجاہت حسین نے شہرت حاصل کی۔

ضیاء الحسن موسوی : حدود ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء — ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

علامہ غلام حسنین کنتوری کے پوتے اور سرکار ناصر الملت کے نواسے، استاد محترم ضیاء الحسن صاحب حیرت خیز حافظہ و ذھانت و اخلاق کے مالک تھے۔ لکھنؤ میں انھوں نے مولانا سعادت حسین صاحب مولانا غلام عباس زیدپوری حکیم ساجد حسین صاحب اور مولانا محمد نصیر صاحب قبلہ سے فقہ و کلام و ادب کی تحصیل کی اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب پاس کیا۔ جناب موسوی صاحب مطالعہ میں یکتا تھے، میں نے ان سے جدید عربی ادب پڑھا اور لکھنا سیکھا، وہ حیدرآباد دکن چلے گئے جہاں ان کے والد جناب نجم الحسن ابن مولانا محمد علی صاحب رہتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی آئے اور وزارتِ اطلاعات سے وابستہ ہوگئے۔ مولانا نے عربی، فارسی، اُردو میں بہت لکھا، برجستگی ان کا فن اور محنت ان کی عادت تھی۔ امراء، سلاطین، علماء، ادبا جس سے ملے اسے اپنی شخصیت و قابلیت کا معترف بنالیا موصوف نے اٹھاون برس کی عمر پاکر ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو رحلت کی۔ ان کے تصانیف میں، حیات امام زین العابدینؑ، واقعہ کربلا کا پس منظر۔ رسالہ فقہ جعفری۔ مجموعہ نوحہ و سلام۔ مجموعہ افسانہ۔ مجموعہ مضامین بنام "اک نام ہے قلم کا ضیاء الحسن کا نام"، ابھی چھپا ہے۔

حدود ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء

(ط) طالب حسین :

طالب حسین ابن سید گل محمد شاہ صاحب حدود ۱۲۹۲ھ میں ولادت ہوئی۔
چکڑالہ ضلع میانوالی وطن تھا، سنی مدارس میں تعلیم پائی، مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے مدارس میں بھی رہے۔ پھر ہندوستان چلے گئے اور وہاں بھی سنی مدارس ہی میں پڑھتے رہے۔ بعد فراغت داؤد خیل آن کر وعظ و تبلیغ شروع کردی۔

گھر والے ایک مدت سے بے خبر تھے کہ فرزند کہاں رہے، داؤد خیل آنے کے بعد گھر والوں کو خبر ہوئی۔ والد نے حکم بھیجا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھو تعمیل حکم میں ہاتھ کھول دیئے، پھر گھر آگئے اور یہاں اپنے چھوٹے بھائی جناب مولوی محمد باقر صاحب سے مباحثات شروع کردیئے۔ آخر مطمئن ہو کر تسنن سے توبہ کی۔ اور امروہہ (ہندوستان) میں جاکر علوم دین جعفری سے واقفیت حاصل کی، موصوف وہاں پڑھتے بھی تھے اور پڑھاتے بھی تھے۔ کچھ عرصہ بعد وطن واپس آگئے اور تعلیم و تدریس میں مصروف رہ کر تقریباً ۷۵ برس کی عمر میں رہگرائے آخرت ہوئے۔

عتبات عالیات کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ علم و فضل زہد و اتقا کی ایسی مثالیں اس علاقے کے لوگوں نے آپ سے پہلے نہیں دیکھی تھیں۔

اولاد : ٭ سید عباس حسین صاحب

تلامذہ : ٭ سید محبوب علی شاہ صاحب ٭ سید محمد یار شاہ صاحب ٭ حسین بخش صاحب

حدود ۸۸۰ھ / ۱۴۷۵ء
۹۵۲ھ / ۱۵۴۵ء

طاہر شاہ، دکنی :

ملا سید طاہر بن رضی الدین ہمدانی بن مومن شاہ بن رزد خان بن شاہ خور بن عالم بن محمد بن جلال الدین بن حسین بن کبار محمد بن حسن بن علی بن احمد بن نزار بن مستنصر اسماعیلی کی اولاد سے تھے۔ ملا طاہر ہمدان میں غالباً اسماعیلیوں کے داعی تھے۔ لیکن علم و فضل کے ساتھ جب سلطان بن حیدر صفوی کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ (۹۲۶ھ) میں اثنا عشری مذہب کے پرستار ہوگئے۔

تاریخ فرشتہ میں ان کے احوال ہیں جن کا خلاصہ مولوی محمد حسین نے تذکرہ بے بہا میں نجوم السماء، مرغوب دل اور مفتاح التواریخ کے بیانات کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔

ملا سید شاہ محمد طاہر بن مہدی دکنی۔
ملا صاحب کا رتبہ علوم ظاہری و باطنی، طلاقت و فصاحت، صورت و سیرت میں اپنے باپ دادا

سے برتر تھا۔ دُور دُور تک شہرت تھی۔ کسی بات پر شاہ اسماعیل صفوی (متوفی ۹۳۰ھ) سے ناراض ہو کر ۹۲۶ھ میں گوا اور گوا سے بیجاپور پہنچے۔ ان دنوں بیجاپور میں اسماعیل عادل شاہ (متوفی ۹۴۱ھ) کی حکومت تھی۔ اسماعیل کو اربابِ سیف اور سپاہیوں سے دلچسپی تھی۔ اہلِ علم و صاحبانِ فن سے محبت نہ تھی۔ ملا طاہر شاہ ملک کی صورتِ حال دیکھ کر حج و زیارات کے لیے چلے گئے۔ حج سے مشرف ہونے کے بعد دوبارہ دکن کا رُخ کیا اور قلعۂ پرندہ میں اترے۔ قلعۂ پرندہ ان دنوں جہان مخدوم خواجہ جہاں کی نگرانی میں تھا۔ اس نے ملا صاحب کی آمد کو نعمت جانا اور اپنے بچوں کی اتالیقی سپرد کی۔ اتفاقاً برہان شاہ نے اپنے استاد ملا پیر محمد شیروانی کو کسی پیام کے ساتھ سفارت پر بھیجا۔ ملا پیر محمد نے مولانا طاہر شاہ سے بھی ملاقات کی۔ اس ملاقات نے ملا صاحب کو بہت متاثر کیا اور باوجود اعزاز و شہرت نو وارد عالم سے مجسطی پڑھنے لگے۔

ملا صاحب کے تلمذ کی خبر نے مولانا طاہر کے علم و فضل کا شہرہ کر دیا۔ ملا صاحب سال بھر تک مولانا طاہر سے کسب فیض کرنے کے بعد دربار میں حاضر ہوئے اور مولانا کے علم و عمل کا تذکرہ کیا۔ برہان نظام شاہ نے خواجہ جہاں کو خط لکھا اور مولانا کو احمد نگر طلب کیا۔ ۹۲۸ھ کے   لگ بھگ مولانا احمد نگر پہنچے۔ بادشاہ نے کمیلوں آگے ارکان سلطنت کو بھیج کر مولانا کا استقبال کیا۔ اور بڑے اعزاز و احترام سے دربار میں جگہ دی۔ پھر درخواست کی کہ مسجد جامع احمد نگر میں ہفتے میں دو درس دیا کریں۔ مولانا نے درس شروع کیا۔ تمام علما، امرا خود بادشاہ درس میں حاضر ہوتا اور ادب سے بیٹھتا تھا۔ ایک روز باوجود پیشاب کی سخت حاجت کے، درس سے نہ اٹھا اور بعد اختتام درس محل میں جا کر خدام سے کہا کہ میری طبیعت ناساز ہو جائے یہ گوارا ہے لیکن مولانا کے درس سے اٹھنا ممکن نہیں۔ جناب مولانا طاہر شاہ صاحب اب تک محتاط انداز میں تھے اور عام لوگوں کو آپ کا تشیع معلوم نہ تھا۔

اتفاق سے بادشاہ کا محبوب فرزند شاہزادہ عبدالقادر بیمار ہو گیا۔ اطبا نے بہت کوشش کی فائدہ نہ ہوا ایک دن بادشاہ نے حکیم قاسم بیگ سے کہا، حکیم اگر اس بچے کے لیے میرا جگر کام آئے تو حاضر ہے۔ کوئی تدبیر کرو۔ مندروں میں صدقہ بھیجا، مسجدوں میں دعائیں ہوئیں مگر مرض بڑھتا ہی گیا۔ مولانا طاہر شاہ نے ہمت کی اور تجویز پیش کی کہ اگر شہزادہ شفایاب ہو گیا تو زرِ کثیر ائمہ اثنا عشر کے روضوں پر بھیجیں گے اور سادات کو نذر دیں گے۔ بادشاہ نے پوچھا "ائمہ اثنا عشر" سے کیا مراد ہے؟ آپ نے ائمہ کا مختصر سا ذکر کیا اور نام بتائے بادشاہ نے کہا یہ نام ایک آدھ مرتبہ میری ماں نے لیے تھے ٹھیک ہے، اگر میں مندروں کی خدمت کر سکتا ہوں تو اس نذر میں کیا حرج ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ پھر یوں نہیں، پہلے مجھے اطمینان دلایا جائے، ورنہ میں اہل و عیال کے ساتھ کہیں چلا جاؤں۔ بادشاہ نے یقین دلایا کہ انھیں کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ شاہ صاحب نے فرمایا، تو پھر آج شب جمعہ ہے۔ آپ خدا سے عرض کیجیے اور نذر مانیے کہ خداوندا اگر چہاردہ معصومین کی برکت

سے آج رات شہزادہ شفا پا جائے تو میں خطبوں میں بارہ اماموں کے نام پڑھوا کر ان کے مذہب کی ترویج کروں گا
بادشاہ عبدالقادر کے بچنے سے مایوس تھا۔ اُس نے مولانا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مولانا کے جملے دہرائے۔
عہد و پیمان بجالایا اور انتہائی پریشانی میں ساری رات شہزادہ عبدالقادر کے سرہانے بیٹھا رہا۔ شہزادہ لحاف
اتارے دیتا تھا۔ بخار تیز تھا۔ بہت کوشش کی گئی کہ کچھ اُڑھا دیا جائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر بادشاہ نے
کہا کہ بچے کو پریشان نہ کرو۔ شاید چند ساعت کا مہمان ہے۔ دنیا کی ہوا کھا لینے دو۔ پوری رات گزر گئی، صبح
کے قریب بادشاہ بیمار کی پٹی پر سر رکھ کے اونگھ گیا۔ غنودگی کی حالت میں یہ خواب دیکھا:

ایک بزرگوار بارہ حضرات کے ساتھ سامنے سے آئے۔ اُنہیں آتا دیکھ کر بادشاہ مؤدب کھڑا ہو گیا۔
کسی نے پوچھا، ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟ یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور اُن کے دائیں
بائیں بارہ امام ہیں۔ رسول اللہؐ فرمارہے ہیں: "خدا نے علیؑ و اولادِ علیؑ کی برکت سے تیرے لڑکے کو شفا بخشی
خبردار میرے فرزند طاہر کے کہنے سے منہ نہ موڑنا"۔

بادشاہ بیدار ہوا تو دیکھا کہ شہزادہ عبدالقادر لحاف اوڑھے پڑا ہے۔ اور اس کی ماں اور دایہ دونوں بیدار
تھیں۔ بادشاہ نے پوچھا: "یہ لحاف کس نے اوڑھایا ہے"۔ کہا گیا: "کہ ہمارے سامنے یہ لحاف آہستہ آہستہ
شہزادے پر آگیا"۔ بادشاہ نے لحاف میں ہاتھ ڈال کر شہزادہ کو دیکھا تو بخار جا چکا تھا اور شہزادہ آرام کر رہا تھا۔
برہان شاہ سجدہ میں گر پڑا۔ اُس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ فوراً مولانا طاہر کو بلائے۔ چوبدار مولانا کے دروازے
پر پہنچا، زنجیر ہلائی۔ مولانا شہزادہ کے لیے دعا کر رہے تھے۔ شاہی خادم کی آواز سُن کر پریشان ہو گئے کہ یا شہزادہ
مرگیا ہے، یا اچانک بادشاہ کی رائے میرے خلاف ہو گئی۔ اک لمحہ نہ گذرا تھا کہ دوسرا خادم آیا۔ مولانا اہل و عیال
کو خدا حافظ کہہ کر، ضروری ہدایات دے کر تن بہ تقدیر چلے۔ حرم سرا میں داخل ہوئے تو بادشاہ نے بڑھ کر
استقبال کیا۔ ہاتھ میں ہاتھ لیا اور شہزادے کے سرہانے لایا۔ بادشاہ نے مذہب شیعہ کے اصول و قواعد دریافت
کیے اور کہا کہ مجھے شیعہ کیجیے۔ خود بادشاہ اور شہزادہ حسین، شہزادہ عبدالقادر، اور ان کی والدہ ملکہ بی بی آمنہ اور
تمام ملازمین نے مذہب حق اختیار کیا۔

بادشاہ کی رائے تھی کہ صبح کو جمعہ کا دن ہے، تمام خطیبوں کو خطبۂ جمعہ میں آئمہ اثنا عشر کا نام لینے کا حکم دیا
جائے اور خلفاء کے نام نہ لیے جائیں۔ لیکن مولانا نے بادشاہ کو منع کیا، اور مشورہ دیا کہ پہلے تمام اکابر علماء کو
بلایا جائے اور اُن سے کہا جائے کہ میں مذہب حق کی جستجو میں ہوں۔ آپ لوگ مل کر میری رہنمائی کریں۔ چنانچہ
ملا پیر محمد شاہ، اور افضل خان نوائط اور ملا داؤد دہلوی وغیرہ احمد نگر کے مدرسۂ شاہ طاہر میں جمع ہوئے۔ کئی ماہ
مباحثہ رہا، جن میں برہان شاہ خود بھی حاضر رہتا تھا۔ آخر ایک دن بادشاہ نے شاہ صاحب کو دعوت دی اور

کہا کہ یہ حضرات تو کسی مذہب کو ترجیح نہ دے سکے۔ اگر کوئی اور مذہب حق ہو تو میں اس پر غور کروں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہاں ایک مذہب اثنا عشری ہے۔ میں اس کی کتابیں حاضر کرتا ہوں، کتابوں کے ساتھ ایک عالم شیخ احمد نجفی بھی بیٹھے ہوئے چاروں مذاہب کے علما سے مناظرہ شروع ہوا تو شاہ ملا طاہر بھی شیخ احمد نجفی کے مددگار ہو گئے۔ لوگ شاہ صاحب کو شیعہ جان گئے۔

بحث میں خلافت، واقعہ قرطاس، اور باغ فدک موضوع تھا۔ علما کو لاجواب دیکھ کر برہان شاہ نے عبدالقادر کی بیماری اور صحت کا واقعہ بتلایا جسے سن کر کم و بیش تین ہزار آدمی شیعہ ہو گئے۔ خطبہ میں بارہ اماموں کے نام داخل ہوئے اور احمد نگر میں تشیع عام ہو گیا۔

امرا اس بات سے برافروختہ ہو کر پیر محمد کے مکان پر جمع ہوئے۔ صلاح مشورے کے بعد طے ہوا کہ پہلے بادشاہ کو معزول کر کے عبدالقادر کو اس کی جگہ بادشاہ بنایا جائے پھر ملا طاہر کو قتل کرو۔ چنانچہ بارہ ہزار پیادہ و سوار، قلعے کے پاس کالے چبوترے پر جمع ہوئے اور شاہ صاحب کا مکان مع ان کے فرزندوں کے موکلوں کو سونپ دیا برہان شاہ کو معلوم ہوا تو اس نے قلعہ کے دروازے بند کرنے کا حکم دے کر شاہ صاحب کو بلایا۔ شاہ صاحب علم جفر میں ملا شمس الدین جعفر کے شاگرد تھے، اس لیے حساب لگا کر بادشاہ کو اطمینان دلایا کہ قلعے کا دروازہ، کھلوا دیں اور خود بدولت و اقبال ان کے سامنے جائیں۔ بادشاہ مسلح ہو کر سوار ہوا، ایک ہزار پیدل اور پانچ ہاتھی مع چتر سبز و علم لیے شاہ صاحب کے ساتھ باہر آیا۔

شاہ صاحب نے ایک مٹھی خاک لے کر سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ کی آیت پڑھی اور خاک فضا میں پھینکی۔ بادشاہ نے نقیبوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے سامنے اعلان کرو کہ خیر خواہان سلطنت سبز چتر کے نیچے جمع ہو جائیں اور نمک حرام یا پیر محمد کے ساتھی مہر سلطانی کے امیدوار نہ رہیں۔ یہ اعلان سن کر امرا اور سپاہی بادشاہ کی امان میں آ گئے اور پیر محمد شکست کھا کر واپس چلا گیا۔ بادشاہ نے ملک احمد تبریزی اور خواجگی محمود کو چھوٹی سی فوج دے کر ملا پیر محمد کی گرفتاری کا حکم دیا۔ ملا صاحب حاضر دربار کیے گئے۔ بادشاہ نے قتل کا اشارہ کیا۔ مگر مولانا طاہر نے بادشاہ کو روکا، اور قتل سے باز رکھا۔ بادشاہ نے قید کا حکم دیا لیکن چار سال بعد مولانا کی سفارش سے دوبارہ عزت افزائی کی گئی۔

بادشاہ نے جہاں خواب دیکھا تھا اُس مقام پر ایک عالی شان عمارت بنوائی جس کا نام بغداد رکھا۔ کچھ عرصے بعد مولانا طاہر شاہ کے مدرسے کو حسین نظام شاہ نے ایک بڑی مسجد میں بدل دیا۔ آہستہ آہستہ مولانا کی تبلیغ کامیاب ہوتی گئی اور مرتضیٰ نظام شاہ نے مذہب شیعہ کی مکمل برتری تسلیم کر لی۔ اُس نے سنی علما اور امرا کے وظیفے شیعہ امرا و علما کو منتقل کر دیے۔

قلعۂ احمد نگر کے سامنے ایک شاہی عمارت بنوائی جس کا نام "دوازدہ امام کا لنگر" تجویز ہوا؛ کچھ املاک اُس

کے نام وقف کی گئی۔ روزانہ مومنین کو لنگر سے کھانا دیا جاتا تھا۔ برہان شاہ نظام شاہ نے عراق و خراسان میں زرکثیر بھیج کر مشاہد مشرفہ کی آرائش و زیبائش اور سادات و علما کی خدمت انجام دی۔

احمد نگر میں جہاں تشیع خطرۂ جان و مال تھا وہاں شیعہ علما کا قابلِ قدر اجتماع ہو گیا۔ اُن علما میں چند نامور حضرات یہ ہیں:۔ مولانا شاہ جعفر برادر ملا طاہر شاہ۔ • ملا شاہ محمد نیشاپوری۔ • ملا علی گل اُستر آبادی • ملا رستم جُرجانی • ملا علی مازندرانی • ملا ایوب ابوالبرکت۔ • ملا عزیز اللہ گیلانی • ملا محمد امامی استر آبادی۔ ان کے علاوہ عرب و عجم سے شیعہ دانشور اور سیاسی شخصیتیں نمایاں ہونے لگیں۔

شاہ ایران نے برہان شاہ کو اپنے سفیر کے ساتھ ۹۵۰ھ میں کچھ تحفے اور ہدیے بھیجے اور ایک خط مولانا طاہر شاہ کے لیے بھیجا اور خاص اپنے ہاتھ کی انگوٹھی بھی ہدیہ کی۔ اُس انگوٹھی کے نگینہ پر لکھا تھا "اَلتَّوفِیقُ مِنَ اللّٰہ" جس کے جواب میں مولانا نے اپنے فرزند شاہ حیدر کے ساتھ تحف و ہدایا بھیجے۔

مولانا طاہر شاہ نے ۹۵۲ھ میں رحلت کی "تابع اھل البیت" سے تاریخ نکلتی ہے۔ مولوی عبدالحیٔ نے تاریخ مرغوب دل اور مفتاح التواریخ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ لیکن فرشتہ نے ۹۵۶ھ تاریخ وفات بتائی ہے۔

انتقال کے بعد بڑی شان سے جنازہ اٹھا اور بڑے اہتمام سے لاش امانت رکھی گئی۔ کچھ عرصے بعد احمد نگر سے لاش کربلائے معلیٰ پہنچائی گئی اور قبر حضرت سید الشہداء سے ڈیڑھ گز کے فاصلے پر زیر گنبد ابدی آرامگاہ بنی۔

مولانا کی روحانی عظمت، پاک باطنی اور رُشد و ہدایت کی تاثیر سے مشائخ و کبار ارادت کا اظہار کرتے تھے علم و دانش کی بناء پر اہلِ خبر زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔ قوت تقریر و حاضر جوابی کا واقعہ ابھی گزر چکا ہے۔ دوسرا لطیفہ یہ ہوا:

مولانا احمد آباد بیدر آئے تو بہت سے طلبا اور علما آپ کے پاس آنے جانے لگے۔ ایک مولانا صاحب ایسے بھی تھے جنہیں اپنے علمِ جفر پر ناز تھا۔ اُس نے مولانا کو دعوت کے بہانے اپنے گھر بلانا چاہا، تو کر کو خط دیا اور خط کے نیچے یہ لکھا "قال النبی الاجابۃ سنۃ موکدۃ" آپ نے نیچے لکھ دیا: "کسر بارتہ القایم فاذا تعارضا تساقطا"۔ فاضل موصوف، جواب دیکھ کر چکرا گئے۔ حاضرِ خدمت ہوئے، بات کی تو معلوم ہوا کہ بحرِ زخار موجیں مار رہا ہے۔

اولاد: مولانا طاہر شاہ کے چار فرزند تھے۔ • ملا شاہ حیدر جو والد کے بعد ان کے جانشین قرار پائے۔ آپ بھی عالم فاضل اور مقدس و زاہد تھے۔ • رفیع الدین حسین شاہ • ابوالحسن شاہ • ابوطالب اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

تصانیف:۔ • (شرح) شرح باب الحادی عشر (عقائد و کلام) عربی۔ • شرح جعفریہ (فقہ) (عربی) • حاشیہ تفسیر بیضاوی (عربی) • حواشی شرح اشارات (عربی) • حاشیہ محاکمات شفا (عربی)

- حاشیہ مجسطی (عربی) • حاشیہ مطول (عربی) حواشی گلشن راز (فارسی) • شرح تحفۂ شاہی (فارسی)
- رسالہ پالکی (یہ رسالہ پالکی میں سفر کرتے ہوئے قلم بند کیا تھا)

مولانا شعر بھی کہتے تھے۔ آپ کے چند شعر تذکروں میں محفوظ بھی ہیں۔

مطلع ایجاد، احمد حسن مطلع بوتراب — مفت بیت اہل بینش، شاہ فرد انتخاب،
مرتضیٰ آں کز شرف مسندِ عالی نسبی است — آفتابیست کہ برجِ شرفش دوش نبی است

(تاریخ فرشتہ طبع نول کشور مقالہ سوم روضۂ سوم ص ۱۱۰ تا ۱۱۸ تذکرہ بے بہا ص ۱۹۷، نزہتہ ج ۴ ص ۲۷۰، مجالس المومنین ج ۲ ص ۲۳۴ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ج ۱۲ ص ۲۸۱)

طاہر آغا :

حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۰ء
۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء قم

مفتی محمد علی بن محمد عباس کے دو فرزند تھے، حبیب مکرم جناب سید طیب آغا صاحب نزیل نجف اشرف اور دوسرے فرزند جناب سید طاہر آغا صاحب۔ مولانا طاہر آغا صاحب نے اپنے والد علام کے بعد اپنے عم محترم جناب مفتی احمد علی صاحب قبلہ کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور مدرسۂ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کی سند لی لیکن عمر نے وفا نہ کی اور عالمِ شباب میں مارچ ۱۹۵۷ء وفات پائی اور لکھنؤ ہی میں آسودۂ قبر ہوئے موصوف بڑے ذہین اور فاضل تھے۔ رحمہ اللہ۔

(ظ) ظفر حسن : ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء
حدود ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

مولانا سید ظفر حسن صاحب ۷ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ پنجشنبہ کے دن لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محقق ہندی مولانا محمد حسین نے علمی ماحول میں تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا چنانچہ موصوف اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ عالم و فاضل تھے بلکہ دعوائے اجتہاد بھی فرماتے تھے۔

مظفر نگر اپنے جدی وطن میں ہجرت فرما گئے تھے اور وہیں جماعت و خطابت و دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ملتان میانی میں رہے اور یہاں ایک یتیم خانہ قائم کیا۔ کچھ عرصے موگا ضلع فیروز پور میں بھی قیام کیا، پاکستان بننے کے بعد بسیھل ضلع میانوالی میں گھر بنالیا تھا مگر علیل ہو کر میانوالی میں اپنے فرزند کے پاس چلے آئے اور یہیں رحلت کی۔

تصانیف : • رسالہ فی اصول الفقہ (عربی) • نورِ آخرت، مسائل روزمرہ (فقہ) (بے بہا ۲۰۷)

ظفر حسن، خواجہ : ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء
۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

جناب خواجہ ظفر حسن سہارن پوری، جناب خواجہ مختار احمد صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ پٹیالہ میں فارسی کے استاد تھے، متقی، عابد، فاضل اور علم دوست بزرگ ہونے کی حیثیت سے لوگ بڑی عزت کرتے تھے۔ تقریباً پچاسی برس کی عمر پاکر ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء لاہور میں رحلت کی۔

ظفر مہدی، جَرْوَلی : ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء
۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

مولانا سید ظفر مہدی کاظمی سادات اور جرول ضلع ~~بارہ بنکی~~ بہرایچ یو پی سے تعلق رکھتے تھے۔ علی نگر آپ کے اجداد کی جاگیر میں تھا۔ مولانا ظفر مہدی ۱۰ رجب ۱۲۳۹ھ ۱۲ مارچ ۱۸۲۴ء کو پیدا ہوئے اور تاریخی نام ظفر مہدی رکھا گیا۔ وطن میں تعلیم و تربیت کے بعد لکھنؤ گئے اور مدرسۂ سلطانیہ میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ مولانا مفتی محمد علی اور مولانا محمد حسین جائسی اور سلطان العلما سید محمد صاحب سے درس لیا، اجازے حاصل کیے اور فقہ و عقائد و حدیث و تفسیر میں سند تکمیل پائی۔

سنسکرت کے لیے ماہر فلکیات پنڈت ملازم رکھے اور ہندو جوتش میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔ موصوف نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آئمہ اثنا عشر کے زائچہ ہائے ولادت بنائے تھے اور عربی و ہندی اصولِ تقویم و زائچہ پر تحقیق کی تھی ان زائچوں میں سے زائچہ ولادت سرورِ دو عالم روض الصادقین میں قابلِ ملاحظہ ہے۔

طب سے شغف تھا اور افاضل سے سندیں لی تھیں مطب بھی کرتے تھے۔ اثیم تخلص سے مرثیہ بھی کہتے تھے۔
مرزا دبیر سے تلمذ تھا۔ تاریخ و سیرت و اخلاق پر متعدد کتابیں لکھی تھیں جن کے مسودے کتب خانۂ ناصر الملۃ
لکھنؤ میں محفوظ ہیں۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے جرول ہی میں ایک پریس لگایا تھا جس سے بڑی نفیس کتابیں شائع
کر کے اور بلا قیمت بانٹتے تھے۔

علم و عمل اور زہد و پرہیزگاری کے باوجود حکومت نے اسسٹنٹ کمشنر اور منصفی کا عہدہ دیا تھا۔
مولانا کی تصویر تہذیب الخصائل کے انگریزی ترجمے کے ساتھ کراچی میں چھپ چکی جس میں وہ
خالص فقہا کے لباس میں ملبوس ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مولانا نے انگریزوں کے خلاف جدوجہد آزادی
میں حصہ لیا۔ انگریزوں نے مجرم قرار دیا۔ مولانا نے حضرت حجۃ عجل اللہ ظہورہ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور مشکلات
کا ذکر کیا۔ کچھ عرصے بعد فیصلہ مولانا کے حق میں ہوا مگر مولانا احسان مند ہونے سے پہلے دنیا سے سفر کر چکے تھے۔
۱۷ صفر ۱۳۲۰ھ مئی ۱۹۰۲ء میں رحلت کی۔ مرزا محمد طاہر رفیع نبیرۂ دبیر نے قطعۂ تاریخ لکھا جس کا آخری
شعر تھا:

داشت دستار فضیلت چوں بسر از فضیلت سالِ رحلت شد عیاں (۱۳۲۰ھ)

تصانیف: • نخبۃ الاخبار (حدیث) • روض الصادقین ۷ مجلد، تاریخ ائمہ مطبوعہ
وغیر مطبوعہ • تہذیب الخصائل (اخلاق، حدیث و فلسفہ) اردو مطبوعہ۔
انگریزی ترجمہ "کیرکٹر بلڈنگ" کے نام سے پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ کراچی سے ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا۔ اس
کے مقدمے میں مولانا ظفر مہدی اور ان کے فرزند باقر مہدی کی تصویر اور احوال ہیں، اس کتاب کے لیے میں جناب
حاجی حسن علی صاحب کراچی کا شکر گزار ہوں۔ • معیار المحبت۔ • عقائد حیدریہ • ھدایۃ الانشاء
• موتیوں کا ھار • جواھر منثرہ (قطعاتِ تاریخ) • اشکِ مسلسل (منظوم واقعہ کربلا)
• مرثیے، قصیدے، سلام، رباعیاں، غزل اور دوسرے اصنافِ سخن پر ضخیم کلیات وغیرہ۔

اولاد: • مولانا باقر مہدی صاحب • حیدر مہدی صاحب

(دبستانِ دبیر ص ۲۵۸، نزہتہ ج ۸ ص ۲۰۴۔ مقدمہ ترجمۂ تہذیب الخصائل انگریزی نیز مکتوب مرزا علی اظہر صاحب برلاس)

. . . .

ظفر مہدی، گہر جائسی: ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

مولانا ظفر مہدی صاحب جائس ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد وارث حسن صاحب نے
بڑے فرزند سبط حسن صاحب (خطیب اعظم) کی طرح ان کو بھی علوم دین کی تعلیم دلائی۔ مولانا ظفر مہدی نے متداول

علوم کی تحصیل کے بعد تحریر و تقریر کا سلسلہ شروع کیا اور کرسچین اسکول لکھنؤ میں عربی کے استاد رہے۔ آپ کی ذہانت و ذکاوت نے ادب و شعر کے جوہر چمکائے۔ ماہ نامہ "سہیل یمن" لکھنؤ نے آپ کی ادارت میں مذہبی جرائد کو علمی و ادبی اسلوب جدید عطا کیا۔ آپ کے فارسی، عربی و اردو اشعار یکجا نہیں ہو سکے۔ نہ دوسرے تحقیقی اور علمی تالیفات مرتب ہوئے۔ نہج البلاغہ کی اردو شرح "سلسبیل فصاحت" کے نام سے شروع کی تھی لیکن اس کی تکمیل سے پہلے راہی جنت ہوئے۔ جناب راجہ صاحب محمود آباد نے سلسبیل فصاحت کا پہلا حصہ جس نفاست و اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اس کی نظیر میری نظر سے نہیں گزری۔ یہ نفیس ایڈیشن میرے کتاب خانے میں موجود ہے۔ تالیفات میں متعدد رسالے تھے جن میں سے "اللہ اللہ" مسئلہ توحید پر اور ترجمہ ابوطالب از شرف الدین موسوی مطبوعہ۔

مولانا ظفر مہدی صاحب قبلہ گہر کا ایک عربی شعر تبرکاً محفوظ کر لیا تھا۔

نواعم لو رمتها العین رامقة   باللحظ لانصب من ورد الخدود دموع

ظہور حسین، ظہیر الملت:

۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۴ء
۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

ہمارے عہد میں لکھنؤ کے چار بڑے عالم تھے۔ جناب مولانا سید باقر صاحب قبلہ جناب مولانا سید ناصر حسین قبلہ جناب سید نجم الحسن صاحب قبلہ جناب سید ظہور حسین صاحب قبلہ پورے برصغیر میں ان کی دھوم تھی۔ ہر ایک جامع علوم اور صاحبِ کمال ظاہر و باطن تھا۔ مولانا ظہور حسین صاحب قبلہ منطق و فلسفہ میں استاذ الکل سمجھے جاتے تھے، لیکن حدیث و کلام، اصول و فقہ کے علاوہ ادب میں بھی بے مثل تھے۔ ان کے ایک مرثیہ کا پہلا شعر ہے:

هلال بدا كالقوس في يد نبال   غدى يرتمي منها حشا كل ذي بال

افسوس ہے کہ موصوف کا کلام جمع نہ ہو سکا۔ ورنہ لکھنؤ کے عربی ادب کا ایک شاہ کار ہوتا۔

ان کی گفتگو بڑی دل کش ہوتی تھی، عموماً اصطلاحات منطق و فلسفہ استعمال کرتے تھے اور اجنبی آدمی سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔ لیکن عربی و فارسی ادب میں ڈوبی ہوئی جس سے اہلِ علم کا ذوق بڑھتا تھا۔

مولانا ظہور حسین صاحب قبلہ کے والد سید زندہ علی صاحب میراں پور بارہہ کے زمیندار تھے لیکن گردشِ روزگار نے املاک نہ رہنے دی۔ فارسی ادب سے شوق اور مذہب سے عشق تھا۔ خدا نے انھیں ۱۲۸۲ھ / ۶۴، ۱۸۶۵ء کو ایک فرزند عطا کیا جس کا تاریخی نام غلام محمد احسن رکھا جو بعد میں ظہور حسین سے بدل گیا۔

اس نومولود نے ہوش سنبھالا تو ابتدائی تعلیم قرآن مجید و عقائد کی منزل طے کی پھر سرکاری اسکول میں داخل ہوئے، ... کر ... مولانا شیخ جعفر حسن صاحب بدایونی نے میراں پور میں مدرسہ قائم کیا۔ سید زندہ علی نے آپ کو

اس مدرسے میں داخل کر دیا۔ مدرسے کے اساتذہ سے صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ادب و فقہ کے متن پڑھے اور مختصر النافع تک تعلیم پائی۔ اس دور میں آپ کے اساتذہ یہ تھے :۔

مولانا شیخ سجاد حسین صاحب مؤلف رمح مصقول، مولانا سید علی نقی شاہ صاحب (سلطان پور ضلع گوڑ گانوہ، آخر میں پیش نماز ملتان) اور مولانا خواجہ غلام حسنین صاحب سہارن پوری۔

وطن میں درسیات کا پہلا مرحلہ ختم کر کے سفر لکھنؤ کیا اور ۱۳۰۲ھ میں مرکز علم پہنچ کر فاضل مقدس مولانا علی نقی (استاذ کیننگ کالج) مولانا سید علی صاحب محدث۔ مولانا سید محمد تقی صاحب سے منقولات و معقولات کا دورہ مکمل کیا۔ اور فقہ و اصول میں درجۂ اجتہاد تک پہنچے ان اساتذہ میں خاص طور پر فلسفی دوران ملاذ العلما، سید ابوالحسن صاحب سے تلمذ تھا، اور مولانا بھی آپ کو فرزند و جانشین علم و فضل جانتے تھے اور ان کے بعد لکھنؤ کے علمی حلقوں نے معقولات میں ملاذ العلما کا صحیح جانشین مانا۔ آپ فراغت تعلیم کے بعد لکھنؤ میں رہے اور راجہ صاحب محمود آباد کے مدرسے میں نیز اپنے گھر پر طلبا کو درس دیتے رہے لیکن حیدر آباد میں ادارۂ تصنیف و تالیف کے اصرار سے لکھنؤ کو چھوڑ کر حیدر آباد جانا پڑا۔ راجہ صاحب محمود آباد کو آپ کا ترک لکھنؤ پسند نہ آیا بالاخر تمام آپ کو لکھنؤ واپس بلا لیا اور آپ نے پھر سلسلۂ درس شروع کر دیا۔

۱۳۲۹ھ میں مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ زیارات کے لیے عراق تشریف لے گئے تو مدرسۂ ناظمیہ کی صدارت آپ کے سپرد کر گئے۔

۱۳۳۲ھ میں نواب حامد علی خان آف رام پور نے ریاست میں طلب کر لیا اور شعبۂ تصنیف و تالیف آپ کی نگرانی میں دے دیا۔ ان دنوں جناب مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ رام پور میں سررشتۂ تعلیم کے ڈائرکٹر تھے جب جناب نے رام پور ترک کیا تو جناب ظہیر الملت ڈائرکٹر مقرر کیے گئے۔ ۱۳۴۰ھ میں شعبۂ عربی کالج کا شعبۂ عقائد و کلام آپ کی سرپرستی میں قائم ہوا اور آپ ہی کالج کے پرنسپل رہے۔

شیعہ کانفرنس کے شعبۂ تالیف و تصنیف کے رکن تھے۔ شعر و ادب، فلسفہ و منطق آپ کے خصوصی فن تھے۔ عربی قصائد میں شہرت حاصل تھی۔ مولانا کے کچھ قصائد میرے مجموعہ شعر العرب فی شبہ القارہ میں ہیں۔

بڑے خوش مزاج، انتہائی پرہیزگار، بے حد متقی، قانع، سخی، اور علم دوست تھے۔ طلباء و علماء میں سب محبوب اور عوام و خواص میں صاحب اعزاز تھے۔

۱۹۳۵ء کے قریب مجھے بھی حکیم آغن صاحب کے یہاں کچھ دنوں تک فیض صحبت اٹھانے کا موقع ملا، اس وقت میں کافیہ کے درجے میں پڑھتا تھا، شیعہ سنی لڑائی ہوئی تو میں اپنے والد مرحوم اور چھوٹے بھائی کے ساتھ تین چار دن تک حکیم آغن صاحب مرحوم کے یہاں رہا۔ جناب مرحوم بھی حکیم صاحب کے یہاں تشریف

لے آئے۔ مجھے یاد ہے کہ جناب تنہائی میں بڑی مفید نظم و نثر اور لطائف سناتے تھے۔

یکم ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۸ء ہفتہ کے دن ساڑھے چار بجے سہ پہر میں رحلت فرمائی۔ دریا پر غسل ہوا، علماء و رؤسا و راجگان کا اجتماع تھا۔ بعد غسل فیصلہ کیا گیا کہ لاش کربلائے معلیٰ کے لیے امانت رکھی جائے۔ چنانچہ سال بھر سے زیادہ امانت رہنے کے بعد ۴ شوال ۱۳۵۸ھ کو تابوت مقبرۂ راجہ صاحب پیر پور حرم حسینی کربلا میں دفن ہوا۔

تصانیف: • تقریر حاسم در نفی عروسی حضرت قاسمؑ • التوحید مختصر اردو کا رسالہ طبع لکھنؤ۔ • العدل مختصر اردو کا رسالہ طبع لکھنؤ۔ • النبوۃ مختصر اردو کا رسالہ طبع لکھنؤ۔ • التوحید ضخیم کتاب اور العدل طبع رام پور)۔ • النبوۃ ضخیم کتاب (طبع رام پور)۔ • الشافی شرح اصول کافی کتاب الایمان والکفر۔ • حاشیہ عربی بر نہج البلاغہ جو میرے کتاب خانے میں موجود ہے۔ • مسائل جعفریہ۔

تلامذہ: بے شمار علماء و افاضل نے آپ سے کسب فیض کیا۔ مثلاً • جناب ڈاکٹر جعفر حسین صاحب قبلہ مرحوم (م ۱۹۶۴ء) • جناب سید محمد حسین پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی م ۱۹۳۸ء • مولانا سید ذوالفقار حسنین صاحب • مولانا یوسف حسین۔ • حافظ کفایت حسین۔ • مولانا سید محمد عارف۔

ظہورالدین : ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء
۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

مولانا حکیم سید ظہورالدین بن سید محرم علی نوگانواں ضلع مراد آباد کے باشندے تھے۔ ظہورالدین صاحب نے ۶۵ یا ۱۲۶۴ھ کو ولادت پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کر کے مدرسۂ منصبیہ میرٹھ چلے گئے پھر ۱۳۰۳ھ میں لکھنؤ جا کر اساتذہ سے انتہائی درس لیے اور جناب بحرالعلوم سید محمد حسین صاحب قبلہ سے ۱۳۰۶ھ میں اجازہ امامت جماعت اور حکیم محمد جی صاحب سے سند طب لے کر وطن واپس گئے۔

مولوی محمد حسین صاحب کے بقول لکھنؤ میں ان کے ہم درس حضرات یہ تھے۔ محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا قدوۃ العلما مولانا آقا حسن صاحب، مولانا ساجد علی صاحب خواہرزادہ عماد العلماء، مولانا سید علی مردان صاحب مولانا مظہر حسن صاحب، طبیب بنارس، مولانا حامد علی صاحب مدرس اندور کالج، مولانا رضا حسین صاحب برادر بحرالعلوم

مولانا ظہورالدین صاحب بڑے مقدس، خلیق اور صاحب دست شفا تھے۔ راجہ محمد علی خان آف

۱۔ جناب مرحوم کے شاگرد مولانا ذوالفقار حسنین صاحب نے تاریخ وفات ۲۴ دسمبر ۱۹۳۸ء روز شنبہ وقت عصر بتائی ہے جو میری ڈائری سے مطابقت نہیں رکھتی دیکھیے رسالہ "ثقۃ الاسلام کلینی اور کافی" العلم لکھنؤ۔

حسن پور ضلع سلطان پور (اودھ) نے اپنے فرزند کا اتالیق مقرر کیا۔ راجہ صاحب کی رحلت کے بعد ملازمت چھوڑ کر نوگانواں آ گئے۔ مولانا آفتاب حسین صاحب نے دہلی میں مدرسہ قائم کیا تو آپ کو بلایا مگر آپ زیادہ دن نہ ٹھہر سکے۔ وطن واپس آئے اور کچھ دن بعد سلطان پور جا کر مطب کر لیا اور بڑی شہرت و عزت سے زندگی بسر کی۔ آپ نے دو مرتبہ زیارات مشاہد عراق و ایران اور ایک مرتبہ حج و زیارت مدینہ منورہ کا شرف حاصل کیا تھا۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ حسن پور ضلع سلطان پور میں وفات پائی۔ (بے بہا ص ۲۰۴)

ظہور اللہ :

۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۴ء
۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء

ظہور اللہ بن دلیل اللہ صدیقی بدایونی (مولود ۱۱۴۷ھ بدایون) نے علوم متداولہ اپنے وطن میں حاصل کیے پھر لکھنؤ گئے اور وہاں علمائے تعلیم علوم دین حاصل کی شعر و ادب سے دلچسپی تھی۔ حکیم بقاء اللہ خان اکبر آبادی سے اصلاح لی۔ مرزا جوان بخت بن شاہ عالم کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ شہزادے نے "خوش فکر خان" خطاب دیا۔ مدت تک لکھنؤ میں بھی رہے، پھر حج و زیارت کے لیے سفر کیا اور واپسی میں فتح علی شاہ قاچار کے دربار میں رسائی پائی ۱۷۹۹ء دربارِ ایران سے "سعدی ہند" خطاب پایا۔ وہاں سے حیدر آباد آئے۔ کچھ دن رہ کر وطن لوٹے اور ۱۲۴۰ھ میں رحلت کی۔ وحید اللہ بن سعید اللہ نے کہا:

نو فخر بدایوں بود و زائر

دیوانِ شعر فارسی یادگار ہے۔

فرزند : • قربان علی خان۔

تصانیف : • دیوان اردو۔ • دیوان فارسی • مثنوی وامق و عذرا اردو طبع شد۔

تلامذہ : • مولوی نجف علی ممتاز متوفی ۱۸۵۴ء۔ • مولوی اشرف علی نفیس متوفی ۱۸۵۸ء

ظفر مہدی جون پوری :

بعد ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

مولانا سید ظفر مہدی صاحب قبلہ جون پور کے رہنے والے اور مدرسۂ سلطان المدارس لکھنؤ کے فارغ التحصیل (صدر الافاضل) تھے۔ ۱۹۲۸ء کے ایک اخبار میں ان کے علم و تقدس کی تعریف اور قومی خدمات کو سراہا گیا۔

---

(۱) محمد سلیمان کہتے ہیں۔ پہلے حیدر آباد گئے۔ وہاں سے ایران گئے۔ موصوف کو نزہۃ الخواطر کے مطالعے کا موقعہ نہیں ملا ہے۔
دیکھیے ماہنامہ قومی زبان دسمبر ۱۹۷۲ء کراچی "بدایون کے قدیم اردو شعراء"، از مولوی محمد سلیمان بدایونی۔ و نزہۃ الخواطر ۷، ص ۲۲۷۔

عابد حسین، سید : ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء — ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء

مولانا سید عابد حسین ابن مولوی سید ہاشم علی بھیک پور (ضلع چھپرہ بہار ہند) میں پیدا ہوئے سنہ ولادت ۱۲۸۱ھ ہے، والد نے تعلیم دی پھر دوسرے اساتذہ سے پڑھا، شوق بڑھا تو لکھنؤ میں مولانا علی نقی داعی پوری اور دوسرے علما کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کسب کمال و فراغتِ تعلیم حاصل کر کے مظفر نگر میں اصلاح و تبلیغ، درس و تدریس، جمعہ و جماعت کا سلسلہ قائم کیا۔

مدرسۂ سلطان المدارس قائم ہوا تو جناب نواب آغا آقو صاحب یا مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ نے مدرسے میں درس کے لیے بلا لیا اور مدرس اعلیٰ بنایا۔ مولانا عابد حسین صاحب اپنے تقدس، اخلاق، حسنِ تدریس اور کمال فن کی وجہ سے طلبہ میں بہت عزت و احترام کے مالک تھے۔ فلسفہ و منطق سے خصوصاً شغف تھا، لوگ عموماً "عابد حسین فلسفی" کہتے تھے۔ اساس البلاغہ زمخشری کا نول کشوری ایڈیشن مولانا کے مقدمہ و تصحیح کے ساتھ چھپا ہے۔ اس مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا، عربی نظم و نثر و لغت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

غالباً عراق بھی گئے تھے کہ آیت اللہ سید کاظم طباطبائی ان کے مداح تھے۔

مولانا کی تاریخ وفات، ۲۷ شعبان ۱۳۲۷ھ ہے۔ (بے بہا ۲۵۰)

عابد حسین، خواجہ : حدود ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء — ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

مولانا خواجہ عابد حسین سہارن پور، میرٹھ، دہلی، پنجاب اور متعدد علاقوں میں مرجعیت رکھتے تھے۔ علم و عمل میں مشہور اور تحریر و تقریر و تدریس و تبلیغ دین و اخلاق میں قابلِ فخر مانے جاتے تھے۔

مولانا حدود ۱۲۶۲ھ سہارن پور میں پیدا ہوئے ان کے والد بخشش حسین انصاری حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد سے تھے اور سہارن پور میں خوشحال زمیندار کی زندگی گذارتے تھے۔ موصوف نے اپنے فرزند کو علوم دین کی تعلیم دلائی مولانا عابد حسین صاحب نے فارسی اور ابتدائی کتابیں قاضی غلام عباس ہندسے پڑھیں پھر لکھنؤ گئے اور وہاں کے اساتذہ سے تلمذ کیا۔ مولانا سید حسین صاحب، مولانا علی محمد صاحب تاج العلماء مولانا محمد ابراہیم صاحب اور مولانا سید نقی صاحب مرحومین سے اعلیٰ تعلیم اور اجازے لے کر وطن آئے اور بیان مسائل، وعظ، نماز اور درس کا سلسلہ شروع کیا۔ ذہین، جید الحافظہ اور فاضل ہونے کی بنا پر مدرسوں نے بلانا شروع کیا۔ آپ نے متعدد مدرسوں میں درس دیا مثلاً کورٹ جلی، مدرسۂ جعفریہ میراں پور (بارہہ) ایک مدت مدید تک مدرسۂ منصبیہ میرٹھ میں مدرس اعلیٰ رہے۔ بے شمار طلبہ کو پڑھایا۔ ان شاگردوں میں بہت سے حضرات علم و عمل کے عروج کو پہنچے۔ شہر شہر قریے قریے

میں پیش نماز ترویج مذہب کے لیے بھیل گئے۔ آپ خود خوش بیان اور خوش تقریر و خوش قلم تھے۔ طلبہ پر اس کا بہت اثر تھا۔

۲۵، ۱۳۲۶ھ میں زیارات کے لیے گئے اور مشاہیر و اکابر کربلا و نجف سے اجازات و فیوض حاصل کرکے وطن آئے۔ قصبہ سرسی ضلع مراد آباد میں قیام فرمایا اور طویل عمر پاکر ۶، ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ کو رحلت فرمائی۔

مولانا عربی کے بھی انشا پرداز تھے۔ فارسی میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کے شاگرد آپ کے اس جذبے کے بہت مداح تھے کہ طلبہ کو خوش حال و معزز دیکھنا پسند کرتے اور ان کو عالی ہمتی اور عزتِ نفس کی تربیت دیتے تھے۔ اور خود بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

تصانیف: • اشعار المومنین فقہ۔ • نصر المومنین مناظرہ۔ • قواعد مدنی علم ہجا • یوسفیہ (عربی) فنِ نحو
- کھری بات (عقائد) • قرآن السعدین (ترویج معصومہؑ) • قصہ جمیلہ بنت عامر (نظم عربی)
- مفتاح البیان دو جلد (ادب عربی) • پنجۂ فولادی (مناظرہ) • تحفۃ الصائمین (فقہ) • کلمۃ التوحید (مناظرہ)
- انذار الناذرین (بحث در نذر و یاعلی مدد، طبع شد) • یاعلی مدد (در موعظہ، مطبوعہ) • اعجاز وصی (نظم)
- ذخیرۃ المعاجز (نظم اُردو) • ورد جمیل (مناظرہ) • معجزۂ امیر المومنینؑ (حدیث) • شرح اربعین (حدیث)
- اعلام المستبصرین (فقہ) • مطالب الشافیہ فی شرح الکافیہ (نحو، عربی) • دافع المغالطہ (فقہ استدلالی)
- قضایا جناب امیر المومنینؑ (اُردو، مطبوعہ) • رسالہ ردِ شمس (طبع شد) • اجوبہ و اسئلہ (عربی)
- اعمال محرم و اربعین اُردو (مطبوعہ) • عمدۃ المصائب (طبع شد، اردو) • ترجمہ جامع عباسی مکمل (فقہ، اُردو، مطبوعہ)
- حساب الاحکام (فقہ) • ترجمۂ سفینۃ النجاۃ (اُردو) اوراد و ظائف (مطبوعہ) • ترجمہ شرائع الاسلام (اُردو) فقہ مطبوعہ۔ • ترجمۂ فتح السبیل (کلام و عقائد) • ترجمہ انذار الناذرین۔ فارسی، مطبوعہ۔
- یاعلی مدد، فارسی، مطبوعہ۔ • ترجمہ رسالۂ استخارہ مجلسی، اُردو مطبوعہ۔ • ترجمۂ لآلی مکنونہ، ادعیہ و اوراد
- مناجات نظم اُردو۔

تلامذہ: میں اہم ترین عالم ہیں مولانا ظہور حسین صاحب قبلہ اور مولانا محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا (بے بہا)

عابد حسین، نوگانوی: حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

مولانا سید عابد حسین بن مولوی سید صادق علی صاحب نوگانواں ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے، سن شعور کو پہنچے تو نگرولی میں مولوی اصغر حسین صاحب سے ابتدائی کتابیں پڑھ کر مدرسۂ منصبیہ میرٹھ چلے گئے۔ وہاں سے درسیات متوسطہ کا درس لینے کے بعد لکھنؤ کے مدرسۂ مشارع الشرائع ناظمیہ سے سندِ کمال حاصل کی۔ اور

منجن پور ضلع الہ آباد میں بلا لیے گئے جہاں مولانا نے دینی خدمات انجام دیے۔ مولانا بڑے قانع، عابد، مدرس اور اچھے واعظ و خطیب تھے۔ سنہ ۱۳۴۲ھ کے بعد رحلت کی۔ (بے بہا ۲۶۵)

عاشق حسین :
۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء
۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء

عاشق حسین بن حکیم تفضل حسین صاحب معقولات و منقولات سے باخبر مولانا عبدالوہاب کے شاگرد تھے۔ مطب کرتے تھے۔ مناظرے اور شعر گوئی میں ید طولےٰ تھا۔ اوج مرحوم سے اصلاح سخن لی تھی۔ بلہرہ وطن تھا۔ جہاں ۱۳۳۸ھ میں رحلت کی۔

اولاد : مولانا عارف حسین صاحب صدرالافاضل۔ محمد حسین اور مرتضیٰ حسین مرحوم۔

تصانیف : ضربت حیدری (مثنوی اُردو) سکۂ حیدری مثنوی اُردو، دونوں مطبوعہ (بروایت مولانا عارف حسین صاحب)

عالم حسین :
حدود ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء
۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء

جناب مولانا سید عالم حسین صاحب قبلہ بڑے گاؤں ضلع فیض آباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۸۵ھ کے لگ بھگ ولادت ہوئی۔ وطن میں اور فیض آباد میں ابتدائی تعلیم کے بعد سلطان المدارس سے صدرالافاضل کیا پھر اسی مدرسے میں ادب کے اُستاد معین ہو گئے۔ بے حد مقدس، بہت محتاط، لغت و شعر عرب کے ماہر و حافظ تھے۔

متنبی، حماسہ، سبعہ معلقہ، نہج البلاغہ جیسے اعلیٰ کتب مدرسے میں اور ہر ذوق و سطح کے طلبہ کو مختلف کتابیں پڑھاتے تھے۔ عربی نظم و نثر قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ جس کا ایک نمونہ "ترجمۂ مصنف اسد الرغائب" ہے جو مذکورہ کتاب کے خاتمے میں نجف سے ۱۳۴۷ھ میں چھپ چکا ہے۔

مولانا عالم حسین صاحب، مولانا شبیر حسین صاحب جون پوری، شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب کے ذوق شعر عرب کی وجہ سے لکھنؤ کے عربی مقاصدوں کے چرچے عراق و عرب تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان حضرات نے عربی ادب کی روایت کو لکھنؤ میں نتیجہ خیز بنایا۔ ان کے شاگرد عربی کے بڑے اچھے اچھے شاعر ہوئے ہیں۔ مولانا نے غیر مطبوعہ ضخیم دیوان عربی غیر مطبوعہ اور مقدمۂ اسد الرغائب مطبوعہ یادگار چھوڑ اور سینکڑوں شاگرد۔

مولانا عالم حسین صاحب قبلہ مدرسۂ سلطان المدارس سے مدت ملازمت ختم کر کے وطن گئے اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ / جولائی ۱۹۳۴ء کو واصل بحق ہوئے۔

تلامذہ : • مدرسہ سلطان المدارس کی صفِ اوّل و دوم کے تمام صدر الافاضل۔
خصوصاً : • مولانا مرزا یوسف حسین صاحب (میانوالی) • مولانا محمد مصطفےٰ صاحب قبلہ جوہر (کراچی)
• مولانا محمد عادل صاحب (کراچی) • مولانا کلب حسین صاحب۔ • مولانا ابن حسن صاحب نونہروی
• مولانا انتصار مہدی صاحب۔ • مولانا سید احمد صاحب • مولانا سید محمد صاحب قبلہ۔
• مولانا سید حسن صاحب۔ • مولانا سید حسین صاحب • مولانا محسن نواب صاحب۔
• مولانا علی نقی صاحب ۔ اور مصنف حقیر مرتضیٰ حسین

اولاد : • مولانا خادم حسین صاحب۔ • مولانا جواد حسین صاحب • مولانا زین العابدین صاحب اور ایک اور فرزند جن کا نام مجھے یاد نہیں آرہا ہے۔ یہ سب سے چھوٹے تھے اور میں نے حج کے موقع پر مکۂ مکرمہ میں ان سے ملاقات کی تھی۔ (اعلام الشیعہ، طبع نجف)

عالی جاہ بہادر محمد رضی : ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء

دلیر الدولہ نواب میرزا حیدر بہادر موسوی کے فرزند، نواب عالی جاہ عرف منجھلے صاحب[1] لکھنؤ کے امیر کبیر خاندانی وجاہت دنیاوی ریاست کے ساتھ ساتھ علوم دین میں ماہر تھے۔ ان کے والد نے دینی بنیادوں پر تربیت دی تھی۔ جب ہوش سنبھالا تو جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب، مولانا سید علی صاحب، اور مولانا صفدر شاہ صاحب سے منطق و فلسفہ، صرف و نحو، فقہ و اصول کی تعلیم مکمل کی۔ پھر عراق کے علماء سے استفادہ کے بعد اجازہ ہائے روایت و اسناد کمال سے سرفراز ہو کر وطن آئے۔

نواب عالی جاہ کا سفر حج و زیارات اس عہد کا مشہور سفر تھا، وہ لکھنؤ سے حشم و خدم، جاہ و جلال، ملازمین و رفقاء اخیار کے ساتھ کابل و ہرات و ایران و عراق ہوتے ہوئے حج سے مشرف ہوئے۔ راستے

---

[1] مرزا محمد علی مؤلف تکملہ نجوم السماء نے لکھا ہے

سید محمد رضی عالی جاہ بہادر موسوی ابن سید محمد علی مشہور بہ دلیر الدولہ نواب میرزا حیدر خان مرحوم لکھنؤ کے رئیس اعظم اور عالم جلیل جناب سید تقی صاحب جناب سید علی اور صفدر شاہ صاحب سے متوسطات پڑھ کر عراق گئے اور وہاں کے علماء سے درس لیا، خصوصی طور پر ملا دربندی (متوفی ۱۲۸۵ھ) اور جناب علی نقی طباطبائی سے معقولات و منقولات کا دورہ مکمل کیا۔ دونوں جلیل القدر عالموں نے اجازے دیئے (دونوں اجازے تکملہ نجوم السماء میں موجود ہیں) عراق سے تکمیل تحصیل کر کے وطن پلٹے۔

میں بارشِ کرم اور دریائے سخاوت نے ہزاروں کو فیض یاب کیا۔

آپ مقدس، متقی، پرہیزگار، عبادت گذار، خوش اخلاق، غربا پرور، علم و علما کے قدرداں، اور درس و تدریس کے شوقین تھے۔ گھر پر درس دیتے تھے اور طلبا کی مالی امداد بھی فرماتے تھے۔ خوفِ خدا غالب تھا۔ عموماً چشم پُرنم رہتے تھے۔ انکسار و عاجزی کی بنا پر تصنیف و تالیف سے گریز کیا۔ عربی، فارسی، اردو میں اشعار مدح اہلِ بیت و مراثی لکھتے تھے۔ شرف[1] فراز علی قادر سے اصلاح لیتے تھے۔

احسن التواریخ (لکھنؤ) میں ایک گروپ فوٹو ہے۔ جس میں ایک تصویر کا تعارف یوں ہے "وحید الدولہ عضد الملک میرزا مہدی حسین، خان بہادر میرزا عالی جاہ" تصویر میں لکھنؤ کے علما کا لباس ذرا نکلتی ہوئی ڈاڑھی، سر پر عمامہ، جسم پر قبا ہے جیسے سلطان العلما کی تصویر ہو۔ دوسری تصویر والاجاہ بہادر کی ہے تیسری تصویر نواب صاحب کے فرزند نواب مہدی حسن خان کی ہے۔

نواب صاحب آخر عمر میں زیارت کے لیے وطن سے روانہ ہوئے اور بمبئی[2] پہنچ کر رحلت فرما گئے۔ منیر شکوہ آبادی کے دو[3] قطعے ان کے دیوان میں ایسے ہیں جن سے نواب صاحب کی سیرت و اخلاق و وفات پر روشنی پڑتی ہے:

حضرت نواب عالیجاہ کروبی منش — آنکہ در راہ خدا با خاطرِ آگاہ رفت
چوں دوبارہ بست احرام طوافِ کربلا — از دیار لکھنؤ تا بمبئی دلخواہ رفت
ناگہاں برکند دل زیں ہستی ناپائیدار — جانبِ فردوس با توفیق حق ہمراہ رفت
گفت تاریخ وفاتش ہاتف غیبی منیر — در جناں نواب صاحب جود عالیجاہ رفت ۱۲۸۱ھ

ایضاً

منجھلے صاحب حضرت نواب عالیجاہ تھے — لکھنؤ کے سب امیروں میں بہت صاحب نمود
میرزا سید بہادر کے تھے فرزند وسیط — خلق کا ان کے نمونہ ہے شمیم مشک و عود
شاعر و شاعر نواز و فاضل و علامِ عصر — صالح و محتاط و محوِ طاعتِ ربِّ ودود
لکھنؤ سے بہر زیارت کے ارادے پر چلے — بمبئی سے باغ جنت میں کیا جا کر ورود
وصف ان کے نظم میں تاریخ رحلت میں منیر — حاجی و زائر امیر متقی دریائے جود ۱۲۸۱ھ

عباس حسین، قادری :

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء
۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

---

[1] خوش معرکۂ زیبا جلد اول صفحہ ۳۴۳

[2] [illegible] سے اور بیٹے کا نام ہے۔ مہدی حسن خان۔

شمس العلما مولانا حافظ سید عباس حسین صاحب ابن مولانا سید جعفر علی بن افضال علی بن رحم علی رضوی جارچوی حفظ قرآن، تجوید و قرات معقولات و منقولات میں فاضل تھے۔ منتقی اور صاحب نفس قدسی بزرگ تھے۔ دہلی کالج میں اپنے والد کی جگہ شعبہ دینیات کے پروفیسر مقرر ہوئے پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شیعہ دینیات کی حیثیت سے چلے گئے۔ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۱۴ء میں شمس العلماء کا خطاب پایا۔ سر سالار جنگ مرحوم نے حیدرآباد دعوت دی مگر آپ نے علی گڑھ کو چھوڑنا پسند نہ کیا، وہاں کے شیعہ سنی طلباء و اساتذہ آپ پر جان نثار کرتے اور بے حد احترام سے پیش آتے تھے معقولات میں مشہور تھے۔ آپ نے عقد بیوگان کی تحریک شروع کی تھی۔

مولانا عباس حسین صاحب نے تقریباً پچاسی برس کی عمر پاکر ۲۸ جولائی ۱۹۲۶ء / صفر ۱۳۴۵ھ کو رحلت فرمائی۔

تصانیف: الفرائد البهیہ (عربی) منطق طبع ۱۳۱۲ھ۔ هدایۃ الصلوٰۃ اُردو مطبوعہ۔ هدایۃ ناصریہ اُردو مطبوعہ۔ نکاح بیوگان (بکر) اُردو مطبوعہ (بے بہا: ۲۵۸. اعلام الشیعہ) المتین (منطق) ازالۃ الاوہام در علم باری تعالیٰ۔ غایۃ الافکار۔ کتاب الحرف ما بین النحو والصرف۔ شرح صدرا۔ کشکول عباسی۔ حسام عباسی۔ (تکملہ نجوم السماء ج ۱، ص ۲۵۷)

عبدالباقی، نہاوندی :

۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء
۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۶ء

ملا عبدالباقی بن آقا بابا نہاوند کے مشہور علماء میں تھے (۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء) جولک (نہاوند) میں پیدائش و پرورش ہوئی۔ اپنے والد اور بھائی آقا خضر ہی کے سامنے اعزازات تک پہنچے۔ ہمدان کے حاکم رہے۔ ۱۰۱۴ھ میں آقا خضر قتل ہو گئے تو ملا عبدالباقی حج و زیارت کو چلے گئے۔ ۱۰۲۳ھ میں برہان پور آئے اور عبدالرحیم خان خاناں سے متوسل ہوئے اور ۱۰۲۵ھ میں "مآثر رحیمی" مکمل کی۔ پھر مہابت خان جہانگیری سے تعلق پیدا ہوا اور بہار کے والی نامزد ہوئے۔

بقول عبدالحی بحوالہ تاریخ محمدی ۱۰۴۲ھ اور بقول صاحب قاموس المشاہیر ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء عبدالحمید یزدانی کے خیال میں ۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۷ء میں وفات پائی۔

تصانیف: • اشعار۔ • مآثر رحیمی مطبوعہ (تاریخ ادبیات فارسی ج ۲ ص ۵۰۸، لاہور۔ نزہۃ ج ۵۔ قاموس المشاہیر)

عبدالرشید :

حدود ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء
۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

حاجی مولانا شیخ عبدالرشید بن مولانا محمد نصیر الدین صاحب قبلہ گوپال گنج ضلع اعظم گڑھ (ہند) کے رہنے

والے تھے۔ لکھنؤ کے اکابر علما سے تحصیلِ علم کی اور درجۂ اجتہاد کے قریب پہنچے۔ عابد و زاہد تھے۔ انہتر برس کی عمر پائی۔

عربی و اردو میں متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ مناظر میں بڑی شہرت تھی۔ حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں رحلت فرمائی۔

تصانیف: • احسان المحسنین (فارسی) • ازجار المجانین (عربی) • افصح فصیح • تل طبل • رضخ الحجار۔ • خفض النواصب۔ • رسالۃ الیومیہ (عربی) • خیر المتون، منطق (عربی)

تلامذہ: • مولانا عطا حسین صاحب (فرزند) • مولانا کاظم حسین صاحب۔ • مولانا غلام حسین صاحب

(بے بہا، ۲۵۱)

عبد الحسین، پاراچنار:

حدود ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء
حدود ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا عبد الحسین صاحب قبلہ شلوزان پاراچنار کے باشندے تھے۔ عراق میں تحصیلِ علم کر کے وطن واپس آئے۔ فقہ و علوم دین کی ترویج میں حصہ لیا۔ بڑے باوقار، مقدس، عابد، عالم و واعظ تھے۔ پشتو میں ان کی تقریر بڑی دل کش اور اثر انگیز ہوتی تھی۔

حافظ کفایت حسین صاحب کے بعد چھ ماہ تک کورم ایجنسی کے قاضی رہے۔ ان سے مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ نے چارج لیا تھا، مولانا صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ اس وقت مولانا کی عمر ساٹھ، ستر کے درمیان معلوم ہوتی تھی۔ اس لیے اگر ۱۹۳۳ء سے ساٹھ سال نکال لیے جائیں تو سنہ ولادت ۱۸۷۳ء قرار پاتا ہے۔

مولانا عبد الحسین نے ۱۹۴۵ء کے بعد وفات پائی۔ (بروایت مولانا یوسف حسین صاحب)

عبد الحسین، سید:

۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء
۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء

مولانا عبد الحسین صاحب قبلہ مدرسۃ سلطان المدارس کی علمی شان اور علما کے وقار و ریاست علم کی نمایندہ شخصیت تھے، بھاری بھرکم، عظمت و جلالت کا آئینۂ تقدس و طہارت، علم و فضل، اخلاق و مروت، وضع داری میں منفرد تھے۔

فلسفی و منطقی، شگفتہ مزاج، ادیب و شاعر تھے، ہیبتِ علم کا یہ عالم ہم سب

نے دیکھا کہ چھوٹے بڑے دوست اور شاگرد بات کرتے ڈرتے اور تقریر کرتے ہوئے تھراتے تھے۔
سلطان المدارس کے انتظامی معاملات کے مشیر تھے۔

مولانا عبدالحسین صاحب قبلہ یکم شوال ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸ ماہ اپریل ۱۸۹۳ء کو اپنے وطن حسین آباد ضلع مونگیر بہار میں پیدا ہوئے۔ والدگرامی کا نام شاہ منت حسین ہے۔ ابتدائی تعلیم پٹنے میں ہوئی۔ ۱۹۰۸ء میں لکھنؤ آئے اور مدرسۂ ناظمیہ میں نام لکھوالیا، ۷ مارچ سے ۱۶ نومبر تک ناظمیہ میں پڑھنے کے بعد ۱۷ نومبر کو سلطان المدارس میں داخلہ لیا اور پورا تعلیمی زمانہ جامعۂ مذکور میں گزارا۔ اسی اثنا میں اپنے ماموں کے ساتھ مدرسۂ عالیہ رامپور سے مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی کا امتحان دینے گئے۔ مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مولوی فاضل بہت سخت امتحان ہوتا تھا۔ اسی دور میں فیض آباد جاکر مولانا محمد رضا صاحب قبلہ سے وثیقہ اسکول میں معقولات (شمس بازغہ، وغیرہ) کا درس لیا مولوی فاضل پاس کر کے جامعہ میں آئے اور صدرالافاضل پاس کیا۔

۱۵ فروری ۱۹۱۹ء میں مدرس جماعت ششم اور یکم مارچ ۱۹۲۰ء میں جماعت ہفتم کے مدرس ہوئے۔ اس زمانے میں طلبا آپ سے نجی طور پر مختلف کتابیں پڑھتے تھے۔ ۷ مارچ ۱۹۲۸ء میں مولانا محمد رضا صاحب قبلہ کی جگہ مدرسے کے اعلےٰ نصاب معقولات کے لیے مولانا کا انتخاب ہوا اور آپ سندالافاضل کے استاد معقولات مقرر ہوئے۔ کم و بیش ۲۵ برس تک شرح مطالع الانوار، حمداللہ، صدرا، شرح تجرید، افق المبین سندالافاضل کے طلبا اور دوسرے طلبا کو شفا، اشارات، شرح اشارات اور دوسرے کتب معقولات کا درس دیتے رہے۔

مدرسے سے ریٹائرڈ ہو کر وطن چلے گئے تھے اور حسین آباد ہی میں دوشنبہ ۲ اکتوبر ۱۹۶۱ء ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ کو انتقال فرمایا۔

مولوی صاحب قبلہ کی رحلت سے فلسفہ و منطق کی آخری سندی شخصیت اٹھ گئی۔

تمام دنیا میں آپ کے تلامذہ نے بڑے گہرے تاثرات کا اظہار کیا، چونکہ مولوی صاحب مرحوم کی اولاد نہ تھی، اس لیے تمام شاگردوں کو اپنا فرزند جانتے تھے اور ہم سب ان کو بجائے پدر سمجھتے تھے۔ "الواعظ لکھنؤ" نے اکتوبر ۱۹۶۱ء کو مخصوص شمارہ شائع کیا جس میں مولوی صاحب قبلہ کی تصویر اور سوانح اور مجھ سمیت متعدد اہلِ قلم کے مضامین چھاپے تھے

مولانا عبدالحسین صاحب کو میں نے پندرہ بیس سال دیکھا۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لباس، درس ہر چیز میں نفاست اور نوابی تھی۔ وہ کمرے سے درجے تک آتے تو راستہ معطر ہو جاتا تھا۔ بغل میں صراح و اشارات عموماً ہوتی۔ خالی وقت میں ان دو کتابوں کو دیکھتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کی۔

حضور، صراح بھی کوئی اہم لغت ہے، اور اشارات بھی ہمیشہ پڑھنے کی کتاب ہے، مسکرا کر جواب دیا صراح کے مطالعہ سے صحاح کا اعادہ ہوتا ہے۔ اس کے مطالب یاد آتے ہیں اور اشارات کو تم کیا سمجھو، بڑی عجیب کتاب لکھی ہے شیخ نے

مولوی صاحب بہت مطالعہ اور فکر فرماتے تھے، ان کے مذہبی مقالات "سہیل یمن" اور دوسرے معیاری رسالوں کی زینت ہوتے تھے۔ اردو کم، پھر فارسی اور سب سے زیادہ عربی میں شعر لکھتے تھے۔ ان کے قصائد قدیم عرب اسلوب کے بہترین قصائد ہوتے تھے۔ وہ طلبا کی ہمت افزائی بھی فرماتے اور ان سے عربی میں شعر لکھواتے تھے، مگر نازک مزاج اور اعلےٰ ذوق رکھنے کی وجہ سے غلطی یا بے لطف بات پر منغص بھی ہو جاتے تھے۔ میرے پاس ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قصیدہ کا انتخاب ہے جو ان صفحات میں محفوظ کر رہا ہوں۔

اجوب قفار الیس فیهن صاحبی	سوی حَسَنٍ یوذی وغیر النوائب
اذا همت فردا فی المواطن کلها	فطرفی حکت فی البید نسج العناکب
اطوف ببرد اللیل حیران عاریا	وفی الحر اسعی حافیا لما ربی
وما ذلک المسعی لاجل زخارف	وتحصیل اموال ونیل الرغائب
ولیس ارتحالی لاکتساب معیشة	ولکن سعی للعلی فی السباسب
وما المجد الا درک کل فضیلة	ولیس العلی الا ولاء آل غالب
ولاسیما المولی الذی صار فی الوری	بافضال ربی مظهرا للعجائب
وفی مدحه قال الرسول محمد	احادیث فضل مظهر المناقب
کریم السجایا ذو المفاخر والعلی	اخو المصطفیٰ صنو العقیل وطالب
اذا رام سطا فی مارق الحرب اصبحت	اسود الثری خوفا کمثل الثعالب
وجبریل نادی فی ثناه بلافتی	اذا صال مولی الناس وسط الکتائب
اتی "هل اتی" فی جوده وسخائه	وهذا "کفی" فی مدحه والمناقب

عبد الحسین، شیخ : حدود ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء — ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

مولانا شیخ عبد الحسین صاحب بمبئی کے مشہور عالم اور مغل مسجد کے مقدس پیش نماز تھے، سترہ سال تک مختلف دینی اور تبلیغی خدمات انجام دیئے۔ آخر باسٹھ سال کی عمر میں شب یازدہم ربیع الاول ۱۳۲۴ھ

کو مہلت کی۔ (اصلاح کھجوہ، نمبر ۴ جلد ۹)

عبدالحسین، مرزا:
حدود۔ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء
حدود۔ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا مرزا محمد عسکری صاحب لکھنؤ کے پرانے رئیس و صاحبِ علم بزرگ تھے۔ ان کا امام باڑہ اور اس میں ایک نفیس کتب خانہ میں نے دیکھا ہے۔ ان مولانا محمد عسکری صاحب کے فرزند جناب مولانا مرزا عبدالحسین صاحب لکھنوی کی ولادت ۱۳۰۰ھ کو کربلا میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، پھر لکھنؤ آئے اور تکمیل و تدریس علوم کے مراحل سے گذر کر تبلیغ کی زندگی شروع کی۔ مولانا عبدالحسین صاحب قبلہ رجال میں مہارت رکھتے تھے اور صحیح بخاری کے روات پر بڑی تحقیق کی تھی۔ آخری عمر میں اس ضخیم کتاب کا ابتدائی خلاصہ "رجال بخاری" کے نام سے چھپا۔

حدیث و اصول، کلام و فقہ پر دسترس تھی اور متعدد کتابیں لکھیں۔ خطیب و واعظ، مصنف و محقق مقدس و ورع تھے۔ ایک زمانے میں خیرپور میرس سندھ میں امام جمعہ و جماعت و مفتیِ ریاست بھی رہے تھے۔

تصانیف: • رجال بخاری مکمل، اردو (میرے پاس دو جلدیں ہیں لیکن چوتھی جلد بھی نظر سے گذری ہے) • حقیقۃ السرائر فی اکبر الکبائر، عربی، مطبوعہ کتاب ہے۔ گناہانِ کبیرہ پر احادیث کی روشنی میں بحث اور فرنگ پر مفصل گفتگو ہے۔ لکھنؤ کا مطبوعہ نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ • التخلف عن الثقلین، عربی،

مصفی المقال - اعلام الشیعہ

عبدالحفیظ، مدراسی، حیدرآبادی:
۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء
حدود ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

مولانا عبدالحفیظ صاحب، ایرانی النسل تھے، مدراس میں پیدا ہوئے، حیدرآباد اور عراق میں تعلیم حاصل کی اور درجۂ اجتہاد تک پہنچے، سرسالار جنگ آپ کے شاگرد تھے۔ بہت نیک اور پاک نفس بزرگ تھے۔ ۱۳۴۵ھ میں آپ کی عمر ستر برس کے قریب بتائی جاتی تھی۔ (بے بہا ص ۲۶۴)

عبدالرحیم بلبلہ مرزا، ثقۃ الاسلام:
۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء
۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

جناب ثقۃ الاسلام مولانا عبدالرحیم، کاکیشا کے شہر باکو میں ۲۲ اگست ۱۸۷۷ء کو بمقام بلبلہ پیدا ہوئے۔ بچپنے سے طبیعت کا میلان دین کی طرف تھا۔ والدین کی خواہش بھی ساتھ تھی۔ لہٰذا ابتدائی مدارج طے کر کے دولت و ثروت کو ٹھکرا دیا اور طہران آکر حدیث و

فقہ و کلام و ریاضی و حکمت و فلسفہ پڑھا، سطحیات سے فارغ ہو کر نجف اشرف و کربلا و سامرہ کے اساتذہ سے درس اعلیٰ اور درس خارج لیا۔

آیۃ اللہ سید محمد کاظم طباطبائی اور آیۃ اللہ ملا محمد کاظم خراسانی جیسے پندرہ مجتہدین کرام سے اجازے لیے، پندرہ سال تک عراق میں رہ کر ایران آئے۔ ایران میں سیاسی خلفشار تھا۔ ثقۃ الاسلام نے پارلیمانی طرز حکومت کی حمایت کی، انگریزوں کے خلاف مقاطعہ کی تحریک میں حصہ لیا اور علماء عراق کے لیے اسلامی ممالک کے بنے ہوئے کپڑے بنوا کر بھجوائے اور انگریزی کپڑے ترک کرنے کی درخواست کی۔ حکومت ترکیہ نے ان کی کوشش کو سراہتے ہوئے انھیں "ثقۃ الاسلام ذو الریاستین، شمس التقیٰ" کے خطاب و القاب اور طلائی تمغے دیئے۔ روسی حکومت ان کی سخت مخالف ہو گئی۔
۱۹۱۴ء کی جنگ سے پہلے اپنے والد ماجد کے ہمراہ باکو واپس جانا چاہتے تھے مگر روس نے کاکیشیا کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور والد نے رحلت کی۔ آذربائیجان میں آپ کی املاک ضبط کر لی گئیں ~~...~~ روسیوں نے آپ کے بھائی کو قتل کر دیا۔ لہٰذا جناب ثقۃ الاسلام بمبئی تشریف لے آئے۔

مولانا نے عراق، شام، ترکستان وغیرہ کا سفر کیا تھا اس لیے ان کی فکری سطح بہت بلند تھی۔ اسلامی معاملات و مسائل پر عبور تھا۔ عالی حوصلہ، بلند نظر سخی اور فعال عالم ہونے کے ساتھ ساتھ منور الضمیر، پرہیزگار، عابد و مجتہد تھے۔ قومی ترقی کے لیے بہت اچھے اچھے کام کیے۔ یتیموں کے لیے مدارس و تربیت کا انتظام اپنی جیب سے کرتے تھے۔ ایک اسکول لڑکوں کے لیے ایک اسکول لڑکیوں کے لیے قائم کیا اور آخر الذکر ادارے کو اکیس سال تک اپنی جیب خاص سے چلاتے رہے۔ ۵ مارچ ۱۹۳۵ء میں شیعہ کانفرنس کے اجلاس میں جو منٹ کی پوری قوم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ تجارت بھی کرتے تھے اور دینی فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ اسلامی تبلیغات اور فکری تحریکات میں ان کا حصہ اہل بمبئی کے لیے ناقابل فراموش ہے۔
جنوری ۱۹۴۷ء میں حرکت قلب بند ہو جانے سے اچانک رحلت فرمائی۔ پورے شہر کے شیعہ سنی سوگوار ہوئے۔ نواب صاحب رام پور اور بہت سے اکابر نے جنازے میں حاضری دی۔ (انجمن، جوبلی)

مرزا عبدالرحیم بلبلہ ان علما میں تھے جو انگریزوں اور روسیوں کے خلاف ایران و ممالک اسلامیہ کی آزادی کے علم بردار تھے۔ ان کے معاصر اکابر علما استعماری طاقتوں سے ٹکرا کر قید حیات سے آزاد ہوئے، گولیوں کا نشانہ بنے اور قتل و جلاوطن کیے گئے۔ عبدالرحیم بلبلہ بھی جلاوطنی و ہجرت کی آزمائش میں مبتلا رہے مگر ان کی مسلمان دوستی اور خدمت ملت کا جذبہ سرد نہ ہوا، مشکل یہ تھی کہ قوم انگریزوں کے سخت شکنجے میں قوت عمل سے محروم ہو چکی تھی۔

عبدالرضا، متین، اصفہانی :
۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء
۱۱۷۵ھ / ۱۷۶۱ء

عبدالرضا نجفی اصفہانی کی ولادت ۱۱۳۰ھ اصفہان میں ہوئی۔ معاصر اساتذہ و علما سے تحصیلِ علوم کی۔ عالم و فاضل، فلسفی و فقیہ تھے۔
برہان الملک اور ابوالمنصور صفدر جنگ و شجاع الدولہ کے ساتھ رہے "بھانسی" کے راجہ بینی بہادر سے جنگ کر کے شکست دی۔ عبدالرضا قاسم علی خان نواب بنگالہ کے یہاں بھی رہے اور وہیں رحلت کی۔ سنہ وفات ۱۱۷۵ھ ہے۔ (نزہتہ ج ۶۔ ص ۱۵۰)

. . . .

عبدالعلی شیخ، الجابلقی :
حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۳۸ء

عربی الاصل، عالم و فقیہ شیخ عبدعلی بن محمود الخادم الجابلقی مشہور فلسفی عالم میر باقر داماد ان کے استاد اور شمس الدین محمد بن علی مشہور بہ ابنِ خاتون کے ماموں ؛
نظام شاہ دکن کے حکم سے شہید اول کی فقہی تالیف الالفیہ کی شرح النظامیہ تالیف فرمائی تھی (امل الآمل ج ۱ ص ۱۵۵)

. . . .

عبدالعلی، جونپوری :
۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء

جناب سید عبدالعلی بن علی عظیم جون پور کے باشندے اور مفتی مبارک بن ابی البقاء حسینی حنفی کی اولاد سے تھے۔ سید محمد عسکری سے درس لیا۔ منطق، حکمت و ادب میں ماہر تھے۔ عربی و فارسی میں شعروں کا مجموعہ چھوڑا اور ایک کتاب منقاب مفرشیخ علی حزیں سے وابستگی تھی۔ ان کے مرثیے میں اس کا اظہار ہے۔ مولوی مذاکر علی نحوی (م ۱۲۱۱ھ) ان کے شاگرد تھے۔ اور مفتی محلہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ (تکملہ نجوم السماء ج ۲، ص ۲۳)

عبدالعلی، دیوکھٹوی :
۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء
۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء

مولانا سید عبدالعلی صاحب قبلہ دیوکھٹہ ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۱۸۳ھ میں فیض آباد آئے جہاں ملا محمد علی بادشاہ کشمیری سے تکمیل کی۔ جناب آقا محمد باقر اصفہانی حائری کے اجازے کی بنا پر ۱۲۰۰ھ میں امامت جماعت فیض آباد سپرد ہوئی۔ جناب نواب آصف الدولہ اعلی اللہ مقامہٗ نے ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر عنایت کی جو اب تک ان کی اولاد کے پاس تھی۔ موصوف نے ۱۲۲۲ھ میں اپنے وطن میں ایک قابلِ دید مسجد تعمیر کرائی تھی۔

بڑے عابد و زاہد، عالم و عامل تھے۔ جناب غفران مآب سے تلمذ تھا۔
محرم کا چاند دیکھ کر رونے اور ذکر سید الشہداء سننے سنانے کے علاوہ کوئی مشغلہ نہ ہوتا، کھانا پینا اور حجرے سے باہر آنا کم ہو جاتا تھا۔ آپ کے فرزند سید کلب علی صاحب علم اور جناب غفران مآب کے شاگرد اور صاحبِ کمال تھے۔ لیکن بہت جلد وفات پا گئے۔ مولانا عبد العلی کی تاریخ وفات ۱۲۴۳ھ ہے۔

(امجد علی شاہ ۵، ازسبط محمد، ص ۴۴، ۱۴۴، مطلع بے بہا: ۲۱۲۔ نزہۃ ج ۷ ص ۲۸۷)

عبد العلی، شیخ، ہروی :

حدود ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء
۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء

لاہور میں علمی نشاط اور اسلامی فلسفہ کا احیاء اور قرآنی تعلیمات کا چرچا جناب علامہ شیخ عبد العلی ہروی کا مرہونِ منت ہے۔ ان کا ذہن حکیمانہ ان کی فکر عمیق ان کا بیان استدلالی اور اطمینان آفرین تھا۔

علامہ کا خاندان و وطن : علامہ شیخ عبد العلی بن ملا محمد بن حاجی شیخ اخوند علمی گھرانے اور پرہیزگار خاندان کے فرزند تھے۔ ان کا آبائی وطن ہرات تھا۔ ان کے والد ملا محمد مرحوم مشہد مقدس میں بھی زمین اور مختصر املاک رکھتے تھے۔ ملا صاحب باطمینان زندگی بسر کر رہے تھے کہ ان کے صاحبزادے رحلت کر گئے۔ ملا محمد صاحب کو محبوب بیٹے کی موت سے بے حد صدمہ ہوا۔ بڑھاپے میں ہونہار جوان کی موت سے چپ سی لگ گئی لیکن حج کے موقعہ پر انھوں نے میزاب کے نیچے فرزند صالح کی دعا کی۔ کچھ عرصے کے بعد ملا صاحب نے عقد کیا اور عبد العلی صاحب کی ولادت ہوئی۔

تعلیم و تربیت : عبد العلی، محبت والدین کی خوشگوار فضا میں پلے اور قرآن مجید کے ساتھ ابتدائی تعلیم سے جلد فراغت حاصل کر کے والد علام سے سبق لینا شروع کیا، اثناء درس میں بحث چھیڑ دیتے تا وقتیکہ مطمئن ہوئے بغیر خاموش نہ ہوتے تھے یعنی کمسنی ہی سے ذہانت، شوق علم اور اطمینان کی جستجو تھی۔ دس برس کی عمر میں دعا ابو حمزہ ثمالی حفظ ہو گئی تھی۔ اس مرحلے کے بعد مدرسہ فیض میں چلے گئے، یہاں ان کے حافظے کے جوہر کھلے وہ اساتذہ کی تقریر دہرا کر ہم درس دوستوں کو حیران کر دیتے تھے۔ دیکھتے دیکھتے استنباط کا ملکہ ابھرا اور چودہ برس کی عمر میں مسائل میں اجتہاد کی کوشش کرنے لگے، اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ
والدین کے ساتھ ماہِ صیام میں روزے رکھ رہے تھے۔ گرمی کی شدت کی بناء پر والدین نے روکنا چاہا تو آپ نے حدیث کے حوالے سے روزے کا حکم دکھا دیا۔
متوسطات ختم کر کے ملا محمد کاظم خراسانی کے ساتھ درس میں شریک ہوئے اور اساتذہ کو اپنے سریع الفہم کامل الفہم اور بہترین قابلیت رکھنے کا معترف کر لیا۔

ریاضتِ باطن : درس علوم کے ساتھ اخلاق و تزکیۂ نفس کی تعلیم قدوۃ الزاہدین، رئیس العارفین ملا محمد اکبر تبریزی سے حاصل کی۔ آیات و سُوَر و اوراد کے مراحل طے کیے۔ اس زمانے میں اپنے ہاتھوں سے پکانا اور خاص شرائط کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا۔

کثرتِ مطالعہ : اس ریاضت کے باوجود تحصیلِ علم اور مطالعہ کتب میں کمی نہیں آئی خود ان کے ذاتی کتب خانے میں آٹھ ہزار کتابیں تھیں۔ ایران کے تمام کتب خانوں کو دیکھا اور وہاں کے نوادر کتب کا مطالعہ کیا ان کتبخانوں میں اصفہان میں علامہ مجلسی کا کتبخانہ اور طہران کا شاہی کتب خانہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

آخر عمر میں بھی شوقِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ اکثر و بیشتر قرآنِ حکیم پر غور و فکر فرمایا کرتے تھے اور جب بھی کوئی کتاب سامنے آجاتی۔ اسے ختم کیے بغیر نہیں رہتے تھے۔

زبانیں : قرآن و تفسیر، حدیث و فقہ، کلام و فلسفہ وغیرہ علوم کے علاوہ عربی، فارسی پر کامل دسترس تھی، ترکی، فرانسیسی اور روسی زبانوں میں بھی اچھی خاصی دسترس رکھتے تھے۔ سندھی، پنجابی، پشتو سمجھتے تھے۔ انگریزی بھی بقدرِ ضرورت پڑھ لیتے تھے۔ اردو میں اتنی قدرت حاصل کرلی تھی کہ ۱۳۴۰ھ کی مجلس (آگرہ) میں دیر تک تقریر کی تھی۔

تیس برس کی عمر میں قابلیت و ذہانت کا اتنا چرچا ہوا کہ ناصر الدین شاہ قاچار نے نائب وزیر خارجہ کا عہدہ پیش کیا جسے علامۂ ہروی نے قبول فرمالیا۔ تمباکو سے متعلق سرکار میرزا کا فتویٰ اسی دور میں شائع ہوا، اور بابیوں کا فتنہ بھی اسی دور میں اٹھا۔ عبد العلی ہرویؒ کے فتویٰ پر بھی آٹھ ہزار بابی قتل ہوئے۔ جس کے بعد امین السلطان وزیرِ اعظم مرزا محمد تقی جو غالباً در پردہ بابی تھا آپ کا مخالف ہوگیا۔

ناصر الدین نے علامۂ ہروی کے علوم سے استفادہ کو عام کرنے کے لیے ایک ادارۃ المعارف قائم کیا جس کے سربراہ علامہ ہی قرار پائے۔

علامہ ہروی نے مدارس اور طرزِ تعلیم کی اصلاح پر خاص طور سے توجہ دی اور ایسا طریقۂ تعلیم رائج کیا کہ چند سال میں طالب علم پانچ زبانوں عربی، فارسی، فرانسیسی، ترکی اور انگریزی سے کماحقہٗ آشنا ہوجاتا تھا اور تحریر و تقریر کے قابل ہوجاتا تھا۔

اسی زمانہ میں ایران میں ایک ایسا متن قرآنِ حکیم شائع ہوا جس کے حاشیہ پر تفسیر سے متعلق تمام احادیث جمع کردی گئی تھیں۔ یہ طریق کار شاہ کو بہت پسند آیا اور اس نے امین الدولہ کے مشورے سے علامہ ہرویؒ کی خدمت میں اس کام کو مکمل کرنے کی تجویز پیش کی۔ علامۂ ہروی نے فرمایا کہ میں یہ کام اس شرط پر انجام دوں گا کہ ایک خاص دفتر اور محکمہ قائم کیا جائے جس میں دو متکلم، دو فلسفی، دو فقیہ، دو مفسر اور دو محدث، کل بارہ جید علما ہوں اور ان

سب کے مصارف شاہ برداشت کریں۔ چنانچہ کام شروع ہوا اور چھ ماہ میں صرف استعاذہ کی تفسیر بکمالِ دقت تیار ہوئی۔ ڈیڑھ سال تک یہ کام اِھدنا الصراط المستقیم تک پہنچا۔ شاہ نے چار سو نسخے طبع کرا کے علما کی خدمت میں بغرض تبصرہ بھیجے۔ سب نے بے انتہا پسندیدگی کا اظہار کیا۔ شاہ نے علامہ ہرویؒ کو انعام دیا اور کام جاری رکھنے کو کہا۔ وزرا نے مخالفت کی کہ اس طرح تو یہ تفسیر تمام عمر بھی ختم نہیں ہوگی، شاہ نے کہا کہ اس طرح اگر صرف ایک پارہ کی تفسیر مکمل ہو جائے تو تمام تفاسیر سے بے نیاز کر دے گی، اتفاق سے اسی سال ناصرالدین شاہ مرزا محمد [illegible] کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔

مظفرالدین شاہ نے یورپ سے واپسی پر روس سے آٹھ لاکھ منات قرضہ کا معاہدہ کیا جس کی علمائے ایران نے سخت مخالفت کی۔ اسی سلسلہ میں علامہ ہرویؒ کو ایران چھوڑنا پڑا۔ علامہ نے ایران سے نکل کر ماسکو، برلن، پیرس، اسکندریہ، مصر، ترکی اور عراق وغیرہ کے دورے کیے۔ اس سفر میں انھوں نے مختلف نئے رجحانات اور نظریات کو قریب سے دیکھا اور سمجھا۔

یورپ میں انجمن تطبیق مذاہب میں بھی توحید، معادِ جسمانی اور حقوقِ انسانیت وغیرہ عنوانات پر تقاریر کیں جن سے لوگ کافی متاثر ہوئے اور آپ کو ممبر بننے کی دعوت دی اور ہزار اشرفی ماہوار کی پیشکش کی۔ علامہ ہرویؒ نے مزاحاً ارشاد فرمایا کہ میں تو اس پیشکش کے باوجود آپ کے مذہب کو باطل ہی ثابت کروں گا کیونکہ وہ فی نفسہ باطل ہے۔

ان ممالک کے دوروں کے بعد ۱۳۲۰ھ میں کراچی تشریف لائے، وہاں سے شکارپور وغیرہ ہوتے ہوئے پنجاب پہنچے اور پہلی مجلس ملیر کوٹلے میں پڑھی پھر پٹیالہ میں قیام کیا۔ خلیفہ محمد کاظم صاحب اور مولانا سید عنایت علی ساماتی نے ان کی پذیرائی کی۔ علامہ صاحب زیادہ تر پٹیالہ اور لاہور میں مقیم رہے۔ ۱۹۰۶ء سے پنجاب میں وعظ کا سلسلہ شروع کیا لیکن منبر سے مطمئن نہ تھے۔ ۱۹۰۸ء کے بعد سید محمد سبطین سرسویؒ جیسے فاضل طالب علم اور شعلہ بیان خطیب نے ترجمانی شروع کی۔ اسی دوران علامہ نے ایک ماہوار رسالہ البرہان جاری کیا جو ان کی وفات تک ان کی سرپرستی میں جاری رہا۔ ۹ دسمبر ۱۹۲۲ء / ۱۳۴۱ھ میں رحلت کی۔ علامہ ہرویؒ کے انتقال پر سندھ، پنجاب، بلوچستان اور سرحد کے مومنین نے زبردست رنج و الم کا اظہار کیا۔ دور دور سے تعزیت ادا کی گئی اور گوشے گوشے میں مجالس و قرآن خوانی کی گئی۔ علامہ ہروی کا جنازہ لاہور ہی میں امانت رکھا گیا ۶ جون ۱۹۳۶ء کو لاہور سے عراق لے گئے اور ۲۲ جون ۱۹۳۶ء کو نجفِ اشرف میں سپردِ خاک کیا گیا۔

تصانیف: • تفسیر قرآن۔ استعاذہ سے اھدنا الصراط المستقیم تک جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ (مطبوعہ)
• رسالہ مسئلہ قضا و قدر (مطبوعہ) • رسالہ اعمال (مطبوعہ) • ثبوت معادِ جسمانی بدلائل فلسفہ طبیعیہ (مطبوعہ)
• تفسیر انا کل شیئ خلقناہ بقدر (مطبوعہ رسالہ البرہان۔ مضمون) • مسئلہ امامت بہ نثر اردو قلمی

- سورہ کہف کی ان آیات کی تفسیر جن میں حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کا قصہ ہے (قلمی)
- ہدایت، ہادی اور اقسام ہدایت پر مضمون (قلمی) • مواعظ حسنہ (تقریریں، طبع شد)
- رسالۂ نور (عربی) مولانا محمد سبطین صاحب نے مرتب کر کے شائع کیا۔

علامہ ہرویؒ کی اولاد میں دو صاحبزادوں کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں سے بڑے صاحبزادے جن کا نام معلوم نہیں ہے۔ علامہ ہرویؒ کی وفات کے وقت طہران میں تھے اور چھوٹے صاحبزادے شیخ نصر اللہ اس وقت مشہد مقدس میں مقیم تھے۔

ہندوستان کی معروف شخصیتوں کی نظر میں علامہ ہرویؒ کا جو مقام تھا اس کا اندازہ کرنے کے لیے یہاں بعض حضرات کی آرا نقل ہیں:۔

۱۔ آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے "رسالۂ عصر جدید" میں مولانا حالی کی رائے شائع کی تھی۔

"میں نے سر بیندر ناتھ بنرجی، نواب محسن الملک اور سر سید کی پر زور اسپیچیں اور لیکچر سنے، لارڈ کرزن کی دھواں دار تقریریں سنیں لیکن یہ سب لوگ شیخ عبدالعلی صاحب کے مقابلے میں کوئی چیز معلوم نہیں ہوتے تھے۔ یہ علم، یہ مغز، یہ عمق کسی میں نہیں پایا گیا" ایک اور موقع پر حالی نے فرمایا:

اس علم و معرفت کا انسان دو سو برس کے عرصے میں ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔

۲۔ مسیح الملک حکیم محمد اجمل مرحوم نے پہلا وعظ سن کر فرمایا تھا:

"مَا سَمِعْتُ قَطُّ مِثْلَهُ"

ان کی رائے تھی کہ "میں نے عراق بھی دیکھا ہے اور شام بھی، مصر بھی اور یورپ بھی۔ ہندوستان میں بھی اکثر علما کو دیکھا اور سنا ہے۔ خصوصاً ان چند سال کے عرصہ میں میں نے اس پایہ کا عالم نہیں دیکھا۔

مولانا سید عنایت علی صاحب سیالکوٹی فرماتے تھے:

تیس تیس سال کے بعض شبہات میں نے شیخ ہی سے حل کیے ہیں۔

علامہ ہرویؒ نے افاضل اہل سنت کو بھی بے انتہا متاثر کیا اور کافی تعداد میں لوگوں کو شیعہ بھی کیا۔ بعض افاضل کو دس دس سال تک تحقیق و مناظرہ کے بعد شیعہ ہوئے جن میں سے مولوی حکیم امیر الدین صاحب جھنگ اور مولوی علی محمد صاحب جھنگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

۳۔ علامہ اقبال کے فلسفۂ قرآن و محبت آل محمدؐ کے رچاؤ کا یہی زمانہ ہے کہ وہ علامہ ہرویؒ کے وعظ میں حاضر ہوئے اور ان سے مذاکرات کرتے تھے۔ (مکتوبات اقبال بنام شاد)

(البرہان، خاص شمارہ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ، مقالہ مولانا محمد سبطین)

عبدالغنی، کشمیری :

حدود ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۱ء

ملا عبدالغنی بن ابوطالب کشمیری علوم دینیہ کے فاضل و عالم اور ملا محمد صالح مازندرانی (شاگرد ملا محمد تقی مجلسی اوّل) کے شاگرد تھے۔ عبدالغنی صاحب قبلہ نے علی رضا بن افراسیاب خان صوبہ دار کشمیر کی فرمائش سے شرائع الاسلام کا فارسی ترجمہ کیا جس کا نام ہے جامع رضوی (تالیف ۱۱۶۱ھ) جو متعدد مرتبہ لکھنؤ سے چھپ چکا ہے۔ (نجوم السماء ص ۲۲۵ - نزہتہ الخواطر ج ۶ ص ۱۵۵)

عبدالقوی، لکھنوی :

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

مولانا عبدالقوی صاحب لکھنؤ کے رہنے والے اور ملا حسن صاحب شرح سلم العلوم کے شاگرد رشید تھے جناب مفتی محمد عباس صاحب ان کے شاگرد تھے اور انہی کی تشویق سے فن طب حاصل کیا۔ مفتی صاحب کی روایت ہے کہ بہت بارعب آدمی تھے۔ ایک مرتبہ مولانا بیمار ہوئے، لوگ آپ کی زندگی سے مایوس تھے، اچانک مولانا اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنی صحت کا یقین دلایا۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا؛

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام اور جناب حسنین حضور کے سامنے بیٹھے اور ایک گوشے میں حضرت فاطمۃ الزہرا چادر سفید میں تشریف فرما ہیں اور حضرت علیؑ فرما رہے ہیں :

شافع احب رسول اللہؐ

میں حضرت کی طرف متوجہ ہوا تو حضرت علیؑ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیماری کا خوف کیوں کرتے ہو، ہم تمہارے ضامن آخرت ہیں یا یہ فرمایا کہ ہم ضامن جنت ہیں، تم نے ہماری ذرّیت و اولاد کی خدمت کی ہے۔ یہ سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی اور مرض کا نام و نشان نہ تھا۔

مفتی صاحب قبلہ نے یہ بات اپنی نوٹ بک میں لکھ لی (مفتی محمد عباس بہت کم سنی سے تالیف و تصنیف نظم و نثر سے دلچسپی رکھتے تھے) اور یہ بھی لکھ لیا کہ اگر یہ خواب سچا ہے تو آخوند صاحب ضرور شیعہ ہوں گے۔ لیکن فرق عمر و مرتبت کی بنا پر گفتگو نہ کر سکے۔ آخر ایک روز مولانا سے پوچھا "آخوند صاحب اولاد سے کیا مراد ہے؟" مولانا نے فرمایا تمہیں پہلے مراد ہو۔ مفتی صاحب نے فرمایا۔ آخوند صاحب ہم تو امام سے اٹھارہ نسبی فاصلے رکھتے ہیں۔ ان کا کیا مرتبہ ہوگا جو صلبی اولاد تھے۔ جواب دیا ان کا ذکر کیا! مفتی صاحب خاموش ہو گئے اور اس سے متاثر ہو کر فارسی میں ایک رسالہ "دلیل قوی" لکھا اور مولانا کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا نے کچھ دن بعد مفتی صاحب

کو بلا کر کہا، میں شیعہ ہوں، مگر اس کا اظہار نہ کرنا۔ مفتی صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنی یادداشت کے نیچے لکھ دیا کہ میرا خیال صحیح ہوا۔

بیس پچیس برس بعد ۱۲۶۰ھ میں شب دفن امیر المومنین علیہ السلام تجہیز و تکفین ہوئی۔ عام نماز کے بعد مفتی صاحب قبلہ نے اپنے مسلک کے مطابق نماز جنازہ ادا کی (بے بہا ص ۲۱۶)

عبدالکریم، مدراسی :

حدود ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء
حدود ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء

حجۃ الاسلام مولانا شیخ عبدالکریم ایرانی النسل تھے۔ آپ کے والد عراق سے مدراس آ گئے تھے۔ مولانا عبدالکریم مدراس میں پیدا ہوئے، کچھ عرصے بعد عراق چلے گئے جہاں پچیس تیس برس تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۰ھ کے بعد عراق سے وطن واپس آئے اور حیدرآباد دکن و مدراس میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۲۵ھ بہتر تہتر سال کی عمر تھی۔

فقہ میں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ ادب عربی میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اخلاق و خدمت خلق میں بے مثال تھے۔

ان کے چھوٹے بھائی مولوی شیخ عبدالحفیظ صاحب نواب سالار جنگ بہادر کے اتالیق اور اپنے بڑے بھائی سے درزمینۂ کمال چھوٹے تھے (بے بہا ص ۲۶۲)

میرا اندازہ ہے کہ ۱۲۴۰، ۱۳۴۵ھ کے حدود میں فوت ہوئے۔

عبداللطیف، شوستری :

۱۱۷۲ھ/۱۷۵۷ء
۱۲۲۰ھ/۱۸۰۷ء

مولانا عبداللطیف بن ابوطالب بن نورالدین بن نعمت اللہ جزائری نواب میر عالم حیدرآبادی کے چچازاد بھائی تھے۔ ولادت و تعلیم و تربیت شوستر میں ہوئی۔ ان کے اساتذہ میں سید اسماعیل بن مرتضیٰ اور عبدالکریم بن جواد اور سید محمد بن علی خاکی نام ہیں :۔

تعلیم سے فارغ ہو کر عراق گئے اور وہاں کے اکابر علما مثلاً آیۃ اللہ مہدی بن ابوالقاسم شہرستانی و آقای سید مہدی بن مرتضیٰ طباطبائی و آقا باقر بن محمد بہبہانی حائری سے فقہ و اصول میں درس و اجازات لیے اور سیاحت کے لئے نکلے۔ برصغیر کے علما سے ملے اور اپنی ملاقاتوں اور مشاہدات کا تفصیلی تذکرہ یا سفرنامہ لکھا جسے نواب میر عالم کے نام معنون کیا۔ نواب سکندر جاہ والی حیدرآباد نے آپ کا بڑا اعزاز کیا۔

۵ ذی القعدہ ۱۲۲۰ھ حیدرآباد میں وفات پائی اور تکیہ میر مومن میں آسودۂ لحد ہوئے۔

(نزہتہ ۵، ص ۳۰۸۔ مصفی الرجال ۲۳۴)

تصنیفات : تحفۃ العالم فارسی مطبوعہ۔ تالیف ۱۲۱۶ھ

عبداللہ میر، تبریزی، مشکیں رقم :

۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۵ء

شاہ نعمت اللہ ولی کی اولاد میں عبداللہ مشکین رقم، شاہ غیاث اور مولانا راقمی کے شاگرد شیخ فیض اللہ چشتی سہارن پوری سے فیض یاب ہوئے۔ ہفت قلم کاتب اور خطِ نستعلیق میں لاثانی تھے۔ شاعری سے دلچسپی تھی اور وصفی تخلص تھا۔

وصفی تخلص من و مشکیں قلم   ایں نامہا ز شاہ شہنشاہ یافتم

مشکیں رقم کے قلمی کارنامے الٰہ آباد وغیرہ میں موجود ہیں۔

۱۰۳۵ھ/ ۱۶۲۵ء میں رحلت کی اور راجہ بھرت پور کی کوٹھی، کوٹھی قندھاری کے قریب نگلہ جواہر آگرہ میں ایک گنبد کے اندر موصوف کی قبر ہے۔ اس گنبد میں بخطِ نستعلیق یہ اشعار مرقوم ہیں :۔

منم غمگیں ازیں معنی کہ میبرم   ازین دار فنا سوی جنان رفت
بحمد اللہ کہ عرفان کرد حاصل   نہ پنداری کہ کشفی را بجاں رفت
چو تاریخ وفاتش جستم از دل   ازیں ماتم فغاں بر آسماں رفت
دلم گفتا بصد درد و بصد آہ   ز دنیائے دنی قطب زماں رفت

دیگر

شیخ زمانہ مظہر انوار جاودان   کز خواجگان چشت۔۔۔ خانہ بود
دریای جود، کانِ سخا، قطب مقتدیٰ   عبداللہ آں کہ در ہمہ فن ہا یگانہ بود
کشفی سوال کرد ز تاریخ رحلتش   ہم خود جواب داد کہ شیخ زمانہ بود

تاریخ مقبرہ

کشفیا، سر بریں جناب بنہ   کہ ازیں باب کس نہ شد نومید
گرد این روضہ روز و شب گرداں است!   چرخ با انجم و مہ و خورشید
سال اتمام ایں مکان شریف   ہاتفی گفت، "روضہ جاوید (راقمہ محمد صالح الکشفی) الحسینی

(بوستان اخیار، تذکرہ مشاہیر اکبر آباد۔ ص ۱۰۰)

میر محمد صالح و میر مومن فرزند تھے۔ پانچ مثنویاں اور ایک دیوان یادگار ہے۔

عبداللہ قطب شاہ : ۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء — ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء

عبداللہ بن محمد قطب شاہ حیدرآباد کا نامور، سخی، عادل، اہل علم کا قدردان ۱۰۳۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کی علم پروری کا شہرہ سن کر دور دور سے بہت سے علماء اس کے دور میں جمع ہو گئے اور بادشاہ کے نام متعدد مصنفین نے کتابیں معنون لکھیں۔

اس نے اپنی شہزادی کا نکاح علامہ سید احمد بن محمد معصوم دشتکی شیرازی مدنی سے کر کے علم و علما کی عزت کا مظاہرہ کیا۔

۲ محرم ۱۰۸۳ھ حیدرآباد میں رحلت کی۔ (نزہۃ ج ۵)

عبداللہ مجلسی، ملا : حدود ۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۰ء — حدود ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۸ء

ملا محمد تقی مجلسی اوّل کے ایک فرزند جناب ملا محمد باقر مجلسی تو ایران میں رہے لیکن ان کی اولاد میں سے متعدد افراد ہندوستان آئے اور یہاں معزز و محترم مانے گئے مثلاً ملا محمد سعید اشرف اور ملا محمد عبداللہ صاحب جو مولانا محمد تقی مجلسی کے فرزند اوسط تھے۔ انتہائی مقدس عالم باعمل و محدث و فقیہ، خیال ہوتا ہے کہ ملا عبداللہ اور ملا محمد باقر میں خط و کتابت بھی تھی اور ملا محمد باقر صاحب نے کسی سوال کا جواب "مسائل ہندیہ" کے نام سے لکھا تھا۔ نیز آپ کے بڑے بھائی عزیز اللہ متوفی ۱۰۷۴ھ بھی دہلی میں رہے ہیں۔

تصانیف : حاشیہ حدیقۃ المتقین

اولاد : ملا محمد نصیر، ملا زین العابدین، ملا محمد تقی۔ (شجرہ بہاص ۲۰۹ ۔ روضات الجنات ج ۲ ص ۸۱ در ضمن تالیفات مجلسی)

عبداللہ بن سید محمد لکھنوی : ۔۔۔۔ — ۱۲۶۶ھ / ۱۸۴۸ء

مولانا عبداللہ بن سلطان العلما سید محمد صاحب۔ اپنے والد اور بھائی جناب سید صادق کے شاگرد تھے۔ کلام و مناظرہ، تاریخ و فقہ اور عربی ادب میں قادر الکلام تھے اور اوراد و وظائف کے پابند اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ ۱۹ رمضان ۱۲۶۶ھ، ۲۰ اگست ۱۸۴۸ء میں انتقال کیا اور اپنے والد کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔ (تکملہ نجوم ج ۲ ص ۱۶۱ نزہۃ ج ۷ ص ۳۰۳ ۔ تاریخ سلطان العلماء ص ۱۰۰)

تصنیفات : • بستان الواعظین۔ طبع لکھنؤ ۱۲۵۲ھ ۔ • خلاصۃ الاعمال۔ مطبع سلطانی
• سبیل النجاۃ اوراد۔ • رد غلاۃ الشیعہ عربی۔

عبداللہ، پیر پائی :

۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء
۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

حاجی ملا عبداللہ ضلع پشاور کے قصبہ پیر پائی کے باشندے اور معقول و معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲ مئی ۱۸۶۳ء کو ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد شوقِ تکمیل کے لیے مختلف مذاہب کے علما سے ملے۔ دور دراز کے سفر کیے۔ ہندوستان جا کر سنسکرت پڑھی۔ ہندو مذہب کا مطالعہ کیا۔ افغانستان گئے اور سخی صاحب کے مزار پر کئی سال مقیم رہے۔ وہاں سے ایران و عراق ہوتے ہوئے حج کے لیے مدینہ و مکہ پہنچ گئے۔ موصوف نے یہ طویل سفر پیدل کیا۔ جہاں گئے وہاں علم کی لگن ساتھ تھی، پڑھتے اور علما سے ملتے تھے مکۂ مکرمہ و مدینہ منورہ میں ایک عرصے تک قیام کرکے عراق آئے۔ کربلا و نجف میں اکابر علما سے مستفید ہو کر ایران کے مرکز فقہ قم میں مقیم ہو گئے۔ یہاں شیخ الجامعہ کی توجہ سے حدیث و فقہ کا وسیع مطالعہ کیا اور مدت کے بعد وطن پلٹے۔ آپ کا قیام موضع شیرکوٹ میں ملک وہاب علی کے یہاں رہا۔ صوفی منش، زاہد، صاحب کرامات عالم، اسلام کے مبلغ اور شریعت کے داعی تھے۔ علامہ عبدالعلی ہروی طہرانی آپ کی عزت کرتے اور عبداللہ مقدس فرماتے تھے۔

بنگش اور تیراہ کے لوگوں میں مرجعیت تھی۔ دور دور سے لوگ آپ سے مستفید ہونے آتے تھے۔

" وفات سے دو سال پہلے علاقہ غیر تیراہ درہ منی خیل میں موضع ٹن ڈھیر کو منزل بنایا اور وہیں آسودۂ لحد ہوئے۔

خود پرہیزگار اور عابد تھے اس لیے آپ کی تقریر کا بڑا اثر تھا۔ اٹھاسی سال عمر پا کر ۱۳۶۵ھ ۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو رحلت فرمائی اور وصیت کے مطابق اپنی کوشش سے تعمیر شدہ امام باڑے کی دیوار سے متصل دفن ہوئے کہ لوگ آپ کی قبر کے گرد صدقے نہ ہوں۔ (مکتوب رمزی بنگش)

عبدالمجید، سامانی :

. . . .
حدود ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء

نواب علی مردان خان کے فرزند نواب ابراہیم خان (متوفی ۱۱۲۱ھ) نے شیعہ دائرۃ المعارف کے لیے علما کا بورڈ بنایا تھا اس بورڈ نے تاریخ، عقائد، حدیث و فقہ پر ایک مفصل کتاب تیار کی جس کا نام بیاض ابراہیمی رکھا۔ بیاضِ ابراہیمی کی سات جلدوں میں پہلی تین جلدیں سیرت النبیؐ سے احوال خلفا تک جلد چہارم عہدِ حضرت ام المومنین عائشہؓ جلد پنجم عہدِ معاویہ بن ابی سفیان جلد ششم بحث امامت و احوال ائمہ اثنا عشر اور جلد ہفتم فروع دین و فقہ میں، ہر جلد کے آغاز میں ذیلی مباحث کی تفصیل درج ہے اور ہر جلد کئی حصوں پر مشتمل ہے۔

کتب خانہ آصفیہ میں نمبر ۵۹۱ فن حدیث میں ایک جلد کا ایک حصہ موجود ہے جس کے ۲۴۴ صفحے اور فی صفحہ ۱۴، ۱۵ سطریں ہیں

مولانا تصدق حسین صاحب بدل اس بورڈ کے ایک فاضل رکن اور عالم مصنف عبدالمجید سامانی تھے

(نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲ ترجمہ آثر الامراج ص ۲۸۹ - فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ علمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی)

. . . .

عبدالنبی، العاملی : حدود ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۹ء

علامہ شیخ عبدالنبی بن احمد، جبل عامل، بیروت (شام قدیم) کے عرب عالم جو حیدرآباد دکن میں بڑے معزز و محترم ہوئے اور علم و فقہ میں کمال و مہارت کی بنا پر قاضی دارالسلطنت حیدرآباد نامزد کیے گئے یہ واقعہ ۱۰۸۰ھ سے قبل ہوا ہوگا۔

علامہ حر عاملی (متوفی ۱۱۰۴ھ) نے لکھا ہے "عالم فاضل، جلیل، فقیہ، معاصر و قاضی حیدرآباد" گمان ہوتا ہے کہ مولانا عبدالنبی گیارہویں صدی کے آخر میں فوت ہوئے[1]

[1] امل الآمل ج ۱ ص ۱۱۶ - روضات الجنات ج ۶ ص ۲۷۳)

عدیل اختر : ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء — ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۲ء

مولانا عدیل اختر صاحب ۲۹ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ (اگست ۱۸۹۷ء) سہ شنبہ کے دن علی نگر پالی ضلع گیا صوبہ بہار میں پیدا ہوئے، ہوش سنبھالا تو آپ کے والد (سید مبارک احمد بن میر فصیح احمد صاحب عرف ضی واسطی) نے مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ میں دینی تعلیم کے لیے بھیج دیا، جہاں حافظ فرمان علی صاحب صدر مدرس تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ کا رخ کیا اور مدرسہ شارع الشرائع مدرسہ ناظمیہ میں داخلہ لیا اور ممتاز الافاضل تک تعلیم و کمال حاصل کیا۔ اس اثنا میں الہ آباد، بہار اور پنجاب کے سرکاری امتحان بھی دیتے رہے۔

مدرسہ ناظمیہ میں جماعت فاضل کو تعلیم دی۔ ۱۹۱۹ء میں مہاراجہ محمود آباد نے مدرسۃ الواعظین قائم کیا تو مولانا اس مدرسے کی پہلی جماعت میں داخل ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں مدرسے سے سندلی اور بہار و بنگال کا حلقہ تبلیغ کے لیے معین کیا گیا۔ یہاں آپ نے بنگلہ زبان سیکھی اور تبلیغ فرمائی، ادھر یوپی میں شدھی تحریک نے شدت اختیار کی، مدرسے نے آپ کو اس مہم کے لیے بلا لیا اور مولانا نے بڑی قابلیت سے آریوں کا مقابلہ کیا، ہندی سیکھی، سنسکرت پڑھی اور ہندو مذہب کا مطالعہ کر کے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ ۱۹۲۴ء میں مدرسے نے جزائر افریقہ بھیج دیا۔ آپ نے وہاں کی مقامی زبانیں سیکھیں اور تبلیغ و خدمتِ دین کے فرائض انجام

دیئے پھر آپ کو صوبہ سرحد بھیجا گیا، آپ نے پشاور، پاراچنار اور قبائل تک جاکر تبلیغ اسلام فرمائی اور ناقابل فراموش خدمات کے چرچے یادگار چھوڑے، تبت، کشمیر، بلتستان وغیرہ میں نوربخشیوں کا مقابلہ کیا۔ ان کو تشیع کا گرویدہ بنایا اور ان کے بگڑے ہوؤں کو ان کا راستہ بتایا۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۶ء تک صوبہ سرحد میں متعین رہے۔ پھر جناب نجم الملت نے لکھنؤ طلب فرمالیا اور جون ۱۹۳۶ء کو مدرسۃ الواعظین میں نائب صدر مدرس کی جگہ مقرر کیا۔ ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ میں مولانا ابوالحسن صاحب قبلہ کی رحلت ہوئی تو مولانا عدیل اختر صاحب مدرسے کے پرنسپل نامزد ہوئے۔

آپ نے مدرسے کو جدید اصول تبلیغ کے مطابق ڈھالا اور اپنے وسیع تر تجربے اور علم کی بنا پر طلبا کو نئے افکار سے آراستہ کیا اور پچیس سال تک درس و تدریس تصنیف کی خدمت انجام دی۔

مولانا عدیل اختر صاحب (تاریخی نام) بڑے بااصول، پابند وقت، دقیق النظر، محنتی اور مخلص و متقی عالم تھے۔ سادگی، گوشہ نشینی آپ کا خاصہ تھا شہرت سے دور رہتے اور کردار سازی سے محبت رکھتے تھے۔ تمام علما آپ کی بہت قدر کرتے تھے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ کو خاص طور پر آپ سے محبت تھی۔ آپ کے اثر کا عالم اس وقت معلوم ہوا جب لکھنؤ کے شیعہ ایجی ٹیشن میں آپ نے لوگوں کو دعوت گرفتاری دی تھی۔

آپ کی تقریر میں صحت روایت و دعوت دین و اخلاق کی بڑی سختی سے پابندی ہوتی تھی۔ عاشورہ محرم میں آپ سر و پا برہنہ، سیاہ کرتہ پہنتے اور پیدل کربلا تک جاتے تھے۔

مطالعہ میں جس زبان کی کتاب ہوتی اسی زبان میں حاشیہ لکھتے تھے۔ اور حق تحقیق ادا کرتے تھے۔ میں نے مولانا عدیل اختر صاحب کے کردار کا اثر اپنے تحت الشعور و شعور میں پایا اور اب بھی مجھے ان کی یاد دلاتی ہے۔

وفات، مولانا کو شدتِ دورانِ خون کی تکلیف تھی مگر روزے ترک نہ فرماتے تھے۔ آخر ۱۳۷۰ھ کے رمضان میں یہ تکلیف بڑھی۔ روزے مکمل کر لیے۔ جمعہ ۷ شوال کو نماز صبح کے بعد سر میں درد ہوا اور مرض بڑھ کر تپ شدید بنا، ضعفِ قلب نے ۸ شوال یوم جنت البقیع ۱۳۷۱ھ کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔

آپ کی وفات پر پورے ملک میں غم منایا گیا، الواعظ لکھنؤ نے خاص نمبر شمارے میں آپ پر مقالات شائع کیے۔

مولانا نے بے شمار مسجدیں آباد کیں۔ بہت سے شیعوں کو پابند شریعت اور سنیوں کو شیعہ، ہندوؤں اور عیسائیوں کو اسلام کا گرویدہ بنایا، ان میں خاص طور پر جارج سالوں نے طویل مدت تک بحث کے بعد اسلام قبول کیا۔

اولاد: مولانا ناصر حسین فخر الفاضل۔

تصانیف: • دعوۃ النظر الی خلافۃ خیر البشر۔ اردو تالیف جون ۱۹۲۶ء پشاور غیر مطبوعہ۔

• الّا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ (تقیہ) تالیف۔ جون ۱۹۴۰ء آگرہ۔

• تحقیق وصلۂ تاریخ احمدی۔ نواب احمد حسین خان کی وقیع تالیف کے حوالے اور مطالب میں اضافہ تکمیل ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء • فلسفۂ اسلام یا علم کلام۔ سو صفحات بلا تاریخ

• اصحاب الیمین ما اصحاب الیمین واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال۔ علم رجال پر ستر صفحات تالیف، اکتوبر ۱۹۴۸ء۔ • تدلیس شبلی۔ مولانا شبلی نعمانی کے افکار و تالیفات پر تنقید و تحقیق۔ ستمبر ۱۹۴۶ء۔ • علمی خیانتیں۔ مذہبی کتابوں میں تحریف و تغلیط کی نشان دہی۔

• تسکین الفتن فی صلح الحسنؑ۔ (الواعظ، اگست ۱۹۵۱ء، خاص شمارہ)

عزیز اللہ، مجلسی:

۱۰۷۴ھ / ۱۶۶۳ء

علامہ کبیر، محدث و مجتہد جناب علامہ محمد باقر مجلسی کے بڑے بھائی اور جناب محمد تقی مجلسی اوّل کے بڑے فرزند جناب عزیز اللہ اصفہان میں تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے اور اپنے والد علام کے زیر سایہ علوم دین کے فاضل و محقق ہو کر دہلی آئے۔ اور معزز و محترم زندگی بسر کی۔

آپ نے عالمگیر اورنگ زیب کی تاریخ تخت نشینی نکالی تھی "ان الملک للہ یوتیہ من یشاء"

۱۰۷۴ھ میں وفات پائی۔

تالیفات: • حاشیہ مدارک (فقہ) • حاشیہ من لا یحضرہ الفقیہ (فقہ)

• اخبار الروم (ادب) (نجوم السماء ص ۱۲۹، منتہی ج ۵)

عصمت اللہ، سہارنپوری:

۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء

ملا عصمت اللہ مشاہیر علماء ہند میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا درس مشہور تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے بھی آپ سے درس لیا تھا۔ مآثر الکرام اور دوسری کتابوں میں آپ کو سُنّی لکھا گیا ہے، لیکن سہارن پور کے محلہ کوٹ میر آپ کی اولاد ملا صاحب کو شیعہ کہتی ہے۔ چنانچہ ۱۳۱۱ھ کے قریب ایک مسجد کے قبضے پر مقدمہ دائر کیا گیا جس میں ملا صاحب کی اولاد نے ملا صاحب کا تشیع ثابت کر کے عدالت سے مقدمہ میں کامیابی حاصل کی اور وہ مسجد شیعوں کے حوالے کی گئی۔ مولوی محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا کا بیان ہے

کہ یہ مسجد میر کوٹ میں ہے اور ملا صاحب کی قبر کا نشان بھی اس میں موجود ہے۔

تالیفات : • حاشیہ برشرح ملاجامی • شرح خلاصۃ الحساب۔ • حواشی التصریح لعلامۃ البہائی۔ جس کا قلمی نسخہ میرے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ (بے بہا۔ ص ۲۰۸)

عطا حسین : ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء

مولانا سید عطا حسین بن غلام مرتضیٰ زنگی پوری نے مولوی سید ضیاء اللہ صاحب زنگی پوری سے علوم عربی و فارسی حاصل کیے۔ آپ کو علم تفسیر سے زیادہ شوق تھا اور تلاوتِ قرآن کے بعد تفسیر پیش نظر رہتی تھی، چنانچہ قرآن مجید کے حل مغلقات میں اپنے ایک خاص لغت فارسی میں تیار کی مگر غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے نایاب ہے۔ ایک نسخہ کرم خوردہ نہایت بوسیدہ جناب مولوی سید محمد لطیف صاحب زنگی پوری کے پاس تھا نستعلیق و نسخ کی خوشنویسی بے مثل تھی۔ کتب بینی سے شوق تھا۔ اکثر کتب دینیہ اپنے ہاتھ سے لکھیں۔ فنِ خوشنویسی دلی میں سیکھا تھا۔ جب محمد شاہ بادشاہ دہلی کو آپ کا یہ کمال معلوم ہوا تو بادشاہ نے آپ کو زمرۂ فضلاء میں شامل فرمایا۔ ایک مرتبہ ۵۰۰ روپیہ انعام بھی دیا اور ایک فرمانِ شاہی چالیس بگیہ معافی واقع ضلع الٰہ آباد کا عطا فرمایا۔ جب آپ وطن میں آئے تو سلطنت میں ابتری ہوگئی۔ بادشاہ بھی مر گئے۔ مولانا نے کوشش نہ کی۔ فرمانِ شاہی بھی ضائع ہوگیا اور ان ۵۰۰ روپیہ میں ایک حمائل، صحیفۂ کاملہ ولایتی خط کا اور چند نستعلیق کی وصلیاں

اب تک زنگی پور کے بعض قدردانوں کے پاس موجود ہیں۔ مولانا عطا حسین نے ۱۲۱۲ھ میں رحلت کی مولوی ہمت حسین صاحب مختلف البطن بھائی تھے۔ وہ بھی سید ضیاء اللہ کے شاگرد (بے بہا: ۲

علی حسن، شمسی : دیکھیے محمد علی حسن

علاؤ الدولہ، شوستری : ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء
حدود ۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء

سید علاء الدولہ بن قاضی سید نور اللہ شوستری شہید ثالث کی ولادت ۴ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ بتائی جاتی ہے۔ آپ کا صحیح نام معلوم نہیں۔ علاؤ الدولہ یا علاء الملک کے لقب سے مشہور ہیں۔ شہید کے پانچویں فرزند تھے۔ اپنے والد علام اور بھائیوں کے علاوہ مولانا محمد خطاط سے بھی پڑھا تھا۔ اسی لیے اعلیٰ درجے کے خطاط ہوئے۔ علومِ دین میں فقہ و حدیث، عقائد و منطق و کلام اور ادب میں نظم و نثر پر

عالمانہ قدرت تھی۔ جناب سید علی طباطبائی صاحب ریاض نے اپنا معاصر لکھا ہے

تاریخِ وفات معلوم نہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ ساٹھ ستر کے درمیان عمر پائی ہوگی اور ۱۰۸۰ھ کے لگ بھگ جنت الفردوس تشریف لے گئے ہوں گے۔ **اولاد:** محمد علی (تذکرۂ مجید)

تصانیف: • حاشیہ شرح لمعہ (فقہ) • حاشیہ مدارک (فقہ) • حاشیہ تفسیر قاضی بیضاوی۔

- بوارق الخاطفہ والمرواعد العاصفہ فی الرد علی الصواعق المحرقہ • ساطع الانوار منطق
- محفل فردوس۔ تاریخ وادب وسوانح۔ • دیوانِ شعر۔ (مقدمہ احقاق الحق ص قبا الذریعہ ج ۲ ص ۲۱۴)

علمدار حسین، پروفیسر:

حدود ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء
۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء

گورنمنٹ کالج لاہور کے سب سے پہلے عربی کے استاد مولانا علمدار حسین نقوی بن سید نثار علی بن محمد اسماعیل بن علم الدین میاں صاحب بنیٹرہ سادات ضلع بجنور کے باشندے تھے۔ نثار علی گوالیار میں رہتے تھے۔ علمدار حسین نے گوالیار میں تعلیم پائی۔ تعلیم سے فارغ ہوکر جالندھر میں انسپکٹر مدارس ہوئے جہاں سے وطن گئے۔ ۱۸۶۱ء میں اپنے برادرِ نسبتی مولوی سید احمد کبیر کے ہمراہ لاہور آئے۔ لاہور میں نواب ناصر علی خان قزلباش نے اپنی کوٹھی (جو آجکل لبس سٹینڈ میں تبدیل ہوچکی ہے) بیرون مستی دروازہ ٹھہرایا۔ وہاں سے توشہ خانہ موتی بازار میں قیام پذیر ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور قائم ہوا تو مولانا اس کالج میں عربی کے استاد نامزد ہوگئے مولانا بڑے خلیق، مہمان نواز، منکسر المزاج اور غریب پرور بزرگ تھے۔ موصوف نے طویل علالت کے بعد ۳۹ برس کی عمر لاہور میں رحلت کی اور کربلا گامے شاہ میں مسجد کے حوض والے دروازے کے قریب جگہ پائی۔ مولانا کی اہلیہ نے لاہور میں خضری محلہ میں زنانی مجلسیں شروع کیں جس کی وجہ سے وہ مکان بوبوجی کا امام باڑہ مشہور ہوا۔ سیدہ اشرف النساء بوبوجی لاہور کی مشہور کردار ساز خاتون تھیں۔ دیکھئے حیات اشرف مؤلفہ ایک صاحبزادی احمدی بیگم صاحبہ

اولاد: جعفری بیگم زوجہ سید سراج الحسن ولادتِ فرزند کے وقت فوت ہوئیں۔ ایک بے شادی کے رحلت کر گئیں۔ غلام عباس ۸ سال بعمر کے بعد فوت ہوا۔ مولانا کا کتب خانہ مدینۃ المومنین انبالہ میں رہا۔

علوی خان، معتمد الملک، حکیم:

۱۰۸۰ھ / ۱۶۷۰ء
۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء

محمد ہاشم بن ہادی بن مظفر الدین حسین علوی جناب محمد حنفیہ کی اولاد سے تھے۔ رمضان ۱۰۸۰ھ شیراز میں ولادت ہوئی۔

اپنے والد اور ملا لطف اللہ شیرازی اور آخوند مسیحا سے تعلیم پائی۔ تیس سال کی عمر ۱۱۱۱ھ میں ہندوستان

آئے۔ قلعہ ستارہ کے پاس عالمگیر کی ملازمت حاصل ہوئی۔ بادشاہ نے خلعت و منصب دیا اور شاہ زادہ محمد اعظم کی خدمت میں کر دی۔

حکیم محمد شفیع شوستری نے حکیم محمد ہاشم کی عظمت نسب اور علوی مرتبت علم و کمال کے پیش نظر اپنا خویش بنا لیا۔

شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں حکیم ہاشم کو مزید اعزاز ملا۔ اسی بادشاہ نے "علوی خان" کا خطاب منصب اور جاگیر سے سرفراز کیا۔

۲۱ محرم ۱۱۲۴ھ کو بہادر شاہ قطب الدین شاہ عالم اکہتر سال کی عمر میں فوت ہوئے اور کچھ دن بعد معز الدین جہاندار شاہ بادشاہ ہوئے۔ پھر طوائف الملوکی شروع ہوگئی۔

ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ میں محمد شاہ تخت نشین ہوا اور محمد شاہی دربار میں حکیم علوی خان ناموری کے عروج پر پہنچ گئے۔ بادشاہ نے انہیں ایک معرکتہ الآراء علاج کے بعد سونے چاندی میں تلوا دیا۔ ہشت ہزاری منصب اور تین ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر کی۔ معتمد الملوک خطاب دیا۔

نادر شاہ جب وطن جانے لگا تو حکیم علوی خان کو بھی ساتھ لے جانے پر مُصر ہوا، حکیم صاحب نے شرط کی کہ جب بادشاہ کے علاج سے فارغ ہوں تو حج و زیارت کی اجازت دی جائے۔ نادر شاہ نے وعدہ وفا کیا۔ اس پورے سفر کی داستان حکیم صاحب کے منشی عبدالکریم کشمیری نے "بیان واقع" کے نام سے لکھی ہے (یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۷۰ء میں چھپی ہے)

حج و زیارات سے ۱۱۵۶ھ میں ہند واپس آئے۔ چار برس تک بڑے اعزاز اور علمی خدمات و طبی معالجات کے بعد ۲۵ رجب ۱۱۶۰ھ میں رحلت کی۔

بر فلک رفت مسیحائے جدید

حسبِ وصیت شیخ نظام الدین بدایونی کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

تالیفات و تصنیفات: • حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ میبذی۔ • حاشیہ شرح الاسباب والعلامات۔ • شرح تحریر اقلیدس۔ • شرح المجسطی۔ • شرح موجز القانون • احوال اعضاء النفس

- رسالۃ فی الموسیقی۔ • تحفۃ العلویہ والایضاح العلیہ۔ • جامع الجوامع، طب میں بے نظیر کتاب۔
- آثار باقیہ، ترکیب ادویہ میں حکیم صاحب کا معجز نما کارنامہ۔ • خلاصۃ التجارب۔
- عشرہ کاملہ۔ • قرابادین علوی۔ (اطباء عہد مغلیہ ص ۲۰۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۶۴)

علی، ملا : حدود ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء

شیعہ عالم و مبلغ صالح فاضل ملا علی جن کی محنت و سعی سے بوہرہ قوم مسلمان ہوئی۔ موصوف گجرات کھمبایت میں بہت شہرت رکھتے ہیں اور ان کا مزار زیارت گاہ عوام ہے۔ (بے بہا ص ۲۰۷)

علی خان، مدنی : ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء — ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۹ء

دکن کے علماء میں مولانا صدرالدین علی بن نظام الدین احمد حسنی حسینی تاریخ و ادب کے مشہور عالم ہیں۔ ان کے والد ملا نظام الدین احمد متوفی ۸۶/ ۱۰۸۸ھ حیدرآباد کے اکابر اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے داماد تھے۔ ملا احمد کی زوجۂ اولی کے فرزند سید علی مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش شب شنبہ ۱۵ رجمادی الاولی ۱۰۵۲ھ ہے۔ اور مولد مدینہ منورہ ہے

شیخ شرف الدین یحیی عصامی نے الامیر نظام الدین احمد کی مدح کرتے ہوئے سید علی خان کی تاریخ ولادت یوں نظم کی ہے : وتاریخہ نعم الولید ابوالحسن علی لدین الله صلد ممھّدٌ (سلافہ ۲۸۵) اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کرکے ہوش مند ہوئے۔ سولہ برس کی عمر ہوئی تو اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حیدرآباد پہنچنے کی تاریخ جمعہ ۲۲ ربیع الاول ۱۰۶۸ھ ہے۔ علامہ محمد بن علی بن محمود شامی عاملی سے تلمذ کیا۔ شیخ جعفر بن کمال بحرانی سے سلسلۂ روایت لیا۔ (سلافہ ص ۳۳۲)

بیس برس تک والد کے ساتھ رہ کر علم و عمل عزت و اقبال کا کمال دیکھا۔ ۱۰۸۸ھ میں والد نے انتقال کیا تو ان کے خالو سلطان ابوالحسن سے اختلاف ہوگیا۔ سلطان ابوالحسن والی گولکنڈہ نے ان کی املاک کو ضبط کر لیا۔ سید علی خان مدنی حیدرآباد سے، اورنگ زیب کے پاس برہان پور آگئے۔ اورنگ زیب نے ہزار و پانصد و سیصد سوار دو اسپہ کا منصب دیا اور کچھ عرصہ بعد اورنگ آباد پھر ماہوار و توابع برار کی حکومت دی۔ سید علی خان اس حکومت سے مستعفی ہوکر برہان پور کے دیوان ہوگئے۔ لیکن پھر رخصت لے کے حرمین شریفین اور وہاں سے عراق کے عتبات کی زیارت کرتے ہوئے مشہد مقدس پہنچے۔ اصفہان میں سلطان حسین صفوی نے ان کی کما حقہ، پذیرائی نہ کی تو اپنے وطن اجداد شیراز میں آکر مقیم ہوگئے۔

شیراز میں سید علی خان کے جد استاد البشر غوث الحکماء امیر غیاث الدین منصور کا مدرسہ منصوریہ تھا، اسی مدرسے میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور شیراز ہی میں رحلت کی۔ تاریخ وفات ذی قعدہ ۱۱۲۰ھ ہے۔ شیراز کے مزار شاہ چراغ میں اپنے پردادا میر غیاث الدین کے پہلو میں قبر پائی۔

تالیفات: • سلافۃ العصر فی محاسن الشعراء بکل مصر، تذکرہ شعراء عرب آغاز تصنیف ۱۰۸۱ھ حیدرآباد تمام ۱۰۸۲ھ طبع مصر ۱۳۲۴ھ۔ • ریاض السالکین شرح صحیفۂ سید الساجدین تالیف ۱۱۰۶ھ (مطبوعہ) مؤلف کا دستخطی قلمی نسخہ کتب خانہ امام رضا مشہد میں موجود ہے۔ اس کا عکس دیکھیے۔ فہرست کتابخانہ آستانِ قدس ج ۶ ص ۲۴۱۔ • انوار الربیع فی انواع البدیع (مطبوعہ)۔ • حدائق الندیہ شرح فوائد الصمدیہ۔ • سلوۃ الغریب در غرائب بحار و عجائب جزائر۔ • الکلم الطیب والغیث الصیب (ادعیہ و اوراد) • الدرجات الرفیعہ (مطبوعہ) • توضیح احادیثِ خمسہ مسلسلہ (تالیف ۲۵ ربیع الاول ۱۱۰۹ھ) • حاشیۂ قاموس۔ • دیوان شعر عربی۔ (امل الآمل ج ۲ ص ۱۷۶۔ نجوم السماء ص ۱۷۶۔ تذکرۂ شیخ علی حزیں ماثرالکرام ۲۸۶۔ روضات الجنات۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۸۳ میں تاریخ وفات ۱۱۱۷ھ لکھی ہے۔ امل الآمل میں ۱۱۲۰ھ اور مصنفی علم الرجال میں ۱۱۱۸ھ لکھی ہے۔)

علی، ہمدانی امیر کبیر:

۷۱۴ھ / ۱۳۱۴ء
۷۸۶ھ / ۱۳۸۵ء

سید شہاب الدین حاکم ہمدان کے فرزند سید علی، ۱۲ رجب ۷۱۴ھ کو ہمدان میں پیدا ہوئے، علویوں کا خاندان طبرستان میں مدتوں سے حکمران تھا، اس لیے یہ لوگ مذہبی اور سیاسی قوت و اقتدار کے مالک تھے۔ خاندان میں بہت سے علماء و اہلِ صفا موجود تھے۔ سید علی نے اپنے ماموں علاؤ الدولہ سمنانی سے فیض پایا۔ انھیں سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مختلف علوم و فنون کے ساتھ ساتھ، سلوک کے مرحلوں سے گذرے۔ پھر اخی شیخ تقی الدین ابوالبرکات علی دوستی (م ۷۳۲ھ یا ۷۳۴ھ) کے حلقۂ تلمذ و ارادت میں داخل ہوئے اور صفائے باطن کی منزلیں طے کیں۔ خود شاہ ہمدان کہتے تھے کہ "سہ بار از مشرق تا بمغرب سفر کردم" یہ زمانہ اکیس برس کا ہے۔

۷۵۳ھ میں شادی کی اور ہمدان میں سکونت پذیر ہو گئے لیکن شوال ۷۷۳ھ میں بدخشاں و ختلاں کے علاقوں میں دورہ کیا۔ غالباً ربیع الاول ۷۷۴ھ میں کشمیر کے علاقے میں دورہ کیا۔ کشمیر و بلتستان میں ۷۸۱ھ اور اس کے بعد بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے۔

تیمور کے سیاسی عروج اور سید علی ہمدانی کی خاندانی اہمیت نے رشک و رقابت کی فضا بنادی اور یہ کشمکش سید علی ہمدانی کے بعد ان دونوں کے جانشینوں میں رہی۔ شاہ رخ میرزا اور سید محمد نوربخش کے معاملات بھی کشیدگی سے دوچار رہے۔

یکم ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو آپ نے درویشوں کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کی۔ اسی روز علیل ہوئے

اور جمعہ ذی الحجہ ۸۰۷ھ/۱۹ جنوری ۱۳۸۵ء کو رحلت کی۔ مقامِ رحلت کے بارے میں اختلاف ہے۔ دفن اور مزار کی جگہ ختلان ہے۔ (تاجکستان موجود)

سید علی ہمدانی اور سید محمد نوربخش دو بزرگ یوں تو ایرانی علماء و ارباب صفا میں ہیں لیکن کشمیر میں ان دونوں بزرگوں کی تبلیغی خدمتیں اتنی اہم ہیں کہ علماء برصغیر میں ان کا تذکرہ ضروری تھا۔

تصوف اور تشیع : تصوف ایک فلسفہ ہے جو شریعتِ اسلامیہ کے ابواب و مباحث میں کبھی بھی موضوع نہیں بن سکا۔ اسلام ظاہر و باطن، تزکیۂ نفس اور واجبات و محرمات کی پابندی کا وہ معتدل نظام ہے جس میں ترکِ دنیا، ترکِ لذات، ترکِ معاشرت، ترکِ فات یعنی چلہ کشی، گوشہ نشینی اور خواہ مخواہ کی خرقہ پوشی کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ قرآن و حدیث، عملِ رسولِ مقبولؐ اور طریقۂ سلف صالحین، وصیت انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں "تقویٰ" سب سے اہم حکم ہے اور تقویٰ، رہبانیت یا ترکِ تعلقات نہیں بلکہ حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرنے میں پرکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص تصوف کو تقویٰ کا مترادف سمجھتا ہے تو بلاشبہ مذہبِ شیعہ اس کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

تصوف ایک عمل ہے، جو ریاضت، مرشد کی ہدایت، قطب کی توجہ اور پیر کی بیعت سے عبارت ہے۔ اس کے الگ الگ اصول اور جدا جدا دبستان ہیں۔ یہ عمل کشف و شہود کا سبب ہے عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، اسے شریعت کے مقابل میں طریقت کے نام سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ اس کا عقیدہ اس کے فرائض اور اعمال مستقل حیثیت رکھتے ہیں تو اسے کوئی فرقہ قابلِ قبول نہیں جانتا، ہر شریعت نے اسے رد کیا اور ہر شریعت کو اس عملی نظام نے رد کیا ہے۔ واصل باللہ۔ فنا فی اللہ۔ جیسے حضرات کا کشف و الہام شریعتِ محمدی میں بالاتفاق بے معنی ہے۔ شیعہ ایسے عملی نظام کو باطل جانتے ہیں۔

تصوف، صفاءِ باطن کا نام ہے۔ پاکباز، متقی اور شریعت کا عامل، عقائدِ صحیحہ کا حامل، جس کی دعا میں اثر، جس کی نگاہ میں تاثیر ہو۔ جو اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنے کے لیے شرعی اعمال اور فقہی عبادات کا پابند ہو اور صوفی کہا جائے تو شیعوں کا کوئی فقیہ اسے برا نہیں کہتا۔

تصوف، ایک سیاست ہے، تبلیغ کا ایک انداز ہے۔ آدمی دشمنوں میں رہ کر صفاءِ باطن بے نیازی اور امن و محبت کا پیغام دیتا ہے۔ اسلام کی تبلیغ کرتا ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت و تعلیمات کو دل نشین کرتا ہے۔ وہ خاص لباس اور خاص اندازِ زندگی اختیار کرتا ہے کہ ہندو اسے اپنا دشمن نہ جانیں اور سنی اسے خشک و متعصب شیعہ سمجھ کر اس کی بات نہ سنیں۔ وہ مخالف ماحول میں

البساط ایقہ اپناتا ہے جس سے متاثر ہو کر سب اسؑ کے گرد جمع ہو جائیں اور اس کی بات سن کر کچھ نہ کچھ مان لیں، ایسے تصوف اور ایسے صوفی کو کون غیر شیعہ کہے گا۔

بنی عباس، آل عثمان اور آل تیمور کے دورِ حکومت میں تشیع ناپسندیدہ اور نشانۂ ظلم وستم عقیدہ تھا، اس لیے بے شمار شیعہ مبلغ اور لاتعداد صاحبان دل، اس لباس میں ملبوس ہو کر دشمنان آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے "علیؑ علیؑ" کرواتے، بارہ اماموں کے نام یاد کرواتے، ان کے فضائل سمجھاتے اور علیؑ واولادِ علی کا دوستدار بناتے تھے وہ چاہتے تھے کہ پہلے لوگوں کو اہلِ بیت کا دوست دار بنایا جائے پھر ان کے احکام کی طرف موڑا جائے یعنی تدریجی طور پر تشیع کا پابند بنایا جائے۔ ایسے حضرات اگر تارکِ شریعت ہیں تو شیعہ ان سے بے تعلق ہیں لیکن اگر کوئی شخص شریعت کا قائل اور اس پر کاربند ہے اور حسن تدبیر سے لوگوں کو محمد وآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے تعلیمات سے باخبر کرتا ہے تو اسے سنی کہنا محبت تو ہے مگر حقیقت کی غلط تعبیر ہے۔ الشہید نور اللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ نے "مجالس المومنین" میں بہت سے مداحین اہلِ بیت اور صوفیا کو شیعوں کی فہرست میں اسی اصول کی بنا پر درج کیا ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں یہی قانون بنایا تھا کہ جو شخص مدح اہلِ بیت کرتا، احکامِ اہلِ بیت کو ترجیح دیتا ہے۔ اہلِ بیتؑ کو امام مانتا ہے۔ ان کے اقوال وافعال کی ترویج کرتا ہے وہ "شیعہ" ہے۔

میں فنی اور طویل بحث نہیں کرنا چاہتا، صرف ایک لطیفہ[1] عرض کرتا ہوں کہ بہاءالدین عاملی (م ۱۰۳۰ھ) شیعہ فقہا، ومحدثین وعلما میں مسلم الثبوت عالم ہیں۔ اصلاً عرب اور مزاجاً صوفی، فنی طور پر محدث بزرگ، ان کی کتاب "الکشکول" مصر میں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے، جیسے انہیں کی دوسری کتاب "المخلاۃ" اور سید مرتضیٰ کی "الامالی" اور طبرسی کی مکارم الاخلاق وغیرہ۔ یہ کتابیں کچھ سابقوں لاحقوں کے اضافے سے سنی لباس میں جلوہ گر کی گئی ہیں اور ان پر بڑے حیرت انگیز مقدمے لکھے گئے ہیں۔ میرے سامنے کشکول بہائی کا وہ ایڈیشن ہے جو دار احیاء الکتب العربیہ، عیسی البابی الحلبی۔ ۔ ۔ ۔ نے ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء میں شائع کیا تھا، اس کے مقدمے میں طاہر احمد الزاوی نے لکھا ہے:

" وکان یتشیع لآل البیت، ویتحامل علی الشیخین ابی بکر وعمر ومن اجل ذٰلک اتھم بالتشیع والرفض۔

وذکر فی کتاب " روضات الجنات " نقلا عن بعض علماء البصرۃ انہ کان من اھل السنۃ وقد اعتذر عن اظھارہ التشیع لآل البیت بانہ کان یتقی بذلک سلطان الرافضہ

---

[1] دیکھیے میری کتاب "اوصاف الحدیث" طبع امامیہ مشن لاہور۔

والملاحدة، وان تقربه من سلطان اصفهان "شاه عباس" کان السبب فی اظهار التشیع لآل البیت، لان شاہ عباس کان شیعیا رافضیا ملحداً، وکان یقتل العالم السنی فکان یتستر باظهار التشیع لآل البیت، وکان بعض العلماء یاخذ علیه هذا التستر" (الکشکول ص)

طاہر احمد الزاوی عرب افاضل میں ہیں۔ روضات الجنات بھی عربی زبان میں ہے، موصوف نے مذکورۂ بالا اقتباس میں جو ستم ظریفی کی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ بے نمازی گستاخ قرآن مجید کا حوالہ دیتے ہوئے "لاتقربوا الصلوة" پڑھے "وانتم سکاریٰ" چھوڑ دے۔ صاحب روضات نے سنی اور ملحد لوگوں کے قول نقل کیے اور ان کا جواب لکھا ہے، طاہر احمد الزاوی نے شاہ عباس پر سب وشتم کے ساتھ عبارت کا مفہوم بدل دیا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ علامۂ بہائی کو ان کے تصوف کی وجہ سے سنی کہنا اور خود کشکول کے واضح شیعی بیانات اور فقہ وحدیث ودرایت پر ان کے تالیفات کو نظر انداز کرنا یا ان کے ایک آدھ فقرے کی تاویل کرکے سنی ثابت کرنا ذہانت تو ہے دیانت نہیں۔

تذکرہ نویس، رجال پر بحث کرنے والے اکثر کہہ دیتے ہیں کہ "فلاں چونکہ صوفی ہے اور تصوف شیعہ مذہب میں حرام ہے لہٰذا وہ شیعہ نہیں" میں تاریخ ورجال کا مطالعہ کرنے والوں سے عرض کروں گا شعر گوئی اور بعض اوقات عوام سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے تصوف بہت کام آتا ہے۔ آپ ہر شخص کو صوفی دیکھ کر فوراً فیصلہ نہ کر لیا کریں۔ اس کے سیاق وسباق، اول وآخر تحریر وتقریر کو دیکھنے کے بعد بھی فیصلہ میں احتیاط کرنا چاہیئے۔

سید محمد نور بخش اور سید علی ہمدانی بلاشبہ مسلکاً صوفی ہیں مگر مذہباً شیعہ اثنا عشری تھے۔ ان کے تصانیف میں اس عقیدے کا بھرپور رچاؤ ہے۔

یہ دَور تصوف کا دَور تھا، شیعوں کے خلاف ترکی حکومت اور ماوراء النہر، خراسان اور شام میں جو شدت پیدا ہو چکی تھی، ان کے علما جس بے دردی سے قتل ہو رہے تھے، اس کی بنا پر بہت سے شیعہ حضرات نے تصوف اختیار کر کے سینوں سے اپنی عزت کروائی اور اپنے عقیدہ وشخصیت کو بچا لیا۔ ان میں سے شاہ صفی الدین اردبیلی کی ذات محتاجِ تعارف نہیں وہ اپنے مریدوں کے ذریعے ایران کے وسیع وعریض ملک پر شاہی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور صفوی خاندان نے تصوف کے دور رس نتائج کا تجربہ کرنے کے بعد اسے ناپسندیدہ طریقہ قرار دیا۔ صفویوں کے عہد میں بہت سے شیعہ علما کو اپنا طریقہ چھوڑنا پڑا۔ فقہاء ومحدثین نے مہم چلائی کہ سلوک وتصوف شریعت کے خلاف چلنے چلانے کا منصوبہ ہے جس میں بڑے راسخ العقیدہ عوام کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔

تصانیف : سید علی ہمدانی کے تالیفات و تصانیف کی فہرست کا خلاصہ یہ ہے کہ موصوف نے سو سے زیادہ اور بقول مؤلف تحائف الابرار۔ ایک سو سے مختصر و مفصل رسالے اور کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ان میں سے تراسی کے قریب موجود ہیں۔
۲۰ عربی رسائل، ۶۳ فارسی۔

تفسیر: • الناسخ والمنسوخ فی القرآن۔ • احکام القرآن۔ • تفسیر حروف المعجم • شرح اسماء الحسنیٰ۔ • فرہنگ در مفردات قرآن۔

حدیث: المودۃ القربیٰ۔ اس کا اردو ترجمہ چھپ چکا ہے۔ • روضۃ الفردوس • اربعین امیریہ
• اربعین فی فضائل امیرالمومنینؑ۔ • سبعین فی فضائل امیرالمومنین

سیرت: اسناد حلیہ حضرت رسولؐ۔ • اسرار وحی • انسان الکامل یا روح الاعظم۔ (ڈاکٹر سید محمد اشرف ظفر: سید علی ہمدانی طبع لاہور دسمبر ۱۹۹۱ء)

. . . .

علی بن طیفور :

حدود ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء

مولانا علی بن طیفور بسطامی بہت بڑے عالم و مصنف تھے، وطن و تعلیم و تربیت کی تفصیل تو نہیں ملتی مگر حیدرآباد دکن میں ان کا قیام تھا اور سلطان عبداللہ قطب شاہ دکن (۱۰۲۰ھ۔ ۱۰۸۳ھ) ان کی بڑی قدر و عزت کرتا تھا۔ موصوف نے اخلاق و قانون، حدیث و فقہ وغیرہ پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ جس سے ان کی علمی و عملی، نفسیاتی اور اعزازی کیفیت واضح ہوتی ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ علی بن طیفور نے بارہویں صدی کے حدود میں وفات پائی۔

تالیفات: • تحفۂ قطب شاہی: گلستان سعدی کے طرز کی شگفتہ اور نفیس اخلاقی کتاب اور بالفاظ مصنف "دستور العلیت سلاطین نامدار و خواتین کامگار را" کتاب کے آٹھ باب ہیں (تفصیل دیکھیے ایتھے، کیٹلاگ آف پرشین مینوسکرپٹ، بوڈلین لائبریری، حصہ اول ص ۸۹۸ طبع آکسفورڈ، ۱۸۸۹ء،
• تحفۂ ملکی، ترجمہ عیون اخبار الرضاؑ: شیخ صدوق کی کتاب کا فارسی ترجمہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے لیے لکھا۔ جس کا ایک نسخہ کراچی میوزیم لائبریری میں موجود ہے۔

. . . .

علی ملّا، بادشاہ :

حدود ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء

کشمیر کے جو علماء و اکابر دہلی، فیض آباد اور لکھنؤ میں منتقل ہوئے۔ ان میں ملا بادشاہ کشمیری کا نام

بہت زیادہ قابل احترام ہے۔ ملا علی غالباً کشمیر میں پیدا ہوئے۔ وطن میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور ملا عبدالحکیم راسست گو سے خاص طور پر تلمذ رہا۔ ملا علی فیض آباد میں دینی مرجعیت رکھتے تھے۔ (نجوم السماء ص ۴۷)
شجاع الدولہ آصف الدولہ کے عہد میں
ان کے زہد و تقویٰ، علم و عمل کا ہر شخص قائل تھا۔ کشمیری امراء سلطنت چونکہ سابقہ مراسم بھی رکھتے اس واسطے ان کا احترام کرتے تھے۔ ان کے حکم مانتے تھے۔
غفرآن مآب کے معاصر مداح سوانح نگار "تاریخ حق نما" کے مصنف نے ان کے یہ القاب و اوصاف لکھے ہیں: "قدوۃ الافاضل، فخر الاماجد والاماثل، مقبول بارگاہ الٰہ محمد علی مُلقّب بہ بادشاہ"۔
مؤلف سبیکۃ الذہب نے لکھا ہے:

"مُلّا عَلِی بَادْشَاہِ الکشمیری کان جامعاً بین الدنیا والدین البعضی، یدرس العلوم من المنطوق والمرسوم، ویشیع مسائل الحلال والحرام ویرشد الانام باصول الدین وفروعه فی اللیالی والایام، شاغلاً بترویج الاحکام الشرعیه وتدریس المسائل الاصلیه والفرعیه۔ (ص ۵۹)

ان کی سعی سے فیض آباد میں نماز جماعت کی رسم پڑی۔ حسن رضا خان (متوفی ۱۲۱۶ھ) وزیر بادشاہ اودھ یا مختار نواب وزیر تھے۔ ملا بادشاہ صاحب نے سرفراز الدولہ حسن رضا خاں کو دینی شعائر قائم کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ ایک مفصل خط یا مختصر رسالہ بھیجا، جس میں نماز جمعہ و جماعت کی اہمیت اور لکھنؤ میں قیام جماعت کی طرف متوجہ کیا تھا۔ سرفراز الدولہ حسن رضا خان نے نواب آصف الدولہ مرحوم (متوفی ۱۲۱۲ھ) کو آمادہ کیا اور لکھنؤ میں جناب غفرآن مآب نے جماعت سے نماز پڑھائی اور جمعہ کے روز جمعہ کی نماز ہوئی۔ اس وقت سے لکھنؤ کی نماز جمعہ و جماعت کا سلسلہ اب تک جاری ہے اور خاندان غفران مآب کا کوئی نہ کوئی فاضل و عالم نماز پڑھاتا ہے۔

ملا علی صاحب کی فکر و تحریر کا ایک نمونہ آئینہ حق نما میں موجود ہے، یعنی رسالہ فضیلت نماز جماعت بنام نواب آصف الدولہ و حسن رضا خان۔ اس رسالہ کا ایک انتخاب نجوم السماء سے نذر ناظرین ہے:
رسالے کے باب چہارم میں ایک عبارت یہ تھی:

"بزرگانی کہ قابل امامت نماز بلا ارتیاب و مقربان درگاہ رب الارباب اند و احدی را مجال طعن برایشان نیست و نور علم از ناصیۂ جمال ایشان پیدا است و فروغ صلاح و ... از چہرۂ جلال ایشان

هویداست، یکی ازاں جمله، عاکف کعبهٔ مقبلی وسعید ازلی میر دلدار علی است که از سالکانِ راه ومقربانِ درگاه است. بشری است فرشته سیرت وآدمی قدسی سریرت که انوار عرفان واشعهٔ ایمان از حلیهٔ اش درخشاں وفروغ علم وعمل از چهرهٔ اش تاباں رافع اعلام شعائر شرع سید الانام وسرمایهٔ برکت خواص و عام، زبدهٔ اذکیاء فحول، جامع علوم منقول ومعقول. بحریست مواج، وملکی کرامت امتزاج بالاهتداء حقیق و بالاقتداء بلیق. از مجتهدین کربلای معلی ومشهد مقدس ثامن آئمه هدیٰ سجل وافتا را بمهر وتوقیع رسانیده واستفتاء فقهیه نموده است. بر محک اعتبار ایشاں طلایش کامل عیار برآمده، تحمل مشقتهای دور ودراز کرده گوهر اجتهاد بدست آورده، سعیش مشکور ومشقتش ماجور شده. صدق الله العظیم "والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وان الله لمع المحسنین"

اشعار

صاحب نفس قدسی و ملکی	فاضلِ ذوفنون وطبع زکی
حسن خُلق و تواضعی که بادست	هر دو شاهد بخوبی که در اوست
بحر مواج علم معقول ست	قمر برج علم منقول است
رفع الله قدره الاعلی	شرح الله صدره الاذکی

و پرهیزگاران دیگر هم از تلامذهٔ ایشان ذوالنفس القدسیه والخصال الملکیه، شعلهٔ ادراک و ذکا سید مرتضےٰ ومتقی قدسی مآثر، نقاوت مظاهر مرزا محمد خلیل زائر که بلاشبه قابلِ امامت نماز اند حقیقةً وجود ایں بزرگان عالی مقدار اقبال سرکار دولت مدارست.

باب پنجم ایں که نواب نام دار سلامت چوں فضیلت نماز جماعت بنصوصِ قاطعهٔ قرآن مجید واحادیث ثابت شده وحضرت سید المرسلین وحضرات آئمه معصومین صلوات الله علیهم اجمعین به تاکید امر نموده اند و مجتهدین ومحدثین ومتقدمین ومتاخرین در هر عصری نماز بجماعت می کردند واحدی از علماء اسلام انکار، فضیلت ایں نمی کند وهمیشه حکام وسلاطین مروج ومعین شرعِ متین بوده اند اگر بذات مبارک اندکی متوجه ایں امر شده درقلمرو دولت ندا داده حکم برگزاردن نماز جماعت نمایند همه امتثالِ فرمان واجب الاذعان خواهند نمود وسید دلدار علی را ارشاد پیش نمازی فرمایند که مروج ملت بیضا وشریعت غرا خواهد بود و به

---

[۱] فیض آباد میں ایک نہایت شاندار بڑی اور خوبصورت مسجد ہے جسے سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خان صاحب نائب وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ بہادر نے تعمیر کرایا اور اس کے جنوب میں بڑے بڑے دروازے ہیں۔ یہاں لکھنؤ سے پہلے باقاعدہ نماز جمعہ و جماعت ادا ہوتی رہی اور ملا علی بادشاہ صاحب امامت کرتے تھے۔ (سرفراز کانفرنس نمبر ص ۱۰۶، ۹؍ اپریل ۱۹۵۸ء)

بنہائے این امر گوئ سبقت در میدان سعادت از ہمہ خواہند ربود ویہ۔

ذات مبارک ہم اگر نماز پنجگانہ را بہ اقتداء سید دلدار علی بگذارند ہر جا نماز جماعت رواج خواہد یافت، ابدالآباد ثواب بروز گار فرخندہ آثار عائد خواہد گردید۔ واز باقیات صالحات بندگان عالی متعالی خواہد بود۔

"والباقیات الصالحات خیر عند ربك ثوابا وخیر املا" (نجوم السماء، ۳۴۷ - ۳۴۹)

اس خط سے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ حکومت اودھ کے دینی رجحانات متعین ہوئے۔ غالباً ملا علی بادشاہ کی عمر آخر ہوگئی تھی۔ مرکز حکومت فیض آباد سے منتقل ہو چکا تھا۔ اس لیے ملا صاحب تاریخ اور مورخ کے حافظے سے دُور ہو گئے۔ ایک اندازے کے مطابق ملا صاحب نے ۱۲۲۴ھ سے پہلے رحلت فرمائی اور غفران پناہ لقب پایا۔ (احوال ملا محمد جواد بحوالۂ جہان نما)

فیض آباد سے ذرا دور نیابہ (نیاواں) میں ملا صاحب کا مکان تھا، وہیں رحلت کی اور مکان مسکونہ میں دفن ہوئے۔

اولاد: • ملا احمد علی۔ • ملا قاسم علی۔ • ملا جواد • ملا اکبر علی جو اٹھارہ سال کی عمر میں جاں بحق ہوئے۔ اسی طرح محمد رضا اور نصیر علی نے کم سنی میں رحلت کی۔ احمد علی کے دو فرزند تھے۔ • ملا محسن مدفون حسینیہ ابوطالب خان۔ • ملا محمد تقی، جن کی اولاد صاحب نجوم السماء کے بقول باقی ہے۔

ملا جواد کے بھی دو فرزند تھے: ایک ظہیر الدین صاحب جن کی اولاد زندہ تھی۔ (نجوم السماء ص ۳۵۱، تذکرۂ بے بہا ۳۱۹۔ سیر المتاخرین نزہۃ الخواطر، ص ۳۳۰)

علی، سید، سلطان العلماء:

۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

سید علی شوستری، سلطان العلماء مولانا سید علی بن ابو الحسن شوستری حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے تعلیم حاصل کی۔ شجاع الدولہ مختار الملک نواب تراب علی خان نے نواب لائق علی خان کا اتالیق مقرر کیا۔ نواب حیدر آباد نے سلطان العلماء کا خطاب دیا۔

علی عباس چریا کوٹی اور سلطان العلماء سید علی سے مباحثے ہوتے تھے۔ مولانا عربی کے نفیس شاعر بھی تھے۔ مولانا سید علی نے ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ حیدر آباد میں رحلت فرمائی اور حکیم نوازش علی نے تاریخ نکالی۔ "مضجعہ دار النعیم" (نزہۃ ج ۸ ص ۳۲۴)

علی، سید، بلگرامی:

۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء

۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

شمس العلماء مولانا سید علی قصبہ بلگرام ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۸۵۱ء

۱۲۶۸ھ/ ۶۷ میں ہوئی ان کا خاندان علم وفضل، جاہ و ثروت کے لحاظ سے نہایت ممتاز تھا ان کے دادا مولوی کرم حسین سفیر اودھ اور عالم بزرگ تھے۔ ان کے والد زین الدین خاں بھی جدید و قدیم علوم کے عالم اور ڈپٹی کلکٹر تھے، پنشن لے کر حیدرآباد میں معزز عہدہ حاصل کیا تھا۔ موصوف نے چھوٹے بیٹے سید علی صاحب کی تعلیم و پرورش میں خاص اہتمام کیا۔ پندرہ سال عربی فارسی اور علوم اسلامی کی تعلیم دلائی۔ اس کے بعد (۱۸۶۶ء) انگریزی ادب و علم کی طرف متوجہ کیا۔

سید علی بلگرامی کی ذہانت و ذکاوت کا کرشمہ دیکھیے کہ آٹھ سال میں، سنسکرت لے کر ۱۸۷۴ء میں پٹنے سے بی اے کی ڈگری لی تین سال قانون کا مطالعہ کیا اور مقابلے کے امتحان میں اوّل آئے پھر رڑکی انجینیرنگ کالج میں داخلہ لیا۔

۱۸۸۷ء میں وہ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز تھے اور اس کے بعد سالار جنگ نے حیدرآباد بلا کر اپنے خاص عملے میں شریک کرلیا اور یورپ لے گئے وہ لندن سے میٹرک پاس کر چکے تھے اس لیے طبقات الارض کا مضمون لے کر امتحان پاس کیا وہاں سائنس، فلسفہ، تاریخ کا مطالعہ کیا اس طرح مغربی تعلیم مکمل کی۔ وہ عربی، فارسی، انگریزی، جرمنی، لاطینی، فرانسیسی، سنسکرت، بنگالی، مرہٹی، تلنگی، گجراتی، ہندی کے فاضل تھے۔ ان کے زمانے میں اِس جامعیت کا کوئی آدمی معلوم نہیں۔

انھوں نے، انگلستان، فرانس، اسپین، جرمنی، اٹلی اور برصغیر کی سیاحت کی تھی، وہ حیدرآباد میں معتمد تعمیرات و معدنیات کے ساتھ ریلوے کے بھی نگراں تھے اور حیدرآباد کی علمی ترقی کے باعث ہوئے ملک بھر کے علماء و فضلاء کی قدر کرتے۔ مصنفین کو صلے دلواتے تھے۔ باوجود مختلف النوع مصروفیات کے خود بھی لکھتے پڑھتے رہے۔ ۱۸۹۱ء میں سر آسمان جاہ سے اختلاف ہوا تو کلکتہ یونیورسٹی سے بی ایل کا امتحان قانون دے دیا۔ ۱۸۹۳ء میں حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ ۱۹۰۱ء میں پنشن لے کر انگلستان چلے گئے وہاں ۱۹۰۳ء میں مرہٹی کے ریڈر مقرر ہوئے۔ اسی سال انڈیا آفس کی فہرست مرتب کرنے پر مامور ہوئے۔ کتابوں سے انھیں عشق تھا اور ان کا کتاب خانہ ملک کا بہت اہم کتب خانہ مانا جاتا تھا۔

- مولانا نے عربی میں الحقائق نامی رسالہ جاری کیا۔
- حیدرآباد میں سررشتۂ علوم و فنون قائم کیا اور شبلی صاحب کو ناظم بنایا۔
- مسلم یونیورسٹی کی ترقی میں بھرپور حصہ لیا۔

آخر ۳ر مئی ۱۹۱۱ء جمادی الاولی ۱۳۲۹ھ کی رات کو حرکتِ قلب بند ہونے سے ہردوئی میں رحلت کی۔

(سید مظہر علی، روزنامہ طبع لکھنؤ ۱۹۵۴ء)

تصانیف : • تمدنِ عرب، موسیولی بان کی فرانسیسی کتاب کا ترجمہ • تمدن ہند،
• ویدک لٹریچر۔ مقالات (مخزن ستمبر ۱۹۰۵ء) • طلسم اعضائے انسانی۔ مقالہ (حسن حیدرآباد ۱۸۱۸ء)
• انتخاب تاریخ ہند، طبع مئی ۱۸۸۷ء
اس کے علاوہ بہت سے حواشی و مضامین جو کم یاب ہیں۔ اردو ادب کی تمام تاریخوں میں سوانح ملتے ہیں۔
(نزہتہ ج ۸۔ ص ۳۲۶)

علی، سید بن غفران مآب :
۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء
۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء

مولانا سید علی بن مولانا دلدار علی ۱۸ شوال ۱۲۰۰ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لکھنؤ سے فراغت کے بعد ۱۲۴۵ھ میں کربلائے معلےٰ تشریف لے گئے جہاں علماء بڑی عزت سے پیش آئے۔ خصوصاً سید کاظم رشتی جنہوں نے آپ کو اجازہ بھی دیا۔ دوسری مرتبہ ۱۲۵۶ھ میں خراسان اور وہاں سے عراق تشریف لے گئے۔ مگر کربلائے معلےٰ پہنچ کر ۱۲۵۹ھ میں رحلت کی۔ حجۃ الاسلام سید علی طباطبائی کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

عالم و قاری و مفسر، عابد، زاہد، و مقدس، امام جمعہ و جماعات، خطیب و واعظ، مصنف و مؤلف تھے۔

تصانیف : • ترجمہ و تفسیر قرآن مجید التوضیح المجید (دو جلدوں میں) مطبوعہ ۱۲۵۳ھ۔
• رسالہ مبحث فدک۔ • اثبات متعہ۔ • رسالہ قرأت۔ • تردید اخباریین • جواز عزاداری میں رسالہ۔
(نزہتہ ج ۷، ص ۳۲۳ بے بہا)

علی، سید شاہ، رضوی :
۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ء
۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء

مولانا سید علی شاہ ۱۲۱۷ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ صفدر شاہ جیسے جلیل القدر بزرگ کے فرزند اور معقول و منقول میں انہی کے شاگرد تھے۔ ۱۲۳۹ھ میں زیارت عتبات عالیات کے لیے تشریف لے گئے مگر ۱۲۴۰ھ میں واپس آکر فرخ آباد میں قیام فرمایا۔ چند دنوں کے بعد والد بزرگوار سے دوبارہ سفر کی اجازت لے کر عراق تشریف لے گئے۔ ذوالحجہ ۱۲۴۰ھ میں کربلائے معلےٰ پہنچے۔

عراق میں بڑے بڑے علماء موجود تھے آپ نے ان سے درس حاصل کیا۔ ان اساتذہ کے نام یہ ہیں:
• مولانا محمد شریف صاحب۔ تلمیذ صاحب شرح کبیر و جناب شیخ مرتضےٰ انصاری صاحب رسائل

مولانا شیخ موسیٰ ۔ ۰ جناب شیخ علی مولانا شیخ جعفر صاحب کاشف الغطا ۰ سید مہدی بن جناب سید علی طباطبائی ۔ ۰ شیخ المشائخ صاحب جواہر بارہ سال کے قریب قیام کیا۔ صفدر شاہ صاحب نے طلبی کا خط لکھا تو صاحب جواہر نے روک لیا کہ پہلے تصنیف و تالیف کا کام کرلو۔ چنانچہ آپ نے متعدد کتابیں تحریر فرمائیں۔ متعدد اساتذہ نے اجازات دینا چاہے مگر آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ اس کے باوجود صاحب جواہر اور سید مہدی طباطبائی جیسے اکابر نے انتہائی عظمت و احترام و جلالت کا ذکر فرماتے ہوئے اجازہ ہائے اجتہاد عطا فرمائے۔

بارہ برس کے بعد فرخ آباد آئے اور ۱۲۵۲ھ میں نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان وزیر نواب سعادت علی خانؒ کے ہمراہ لکھنؤ تشریف لائے۔

فقہ و اصول میں یکتا، زہد و ورع میں یگانہ عبادت و ادائے حقوق ناس میں بے مثل زمانہ تھے تقویٰ اور گوشہ نشینی شعار، سخاوت و قناعت فطرت تھی۔ رات بھر نماز پڑھتے اور وقت سحر اس مسجد میں تشریف لے جاتے جس کے قریب والدین کی قبریں تھیں۔ رات کی تکان سے نیند آتی تو والدہ کی قبر کے پائینتی زمین پر سو جاتے اور ایک دو لمحے بعد پھر عبادت میں مصروف ہو جاتے۔

کربلائی محمد خان تاجر اصفہانی نے خواب دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ ان کے برابر ایک بزرگ سبز عمامہ باندھے بیٹھے ہیں۔ خان صاحب نے حضرت سے کوئی مسئلہ پوچھا تو حضرت نے فرمایا:

ان سید سے پوچھو۔ صبح کو مولانا کلکتہ پہنچے اور تاجر موصوف کے مہمان ہوئے۔ کربلائی محمد خان صاحب دیکھتے ہی پہچان گئے۔ بڑی عزت و حرمت سے مہمان کیا۔

ایک سفر میں نماز کا وقت آگیا یا کسی اور کام سے قافلہ روک لیا گیا۔ جگہ ڈراؤنی تھی۔ لوگوں نے تامل کیا مگر مجبور تھے، سب لوگ اترے اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ مولانا نماز و وظائف پڑھنے لگے۔ جنگل سے شیر کی آواز آئی۔ لوگ خوفزدہ ہو کر درختوں پر چڑھ گئے۔ آپ سے درخواست کی مگر آپ مصروفِ عبادت رہے۔ شیر جنگل سے نکل کر آپ کے پاس آیا۔ مولانا نے فرمایا تم حیوانات نہ مکلف ہو نہ گناہ کرتے ہو۔ اس لیے عتابِ الٰہی سے محفوظ ہو۔ ہم گنہگار مبتلائے معاصی پروردگار ہیں۔ یہ سن کر شیر سر جھکائے مادہ کو لیے جنگل کی طرف نکل گیا۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ اب درختوں سے اتر آؤ مگر کوئی نہ مانا۔ آخر جب سورج نکلا اور لوگ درختوں سے نیچے آئے تو مولانا کے جسم کے کپڑے مانگ کر تبرکاً لے لیے اور اپنے اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی۔

مہدی علی خان نے بہت کوشش کی کہ سرکاری طور پر جو رقم مختلف مدوں میں خرچ ہوتی ہے ۔ مولانا کے ذریعے تقسیم ہو، مگر مولانا نے ہمیشہ انکار فرمایا:
یہ احتیاط و کمال باطن اب تک ان کے خاندان میں چلا آرہا ہے ۔آپ کے تمام معاصر علماء واکابر بڑا ادب کرتے تھے ۔فقہ و اصول میں بے شمار حضرات نے آپ سے فیض اٹھایا ۔
۲۵ ربیع الاول ۱۲۶۹ھ کو رحلت فرمائی اور حکیم مہدی علی خان کے مقبرے میں دفن ہوئے ۔
جنازے کی مشایعت میں تمام شہزادے، اکابر و اعیان علمائے اعلام، سلطان العلماء، سید العلماء کے ساتھ مومنین شہر کا جم غفیر ہم رکاب تھا ۔

تصانیف : • معیار الاحکام شرح شرایع الاسلام ۔ • کفایۃ المستفید فی مباحث الاجتہاد والتقلید ۔ • ازالۃ الشبہات فی بیان دلالۃ النہی علی الفساد فی العبادات والمعاملات ۔
• تحقیق الصواب فی مباحث الاستصحاب ۔ • تداخل اسباب ۔ نامکمل ۔ • بعض حواشی کتب فقہ و اصول ۔ • کاشف القناع عن حجیۃ الاجماع • کاشف الغمہ فی اصالۃ برأۃ الذمہ ۔ • الفوائد العلویہ فی المسائل الفقہیہ ۔ • حجیۃ المراسیل وعدمہا ۔ • رسالۃ فی تداخل الاسباب (فقہ، عربی)

تلامذہ : بکثرت تلامذہ میں سے چند نام یہ ہیں :۔
- آقا سید عبداللہ صاحب ۔ • ملا جواد صاحب ۔ • امیر الامراء الحاج علامہ عالی جاہ متوفی ۱۲۸۱ھ
- امیر الامراء الحاج والا جاہ متوفی ۱۲۸۹ھ ۔ • سید مہدی شاہ (مولانا کے داماد بھی تھے)
- مولانا سید محمد صاحب جون پوری (تکملہ ج ۲ ص ۱۰ بے بہا : ۲۲۰)

علی، سید، مولوی بیر علی :

حدود ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء
۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء

مولانا سید علی عرف مولوی بیر علی بن سید حیدر علی صاحب علم کے عاشق صادق تھے ۔پندرہ سال کی عمر میں گھر سے چھپ کر سبیک پور سے چھپرے تک پیدل گئے اور وہاں کی درگاہ کے سجادہ نشین سے دس سال تک پڑھتے رہے ۔ استاد نے شاگرد کو سجادہ نشین بنانا چاہا تو وہاں سے لکھنؤ روانہ ہو گئے ۔
یہاں حضرت غازی الدین حیدر رحمۃ اللہ علیہ کا عہد حکومت تھا ۔شہر آباد، مدرسے معمور تھے لیکن یہ اجنبی آخر ایک مسجد میں ٹھہر گئے ۔نہ کسی سے سوال کیا نہ کچھ کھایا ۔ایک دن بارگاہ خدا میں عرض کی ۔" بارالہا ! اگر میرا رزق دنیا میں نہیں رہا تو سختی موت آسان فرما ۔ورنہ شکم سیری کی کوئی سبیل پیدا کر دے "۔ اچانک ایک شخص نے آکر کہا کہ چلو فلاں جگہ طلباء کی دعوت ہے ۔ انھوں نے عذر کیا مگر وہ بزرگ اصرار کر کے لے گئے دعوت میں ایک ایک آدمی کو کھانا اور پانچ پانچ روپے دیئے گئے ۔

جناب علیین مکاں مولانا سید حسین صاحب قبلہ کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔ ایک دن جناب نے فرمایا پیر علی آپ کا نام کچھ نہیں لگتا۔ جب سے سید علی نام ہو گیا۔ کسی رئیس زادے کی تعلیم پر مقرر ہوئے جہاں سے پہلے پندرہ پھر تیس روپے ماہوار ملنے لگے مگر مال دنیا سے محبت نہ تھی جو ملتا وہ بستر کے نیچے ڈال دیتے۔ ایک دن بستر جھاڑا تو رقم کثیر نکلی۔ نواب صاحب کے یہاں آنا جانا چھوڑ دیا۔ اور جناب سے عرض کی کہ حضور اگر میرے اوپر حج واجب ہو گیا تو درس جاتا رہے گا۔ میں صرف پڑھنے آیا ہوں۔ اس دن سے جناب نے اپنے صاحبزادگان جناب ممتاز العلماء اور زبدۃ العلماء کی تعلیم آپ سے متعلق کر دی۔ بارہ سال لکھنؤ رہ کر وطن تشریف لے گئے تو اہل وطن باجے تاشے سے استقبال کرنے آئے۔ آپ نے سب کو روک دیا۔ چند روز قیام کر کے پھر مرکز علم کا رخ کیا اور اپنے ساتھ چند ہم سن جوانوں کو بھی ساتھ لیتے آئے۔ اب کی مرتبہ طلب و علوم دین میں کمال کی سند لے کر حسب طلب راجہ مومن علی خان رئیس پوریننہ پوریننہ روانہ ہو گئے۔ لیکن چونکہ مولانا کو جانے میں بہت دیر لگی اور وہاں ایک ایرانی فاضل پہنچ چکے تھے۔ اس لیے واپس آتے ہوئے چھپرے پہنچے اور مومنین کے اصرار سے وہیں ٹھہر گئے۔

۱۲۵۸ھ میں نواب سید محمد کاظم صاحب نے مظفر پور میں روک لیا۔ آپ نواب صاحب کے بچوں کو تعلیم دیتے رہے۔

انتہائی قانع بزرگ تھے۔ لوگوں نے نذر اور خدمت کرنا چاہی مگر ہمیشہ عذر کر کے واپس کر دیتے رہے۔ جناب نواب علی خان رئیس حسین آباد نے بہت کوشش کی کہ پانچ سو روپیہ قبول فرمالیں گے مگر مولانا نہ مانے۔

موضع بنگرہ میں آپ کی سسرال تھی، مظفر پور سے بنگرہ پہنچے۔ اتفاق سے محلے میں گانا ہو رہا تھا، آپ وہاں سے مظفر پور پیدل واپس آگئے۔

نواب محمد کاظم صاحب کے باورچی خانے کی جنس وغیرہ مشتبہ تھیں لہٰذا بنگرہ سے کھانا آتا تھا۔ وہی نوش فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ میر صداقت حسین عشروی سے فرمایا کہ تمہاری والدہ ہمارے خاندان سے تھیں اور ان کا کچھ حق نکلتا ہے۔ میر صاحب نے معاف فرما دیا۔

غریبوں کو ذلیل اور فقیروں کو بے آبرو نہ جانتے تھے جہاں کی نامناسب باتوں سے چشم پوشی فرماتے تھے بلکہ بعض عزیزوں اور غریبوں کو تنخواہ دیتے۔ ان کی لڑکیوں کی شادی کراتے تھے۔ وطن میں مسجد اور کنوئیں کی خود تعمیر کرائی۔

تقدس و مقبولیت کا یہ حال تھا کہ چھپرے میں قحط پڑا۔ لوگ پریشان تھے۔ آپ نے نماز استسقاء پڑھائی۔ ابھی اعمال ختم نہ ہوئے تھے کہ پانی برسنے لگا۔

مظفر پور میں قحط پڑا تو عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے تمام مومنین کو لے کر باہر چلے گئے۔ بعد نماز سر برہنہ ہو کر دعا کی اور فوراً مینہ برسنے لگا۔

مظفر پور ہی کا واقعہ ہے کہ ۲۹ رمضان کو ابر چھایا ہوا تھا۔ آپ نے زیر آسمان دعا کی پروردگار عالم نے دعا قبول کی، بادل چھٹے اور چاند نظر آ گیا۔

ایک مرتبہ چھپرے کے کسی رئیس کے یہاں مہمان ہوئے۔ شب کو سونے کے لیے ایک مکان پسند فرمایا تو لوگوں نے عرض کی کہ اس مکان میں جن رہتے ہیں۔ مولانا نہ مانے۔ رات ہوئی تو اندر سے دروازہ بند کر کے آرام کیا۔ آدھی رات بعد ایک سفید ریش، سبز عمامہ پوش عصا بدست حاضر ہوا، سلام کے بعد کہنے لگا۔ مولانا میں جن ہوں۔ اگر اس وقت آپ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو زندہ نہ جاتا۔ آپ کے لیے مکان اور بھی ہیں یہاں سے تشریف لے جائیں۔ مولانا نے فرمایا۔ مجھے کچھ عذر نہیں۔ آپ مومن معلوم ہوتے ہیں۔ غور کریں، رات کا وقت ہے۔ سب سو رہے ہیں اس وقت کسی کو دکھ دینا اچھا نہیں۔ میں صبح سویرے چلا جاؤں گا جن نے عذر قبول کیا اور چلا گیا۔ اولاد: • ڈاکٹر محمد جواد۔ • محمد مہدی

ستر برس کے قریب عمر پا کر ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ (بے بہا ۲۲۰)

علی، سید، فیض آبادی: ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء

مولانا سید علی فیض آبادی مولانا سید محمد صاحب کے فرزند تھے۔ دیوگھٹہ ضلع غازی پور وطن تھا۔ بڑے عالم و فاضل معزز و باوقار تھے۔ واجد علی شاہ نے آپ کو آپ کے والد کی جگہ معین فرمایا تھا۔ جب آپ فیض آباد سے اپنے وطن آتے تھے تو آٹھ دس چوبدار سرکاری طور پر آپ کی سواری کے ساتھ ہوتے تھے۔

لیفٹیننٹ دویزن نے اکلیل العلماء سید محمد محسن صاحب سے خبر وفات سن کر بہت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں نے اپنے کمرے میں ان کی تصویر رکھی ہے۔

فیض آباد میں ۱۳۱۵ھ میں رحلت کی اور اپنے فرزند مولوی سید محمد حسین بانی وثیقہ اسکول کو یادگار چھوڑا۔

(بے بہا - ۲۴۴ - گوہر منثور)

علی، سید، منیر صاحب میراں پوری - لکھنوی: حدود ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء - ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء

جناب میر سید علی صاحب جناب محمد حسین کے فرزند تھے، آبائی وطن میراں پور مگر مولد لکھنؤ تھا عالم و فاضل، خلیق و عابد، خطیب و ذاکر، مخیر و حلیم، سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب کے شاگرد تھے۔

فنونِ نظم میں مرزا دبیرؔ سے تلمذ رہا۔ درس بھی دیتے تھے اور فقہ پڑھانے سے دلچسپی تھی۔ محدث کے نام سے شہرت تھی۔

شہر میں بڑی عزت تھی، علماء و امراء، شہزادے سب آپ کی سفارش قبول کرتے تھے۔ مجلسیں، پڑھنے میں یہ انکساری کہ جس نے وعدہ لیا پہنچ گئے۔ دن دن بھر مجلسیں پڑھتے تھے۔ حد یہ ہے کہ کھانا منگا کر ہمینس میں یا مسجد میں کھالیا اور پھر کہیں مجلس میں چلے گئے۔

ہمیشہ مجلس لکھ کر پڑھی، کاپی جہاں سے کھل جاتی وہیں سے پڑھنا شروع کر دیتے، خوش گلو اور محتاط تھے۔ قصائد پڑھتے تھے اور خوب پڑھتے تھے۔ آدابِ منبر کا خیال رکھتے تھے۔ ہاتھ پاؤں مارنا، زانو پیٹنا، کھڑے ہو جانا معیوب جانتے تھے۔

منتظم و محاسب بھی تھے۔ نواب وزیر صاحب بہادر کی ریاست میں مینجر رہے اور تمام کام اپنے گھر پر کرتے تھے۔

مقدس و مقبول ایسے کہ شہر میں بارش نہ ہونے پر نمازِ استسقاء کا اہتمام ہوا۔ جناب مفتی صاحب نے مولانا کو مجلس پڑھنے کا حکم دیا اور خود نماز پڑھائی۔ دعا قبول اور مجلس کامیاب ہوئی اور پانی برسا خوب برسا۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس سے ایک ہفتہ پہلے سُنیوں نے نماز پڑھی لیکن بارش نہ ہوئی۔ شیعوں کی دعا کے بعد جو بارش ہوئی تو میاں منشیرؔ نے کہا:

دریا پہ شیعیان شہ بحر و بر گئے | گرمی سے موتی جھیل میں بندر اتر گئے

مولانا میر سید علی دبستان ذاکری کے مسلم الثبوت استاد ملنے جاتے ہیں۔ آپ نے تقریباً اسی سال کی عمر پا کر ۲۴ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ دنیا کو الوداع کہی۔ جناب تاج العلماء نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ہزاروں آدمیوں نے حسینیہ غفران مآب میں سپرد لحد کیا۔

تصانیف: • ترجمہ زیارت ناحیہ مطبوعہ۔ • مجالس علویہ دو جلدیں مطبوعہ طبع ۱۲۹۲ھ متعدد مجلد غیر مطبوعہ۔ • ترجمۂ اردو دعائے جوشن صغیر مطبوعہ۔ • ترجمۂ اردو دعاءات مطبوعہ اولاد مولوی محمد عباس عرف محسن صاحب، جو فاضل و منقی و ذاکر بھی تھے۔ موصوف نے ساٹھ سال عمر پا کر شعبان ۱۳۳۶ھ میں انتقال کیا۔ (بے بہا ۲۳۲۔ الواعظ محرم نمبر ۱۳۷۳ھ۔ دبستانِ دبیر ۱۳۰۹ھ۔ تاریخ وفات ہے۔ ص ۲۹۵)

علی سید، حائری:

۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۶ء
۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

مولانا سید علی حائری، لاہور کے عظیم المرتبت عالم و مجتہد تھے۔ موصوف نے لاہور میں علمی تحریکوں

میں بہت بڑا حصہ لیا۔ آپ کے والد جناب سید ابوالقاسم لکھنؤ کے فارغ التحصیل بزرگ تھے۔ نواب جی قزلباش کے اصرار پر لاہور میں رہتے تھے اور دینی مشاغل کے سربراہ تھے۔ جناب سید علی لاہور میں پیدا ہوئے تاریخ ولادت ۱۲۸۸ھ ہے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد متوسطات اپنے والد علام سے پڑھے پھر تکمیل کے لیے عراق کا سفر کیا۔ عراق میں اس وقت سرکار میرزا محمد حسن شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا درس بہت بڑا درس تھا۔ مولانا حائری نے درسِ اعلیٰ ان کی خدمت میں مکمل کیا۔ ان کے علاوہ آقا میرزا حبیب اللہ رشتی، آقای سید کاظم طباطبائیؒ، آقای مازندرانی، آقای محمد کاظم خراسانی، علامہ طباطبائی سید ابوالقاسم رحمہم اللہ سے مستفید ہو کر اجازے لیے اور بعد تکمیل علوم وطن واپس آئے۔

درس و مطالعہ و تبلیغ میں حصہ لینے لگے والد علام کے ساتھ تفسیر لوامع التنزیل کی تالیف میں ساتھ رہے مولانا ابوالقاسم نے ۴ محرم ۱۳۲۴ھ کو رحلت کی موصوف تیرہ پاروں کی تفسیر مکمل کر چکے تھے۔ ان کے بعد ستائیسویں پارے کے سورۂ فجر تک مولانا سید علی نے اسی انداز اسی اسلوب میں تفسیر لکھی۔

مولانا حائری، بڑے نورانی صورت، وجیہ اور خوش لہجہ تھے۔ ان کا خطبہ اور تلاوت قرآن مجید سن کر ہر شخص مسحور ہو جاتا تھا۔ حدیث و تفسیر کلام و تاریخ پر عبور تھا۔ قرآن مجید کی اشاعت و تعلیم کے لیے مدرسۃ الحفاظ آداب و اخلاق دین شریعت کی تعلیم دی، علوم شرعیہ کو رواج دیا۔

عزت و اقبال، شہرت و مرجعیت، علم و عمل میں ایک دنیا لوہا مانتی تھی ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہر، قصبات میں دورے کیے۔ بمبئی، کلکتہ، لکھنؤ، دہلی، پشاور، حیدرآباد دکن تک سفر کیے۔ ان کی تقریر میں بلا امتیاز مذہب و ملت سب شریک ہوتے تھے۔ ان کے مواعظ چھپتے تھے برما افریقہ تک مقلد تھے، رسالوں میں ان کے فتوے شایع ہوتے تھے۔ اسیر ہو سے علامہ اقبال کی نماز جنازہ مولانا ہی نے پڑھائی لاہور میں آنریبل سر نواب ذوالفقار علی خان، علامہ اقبال، سر شیخ عبدالقادر آپ کے ارادتمند تھے۔

آپ کا عظیم الشان کتب خانہ نفیس کے نادر ذخیرے اور لاجواب قلمی کتابوں پر مشتمل تھا اور ملک کے مشہور کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ افسوس ہے کہ ان کے بعد سیلاب و بے توجہی سے ضائع ہو گیا۔ کچھ کتابیں ان کی اولاد نے اب محفوظ کر دی ہیں۔

آپ نے وسن پورہ لاہور میں شاندار مسجد تعمیر کی جو آپ کے مکان سے قریب ہے۔ مجالس کا قیام و محافل کا انعقاد فرمایا، جلوسِ ذوالجناح نکالا۔

حکومتِ برطانیہ نے شمس العلما کا خطاب دیا تھا۔ بہتر سال کی عمر اور نصف صدی کے خدمات

تبلیغ اسلام کے بعد تفسیر نویسی کے دوران علیل ہو کر شنبہ ۳ جمادی الثانیہ ۱۳۶۰ھ ۲۸ جون ۱۹۴۱ء کو دار الشریعت دسن پورہ لاہور میں رحلت فرمائی اور گامے شاہ کی کربلا میں اپنے والد علام کے پاس دفن ہوئے۔

علامہ حائری کا جنازہ جس شان سے اٹھا اہلِ لاہور اب تک اس کا تذکرہ کرتے ہیں، حکومتی دفاتر اور تاجروں نے بازار بند کر دیئے تھے۔ اخباروں نے خاص شمارے اور شاعروں نے قطعاتِ تاریخ کہے۔

اولاد: فرزندانِ کرام میں سید رضی، سید زکی اور سید نقی صاحبان ہیں۔

تصانیف: • غایۃ المقصود ۴ جلد (عقائد) • منہاج الاسلام (اصولِ دین) • رسالۂ الغدیریہ
- احکام الشکوک وشکیات نماز۔ • میزان الاعمال در میزانِ قیامت۔ • تقریظات المشاہیر (۴ جلد)
- مناسکِ حج۔ • نمازِ شیعہ۔ • لمعہ معانی در سجدہ بر خاکِ شفا۔ • تحذیر المعاندین رجال معاد
- مفید الصبیان۔ • عشرۂ کاملہ (در مناظرہ)۔ • حجابِ نسوان۔ • ہدایاتِ حائری۔
- فتاویٰ حائریہ (۸ جلد)۔ • رسالہ طاعون۔ • رسالۃ المؤید (در رد نصاریٰ)۔ • منہج المعاد (عملیہ)
- رسالۃ اللواء (دفن اموات در کربلا)۔ • رسالہ سکوت امیر المومنینؑ (خلافت)
- رسالۃ الہدیٰ در احکام سجدہ۔ • قصائد مدحیہ۔ • تفسیر لوامع التنزیل از جلد ۱۳ تا جلد ۲۱ نامکمل (فارسی)

میں نے مرحوم کے اصل نسخہ کی زیارت کی ہے۔ سورۃ القمر کے ابتدائی آیات (یعنی ستائیسویں پارے کے ربع تک تفسیر) مکمل کر چکے تھے کہ موت نے مہلت نہ دی۔

- سیف الفرقان در تحقیق فسق و ایمان۔ • بشاراتِ احمدیہ در اثبات نبوت و امامت۔
- التنقید۔ در اجتہاد و تقلید (فارسی) طبع ۱۳۱۳ھ لاہور۔ • تقلید و تنقید المومنین بمسائل ضروریہ۔
- رسالہ انوار در علتِ اغسال۔ • تنبیہ الناصبین تحریف قرآن از کتب اہلِ سنت۔ مطبوعہ۔
- تنبیہ المومنین در شرائط اجتہاد۔ • رسالہ جوازِ نکاح سیدہ با غیر سیدہ۔ • خوارق البوارق۔ در اعجاز قرآن۔ • حدیث قرطاس۔ • حل مالا ینحل در احکام کفار و ولد الزنا۔
- مقدماتِ نماز۔ • صورت الصلوٰۃ۔ • تبصرۃ العقلا در مقتل کربلا۔ • حبت شاہدہ بجواب خلافتِ راشدہ۔ • وسیلۃ المبتلا۔ • ملفوظاتِ حائری۔ • منہج المعاد۔
- موعظۂ حسنہ (اظہارِ حقیقت)۔ • موعظہ مباہلہ۔ • موعظۂ تقیہ۔ • موعظہ تحریف القرآن۔
- فلسفۂ اسلام۔ • تقریباً پچاس کتابیں اور رسالے۔

(بے بہا: ۲۶۲ - انجمن وظیفہ۔ جوبلی نمبر۔ المنتظر لاہور۔ ۵ اگست ۱۹۷۱ء)

علی سید، جعفری :

۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء
۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا سید علی صاحب جعفری حضرت مولانا محمد رضا صاحب قبلہ فلسفی کے چھوٹے صاحبزادے تھے، خداداد ذہن، غیر معمولی صلاحیتوں، طبعی و اخلاقی نیکیوں کی وجہ سے بہت جلد ترقی کی، از اول تا آخر مدرسہ سلطان المدارس میں پڑھ کر صدر الافاضل کی سند لی۔ اسی کے ساتھ ساتھ الہ آباد اور لکھنؤ سے سرکاری امتحانات علوم مشرقی بھی اعلیٰ نمبروں میں پاس کیے۔ پھر انگریزی کی طرف آئے، میٹرک، ایف اے، بی اے ایم اے عربی، ایم اے فارسی کرکے انگریزی میں ایم اے کی تیاری کر رہے تھے کہ پاکستان ~~ہجرت ہوئے جناب سیٹھ حمید صاحب اور ان کے خاندان نے بے حد توجہ سے علاج کرایا مگر سال بھر سے زیادہ بیمار~~ رہ کر کراچی میں ۹ اگست ۱۹۶۵ء کو رحلت کی۔

مولانا سید علی بڑی قابلیت کے آدمی تھے۔ انھوں نے خراسان اسلامک سنیٹر میں آکر ایک طویل علمی منصوبہ بنایا تھا لیکن اجل نے مہلت نہ دی۔ ان کی موت نے جو روحانی دکھ مجھے دیا ہے اسے بھول نہیں سکتا۔

تصانیف : مختصر سی مدت میں بیس بائیس چھوٹے رسالے انگریزی اور اردو میں لکھے:۔

- سوانح مختصر از حضرت رسالت مآب تا امام آخر الزمان (۱۴ رسالے) انگریزی۔ اردو۔
- عید مباہلہ۔ • عید غدیر۔ • خطبہ حضرت زینبؑ۔ • حضرت زینبؑ۔ • رسول و اہل بیت رسولؐ دو مجلد، متوسط (احوال حضرت رسالت مآبؐ سے احوال حضرت امام رضاؑ تک)
- صحیحین سے احادیث مناقب محمدؐ و آل محمدؐ انگریزی و بنگلہ ترجمہ کے ساتھ۔ • الحسینؑ۔
- اور بعض دوسرے رسائل۔

الشہید دو حصے طبع چاٹگام ۱۹۶۱ء • مقصد حسین چاٹگام ۱۹۶۱ء

علی سید صدر الافاضل :

۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء
۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۲ء

مولانا سید علی صاحب صدر الافاضل، بنگال میں مدرسۃ الواعظین کی طرف سے مبلغ تھے۔ آپ نے وقف محسنیہ ہگلی کا مقدمہ لڑ کر اس کے حقوق حاصل کیے۔ آپ نے افریقہ و عرب و برصغیر میں دورہ کیا اور اسلام و شریعت کی تبلیغ و ترویج کی موصوف بڑے پرہیزگار اور با اثر شخصیت تھے۔

آپ نے ۲۷ مارچ ۱۹۴۲ء میں وفات پائی۔ (پیام اسلام)

علی سید، دیکھیے شرف علی اور رجو مرزا۔

علی ابراہیم، نواب :

حدود ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء

علی ابراہیم حسین آباد ضلع مونگیر کے باشندے اور علوم اسلامی کے فاضل تھے۔ کچھ عرصے تک مرشد آباد میں نواب قاسم علی خان سے وابستہ رہے پھر بنارس کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ لارڈ ہیسٹنگ کا تھا۔

تصانیف : • خلاصۃ الکلام تذکرۂ شعراء فارسی ۔ • گلزار ابراہیم۔ تذکرہ شعراء اردو طبع شدہ

علی نجفی شیخ، بلتستانی :

۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

حجۃ الاسلام شیخ علی نجفی مرحوم بردلمو، بلتستان کے رہنے والے تھے۔ وطن سے طلب علم کے لیے عراق گئے اور آقائی نائنی مرزا محمد حسین رحمہ اللہ کے شاگرد ہوئے آیۃ اللہ سید جواد تبریزی مرحوم کے ہمدرس تھے۔ تقدس، ورع، تقویٰ کے ساتھ فقہ و اصول سے گہرا شغف تھا۔ مولانا شیخ جواں ہمت مبلغ اسلام و داعی تھے۔ موصوف نے کھرمنگ اور فرنگو شگر اور اولڈنگ اور علاقہ پرک (ہندوستان) میں بھی دینی خدمات انجام دیں۔ سنی شیعہ سب ان کے ارادت مند اور فرماں بردار تھے۔ امور شرعیہ میں سخت گیر تھے، بدعات و محرمات کے خلاف جہاد کیا۔ اختلاف برداشت نہ کرتے تھے۔ باہمی جھگڑے فقہ اسلام کے مطابق حل کرنے کے زبردست داعی تھے۔ حکومت کافر کے سامنے مسلمانوں کے مقدمے جانے کے خلاف تھے۔ اخلاق و روحانی کشش کی بنا پر حکومت و عوام سب ہی یکساں محبت و انس کے مالک تھے۔ عبادت و ریاضت کی بنا پر اللہ کا نور چمکتا تھا۔ شیریں زبان، شیوا بیان تھے۔ انگریز کے دشمن اور آزادی کے پرستار اور فقہ کے نفاذ کے متمنی تھے۔

ایک مرتبہ پولیٹیکل ایجنٹ ملاقات و زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ اور انگریزی میں احوال پرسی اور بات چیت شروع کردی۔ مولانا عربی میں جواب دینے لگے اور فرمایا کہ ہماری زبان عربی و اردو ہی ہے۔

مولانا نے مساجد و مدارس، امام باڑے اور رفاہ عامہ کے خدمات انجام دیے۔ درس سے شغف تھا اور پچاس سال تک جاہل علاقوں میں دینی علم رکھنے والے طلبا و افاضل پھیلائے۔ بیشمار طلبا کو عراق و ایران و ہند بھیجا۔

مولانا نے ۱۹۷۴ء میں رحلت فرمائی اور اپنے آبائی وطن بردلمو بلتستان میں دفن ہوئے۔ آپ

کا مزار کرامات و قبول دعا کے لیے پورے علاقے میں مشہور ہے ۔
اولاد : ۰ شیخ حسنین صاحب مقیم نجف ۔

علی اصغر :

حدود ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۵ء

جناب مولانا سید علی اصغر بن بہاء الدین جناب غفران مآب کے شاگرد اور بڑے فقیہ و عالم تھے ۔
محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کے عہد میں وفات پائی ۔ (تکملہ نجوم السماء م ۱۳۴۳ھ نزہتہ ج ۷ ص ۳۲۳)

علی اظہر نظام آبادی :

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

علی اظہر نظام آبادی بہت بڑے عالم تھے ۔ جناب غفران مآب سے تلمذ تھا ۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے ۔ جن میں سے " رد الاخباریہ " کا نام باقی ہے ۔ (نزہتہ ج ۷ ص ۳۲۷)

علی اظہر فخر الحکماء :

۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۱ء
۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

مولانا علی اظہر رمضان ۱۲۷۷ھ کو پیدا ہوئے ۔ ان کا تاریخی نام مظہر اسلام ان کے والد گرامی مولوی سید حسن کھجوہ ضلع سارن کے رہنے والے تھے ۔ ایک مرتبہ سید حسین صاحب نے خواب میں دیکھا کہ جناب مولوی سید عابد حسین صاحب انھیں ایک ہیرا موتی دے رہے ہیں ۔ اسی شب آپ کی ولادت نے خواب سچ کر دکھایا ۔ نومولود کے لیے جناب مولوی شیخ علی اظہر صاحب چریا کوٹی نے تفاؤل کے بعد بڑا صحیح اور بامعنی نام رکھا ۔ " مظہر اسلام " لیکن جب کم سنی میں لکھنؤ گئے تو مولانا سید احمد علی محمد آبادی نے ایک اور نام سید حسین تجویز کیا ۔ لیکن وہ مشہور علی اظہر ہی ہوئے ۔ مولانا کی علمی خدمتیں ایک مفصل مقالے کی طلب گار ہیں ۔ سر دست سنوں کی روشنی میں زندگی کا خاکہ دیکھتے چلیے ۔
۱۲۸۴ھ میں آپ کی والدہ نے رحلت کی تو آپ پھر لکھنؤ آئے ۔
۱۲۸۹ھ میں علامہ کنتوری نے مدرسۂ ایمانیہ قائم کیا تھا ۔ علی اظہر صاحب اس مدرسے کے پہلے گروپ میں تھے ۔ اس امتحان میں کامیابی پر ھدایۃ الاطفال نامی کتاب انعام میں دی گئی ۔
۱۲۹۳ھ میں عقد کیا گیا ۔
۱۲۹۴ھ میں آپ تکمیل تعلیم کے لیے لکھنؤ آگئے ۔

۱۲۹۵ھ میں آپ کے والد مولوی سید حسن صاحب حج کے لیے تشریف لے گئے۔ تو موصوف کو وطن جانا پڑا جہاں امامت جماعت آپ سے متعلق ہوئی۔

۱۲۹۷ھ میں بعد صحت امراض زیارت عراق و خراسان کو روانہ ہوئے۔

۱۲۹۸ھ میں لکھنؤ آئے اور طب کی تحصیل کی۔

۱۳۰۱ھ میں آرہ (بہار) چلے گئے اور وہاں مطب شروع کیا۔

۱۳۱۰ھ میں ہیرو سادات میں مناظرے کے لیے آئے اور سنیوں کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی۔

۱۳۱۴ھ سے پٹنہ میں مطب شروع کیا۔ رمضان میں نماز پڑھاتے اور وعظ کہتے تھے۔

۱۳۱۵ھ سے ماہنامۂ اصلاح جاری کیا۔ جو اب تک مسلسل جاری ہے اور تشیع کی علمی خدمتوں میں امتیازِ کامل رکھتا ہے۔

۱۳۲۲ھ میں متعلقین سمیت زیارت عتبات سے مشرف ہوئے۔

حاجی شیخ حسین مازندرانی، شیخ محمد طٰہٰ عرب، آقای شریعت اصفہانی، جناب سید کاظم طباطبائی جناب آقای صدر سے اجازے حاصل کیے۔

۱۳۲۴ھ میں حج سے مشرف ہوئے۔ ۱۲ شعبان ۱۳۵۲ھ سہ پہر کے وقت وطن میں رحلت کی۔

آپ کو اردو فارسی عربی پر قدرت تھی۔ تقریر و تحریر، نظم و نثر میں شہرت تھی۔ شیعوں میں آپ نے ادارۂ اصلاح اور الشیعہ قائم کر کے دارالمصنفین اعظم گڑھ کا جیسا کام کیا ہے۔

طہارت و عبادت میں وارفتگی تھی۔ بچپنے ہی سے حمایت اہل بیت اور تبلیغ مذہب کا شوق تھا جو اپنے کمال کے ساتھ زندگی کا حاصل سمجھا

اساتذہ: • مولوی غلام صادق۔ • مولوی ضامن علی • مولوی محمد امین صاحب گوپالپوری۔ • حکیم میر حیدر حسین۔ • حکیم باقر حسین صاحب۔ • جناب عماد العلما سید محمد مصطفےٰ صاحب لکھنوی

اولاد: • مولوی سید علی حیدر صاحب۔ • مولوی محمد حیدر صاحب۔

تصانیف: • مناظرۂ امجدیہ عربی۔ • حاشیہ شرح تہذیب عربی۔ • حاشیہ قطبی عربی۔ • حاشیہ شرح ملا مبین عربی۔ • حاشیہ ملا حسن عربی۔ • حاشیہ حمد اللہ عربی۔ • حاشیہ ملا جلال • رشحۃ الافضال علی طالبی ملا جلال۔ • تحفۃ البیان علم معانی و بیان کی شرح۔ • المرکوات رد رسالہ شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ • نافع الشعراء (فارسی) • ذوالفقار حیدر۔ • کنز مکتوم فی حل فی عقد ام کلثوم۔

- تنشقی اہل السنۃ والخوارج ۔ ٭ تبصرۃ السائل ۔ ٭ دفع الوثوق عن نکاح الفاروق ۃ آلاوالاصحاب
- تنقید بخاری ۵ جلد ۔ ٭ رد ملاحدہ دو جلد ۔ ٭ کشف الظلمات بجواب آیات بینات ۴ جلد
- رسالہ وضو ۔ ٭ تاریخ الاذان ۔ ٭ تصحیح تاریخ ۔ ٭ رسالہ الجمرہ ۔ ٭ رسالہ تہذیب وعقل اہل سنت

(بے بہا: ۲۵۹ ۔ رسالۂ الحافظ لاہور)

علی اکبر، پانی پتی :

۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء
۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء

علی اکبر پانی پتی دہلی کالج کے فاضل ولائق طالب علم تھے ۔ ۱۸۴۷ء میں جب ڈاکٹر اسپرنگر پرنسپل دہلی کالج سلاطین اودھ کے کتاب خانے دیکھنے آئے تو اکبر علی کو ساتھ لائے تھے ۔ علی اکبر نے فہرست نگاری میں مدد کی ہوسکتا ہے کہ پورا کام ہی علی اکبر صاحب کا ہو ۔
علی اکبر کو لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی وشمالی کی سفارش سے آگرہ کالج کا پہلا عربی پروفیسر مقرر کیا گیا علی اکبر صاحب نے تیس برس کی عمر پاکر ۱۸۵۲ء میں رحلت کی ۔ (ادبی دنیا لاہور، نومبر ۱۹۳۲ء)

علی اکبر بن سلطان العلما :

۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۲ء
۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء

مولانا علی اکبر جناب سلطان العلما سید محمد صاحب قبلہ کے فرزند یکم رجب ۱۲۴۹ھ میں پیدائش ہوئی ۔ آپ علوم رسمیہ کے فارغ التحصیل اور طب میں بھی بہت قابل تھے ۔ تصنیف وتالیف سے دلچسپی رہی ۔
ڈپٹی کلکٹری اور منصفی کے اعزاز بھی حاصل کیے ۔
اسی سال عمر پاکر ۲ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ یوم شنبہ صبح کے وقت رحلت کی ۔ شہر کے علما ورؤسا، شیعہ وسنی سب جنازے میں شریک ہوئے اور چار علما نے ایک صف میں کھڑے ہوکر نماز پڑھی ۔
آپ نے اپنی جائداد امور خیر اور کتب خانہ عام فائدے کے لیے وقف فرمادیا تھا ۔

اولاد: ٭ مولوی علی غضنفر ۔ ٭ مولوی علی گوہر ۔ ٭ مولوی علی مظفر ۔ ٭ مولوی علی انور ۔

تالیفات: ٭ بشارات غیبیہ ۔ ٭ تفسیر سورۂ یوسف ۔ ٭ شرح خطبہ شقشقیہ ٭ ذخیرۂ رستگاری ترجمہ ٭ حدیث ابی ذر غفاری ۔ ٭ اسرار حکمت (ترجمہ خطبہ بلیہ وطاؤسیہ) ٭ عنوان ریاست وبنیان سیاست (خلاصۂ دستور بنام اشتر) ٭ معارج العرفان بیان اصول ایمان ۱۴ کتابیں (بے بہا ۲۴۹ ۔ ورثۃ الانبیاء)

علی بخش :

حدود ۱۲۹۲/۱۸۷۵ء

مولانا شیخ علی بخش مصطفےٰ آبادی ضلع فیض آباد (ہند) کے باشندے اور نیشاپور نامی قصبے کے

زمیں دار تھے۔ اس قصبے اور مضافات میں سید مصطفےٰ زیدی کی سعی کامیاب سے صدیوں پہلے تشیع پھیلا سید مصطفےٰ نے مقامی ٹھاکروں کو عہد تغلق میں شیعہ کیا اور مصطفےٰ آباد ان کے بعد سے اب تک شیعہ علماء وفقہاء کی پرورش گاہ ہے۔ انھیں میں جناب مولانا علی بخش صاحب کا نام بھی زندہ ہے۔ موصوف نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں آفتابِ ہدایت فقہ کا متوسط عملیہ ہے جو بارہا چھپ چکا ہے۔

مولانا علی بخش نے بمبئی میں دیر تک قیام کیا، آخر میں وطن واپس آئے اور وہیں ابدی نیند سو گئے۔

(بقول، مولانا المکرم ناصر حسین صاحب قبلہ فیض آبادی)

علی جواد بن سید محمد زنگی پوری:

۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء
۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء

حجۃ الاسلام عارف کامل، عالم عامل، مبلغ اسلام مروج دین جناب مولانا علی جواد صاحب قبلہ زنگی پور میں پیدا ہوئے۔ ربیع الثانی ۴، ۷۴ھ آپ کی تاریخ ولادت ہے۔ دس سال کے تھے جب آپ کے والد سید محمد صاحب نے رحلت فرمائی۔ آپ کے نانا سید عنایت حسین صاحب پاروی بنارس میں رہتے تھے۔ مولانا علی جواد نانا کے پاس بنارس آ گئے۔ آپ نے مولوی امداد علی صاحب بنارسی اور مولوی رضا حسین صاحب نونہروی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ لکھنؤ گئے اور جناب سید حسن صاحب لکھنوی جناب تاج العلما علی محمد صاحب، جناب میر آغا صاحب وغیرہ سے تکمیلِ درس کے بعد درجۂ اجتہاد حاصل کیا اور جناب آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی نے اجازہ مرحمت فرمایا۔

مولانا علی جواد صاحب نے بنارس کو دارالاسلام بنانے میں جو محنت کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہندوؤں کا سب سے بڑا مرکز جہاں صدیوں سے مسلمان ہندو ثقافت سے ہندو نما ہو چکے تھے مولانا علی جواد صاحب نے اپنی پاک باطنی، ریاضت، علم و عمل، وعظ و نصیحت سے انقلاب پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کو ہندوؤں سے جدا کیا۔ انھیں اسلامی تعلیمات سے باخبر کیا۔ ان کے ہاتھ کا کھانا ختم کرایا۔ مسلمانوں سے دوکانیں کھلوائیں۔ ان میں غیرت نفس اور احساس مذہب پیدا کیا۔ شیعہ سنیوں کو شیر و شکر کیا اور ہندوؤں سے دشمنی نہ پیدا ہونے دی۔ محبت کا پیغام اور اخلاق کا درس دیا۔ آپ کی مجلسوں میں ہندو مسلمان سب شریک ہوتے تھے۔ تین تین چار چار گھنٹے کے بیان میں کسی کی دل آزاری نہ فرماتے، دُور دُور سے لوگ مجلس و وعظ میں شرکت کے لیے آتے تھے۔ خدا نے زبان میں تاثیر اور بیان میں درد دیا تھا۔ عیدِ غدیر و عید میلاد النبیؐ ۱۷ ربیع الاول ۱۳ رجب اور ۲۸ صفر کی مجلسیں دُور دُور تک مشہور تھیں۔

مولانا علی جواد صاحب نے مدرسۂ ایمانیہ قائم کیا جو بعد میں بہت مشہور ہوا۔ خود درس بھی دیتے تھے اور نماز بھی پڑھاتے تھے۔ مسلمانوں کے تمام معاملات میں پیش پیش ہونے کے باوجود نام و نمود سے دور، شہرت و نام جوئی سے نفور تھے۔ اپنی اولاد کو بھی بہترین تربیت دی تھی۔ مولانا محمد سجاد صاحب کو اپنے سامنے مسجد کی امامت و درس کی خدمت دے دی تھی۔

مولانا علی جواد صاحب نے مسلمانوں کو تجارت کی طرف لگایا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا ڈول ڈالا، فلاح الاخوان اور تہذیب الاخلاق کے نام سے دو ادارے قائم کیے جن کے ذریعے معاشی فلاح و بہبود اور تجارتی ترقی کے منصوبے بروئے کار لائے گئے۔ ان دونوں اداروں نے بہت کام کیا۔

قومی معاملات میں آپ نے غیر معمولی خدمتیں انجام دی ہیں۔ آج تک لوگ آپ کے زہد و اتقا علم و عمل، شخصیت و کردار کو یاد کرتے ہیں۔

مولانا علی جواد صاحب نے ۱۳۳۹ھ میں رحلت کی اور بنارس ہی میں مزار بنا (ایک سال پہلے آقای سید کاظم طباطبائی یزدی نجفی اور سید اسماعیل صدر نے رحلت کی تھی۔ ۱۳۳۹ھ میں زعیم اکبر میرزا محمد تقی شیرازی نے رحلت کی۔

اولاد: • مولانا محمد سجاد صاحب مرحوم۔ • مولانا سید اتقی صاحب مرحوم۔ (بے بہا ص ۱۱۸)

. . . .

علی جواد صدر الافاضل:

۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۸ء

مولانا سید علی جواد صاحب صدر الافاضل بڑے عالم و عابد بزرگ تھے۔ درس و تدریس، تقریر و تحریر کے ذریعے بڑی خدمت دین کی۔ گلزاری باغ پٹنے میں امام جمعہ جماعت بھی رہے۔ آخر ۱۲ رجب ۱۳۸۵ھ کو رحلت فرمائی۔

علی حسن جائسی (مجتہد العصر):

حدود: ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۶ء

۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

فقیہ مؤتمن سید علی حسن بن غلام امام صاحب جائس کے مشہور عالم اور اپنے عہد کے مرجع تھے۔ علم و عمل، زہد و تقوی میں اپنی مثال آپ تھے۔ جناب مولانا سید محمد صاحب اور جناب مولانا سید محمد تقی سے تلمذ تھا۔

مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ بڑھاپے میں عراق تشریف لے گئے تو علما نے "سید المجتہدین" کے لقب سے یاد کیا۔

سجاد حسین کردلوی پرگنہ دلئو ضلع رائے بریلی نے مجموعۂ مسائل مرتب کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف سے کس قدر استفسارات در رجوع خلق تھی۔ یہ مجموعہ مولانا آغا مہدی صاحب کے پاس کراچی میں موجود ہے۔

عبدالحی صاحب کی روایت ہے کہ ۹۵ برس کی عمر پائی اور ۲ رجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۲ مئی ۱۹۱۴ء کو جائس میں رحلت کی۔ مولانا آغا مہدی نے لکھا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں اس دنیائے ناپائیدار کو خیر باد کہا اور کئی فرزند علم و عمل سے آراستہ چھوڑے۔ شمس العلما مولانا سبط حسن صاحب اُن کے نواسے تھے اور مولوی سید سمی الحسن محافظ کتب خانہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ احفاد میں ہیں۔

تصانیف: ٭ دلائل السّنیّہ فی اجوبۃ المسائل السّنیّہ (طبع لکھنؤ)

(تاریخ سلطان العلماء ص ۱۶۲ ۔ نزہتہ الخواطر ج ۸ ص ۳۲۹)

علی حسین، زنگی پوری:

۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء
۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء

حاجی ملا علی حسین بن خیرات علی، سادات و علماء زنگی پور میں تھے۔ آپ ۱۲۴۸ھ زنگی پور میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم حاصل کرکے گھر والوں سے چھپ کر تحصیل کمال کے لیے وطن سے ہجرت کی اور لکھنؤ پہنچے جہاں اپنے پھوپھا جناب نخبۃ العلماء حسن علی صاحب اور مولوی حسین اصغر صاحب باروی، مولوی محمد طاہر صاحب اور جناب مفتی محمد عباس صاحب سے فیض حاصل کیا۔ اثنائے تعلیم میں علیل ہو کر وطن آئے، صحت کے بعد دوبارہ لکھنؤ پہنچے اور جناب قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب، جناب ممتاز العلما اور جناب سید حسین صاحب جناب سید احمد علی صاحب محمد آبادی طاب ثراہم سے مختلف علوم میں کمال حاصل کیا تاج العلما کا تکملہ نجوم السما میں ہے - بڑے عالم و فاضل، متقی و سلیم الطبع تھے۔ علماء آپ کے زہد و پرہیزگاری کے مداح تھے۔ عربی و فارسی کے شاعر و نثر نگار بھی تھے۔

قصبہ صاحب گنج میں مرزا اقبال بہادر عرف ننھے صاحب کے یہاں امام جمعہ و جماعت تھے ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۹ھ بیگم صاحبہ آف صاحب گنج کے ساتھ حج و زیارات کو روانہ ہوئے اور ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۲۹۰ھ کو وطن واپس آئے۔

کربلائے معلیٰ میں سات برس عراق میں۔ جناب سید حسین ترک نجفی۔ سرکار مرزا محمد حسن شیرازی اخوند ملا حسین اردکانی۔ مرزا ابو تراب مشہور بمیرزا آغا قزوینی اور شیخ مازندرانی سے فیوض حاصل کیے علی حسین صاحب نے اس لیے فقہ پر عبور تھا اور اصول میں مہارت تھی۔

۹ شوال ۱۳۱۰ھ میں وفات پائی۔ بے بہا، لیکن تکملہ نجوم السماء میں تاریخ وفات اواخر رمضان ۱۳۱۱ھ مندرج ہے۔

تالیفات: • تذکرۃ الانسان۔ ادعیہ۔ • ادویہ حافظہ۔ فارسی۔ • صحیفۃ المبین فی الرّد عن الغیبہ (فارسی)۔ • قسطاس مستقیم۔ مناظرہ۔ • دلیل العصاۃ علی سبیل النجاۃ در توبہ (عربی)

- ذخائر در احکام کبائر فارسی مطبوعہ۔ • خمسۂ متحیرہ رد قول مولوی سلامت اللہ در سورۂ قدر
- زہرۂ مشرقہ شرح خطبہ مولفہ (فارسی مطبوعہ) • بیاض حسینی انتخاب اشعار فارسی و عربی
- تعلیقات بر شرح باب حادی عشر عربی۔ • تعلیقات بر شرح ملاجامی عربی۔
- تذکرۃ المتعلمین۔ عربی۔ • تحقیق علوی در تصدیق نبوی۔ • نسیم سحر اردو نظم۔
- اسالیب الادبیہ فی المکاتیب العربیہ (عربی) •
- لسان الصادقین فی شرح الاربعین۔ • افحام الخصوم۔ • انحدار السیل فی تحقیق نصف اللیل۔

اولاد: دو فرزند یادگار چھوڑے: • مولوی محمد یعقوب صاحب۔ • مولوی محمد ابراہیم (بے بہا: ۲۳۷)

علی حسین لکھنوی، زین العلما:

۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۷ء

مولانا سید علی حسین بن سید العلما سید حسین لکھنؤ میں پیدا پرورش ہوے۔ اپنے والد سے فقہ و اصول و تفسیر و حدیث، عقائد و علوم دین حاصل کیے اور مشاہیر طب سے طب پڑھی۔

واجد علی شاہ مرحوم نے زین العلما عضد الدین خطاب دیا۔ ۱۲۶۴ھ میں رحلت کی۔ مرزا دبیر مرحوم نے قطعہ تاریخ میں لکھا:

مرگ فرزند علی، واقعۂ اکبر برد   رفت از مرگ علیؑ، راحت و آرام حسین

(نزہۃ ج ۷ ص ۳۲۲ - حیات دبیر ج ۱ ص ۲۸۸)

علی حسین، امروہوی:

۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء

مولانا سید علی حسین بن سید محمد علی[1] محلہ نوگیان امروہہ کے رئیس اور زمیندار و معافی دار تھے۔ آپ کے جدِ امجد سید شاہ نصیر الدین غازی کا مزار اب تک موجود ہے۔ مولانا علی حسین صاحب قبلہ امروہے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ جاکر جناب سید العلما مولانا سید حسین صاحب تلمذ خاص تھا۔ جناب ملک العلما بندہ حسین نے لکھنؤ سے عمامہ و قبا بھجوائی تھی۔ علوم معقول و منقول حاصل کرنے کے بعد

---

[1] تذکرہ بے بہا میں نام صحیح نہیں۔ ہم نے ابتدا میں مختصر لکھا تھا لیکن تکملہ نجوم السماء میں ہے۔ علی حسین بن محمد علی بن مظفر علی نقوی الفخری الملتانی اصلا و الامروہی مسکنا۔

وطن میں درس جاری کیا۔ اور بہت سے طلبا نے تلمذ کیا۔ آخر عمر میں بصارت سے معذور ہو گئے تھے۔ اس لیے مولوی احمد حسن صاحب کتابیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ مسجد کی امامت اور طلبا کی تدریس کے علاوہ شب و روز بیماروں کا سلسلہ رہتا تھا۔ آپ کو خدا نے یہ نعمت عطا کی تھی کہ نمک کے پانی میں کچھ دم کرتے تھے۔ بیمار شفا پاتے تھے۔

مولوی تراب علی، مولوی محمد حسین، مولوی واجد علی، مولوی فضل علی صاحبان علماء اہل سنت سے تفسیر بیضاوی اور سلم الثبوت جیسی کتابیں پڑھی تھیں۔ اس لیے ان حضرات نے بھی اجازے دیئے تھے۔ بروایت بے بہا مولانا نے ۱۳۰۱ھ وطن میں رحلت کی اور خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ تکملہ میں ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ درج ہے

اولاد: ۰ سید ابوالحسن۔ ۰ سید محمد ابراہیم۔ (بے بہا ص ۲۴۴)

علی حسین، ابراہیم آبادی (مجتہد):

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء
۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

مولانا سید علی حسین صاحب ابراہیم آباد ضلع بنکی (ہند) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد، ممتاز العلماء مولانا سید ابراہیم صاحب قبلہ و قائمۃ الدین مولانا محمد علی صاحب، مولانا سید احمد علی محمد آبادی، جناب مولانا حامد حسین صاحب سے درس لے کر عراق گئے اور وہاں کے اکابر سے اجازات حاصل کیے۔ آخر عمر میں ملا ابوالقاسم حائری لاہوری و جناب مولانا سید باقر صاحب قبلہ سے بھی اجازے لیے تھے۔

آپ نہایت نحیف الجثہ، اور ضعیف البدن تھے مگر بڑھاپے میں بھی نوافل یومیہ و تہجد ترک نہ فرمائے۔ کمر جھک جاتی تو چادر سے باندھ لیتے تھے۔

کم و بیش چالیس برس تک کھجوے میں قیام فرمایا اور اپنے عمل و تعلیم سے پوری بستی کو واقف مسائل و پابند نوافل و تہجد بنا دیا۔ جناب تاج العلما علی محمد صاحب قبلہ نے آپ کو پٹنے میں طلب فرما کر نواب سید لطف علی خاں کی مسجد میں اپنا نائب اور قائم مقام بنا دیا تھا۔

مولانا علی حسین صاحب قبلہ نے اناسی برس کی عمر پا کر رجب ۱۳۱۹ھ میں رحلت کی۔ اور اپنے وطن میں دفن ہوئے۔ ۰ رمی الجمرات جواب آیات بینات (مطبوعہ) (بے بہا ص ۲۷۶)

علی حسین (کھجوہ):

۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء
۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۲ء

مولانا سید علی حسین بن مولانا غلام صادق، جناب سید باقر صاحب قبلہ کے تلامذہ میں تھے۔ فاضل و متقی و زاہد ۱۳۲۳ھ میں ریاست مرشد آباد کے امام جمعہ و جماعت ہوئے اور والد کے سامنے ۱۱ جمادی الثانیہ ۱۳۵۲ھ کھجوے میں رحلت کی۔ (الہام ملا)

۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء

حیدر :

۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء

۱۳۰۲ھ کھجوہ ضلع سارن میں مجاہد بالقلم مولانا علی اظہر صاحب کے یہاں وہ فرزند پیدا ہوا جس کا نام علی حیدر رکھا گیا۔ اس ذنت مولانا سید حسن باخدا زندہ تھے۔ علی حیدر نے مقدس دادا اور مجاہد باپ کی گود میں آنکھیں کھولیں اور چار پانچ سال کی عمر میں، قرآن مجید و دینیات پڑھ لی، پھر ہائی اسکول میں داخل ہوئے ۱۳۲۱ھ میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کر کے انجنیئرنگ کالج میں نام لکھایا۔ لیکن ڈاکٹروں نے سینہ کمزور قرار دے کر تعلیم سے روک دیا۔ مولانا علی اظہر صاحب ۱۳۲۲ھ عیال و اطفال کے ساتھ زیارت عتبات عالیات کے لیے گئے۔ اس سفر میں مولانا الحکیم علی اظہر صاحب نے۔ آیۃ اللہ حسین مازندرانی۔ آیت اللہ شیخ محمد طٰہٰ نجفی، آیت اللہ شیخ شریعت اصفہانی، آیت اللہ سید کاظم یزدی سے اجازے لیے اور مولانا علی حیدر صاحب نے ان اکابر کی زیارت کی۔ وطن آئے تو اپنے والد کے مشغلۂ تصنیف و تالیف میں ہاتھ بٹانے لگے۔ تقریباً تین سال تک والد سے مستفید رہ کر ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں لکھنؤ جانے پر آمادہ ہوئے۔ مولانا علی اظہر صاحب اپنے بھائی مولوی محمد حیدر صاحب اڈیٹر الشمس اور علی حیدر صاحب کے ساتھ لکھنؤ آئے اور فرزند کو اکابر علما و اساتذہ کی خدمت میں پیش کر کے وطن چلے۔ علما نے نوجوان کو علوم جدیدہ سے باخبر صاحب قلم و صاحب نظر دیکھا تو بہت محبت کرنے لگے۔ تمام علما سے خاندانی روابط تھے۔ سب نے خاص توجہ کی اور ہونہار محنتی، ذہین اور وسیع معلومات طالب علم نے سب کے دلوں میں گھر کر لیا۔ بنیادی علوم و فنون میں پختگی ہو چکی تھی۔ ادھر پنجاب یونیورسٹی کے امتحان مولوی فاضل کی دھاک بیٹھی تھی۔ اس امتحان میں کامیابی طرۂ امتیاز سمجھی جاتی تھی۔ مولوی علی حیدر صاحب ۱۳۲۸ھ میں لاہور آئے۔ اورنٹیل کالج میں داخلہ لیا۔ دو سال پڑھنے کے بعد ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں مولوی فاضل کا امتحان دے کر گھر ہوتے ہوئے لکھنؤ واپس پہنچے۔ پنجاب یونیورسٹی میں فرسٹ پوزیشن کے ساتھ مولوی فاضل کی سند نے علمی حلقے میں ان کی دھاک بٹھا دی۔ مدرسہ سلطان المدارس میں ان کی جگہ محفوظ تھی۔ جناب باقر العلوم سید باقر صاحب قبلہ کی غیر معمولی محبت و پدرانہ شفقت نے طلبہ کو سربلند بنا رکھا تھا۔ مولانا علی حیدر صاحب نے تقریری و تحریری مقابلوں میں ممتاز کامیابیاں حاصل کیں۔

جناب مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ فرماتے ہیں:

"میں سلطان العلوم (جماعت نہم) کا طالب علم تھا اور مولانا علی حیدر صاحب صدر الافاضل کے آخری سال میں

لہ مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ پنجشنبہ ۲۵ شعبان ۱۳۱۸ھ کو ... میں ... سلطان المدارس سے صدر الافاضل اور (جاری ہے)

ان کے ساتھ غالباً مولانا حیدر حسین صاحب نکہت، ملا یوسف صاحب، مولانا محمد صادق صاحب برادر مولانا جعفر صاحب ہیں۔ اور مولانا سید محمد صاحب امروہوی پڑھتے تھے۔ اس جماعت کا امتحان اس لیے یاد ہے کہ میں نے سلم کا پرچہ آٹھ گھنٹے تک لکھا اور مولانا کی جماعت دس بجے دن سے تقریباً نصف شب تک جواب لکھتی رہی:

۱۳۴۶ھ میں صدر الافاضل سے فراغت پائی۔ وطن آئے تو والد کو مصروف تصنیف و تالیف دیکھا۔ اس وقت الشمس و اصلاح دو ماہ نامے نکل رہے تھے، مولانا علی اظہر صاحب کے تالیفات الگ تھے۔ لہٰذا والد کا ہاتھ بٹانا شروع کیا۔ دین یا دنیا؟ :۔ کھجوہ میں ایک ذہین، قابل، صاحب قلم، مقرر، انٹرنس پاس علوم دین کا عالم سب کے لیے دلچسپی کا باعث تھا۔ خاندان کے ترقی پسند چاہتے تھے کہ علی حیدر نوکری کریں اور شوق خدمت دین کا تقاضا تھا کہ خبردار، یہ نہ کرنا۔ اسی اثنا میں بنگال کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر تعلیمات کا خط آیا کہ پریسیڈنسی کالج میں عربی لکچرار کی جگہ خالی ہے، ایک سو پچیس روپے تنخواہ ہوگی۔ درخواست بھیج دو۔ ادھر اس سے کم تنخواہ پہ مدرسۂ سلیمانیہ پٹنہ میں طلب تھی۔ آپ نے مدرسے کو ترجیح دی اور لکچررشپ کو خیرباد کہا۔ مولانا سمجھتے تھے کہ پٹنے میں رہیں گے تو پریس کا انتظام خاطر خواہ ہو جائے گا۔

لکھنو سے طلب سلطان المدارس کی تنظیم نو: ابھی چھ ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ سرکار باقر العلوم نے لکھنو طلب فرمایا کہ سلطان المدارس میں افسر مدرس کی جگہ پر نامزد ہو چکے تھے۔

مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ فرماتے ہیں:

ابتداءً مدرسۂ سلطان المدارس میں ایک ایک استاد دو دو جماعتوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ اور عموماً تمام کتابیں کامل و مکمل پڑھائی جاتی تھیں۔

صدر الافاضل کے پانچ سال۔ سید ہادی صاحب قبلہ دو سال۔ ان سے پہلے مفتی محمد حسین صاحب دو سال میں شرائع الاسلام۔ مقامات حریری اور سلم العلوم وغیرہ کا درس دیتے تھے۔ نصف اول پہلے سال نصف آخر دوسرے

مدرسۃ الواعظین سے تکمیل تعلیم کے بعد ۱۹۲۸ء سے ڈیرہ اسماعیل خان (پنجاب) میں واعظ نامزد ہوئے۔ پھر پارا چنار میں قاضی شریعت ہوئے۔ آپ نے پورے برصغیر کا دورہ کیا اور بہت بڑے بڑے دینی اور قومی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک کام میری اس تالیف میں فراہمی اطلاعات کا کام بھی ہے کہ قبلہ و کعبہ سے زیادہ کسی نے میری مدد نہیں فرمائی۔ اطال اللہ بقائہم (۱۹۷۵ء) سے مدرسۃ الواعظین

مفتی صاحب سے پہلے مولانا جعفر حسین صاحب پڑھاتے تھے۔ انھوں نے مدرسہ چھوڑا تو وجاہت حسین ناظم صاحب ان کی جگہ آ گئے، ناظم صاحب کے ذمہ تھی۔ کافیہ، شرح تہذیب، ہدایۃ الہدایہ، نخو المبین وغیرہ۔ اور دوسری جماعت کو شرح جامی، قطبی، دروس البلاغہ، مختصر النافع اور شرح باب عشر پڑھاتے تھے۔ مولوی علی عابد صاحب میزان، منشعب، نحو میر، صرف میر وغیرہ۔ ایک اور بزرگ ہدایۃ النحو کی جماعت پڑھاتے تھے۔ ان سے پہلے داروغہ سخاوت علی صاحب کے عزیز (شاید ولی محمد صاحب) ابجد خوانی قرآن مجید، اردو، حساب، خوش خطی کی جماعت کے استاد تھے۔

مدرسے میں مولانا محمد رضا صاحب قبلہ کے آنے سے کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔

نو جماعتیں بنائی گئیں، ہر جماعت کے لیے ایک استاد کا تقرر ہوا۔ صدر الافاضل پانچ سال کے بجائے دو سال کی جماعت قرار پائی اور پہلی تین جماعتوں کو سند الافاضل کی جماعت کا نام ملا۔

اس وقت مدرسے کے اساتذہ یہ تھے: ولی محمد صاحب، سید علی صاحب، علی عابد صاحب، وجاہت حسین صاحب، مفتی محمد حسین صاحب، شاہ عبد الحسین صاحب، شاہ غلام حیدر صاحب مدرسے میں۔ جامعہ میں مولانا عالم حسین صاحب (ادب) مولانا محمد رضا صاحب (معقولات) مولانا محمد ہادی صاحب (فقہ و اصول) جناب باقر العلوم (فقہ و اصول و حدیث کا آخری درس)۔

۱۳۴۰ھ میں مولانا علی حیدر صاحب مدرسے کی آخری جماعت کے استاد اور افسر مدرس کے نام سے معین کیے گئے۔ ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۸ء تک وہ مدرسے میں رہے۔ اور "الکلام" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جس میں احقاق الحق۔ نہج البلاغہ اور عروۃ الوثقیٰ کے ترجمے کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن بھائی کی علالت اور والد کی پریشانیوں نے یہ سلسلہ منقطع کر دیا اور موصوف وطن جانے پر مجبور ہو گئے۔ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ میں مولوی محمد حیدر صاحب نے رحلت کی۔ صفر ۱۳۴۷ھ میں ان سے چھوٹے بھائی اختر حسین صاحب نے وفات کی۔ ان صدمات سے مولانا علی اظہر صاحب کام کرنے کے قابل نہ رہے۔ لہٰذا "اصلاح" کی ادارت اور تصنیف و تالیف کا تمام کام مولانا کے ذمہ آن پڑا۔ ۱۲ شعبان کو ۱۳۴۷ھ کو مولانا علی اظہر صاحب نے انتقال کیا۔

۱۳۵۱ھ سے ۱۳۵۸ھ تک مولانا علی حیدر نے تصنیف و تالیف کا بہت کام کیا۔ لیکن صحافت ایسا فن ہے جو وقت کے ساتھ طاقِ نسیان کی زینت بنتا چلا جاتا ہے۔ محنت اور وقت کے لحاظ سے اس کا درجہ تصنیف سے کم نہیں ہوتا مگر چھوٹی ہوتی ہے۔ اعتراضوں کے جواب وفتی مسائل پر اظہار رائے اور جیسے فائدے ضرور حاصل ہوتے ہیں۔ الشمس اور شیعہ پھر اصلاح نے شعبہ صحافت میں سب سے زیادہ مدت تک یہ کام

انجام دیا۔ اور مولانا علی اظہر صاحب کا لگایا ہوا پودا مولانا علی حیدر کے ہاتھوں پھلا پھولا پھر ان کے فرزند مولانا محمد باقر صاحب کی عرق ریزی سے تناور درخت بنا۔

۶۰ ۱۳ھ سے ۶۹ ۱۳ھ تک جنگ اور اس کے نتائج نے اصلاح والشمس کو بند کر دیا اور مولانا علی حیدر صاحب مستقل کتابیں لکھنے میں مصروف رہے۔

۶۷ ۱۳ھ میں پاکستان بنا۔ اس سے رہی سہی رفتار اور اصلاح کی اشاعت ختم ہوگئی۔ اب مولانا ایک بڑے منصوبے کی تکمیل کے لیے کمر بستہ ہوئے۔

۱۹۵۰ء میں اصلاح کا باقاعدہ اجراء ہوا اور ادارت مولانا محمد باقر صاحب کو دے دی۔ خود سوانح امیرالمؤمنین علیہ السلام لکھنے بیٹھ گئے۔ ۱۹۵۱ء میں ۵۰۴ صفحات اعجاز الوحی کے نام اور ۱۹۵۲ء میں چار سو صفحات قرآن ناطق کے نام سے شایع ہوئے۔

ضعف اور علالت کا سلسلہ بڑھتا جاتا تھا، جس قدر ممکن تھا لکھتے تھے اور مولانا محمد باقر صاحب اسے مکمل کرتے تھے۔ اسی زمانے میں تفسیر کا آغاز کیا اور گیارہ پارے مکمل کیے۔ عقدِ ام کلثوم پر کتاب لکھی، تصویر بخاری لکھی۔

۳ر جنوری ۱۹۵۷ء کو فالج نے مجبور کر دیا، لیکن علاج ہوا اور شفا پائی۔ اگست ۱۹۵۸ء میں پھر علیل ہوگئے مگر پھر سنبھل گئے، کچھ نہ کچھ کام کرتے رہے۔ نماز جماعت تو ۱۳ر رمضان تک پڑھائی مگر اس کے بعد مجبور ہوگئے اور ۱۶ر رمضان ۱۳۸۰ھ ساڑھے چھ بجے یہ شمع گل ہوگئی۔

مولانا علی حیدر صاحب نے "اصلاح" کو ایک ادارہ بنایا۔ اور شیعہ تاریخ و علوم و صحافت میں دیرپا نقش قائم کیے۔ شیعہ تاریخ برصغیر میں ان کا نام جلی حرفوں سے لکھا جائے گا۔ مولانا علی اظہر صاحب نے اپنا سلسلہ خدمت مولانا علی حیدر صاحب کے سپرد کیا تھا اور مولانا علی حیدر صاحب نے اپنے فرزند مولانا محمد باقر صاحب کو اپنا قلمدان عطا کیا اور مولانا محمد باقر صاحب صدر الافاضل بڑی محنت و خلوص سے تصنیف و تالیف کے ذریعے خدمت علم و دین انجام دے رہے ہیں۔

تصانیف : مولانا کے مضامین افسوس ہے کہ جمع نہیں ہوسکے ورنہ ہزاروں صفحات کا ایک دفتر تیار ہوتا۔ اسی طرح مطالعے کا دفتر بھی ضخیم ہے۔ متفرق رسالوں کے علاوہ منضبط کتابوں کی ایک فہرست یہ ہے :-

- مجالس خاتون تین جلدیں ایک ہزار صفحات۔ • تصویر عزا پانچ سو صفحات میں عزاداری پر اعتراضات کے جواب۔ • سوانح حضرت ابوبکر دو جلدیں سات سو صفحات۔ • سوانح حضرت عمر آٹھ سو صفحات مطبوعہ۔
- تاریخ آئمہ (معہ اعلام الاصفیا) پانچ سو صفحات۔ • ... آیات سے حقانیت مذہب شیعہ ...

بحث۔ پانچ سو سولہ صفحات مطبوعہ۔ • شہادت عظمیٰ جواب شہید اعظم از ابوالکلام آزاد مطبوعہ۔
• نفس الشیعہ ترجمہ کتاب الصلوٰۃ عروۃ الوثقیٰ (غیر مطبوعہ) • ترجمہ احقاق الحق ۳۰۴ صفحات ناتمام (مطبوعہ) • ترجمہ و شرح نہج البلاغہ ۷۰ خطبات۔ • مناظرۂ مامون الرشید۔ • فضائل امیر المومنینؑ • احادیث حضرت عائشہؓ۔ • فضائل ولی الباری من احادیث صحیح البخاری۔ • عقد ام کلثوم مطبوعہ۔
• تصویر بنی امیہ (مطبوعہ) • سوانح عمری حضرت امیر المومنینؑ، جلد اول اعجاز الولی، جلد دوم قرآن ناطق جلد سوم قتل اکبر مطبوعہ۔ • مجالس الانوار۔ • مجالس الاطفال۔ • ترجمہ و تفسیر قرآن مجید ناتمام۔ • تحفۂ مومنات مشاہیر خواتین اسلام اور اخلاق نسواں۔ • حضرت سکینہؑ مطبوعہ۔ • عزاداری نور خدا ہے۔ • دو ہزار صفحات کی قاموس حوالہ نما، موضوع اور حاصل مطالعہ (غیر مطبوعہ)

اولاد: متعدد فرزند اور دختران میں سے مولانا محمد باقر صاحب متوفی ۱۴۰۲ھ مولانا آغا جعفر صاحب اور مولوی سید رضی جعفر صاحب بانیاً اللہ حیات ہیں۔ (اصلاح جمادی ۱۹۶۱ء، باضافہ)

علی حیدر، طباطبائی۔ نظم:

۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۴ء
۱۳۵۲ھ / ۱۹۲۳ء

نواب مولوی سید علی حیدر طباطبائی خلف میر مصطفےٰ حسین صاحب لکھنوی حیدر گنج میں رہتے تھے۔
۱۵ یا ۱۶ صفر ۱۲۷۵ھ کو پیدا ہوئے وطن ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ملا طاہر نحوی اور دوسرے علما سے علوم اسلامیہ عربیہ اور مینڈ صولال زار سے فارسی ادب کا شوق پورا کیا اور سخن گوئی میں مشق بہم پہنچائی۔
حضرت واجد علی شاہ مرحوم نے شہزادوں کی تعلیم کے لیے طلب فرمایا اور شاہی مدرسے میں پروفیسر مقرر کیا۔ اسی زمانے میں آپ نے علامہ قائمۃ الدین مرزا محمد علی صاحب سے منقولات وغیرہ کی تحصیل کی۔ پرنس حامد علی مرزا کو کب کے مشاعروں میں فن شعر کو جلا دی۔ وائسرائے نے خاندانِ اودھ اور اولادِ ٹیپو کی تعلیم و تربیت کا خیال آیا اور ایک شاہی اقامتی اسکول کی بنیاد رکھی، علی حیدر صاحب کو اس میں عربی کی پروفیسری ملی لیکن وفات واجد علی شاہ مرحوم کے بعد وہ اسکول بھی ختم ہو گیا، حیدر آباد کے مدرسۂ اعزہ کے لیے ایک استاد کی ضرورت تھی۔ اس لیے آپ کی طلبی ہوئی۔ مگر آپ آئے تو نواب عماد الملک نے کتب خانۂ آصفیہ میں روک لیا۔ پھر نظام کالج میں عربی پروفیسر مقرر رہے گئے۔ اس کے ساتھ شہزادوں کی تعلیم بھی آپ سے متعلق ہوئی اور پھر یہ بھی حکم ہوا کہ دارالترجمہ جامعۂ عثمانیہ کے ناظر ادب کی خدمت بھی انجام دیں۔ حیدر یار جنگ خطاب مرحمت ہوا۔
مولانا نظم خاص ملا تھے، لیکن ذہن رسا اور غیر معمولی قابلیت کی بنا پر ملا دشمن بھی ان کو واجب التعظیم جانتے تھے۔ انھوں نے اردو ادب میں نظم کو بلینک ورس اور جدید رجحانات سے آشنا کیا۔

مولانا کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ مقالات ورسائل وکتب کے علاوہ بڑا کام ادارۂ وضع اصطلاحات وترجمہ جامعہ عثمانیہ

مولانا کی تاریخ وفات ۲۷ محرم ۱۳۵۲ھ / ۲۳ مئی ۱۹۳۳ء انھوں نے اپنے بعد سید احمد و سید امجد دو بیٹے چھوڑے۔

تصانیف : • شرح دیوان امراء القیس (اردو) • شرح تشریح الافلاک (عربی) • ترجمہ تاریخ طبری جلد دوم (اردو) • ترجمہ تاریخ یورپ (اردو، سنسکرت) • مقالات ومضامین۔ • شرح دیوان عالم الہدیٰ

• دیوانِ اشعار، عربی، فارسی و اردو۔ (منظر الکرام ص ۱۹۲ بعد طبع حیدرآباد دکن ۱۳۴۵ھ سید اعجاز حسین، قومی زبان دسمبر ۱۹۷ء (مختصر تاریخ ادب اردو، ص ۲۰۶ طبع دکن ۱۹۴۸ء)

علی داور، صدر الافاضل:

۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

مولانا سید علی داور صاحب خاندانِ اجتہاد کے فعّال، خطیب و مصنف تھے۔ آپ نے ماہنامہ "مبلغ" کے ذریعے علمی فضا قائم کی اور آل غفران مآب کے اکابر علما کی سیرت وسوانح پر وقیع کام کیا۔ ۱۳۵۲ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔

علی رضا، تجلّی

ابن ملا کمال الدین اردکانی

۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۴ء

ملا علی رضا شیرازی برِّصغیر کے ان علما میں ہیں جو مرجعیت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور نور اللہ شوستری شہید ثالث کے بعد وہی اس خطے کے عالم وفقیہ کل مانے گئے۔ اس عظمت کا سبب ان کی ذاتی قابلیت اور فقہی مہارت کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ وہ اس زمانے کے سب سے بڑے فقیہ آیۃ اللہ، سید حسین خوانساری (م ۱۰۹۹ھ) کے شاگرد اور ان سے اجازہ یافتہ تھے۔ نوجوانی کے عالم میں اوائل جلوس شاہجہانی میں وارد ہند ہوئے اور شاہ جہان نے ان کا شاندار استقبال کیا پہلے نظیری نیشاپوری نے گجرات میں رکھا، پھر علی مردان خان نے اپنے فرزند ابراہیم خان کا اتالیق مقرر کیا، تمام امرا وارکانِ سلطنت ان کا احترام کرتے تھے علی مردان خان کی توجہ سے دہلی، سوہدرہ، لاہور، کشمیر میں بڑے بڑے علما جمع ہوئے۔ جن میں ملا سعید اشرف مازندرانی اور ملا علی رضا تجلّی کے نام بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ملا علی رضا نے قرآن مجید کی ایسی تفسیر لکھی کہ بقول احمد علی خان سندیلوی ان کے عہد (۱۲۱۸ھ) تک متداول رہی۔ بعبارت مخزن الغرائب "تفسیر کلام مجید بعبارت فصیح وواضح نوشتہ، درمیان فضلا متداول است" (ج ۱ ص ۲۰۴)

ان کی محفل ہر وقت علما وطلبا سے لبریز رہتی تھی۔ اور مولانا شب وروز بحث ودرس میں مصروف

رستے تھے۔

ان کے نابینا والد بزرگوار خستہ سال، دیہاتی لباس میں، وارد مجلس درس ہوئے۔ مولانا ان کو دیکھتے ہی سروقد تعظیم کو اٹھے۔ دست بوسی کی اور اپنی مسند پر بٹھایا اور مودب ہو کر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں تو فرمایا "میرے والد بزرگوار"۔ تمام مجمع دوڑا اور سب نے احترامات وعقیدت کا اظہار کیا۔

مولانا علی رضا گجرات، آگرہ، دہلی، لاہور، سوہدرہ، کشمیر میں سیر و گردش کے بعد ایک عرصے تک یہاں رہے پھر روزِ دیگر کروطن پلٹ گئے۔ وہاں شاہ عباس نے پذیرائی کی۔ والدۂ شاہ کے مدرسے میں درس دیتے رہے۔ ۱۰۷۲ھ میں اردکان کے قریب جاگیر ملی لیکن شاہی پابندیوں سے دل برداشتہ ہو کر حج و زیارات کا سفر کیا۔ واپسی میں شیراز آئے اور شیراز ہی میں وفات پائی۔

ان کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے:

- ہمیشہ بہار و کلمات الشعراء: ۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء
- بسیل (Beale) ۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء
- روضات الجنات: ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء

ہندی تذکرہ نگاروں نے انہیں شاعر کی حیثیت سے یاد کرتے ہوئے فقاہت و علم کا تذکرہ بھی لکھا ہے۔ سب کہتے ہیں کہ وہ اصفہان میں دینی زعامت کو پہنچے۔ روضات الجنات میں ان کا شمار آقای حسین خوانساری کے اکابر تلامذہ میں ہوا ہے۔ (بنام تجلّی) تھا سید۔

تصانیف: • تفسیر قرآن مجید، فارسی۔ • رسالۃ فی المنع من صلوٰۃ الجمعہ حال الغیبۃ، فارسی • رسالہ سفینۃ النجاۃ امامت، فارسی، مطبوعہ • رسالہ در رد محمد باقر۔ • دیوان۔ مثنوی معراج خیال • حاشیہ بر حاشیہ ملا عبداللہ یزدی، طبع مع ردّ

(الذریعہ ۲/ روضات الجنات ج ۲ ص ۲۱۹، مخزن الغرائب ج ۱ ص ۲۰۴ ہمیشہ بہار، صبح گلشن، کلمات الشعراء، مآثر الکرام نیز مطلع انوار ۴۶۴ و ۱۳۷)

علی رضا مخدوم پوری:

۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء

حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

مولانا سید علی رضا بن سید اصغر حسین صاحب مخدوم پور ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے اور جناب زکی حسن صاحب زنگی پوری کے شاگرد تھے۔ شرح لمعہ و شرح مواقف وغیرہ کی تعلیم موصوف ہی سے حاصل کی۔ محمد نواب صاحب رئیس عظیم آباد کی سرکار میں منتظم تھے۔ نواب سید کاظم حسین خان نبیرہ محمد نواب صاحب کو میرزان سے شرح لمعہ تک تعلیم دی۔

۱۳۰۹ھ میں زیارتِ عتبات سے مشرف ہوئے۔
شیخ حسین صاحب قبلہ نے ملا محمد طہٰ نجفی وغیرہم سے اجازات حاصل کیے تھے۔
۱۳۲۰ھ کے لگ بھگ رحلت کی۔ (بے بہا: ۲۶۲)

علی رضا بھیک پوری : . . . .

۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

سید علی رضا صاحب جناب مفتی محمد عباس صاحب کے شاگرد تھے۔ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ کو بھیک پور صوبہ بہار (ہند) میں فوت ہوئے۔

علی رضا : . . . .

حدود ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

سید علی رضا، بڑے عالم و فاضل و متدین بزرگ تھے۔ نواب، حامد علی خان آف رام پور کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ آبدار خانے میں نگران و داروغگی کا منصب، دیا تھا۔ لیکن محلاتی سازش کا شکار ہوئے اور رام پور سے ہجرت، کر گئے۔
۱۳۲۸ھ کے بعد تک زندہ تھے۔

علی شریف لکھنوی : . . . .

۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء

مرزا علی شریف بن محمد زمان (علوی خان، ۱۱۶۰ھ) طبیب و فقیہ منطق و فلسفہ و کلام کے فاضل تھے۔ جناب غفران مآب سے خاص تلمذ تھا۔
۱۲۳۱ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔ (تکملہ نجوم السماء: ۲/۲۳۸)

تصانیف : مناظرے کے علاوہ حمیات پر ایک نفیس رسالہ لکھا تھا۔ (نزہۃ ج۷، ص۳۳۳)

علی شیر قانع تتوی :

۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء
۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۸ء

میر علی شیر قانع تتوی، متعدد تاریخی اور ادبی کتابوں کے مصنف تھے۔ ٹھٹھے میں رحلت کی۔
تاریخ وفات ۱۲۰۳ھ ہے۔

تصانیف : مقالات الشعرا۔ طبع کراچی

عباس میرزا : حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء

سید عباس میرزا ابن مولانا سید احمد حسینی اپنے عہد کے فاضل و ادیب، مقدس و متقی بزرگ تھے، مولانا محمد ذکی تایید سید العلماء سید حسین صاحب کے شاگرد تھے اور جناب فردوس مآب مولانا حامد حسین صاحب کے مخلص دوستوں میں تاریخ و رجال و عربی ادب خاص موضوع تھا۔

- الحصن المتین فی احوال الوزراء والسلاطین عربی میں لکھی۔

عبد الشکور : حدود ۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۹ء

عبد الشکور ابن مخدوم عبد الواسع منشی ٹھٹھوی نواب مظفر خاں ناظم ٹھٹھہ کے متوسل افاضل و علما میں تھے موصوف کی دو فارسی کتابیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں :

- ذکر الحسینؑ تالیف ۱۰۷۹ھ • تاریخ دوازدہ امام تالیف ۱۰۷۵ھ دونوں کتابوں میں امامت منصوصہ ائمہ علیہم السلام پر بحث بھی کی ہے۔

عبد الولی عزلت : ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء

سید عبد الولی عزلت ابن سید سعد اللہ م ۱۱۳۸ھ سورت کے علما و مجتہدین امامیہ میں تھے۔ (گلدستۂ صلحاء سورت) لیکن تذکرۂ شعرا میں ان کو بحیثیت شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔ علی مددی خان کے بعد عزلت صاحب دکن، عظیم آباد اور دہلی کے بعد لکھنؤ آئے تھے۔ محی الدین زور نے حیات میر محمد مومن طبع ۱۹۵۷ء ص ۲۸۸ پر لکھا ہے کہ عزلت ۱۱۸۹ھ کو حیدرآباد میں فوت ہوئے اور دائرہ میر محمد مومن میں دفن ہوئے۔

عبد الھادی : حدود ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۸ء

سید عبد الھادی بن رفیع الدین حسین حسینی دلیجانی دکن میں رہتے تھے، عالم فقیہ تھے دکن میں رسالۂ نظامیہ کی شرح لکھی، انتظامیہ شیخ عبد العلی بن علی بن عبد العالی کرکی نے نظام شاہ کے لیے لکھی تھی۔

عبد الھادی کی شرح کا نام "ہادی المضلین و مرشد المصلین" ہے یہ شرح مفصل فقہ استدلالی میں ہے اور مصنف کا قلمی نسخہ، شرائط فقہا تک (عربی میں) کتب خانۂ آقای شہاب الدین نجفی میں ہے۔

(فہرست نسخہ ہای خطی ج ۳ ص ۱)

علی ضامن نونہروی :

۱۲۵۵ھ / ...
۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

فلسفی دوراں مولانا سید علی ضامن بن امداد علی نونہرہ ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا سید محمد صاحب عبدالحلیم بن امین اللہ اور شیخ تراب علی امروہوی فقہ میں ممتاز العلما سید محمد تقی صاحب کے شاگرد تھے۔ عمر ۲۵ سال تھی۔ ۸ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ میں وفات پائی۔

تصانیف : ۰ حاشیہ شمس بازغہ۔ (تکملہ ج ۲ ص ۱۹۱، نزہتہ ج ۷، ص ۳۲۳)

علی ضامن زیدی :

۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۸ء
حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا سید علی ضامن بن علی اوسط زیدی ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم دین کی تکمیل لکھنؤ میں کی ان کی ایک تالیف اذکار الزاہدین چھپ چکی ہے جس کے آخر میں ان کے احوال اور سلطان العلماء سید محمد کی تقریظ ہے۔

علی عادل شاہ، بیجاپوری :

حدود ۹۴۱ھ / ۱۵۳۴ء
۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء

عالم و فاضل علی بن ابراہیم۔ عادل شاہ بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ شاہانہ اہتمام کے ساتھ تربیت پائی۔ نحو و منطق و کلام و عقائد و علوم دین خواجہ عنایت اللہ شیرازی اور فتح اللہ شیرازی سے حاصل کیے۔ خطاطی و شاعری میں شہرت پائی۔

علم پروری و سیاست میں نامور تھے۔ ۹۶۵ھ میں تخت نشین ہو کر ائمہ اثنا عشر کا خطبہ جاری کیا۔ علماء شیعہ کا مجمع جمع کیا اور ان کی ہمت افزائی کی۔

شب پنجشنبہ ۲۳ صفر ۹۸۸ھ میں وفات پائی۔

تاریخ ہے "شاہ جہاں شد شہید" (نزہتہ ج ۵)

علی عسکر شاہ، سید :

۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۵ء
۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

مولوی سید علی عسکر خلف سید چراغ حسین شاہ مری ضلع کوہاٹ کے رہنے والے تھے۔ فارسی کے ماہر اور بقدر ضرورت صرف و نحو سے واقف تھے۔ مسائل فقہ پر عبور تھا۔ مطالعہ و درس نے معلومات کو جلا بخشی، خطابت و وعظ نے شہرت دی۔ بنگش کے عوام آپ کو عالم مانتے تھے۔

فن تجوید و قرأت میں اطراف کوہاٹ میں بڑے ماہر مانے جاتے تھے قرأت اور عربی لہجہ میں تلاوت آپ کا امتیاز تھا۔

زاہد و عابد، خلیق و سخی مبلغ و واعظ تھے۔

۵ر جنوری ۱۸۸۵ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ تاریخ ولادت اور ۱۲ر فروری ۱۹۴۰ء مطابق محرم ۱۳۵۹ھ تاریخ وفات ہے۔ (مکتوب رمزی بنگش)

علی غضنفر:

۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء

مولانا علی غضنفر بن علی اکبر خاندان اجتہاد کے فعال آدمی تھے۔ موصوف نے تاریخ خاندان اجتہاد پر بہت کام کیا۔ لکھنؤ میں وفات پائی۔

علی میاں کامل لکھنوی:

۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۶ء

۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۵ء

نجم الدین عرف علی میاں کامل روز غدیر ۱۲۵۱ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ علوم دین اپنے والد ماجد جناب مولوی سید احمد علی صاحب محمد آبادی اور جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب سے اور علوم ادب جناب مفتی صاحب سے حاصل کئے۔ والد کا نام اور شخصیت مسلم تھی مولانا نجم الدین نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور فقاہت میں شہرت پائی۔

اپنے عہد کے کامل ترین بزرگ اور علم و فضل سادگی و انکساری و زہد کا یہ عالم کہ نواب منور الدولہ کی صاحبزادی سے عقد ہوا، لاکھوں روپیہ نقد، جواہرات، زیورات، مکانات وغیرہ ملے مگر وہ سب روپیہ اور جائداد تلف ہو گئی۔

تہذیب الاحکام کی شرح لکھنے میں بڑا انہماک رہا۔

شعر و شاعری سے دلچسپی تھی تمام انواع سخن میں طبع آزمائی کی اور پسند عام نے شہرت بخشی اسی بنا پر میر نفیس سے چشمک ہوئی اور مقابلے میں مرثیے لکھے۔ جو بہت مشہور ہوئے۔ مگر صرف مجموعہ رباعیات سواد غم کے سوا اور کوئی چیز شائع نہیں ہوئی۔

۹ر ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ لاولد انتقال کیا اور امام باڑہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔ کسی نے تاریخ کہی:

نفیس و آتش ثانی بہ مرثیہ بہ غزل — فقیہ کامل و علامۂ زماں صد ہائے

فغاں کہ از قدمش شہر لکھنؤ خالی ست — فرس رسید دشنا علی میاں صد ہائے

جناب حکیم حیدر نواب صاحب کے پاس مرحوم کے تالیفات محفوظ تھیں۔ ۱۳۲۲ھ حکیم صاحب کراچی میں

رہتے تھے اور ۱۲۹۷ھ میں وفات پا گئے۔ (بے بہا: ۲۴۷ اضافہ)

علی قاسم نواب :

حدود ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء

نواب علی قاسم خان صاحب شیخوپور و حسین آباد ضلع مونگیر کے قدیم رئیس و عالم خاندان سے تھے۔ محمد نصیر خان اور داؤد علی خان کے پوتے تھے۔ لکھنؤ آن کر تعلیم دین کو مکمل کیا۔ ان کے اساتذہ یہ ہیں:

- مولوی مرزا علی صاحب (قطبی و میبذی)
- مولوی سید مرتضیٰ نونہروی (شرح سلم و میر زاہد و ملا حسن)
- حسام الاسلام سید نثار حسین، شرائع الاسلام و قواعد العقائد و شرح باب و شرح تجرید و سبعہ معلقہ و نفحۃ الیمن و عجب العجاب و حمد اللہ۔

مولانا علی قاسم خان اچھے خطیب اور عربی و فارسی کے شاعر تھے۔

حدود ۱۳۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ (بے بہا: ص ۳۱۴)

علی گل، استرآبادی :

۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳ء

عالم و فاضل و شاعر۔ احمد نگر میں قیام کیا، احمد نظام شاہ کے عہد میں عزت و شہرت پائی پھر حیدرآباد جاکر منصب دار ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ ایران میں درس و تدریس کا سلسلہ رکھتے تھے مگر یہاں شاعری میں نامور ہوئے

۱۰۳۳ھ میں رحلت کی اور دائرہ میر محمد مومن میں دفن ہوئے۔ (میر محمد مومن ص ۲۸۰ نزہتہ الخواطر ج ۴)

علی محمد عرف مولوی چھبن صاحب :

حدود ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

مولانا علی محمد عرف چھبن صاحب لکھنؤ میں پیدا پرورش ہوئے۔ فقہ و اصول میں کامل الاستعداد عابد و پرہیزگار تھے۔ ذاکری میں مشہور تھے۔ مقاتل و مناقب کی عبارتیں از بر تھیں۔ متعدد مقامات پر پیشنمازی فرمائی۔ لکھنؤ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات حدود ۱۳۴۰ھ ہے۔ (بے بہا: ۲۵۴)

علی محمد، تاج العلماء :

۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء
۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء

تاج العلماء مولانا سید علی محمد ابن سلطان العلماء سید محمد کی تاریخ ولادت شوال ۱۲۶۲ھ ہے۔

(مرزا محمد مہدی صاحب نے تکملۂ نجوم السماء میں، جمعہ ماہ شوال ۱۲۶۴ھ تاریخ لکھی ہے)

میر بادشاہ علی نقل نے تاریخ نکالی تھی۔

ہاتف دین از رہ بشارت گفت　　　　شد نائب امام امم

والد علام اور معاصر اکابر علماء سے علوم دین حاصل کیے۔ یہود و نصاریٰ کی رد کے لیے عبرانی بھی سیکھی۔ حاضر جوابی اور تحقیق میں بے مثال تھے۔ جناب حسام الاسلام سید نثار حسین صاحب سے شیخ محمد علی قمی کا مناظرہ حیدرآباد دکن میں ہوا۔ دکن والوں نے علمائے لکھنؤ سے جواب مانگے وہ جواب نجف و کربلا بھیجے گئے وہاں کے علماء نے جناب سید علی محمد صاحب تاج العلماء کے جوابات کی بہت تعریف لکھی۔

جناب سلطان العلماء کی وفات کے بعد مولانا علی محمد صاحب عراق تشریف لے گئے۔ اس وقت جناب آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی۔ آیۃ اللہ سید محمد بزرگ آیۃ اللہ ملا حسین اردکانی، آیۃ اللہ حسین شہرستانی، ثانی آیۃ اللہ سید علی طباطبائی وغیرہم نے ۱۲۸۵ھ میں پندرہ اجازے عطا کیے۔

وطن میں آپ کی زیادہ مصروفیت تدریس و تصنیف تھی۔ کچھ عرصے بعد آپ حج و زیارات کے لیے دوبارہ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں اکابر علماء سے دوبارہ ملاقات کی۔

لطائف: آپ کے برجستہ جواب اور خاموش کن مباحثات میں سے چند حکایتیں "تذکرہ بے بہا" سے نقل ہیں یہ واقعات لکھنؤ میں بھی مشہور تھے

کتے سے الفت کا نتیجہ:

ریل میں سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک صاحب سوار ہوئے۔ جن کے ساتھ کتا بھی تھا۔ فرسٹ یا سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں اس وقت بہت کم لوگ سفر کرتے تھے۔ چنانچہ اس ڈبے میں بھی دو تین ہی آدمی تھے۔ یہ صاحب جو برتھ پر بیٹھے تو سامنے مولانا کو دیکھ کر شرارت پر اتر آئے لگے اس سے کھیلنے۔ جناب قبلہ و کعبہ اس اچھل کود سے منغص ہو رہے تھے۔ آخر اس شخص نے کتے کو گود میں بٹھا لیا۔ جناب کو اب نصیحت و امر بالمعروف کا موقعہ ملا۔ آپ نے فرمایا "یہ امر آپ جیسے نفیس مزاج سے بہت بعید ہے۔" وہ بولے "حفاظت جان کے واسطے رکھا ہے۔ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں فرشتہ نہیں آتا تو ملک الموت بھی دور رہیں گے"! آپ نے فرمایا" اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ (گویا بھوت پریت) کتوں کی رفاقت کرتے ہیں وہی آپ کی تاک میں رہیں گے۔

خدا کے بیٹے پر ایمان:

عیسائیوں سے بکثرت مناظرے فرمایا کرتے تھے ان کے پادری آپ کی محبت و اخلاق کے

معترف تھے۔ ایک مرتبہ آپ علیل ہوئے، فادر کس صاحب عیادت کو آئے۔ مزاج پرسی کے ساتھ ہی کہا۔ اگر آپ خدا کے بیٹے پر ایمان لے آئیں تو سب بیماریوں سے نجات پا جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ لوگ نہ بیمار ہوتے نہ مرتے۔ اور فادر صاحب! جب تم نے باپ کا ساتھ دیا تو بیٹے کے ہاتھوں ہاتھ کیوں منہ سے دیں۔ خاک از تودہ کلاں بردار

جہاد کی بات :

عیسائیوں کی تبلیغ کا شباب تھا، اور ہر طرف یہ پروپیگنڈہ کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا جیسے آج کل ایک خاص گروہ نعرہ لگاتا ہے کہ مذہب استحصال کا ذریعہ ہے۔ کم فہم مسلمان اس نعرے اور پروپیگنڈے سے مرعوب ہو چکے تھے اور اہلِ علم اس جہاد کو دفاع کہہ کر جان بچا لیتے تھے۔

تاج العلما سے پادری منگ صاحب ملنے تشریف لے گئے، باتوں باتوں میں پادری صاحب نے کہا۔ اسلام میں یہ بہت بے انصافی ہے کہ لوگوں کو بجبر مسلمان کرتے ہیں، چنانچہ جہاد کو فرض سمجھتے ہیں، حالانکہ عقل اسے ناروا جانتی ہے۔ جناب قبلہ و کعبہ اس بات کو ٹال گئے۔ اِدھر اُدھر کا ذکر کرتے کرتے "ستی" کی رسم پر آگئے۔ انگریز بڑا فخر کرتے تھے کہ یہ منحوس رسم ہم نے ختم کی۔ پادری صاحب بولے اب یہ نامعقول رواج موقوف ہوگیا۔ حکام وقت نے اس پر بڑی سخت سزائیں دی ہیں۔ قبلہ و کعبہ نے فرمایا۔ دنیا کا ستی ہونا تو آپ کو ایسا ناگوار ہوا کہ آپ نے حاکمانہ و جابرانہ دخل دیا اب آپ ہی سوچیے کہ آنحضرت ہمیشہ کے لیے کفار کا ستی ہونا کیسے گوارا کر لیتے اور کیوں نہ حاکمانہ انداز میں ان کو روکتے۔

دہریت و عیسائیت و یہودیت کے جواب اور ان کی کتابوں میں مہارت آپ پر ختم تھی۔ صحف سماویہ کے حافظ تھے۔ اور اسلام کے عظیم محافظ۔

تلامذہ : • مولانا سید علی حسین صاحب زنگی پوری مجتہد۔ • مولانا سید کرم حسین صاحب جلالوی مجتہد
• جناب مولانا زین العلما مولانا زین العابدین صاحب مجتہد نبیرۂ مفتی صاحب۔ • جناب مولانا سید کلب باقر کربلائی مجتہد۔ • جناب مولانا سید ابوالحسن مجتہد (ساکن مقبرہ، گولا گنج لکھنؤ۔
• مولانا سید محمد حسین صاحب لکھنوی مجتہد۔ • مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد۔
• مولانا سبط حسن صاحب مجتہد۔ • مولانا سید احمد صاحب مجتہد۔ • مولانا محمد مہدی عرف مولوی پیارے صاحب۔ • مولانا غلام علی۔ • مولانا سید کرار علی بلگرامی۔ • مولانا سید باقر مہدی جرول
• مولانا سید کلب رضا جائسی۔ • مولانا سید جواد شاہ صاحب۔ • مولانا سید سرفراز حسین
• مولانا سید محمد عسکری صاحب۔ • مولانا سبط محمد صاحب۔ • مولانا غلام حسنین صاحب بہار پوری

• مولانا خواجہ عابد حسین صاحب سہارن پوری۔ • مولانا نواب زوار علی خان رئیس حسین آباد ضلع مونگیر
• نواب بادشاہ حسین صاحب رئیس عظیم آباد۔ • مولانا سید محمد عباس عرف مجن صاحب تحدیث نوران
• مولانا مہدی حسن صاحب۔ • مولانا سید اصغر حسین صاحب نوگانوی۔ • مولانا سید علی اصغر صاحب
میمن ضلع بجنور۔ • حکیم نثار حسین عظیم آبادی۔

تصانیف: تاج العلما کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اردو زبان کو علمی ذخائر سے مالا مال کیا اور اس میں لکھنے کو ہنر سمجھا۔ چنانچہ ان کی اکثر کتابیں اردو ہی میں ہیں:۔

• ترجمہ قرآن مجید مع حواشی اردو۔ • ارشادیہ (چودھویں رات کا چاند) • تفسیر سورہ ھل اتی
• تفسیر سورۂ یوسف، احسن القصص۔ • معرکہ آراء۔ • رسالہ قاسمیہ در عروسی جناب قاسم
• رسالہ مہدویہ۔ • شرح خطبہ شقشقیہ۔ • موعظہ یونسیہ۔ • موعظہ جونپوریہ۔ • موعظہ اکبر پوریہ
• موعظہ عظیم آبادیہ۔ • عید کا چاند۔ • ترجمہ الفیہ شہید۔ • رسالہ عروض و قوافی۔ • طرائف الطرائف • موعظہ جواریہ
• متن متنین فقہ عربی (غبار سفر صوم ہے) • رسالہ عدیمۃ المثال (جواز تصویر عکسی)
• اثنا عشریہ (استدلالی) • ترجمۃ الصلوٰۃ اردو۔ • تعلیم الاطفال اردو۔ • لیلیۃ التعلیق انیق (عربی)
• احتجاج علوی۔ • زاد قلیل (عربی کلام) • رسالہ ساعتیہ۔ • رسالہ عدم جواز جہاد در غیبت امام
• تحقیق عجیب در عدم ضمان طبیب۔ • خطاب فاصل (حلیت قلیان) • مسائل حیدرآباد
• شرح رسالۂ ذخیرہ۔ • رسالہ حکمیہ۔ • تحفۃ الواعظین۔ • رسالہ در فن تجوید۔ • صولت علویہ
• ارشاد الصائمین۔ • شرح رسالۂ زبدہ (عربی) • حاشیہ زبدۃ الاصول۔ • تحفۃ الدعوات
• مثنوی غرہ منظومہ۔ • عجالہ۔ • رسالہ مفردہ ہندسہ۔ • شرح قصائد۔ • تنقید جدید در تفسیر بعض آیات • نور کا تڑکا۔ ترجمہ دعائے صباح۔ • تحقیق صددق۔ • الدر الثمین فی نجاسۃ الغسالات۔ • رد بابیہ غارالدین

جمعہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ کو رحلت کی اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ کی وفات پر جونپور کی مسجد محامد، جامع مسجد اور دوسری مسجد کے دروازے اور دیواریں گر گئی تھیں کہ آپ ان مساجد میں نماز پڑھاتے تھے۔

فرزند: • سید علی احمد۔ • سید محمد۔ (تکملۂ نجوم السماء، بے بہا: ۲۴۱ - نزہتہ ۸ ص)

علی محمد شاد، عظیم آبادی:

۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء
۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء

خان بہادر سید علی محمد شاد ابن سید عباس مرزا بن تفضل علی خان بارہوی (بابا ہروی) بحیثیت غزل گو

اردو ادب میں جانے پہچانے ادیب ہیں۔ لیکن موصوف پرانے زمانے کی یادگار اور مذہبی تعلیم سے آراستہ رئیس تھے۔

۱۹ محرم ۱۲۶۲ھ جنوری ۱۸۴۶ء کو شہر عظیم آباد پٹنہ محلہ پورب دروازہ میں پیدا ہوئے۔ امیر صاحب علم و اقبال گھرانہ تھا۔ عرب و عجم کے مسافر، تاجر، عالم و شاعر عظیم آباد آتے تو آپ کی حویلیوں میں ٹھہرا کرتے تھے۔ شاد انتہائی کم سنی میں ان لوگوں سے ملتے۔ ان کے ادب آداب دیکھتے تھے۔ ان حضرات میں میر سید محمد صاحب فیض آبادی (ہم سن و ہم عمر میر انیس) بھی تھے جو تیس برس تک شاد کے قریب رہے۔

شاد نے مولانا فرحت حسین سے صرف و نحو۔ مولانا شیخ آغا جان پدر مولانا علی باقر آباد اور مولانا سید عبداللہ شاہ کشمیری اور مولانا لطف علی، مولوی محمد اعظم سے ملا جامی تک نحو۔ سلم العلوم تک منطق، میبذی تک فلسفہ، حکیم شیخ محمد علی لکھنوی سے طب اور شیخ آغا جان سے معنی و بیان وغیرہ اور مولانا سید مہدی شاہ مرحوم سے فقہ پڑھ کر مطالعہ شروع کیا۔ جید الحافظہ، ذہین اور حاضر دماغ رئیس زادے تھے۔ شاعری کا ذوق ادھر لے گیا اور شاعری شروع کر دی۔ دس بارہ برس کی عمر تھی۔ زبدۃ الصرف پڑھتے تھے تو اسے نظم بھی کرتے جاتے تھے اور قریب قریب دو سو شعر نظم کر لیے تھے۔ ۱۲۹۰ھ میں مولوی شاہ امین اللہ نے مدرسہ قائم کیا۔ انھوں نے شاد سے منظومۂ نحو کی فرمائش کی۔ آپ نے دو سو شعر لکھے اس کے بعد بیمار ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ وہ باقاعدہ طالب علم اور فاضل صاحب علم کی طرح سے پلے بڑھے اور مراحل حیات طے کرنے لگے۔ پابندئ مذہب کا اثر شکل صورت، لباس، خوراک اور میل جول میں نمایاں تھا۔ وہ کھلم کھلا شیعہ مذہب کی حمایت کرتے تھے۔ اور تمام فرقوں سے ملتے تھے۔ ادب و تاریخ، سیاست و اصلاح قوم کے سلسلے میں ان کی خدمتیں یادگار رہیں۔ شاد مرحوم نے بڑی شہرت و عزت کی زندگی گزار کر ۸۱ سال کی عمر میں ۸ جنوری ۱۹۲۷ء رحلت کی۔ اس وقت آپ علیگڑھ میں نواب چھتاری کے مہمان تھے، لاش پٹنہ آئی، سنی شیعہ حضرات نے الگ الگ نماز جنازہ پڑھی۔ ہندو مسلمانوں نے مشایعت کی اور ان کے خاندانی قبرستان، شاد منزل کے جنوب مغرب میں سپرد لحد کیا۔ ۱۹۲۲ء میں یہیں آپ کے فرزند سید حسین خان اور ۱۹۳۴ء میں آپ کے بھانجے نواب نصیر حسین خیال محو خواب راحت ہوئے۔

تصانیف : علی محمد شاد کے اردو ادب پر تصانیف کی فہرست عام ہے۔ ہم یہاں چند تالیفات کا تذکرہ کریں گے۔

- **یومیہ:** پانچ چھ جزو کا عربی رسالہ جو شمس العلما مولانا محمد حسن صادق کی فرمائش سے، "محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ" کے لیے لکھا تھا اور شیعہ طلبا کو پڑھایا جاتا تھا۔ رسالہ یومیہ

چھپ چکا ہے۔ اس میں ترتذکرۂ اعمال امامیہ کا بیان ہے۔

• مردم دیدہ: نامور، صاحب کمال تقریباً سات افراد کا تذکرہ (غیر مطبوعہ) • ترجمۃ الاسلاف: فارسی میں دس بارہ جز کی کتاب (غیر مطبوعہ)۔ • حیات فرہاد: مطبوعہ اپنے استاد کا تذکرہ۔ • الصرف • النحو۔

• المنطق تینوں کتابیں عربی تعلیم کے لیے آسان زبان میں لکھی تھی لیکن اشاعت نہ ہوئی۔

• ذخیرۃ الادب: فن شعر و زبان، معنی و بیان، عروض و قوافی پر ضخیم کتاب اردو زبان، اردو املا، غیر مطبوعہ۔ • فارسی تعلیم: نصاب فارسی، مطبوعہ۔ • اردو تعلیم: مطبوعہ۔ • نوائے وطن۔

• تاریخ صوبہ بہار: مطبوعہ۔ • نصائح الصبیان: مطبوعہ۔ • کلیات، غزل، قصیدہ، رباعی، قطعہ، تاریخ، نظم، مرثیہ وغیرہ کچھ مطبوعہ کچھ غیر مطبوعہ۔ • کشکول: (غیر مطبوعہ) • صورۃ الخیال۔

• زینۃ المقال، حلیۃ الکمال، مطبوعہ ناول۔ • فکر بلیغ۔ • تذکرۂ ادبا۔ (مطبوعہ)

(شاد کی کہانی، شاد کی زبانی، مرتبہ سید فقیر محمد مسلم عظیم آبادی)

علی نقی، سامانی :

حدود ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء

میر علی نقی، سامانہ (پٹیالہ) کے سادات علما میں تھے۔ نواب علی مردان خان کے بیٹے نواب ابراہیم خان، م ۱۱۲۳ھ نے اہل سنت کے اعتراضات کے جواب اور فقہ و تاریخ پر ایک ضخیم کتاب کے لیے بورڈ بنایا تھا، اس بورڈ کے عبدالمجید سامانی اور علی نقی رکن تھے اور ان لوگوں نے "بیاض ابراہیمی" مکمل کی۔ مولانا علی نقی نے اصول کافی پر حاشیہ بھی لکھا تھا جو کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں موجود ہے۔ (تکملۂ نجوم السماء ۲/۴۲ با ضافہ)

علی سجاد :

۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا سید علی سجاد صاحب صدر الافاضل بھیک پوری امام جمعہ و جماعت گلزاری پٹنہ نے، جولائی ۱۹۶۰ء کربلائے معلیٰ میں رحلت کی۔

موصوف بڑے عابد و زاہد فقیہ تھے۔

علی عباد :

حدود ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

مولانا علی عباد صاحب صدر الافاضل بھادی ضلع جون پور کے رہنے والے، نہایت مقدس و زاہد، مدرسۂ ناصریہ جون پور کے مدرس تھے۔ حدود ۱۳۸۴ھ میں رحلت کی۔

لے دیکھیے یہی مطلع انوار ص ۱۸۴ و ۳۵۹، ۳۷۰

عسکری حسن امروہوی : حدود ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۴ء

مولانا سید عسکری حسن صاحب عالم و حافظ کتب مناظرے میں طاق متعدد رسائل و کتب لکھے۔ امروہے میں رہے اور وطن ہی میں انتقال کیا۔

اولاد : علی عباس (سپرنٹنڈنٹ پبلک لائبریری دہلی کے پاس مرحوم کے تالیفات محفوظ ہیں) سید محمد ہاشم۔ لاہور۔ (بروایت مولانا محمد محسن صاحب نبیرۂ نجم العلما)

عطا حسین : ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

عمدۃ العلماء الربانیین، زبدۃ الفضلاء الکاملین، مولانا مولوی عطا حسین صاحب (لولہج فقیر) ساکن احمد پور سیال ضلع جھنگ نے ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ کو بعمر ستاون سال رحلت کی۔ مولانا زہد و اتقا میں بے بدل، علم و عمل میں لاثانی شرافت و نجابت میں کامل نماز مغربین صحت و سلامتی کے عالم میں پڑھی، تعقیبات کے بعد قرآن مجید تلاوت کے لیے طلب کیا، مگر بستر پر لیٹ گئے اور سر اٹھا کر تین مرتبہ کہا — یا اللہ! 'انا عبدک المذنب' اور عازم جناں ہوئے۔

ضلع جھنگ میں ان کے خاندان کی برکت و تعلیم سے ملت جعفریہ کی ترویج ہوئی۔ ان کا کتب خانہ احمد پور میں تھا اور مشہور تھا کہ اس سے بڑا کوئی کتب خانہ نہیں۔ (محمد حسن ٹاٹے پوری، البرہان جون ۱۹۱۴ء)

عصمت اللہ :

سید عصمت اللہ نونہروی، اپنے دور کے عالم و زاہد امیر و رئیس تھے۔ ان کے بھائی سید ضیاء اللہ نواب میر محمد جعفر آف مرشد آباد کے یہاں سپہ سالار تھے۔ اس لیے میر عصمۃ اللہ صاحب کے دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے۔ عصمۃ اللہ صاحب نے نونہرے میں وفات پائی۔ (تکملۂ نجوم السماء ج ۲، ص ۴۰)

علاء الملک : حدود ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء، حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء

علاء الملک بن نور اللہ شوشتری اکابر علماء زمانہ میں تھے۔ کردار و صفات میں اولیاء اللہ کے زمرے میں شمار ہوتے تھے۔ ہند میں اپنے والد سے پھر شیراز میں اساتذہ سے پڑھ کر وطن آئے۔ یہاں درس و تدریس میں مصروف تھے کہ شاہ جہاں نے اپنے فرزند کا اتالیق مقرر کر دیا۔ شاہ شجاع انھیں کی تربیت سے شیعہ ہوا۔

علاء الملک کے بڑے بھائی شریف الدین م ۱۰۲۰ھ اور سید محمد یوسف تھے۔ ان سے چھوٹے میر ابوالمعالی مولود ۱۰۰۰ھ متوفی ۱۰۴۶ھ تھے اس لیے علاء الملک کی ولادت حدود ۱۰۰۰ھ اور وفات حدود ۱۰۵۰ھ میں ہوگی۔

تصانیف: اثبات واجب۔ صراط الوسیط۔ انوار الھدیٰ۔ مہذب المنطق۔ تذکرہ محفل فردوس میں اشعار بھی ہیں۔ (تذکرہ مجید۔ سبط الحسن ھنسوی)

علی بن سید ہاشم:
۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء
۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء

فقیہ و اصولی فاضل جلیل، مقدس و متقی، سخی و جواد مولانا سید علی بن سید ہاشم بن سید شجاع رضوی موسوی لکھنوی الملقب بہ ھندی۔ موصوف کے بھائی سید محمد بن ہاشم نے نظم اللسالی فی علم الرجال میں لکھا ہے کہ ان کے جد لکھنؤ سے نجف ہجرت کر کے آگئے تھے، سید ہاشم صاحب شاگرد تھے۔ شیخ محسن بن خنفر نجفی کے سید ہاشم نے ۱۲۴۶ھ میں اور شیخ محسن بن خنفر نے شب شنبہ ۲۹ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ میں رحلت کی۔ سید علی بن ہاشم اپنے بھائی محمد سے بڑے تھے۔ ان کی ولادت ۱۲۳۹ھ اور وفات شب پنجشنبہ ۹ جمادی الثانیہ ۱۲۷۳ھ کو ہوئی۔ سید علی نے شیخ حسن بن جعفر م ۱۲۶۲ھ اور شیخ حسن صاحب جواہر الکلام سے بھی درس لیا تھا۔ اور شرف دامادی بھی پایا۔ (تکملۂ نجوم السماء ج ۲ ص ۱۲۰)

علی اصغر
متوفی حدود ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء کیننگ کالج لکھنؤ کے استاد عربی کثیر التلامذہ عالم و زاھد و عابد بزرگ تھے۔

علی سجاد، مبارک پوری:
حدود ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

مولانا الحاج شیخ جواد حسین صاحب قبلہ قاضی ھنگو، کوہاٹ کے بقول مبارک پور کے مشہور عالم بڑے میاں جان محمد کے پرپوتے مولانا علی سجاد صاحب بن میاں یار علی، محلہ شاہ پور قصبہ مبارک پور میں پیدا ہوئے۔ قاضی اطہر مبارک پوری نے شجرۂ مبارکہ تذکرۂ علما مبارک پور میں لکھا ہے کہ مولانا شیخ علی سجاد صاحب تھے جن میں مولانا منصب علی سے اور بنارس میں مدرسۂ ایمانیہ کے صدر مدرس مولانا سید محمد سجاد سے علوم دین پڑھے اس کے بعد طب کی تکمیل فرمائی، شیخ علی سجاد صاحب شیعہ علما میں خصوصی مرتبہ کے مالک تھے۔ ابھر تا قد، سانولا رنگ، بڑے پائنچے کا پاجامہ، سادہ کرتا، دو پلی ٹوپی اور شیروانی پہنتے تھے۔ مولوی شکر اللہ صاحب صدر مدرس مدرسۂ احیاء العلوم سنی اور یہ شیعہ تھے مگر قصبے کے تمام معاملات یہی دونوں طے کرتے تھے۔ حدود ۱۳۹۰ھ میں رحلت کی۔ (شجرہ مبارکہ ص ۲۴۰)

علی نقی، لکھنوی :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء

مولانا سید علی نقی ابن سید العلما ابن غفران مآب، عالم جلیل اور صاحب نفس پاکیزہ تھے۔ فنِ حساب کے ماہر اور علوم معقول و منقول میں فاضل تھے۔ سینکڑوں طلبہ کو درس دیا اور ہزاروں غربا کو نہال کیا۔ سید العلما کی طرف سے دیئے جانے والے اجازے اور تقسیم وظائف و امداد کے انتظامی امور آپ ہی انجام دیتے تھے۔ مفتی محمد عباس صاحب نے اوراق الذہب میں لکھا ہے۔

"زبدۃ العلما، معین المؤمنین، السید علی نقی جعله الله مِنْ أَدِلَّةِ الرشاد و رقاہ الی ذروۃ الاجتهاد وهو من الصلحاء المدرسین۔ (معین) للفقراء (من) الباکین فی مجالس العزاء علی خامس آل العباء۔ اعطاہ الله ذهنا ثاقبا و رأيا صائبا۔ وله مهارة فی الحساب و نقابة للفضلاء والطلاب"

آپ نے متعدد سفر کیے ان میں سے رام پور کا سفر بہت مشہور ہے۔ اس زمانے میں نواب کلب علی خان مسند نشین تھے، ان کا تعصب مشہور تھا لیکن مولانا علی نقی صاحب کی نواب نے شاندار پذیرائی کی اور شاہی مہمان کیا۔ آپ نے شاہی مہمان خانے میں بلا خوف و خطر اذان و اقامت کہی جسے نواب سنتے رہے اور مولانا کے احترام میں کچھ نہ کہا۔

۲، رمضان ۱۳۱۱ھ لکھنو میں وفات ہوگی۔

فرزند : ھدایت حسین (جن کا حال آگے درج ہے) (تکملۂ نجوم السما، بے بہا: ۲۲۵، نزہۃ، ج، ص ۲۶۵)

علی ثامن :

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

سید علی ثامن قصبہ بیلا، پرتاپ گڑھ کے رہنے والے صاحب مال و عزت تھے۔ اپنے والد اور معاصر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ سید العلما سید محمد صاحب قبلہ کے معاصر اور جناب محمد مہدی ادیب کے ماموں تھے۔ مرزا محمد مہدی صاحب نے تاریخ وفات و تصانیف و اولاد کے بارے میں چھان بین کی مگر تفصیل نہ مل سکی۔ بظاہر ۱۳۰۰ھ کے حدود میں رحلت کی۔

(تکملۂ نجوم السماء، ج ۲، ص ۲۳۳)

علی نقی، داعی پوری :

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء
۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء

مولانا سید علی نقی صاحب، فقیہ، حکیم، ادیب، مدرس، مقدس و متقی بزرگ تھے۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ اور جناب سید بندہ حسن صاحب قبلہ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ معقولات و طب میں کامل استاد مانے جاتے تھے کثیر التلامذہ اور کثیر الاحباب تھے۔

"کیننگ کالج" (لکھنؤ یونیورسٹی) میں استاد تھے۔ گھر پر بھی درس دیتے تھے۔ کافیہ و شافیہ از بر تھی، ۲۲ مرتبہ شرح جامی کا درس دیا تھا۔ اقلیدس و شرح چغمنی کے ماہر استاد تھے۔ شرح سلم العلوم، صدرا، شرائع الاسلام و معالم الاصول کے پڑھانے کی شہرت تھی۔ جناب ملاذ العلماء سید بچھن صاحب کے درس خارج میں شریک ہوتے تو جان پڑ جاتی تھی۔

ملاذ العلما بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ توثیقات و فتاوی آپ ہی سے لکھواتے اور خود دستخط کر دیتے تھے۔ وضعدار، پابند وقت اور سادہ لباس تھے۔ تقوے کی بنا پر لباس طاہر رکھے جاتے جو گوشہ ٹوپی اور انگرکھا پہنا کیے جون ۱۸۹۰ء شوال ۱۳۰۷ھ میں تقریباً اسی برس کی عمر پا کر رحلت کی۔ (بے بہا: ۲۲۴ - کلمات طیبہ قلمی ص ۹۶)

علی نقی شاہ :

۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء

مولانا سید علی نقی شاہ صاحب بن سید غلام شاہ صاحب کا وطن سلطان پور ضلع گوڑ گانوہ تھا۔ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ جناب فردوس مآب مولانا حامد حسین صاحبؒ کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ وطن کے علاوہ باہر کی بستیوں میں رہے۔ شیخ جعفر حسین صاحب کے مدرسۂ ایجانیہ میں مدرس اول مقرر ہوئے۔

مومنین ملتان نے بلا لیا اور بڑے احترام سے رکھا۔ مولانا نے ملتان میں شریعت کے رواج میں بہت حصہ لیا اور یہاں کے مومنین کو علوم دین و احکام شریعت کا پابند بنایا۔

آپ نے محرم ۱۳۳۵ھ میں ملتان میں رحلت فرمائی۔ (بے بہا: ۲۵۵)

علی نقی، حیدر آبادی :

۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء
۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

مولانا علی نقی بن مولانا سید محمد علی صاحبؒ قبلہ و کعبہ کے لقب سے حیدر آباد میں مشہور تھے اور دکن و مدراس و میسور میں مرجعیت رکھتے تھے۔ عمامہ و عبا پہنتے تھے۔ شہرت و عزت کی حد نہ تھی۔ اعلاء کلمۃ الحق اور امر بالمعروف میں نڈر عالم تھے۔

مولانا کا اصل وطن بگین پلی تھا (جو جنوبی ہند کی ایک شیعہ ریاست تھی) موصوف کی ولادت ۲۴ رجب ۱۲۷۷ھ کو ہوئی۔ اپنے والد علام اور معاصر اساتذہ سے تعلیم کے مختلف مراحل طے کیے۔ مولانا شیخ محمد علی خراسانی سے شرائع و شرح لمعہ وغیرہ کا درس لیا اور والد کے بعد آہستہ آہستہ مرجعیت حاصل کی۔

آپ حیدرآباد دکن میں مقیم رہے اور اپنے والد کی طرح اپنے مکان کے مردانہ حصے میں نماز پڑھاتے رہے حیدرآباد میں مساجد و جماعت پر عوام کی طرف سے قدغن رہی۔ مولانا علی نقی صاحب کی خالہ صاحبہ نے حکومت کی اجازت سے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی لیکن عوام نے ہنگامہ کر کے مسجد اور مولانا کے خلاف بہت سخت اقدامات کیے لیکن مولانا نے تمام سختیاں صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیں۔ آخر نظام نے مداخلت کی اور فیصلہ آپ کے حق میں ہوا۔

مولانا نے ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ میں رحلت کی اور دائرہ میر محمد مومن میں سپرد لحد ہوئے۔ میرے پاس مرحوم کی تصویر موجود ہے۔ (بے بہا ص ۲۶۴۔ نزہتہ الخواطر ج ۸۔ ص ۳۲۳۔ حیات میر مومن)

عمادالدین، الحجازی :

۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء

سید عمادالدین بن برکات بن جعفر بن برکات بن ابی نمی الحسنی، حجاز سے دکن آئے اور الامیر سید نظام الدین احمد نے ان کی پذیرائی کی، عمادالدین کے مدحیہ اشعار اور عربی ادب کے چند نمونے سلافۃ العصر (ص ۳۱ تا ۳۴) میں موجود ہیں۔ سید علی خان مدنی کی ملاقات ۱۰۶۲ھ میں ہوئی اور موصوف کے بقول ان کے والد ہی کے پاس جمعہ ۲۰ شوال ۱۰۶۹ھ کو وفات پائی۔ سید علی خان نے مرثیہ لکھا ہے:

لنا کل یوم رنۃ و عویل   وخطب یکل الرأی وهو صقیل

(اٹھارہ شعر۔ سلافہ ص ۳۵)

عمادالدین، لاہوری :

۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء

سید عمادالدین محمود حسینی، مرعشی سادات سے تعلق رکھتے تھے اور سلطان العلماء سید حسین مرعشی کی اولاد سے۔ لاہور وطن تھا، ان کے والد تجارت پیشہ آدمی تھے۔ سید عمادالدین محمود حسینی لاہور میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے والد کے ساتھ مشہد مقدس چلے گئے۔ اور وہاں سے تعلیم حاصل کر کے تکمیل کے لیے اصفہان گئے اور سید اسداللہ بن سید محمد باقر (م ۱۲۹۰ھ) کے درس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد کربلائے معلیٰ میں سید ابراہیم موسوی قزوینی سے درس لیا۔ آقائی سید ابراہیم موسوی نے اجازہ بھی مرحمت فرمایا۔

سید عماد الدین محدث، فقیہ، زاہد و عامل بزرگوار تھے۔ آپ نے ۱۲۹۷ھ بمقام مشہد مقدس رحلت فرمائی اور اپنے بعد ایک فرزند سید عبد اللہ کو یادگار چھوڑا۔

تصانیف: • المنہل الرائع فی شرح الشرائع کئی مجلد۔ • شرح النتائج لسید ابراہیم القزوینی

(اعیان الشیعہ ج ۴۲، ص ۱۷۲)

عمار علی :

۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۸ء

۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء

مولانا سید عمار علی ابن سید نظام علی ۱۲۴۴ھ سونی پت ضلع رہتک میں پیدا ہوئے۔ جناب قاری جعفر علی سے دہلی میں اور دوسرے اساتذہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرکے لکھنؤ میں جناب ممتاز العلما سید ابراہیم صاحب سے فقہ و اصول و تفسیر حدیث و کلام کا درس لیا۔ رہتک ضلع میں آپ نے بڑی تبلیغ فرمائی، چونکہ زمیندار تھے اس لیے کچھ لینے اور کہیں نوکری کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ پرہیزگار، عابد، متوکل و قانع تھے۔ حجاز و عراق، یمن و شام، ایران وغیرہ جاکر تمام مقامات مقدسہ کی زیارت اور فریضۂ حج انجام دیا۔

یکشنبہ، ماہ صفر ۱۳۰۴ھ میں رحلت فرمائی اور امام باڑہ قاضی علیم الدین محلہ قاضی زادگان کے دالان میں دفن کیے گئے۔ قبل از قیام پاکستان لوگ قبر پر پنجشنبہ کے دن فاتحہ خوانی کو آتے تھے۔ مولانا کو تفسیر قرآن مجید سے شغف تھا۔ چنانچہ ایک ضخیم تفسیر اردو زبان میں تحریر فرمائی جو دہلی سے کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔

جناب منیر دہلوی مالک مطبع یوسفی لاہور فرماتے تھے کہ مولانا ایک کمرے میں پاک فرش پر باوضو بیٹھتے اور بڑے خضوع و خشوع خوف و خشیت کے ساتھ یہ تفسیر لکھتے تھے۔ موصوف نے بڑی تبلیغ کی اور لوگوں کو فقہ و اخلاق اسلام کا گرویدہ بنایا۔

تصانیف: • عمدۃ البیان تفسیر قرآن (اردو) مطبوعہ۔ • دفع المغالطہ فارسی مناظرہ مطبوعہ
• تجہیز الموتی فقہ اردو مطبوعہ۔ • احکام نکاح فقہ اردو۔ مطبوعہ۔ • تحفہ، مناظرہ اردو۔ مطبوعہ۔
• فرائض پر اردو میں رسالہ (میراث) مطبوعہ۔ • دلائل التزامیہ فارسی مناظرہ۔ مطبوعہ۔ • تنبیہ المنکرین بحث متعہ۔ مطبوعہ • علامات مومن۔ اردو۔ • اعتقادیہ۔ اردو۔

فرزند: • مولانا سید محمد احمد شاہ۔ جنہوں نے ۱۹۵۵ء کے بعد لاہور میں رحلت کی۔ (بے بہا: ۲۲، ۲۵)

عنایت علی، سامانوی :

حدود ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء

۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

مولانا الحاج سید عنایت علی ابن سید کرم علی صاحب سادات سامانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دیندار

گھرانے اور علم دوست خاندان میں پیدا ہوئے۔ ایک اندازہ کے مطابق ۱۲۵۴ھ سنہ ولادت ہے۔ ابتدائی تعلیم بزرگان خاندان سے حاصل کر کے پندرہ سولہ برس کی عمر میں زیارت کربلائے معلیٰ کے ارادے سے عراق کا رُخ کیا۔ ہزاروں زحمتیں اٹھا کر ایران و عراق و حجاز میں حج و زیارات کے بعد علم دین حاصل کرنے کی غرض سے کربلا و نجف میں ٹھہر گئے۔ شیخ الاجل مرتضےٰ الانصاری کا عہد تھا۔ طلباء سے مدرسے بھرے ہوئے تھے۔ مولانا عنایت علی ذہین، محنتی، متقی اور جفاکش طالب علم تھے۔ آہستہ آہستہ کمالِ علم تک رسائی حاصل کی اور شیخ بزرگ مرتضےٰ الانصاری مؤلف رسائل کے معتمد ہو گئے۔ میں نے جناب نجم المرتضیٰ صاحب کے فرستادہ کاغذات میں ایک تحریر دیکھی ہے، جس میں کسی نے حضرت آیۃ اللہ الانصاری سے پوچھا ہے کہ سید عنایت علی آپ کے معتمد ہیں کیا انھیں نیابت زیارت مشہد مقدس کے لیے کوئی رقم ملی اور وہ زیارتِ مشہد کے لیے گئے؟ آیۃ اللہ نے لکھا

"بلی، جناب سید مشار الیہ صادق و عادل و مؤثق می باشند و از بابت نیابت الی الآن بتوسط داعی چیزی بایشان نرسیده و گاہی وجہی بتوسط داعی از سرکار احیانا ہم التفات نہ شدہ و نرسیدہ فضلا ازیں کہ بعنوان نیابت باشد۔ حررہ الاحقر مرتضیٰ الانصاری۔ مہر شریف۔ ۵ شوال ۱۲۷۵ھ اس کے علاوہ حضرت آیۃ اللہ کی ایک تحریر مورخہ اواخر صفر ۱۲۷۶ھ ہے جس میں موصوف نے تصرف اموال شرعی و اوقاف کے امور میں حقوق عطا کیے ہیں۔ شیخ بزرگ نے شب ۱۶ ؍ جمادی الثانیہ ۱۲۸۱ھ کو نجف میں رحلت فرمائی۔ اس کے کچھ عرصے بعد مولانا عنایت علی صاحب نے حجۃ الاسلام عبد علی بن حسین، آقای علی نقی الطباطبائی۔ آقای زین العابدین بن محمد علی شہرستانی۔ آقای مصطفےٰ الحسینی۔ آقای محمد یوسف الاسترآبادی سے تصدیق نامہ لکھوایا کہ آیۃ اللہ الشیخ مرتضیٰ مولانا عنایت علی صاحب پر خاص شفقت فرماتے اور ان پر اعتماد رکھتے تھے۔

ایک عربی تحریر میں کسی نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ جناب شیخ محمد صاحب نے شب چہار شنبہ جمادی الثانیہ ۱۲۷۹ھ کو خواب میں دیکھا کہ ایوانِ روضۂ امام حسین علیہ السلام میں دو حسین و جمیل بزرگ تشریف لائے جن کے چہرے آفتاب و ماہتاب کی طرح ضوفشاں ہیں۔ پوچھا، تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا نام بتایا گیا۔ اتنے میں عنایت علی صاحب حاضرِ خدمت ہوئے۔ آنحضرتؐ جناب شیخ علی بن کاظم قاری کی طرف متوجہ ہوئے اور مجلس پڑھنے کا حکم دیا۔ شیخ علی نے اپنا مرثیہ پڑھا جس کا مصرع اول تھا۔

دموعٌ بدا فوق الخدود خدودها

اشعار ختم ہوئے تو آنحضرتؐ نے سید عنایت علی صاحب کو حکم دیا کہ باغ سے رطب لے آؤ۔ وہ رطب لائے۔ حکم ہوا لوگوں کے سروں پر نچھاور کرو۔ پھر فرمایا یہ رقعے لو اِن رقعوں پر لوگوں کے لیے امان تحریر تھی مولانا نے وہ رقعے بھی نچھاور کر کے

اس خواب سے جناب عنایت علی صاحب کا تقدس اور کمال تقرب کا حال معلوم ہوتا ہے۔
مولانا محمد کاظم صاحب کی روایت ہے کہ مولانا کے پاس جو نسخہ اجازے تھے۔ اس سے ان کے اساتذہ کی کثرت اور متعدد علماء سے کسب فیض پر روشنی پڑتی ہے۔ افسوس ہے کہ وہ ذخیرہ تقسیم ہند کے موقع پر ضائع ہو گیا۔ مرحوم کے پوتے جناب نجم المرتضیٰ صاحب کے پاس جو منتشر اوراق ہیں ان میں سے بائیس سے زیادہ اجازات میں نے دیکھے، مثلاً:

- اجازہ علی نقی بن حسن بن محمد علی الطباطبائی ۱۲۷۰ھ نیز ۱۲۸۲ھ اور تین اجازے بلا تاریخ، میرا اندازہ ہے کہ مولانا عنایت علی صاحب قبلہ کا موصوف سے زیادہ عرصے تک تلمذ رہا۔
- وکالت نامہ و اجازۂ تصرفات و حقوق از شیخ بزرگ آیۃ اللہ الاکبر شیخ مرتضیٰ انصاری مورخہ ۱۲۷۶ھ
- اجازۂ شیخ محمد بن رضی ہصف شعبان ۱۲۷۶ھ۔ • اجازہ محمد علی الموسوی الحسینی الشہرستانی ۲ شعبان ۱۲۷۹ھ
- اجازۂ روایت شیخ علی بن مرزا خلیل طہرانی ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ • اجازہ مفصلہ از شیخ المحدثین علامہ النوری الطبرسی حسین بن محمد تقی صاحب مستدرک الوسائل مورخہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۱ھ نجف۔
- اجازہ مفصلہ از علامہ محمد حسین بن شیخ ہاشم کاظمی نجفی۔ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ • اجازہ نوح بن شیخ قاسم الجعفری النجفی جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ۔ • نیز دوسری تحریر بھی اسی تاریخ کی موجود ہے اور دوسروں کے اجازات پر مہر بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عنایت علی کو موصوف سے بھی تلمذ خاص حاصل تھا۔
- اجازۂ علامہ محمد حسین بن مہدی اردکانی شوال ۱۲۸۲ھ۔ • اجازۂ علامہ ابوتراب القزوینی ۲۰ شوال ۱۲۸۲ھ
- اجازۂ محمد حسین بن علی الہمدانی ۲۵ شوال ۱۲۸۲ھ۔ • علامہ محمد یوسف الاسترآبادی ۲ شعبان ۱۲۸۶ھ
- علامہ مہدی بن شیخ علی بن شیخ جعفر کے اجازے پر شیخ جعفر بن شیخ علی کی مہر بھی ہے۔
- شیخ جعفر بن شیخ علی۔ • شیخ اسد اللہ بن حسن۔ • جعفر الاسم محسن۔ • لطف اللہ الخوئی۔
- شیخ محمد حسین حائری مازندرانی۔ • عبد علی بن حسین۔ • شیخ محمد بن شیخ رضی کے اجازے اور مہری تحریریں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً سولہ سال یعنی ۱۲۷۰ھ سے ۱۲۸۶ھ تک مولانا عنایت علی مسلسل علماء سے مربوط رہے اور عراق میں تدریس کا دورہ کم و بیش بیس، بائیس سال میں مکمل کیا۔

پیش نظر کاغذات میں ایک زر افشاں خط مہاراجہ بڑودہ بنام مہاراجہ پٹیالہ ہے جس میں مولانا عنایت علی صاحب کی آمد پٹیالہ کی اطلاع اور ان کی عظمت و جلالت کا تذکرہ ہے۔ خط کی تاریخ ۱۰ اگست ۱۸۶۸ء یعنی آخر ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ مولانا ۱۲۸۵ھ سے کچھ پہلے پہلی مرتبہ وارد ہند ہوئے۔

۱۰ اگست ۱۸۸۷ء یعنی ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ کے اودھ اخبار لکھنؤ میں ایک مفصل مضمون بڑے القاب و آداب کے ساتھ چھپا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مولانا اس سے اٹھارہ سال قبل بھی لکھنؤ آئے تھے۔
اور ایک تحریر جناب والاجاہ بن مرزا حیدر صاحب قبلہ کی بلا تاریخ ہے جس میں مہاراجہ پٹیالہ کو مولانا کی پٹیالے میں آمد اور ان کے احترام و جلالت کی تفصیل سے مطلع کیا گیا ہے۔ چونکہ نواب والاجاہ موسوی ۱۸۷۲ء/ ۱۲۸۹ھ میں فوت ہوئے۔ اس لیے ممکن ہے کہ مولانا کی آمد لکھنؤ تکمیل تعلیم کے بعد ہوئی ہو اور وہ بڑودہ و لکھنؤ ہوتے ہوئے پٹیالے یا ساما نے گئے ہوں۔
خلیفہ سید محمد کاظم صاحب کا بیان ہے کہ وہ نواب علی نقی وزیر اودھ کے ہمراہ سترہ اٹھارہ برس تک ایران و عراق میں قیام فرما رہے۔ اسی زمانے میں مولانا والاجاہ بہادر بھی حج و زیارات کو گئے تھے لہٰذا کیا بعید ہے کہ مولانا سے ان کا تعارف یا ان کی ہمراہی بھی اسی زمانے میں ہوئی ہو اور وہ دونوں ہم درس رہے ہوں۔
بہرحال مولانا کے لکھنؤ آنے کا واقعہ بھی اہم ہے۔ اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نواب آغا ابو سید مہدی حسن صاحب بانی مدرسۃ سلطان المدارس کے یہاں قیام فرما ہوئے۔ وہ دراصل مہدی علی خان صاحب کی والدہ کی تعزیت کے لیے آئے تھے۔ لکھنؤ میں اس وقت مرزا سلیمان قدر بہادر کا دور دورہ تھا۔
شہزادہ صاحب ان دنوں موسم گرما گزارنے کے لئے پہاڑ پر گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو مولانا سے ملے، اتفاقاً اسی زمانے میں واجد علی شاہ کی علالت سے لکھنؤ میں پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ اتنے میں کلکتے سے صحت کی خبر ملی تو شہزادے صاحب نے تشکر کے لیے ۲۰، ۲۱، ۲۲ شوال ۱۳۰۴ھ جولائی ۱۸۸۷ء کو مجلسیں کیں۔ ان مجلسوں میں مولانا نے بڑی نفیس اور بلند معیار کی تقریریں فرمائیں، جناب نجم المرتضیٰ صاحب کے پاس اس مجلس کی تصویر تھی جو کچھ دن پہلے ضائع ہو گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عنایت علی صاحب رؤسائے لکھنؤ سے روابط دیرینہ رکھتے تھے اور لکھنؤ کے عوام ان کی تقریر پسند کرتے تھے۔
مولانا عنایت علی صاحب پنجاب کے ان علماء میں ہیں جنہوں نے بظاہر لکھنؤ سے تعلیم حاصل نہیں کی اور براہ راست اکابر شیوخ و علماء عراق سے اجازے لیے اور پنجاب و سندھ میں بڑی عزت و حرمت پائی
ان کا ایک نفیس عربی خط مولانا سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ لکھنوی کے نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے مولانا سے وجوب و عدم وجوب جمعہ کے لیے سوال کیا تھا آپ نے چار صفحے کا جواب لکھا ہے جس میں اکابر علماء کے حوالے سے عدم وجوب بلکہ حرمت کا قول نقل کیا ہے۔ اس سے ان کی فقاہت و علمیت، واحترامات کا سراغ لگانا آسان ہے۔
سامانہ و پٹیالہ کے حضرات کہتے ہیں کہ مولانا عنایت علی صاحب صاحبِ کرامات، متقی

خطیب، واعظ اور فقیہ تھے۔ پنجاب میں ان کی کوشش سے بہت سے غیر شیعہ، مذہب جعفری میں آ گئے۔ اور شیعوں نے پابندی دین سیکھی۔ بدعات سے پرہیز کیا۔ ان کی زبان میں تاثیر اور عمل میں کشش تھی۔ ہندو، سکھ، عیسائی سب ان کا احترام کرتے تھے۔

عربی، فارسی، اردو میں شعر کہتے تھے مگر دیوان جمع نہ کیا جو کچھ متفرق تھا وہ ضائع ہو گیا۔

مدت تک عراق میں رہنے سے تقریر زیادہ عربیت میں رنگی ہوئی تھی۔ عربی اسلوب نثر نگارش بھی دلکش تھا۔ عابد و زاہد، واعظ و عامل تھے۔ اثر انگیز تقریر نے متعدد افراد کو راہِ راست پر لگایا۔ بے شمار بدعتوں کا قلع قمع کیا۔ گھر گھر دین کا چرچا ہوا۔

پنجاب میں ان کے فیوض و برکات سے بے شمار حضرات بہرہ ور ہوئے، مسجدیں اور امام بارگاہیں بنے اور آباد ہوئے۔ دینی تعلیم، تبلیغ اور مدارس بنا۔ ان کی خدمتوں نے حلقہ اثر بڑھایا۔ ان کی فقاہت و خطابت کا دور دور چرچا ہوا۔

حجۃ الاسلام آقای مرزا حبیب اللہ رشتی نے عراق سے اجازہ ارسال کیا۔ اور اس سے بڑا اعزاز یہ تھا کہ آیۃ اللہ الاکبر شیخ زین العابدین نے مقبول حسین ساماتوی کے ہاتھ اپنا عمامہ، عبا و عصا ارسال فرمایا۔

علماء ہند سے محبت و روابط تھے، صاحب عبقات الانوار مولانا سید حامد حسین اور مولانا سید اعجاز حسین سے سفرِ زیارات کے دوران ملاقات ہوئی اور ہمیشہ اچھے تعلقات رہے۔ جناب رجب علی ارسطو جاہ اور دوسرے علماء اطراف و اکناف سے مراسلت تھی۔ لوگ مسائل فقہ و عقائد دریافت کرتے تھے۔ ایک مدت تک سامانہ پنجاب کا مرکز تبلیغ رہا اور مولانا کی اصلاحی تحریک کامیابی سے آگے بڑھتی رہی۔

- مولانا اپنے مواعظ میں شرعی مسائل کے بیان کے علاوہ مومنین کے کردار و اعمال کی درستی و اصلاح کی طرف خاص توجہ دیتے تھے۔ اور برسرِ منبر قابلِ اصلاح امور کا ذکر کرتے اور ہدایت فرماتے۔

اُس زمانہ کے مومنین بھی ان کے اس قسم کے ارشادات و ہدایات کو نہایت خندہ پیشانی سے سنتے تھے اور شکر گزار ہوتے تھے اور اپنی اصلاح کرتے تھے۔

- محرم کے جلسوں میں تاشے باجے اور گتکے عام مسلمانوں کے رواج کی طرح دیکھے۔ آپ نے ہدایت فرمائی کہ جلوس ہائے عزا میں اس قسم کا اہتمام نہ کیا جائے صرف مظاہرہ غم ہو۔ چنانچہ سامانہ کے جلوس عزا مثالی ہو گئے اور تمام پنجاب نے اُن کی تقلید کی۔
- سادات سامانہ عشرہ محرم کے بعد اپنے اجداد کے مزاروں پر گیارہویں بہت دھوم دھڑکے سے

سے مناتے تھے۔ تقریباً یہی عام رواج پنجاب کا تھا۔ مولانا نے ہدایت فرمائی کہ ایام عزا ۸ ربیع الاول تک ہیں ۹ ربیع الاول کو جشن کا اہتمام اور انتظام ہوا کرے۔

چنانچہ سادات سامانہ و پٹیالہ، دیگر بستی کے سادات ریاست پٹیالہ میں یہی عمل شروع ہوا۔ اُن کے شریعت کدہ پر محرم کے چاند کے بعد ۸ ربیع الاول تک روزانہ مجلس ہوتی تھی اور ۹ ربیع الاول کو جشن مسرت کا اہتمام ہوتا تھا۔ مہمانوں کی خاطر مدارات سیر چشمی سے کی جاتی۔ قصیدہ، منقبت و مرثیہ خوانی ہوتی۔ فضائل بیان کیے جاتے اور اختتام محفل پر مولانا مرحوم اپنے دست مبارک سے لڈو اور پیسے ٹکے تقسیم فرماتے۔

مستورات ۹ ربیع الاول کو چوڑیاں، زیورات اور رنگین کپڑے پہنتی تھیں۔

ستر برس سے زیادہ عمر پا کر دوشنبہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ ۲۹ جنوری ۱۹۰۷ء صبح سات بجے پٹیالہ میں رحلت کی۔ وہیں تجہیز و تکفین و نماز ہوئی پھر سامانے میں سپرد لحد کیے گئے۔

تصانیف: • رسالہ تکرار الصلوٰۃ علی المیت۔ • رسالہ صلوٰۃ جمعہ • رسالہ در تحقیق کنیت جناب سیدہ "اُم ابیہا"

اولاد: • جناب محمد مہدی جو ۱۹۴۸ء کے بعد فوت ہوئے اور اپنے بعد سید نجم المرتضیٰ، فضل المصطفیٰ اور سید محمد حسن صاحب کو یادگار چھوڑ گئے۔ یہ حضرات پاکستان منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات میں رہتے ہیں۔

(بے بہا ص ۲۴۷۔ • خطوط و اجازات بنام مولانا عنایت علی صاحب۔ • خطوط خلیفہ سعادت حسین صاحب بنام مؤلف)

عنایت علی، سہارنپوری:

۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

مولانا عنایت علی صاحب عالم و فاضل بزرگ تھے۔ سہارن پور کے محلہ یادگار میں مکان تھا۔ حکیم کاظم حسین صاحب کھتورہ میراں پور ضلع مظفر نگر موصوف کے شاگرد تھے۔ اسی طرح مولوی سید حسن علی مرحوم رئیس سہارن پور بھی موصوف کے مداح تھے۔

۱۸۵۷ھ کے چھ سات برس کے بعد انتقال کیا۔ (بے بہا: ۲۲۵)

عنایت اللہ، شیرازی:

۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء

مولانا عنایت اللہ شیرازی المشہور بہ نواب افضل خان علم و سیاست میں درجۂ کمال کے مالک اور ملا فتح اللہ شیرازی کے شاگرد خاص تھے۔ شیراز سے بیجاپور آئے۔ آپ کی آمد سے بیجاپور میں

علمی چہل پہل شروع ہوئی۔ جوق در جوق طلباء علماء تحصیل علم کے لیے جمع ہو گئے آپ کا درس دُور دُور تک مشہور ہو گیا۔

علی عادل شاہ آپ کی علمی جلالت اور شخصیت سے متاثر ہوا اور آپ کو درجہ بدرجہ مناصب جلیلہ عطا کرتے کرتے نیابت تک لے گیا اور نواب افضل خان کا خطاب دیا۔

آپ نے مساجد تعمیر کیں۔ مدرسے بنوائے، علاقے فتح کیے۔ تعلیم عام کیا۔ دُور دُور سے اہل علم و کمال جمع کیے۔

فتح اللہ شیرازی، سید طاہر المیسی، سید عزیز الدین اور فضل اللہ یزدی اسی زمانے میں دکن آئے۔

آپ بڑے سخی، فاضل اور دلیر سیاست دان و جرنیل تھے۔ ابراہیم عادل شاہ کے عہد ۹۸۸ھ میں آپ کے حاسدوں نے قتل کیا۔ (نزہتہ ج ۴)

عنایت اللہ قائنی :

۹۷۷ھ / ۱۵۶۹ء

مشہور عالم و فاضل، احمد نگر، دکن میں بعہد حسین نظام شاہ وارد ہوئے۔ بادشاہ نے شاہ گولکنڈہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ ملا عنایت اللہ نے فرائض منصبی خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔ حسین نظام شاہ نے عزت و منصب میں اضافے سے سرفراز کیا۔ کچھ عرصہ بعد سیاسی اختلاف نے باہمی تعلقات بگاڑ دیئے ملا عنایت اللہ نظام شاہی حکومت سے ہجرت کر کے گول کنڈہ کے بادشاہ سے متوسل ہوئے اور کچھ دن وہاں قیام کیا۔ لیکن حسین نظام نے بلا کر احترامات بحال کر دیئے۔ حسین نظام شاہ نے ۹۷۲ھ میں رحلت کی اور مرتضےٰ نظام شاہ تخت نشین ہوا، مرتضےٰ نظام شاہ نے عہدۂ وکالت مرحمت کیا۔ بادشاہ کی ماں اور ملا صاحب سے اختلافات کے نتیجہ ملا صاحب قید ہو گئے اور حسین تبریزی وکیل السلطنۃ نے ۹۷۷ھ میں قتل کروا دیا۔ (نزہتہ ج ۴)

عنایت حسین شاہ بخاری :

۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء
۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

پنجاب میں شعبہ صحافت اور مناظرے کے طویل العمر مجاہد، فاضل، مناظر، صحافی جنہوں نے سب کچھ ذاتی ذوق اور محنت سے حاصل کیا۔

عنایت علی شاہ ۱۸۷۰ء لوہرہ میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں وزیر آباد، سیالکوٹ اسٹیشن پرانگوکی ریلوے اسٹیشن سے تقریباً ڈیڑھ میل دور ہے۔ آج کل اس کا اور اس گاؤں کے ڈاک خانہ کا نام ڈاہیف شریف ہے۔

آپ کے والد جناب سید مرتضیٰ شاہ صاحب منشی فاضل و مولوی فاضل تھے اور سیالکوٹ کے افاضل میں شمار ہوتے تھے۔

عنایت علی شاہ بچپن سے ذہین تھے۔ انھیں خوش خطی اور لکھنے کا شوق تھا۔ اسکول میں پڑھتے تھے۔ اور شوقیہ طور پر قرآن مجید نقل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اسکول میں معائنہ تھا، انسپکٹر نے تحریری مقابلہ کے لیے جماعت کو بٹھایا۔ تو آپ کے ساتھیوں نے شاہ صاحب کا قلم غائب کر دیا۔ لیکن جب انسپکٹر نے سوال لکھوانا شروع کیے تو شاہ نے گنّے کا چھلکا اٹھا کر قط لگایا اور لکھنا شروع کر دیا۔ جب پرچہ انسپکٹر نے دیکھا تو حیرت کے ساتھ داد دی اور انعام دیا۔

انھوں نے ہوش سنبھالا تو سیالکوٹ میں عیسائی مسلمان، قادیانی مسلمان اور سُنی شیعہ مناظروں کا زور تھا۔ موصوف نے مناظروں میں دلچسپی لینا شروع کی اور آخر میں زبان و قلم سے شیعہ مناظرہ میں بڑی شہرت حاصل کی۔

درِ نجف کا اجراء : ۱۹۰۸ء میں آپ نے شیعہ مذہب کے دفاع میں ایک وقیع اخبار "درِ نجف" کا اجراء کیا۔ ۱۹۱۷ء میں اخبار کا دفتر لاہور لے آئے اور ریلوے اسٹیشن لاہور کے قریب دفتر کی عمارت کرایہ پر لی۔ اس زمانے کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ لاہور میں اس وقت "زمیندار" اخبار زوروں پر تھا۔ ظفر علی خان نے اس میں شیعوں کے خلاف کچھ لکھنا شروع کر دیا۔ شاہ صاحب کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور فوراً زمیندار سائز پر اسی سج دھج کا پرچہ بنام جواب زمیندار تیار کیا۔ بڑے حروف میں زمیندار اور چھوٹے حروف میں جواب جو کسی سے پڑھا ہی نہ جاتا تھا۔ باقی پرچہ ہو بہو زمیندار تھا۔ کتابت کے بعد چھپائی کا مسئلہ درپیش تھا۔ ہر پریس والا کان پر ہاتھ رکھ کر جواب دے دیتا کہ بابا، زمیندار تو ظفر علی خان کا ہے۔ آپ کیسے چھاپ سکتے ہیں۔ کوشش بسیار کے بعد ایک ہندو مالک پریس کی بات سمجھ میں آگئی۔ اس نے چھاپ دیا اور ہاکروں کے ذریعے لاہور کے گلی کوچوں میں نقلی زمیندار فروخت کرنا شروع کر دیا۔ آخر مولانا ظفر علی خان راہِ راست پر آگئے اور یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ عرصہ تک درِ نجف ہفت روزہ ہی رہا لیکن ۱۹۳۱ء میں مہاراجہ کشمیر کے خلاف کشمیریوں کو تقویت دینے کے لیے اسے روزنامہ بنا دیا۔ ۱۹۳۲ء تک روزنامہ رہا۔ نام درِ نجف ہی رہا۔ لیکن اوپر ڈیلی پنجاب ٹائمز (Daily Punjab Times) لکھا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خود خبریں مہیا کرتے۔ خود کتابت کرتے، خود مضمون لکھتے اور یوں روزنامہ اخبار فردِ واحد نے چلایا۔ عنایت علی شاہ صاحب اعلیٰ درجہ کے شاعر، مناظر، مضمون نگار اور مصنف تھے۔

آپ نے ۲۰ جون ۱۹۶۸ء اتوار کے روز وفات پائی۔

تصانیف: • ذوالفقار حیدری مع سیف مرتضوی بجواب سیف مرتضوی پنجابی طویل نظم۔ مطبوعہ
• حزب اللہ انتقام، حصہ اول مطبوعہ۔ دوم قلمی۔ • شمشیر ولایت۔ ۲ حصے۔ • مناظرات سیالکوٹ غیر مطبوعہ
• الحق مع علی مطبوعہ۔ • القرآن مع علی مطبوعہ۔ • خزینۃ المسائل۔ مناظرہ۔ مطبوعہ۔
• عنایات بخاری۔ مناظرہ قلمی ۳ جلدیں۔ • صحابہ نمبر درنجف۔ مطبوعہ۔ • خاتون جنت درنجف

(معاصر اخبارات)

عوض، مرزا:

حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء

سید عوض ولد سید یوسف خان عالم و فاضل بزرگ تھے۔ اپنے حسب و نسب اور احوالِ عالم پر ادیبانہ کتاب "چمن" لکھی تھی۔ حسن سلوک کے پابند تھے۔ مذہب امامیہ میں اپنے عہد کے مقتدر عالم تھے۔ مذہب امامیہ کی حقانیت پر دلائل جمع کیے تھے۔ آپ کی وفات ۱۰۵۰ھ کے لگ بھگ ہوئی۔ مرزا سفر، مرزا جان، مرزا ہدایت اللہ نامی فرزند تھے۔ (ذخیرۃ الخوانین۔ ج ۲۔ ص: ۳۵۰)

عوض علی:

حدود ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء

مولانا سید عوض علی صاحب ممتاز الافاضل میرے کتب خانے میں موصوف کی ایک کشکول اور ایک کتاب "اوراد و وظائف" ہے۔

عیسیٰ بن حسین، نجفی:

حدود ۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء

جناب شیخ عیسیٰ بن حسین بن شجاع نجفی اپنے عہد کے عالم و فاضل ادیب و شاعر بزرگ تھے۔ امیر نظام الدین احمد جب حیدرآباد آئے (۱۰۵۴ھ) تو سب سے پہلے جو صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دولت و انعام سے کامیاب ہوئے وہ شیخ عیسیٰ ہی تھے۔ مولانا نظام الدین احمد سے اور شیخ سے منظوم مراسلات ہوا کرتے تھے۔

کچھ عرصے تک حیدرآباد میں رہنے کے بعد وطن کے لیے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں طوفان آیا اور کشتی غرق ہو گئی۔

عربی اشعار کے لیے دیکھیے سلافۃ العصر ص ۵۶۷ (بے بہا)

(ع) غازی، مرزا، لکھنوی :

۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء

جناب مرزا غازی صاحب قبلہ لکھنؤ کے باشندے اور شہر کے مشاہیر علم سے تلمذ رکھتے تھے۔ خاص طور پر مولانا سید حسین کے شاگرد فقہ و اصول تھے۔ علوم حکمت و طبت میں مشہور تھے۔ صاحب درس و صاحب مطب تھے۔ تالیفات ضائع ہو گئے۔ عین شباب میں، شب یکشنبہ ۸ر رمضان، ۱۲۵۷ھ رحلت کی تاریخ ہے۔ (تکملہ نجوم ج ۲ ص ۲۷ - بے بہا ص ۲۶۷ - نزہتہ ج ۷، ص ۳۴۴)

غلام اسد اللہ خان :

حدود ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء

مولانا سید غلام حسین کی عربی تالیف "شمس الھدایہ" پر ایک عربی تقریظ مولانا غلام اسد اللہ کے نام سے چھپی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عربی زبان اور علم الکلام کے عالم تھے۔ شمس الھدایہ کی تاریخ اشاعت ۱۳۱۱ھ ہے۔ (میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے) غلام محمد تقی صاحب کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ غلام اسد اللہ صاحب نے ۱۳ر رمضان ۱۳۴۵ھ کو رحلت فرمائی۔ (دیکھیے احوال غلام امجد علی)

غلام امجد علی خان :

حدود ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء
۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء

جناب حاجی غلام محمد تقی خان صاحب مدراسی سے میری ملاقات ۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ / ۲۰ر نومبر ۱۹۷۶ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ میں نے موصوف سے علما مدراس کے بارے میں تفصیلات لکھنے کی خواہش کی جس کے جواب سے موصوف نے مجھے خط لکھا، اس خط میں آپ کی اطلاعات کا خلاصہ یہ ہے کہ نواب محمد علی خان والی کرناٹک کی اہلیہ ایران کی صفویہ شہزادی تھیں جن کے فرزند اکبر غلام حسین ممتاز تھے، اور ایک دختر ملکۃ النسا بیگم عرف دریا بیگم تھا۔ ان کے بیٹے نواب غلام اسد اللہ خان بہادر مجد الدولہ تھے جو شیعہ تھے۔

نواب محمد علی خان والاجاہ سنی تھے مگر ان کی صاحبزادی ملکۃ النسا شیعہ تھیں، اور نواب غلام اسد اللہ مجد الدولہ نے شیعوں کی بڑی خدمت کی۔ انھوں نے "سرکار عباسی عاشور خانہ مبارک" بنوایا اور بہت بڑا وقف قائم کیا۔

مدراس کے علما : مدراس کے علما میں غلام نبی اللہ احمد خان نواب اسد اللہ مجد الدولہ کے فرزند اور مدراس کے عالم و قاضی تھے۔ موصوف نے ۱۲ر رمضان ۱۳۴۵ھ مطابق ۸ر مارچ ۱۸۷۹ء میں انتقال کیا۔

لیکن ہم نے اپنی تحقیق اور مجلۂ اصلاح کی معاصر خبر کے مطابق ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ تاریخ وفات قرار دی ہے۔ کیونکہ ۱۳ر رمضان ۱۳۴۵ھ ہجری کے مطابق ۱۶ر مارچ ۱۹۲۷ء کے مطابق ہے۔ غالباً ۱۳۴۵ھ تاریخ وفات غلام اسد اللہ صاحب ہے۔

• بابِ دین (مطبوعہ ۱۳۰۱ھ) اُردو میں مکارم الاخلاق کا خلاصہ ۔ • لب لباب فارسی

غلام نبی احمد اللہ خان صاحب کے بیٹے تھے ۔ حجۃ الاسلام، خازن العلوم مولانا امجد علی خان قاضی القضاۃ خطیب و صاحب عرفان ۔ موصوف نے ۶۴ سال کی عمر پا کر ۲۰ رجب ۱۳۴۰ھ ۲۰ مارچ ۱۹۲۲ء کو رحلت کی ۔

غلام امجد علی خان کے بعد حجۃ الاسلام الحاج مولانا غلام مہدی صاحب قاضی مدراس ہوئے، موصوف علم فقہ کے علاوہ ادب میں بھی درک رکھتے تھے اور شگفتہ مزاجی و بذلہ سنجی میں ضرب المثل تھے جس کی وجہ نعمت خان عالی کی وراثت اخلاق ہو سکتی ہے ۔ غلام امجد علی صاحب نعمت خان عالی کی دختری اولاد سے تھے ۔ موصوف کے فرزند غلام محمد تقی ان کے فرزند غلام احمد عسکری زندہ ہیں ۔

غلام الثقلین، خواجہ :

۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء

خواجہ غلام الثقلین صاحب پانی پت کے اہلِ علم اور بڑے مصنف و مبلغِ اسلام تھے ۔

غلام حسن لکھنوی :

حدود ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء

مولانا سید غلام حسن، جناب غفران مآب کے شاگرد اور ذہانت و ذکاوت، تقدس و علم میں ممتاز تھے۔ جناب غفرانِ مآب سید دلدار علی کی حیات ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئے ۔

تالیفات : • حدیقۂ ہندی، روضۃ الصالحین ۔ یہ منظومہ ہے جس کے آغاز میں عقائد اور تردید بدعات و ایجادات مستورات کا تذکرہ ہے ۔ پھر مسائل فقہ لکھے ہیں ۔

غلام حسنین، کنتوری :

۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء

۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء

برِصغیر کے غیر معمولی عظیم علماء میں جن افراد کا نام سرِفہرست ہے اس میں علامہ غلام حسنین کنتوری علوم مشرقیہ کے مجدد مانے جاتے ہیں ۔ یوں تو ان کی آپ بیتی اور خود نوشت سوانح عمری شائع ہو چکی ہے لیکن ابھی موصوف پر مفصل کام کرنے کی ضرورت ہے ۔ علامہ کنتوری کو متعدد علوم اور کئی زبانوں پر ماہرانہ عبور تھا ۔ عربی بلا تکلف لکھتے اور بولتے تھے ۔ فارسی کے نثر نگار تھے ۔

علامہ غلام حسنین کنتوری ۱۷ ربیع الاول ۱۲۴۷ھ کنتور میں پیدا ہوئے ۔ کمسنی ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے ۱۲۵۴ھ میں لکھنؤ آ کر شاہی مدرسے میں داخل ہو گئے ۔ ۱۲۶۲ھ میں جناب مفتی محمد قلی کی صاحبزادی سے عقد ہو گیا ۔

جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب، جناب سید احمد علی صاحب محمد آبادی، جناب سید حسین صاحب

عنیین مکاں جیسے اساتذہ سے اجازہ ہائے کمال حاصل فرمائے۔

۱۸۶۲ء میں فالج کا شدید حملہ ہوا، اسی عالم میں خواب دیکھا کہ دو عیسائی عورتیں انجیل لیے کہہ رہی ہیں "عیسائی ہو جاؤ تو ابھی تندرست ہو جاؤ گے"۔ یہ سن کر آپ کو سخت غصہ آیا۔ جس کی گرمی سے حرارت غریزی میں اشتعال پیدا ہوا اور پسینہ سے بدن بھیگ گیا۔ سدہ ہائے بلغمی تحلیل ہوئے اور فالج کا اثر جاتا رہا۔ ۱۲۸۹ھ میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ جس کے منصوبے اور معیار کو دیکھ کر تمام علمی حلقوں نے مسرت کا اظہار کیا۔

اخبار الاخیار نامی اخبار نکالا۔ گھڑی سازی و صابون بنانے کا کارخانہ قائم کیا۔ ایک پریس لگایا جس میں جناب ممتاز العلماء سید نقی صاحب کی تفسیر شائع کرنا شروع کی۔ بہت دنوں تک تنہا فرد الفلاسفہ نامی رسالہ نکالتے روشن فکر اور باعمل علماء کی طرح قومی ترقی و خوشحالی کی فکر اور ملی و ملکی مسائل میں عملی حصہ لینا فرض سمجھتے تھے شیعہ سنی اتحاد کے داعی اور سنی علماء کے ساتھ مل کر کام کرنے والے تھے۔ چنانچہ ندوۃ العلماء کی تعمیر میں وہ مولانا شبلی کے ساتھ تھے۔ قرآن و حدیث فقہ و اصول کے علاوہ

موسیقی، کیمیا، مسمریزم، تشریح الاعضاء، طبیعیات، فلسفہ، طب وغیرہ میں وہ کمال تھا کہ "قانون شیخ" کا اردو ترجمہ جس قدر صحیح و فصیح آپ نے کیا ہے۔ شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ جدید علم کلام کے لیے آپ کی کتاب "انتصار الاسلام" کا مطالعہ منکرین اسلام کے لیے بصیرت افروز ہے۔ آپ نے ظاہری وضع علماء جیسی تو نہیں رکھی لیکن اکابر علماء جیسے کام ضرور کیے۔ ہندوستان کے متعدد شہروں، قریوں، دیہاتوں، ریاستوں اور صوبوں میں رہے، لیکن اپنے عالمانہ انداز سے دین کا دفاع، مذہب کا تحفظ اور طبی خدمتیں جاری رکھیں۔ ملک کے اخبارات و رسائل میں مضامین چھپتے تھے۔ اسلام کے خلاف ہر اعتراض کا جواب لکھتے تھے۔

سائنس کے تجربے، طبی تحقیقات، فلسفی مباحث ان کے روز مرہ کی باتیں تھیں۔ معاشی طور پر کوئی خاص اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک جگہ جم کر کام نہ کر سکے۔

علامہ غلام حسنین صاحب نے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ، ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء فیض آباد میں رحلت کی اور کنتور میں آسودۂ لحد ہوئے۔ اسی رات چاند گہن بھی ہوا اور لوگوں نے اسے ہمہ گیر غم کی علامت مانا۔

تالیفات: • حواشی مغنی اللبیب۔ • حواشی شرح کبیر۔ • تفسیر أینما تولوا فثم وجه الله • رد اعتراض نصاریٰ جسے دیکھ کر سلطان العلماء نے اجازہ دیا تھا۔ • رسالہ در اشکال وضو (۲۰۷) مسائل وضو

• التغنی فی القرآن۔ • شرح اعجاز خسروی بفرمائش منشی نول کشور۔ • رسالہ اکسیر ابیض (بوعلی سینا) کی شرح اردو۔ • شرح کلیات قانون شیخ الرئیس مطبوعہ (اردو) • شواھد اردو۔ تذکیر و تانیث اردو پر باستاد رسالہ

• تردید مضامین سرسید در تہذیب الاخلاق۔ • نور العین فی شرح ابطال رویۃ بالعین

- شرح زیارت ناحیۂ مقدسہ بفرمائش حضرت واجد علی شاہ مرحوم۔ • ترجمہ و شرح تشخیص جالینوس فارسی۔ (مطبوعہ) • ماتین در مقتل حسینؑ عربی و فارسی۔ (مطبوعہ میرے پاس موجود ہے۔
- انتصار الاسلام ۳ جلد اردو۔ مطبوعہ۔ • زینبیہ در حال ازواج رسولؐ (اردو نثر اور ہے) اردو مطبوعہ موجود ہے
- مفارقات حسینیہ و عثمانیہ (عربی و اردو) مطبوعہ۔ • ذوالجناحیہ حسینیہ۔ مطبوعہ۔
- حسنیہ قرآنیہ۔ (عربی و اردو) مطبوعہ موجود ہے۔ • معراجیہ قرآنیہ۔ • ترجمہ و شرح کامل الصناعۃ (طب)
- طلاقت حسنیہ۔ عربی و اردو (مطبوعہ)

اولاد: • مولوی تصدق حسین صاحب۔ • مولوی محمد علی صاحب۔ (بے بہا ص ۲۰۲ ، نزہتہ ج ۸ ص ۲۰۹)

غلام الحسنین: ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

مولانا خواجہ غلام الحسنین پانی پتی اپنے عہد کے فعال اور صاحب فکر عالم تھے، انگریزی پر قدرت تام رکھتے مقرر و مصنف و مصلح تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں اور بہت سے ادارے قائم کیے۔ ۱۳۵۲ھ میں سفر حج کیا۔ حالی مسلم اسکول پانی پت میں مدیر و استاد عربی و فارسی تھے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء، ۱۹ رمضان ۱۳۵۶ھ کو رحلت فرمائی۔

تصانیف: • سیرۃ النبیؐ۔ • تقدیس القرآن • معیار الاخلاق • کشف الحقیقت • ترجمہ فلسفہ ہربرٹ اسپنسر • اخلاق حسینی • سفرنامہ حج

غلام حسین، طباطبائی: ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۸ء — ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء

نواب غلام حسین بن ہدایت علی بن علیم اللہ بن فیض اللہ حسینی الطباطبائی دہلوی عظیم آبادی ۱۱۴۰ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر پانچ سال کے ہوئے تو مرشد آباد لے گئیں اور اپنے بھتیجے مہابت جنگ کے گھر میں بار ہیں۔

مہابت جنگ نے عظیم آباد پر فتح پائی تو نواب ہدایت علی خان مرشد آباد آ ستے اور زندگی دیکھ بھال اپنے ذمے لی، انھیں جاگیر و منصب بھی ملا۔ نواب ہدایت علی خان نے اپنی جاگیر مونگیر کے قریب "حسین آباد" نامی شہر بسایا تھا جو اب تک شہر علم و تہذیب کا اہم شہر ہے۔

نواب غلام حسین خان بڑے عالم و فاضل آدمی تھے۔ برصغیر کے تمام شہر دیکھے اور بہت سی ریاستوں میں رہے۔ بڑی سیاحت کی تقریباً ساٹھ برس کی عمر میں ۱۲۰۰ھ کو حسین آباد، بہار میں وفات پائی۔

تصانیف: • سیر المتاخرین۔ ہندوستان کی آخری مفصل تاریخ قبل از اسلام سے ۱۱۹۵ھ تک (فارسی)
- بشارۃ الامامہ۔ منظوم فارسی۔ • شرح مثنوی معنوی۔ (نزہتہ ج ۶۔ ص ۱۹۹)

غلام حسین، جونپوری :

۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء
۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء

عالم اجل، حکیم بے بدل، علامہ غلام حسین بن فتح محمد بن محمد عوض علوی علوم دین کے علاوہ رمل و جفر حساب و ہیئت میں کامل اور فقہ و علوم اسلامیہ میں جناب سید العلما مولانا سید حسین صاحب کے شاگرد تھے۔ ان کے والد بھی عالم جلیل تھے۔ بیٹا بھی علامۂ دہر ہوا۔

راجہ خان بہادر آف گیا (ٹکاری) نے مولانا کو اپنی ریاست میں بڑے اعزاز و اکرام سے رکھا ہند و مسلمان سب آپ کے گرویدہ اور امیر و غریب سب آپ کے شیدا تھے کچھ عرصے بعد مولانا نے متعدد کتابیں تصنیف کیں ٹکاری سے مہاراجہ بنارس نے بلا کر اپنے ساتھ رکھا۔ وہاں سے مرشد آباد گئے اور نواب صاحب نے معتدبہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اسی سال سے زیادہ عمر پا کر ۱۲۷۹ھ عظیم آباد میں رحلت کی،

تلامذہ : • شیخ مظہر علی بنارسی۔ • آغا محمد صاحب عظیم آبادی۔ • سید محمد حسن صاحب

تصانیف : • شرح تحریر اقلیدس۔ • شرح بطلی • جامع بہادر خانی جو چھ حصوں میں تقسیم ہے :
• ہندسہ۔ • علم الابصار۔ • حساب۔ • گو عنۃ فنون کا خلاصہ۔ • اور مساحت، تکسیر، دوائر وغیرہ
• ہیئت و اجرام علویہ و بسائط سفلیہ۔ • احکام زیج و تقویم یہ کتاب، شنبہ ۱۵ صفر ۱۲۴۹ھ کو شروع کی اور سہ شنبہ ۱۵ جمادی الاولی ۱۲۴۸ھ کو ختم کی اور لارڈ ہیسٹنگ کے عہد میں شائع ہوئی • زیج بہادر خانی طبع ملکۃ

(تذکرۂ بے بہا، ص ۲۶۹ ۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ، ص : ۳۵۰ ، تکملۃ النجوم ۲/ ۱۹۱)

غلام حسین، بنگلوری، حیدر آبادی:

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء
۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

مولانا سید غلام حسین صاحب بنگلور مدراس کے خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد میر اشرف حسین صاحب یا ان کے والد حیدر آباد دکن میں متوطن ہو گئے تھے۔ غلام حسین صاحب بھی غالباً حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ مقامی علماء سے تعلیم حاصل کر کے نجف اشرف و کربلاء معلّی میں انتہائی علوم دینیہ کی تحصیل فرمائی آیۃ اللہ العظمی و مرجع الشیخ زین العابدین مازندرانی کے اجازۂ اجتہاد سے سرفراز ہوئے۔ شمس الہدایہ کے آخر میں جناب شیخ کا عربی اجازہ ۱۵ محرم ۱۳۰۲ھ اور فارسی تحریر شوال ۱۳۰۵ھ۔ شیخ محمد حسین مازندرانی کا اجازہ مجریہ ۱۳۱۱ھ، سید ابوالقاسم بن سید علی طباطبائی کا اجازہ بے تاریخ اور شیخ محمد حسین کاظمینی نجفی کا اجازہ ۲۰ شوال ۱۳۰۵ھ کا ہے۔

مولانا غلام حسین، معقولات و منقولات میں کامل تھے۔ خطیب بھی بڑے پائے کے تھے۔ امراء و عوام حیدر آباد

کی رجوع تھی۔ فارسی و عربی بے تکلف لکھتے اور بولتے تھے۔

مولانا محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا نے: ۱۳۳۷ھ میں مولانا غلام حسین صاحب کی عمر کا تخمینہ ستر سال، لگایا تھا مجلۂ اصلاح میں ۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ تاریخ وفات درج ہے۔

معاصر علماء سے اکثر دقیق مسائل پر بحث رکھتے تھے، فلسفے کے زور سے عقائد میں نکتہ آفرینیاں کرتے تھے۔ اکابر علماء لکھنؤ وغیرہ سے مساویانہ رابطہ تھا۔ ان کی تالیف "شمس الہدایہ" پر مولانا علی محمد صاحب تاج العلماء مولانا عبداللہ بن محمد علی، مولانا محمد حسین، اٹن صاحب وغیرھم کی تحریریں چھپی ہیں۔

تالیفات: • شمس الهدایہ، ردّا علی من ضلّ بقولہ ان علمہ تعالیٰ لا یتعلق بالمعدومات (عربی) طبع حیدرآباد دکن ۱۳۱۱ھ اور تالیفات بھی تھے جن کے نام دریافت نہ ہو سکے۔ (بے بہا: ص ۲۷۵)

غلام رضا:

۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

مولانا غلام رضا صاحب لکھنوی بڑے عابد و زاہد، مقدس و متقی بزرگ تھے۔ مفتی گنج میں رہتے تھے اور محتاط انداز میں ذاکری کرتے تھے۔ ۲۸ صفر کو ان کا تعزیہ لکھنؤ میں مشہور تھا۔

۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ ۱۱ جولائی ۱۹۲۰ء کو رحلت کی اور حسینیہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔

تالیف: • تنبیہ الناکثین۔ مطبوعہ (الواعظ نومبر ۱۹۵۴ء)

غلام السیدین، خواجہ:

۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء
۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء

خواجہ غلام السیدین برصغیر کے عظیم ماہرین تعلیم اور شعبوں کے بلند پایہ دانشور تھے۔ آپ آنریبل خواجہ غلام الثقلین ممبر یوپی کونسل کے فرزند اور مشہور ادیبہ صالحہ عابد حسین کے بھائی تھے۔

علامہ اقبال، سر راس مسعود، عبدالحق بابائے اردو ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر ذاکر حسین جمہوریہ ہند وغیرہ سے ان کے گہرے مراسم تھے۔

موصوف اپنے جد امجد خواجہ الطاف حسین حالی کی زندگی میں ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۳ء بمقام پانی پت میں پیدا ہوئے۔ والدہ کا نام مشتاق فاطمہ بنت مولوی اخلاق حسین تھا۔ مولوی اخلاق حسین مولانا حالی کے بڑے صاحبزادے (اور خواجہ سجاد حسین صاحب کے بھائی) تھے۔

خواجہ غلام السیدین کی تربیت۔ تعلیم اور اخلاق و عادات کی نگرانی شروع سے نہایت احتیاط کے ساتھ کی گئی عربی زبان میں ہمیشہ اچھے نمبر لیے ۱۹۱۵ء میں وہ عربی زبان میں خط و کتابت کی قابلیت پیدا کر چکے تھے ۱۹۲۲ء میں اعلیٰ تعلیم کے

لیے انگلستان تشریف لے گئے جہاں سے ایم۔ایڈ کی ڈگری لے کر وطن واپس آئے اور ٹریننگ کالج علیگڑھ کے پرنسپل پھر ڈائریکٹر تعلیمات ریاست کشمیر ہو گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے دورِ وزارت میں بھارت سرکار کے سیکرٹری تعلیمات بنائے گئے۔ مگر مولانا آزاد کی وفات کے بعد ریٹائر ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ لیکن تقاریر اور تصانیف کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔ اس دوران علمی تقاریر کے لیے امریکہ بھی تشریف لے گئے تھے۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ جو شخص اعلیٰ پایہ کا مقرر ہوتا ہے وہ عمدہ مصنف نہیں ہوتا۔ لیکن خواجہ صاحب میں یہ دونوں صفتیں موجود تھیں۔ جہاں وہ شیریں بیان مقرر تھے وہاں قابل مصنف بھی۔ ادب ان کا خاندانی ورثہ تھا۔ چنانچہ اردو اور انگریزی میں متعدد قابلِ قدر کتابیں تحریر فرمائیں۔ "آندھی میں چراغ" پر بھارت سرکار نے پانچ ہزار روپیہ انعام دیا تھا۔ اس کتاب میں مختلف اکابر کے حالاتِ زندگی لکھے گئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ ۱۹؍ دسمبر ۱۹۷۱ء کو رحلت فرمائی۔

تصانیف : • مقالۂ ایم ایڈ۔ مغرب میں تعلیم جدید کے رجحانات : • قومی سیرت کی تشکیل • علی گڑھ کی تعلیمی تحریک۔ • تہذیب کا حقیقی مفہوم۔ • اصولِ تعلیم۔ • ہندوستان میں اسلامی تعلیم • درسگاہ مستقل۔ • ایک مرد درویش (اپنے والد کے واقعات) حالات پر تبصرہ۔ • تعلیم کی نئی بنیادیں • نجی۔ یہ ایک مختصر سا تعزیت نامہ ہے جو خواجہ صاحب نے اپنے چچا خواجہ غلام السبطین کے لڑکے خواجہ احمد عباس کی بیوی مجتبائی خاتون عرف نجی کی وفات پر لکھا تھا۔ مرحوم خواجہ صاحب کی خالہ زاد بہن اور صدیقہ کی دختر تھیں۔ صدیقہ مولوی اخلاق حسین صاحب کی لڑکی اور مولانا حالی کی پوتی تھیں۔

خواجہ صاحب ایک اعلیٰ ماہر تعلیم، فاضل ادیب اور سحر البیان مقرر ہونے کے علاوہ نہایت خلیق، ملنسار، منکسر المزاج تھے۔ یورپ میں کئی سال رہنے اور ہندوستان کی اونچی سوسائٹی سے خاص تعلق رکھنے کے باوجود مذہب کے نہایت پابند سادہ مزاج، فرض شناس، عافیت پسند، خاموش طبع، شیریں گفتار، ہنس مکھ، باوضع اور پُر وقار انسان تھے۔ لڑائی جھگڑوں، منافقتوں، سازشوں، ریشہ دوانیوں، گروہ بندیوں اور جوڑ توڑ میں وہ کبھی نہیں پھنسے۔ بہت ٹھہر ٹھہر کر باتیں کرتے تھے اور انداز بیان نہایت شیریں اور دلچسپ ہوتا تھا۔ انہوں نے قلم ہاتھ اور زبان سے کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی۔ ہر شخص سے ہمدردی یگانگت، خوش اخلاقی اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔

(انجمن وظیفہ سادات و مومنین سلور جوبلی نمبر، تالیف اعجاز جارچوی طبع دہلی۔ ۱۹۳۶ء، ص: ۵۷)

غلام شاہ نقوی مولانا سید
حدود ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء
۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

سید غلام شاہ صاحب موضع شادی کہچالہ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان میں پیدا ہوئے ان کے والد سلطان علی نقوی نے اہل سنت والجماعت کے درس میں بھیج دیا۔ اس وقت قرب و جوار میں شیعہ مجتہد کوئی نہ تھا۔ آپ نے نظامی درس سے فارغ ہونے پر اہلسنت والجماعت کے عقائد اپنا لیے۔ قدرت نے سوز و گداز کی عطا فرمائی تھی۔ اہلسنت والجماعت میں مقبول ترین واعظ رہے۔ حلقۂ مریدان بہت زیادہ ہوگیا۔ وعظ کی خصوصیت یہ تھی۔ امام حسن علیہ السلام کے مصائب اس رنگ میں پڑھتے تھے کہ در و دیوار سے رونے کی صدا سنائی دیتی تھی۔ اسی وجہ سے لوگ دور دراز سفر کر کے آپ کے وعظ میں شریک ہوتے تھے عقیدتمندوں کی یہ حالت تھی کہ آپ جب وضو فرماتے تھے۔ طشت میں وضو کا پانی لے کر مرید تبرکاً تقسیم کرتے تھے۔
خداوند عالم نے ایک لڑکا عطا کیا جس کا نام سید امیر حسین نقوی تجویز ہوا۔ آپ نے بڑے چاؤ کے ساتھ پرورش کی۔ درسِ نظامی سے جب سید امیر حسین نقوی فارغ ہوئے تو آپ کے چچازاد بھائی سید محمود الحسن نقوی جو پکے شیعہ تھے جن کو اپنے خاندان کے بگڑنے کا قلق تھا۔ سید محمود الحسن اعلی اللہ مقامہ کی تعلیم صرف فارسی تک تھی۔ ذاکر امام حسین علیہ السلام مقبول تھے۔ انہوں نے اپنے بھتیجے سید امیر حسین نقوی کو مطالعہ کے لیے کتب اہلِ تشیع کا شوق دلایا۔ کتب بینی سے سید امیر حسین نقوی کے عقائد صحیح ہوگئے لیکن ان کے باپ مولانا سید غلام شاہ صاحب نقوی کو جب علم ہوا کہ سید محمود الحسن اعلی اللہ مقامہ کی کوشش سے میرا بیٹا شیعہ عقائد کا معتقد ہوگیا ہے تو بیٹے سے کہا کہ آپ مناظرہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ بہت بڑے اجتماع میں مناظرہ ہوگا۔ چنانچہ بڑے بڑے علماء اہلسنت والجماعت جو سید امیر حسین کے استاد بھی تھے۔ شریکِ مناظرہ ہوئے۔ تقریباً ۲۷ علماء اہلسنت والجماعت جمع ہوئے۔ اس وقت اس علاقہ میں کوئی مولوی شیعہ نہ تھا۔ تنہا مولانا امیر حسین نقوی اور امدادی سید محمود الحسن اعلی اللہ مقامہ مناظر تھے۔ یہ مناظرہ بحیثیت شیعہ و سنی نہ تھا بلکہ جملہ علماء اہلسنت والجماعت مولانا امیر حسین نقوی کے شکوک زائل کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ بحث صرف فدک پر رہی۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی ناراضگی کا جواب اہل سنت والجماعت کے علماء نہ دے سکے۔ مولانا امیر حسین نقوی شیر کی طرح گرج گرج کر اپنا مطلب پیش کرتے۔ باتفاق علماء اہلسنت نے کہا معاذ اللہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اس مسئلہ سے جاہل تھیں۔ مولانا سید غلام شاہ صاحب روتے ہوئے کھڑے ہوگئے۔ اپنے خاص انداز میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے فضائل اور مصائب پڑھے۔ سارا مجمع اشکبار ہوگیا۔ اس وقت جب سارا مجمع رو رہا تھا۔ اعلان کیا جس مذہب میں

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ میں اس سے بری ہوں۔ آج سے میں شیعہ ہو گیا ہوں۔ سید محمود الحسن نقوی اعلی اللہ مقامہ کی کوشش بار آور ہوئی۔ اب سارا موضع شیعہ عقائد کا معتقد ہے۔ جمعہ جماعت نہایت پابندی کے ساتھ جاری ہے۔ (مکتوب، مولانا محمد عارف صاحب قبلہ)

غلام عباس :

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء

مولانا سید غلام عباس بن نجف حسین رسول پور تحصیل بلول ضلع گوڑگانوہ میں ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ سولہ برس کے بعد مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ فردوس مآب ان اپنے ایک سفر میں اپنے ساتھ لکھنؤ لے گئے اور بارہ سال تک تعلیم دی۔ آپ مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ کے ہم درس تھے۔ متوسطات ختم کر کے اجازہ و دستار بندی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ انکے استاد محترم نے دینی معاملات کی تبلیغ کے لیے ملتان بھیج دیا۔ آپ نے مسجد شاہ گردیز کے قریب سکونت اختیار کی اور تعلیمی مسائل و جمعہ و جماعت کا سلسلہ شروع کیا۔

۱۳۰۸ھ ۱۸۹۰ء میں آپ حیدر آباد دکن کے سرکاری کالج میں بطور استاد طلب کیے گئے۔

۱۳۲۲ھ میں حیدر آباد سے حج و زیارات مدینۂ منورہ و نجف و کربلا و کاظمین و مشہد کو گئے۔ اس سفر میں آپ نے اعلام عراق سے اجازے لیے۔ آپ کے تبرکات میں جو اجازے ہیں۔ اس میں۔ ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۲۲ھ کا تحریری اجازہ آیۃ اللہ شیخ محمد تقی النجفی الاصفہانی بن محمد باقر اور اس پر آقای میرزا محمد ہاشم و آقای شیخ محمد مہدی نجفی و آقای رازی کی مہریں ہیں۔ دوسرا اجازہ آیۃ اللہ حجۃ الاسلام میرزا محمد حسن شیرازی کا ہے۔

محرم ۱۳۳۴ھ میں آپ وطن واپس آئے اور ۱۵ محرم کو داعی اجل آن پہنچا۔

مولانا نے اپنی پرہیزگاری، علم اور محنت سے ملتان میں دین و دیانت کی ایسی تبلیغ کی جس سے مومنینِ ملتان آج تک ان کے ممنون ہیں۔

اولاد : • سید حیدر عباس صاحب اب تک حیات ہیں اور ملتان میں رہتے ہیں۔

(بے بہا: ص ۲۷۰۔ مکتوب میر وصی محمد صاحب ملتان مورخہ جولائی ۱۹۷۳ء جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ)

غلام عباس، الحاج، مرزا :

حدود ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء

۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء

مولانا الحاج مرزا غلام عباس صاحب جنوبی ہند مدراس و میسور کے نامور عالم جن کے فیوض و برکات سے ہر شعبہ مستفید تھا۔ آپ علوم مشرقی و مغربی کے عالمِ جلیل تھے۔ ۲۵، ۳۰ برس تک ایک کالج میں لیکچرر رہے

ملازمت سے سبکدوش ہو کر انگریزی اردو میں کتابیں لکھ کر اہل دانش سے خراج تحسین لیا۔
حدیث و تفسیر فقہ و تاریخ پر عبور تھا۔ جناب جلال صاحب کے شاگرد تھے۔ اور شعر بھی کہتے تھے۔ واعظ و ذاکر بھی تھے اور عالمانہ تقریر فرماتے تھے۔ مدراس سے کراچی گئے تھے اور کراچی ہی میں ۲۵ رجب ۱۳۸۷ھ کو آپ کی اہلیہ اور ۲۹ رجب ۱۳۸۹ھ کو آپ نے تقریباً ۸۵ برس کی عمر میں رحلت کی۔ تصانیف: ثمرۃ الفوائد۔ رہبر اطفال۔ فردوس تخیل۔
آپ کی سوانح امام حسینؑ انگریزی کی اہم کتاب مانی جاتی ہے۔ (اصلاح کھجوہ)

غلام حیدر شاہ :

حدود ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

علمائے بہار میں تھے۔ جناب نجم العلما سے خاص تلمذ تھا۔ حدود ۱۳۶۵ھ میں رحلت کی۔
تالیفات: تنبیہ الغبانۃ (ذہبیہ)۔ مواعظ جعفریہ۔ در زبان عجب نکی ہیں۔

غلام صادق :

۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء

حدود ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

مولانا غلام صادق صاحب مقدس و عابد عالم کھجوے میں رہتے تھے، ان کے صاحبزادے مولانا علی حسین صاحب امام جمعہ و جماعت مرشد آباد نے ۱۳۵۲ھ میں رحلت کی تو مولانا غلام صادق صاحب کی عمر ۸۶ سال تھی۔ (اصلاح کھجوہ)

غلام محمد :

۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء

مولانا سید غلام محمد صاحب ساکن ریواڑی جناب ممتاز العلما مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ کے شاگرد اور ان سے اجازہ رکھتے تھے۔
جے پور میں امام جمعہ و جماعت تھے اور ۱۲ رمضان ۱۳۰۰ھ میں رحلت فرمائی۔ (بے بہا ص ۹۹)

غلام مہدی، مدراسی :

جناب مولانا غلام مہدی صاحب قبلہ مدراس کے فقیہ و مجتہد اور مشہور عالم جلیل تھے۔ ۱۹۵۸ء میں موصوف زندہ تھے۔ بعض اخبارات میں ان کی قومی خدمتوں کا ذکر ہوا ہے۔

غلام نبی اللہ احمد خان بہادر مجتہد :

حدود ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

مولانا محمد غلام نبی احمد خان ابن غلام اسد اللہ المعروف بہ نواب

مجدالدولہ والا ّ ینگ کے نواسے تھے۔ عراق سے اجازہ اجتہاد لائے تھے۔ میسور و مدراس و جنوبی ہند میں مرجعیت رکھتے تھے۔ نہایت پاک نفس و با وجاہت، پابند وضع، منکسر مزاج و متحمل تھے۔ آپ کے جد امجد کو خان بہادر اعلیٰ جاہ و والا جاہ کا خطاب تھا۔

مولانا غلام نبی اللہ احمد خان، کو خان بہادری کا خطاب اور شیعوں کی قضاوۃ کا منصب حاصل تھا۔ گویا دوال ریاستیں تھے۔ میسور میں شیعوں کے خلاف صدیوں کی فضا آپ کی ریاضت سے صاف ہوئی مجالس و جلوس عزا برآمد ہوئے۔ نماز جماعت قائم ہوئی۔ آپ کی تقریر میں سب شریک ہوتے تھے۔ شمس الہدایہ تالیف غلام حسین حیدرآبادی کے ساتھ آپ کی دو عربی تحریریں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ عربی و فارسی پر بڑی قدرت تھی اور آپ نے دونوں زبانوں میں کتابیں لکھی ہیں۔ مولانا کے فلسفیانہ خیالات سے معاصر علماء کو اختلاف رہا۔

تاریخ وفات ہے ۲۰ شوال ۱۳۲۴ھ (محمد شفیع گ) (نیز دیکھئے غلام امجد علی)

تصانیف : • بصائر: نیچری اور وہابی عقائد کی رد میں باغ حسام الملک علاقہ مدراس میں چھپی اس کے سرورق کی عبارت یہ ہے: " قد جاءکم بصائر ..... تا ..... بحفیظ "

رد وہابیہ و نیچریہ از تصنیف علامۃ العلماء
افضل الفضلاء جناب مولوی غلام نبی اللہ احمد صاحب دامت ۔
افادۃ: المسمیٰ بہ بصائر ۱۲۹۵ھ حسب فرمائش مہر سپہر سیادت گوہر بحر فضیلت حامی دین معاون مؤمنین جناب مولوی میر غلام محی الدین حسین صاحب"

غنی نقی، زیدپوری : ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء
۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء

مولانا سید غنی نقی (تاریخی نام) زیدپور کے رضوی سادات و امراء میں تھے۔ جناب سید العلماء مولانا سید حسین صاحب جنت مکاں سے تلمذ اور جناب مفتی محمد عباس صاحب سے دوستی تھی۔

فقہ و کلام خصوصاً لغت و ادب میں بڑی مہارت تھی۔ نجوم السماء میں آپ کی نظم و نثر کا ایک نمونہ موجود ہے باوجود تو تبحر علم کے آپ کے اخلاق مشہور تھے۔ سلطان غازی الدین حیدر کے زمانے میں مصنفین کا ایک بورڈ بنا تھا مولانا اس کے رکن تھے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ "تاج اللغات" آپ کی شرکت بلکہ بعض اجزاء صرف آپ کی تصنیف تھے۔

جناب مفتی صاحب کے احباب خاص میں ہم درس تھے۔ مفتی صاحب قبلہ کی فارسی و عربی دو نظمیں

جناب مولانا غنی نقی صاحب کی شخصیت پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی ہیں:

ذات التقی عن المعائب ، والنقی
عن المعائب ، ما نسیت محامدہ
نصبت عیون العلم عند وفاتہ
وجرت لفرقتہ عیون جامدہ
عجبا لتربتہ التی حلت بہا
تقوی وعلم ثم نفس ناقدہ
عجبا لمقالتہ التی عہدی بہا
سہرا للیالی کیف اضحت راقدہ
ھذا بیان رحیلہ من عندنا
اما الفوات کمالہ فعلی حدہ
عام الوفاۃ لہ مراتب اربع
سبع وخمس واثنتان وواحدہ

مفتی صاحب کے مکتوبات ظل ممدود و دیوان رطب العرب میں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ مولانا غنی نقی صاحب اسی انداز نظم و نثر میں عربی لکھتے ہوں گے۔

۱۱ جمادی الثانیہ

افسوس ہے مولانا غنی نقی صاحب نے سینتیس سال کی عمر پاکر رجب ۱۲۵۷ھ میں رحلت کی۔ اور جنازہ لکھنؤ سے زید پور گیا۔ ۱۲۷۴ھ میں جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ زید پور گئے تو مولانا غنی نقی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد یہ نظم لکھی:

بہ قدرے بدیم با ہم دگر — فشاندیم گل ، از دعای سحر
دلم سوخت بر قبر آن قدردان — ز دل سورۂ قدر خواندم بر آن
بیاد انداز صحبت پاک او — نشستیم تا دیر ، بر خاک او
کہ او خیز ؛ چون آمدی پیش من — شدی شمع سان رونق انجمن
بسے از سر شام تا نیم شب — ز حرف و حکایت نمی بست لب
بتشویق من شوق اشعار کرد — باصلاح من در سخن کار کرد
درین وادی آمد ز آورد من — تصانیف او ہم شکلم خوردمن

سفر کرد چوں در شباب از جہاں — زجد و پدر داشت چندی نشان
کنوں زو بجز استخوانی نماند — ز اصل و فرعش نشانی نماند
ہمیں است حال جہاں خراب — فیا للدواہی و یا للمصاب

تصانیف: • رسالۂ فرقیہ : لغت قریب المعنی۔ • تاج اللغات : فرہنگ عربی کا اکثر حصہ ان کی تالیف ہے۔ • شرح دعاء صباح : قلمی اور دوسرے رسائل خطی۔

(• نجوم السماء ص ۳۹۰ • بے بہا : ص ۲۶۸ • نزہۃ ج ۷ ص ۲۴۳۔ • مجلہ الزبیر، بہاولپور کتب خانہ نمبر۔)

غیاث کمال، شیرازی :

حدود ۹۵۰ھ / ۱۵۴۳ء

مولانا غیاث کمال، مورخ و ادیب و حکیم منش و طبیب تھے۔ دکن میں قیام کیا۔ ان کے آثار علمی میں ائمہ اہل بیت کی مدح میں قصائد کا تذکرہ علامہ شہید نوراللہ شوستری نے مجالس المومنین میں کیا ہے ملا غیاث ۹۴۱ھ میں موجود تھے غالباً۔ (بے بہا : ص ۲۶۶)

غلام حسین، دکنی :

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

عالم کبیر و فاضل عالی قدر، معاصر علامہ تفضل حسین خان معقولات و منقولات میں ماہر شہر حیدر آباد کے قاضی شرعی، اخلاق و آداب، انسان دوستی و قدر شناسی میں جامع و کامل عالم تھے۔ ۱۲۵۸ھ میں ان کی شہرت اپنے عروج پر تھی۔ مولانا شیخ غلام حسین دکنی در اصل شاہ جہان آباد دہلی کے باشندے تھے۔ تاریخ وفات حدود ۱۲۸۰ھ میں ہوگی۔ (تکملہ نجوم السماء ۲/ ۶۷)

تصانیف : رسالہ در مبحث جعل بسیط و مرکب

غلام رسول، مبارکپوری :

حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

مولانا غلام رسول بن نصراللہ، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے محلہ پورہ میں پیدا ہوا۔ وہی آبائی وطن تھا وطن اور اس کے آس پاس بستیوں کے اساتذہ سے پھر محمد آباد کے علما سے بڑھنے کے بعد مدرسۂ ناظمیہ لکھنو سے سندلی اور اس زمانے کے محتاط اہل علم کے دستور کے مطابق طب کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرکے وطن آئے۔ وطن سے صوبۂ بہار بلا لیے گئے وہیں رحلت کی۔ ان کے جد، میاں جان محمد سے ان کے پوتے محمد داؤد

تک علم دین کا سلسلہ جاری ہے۔ خود مولانا غلام رسول صاحب کے بھائی محمد اصغر صاحب بھی علما میں تھے۔
(شجرۂ مبارکہ ص ۱۷۱۔ تالیف، قاضی اطہر مبارک پوری طبع بمبئی ۱۹۷۴ء)

غلام رضا:

حدود ۱۲۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

مولانا مرزا غلام رضا صاحب صدر الافاضل بڑے مقدس اور بڑے حاذق و فاضل طبیب تھے۔ آخری عمر میں سلطان المدارس کے مدرس ہوئے اور اسی زمانے میں رحلت کی۔ تاریخ وفات حدود ۱۳۷۵ھ ہے۔ (مولانا سعادت حسین)

غلام عباس، مبارک پوری:

حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

مولوی غلام عباس بن مولوی غریب اللہ مبارک پور اعظم گڑھ کے باشندے تھے۔ اپنے والد سے تعلیم حاصل کی، علوم اسلامیہ میں اعلیٰ درجے کی قابلیت رکھتے تھے۔ قصبۂ سمبھی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ بہت سے حضرات آپ کے فیضان علمی سے مستفید ہوئے۔ شاعری سے بھی شغف تھا اور صابر نظام آبادی شاگرد ناسخ لکھنوی سے اصلاح لی تھی۔ احادیث و آیات بلا تکلف نظم کرتے تھے۔ مشکل صنائع و بحور میں شعر لکھتے رہے، خم خانۂ جاوید جلد پنجم میں نمونۂ کلام موجود ہے۔ اخبارات میں مضمون بھی شائع ہوتے رہتے تھے۔
۱۹۳۰ء کے حدود میں رحلت کی۔

فرزند: منشی شیخ غلام حسین، عاشق (شجرۂ مبارکہ ص ۱۴۳)

غلام قاسم:

۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ کبریت احمر نامی کتاب مناظرہ کی مشہور کتاب کے مصنف تھے۔ ہجرت کرکے کربلا معلیٰ تشریف لے گئے اور وہیں ۲۹ محرم ۱۳۵۴ھ کو انتقال کیا۔

غلام علی، کاٹھیاواڑی:

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء
۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء

حاجی غلام علی بن حاجی اسماعیل، کاٹھیاواڑ گجرات کے مبلغ و خطیب و ادیب و مصنف تھے، وہ کسی مدرسے سے پڑھ کر تو نہیں نکلے مگر خوجہ اثنا عشری جماعت کے مذہبی امور کے سربراہ ضرور رہے، غلام علی، پرہیزگار، خوش اخلاق، خوش لہجہ اور با اثر بزرگ تھے۔ انھوں نے اصول دین و فروع دین و اخلاق پر متعدد کتابیں لکھیں

فتح علی فیض آبادی : حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا مرزا فتح علی فیض آباد کے علما میں تھے ۔ مولانا نجف علی اور حکیم محمد نواب کے معاصر تھے ۔ عبدالحی نے نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۱۵۴ پر حیدر علی فیض آبادی متوفی ۱۲۹۹ھ کے اساتذہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے ۔

فتح اللہ شیرازی : ۹۲۰ھ / ۱۵۱۴ء — ۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء

میر فتح اللہ شیرازی سادات شیراز سے تھے ۔ وطن میں پرورش پائی ۔ حدیث و فقہ و اصول و عقائد و ادب کے ساتھ ساتھ ، نجوم و ہیئت ، ریاضی و فلسفہ ، طب و کیمیا ، حساب و طلسمات ، جر ثقیل غرض منقولات و معقولات میں درجہ کمال حاصل کیا ۔ ان کے اساتذہ میں کمال الدین شیروانی ، میر غیاث الدین منصور شیرازی اور احمد کرد و جمال الدین محمود کے نام بہت مشہور ہیں ۔

ان کی ذہانت و ذکاوت ، جامعیت و قابلیت نے انہیں دور دور تک مشہور کر دیا ۔ بیجاپور کے علم دوست بادشاہ ابراہیم عادل شاہ اوّل نے بڑی کوشش کے بعد بیجاپور طلب کرنے میں کامیابی حاصل کی اور اپنا وکیل مطلق بنالیا ۔ شہزادہ علی عادل شاہ آپ کی تربیت میں دیا ۔ یہ واقعہ ۹۶۵ھ یا اس کے کچھ بعد کا ہے ۔

ابراہیم عادل شاہ کے بعد علی عادل شاہ سے وہ برداشتہ خاطر رہے ۔ لیکن ۹۸۸ھ میں علی عادل شاہ قتل ہوا تو میر فتح اللہ اس کی تجہیز و تکفین کے مہتمم تھے ۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی میر صاحب کا قدردان تھا ۔ اس لیے دوبارہ عزت افزائیاں ہوئیں ۔ لیکن ۹۹۱ھ کے لگ بھگ ان کی شیخ فیضی سے ملاقات ہوگئی ۔ فیضی نے دکن سے واپس آکر اکبر سے ذکر کیا ، اکبر نے حاکم بیجاپور کو میر فتح اللہ بھیجنے کو خط لکھ دیا اور آپ ۹۹۰/۹۹۱ھ (ماثر الکرام) وہ فتح پور سیکری پہنچے ۔ بادشاہ نے خان خاناں اور حکیم ابوالفتح کو استقبال کے لیے بھیجا ۔ دربار میں حاضر ہوتے ہی امین الملک ، عضد الدولہ ، عضد الملک کا خطاب ، سہ ہزاری منصب یا منصب صدارت اور پرگنہ بسادر جاگیر میں ملا اور وہ ٹوڈرمل کے معاون اعلیٰ نامزد ہوئے ۔ یہاں آکر مظفر خان تربتی کی صاحبزادی سے عقد کیا ۔ کچھ مہینوں کے بعد جشن نوروز کا اہتمام شروع ہوا ۔ امرا نے اپنے اپنے ایوان اپنے اپنے ذوق کے مطابق آراستہ کیے ۔

اکبر نے ہر ایوان کا معائنہ کیا تو میر فتح اللہ شیرازی کا ایوان دیکھ کر دنگ رہ گیا ۔

اس ایوان میں اور بہت سی خوبیوں کے علاوہ علم ہیئت کے آلات کرے اور اصطرلاب ، جر ثقیل کی عجیب و غریب مشینیں ، نظام فلکی کے نقشے اس میں گردش کرتے ہوئے سیارے سائنس کی نئی تحقیقیں دیکھ کر قدر و اہمیت اور بڑھ گئی ۔

اکبر نے اپنے قریب ترین معتمد مصاحبوں میں فتح اللہ شیرازی کو داخل کر لیا۔ وہ عقل حادی عشر کہلائے جانے لگے۔ ٹوڈرمل کی مالی اصلاحات، قانونی اور دیوانی کے قوانین کی ترتیب اور نئی تقویم کے رواج میں فتح اللہ شیرازی شریک غالب رہے۔ وہ خانِ اعظم کے ساتھ دکن اور ۹۹۴ھ میں گجرات بھی بھیجے گئے ۹۹۶ھ میں گجرات سے واپس آئے تو اکبر اپنے ساتھ کشمیر لے گیا۔ اسی سفر میں انھیں تپ محرقہ نے صاحب فراش کیا، آخر ۳ شوال ۹۹۷ھ میں رحلت کر گئے انھیں کوہ سلیمان پر دفن کیا گیا۔ "فرشتہ بود" سے تاریخ نکلتی ہے۔

اکبر نے ان کی وفات پر کہا:

"میر ہمارا وکیل و حکیم و طبیب و منجم تھا۔ اگر یہ شخص کسی انگریز کے ہاتھ لگتا اور وہ مجھ سے پورا خزانہ قیمت میں مانگتا تو بھی ارزاں تھا۔" (مآثر اکرام ص: ۲۳۸)

میر فتح اللہ شیرازی، پختہ مذہب اور بڑے عالم تھے۔ انھوں نے دین الٰہی کی تحریک میں اپنے تئیں ملوث نہ ہونے دیا۔ وہ دوسرے شیعہ امراء کی طرح کبھی ڈر کے نہ رہے۔ وہ اپنے افکار و اعمال چھپاتے نہ تھے اور دیوان خانۂ شاہی میں سب کے سامنے ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ (بدایونی)۔ ان کو پڑھانے کا شوق تھا، ہر وقت علماء کا جھرمٹ انھیں گھیرے رہتا تھا۔ وہ امراء و اکابر اور شہزادوں سے خودداری سے ملتے تھے حکیم ابوالفتح انھیں اعلم العلماء و احکم الحکماء لکھتے تھے، بدایونی ان کے علم و عمل، دین و دیانت کی تعریف لکھتے تھے۔ فیضی کہتے ہیں:

برو دانشوری شد ختم، نازم بر خداوندی — کہ در یک ذات پنہاں کرد عالم عالم دانش
قوام عالم فطرت، مدار و مرکز صفوت — بنائے عالی معنی، اساس محکم دانش
خلیل آتش فکرت، کلیم ایمن رفعت — صفی عنصر بینش، مسیح مریم دانش
سجلِ علم و دیں دائم کہ بی مجد و بہا ماند — کہ در خاک فنا گم شد، نگین خاتم دانش
گرامی امہات فضل را فرزند روحانی — ابوالآبائے معنی، شاہ فتح اللہ شیرازی
مباہات از وجود کامل او بود دوراں را — بدوران جلال الدین، محمد اکبر غازی
شہنشاہِ جہاں را در وفاتش دیدہ پرنم شد — سکندر را اشک حسرت ریخت کافلاطوں ز عالم شد

ایک اور مرثیہ جس سے حکیم ابوالفتح گیلانی و فتح اللہ شیرازی کے علم و عمل پر روشنی پڑتی ہے۔ کلیاتِ فیضی میں موجود ہے۔ یہاں صرف پانچ شعر لکھے جاتے ہیں:

ز آنہا دو نامور خلف الصدق روزگار — کافلاک شاں بزاد بجل دو صد قِراں
اول، امام دیں، عضدُ والدّولہ، بحرِ علم — قرّابۂ حقائق و علّامۂ زماں

دیگر، حکیم عہد، ابوالفتح آنکہ بود — مجموعۂ معانی و دیباچۂ بیاں
واحسرتا! کہ رفت فلاطون دُور بیں — واعبرتا! کہ مرد ارسطوی کارداں
از فوت آں دو قدوہ، سکندر ہر آنچہ کرد — گرد از برای آں دو شہ دیدہ دریاں

مورخین کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکیم فتح اللہ شیرازی اپنے عہد میں نصیر الدین طوسی و بو علی سینا کے ہم پلہ تھے۔ انھوں نے بہت بڑے پیمانے پر معقولات و علوم معاصر کو شایع کیا۔ منطق و فلسفہ کا سلسلۂ درس برصغیر میں حکیم فتح اللہ شیرازی پر ختم ہوتا ہے۔ فلسفہ کے ساتھ ساتھ انھوں نے عہد اکبری میں سائنسی تجربے کیے جن کے نتیجے میں کچھ ایجادیں سامنے آئیں۔ لیکن حکومت کی بے توجہی سے یہ تحقیقات آگے نہ بڑھ سکے۔ (۵۰)

ایجادات: • میر فتح اللہ کا ایک کارنامہ وہ نمائش تھی جو ۹۰/۹۹۱ھ میں انھوں نے دکھائی۔
• دوربین نما آئینہ (راڈار کی قدیم صورت) جس میں دور و نزدیک کی چیزیں عجیب و غریب رنگ میں نظر آتی تھیں۔ قریب کی چیز بڑی دور کی بہت بڑی۔ یہ راڈار ایک بادشاہ کو نذر کیا تھا۔ دوسرا آگرے کی حویلی میں رکھا جس میں وہ خود رہتے اور تجربے کرتے تھے۔ • خود کار بندوق جو بارہ گولیاں لیتی اور بٹن دبانے سے باری باری فائر کرتی تھی۔ • قلعہ شکن توپ، یہ طاقتور گولہ انداز توپ مضبوط قلعوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔ • ہوائی چکی، یہ خود گرد آسیا، فتح پور سیکری میں ایک پہاڑی پر لگائی تھی جس سے اناج پستا تھا۔ کہتے ہیں اس چکی کے آثار موضع چڑیاری، فتح پور سیکری کے پاس مدتوں باقی رہے۔
• حلقہ نما سیڑھی، پہاڑ پر چڑھنے کے لیے چوڑیوں کی طرح حلقہ در حلقہ سیڑھی جو انسان کو ہاتھوں ہاتھ بلند کرتی تھی۔

اس کے علاوہ ایجادات کا علم نہیں ہو سکا۔

تصانیف: • تکملہ حاشیہ علامہ دوانی بر تہذیب المنطق۔ • حاشیہ بر حاشیۂ دوانی جو متداول ہوا۔
• ضمنی کاموں میں حالات و عجائب کشمیر اور زیج جدید تاریخ الہٰی اکبر شاہی اور تالیف بعض اجزا تاریخ الفی کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

غلط فہمی: بعض حضرات نے ملا فتح اللہ کاشانی کی تفسیر منہج الصادقین اور خلاصۃ المنہج اور ترجمہ نہج البلاغہ اور ترجمۂ قانون بو علی سینا (تالیف فتح اللہ بن فخر الدین شیرازی) کو صرف نام کی وحدت سے اشتباہاً میر فتح اللہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ (مآثر الکرام ص ۲۲۶ منتخب التواریخ، فرشتہ ۲/ ۲۷۸)

فتح محمد عباسی، جون پوری:
۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء

مولانا فتح محمد بن محمد عوض علوی جون پور کے عالم و فقیہ تھے۔ آپ حضرت عباس علمدار کی اولاد سے ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ جون پور وطن تھا۔ وہیں اساتذہ سے تعلیم پائی۔ اپنے والد سے بھی فیض اٹھایا محمد عوض صاحب مولانا میر عسکری کے شاگرد تھے۔

مولانا فتح محمد صاحب نے ۱۲۴۰ھ میں رحلت فرمائی۔ ان کے نامور و حکیم فرزند مولانا غلام حسین تھے۔ تصنیفات میں فلسفہ و حکمت پر کچھ لکھا تھا جو اب محفوظ نہیں۔ (تکملہ و نزہتہ الخواطر ج، ص ۳۶۷)
(نیز دیکھیے مطلع انوار ص ۵۵۰)

فخر الدین احمد خان عرف میرزا جعفر:
۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۵ء

فخر الدین بن محسن الزمان بن فخر الدین بن زین الدین عالم گیری لکھنؤ میں پیدا پرورش ہوئے۔ صرف و نحو مولوی ثناء اللہ حکمت ملا مبین علوم ریاضی خان علامہ تفضل حسین خان سے پڑھے۔ ملک کی دن بدن گرتی ہوئی حالت و سیاست نے ان کے گرد نیک نامی و بدنامی کے دائرے بنا رکھے ہیں۔

ہندسہ و ریاضی، حساب و نجوم میں بے مثال تھے۔ فقہ و اصول، ادب عربی و فارسی، خوشنویسی و خطابت میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ جناب غفرآن مآب کے شاگرد تھے۔

تصانیف: • حیدریہ المسمی بہ آصفیہ۔ • حاشیۂ تحریر اقلیدس۔ • حاشیۂ مجسطی۔ • رسالۂ آصفیہ میں اخبار ائمہ علیہم اور اقوال فقہا کو جس انداز سے جمع کیا ہے وہ آپ کی قابلیت پر دلیل ہے۔

حیات غفرآن مآب میں رحلت کی۔ تاریخ وفات آخر رجب ۱۲۳۰ھ لکھنؤ ہے۔ بعض حضرات نے ۱۲۳۵ھ سنہ وفات لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ (بے بہا ص: ۲۸۰)

فدا حسین:
حدود ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء
بعد ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

محلہ چوپٹیاں شہر لکھنؤ میں رہتے تھے۔ معقولات میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مالیر کوٹلے میں طبیب ریاست ہو گئے تھے۔ پھر وہاں سے رام پور آ گئے ۱۳۱۹ھ میں زندہ تھے۔ تقریباً ستر برس کی عمر میں وفات پائی۔

تالیف: • شرح زیارت ناحیہ (ایک حصہ) (بے بہا: ۲۸۱)

فدا حسین، شیخ

۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء

۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء

شیخ فدا علی عیش لکھنوی کے فرزند جناب شیخ فدا حسین صاحب پنجشنبہ ۸ رمضان ۱۲۷۸ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تاریخی نام نظیر حسن تھا۔ لیکن کتاب الاعتذار میں انھوں نے اپنا تعارف یوں کرایا ہے:

"محمد الشہیر بسراج الدین حسن بن عیش القرشی التیمی الاموی الیمانی۔ الدارشی خانی۔ عرف بفدا حسین"۔

ولادت و تربیت لکھنؤ میں ہوئی۔ شیعہ سنی علما و شیوخ سے درس لیے۔ مولانا کمال الدین اور مولانا حبیب حیدر صاحب سے فقہ و عقائد، منطق و فلسفہ، فقہ و اصول و ادب پڑھ کر جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ سے ان کی تصانیف ادب پڑھے۔ فقہ و حدیث میں وہ شیعہ سنی علما سے صاحب اجازہ تھے۔

۱۔ شیخ حسین بن محسن سبعی۔ ۲۔ حسن الزمان ترکمانی۔ ۳۔ عبدالمجید خان۔ ۴۔ ابوالبرکات القسطلی۔ ۵۔ عبدالحق محدث دہلوی سے سنی روایت کرتے تھے۔ شیعوں کی روایت کا اجازہ علامہ نوری مولانا حسین اور صدر المحققین مولانا ناصر حسین صاحب و سید باقر صاحب سے رکھتے تھے۔

۱۹۰۸ء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شیعہ عقائد و فلسفۂ دین کے پروفیسر و استاد مقرر ہوئے۔ آپ سرسید کے بہت بڑے ساتھی تھے۔ مصر و بیروت میں ان کے عربی مقالات چھپا کرتے تھے بدیع ادیب کے ادیب و مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا فدا حسین صاحب عربی ادب و عربی زبان پر مہارت رکھنے کے علاوہ وہ جدید و قدیم علوم اور انگریزی سے بھی ... وہ پنجاب یونیورسٹی کی بزم تاریخ کے ممبر اور مختلف جامعات کے ممتحن تھے۔ ... صاحب علم کے حامی اور مرزا محمد ... رسالہ گرو ...

۱۹۳۴ء کو ... (ہند) میں رحلت فرمائی۔ ان کے فرزند جناب بادشاہ حسین صاحب قرآن مجید کے انگریزی ... والد کے جانشین ہوئے۔

تصانیف: الاستشعار فیما سنح لی من النسخة الالهیة من نوادر الافکار۔

- قصیدہ لامیۃ مع الشرح (مطبوعہ)۔ مقدمۃ النور۔
- النسیم الصباح فی اسانید السراج۔ کتاب تبیان۔ ... فی معجزات الخواص
- غراء الھنود (کذا)۔ الالسنان الاول۔ شرح اجناس الجناس (نامکمل)
- حواشی اجناس الجناس (مطبوعہ)۔ کتاب الزائر۔ کتاب دلیل الضارب۔
- کتاب الحق المبعث۔ کتاب المبعثر۔ کتاب الکشف۔ عبرات العین۔ اکمال السند
- الاعتذار عما یتعامل من رسوم العزا فی تلک الاعصار طبع علی گڑھ ۱۳۲۶ھ

یہ کتاب میرے پاس موجود ہے۔ • تحفۃ الدھر۔ • اعلام الوریٰ۔ • نقد الآثار • طلوع الصباح
• مذہب عقل (اردو) • رسالہ سوزخوانی۔ • قصیدۃ لامیۃ الھند • قصائد عربیہ
سبیکۃ اللجین فی مناقب مولانا ناصر حسین۔ • شرح قصیدۂ والیہ جناب مفتی صاحب
(تکملہ نجوم السماء میں بہت تفصیل ہے۔ (تذکرہ بے بہا ص ۲۹۰ - تجلیات • مصفی المقال)

. . . .

فرج اللہ، شوستری :

حدود ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء

ملا فرج اللہ شوستری، حیدر آباد دکن کے با اقتدار عالم و فاضل و ادیب و شاعر تھے۔ علمی حلقوں میں احترام و محبت سے دیکھے جاتے تھے۔

سید علی خان مدنی نے (۱۰۸۰ھ) دیکھا تھا اور ستر سال سے زیادہ عمر کا اندازہ لگایا تھا۔ جناب امیر نظام الدین احمد کی مدح میں متعدد قصائد عربیہ سلافۃ العصر (ص ۴۹۲) میں موجود ہیں۔ ایک قصیدہ مدح نظام الدین احمد میں ہے۔

سلطان عبد اللہ قطب شاہ آپ کا بہت احترام کرتا تھا۔ (سلافۃ العصر ۴۹۱۔ نجوم السماء ص ۱۵۶۔ نزہۃ الخواطر ۵)

ما بین دجلۃ و الفرات مراتع ۔۔۔۔۔ ھی للنفوس معاجع و سمار

تشبیب کے طویل سلسلے کے بعد مدح ہے اور مدح میں یہ دو شعر :

لا غرو ان لم تفصح الایام بی ۔۔۔۔۔ الدھر ابن عطا و انی واء
و بذا جری طبع الزمان و اھلہ ۔۔۔۔۔ دفن الکلام و اھلہ احیاء

میرزا صائب اپنے جذبات محبت کا یوں اظہار کرتا ہے۔

ہمیں ز خاک فرج کامراں نہ شد صائب ۔۔۔۔۔ کہ فیض ہم بہ ظہوری ازیں جناب رسید

فرحت حسین :

۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۲ء
حدود ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

حافظ امان اللہ بنارسی، اورنگ زیب عالمگیر کے استاد تھے۔ اس لیے ان کا خاندان بہت عزت کا مالک تھا۔ مولانا فرحت حسین صاحب کے جدِ امجد مولانا محمد علی صاحب بنارس کے عالم باعمل بزرگ تھے۔ مولانا فرحت حسین مارچ ۱۹۰۲ء کو جون پور کے قریب پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مولوی محمد رضا صاحب سے پڑھا۔ ۱۹۱۸ء میں ملا اور ۱۹۲۰ء میں ملا فاضل الہ آباد کے امتحانات سے فراغت کی۔

مولانا شبیر حسن صاحب جون پوری سے فقہ و ادب کا درس لیا۔

۱۹۲۱ء میں اپنے جدِ مرحوم مولوی محمد علی صاحب کی جگہ پر کوئنز کالج بنارس میں ملازمت مل گئی اور ۱۹۲۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی چلے آئے۔ ایک مدت تک وہاں رہنے کے بعد غازی پور کے گورنمنٹ اسکول میں ہیڈ مولوی ہو گئے۔ (وفات بعد ۱۳۴۹ھ - ۱۹۳۰ء) (انجمن وظیفہ جوبلی نمبر)

فرمان علی

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء
۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

حکیم مولانا حافظ سید فرمان علی صاحب موضع جسمن پنی صوبہ بہار کے باشندے تھے، وہیں متولد ہوئے۔ وطن سے تحصیلِ علم و کمال کے لیے لکھنؤ کا رخ کیا۔ یہاں مدرسۂ ناظمیہ نیا نیا قائم ہوا تھا۔ اسی مدرسۂ عالیہ میں پڑھنا شروع کیا۔ ۱۳۱۲ھ میں ممتاز الافاضل کی سند امتیاز کے ساتھ حاصل کی۔ اس کے علاوہ ملا فاضل وغیرہ کے امتحان بھی اول نمبر سے پاس کیے تھے۔

مولانا بڑے جید الذہن، ذکی اور فہیم تھے۔ پانچ مہینے کی مدت میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور اس شان سے کہ بڑے بڑے حفاظ کمال حفظ کی داد دیتے تھے۔ حفظ کے ساتھ ساتھ قرأت، فہم معانی اور تفسیر پر بھی عبور تھا۔ ایک مدت تک وہ اس سلسلے میں کام کرتے رہے۔ آخر میں ایک نفیس ترجمہ اور مختصر تفسیر مرتب کی جو پسندِ عام کے ہاتھوں مقبول ہوئی۔ مولانا نے تفسیر و حدیث، فقہ و اصول اور متداول علوم کے ساتھ طب بھی پڑھی تھی اور معالجے میں شہرت پائی۔

مدرسۂ سلیمانیہ پٹنہ قائم کیا اور اس کے صدر مدرس ہوئے تو مدرسے کے نظم و نسق اور معیارِ تعلیم میں چار چاند لگ گئے۔

وعظ و خطابت و مناظرہ میں تقریر و لہجہ، برجستگی، حافظہ اور مسکت دلائل سے مجمع کو گرویدہ کر لینا عام تھی چونکہ مخالف حضرات نے مشہور کر رکھا ہے کہ شیعہ حافظ نہیں ہوتے اس لیے مولانا کو اپنے کمالِ علم کے ساتھ حفظ کے مقابلوں اور مناظروں میں دور دور تک جانا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں غالباً وہ پہلی مرتبہ پنجاب میں اس وقت آئے جب قادیانیوں سے قادر آباد گجرات میں مناظرہ تھا۔

مولانا فرمان علی مدرسے کی ایسی جماعت میں تھے جس کے بیشتر افراد ملک کے نامور عالم ہوئے اس مقابلۂ قابلیت نے ہر فرد کو ایک صفت میں برتری بخشی۔ مولانا سبط حسن خطابت میں سب پر فائق ہوئے اور مولانا فرمان علی کا ترجمۂ قرآن مجید تمام تراجم سے زیادہ مشہور ہوا۔

مولانا فرمان علی صاحب نے ۴ رجب ۱۳۳۴ھ کو وبائے ہیضہ میں رحلت فرمائی۔ آپ کی وفات

پر تمام علمی حلقے اور علما بلکہ پورے ملک نے اظہار رنج و غم کیا۔
شیخ محمد جان عروج فیض آبادی کا قطعۂ تاریخ مولانا کی سیرت و تاریخ وفات پر روشنی ڈالتا ہے۔
اس لیے نقل ہے:

واد ریغا، اٹھ گیا دنیا سے وہ یکتائے عصر | جس کا اب ممکن نہیں اس دور میں ثانی کہیں
علم طب میں بے بدل، دستِ شفا حکمت مآب | تھے یہاں کی سرزمیں پر عیسیٰؑ گردوں نشیں
واعظ و ذاکر محدّث، مادحِ آلِ عبا | کاملِ علم کلام و عالمِ دینِ متیں
متقی، محتاط، زاہد، عابد و پرہیز گار | روز روشن تھا نشانِ سجدہ بالائے جبیں
تھے معاون جان و دل سے شیعیانِ ہند کے | رکنِ اعلیٰ تھے، زارکانِ گروہِ مومنیں
سیدِ عالی نسب والا حسب ذی افتخار | یعنی فرمانِ علی، از آلِ فخر المرسلیں
سخت اسہال و یا میں یک بیک ایسے پڑے | روزِ اوّل ہی ہلاکت کا ہوا خود کو یقیں
آٹھ دن نامی معالج کا ہوا کامل علاج | پر، مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوائیں جتنی کیں
ڈاکٹر، بید اور اطبائے زماں کیا کر سکیں | جب کہ فرمانِ قضا میں بس مسیحا کا نہیں
چوتھی کو ماہِ رجب کی روزِ یکشنبہ کی صبح | دارِ فانی سے ہوئے دارِ بقا، رحلت گزیں
سالِ ہجری، علیسوی کی فکر ہی میں تھا عروج | ناگہاں آئی صدائے خازنِ خلدِ بریں
جا بسے جنت میں فرمانِ علی حق پسند | پائی جب آواز طبتم فادخلوھا خالدین

۱۳۳۴ھ | ۱۹۱۶ء

تالیفات: • ترجمہ و تفسیر قرآن مجید (اردو) مطبوعہ (مقبول ترین ترجمہ) • دینیات کی پانچ کتابیں
یہ دونوں تالیفیں اپنی مقبولیت میں بے مثل ہیں۔ پچاس سال سے ان کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے
• رسالۃ النحو: مضامین و مقالات معاصر رسائل میں چھپتے تھے اور بعض تصانیف نامکمل یا غیر مطبوعہ رہے
(بے بہا: ۲۸۱)

[حاشیہ، قلمی: • کتاب الصرف • کتاب النحو • کتاب المنطق • فلسفہ • کتاب رسول ... • کتاب ... ناقص ... چھپ کر ...]

حدود ۱۱۲۳ھ / ۱۷۱۱ء

فضل علی، ملا فضلی

حدود ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء

ملا فضل علی جو ملا فضلی تخلص کرتے تھے، کی شہرت کا سبب "کربل کتھا" ہے جسے شمالی ہند کی اردو نثر میں پہلی کتاب مانا گیا ہے۔ ملا فضلی، کرم علی کے بھائی تھے اور شاید نواب ھرف علی خان ان کے والد تھے۔
"کربل کتھا" مجلس خوانی کے مسودے یا تقریریں ہیں، جن کی پہلی ترتیب بائیس تئیس برس کی عمر میں کی سنہ

تالیف ۱۱۴۹ھ ہے اس لیے فضلی کی ولادت ۱۱۲۲ھ، ۱۱۲۳ھ ہوگی۔ فضلی نے آغازِ کتاب میں محمد شاہ (متوفی ۱۱۴۸ھ) کو زندہ ظاہر کیا ہے۔ کتاب پر نظرِ ثانی ۱۱۶۱ھ میں کی اس وقت احمد شاہ بن محمد شاہ تخت نشین تھے۔ اس بادشاہ کا ذکر ایک نظم میں کچھ تفصیل سے کیا گیا۔

یہ مجلسیں نواب شرف علی خان کے اندرون محل ہوتی تھیں اور ملا فضلی خوانندگی کرتے تھے۔ اس عہد میں مجلسِ عزا کی خطابت روضۃ الشہداء تک محدود تھی۔ یہی کتاب پڑھی جاتی تھی اور اس اجتماع کو "روضہ" کتاب پڑھنے والے کو "روضہ خواں" یعنی ذاکر کہا جاتا تھا۔ پھر روضۃ الشہداء کے تراجم کا دور آیا تو اسے "کتاب خواں" کہا جانے لگا۔ کتاب خواں اپنی صلاحیت و قابلیت اور مجمع کی مناسبت سے خود بھی انشا کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ملا فضلی نے اسے ادبی سلاست و سادگی بخشی۔ اس کے بعد مجلس کو "دعا" یا "دہے" کہا جانے لگا کیونکہ ان کی اور ان کے بعد اس قسم کی کتابیں "دہ مجلس" کے نام سے مشہور ہوئیں۔

بہر حال ملا فضلی کی کربل کتھا گیارہویں بارہویں صدی کی رسم کے مطابق خاص مضامین پر مشتمل ہے۔ پہلی مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت دوسری میں حضرت فاطمہ زہراؑ کی شہادت۔ تیسری میں حضرت علیؑ چوتھی میں امام حسنؑ پانچویں میں حضرت مسلم بن عقیل چھٹی میں فرزندانِ جنابِ مسلم ساتویں میں احوالِ دشتِ کربلا اور شہادت حضرت حر، آٹھویں میں شہادت حضرت قاسم نویں میں شہادت حضرت عباسؑ دسویں مجلس میں شہادت حضرت علی اکبرؑ گیارہویں میں شہادت حضرت علی اصغرؑ بارہویں میں شہادت حضرت امام حسینؑ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد پانچ مجلسیں خاتمے کے عنوان سے ہیں جن میں (۱) تیجے کا بیان اور احوال ذوالجناح۔ (۲) ہفتم کا بیان، (۳) دہم کی مجلس۔ (۴) دمشق کا حال (۵) چہلم امام کا ذکر۔

کربل کتھا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضل علی نوجوانی میں فارسی ادب کے فاضل اور عربی سے باخبر تھے، حدیث و عقائد و تاریخ و انشاء کا مطالعہ رکھتے تھے۔ انھوں نے آیات و روایات کے عربی متن، اشعار کے علاوہ متعدد طویل عربی خطبے لکھے ہیں جن سے ان کی علمی حیثیت کا حال کھلتا ہے۔

فضل علی کے بارے میں اس سے زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ لیکن حکیم قاسم نے مجموعۂ نغز میں تین چار سطروں میں ایک فضل علی کا ذکر کیا ہے۔

"جنوں: حضرت (دارالسلطنت) دہلی کے نوجوان میر فضل علی نام۔ ابتدا میں مست تخلص کیا، محرم الحرام میں کتاب خوانی کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ سپاہ گری (فوجی ملازمت) میں بسر کرتے تھے اب ان کا زمانہ بگڑ گیا ہے۔ بہت شکستہ حال ہیں۔ خدا صلاح و فلاح بخشے۔ مشقِ سخن میر امانی اسد سے کی۔ ان کی رحلت کے بعد شیخ ولی اللہ محب کے شاگرد ہوئے۔"

(مجموعہ نغز: ص: ۱۷۰)

اس تذکرے میں اگر فضل علی سے ملا فضلی مراد ہیں تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ قدرت اللہ قاسم نے ان کا ذکر ۱۲۰۱ھ سے بہت پہلے لکھا تھا اور مجموعۂ نغز کی تالیف حدود ۱۲۰۱ھ میں اس تحریر کو بعینہٖ نقل کر لیا۔ ورنہ "جوانے" کے کوئی معنے نہیں بنتے جب کہ کربل کتھا کی تحریر کے مطابق وہ زیادہ سے زیادہ ۱۱۲۳ھ کے مولود بنتے ہیں اور سنہ ۱۲۰۱ھ میں ان کی عمر اسی کے قریب ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ قاسم کے زمانے میں "کتاب خواں" یعنی خطیب مجلس عزا کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان کے تین تخلص تھے۔ مست، جنوں اور فضلی ہو سکتا ہے کہ غزل میں ان کا تخلص مست و جنوں ہو اور مرثیہ گوئی و کتاب خوانی کے لیے فضلی۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس دور میں 'ملا' افاضل و اہل علم کا لقب ہوا کرتا تھا۔ لیکن قاسم نے فضل علی کو سپاہی پیشہ لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ انھوں نے تعلیم و تعلم کا پیشہ نہ اختیار کیا ہو اور علوم دین کو متوسط حد تک دینی مقاصد کے لیے حاصل کرنے پر اکتفا کی ہو۔

کربل کتھا ۱۹۶۵ء میں پہلی مرتبہ دہلی سے چھپی ہے اور میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ مطالعہ کربل کتھا سے میرا اندازہ ہے کہ یہ کتاب ملا فضلی کی ابتدائی اور ناپختگی کے عہد کی تالیف ہے۔ اس کے بعد انھوں نے فنی اور علمی ترقی کی ہوگی اور کیا بعید ہے کہ انھوں نے طویل عمر پا کر ۱۱۹۰ھ کے لگ بھگ وفات پائی ہو۔

فضل اللہ انجو شیرازی :

حدود ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء
۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء

مولانا فضل اللہ انجو حسن ابن ابراہیم طبا طبائی کی اولاد سے ہیں یہ خاندان شیراز میں معزز تھا اور ہندوستان میں بھی امتیازی زندگی گذاری، اور تقیہ نہیں کیا۔

فرشتہ کہتا ہے کہ آپ ملا سعد الدین تفتازانی کے شاگرد تھے۔ سلطان شمس الدین بہمنی نے اپنے بھتیجوں فیروز خان اور احمد خان کا آپ کو ۷۹۹ھ اتالیق معین کیا تھا۔ فیروز شاہ تخت نشین ہوا تو آپ کو وکیل سلطنت کا منصب اور "ملک نائب" کا خطاب دیا گیا۔ ۸۰۱ھ میں دیورائے سے مقابلے کے لیے گئے اور فتحمند

لہ خم خانۂ جاوید جلد دوم ص ۲۷۳ میں سری رام نے مجموعۂ نغز کے احوال کا خلاصہ اور قاسم کی طرح چار شعر غزلوں کے لکھے ہیں جن میں دو مشترک اور دو الگ ہیں۔

ہوئے۔ ۸۰۲ھ میں قلعہ کھیڑا اور کوہستان گونڈ وارہ وغیرہ کی مہم پر گئے اور نرسنگھ کو فرمانبردار بنایا۔ بادشاہ نے اس کے صلے میں "سر لشکر" برار مقرر کیا۔ ۸۲۲ھ میں دلورائے نجیب وجواد کے راجاؤں کو ملا کر دوبارہ جنگ کی تیاریاں کیں۔ اس معرکے میں میر صاحب قتل ہوئے۔

میر فضل اللہ کی کوشش سے فیروز شاہ بہمنی نے مذہب شیعہ اختیار کیا تھا۔ آپ کے معاصرین میں مولانا لطف اللہ سبزواری، حکیم حسن گیلانی، سید محمد گاذرانی، سید محمد گیسو دراز اور ملا اسحاق سرہندی کے نام لیے جاتے ہیں۔

میر فضل اللہ کے ایک فرزند کا نام میر غیاث الدین تھا۔ جن کی قبر صوبہ مالوہ کے دیار نگری نامی قصبے میں، نصیر الدین کے مقبرے کے مشرقی پہاڑ پر ہے۔ یہ بھی شاہان بہمنیہ میں معزز اور با وقار عالم مانے جاتے تھے۔ حضرت نور اللہ شوستری نے لکھا ہے کہ قبیلہ انجو شیراز کے قدیمی سادات کا قبیلہ جو ہمیشہ بلا تقیہ شیعہ رہا ہے۔

(تاریخ فرشتہ۔ تحفۃ السلاطین۔ مجالس المومنین۔ بے بہا ص ۲۷۶)

فقیر اللہ، لاہوری، ملا

حدود ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۴ء

۱۱۵۴ھ / ۱۷۴۱ء

ملا فقیر اللہ، لاہور کے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ عقائد و کلام کا درس دیتے تھے۔ نوے سال کی عمر پائی، اور شاعری کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ آفرین تخلص تھا۔ (عبدالرشید۔ تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۲۰)

فیاض حسین، الوبی

۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء

حاجی مولانا حافظ خواجہ فیاض حسین انصاری کیرانا ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ سنہ ولادت ۱۲۸۹ھ ہے۔ ان کے والد جناب خواجہ قاسم علی صاحب نیک اور پرہیزگار، قدردان علم و علماء تھے۔ انھوں نے خواجہ فیاض حسین کو حفظ قرآن مجید کے مدرسے میں داخل کر دیا اور خواجہ صاحب نے دس سال عمر یعنی ۱۲۹۹ھ میں حفظ مکمل کر لیا اور اپنے قصبہ کیرانے کی مسجد انصاریاں میں کئی سال تک روزانہ بعد نماز عشا ایک پارہ روز سناتے رہے۔ خوش الحانی، حفظ کی روانی کا چرچا دور دور تک پھیل گیا۔ ۱۳۰۸ھ میں جناب قاری جعفر علی جارچوی صاحب سے قرأت تجوید سیکھ کر اپنے فن کو کامل و مکمل کر لیا۔

خواجہ فیاض حسین صاحب نے فارسی کتابیں مولانا قاضی غلام عباس ہنر سے پڑھیں۔ ہنر سہارنپوری کا شاہی زمانے میں لکھنؤ کے استاد فارسی اور فرد کامل تھے۔ مولانا خواجہ عابد حسین صاحب سہارنپوری سے عربی کی تمام کتابیں پڑھیں یعنی ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۱۱ھ تک منصبیہ عربک کالج میں زیر تعلیم رہے ۱۳۱۲ھ

میں لکھنؤ گئے اور مدرسۂ حسینیہ غفران مآب (قائم کردہ راجہ صاحب محمود آباد[1]) اور اس کے بعد مدرسۂ ناظمیہ کے اعلیٰ درجہ میں داخل ہوکر تعلیم مکمل کی جس کی ایک سند جناب مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ نے اور ایک سند جناب میر آغا صاحب اعلم بلد[2] نے مرحمت فرمائی۔ ان اجازوں کا ایک انتخاب ملاحظہ ہو۔

• نجم العلماء کی سند: حمد و نعت و منقبت کے بعد ...... المجتنی من حدائق العلم قطوفا دانیہ، الحافظ من ساعات اوقاتہ کل دقیقۃ وثانیۃ، الناھج منھجا مستقیما سویا الصارف عمرہ فی تحصیل الفضائل بکرۃ وعشیا الحافظ لکتاب والراجح فی النصاب، المولوی فیاض حسین الانصاری حرسہ اللہ الباری۔ فانہ مع حداثۃ سنہ وغضاضۃ غصنہ قد قاسی الاحزان وکابد الاشجان وھجر الاوطان واسھر الاجفان حتی شرب من مشارع الشرائع ماءً صافیا واخذ مما اعطانی اللہ من العلوم شطرا وافیا وقرء علی نبذۃ من شرح الھدایۃ الصدر الشیرازی والشمس البازغۃ لمحمود الجونفوری وشرح الچغمینی وعدۃ کتب من الشرح الموسومۃ بالروضۃ البھیۃ للشھید الثانی۔ ونبذا من نھج البلاغہ والشرح الکبیر والقوانین والمعالم والتھذیب والقواعد وجزء من علم الدرایہ والحدیث والرجال۔ فقرا ما قرء بتحقیق واتقان وتفھم وامعان، حتی لاح واستبان من سیماہ التورع التقوی واعوا ما قرأتہ راغبا فی الخیر" الخ

• مولانا میر آغا صاحب کی تحریر کا اقتباس ہے۔

"الکارع من حیاض الفنون العقلیہ، والراتع فی ریاض العلوم الشرعیۃ المولوی الحافظ فیاض حسین الانصاری حرسہ اللہ عن الشَین والمین قد طال ما صاحبنی فی مجالس الدرس والوعظ فی ازمنۃ متبددۃ و اوقات مختلفۃ متعددۃ بل اشتغل بین یدی بتحصیل العلوم الدینیۃ وقرء علی منھا الذی ھو عمدۃ المسائل الفرعیہ بل ھو نصف العلوم الشرعیۃ اعنی میراث الروضۃ البھیۃ وایضا قرء رسالتی صنفتھا وعجالتی رصفتھا التی اودعت فیھا من رؤس المسائل المواریث واحکامھا المستنبطۃ عن محکمات الآیات والاحادیث ما عمت بہ البلوی وکانت بہ الفتوی ولم اعثر منہ مع طول الصحابۃ علی ما ینافی الورع والعدالۃ علی انہ قد استبان لی وظھر ولاح من حسن الظاھر آثار التورع والصلاح"۔ الخ

صدر الافاضل و ممتاز الافاضل کا نصاب پڑھ کر اور مدرسۂ ناظمیہ سے فاضل کی سند لے کر ۱۳۱۷ھ میں

---

[1] راجہ امیر حسن خان آف محمود آباد۔ ولادت ۱۶ جون ۱۸۴۹ء، وفات ۳۰ مئی ۱۹۰۳ء

[2] مولوی محمد حسین نوگانوی نے "اعلم بلد" بہت عمدہ بات کہی ہے۔ واقعی جناب مرحوم بلا دھند میں علوما، بلا لکھنؤ میں خصوصاً اعلم مانے گئے تھے۔

میرٹھ کے مدرسۂ منصبیہ میں نائب مدرس اعلیٰ نامزد ہوئے یعنی تعلیم و تعلم کا سلسلہ مسلسل رکھا اور مدرسے کے نظم و نسق درس و تدریس کو بڑی ترقی دی۔ مدرسے کو شہرت ہوئی۔ طلبا کی تشویق اور مدارس کی ترویج میں کوشاں رہے۔ آپ ہی نے شکارپور میں احسن المدارس کے نام سے مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔

۱۳۱۸ھ حیدرآباد دکن گئے اور وہاں ایک جلسۂ عام میں حفظ و قراءت و تجوید کا مظاہرہ کر کے شیعوں کو سرخرو کیا۔

آپ نے ایک مرتبہ زیارات عراق کا سفر کیا اور اعلام نجف و کربلا سے ملاقاتیں فرمائیں۔ مثلاً آیۃ اللہ سرکار سید کاظم طباطبائی، آیۃ السید اسماعیل الصدر الموسوی، نور الاسلام و ضیاء الایمان حجۃ اللہ فی العالمین آخوند ملا کاظم خراسانی وغیرہم رحمہم اللہ۔

۱۳۴۱ھ میں سفر حج و زیارت مدینۂ منورہ سے مشرف ہوئے۔ ہر مرتبہ آپ کی تلاوت اور متعدد لہجوں اور قراءتوں سے لوگ متاثر ہوئے۔ متعدد حضرات نے مذہب حق اختیار کیا۔

آخر اوائل ۱۹۳۲ء مطابق ۱۳۵۱ھ میں رحلت فرمائی اور میرٹھ میں دفن ہوئے۔

تالیفات: • مناسک حج (؟) بحکم نجم الملت ترجمہ کیا۔ • الحج، مسائل و ارکان حج۔ • نخبۃ الاحکام۔ • رسالۂ قراءت۔ • تعلیم ۔وان۔ • انیس المحدثین و رفیق الواعظین (مواعظ و مجالس) بتقریظ علامہ غلام حسنین کنتوری طبع شد۔ مرآۃ العقول اردو ترجمہ معالم الاصول طبع شد (بے بہا ص: ۲۸۴)

فیاض علی خان:

بعد ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء

تاریخ جہاں نما میں ۱۲۲۰ھ کے واقعات حیدرآباد میں ہے: عالی جناب فضیلت مآب مقدس کامل، عالم عامل فیاض علی خان تحقیق م... ائل کرتے تھے، عالی طبع، محتاط اور متواضع و زاہد تھے (بے بہا ص ۲۸۰)

فیض محمد (؟) کھیالوی:

حدود ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء
حدود ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء

ملک العلما مولوی فیض محمد ممتاز الافاضل بن کلیم اللہ ولادت تقریباً ۱۸۸۰ء میں بمقام کھیال تحصیل پنڈدادنخان ضلع جہلم میں ہوئی۔ آپ کے مورث اعلیٰ عبد اللہ ابن عون میں جو کہ عراق سے ہند میں وارد ہوئے۔ آپ ہندوستان کے متعدد مدارس میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۱۲ء میں بطور مبلغ کام شروع کیا۔ بہترین خطیب تھے اور مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ سینکڑوں مناظرے کیے اور مخالف کو شکست فاش دی۔ ہزاروں آدمیوں کو مسلک اہل بیت پر گامزن کیا۔ مرحوم کے مناظروں کی فہرست الحق رمو۔ حیدر کرار میں شائع ہو چکی ہے۔

(ق) قادر حسین، مدراسی :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

ملا قادر حسین بمبئی کے نامور داعی و مبلغ تھے۔ انھوں نے متعدد مسجدیں بنوائیں، مکتب و مدارس کی تاسیس کی، آغا خانی اور اسماعیلی حضرات کو اثنا عشری عقائد کا معتقد کیا اور شیعوں کو پابند شریعت بنایا۔ ان کی مخالفت اور بے انتہا اذیت رسانی بمبئی والوں میں مشہور رہے۔ اہل بمبئی ان کے صبر و مجاہدات، علم و عمل کے آج تک گرویدہ ہیں۔

ملا قادر حسین صاحب مدراس میں پیدا ہوئے، اٹھارہ برس کے تھے جب ان کے والد حنیف صاحب نے رحلت کی، انھوں نے مقامی اساتذہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، وہ مدراس اور بمبئی میں رہنے کے بعد عراق کے عازم ہوئے، اس وقت مرجع اکبر شیخ مرتضیٰ انصاری حیات تھے، ۱۲۸۰ھ میں جناب شیخ نے انتقال کیا اور مرجعیت جناب شیخ زین العابدین مازندرانی سے متعلق ہوئی۔ ملا صاحب علما و اساتذۂ نجف و کربلا سے درس لیتے رہے، ایک مرتبہ حاجی دیوجی جماعی زیارت کے لیے عراق گئے اور آیت اللہ زین العابدین مازندرانی سے ملے تو بمبئی کے لیے ایک عالم کی درخواست کی آقائے مازندرانی نے قادر حسین صاحب کو بمبئی میں متعین کیا، ملا صاحب کے بقول وہ دس برس عراق میں رہنے کے بعد ربیع الثانی ۱۲۹۰ھ کو بمبئی پہنچے اور آیت اللہ مازندرانی کے منشا و مرضی کے مطابق بلکہ اس سے بڑھ کر تبلیغ و تعلیم و اخلاق کے سلسلے میں خدمات انجام دیے۔ ۱۳۰۹ھ ماہ ذی الحجہ میں آقای مازندرانی نے انتقال کیا، آخر وقت تک وہ ملا صاحب کی سرگرمیوں کی براہ راست نگرانی کرتے رہے۔ اس بارے میں متعدد خطوط چھپ چکے ہیں۔ ملا صاحب ۱۳۱۹ھ میں زیارات عتبات عالیات کے لیے عراق گئے اور وہیں انتقال کیا۔ بمبئی میں ملا صاحب کا مکان و مدرسہ اب تک محفوظ ہے۔

اساتذہ : • سید معین الدین (بمبئی)۔ • مولوی حاجی باقر حسین (مدراس) • مولوی سید غلام حسین کربلائی (مدراس) • حاجی عبدالنظیم (مدراس) • سید محمد علی نجفی (مدراس)۔ • حکیم مظہر میاں (مدراس)۔ • مولوی محمد مرتضےٰ صاحب (لکھنو) مولوی مبارک حسین خان۔ • حاجی شیخ جعفر اصفہانی۔ • حاجی شجاعت علی بیگ

شاگردوں میں متعدد حضرات کے علاوہ حاجی غلام علی عرف حاجی ناجی کا نام سرفہرست ہے۔

تالیف : چراغ ہدایت (بکثرت شائع ہوئی، نیز گجراتی اور انگریزی میں ترجمے بھی چھپے۔

(تذکرۂ بے بہا: ۲۹۲ نیز میموریز آف ملا قادر حسین صاحب، انگریزی سوانح حیات۔ طبع، پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ کراچی ۱۹۷۲ء)

قاسم آغا : حدود ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۵ء
۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

مولانا قاسم آغا، جن کا نام سردار حسین صاحب قبلہ مولانا سید اعجاز حسین صاحب قبلہ نقوی کے چھوٹے فرزند اور جناب مولانا سید محمد صاحب کے پوتے تھے۔ والد سے قرآن مجید سے لے کر ابتدائی صرف و نحو، فارسی میں گلستان بوستان نثر ظہوری اور سکندر نامہ پڑھ چکے تھے، یہ کتابیں اب تک ان کی پڑھی ہوئی میرے پاس موجود ہیں۔ ۱۹۰۳ء/ ۱۳۲۲ھ میں مولانا اعجاز حسین نے رحلت کی۔ والد فرماتے تھے کہ ان کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی۔

والد کے بعد مولانا قاسم آغا صاحب مختلف پریشانیوں سے دوچار ہوئے لیکن ان کی والدہ معظمہ نے ہمت کی اور فرزند کی تعلیم کو جاری رکھا۔

ان کے والد کے ساتھیوں نے ان کو سنبھالا اور ملا علی نقی صاحب نے پڑھانا شروع کی اور کیننگ کالج میں داخل کرا دیا۔ وہ بیس برس کی عمر تک درسیات سے کسی حد تک فارغ ہوئے ہی تھے کہ یتیم بھتیجوں کی دیکھ بھال ضروری ہو گئی کیونکہ گھر کا بار ان پر تھا، انھوں نے کاروبار شروع کیا۔ سب کی شادیاں کیں۔ بھائی ایک ایک کر کے الگ ہو گئے تھے۔ حالات کے تضاد نے انھیں ترک وطن پر مجبور کیا وہ حیدرآباد چلے گئے اور اپنے والد مرحوم کے شاگردوں سے صلاح مشورہ کر کے وکالت کا امتحان دینے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن گھر کے جھگڑوں کی وجہ سے وطن آنا پڑا، مکان بکا اور وہ بے گھر ہو گئے۔

اس مرتبہ ان کے ہم درس حکیم رضا حسین صاحب نے اپنی جائداد کی دیکھ بھال اور بچوں کی اتالیقی پر رکھ لیا۔ اس کے بعد کچھ حالات سدھر گئے اور والد نے عقد کیا لیکن تھوڑی مدت بعد اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ دوسرا عقد کیا۔ اب تک والد مرحوم نے بڑے ٹھاٹھ کی زندگی گذاری تھی۔ لکھنؤ کے امرا کی طرح رہتے اور قیمتی لباس پہنتے تھے، عقد ثانی کے بعد تیسرے سال ۱۹۲۲ء کو میری ولادت اور ۱۹۲۶ء کو میرے چھوٹے بھائی علی رضا مرحوم کی ولادت ہوئی۔ میری ولادت نے خاندانی غم کو خوشی سے بدل دیا۔ میرے والد نے جناب سید باقر صاحب اعلی اللہ مقامہ سے نام رکھنے کی درخواست کی۔ جناب نے فرمایا "اس بچے کا نام سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے نام پر مرتضیٰ حسین اور اس کے بعد دوسرے فرزند کا سید رضی نام مبارک ہو گا"۔

والد میری ولادت کے بعد ہدیۂ شکر ادا کرنے حضرت عباسؑ کے روضے پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ ۱۹۲۲ء کے آخر میں عتبات عالیات کو روانہ ہوئے۔

حالات کے پیش نظر

عراق سے واپس مشہد آئے تو گھر سے ولادت فرزند کی اطلاع پہنچی۔ آپ نے اسے انعام سمجھا اور زیارتِ امام رضاؑ کی برکت خیال کر کے ان کا نام علی رضا رکھا۔ زیارات سے واپس آئے اور ابھی دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ میری والدہ نے رحلت کی۔

والدۂ مرحومہ کے بعد ہم دونوں کی پرورش، دیکھ بھال اور نگہداشت نے ان کو خانہ نشین کر دیا۔ انھوں نے ہماری تربیت میں غیر معمولی محنت کی۔ اس کے لیے وہ اپنا ذاتی مکان پلٹے نالے سے اٹھ کر کٹرہ ابوتراب خان کے قریب غازی منڈی میں آگئے۔ یہاں ان کو ان کے ذوق کا ماحول ملا۔ علماء، ادباء، مدرسے اور کتب خانے۔ آخر عمر میں دس بارہ سال وہ بالکل خانہ نشین رہے۔ دن بھر مطالعہ اور تلاوتِ قرآن، وظائف اور نمازیں، رات بھر نماز و دعا۔

اس درمیان میں میں نے ان کی تمناؤں کے مطابق مدرسے اور یونیورسٹی کے امتحانات میں اوّل نمبر کامیابیاں حاصل کرنا شروع کیں۔ ۱۹۴۷ء میں انھوں نے میری شادی کردی اور میری شادی کے بعد ۲۸ اگست ۱۹۴۷ء ۱۱ شوال ۱۳۶۶ھ کو جمعرات کا دن گزار کر جمعہ کی صبح کے قریب ساڑھے تین بجے رحلت کی۔ صبح کو علماء و طلباء و رؤسا کے مجمع میں جنازہ اٹھا۔

تجہیز و تکفین و نماز کے بعد کربلا تال کٹورہ میں ابدی خواب گاہ پائی۔

والد مرحوم کے آثار و تبرکات میں میرے پاس ان کی پڑھی ہوئی شرائع الاسلام اور میبذی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ موجود ہے جس پر قلمی حواشی ہیں۔ وہ تقریر بھی فرماتے اور مجلسیں بھی پڑھتے تھے لیکن حیدرآباد کے بعد انھوں نے یہ سلسلہ ترک کر دیا تھا۔ وہ فارسی شعر و قصائد بھی کہتے تھے۔ اور ملا احمد حسین صاحب موسوی سے اصلاح لیتے تھے لیکن یہ ذخیرہ بھی مکمل صورت میں میرے پاس موجود نہیں۔ موجودہ اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی کو وہ سب چیزیں دے دی تھیں۔ وہ مجھے شعر و شاعری سے روکتے تھے۔ فرماتے تھے اہلِ علم کا شیوہ نہیں ہے فقط علم دین حاصل کرو۔ اور یہ ذہانت و طباعی کسی اور دینی کام میں صرف کرو۔

(طیب اللہ مثواہ)

قاسم علی بحرینی : حدود ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

مولانا سید قاسم علی بحرینی لکھنؤ کے عالم و فاضل، خطیب و ادیب شاعر و مصنف بزرگ تھے الواعظ کے مدیر رہے۔ سید قاسم علی بحرینی نے صحیفۂ کاملہ کا اردو ترجمہ کیا جس کی بنیاد پر احمد علی موہانی نے انگریزی ترجمہ مکمل کیا، معالم الاصول کا ترجمہ بھی مکمل تھا مگر چھپا نہیں۔ قاسم علی حدود ۱۹۳۰ء میں مرحوم ہوئے

قاسم علی، حیدرآبادی:

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء
۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء

جناب مرزا قاسم علی رضی حیدرآبادی معقولات وہیئت وہندسہ ونجوم وخطاطی میں بے مثال بزرگ تھے۔ حیدرآباد میں تلامذہ بے شمار تھے۔ ۲ جمادی الاولی ۱۳۰۲ھ حیدرآباد میں وفات پائی۔ (نزہت ج)

قدیرالدولہ، عظیم آبادی:

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء

نواب قدیرالدولہ بہادر عظیم آبادی بڑی اہم شخصیت ہیں۔ موصوف آیۃ اللہ شیخ محمد حسن مصنف جواہر الکلام کے عہد میں نجف و کربلا گئے اور وہیں قیام کرلیا۔ نواباز لباس میں رہتے تھے۔ مشروع، چکن بنارس وعظیم آباد سے منگا کر پہنتے تھے۔ مشروع کا پاجامہ بڑے پائنچے، لال نیفا، لال ازار بند۔ چکن کا گرمی اور شال کا جاڑے میں رکھا۔ خشخشی ڈاڑھی جس میں مہندی لگاتے تھے۔ موٹے اور گورے، وجیہ آدمی تھے۔

علماء بہت عزت کرتے تھے۔ صاحب جواہر الکلام نے بحث قبلہ میں نواب صاحب کے تحقیقات کو بڑی اہمیت دے کر لکھا ہے۔

حساب، جغرافیہ اور ہیئت پڑھاتے بھی تھے۔ تقریباً ستر سال کی عمر میں انتقال کیا۔

صاحب جواہر الکلام شیخ محمد حسن نے ۱۲۶۶ھ میں رحلت کی۔ نواب صاحب کی وفات بھی انھیں حدود میں ہونا چاہیئے۔ (تذکرۂ بے بہا: ۲۹۱)

قلیچ بیگ، شمس العلماء:

۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء
۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء

شمس العلماء، خان بہادر مرزا قلیچ بیگ سندھی ادب کے بہت بڑے محسن اور متعدد زبانوں کے عالم تھے۔ سندھی، انگریزی، فارسی، عربی، اردو، بلوچی، ترکی، سرائیکی زبانوں میں ان کی ۴۵۷ کتابیں مطبوعہ و غیر مطبوعہ موجود ہیں۔

مرزا قلیچ بیگ اپنے والد مرزا فریدون بیگ کے تیسرے فرزند اور مرزا خسرو بیگ کے نواسے تھے۔ ان حضرات کی شخصیت کے لیے سندھ گزیٹیر کا ۱۲واں باب دیکھئے (نیز مرزا قلیچ بیگ اور ان کے خاندانی تذکرے کے لیے خود قلیچ مرزا کی تاریخ سندھ انگریزی و سندھی اور CONQUEST OF SIND

مرزا فریدون اور مرزا خسرو، جارجیا گرجستان کے شہر تفلس کے باشندے تھے اور گرجی کہلاتے تھے گرجستان کے باشندے عموماً بہادر، جنگجو، آزادی پسند خوبصورت و تن دمند لوگ تھے۔ روس نے مدتوں سے اس پر حکومت قائم کر رکھی تھی۔ ۱۷۹۰ء میں ایران نے گرجستان پر حملہ کیا۔ فریدون کے والد وہاں کے صاحب حکومت

تھے۔ وہ ایرانیوں سے جنگ میں مارے گئے۔ مرزا خسرو آٹھ سال کی عمر میں قید ہوکر طہران آئے۔ مرزا فریدوں بھی ایک قافلے میں ایران آئے اور تبریز و اصفہان میں رہ کر تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے۔

سندھ کے نواب میر کرم علی صاحب کے حکومت ایران سے بڑے گہرے روابط تھے۔ تحف و ہدایا کے تبادلے ہوتے تھے۔ ۱۸۰۵ء میں مرزا خسرو کو بادشاہ ایران نے اپنے وکیل سید مرتضےٰ کے ساتھ سندھ بھیجا، سندھ کے امیر میر کرم علی صاحب نے مرزا خسرو کو متبنیٰ کرلیا۔ وہ اٹھارہ برس کی عمر میں یہاں آئے یہیں تحصیل کمال کرکے طب و شاعری میں نامور ہوئے۔ طب خسروی اور دیوان خسرو ان کی علمی یادگار ہے۔ مرزا خسرو نے ۱۸۶۰ء ستر سال عمر میں وفات پائی۔

فریدوں بیگ قانع ایران سے آئے اور مرزا خسرو صاحب کے ساتھ رہنے لگے۔ مرزا خسرو نے انھیں اپنا داماد بنالیا۔ وہ فارسی اور ترکی کے عالم اور زراعت کے ماہر، آرٹسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ موصوف ۱۸۷۱ء میں ستاون سال کے ہوکر دنیا سے رخصت ہوئے۔

مرزا قلیچ بیگ سات بھائی اور دو بہنیں تھے۔ ان کے بڑے بھائی مرزا صادق علی بیگ عربی کے ماہر مصنف تھے وہ ڈپٹی ایجوکیشنل آفیسر اور چھوٹے بھائی سندھ کے پہلے ایف آر سی لندن تھے۔

مرزا قلیچ بیگ ۴ محرم ۱۲۷۰ھ / ۴ اکتوبر ۱۸۵۳ء میں ٹنڈو ٹھوڑو میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۴۳ء میں جب انگریزوں نے میروں کو شکست دے کر سندھ پر قبضہ کیا تو مرزا فریدوں بیگ قلعے سے نکل کر حیدرآباد کی نواحی بستی "ٹنڈو ٹھوڑھو" میں آباد ہو گئے۔ مرزا فریدوں بیگ نے اپنے فرزند کو ابتدائی تعلیم کے بعد گاؤں کے مدرسے میں داخل کر دیا جہاں اخوند شفیع محمد اور قاضی احمد مٹیاروی سے عربی و فارسی پڑھی۔ اس کے بعد ہائی سکول میں داخل ہوئے۔ مرزا فریدوں بیگ کے بعد قلیچ بیگ بمبئی انفنسٹن کالج میں پڑھنے چلے گئے۔ یہاں ان کو مرزا حیرت صاحب (م ۱۸۹۹ء) جیسے عالم و فاضل سے مختلف علوم کے ساتھ تصوف کا ذوق بھی ملا۔

تحصیل علم سے فارغ ہوکر وطن آئے اور تحصیلداری کا امتحان پاس کرکے تحصیلدار مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں ان کو "قیصر ہند" کا میڈل ملا۔ ۱۹۰۹ء میں تیس سال کی ملازمت کرکے ڈپٹی کلکٹری کے عہدے سے پنشن لی۔

مرزا صاحب نے ملازمت میں اعلیٰ کارکردگی کے علاوہ تصنیف و تالیف و مطالعہ میں بھی مصروف رہے۔ پنشن کے بعد وہ ہمہ تن علمی و عرفانی زندگی میں داخل ہوگئے۔ حکومت نے انھیں خان بہادر اور شمس العلماء کے خطاب دیئے۔ وہ سرکاری اور عوامی اعزاز، حکومت و علم کے باوجود انکسار، اخلاص، صداقت، شرافت

تہذیب وضع داری کا مکمل نمونہ تھے علم دوستی، خوش اخلاقی، وسعت مطالعہ، فراوانی زر اور ~~وہ مختلف مذاہب و علوم سے پوری طرح باخبر تھے~~ ~~موصوف~~ وسیع المشرب آزاد مسلک اور حد سے زیادہ روشن خیال منتظم اور صاحب کردار شخصیت تھے۔ انگریزوں نے سندھ کے مختلف اعلیٰ مناصب کے لیے ان کو پسند کیا۔ خیرپور کی حکومت نے وزارت پیش کی لیکن موصوف نے علمی منصب کو ان کرسیوں پر قربان نہ کیا۔ ۱۹۲۶ء میں ان کے علمی مرتبہ کے اعتراف میں شمس العلما خطاب ملا۔

مدتوں پہلے اپنی قبر بنوائی تھی اور شب جمعہ قبرستان جاکر قبر کے پاس عبادت کرتے اور سوتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میری آخری خواب گاہ یہی ہے اس لیے مجھے اس سے مانوس ہونا چاہیئے۔

آقای رشید فرزانہ پور کے بقول مرزا صاحب تصنیف و مطالعہ کے وقت قبر کی تصویر سامنے رکھتے تھے کہ قبر اور اس کے منازل، موت اور اس کے مراحل سامنے رکھ کر خیال و فکر میں کج روی نہیں آتی۔ مس میرو (Miss Moraes) سے محبت ہوگئی تھی لیکن مرزا صاحب نے یہ کہہ کر رشتہ توڑ لیا کہ وہ مذہب کو محبت پر نثار نہیں کر سکتے۔

ستر سال کی زندگی گذار کر ۲۶ محرم ۱۳۴۸ھ / ۳ جولائی ۱۹۲۹ء کو راہی جنت ہوئے۔

مرزا صاحب موت کے استقبال میں کئی سال تک اپنی تاریخ وفات لکھتے رہے۔ آخر ان کا یہ قطعہ سچا ہوا اور قبر پر لکھا گیا:

عمرم بہمیں سال ہفتاد شد و ہفت ۔ آمد ملک الموت زدرگاہ حق آخر

گفتا کہ بسی زیستی در منزل دنیا ۔ شو عازم عقبیٰ کہ ببینی رخ داور

از فرط مسرت زدم آہی و بمردم ۔ در عالم ارواح رسیدم دم دیگر

تاریخ وفاتم چو دلم خواستہ از غیب ۔ ہاتف ز کرم کرد ندا "جنت مؤقر" ۱۳۴۸ھ

مرزا قلیچ بیگ نے عہد نامۂ قدیم و عہد نامۂ جدید کا سندھی ترجمہ کیا۔ ان کے تالیفات میں انگریزی ادب کی اعلیٰ کتابوں کے ترجموں کے نام ہیں۔ ان کا نفیس کتب خانہ ان کے سینکڑوں خطوط، جوابات، مضامین منظومات اور تالیفات کا خزینہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

سندھی تالیفات و تراجم ۲۸۵ جلد، انگریزی میں ۱۴، عربی میں ۲

اردو میں ۵، بلوچی میں ۱

سندھ میں انھیں سندھ کا شکسپیر، سعدی و عمر خیام سندھ کہا جاتا تھا۔ جناب اے کے بروہی وزیر قانون پاکستان نے فرمایا ہے:

بمصداق حدیث نبوی "انا مدینة العلم و علی بابها" شاہ عبداللطیف بھٹائی شاعر و صوفی

بزرگ سندھ مدینۂ علم سندھ ہیں اور قلیچ بیگ اس شہر کے دروازے ہیں"۔

جناب پیر حسام الدین راشدی کہتے ہیں:

"میں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اگر قلیچ بیگ صاحب نے بیس سال کی عمر سے تالیف و تصنیف کا کام شروع کیا تو ۴۵۷ کتابیں روزانہ پچاس صفحے کے حساب سے ستاون سال میں مکمل ہوئی ہیں۔

تصانیف: • الافکار (عربی) ۱۹۰۵ء۔ • محمڈن لا (ملا) کا سندھی ترجمہ ۱۹۱۵ء • اسلام اکارڈنگ تھیاسوفی سندھی ترجمہ ۱۹۲۳ء۔ • ہسٹری آف سندھ دو جلدیں ۱۹۰۱ء (انگریزی) • لائف آف شاہ عبداللطیف بھٹائی (انگریزی) • جیمز فرام قرآن (انگریزی) • اے کی ٹو قرآن • لائف آف پرافٹ محمدؐ۔ • لائف آف سینٹیس آف اسلام۔ • سینگس آف دی سینٹیس۔ • مارل فرام دی قرآن اینڈ حدیث۔ • راہِ نجات۔ • این اکاؤنٹ آف دی مارٹی ڈم آف امام حسینؑ ایٹ کربلا۔

- اے ہسٹری آف صوفی ازم۔ • اسلامک ریڈرسات حصے۔ • حجۃ الشیعہ۔ • صداقۃ الاسلام
- تاریخ محمدیؐ۔ • اخلاق المعصومین۔ • مختار ثقفی۔ • چچ نامہ ترجمہ انگریزی۔ • صلح کل۔
- نقہ جو عجیب مسئلو۔

چند اہم کتابیں: • مفتاح القرآن۔ • مرآت القرآن ضمیمہ مفتاح مطبوعہ۔ • در نجف، زندگانی حضرت علیؑ۔ فارسی۔ • ابکار الافکار ۲ جلد مجموعہ اشعار فارسی۔ • گرجی نامہ۔ مجموعہ اشعار میرزایان گرجی۔

- اشعار الامثال۔ دو جلد۔ • شعر الملوک۔ • شعر الہند۔ • شعر النسواں۔ • جواہر اللسان • ذکر الموت
- **سندھی ترجمے:** • کیمیائے سعادت غزالی۔ ۳ جلد۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے۔
- خداشناسی۔ غزالی۔ • علم الروح غزالی۔ • اخلاق القرآن۔ • گلشن اخلاق • حاجی بابا اصفہانی
- محاوراتِ فارسی • نظم فارسی کے نظم سندھی میں ترجمے۔ • کشفِ اعجاز یا گلشن راز۔
- رباعیاتِ عمر خیام۔ • لیلےٰ مجنوں نظامی۔ • تحفۃ الاحرار۔ • حقیقت الربا • ہسٹری آف قرآن اینڈ حدیث۔ • حضرت سلیمان۔ • عالمگیر مذہب۔ • معجم المذاہب • محبت آلِ عبا۔ • اسلام میں تصویریں جائز یا ناجائز۔ • ہسٹری آف خیرپور اسٹیٹ۔

جناب رشید فرزانہ پور نے "زندگی نامہ و آثار و احوال مرحوم شمس العلماء خان بہادر مرزا قلیچ بیگ" میں ۴۵۷ کتابوں کے نام قلم بند کیے ہیں۔ جن میں تاریخ و ادب و مذہب و اخلاق وغیرہ پر بہت لکھا۔ افسوس ہے کہ انکی بیشتر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ جناب رشید فرزانہ پور ڈائرکٹر خانۂ فرہنگ ایران نے بڑی محبت و توجہ سے شمس العلماء کے تمام ذخیرہ ... کو دیکھا ہے۔ ان کی قلمی کتابوں کی فہرست لکھی اور عکس برداری کی ہے۔ وہ مرزا قلیچ بیگ پر ایک

مقالہ لکھ چکے ہیں اور مفصل کتاب لکھنے کی سعی فرما رہے ہیں۔ موصوف نے پہلی ملاقات ہی میں اپنا مقالہ مجھے مستعار دے کر علم دوستی کا محبت خیز مظاہرہ فرمایا۔ مرزا صاحب کے فرزند بزرگ جناب اسد بیگ صاحب نے میرا خط ملتے ہی مختصر احوال اور جناب رشید فرزانہ پوری صاحب کے پتے سے مطلع فرمایا۔ میں ان دونوں حضرات کا بے حد ممنون ہوں۔

قمر الزماں

ولادت ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء
وفات ۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء

مولانا سید قمر الزماں بن سید محمد رفیع رضوی سبزواری ۷، ۱۹۰۷ء کو چھولس ضلع بلند شہر یوپی ہند میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۱۹ء میں مدرسۂ عربیہ منصبیہ میرٹھ میں داخلہ لیا۔ مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ مجتہد اور مولانا سبط الحسین صاحب سے فقہ و اصول تک پڑھی۔ اس کے بعد امروہے میں جناب حاجی مرتضےٰ حسین صاحب والد جناب یوسف حسین صاحب سے درس لیا۔ وہاں سے لکھنؤ پہنچے اور سلطان المدارس میں جناب سید ہادی صاحب قبلہ جناب سید باقر صاحب قبلہ اور جناب ظہور حسین صاحب قبلہ جیسے مشاہیر علوم سے فیض یاب ہو کر صدر الافاضل ہوئے اور فاضل جلیل، طبیب کامل جناب حکیم منے آغا صاحب فاضل مرحوم سے طب کی سند لی۔ علم دین و علم طب کے تمام متعلقات مکمل کر کے ۱۹۲۹ء میں میرٹھ آئے اور مطب و درس کا سلسلہ جاری کر دیا۔ شہر کے علماء و رؤسا نے آپ سے مدرسے میں درس پر مجبور کیا۔ مولانا نے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۷ء تک مدرسۂ منصبیہ میں معقولات و مذہبیات کا درس دیتے رہے۔

منطق و فلسفہ میں انتہائی کمال حاصل تھا۔ یہودی، عیسائی، آریہ وغیرہ مباحثے کے لیے آتے آپ خندہ پیشانی سے ان کو مسائل سمجھاتے اور اپنے مضبوط دلائل سے خاموش کرتے تھے۔ اور سخت سے سخت آدمی بھی آپ کے اخلاق و علم کا اقرار کر کے اٹھتا تھا۔ مولانا طب و منطق و فلسفہ و علم کلام کے علاوہ عربی و فارسی و اُردو کے شاعر بھی تھے۔

تقسیم کے بعد مولانا قمر الزماں لاہور آئے اور دیال سنگھ کالج میں اسلامیات کے لکچرر مقرر ہو گئے۔ لاہور میں اس وقت فارغ التحصیل حضرات میں صرف مولانا ہی تھے۔ اس کے بعد حافظ کفایت حسین صاحب تشریف لائے۔ مولانا نے لاہور میں علمی مذاکرات و تحریکات کو زندگی بخشی۔ ان کی محنت اور طبیعت نے ایک چھوٹا سا حلقہ بنانے میں مدد دی۔

جامعہ امامیہ اور مبلغین کی ایک تنظیم کو پڑھاتے تھے اور تصنیف و تالیف رکھنے والوں سے عملی تعاون کرتے تھے۔ ترپن سال کی عمر تھی، صحت بھی اچھی تھی۔ اتفاقاً پیٹ میں درد ہوا، ڈاکٹروں نے اپنڈیسائیڈ تجویز کیا

آپریشن ہوا مگر آنت شگافتہ ہو چکی تھی اور یہی بات موت کا بہانہ ہوئی اور مولانا شب جمعہ سوا دو بجے ۲۹ رجب ۱۳۷۹ھ ۲۹ جنوری ۱۹۶۰ء کو راہیِ جنت ہوئے اور مومن پورے کو آباد کیا۔

اس المیہ پر مختلف حضرات نے قطعات لکھے جن میں مولانا محمد جعفر صاحب قبلہ خطیب مسجد کرشن نگر نے عربی میں تاثراتِ غم یوں قلم بند کیے:

اذ کل مرءٍ راحل — زاد التقی فلیقترف
لو یعص قط الھہ — عن امرہ لا ینحرف
اذ کل شیئ زائل — عیش الزمان فنصرف
اذ کل شیئ حادث — بدر الکمال فمنکسف
اذ کل شیئ ھالک — قمر الزمان فمنخسف — ۱۳۷۹ھ

اولاد: دو صاحبزادیاں اور ایک فرزند شمس الزمان

تصانیف: • راز قدرت تالیف ۱۹۳۰ء طبع لاہور۔ • الحکمۃ الطالعہ شرح شمس بازغہ • ترجمہ جامع المسائل فقہ۔ • متعدد مضامین و مقالات و حواشی (پیام عمل۔ لاہور ۱۹۶۰ء)

. . . .

قمر حسن، امروہوی:

حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء

مولانا سید قمر حسن صاحب امروہوی مدرسۂ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کر کے امروہے واپس آئے۔ ادھیر عمر میں رحلت کی۔ (میری سرگزشت ص: ۶۳)

. . . .

قمر الدین اورنگ آبادی:

۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۰ء

قمر الملۃ والدین شیخ العلماء العارف باللہ سید قمر الدین موصوف قصبہ کیواری سرکار صوبہ اورنگ میں رہتے تھے دکنی علماء میں ذی مرتبہ عالم و فاضل تھے۔ زہد و تقویٰ اور عرفان میں معاصرین سے برتری حاصل تھی۔ علوم اسلامی پر عبور تھا۔ فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں آپ کی چند کتابوں کے متفرق نام ملتے ہیں۔ یہ مخطوطے قادر الدولہ قادر جنگ کی مہروں سے مزین ہیں۔ مؤلف فہرست نے "رسالہ جواب سوالات بعض ملاحدہ" کے تعارف میں مولوی فخر الاسلام خاں عرف مولوی صفدر صاحب کے حوالے سے لکھا ہے:

آغازِ کتاب " حال محرران کلام کہ بنام تفسیر قرآن است و در حقیقت تغیر و تغییر کہ آں را از ہدایت بضلالت بردہ از نورانیت بظلمانیت آوردہ است چندا احتمال دارد۔"

موضوع کتاب یہ ہے کہ راجہ بدری ناتھ بادشاہ عالم غازی کے داروغہ ہرکارہ مدعی تھا کہ وہ خدا سے باتیں کرتا ہے۔ اس غلط فہمی کی بنیاد پر اس نے سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الم نشرح کی تفسیر لکھ ڈالی۔ یہ تفسیر دارالسلطنت کے مقتدر علماء کے پاس بھیجی گئی۔ مولوی فخر خلف شاہ نظام الدین کے علاوہ سب نے تحسین و آفرین لکھی۔ راجہ نے تفسیر سورتیں مع نقل خطوط علماء دفضلات بمہر شاہ جہان آباد راجہ چکندلاڈ کے پاس دکن میں بھیجی تاکہ راجہ صاحب علماء دکن کے پاس برائے اظہار تبصرے کے بھیلا دیں گے۔ چنانچہ مولوی سید قمر الدین خان کو بھی کتاب اور خط بھیجا۔ مولوی صاحب نے اس عرضی کے جواب میں یہ رسالہ لکھا:

یہ رسالہ ۸ صفحے، ۱۵ سطر فی صفحہ محمد نور خان نے ۱۱۹۲ھ نے لکھا۔ نادر الدولہ قادر جنگ کی مہر ہے۔

فہرست مشروحہ کتب خانہ آصفیہ ج ۲ ص ۳۶۸

رسالہ سوال و جواب اربعہ۔ سوال یہ ہیں:

دوازدہ امام و پنجتن پاک رافضی بودند یا نہ؟ • شہادت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ بجد بیٹے و دو لیلے ثابت می شود یا نہ؟ • اسامی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا و حسنین رضی اللہ عنہما در خطبہ جمعہ و عیدین ذکر کردن آں روا است یا نہ؟ • بیمار را در حالت اقتضا راز تخریت و چارپائی بر زمین نہادن روا است یا نہ؟ مخطوطہ ۴ محرم ۱۱۹۲ھ قصبہ کیوانی سرکار صوبہ اورنگ آباد۔ ص ۲۷۰۔ • رسالہ ثر ظہور فارسی۔ شہ وضو اور مسح یا غسل رجلین۔ صفحات ۱۱۳۔ فی صفحہ ۵ سطر۔ آصفیہ فہرست صفحہ ۲۷۰۔

---

(۱۷) کاظم حسین نوگانوی:
حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۲ء
حدود ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا سید کاظم حسین صاحب، سرکار سید باقر صاحب قبلہ اور مولانا محمد ہادی صاحب قبلہ کے تلامذہ میں تھے۔ اصل وطن نوگانوہ ضلع مراد آباد تھا۔ مدرسۂ عابدیہ کٹرہ ابو تراب خان لکھنؤ میں پڑھاتے تھے۔ میں نے ۱۹۳۱ء میں مدرسۂ عابدیہ میں قرآن مجید اور دینیات مولوی ذاکر حسین صاحب سے اور ۱۹۳۲ء میں فارسی مولانا کاظم حسین صاحب سے پڑھی۔

مولانا کاظم حسین صاحب کے بڑے فرزند مولانا زوار حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل بڑے فاضل و مقدس و عبادت گذار تھے۔

کاظم حسین لکھنوی:
۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء
۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء

جناب مولانا سید کاظم حسین صاحب قبلہ، جناب سخاوت حسین صاحب کے فرزند اور ملک العلماء جناب سید بندہ حسن صاحب کے نواسے تھے۔ بقول ~~مولانا محمد حسین صاحب~~ ۲۴ شعبان ۱۲۹۷ھ اور بقول مولانا علی نقی صاحب ۱۲۹۹ھ میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔

جناب مولانا آغا حسن صاحب قبلہ اور جناب مولانا سبط حسین صاحب قبلہ اور اپنے پھوپھی زاد بھائی جناب مولانا علن صاحب قبلہ سے تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ فرمائی۔ بڑے ذہین و ذکی، متورع اور زاہد تھے منطق و فلسفہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے اور معقولات میں منفرد تھے۔

کچھ عرصہ تک پٹنہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آخر عمر میں لکھنؤ آگئے اور منصور نگر میں مکان لے لیا تھا۔ مدرسۂ ناظمیہ میں معقولات کے استاد اور نائب صدر مدرس رہے۔ آخر میں گوشہ نشین رہ کر ۱۹۷۳ء میں رحلت فرمائی۔

مَیں نے مرحوم سے شرح مطالع، شرح تجرید، تصریح، صدرا، ملا احمد اللہ وغیرہ پڑھی تھی۔ بزرگانہ شفقت فرماتے تھے۔ مولانا کے ایک ہی صاحبزادے سید محمد زکریا جو صدر الافاضل کرنے کے فوراً بعد جوان مر گئے۔ ایک صاحبزادی زندہ تھیں۔ (ص ۲۰۳، مطلع انوار، شیعہ علماء، ہند)

کاظم علی، لکھنوی:
۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء

جناب مولانا میرزا کاظم علی مختق، امیر و صاحب ثروت ہونے کے باوجود بڑے فقیہ مجتہد تھے۔ جناب غفران مآب کے شاگردوں میں صف اول کے قدیم شاگرد تھے۔ مناظرہ و فلسفہ سے دلچسپی کم تھی۔ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول سے شغف زیادہ تھا۔ دینی علوم کا درس دیتے تھے اور شریعت کی حمایت میں پیش پیش رہتے تھے۔ اخباریوں کے خلاف کام

کیا اور اصول کو فروغ دیا بے حد مقدس، صاحب نفس قدسی، زاہد اور خواص و عوام میں محترم تھے۔ مثنوی نان و نمک میں ان کے معاصر مرزا فصیح نے لکھا:

طالب حق میرزا کاظم علی	ہے دیار ہند میں الحق ولی
زہد سے اسکے ہے علم دیں کو زیب	اس کو دے سکتی ہے کب دنیا فریب
جس نے دنیا سے کیا پہلو تہی	اس کو کہیے فقہ و علم و آگہی
خلق سے کو نہ کیا جب دست آز	پائے استغنا نہ ہو کیوں کر دراز
زر ہے اسکے سامنے ذرے سے کم	داغ کا رتبہ نہیں رکھتا درم
مال سے پروا، نہ الفت گنج سے	چین سے ایذا، نہ راحت رنج سے

(حوالہ مذکور ص ۲۴ طبع ۱۲۶۲ھ)

مولانا کاظم علی نے ۹ ذی قعدہ ۱۲۴۹ھ میں رحلت کی اور اپنے تعمیر کردہ امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ ان کی رحلت سے اہل لکھنؤ بہت غمگین ہوئے۔ بہت تاریخیں کہی گئیں۔ مولانا علی حیدر نظم طباطبائی نے لکھا ہے کہ میر انیس نے بھی تاریخ وفات لکھی تھی۔ ناسخ نے متعدد قطعات لکھے جن سے ایک قطعہ یہ ہے:

روضۂ عالیہ مرزا کاظم علی است	آدمی چیست کہ شاید ملک آنجا خادم
بریاضت چو ابوذر بتقادت سلمان	ہمچو رستم بشجاعت بسخاوت حاتم
خود فرقاں بسر و ورع احادیث بسر	زانکہ او بود باقلیم شریعت حاکم
بود در صنعت موجود وجود صانع	متفکر، متدبر، متامل، دائم
بہر رای حکمار بود حکیم حاذق	علم او بود ز اسقام صحیح و سالم
خشک ناں پارہ شبانگاہ تناول می کرد	ہم چو ماہ رمضان بود ہمیشہ صائم
نفرت از جملۂ لذات جہاں فرمودہ	آنچہ لازم نہ بود خود بہ گرفتہ لازم
گفت روح القدس و فکر سنین تاریخش	یا الٰہی بجناں باد بہ موسیٰ کاظم

۱۲۴۹ھ

اولاد: ۰ فتح الدولہ برق ۰ میرزا آغا جان ۰ مرزا جعفر مرزا محسن، تقی، عسکری، مرزا باقر

تالیفات: ۰ نصرۃ المومنین ۰ رسالہ در رد اخباریین (بے بہا ۲۹۶، نزہتہ، ص ۲۹۳، رسالہ ادیب لکھنؤ ۱۹۱۳ء)

کرامت حسین، کنتوری:

۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء

۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء

جناب جسٹس کرامت حسین بن سید سراج حسین صاحب یکم جولائی ۱۸۵۲ء / ۱۲۶۹ھ جھانسی میں پیدا ہوئے

سات برس کے ہوتے ہی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ والدہ نے انتقال کیا۔ ۱۸۶۶ء میں اپنے عم محترم مولانا حامد حسین صاحب کے ساتھ حج سے مشرف ہوئے۔ والد بے پروا تھے۔ لہٰذا فرزند کی پندرہ سالہ زندگی لہو و لعب کا شکار ہو گئی، کچھ ابتدائی عربی فارسی اور والد سے انگریزی شروع ہی کی تھی کہ وہ رخصت ہو گئے۔ (۱۸۷۸ء)

وہ ان دنوں چرکھاری میں رہتے تھے۔ اچانک دل پر چوٹ لگی۔ یکایک مزاج بدلا اور پڑھنا شروع کر دیا تفسیر حدیث، فقہ، ادب، منطق، فلسفہ، تاریخ جغرافیہ، ہیئت، نجوم، جفر، طب، کیمیا، سیاست، قانون، فارسی، انگریزی، جرمنی، لاطینی، فرانسیسی، عبرانی، سریانی میں دلچسپی لی۔

ہر سپاہیانہ فن (نشانہ سواری، فرس شناسی، بلبل، مرغ کے شوق، بیطاری، پہلوانی، بانک بنوٹ، تیراکی، رکابداری) غرض ہر فن اور ہر عیب و ہنر جانتے تھے۔ اب جو رُخ بدلا تو بالکل بدل گئے۔ والد کے ترکے سے تین ہزار روپے ملے۔ وہ تجارت میں لگائے۔ کچھ دن تک تیس روپے ماہانہ ملے۔ اس کے بعد اصل رقم خرد برد ہو گئی اور انتہائی مشکلات کا سامنا ہوا۔ جفاکشی کا یہ حال کہ مہینوں دال روٹی اور ایک صندوق پر بسر کی۔ مگر لکھنؤ میں رہتے تھے۔ خاندان ہی علم ہی علم تھا۔ علوم دین حاصل کر کے چرکھاری میں راجکمار کالج میں نوکری مل گئی۔ ہیڈ مولوی کی جگہ تھی اور پچاس روپے تنخواہ۔ اب زندگی کا رُخ معین ہوا۔ عربی فارسی پڑھاتے اور انگریزی پڑھتے رہے۔ ذہانت، محنت اور قابلیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ پولیٹکل ایجنٹ نے صلاحیت کا اندازہ کر کے اپنا میر منشی بنا لیا۔ اس عہدہ پر پہنچ کر سید صاحب نے اپنی دیانت اور قابلیت کا سکہ اچھی طرح ایجنٹ کے دل پر بٹھا دیا۔ اسی عرصہ میں ریاست باونی کی سپرنٹنڈنٹی خالی ہوئی۔ اور مارچ ۱۸۸۱ء میں سید صاحب کو عملی طور پر اپنے جوہر دکھلانے کا موقع ملا۔ اور فرائض منصبی کو اس خوبصورتی، ایمانداری، آزادی سے انجام دیا کہ جب باونی کا چارج ولی عہد ریاست کو ملا تو صاحب ایجنٹ گورنر جنرل بہادر سنٹرل انڈیا نے گورنمنٹ آف انڈیا کی منظوری سے ریاست نرسنگھ گڑھ میں دیوان مقرر کرایا۔ یہاں ان کی خدمات سے راجہ پرتاب سنگھ بہادر فرماں روائے وقت بہت خوش رہے۔ اور ۱۸۸۶ء میں جب راجہ نے انگلستان کا سفر کیا تو سید صاحب کو بھی ہمراہ لے گئے۔ اور واپسی کے وقت بیرسٹری کی تعلیم کے لئے سید صاحب کو وہیں چھوڑ آئے۔ علاوہ قانونی تعلیم کے سید صاحب نے وہیں جرمنی زبان بھی حاصل کی اور جب کامیاب ہو کر واپس آئے تو ریاست اور کچھ میں مدار المہام ہو گئے۔ چند روز بعد وہاں سے قطع تعلق کر کے نومبر ۱۸۹۰ء میں بیرسٹری شروع کر دی۔ الٰہ آباد ہائیکورٹ میں سید محمود صاحب جج تھے برارت حسین صاحب کے تعلقات سید محمود سے اتنے بڑھے کہ ۱۸۹۱ء میں وہ علیگڑھ سے وابستہ ہو گئے اور کالج میں قانون پڑھانے لگے۔ ۱۸۹۶ء میں کالج سے علیحدگی کا سبب یہ تھا کہ پروفیسر کے نیچے بالے کی شرط اس لیے وہ ملازم سے کنارہ کش ہو گئے۔ چند سے میور سنٹرل کالج الٰہ آباد میں لاء لیڈر رہے۔ پھر تمام تر توجہ بیرسٹری کی طرف منعطف کر دی۔ چونکہ تعلیم نسواں کے دل سے حامی تھے۔ اس لیے کراسویٹ گرل اسکول کے سیکرٹری ہو گئے۔ ۱۹۰۸ء میں

اعلیٰ درجے کے کھانے پکانے کا فن جاننے والا۔

الہ آباد ہائیکورٹ کی ججی سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے لکھنؤ میں مستقل اقامت اختیار فرمائی۔ اور بیرسٹری کی پریکٹس قریب قریب بند کر کے تمام وقت قومی خدمت میں صرف کرنے لگے۔ ایک انجمن "العامل" بھی آپ کی تحریک سے قائم ہوئی تھی۔ آخر میں زیادہ توجہ مسلم گرلز اسکول لکھنؤ میں صرف کرتے تھے نہ صرف یہی بلکہ آپ نے تمام عمر میں جس قدر روپیہ کمایا وہ تعلیم نسواں فنڈ "سرمایۂ کرامت" میں جمع کیا اور عملی طور پر اپنا مقصد پالیا

مولانا کرامت حسین نوابی سے ملائیت اور ملائیت سے تجدد کی طرف آئے اس لئے ان میں گوناگوں رنگ تھے۔ وہ ادیب تھے عربی، فارسی، اردو، انگریزی کے سینکڑوں شعر یاد تھے اور لغت کے بے شمار نکتے سمجھتے تھے۔ وہ مقنن تھے اس لیے منطق و قانون کے راز جانتے تھے۔ وہ مصلح ملت تھے۔ اس لیے وقت کے تقاضوں اور قوم کے مزاج کو پہچانتے تھے۔ اس قسم کی شخصیت نئی نسل کے لیے دل کش ثابت ہوئی اور کرامت حسین نے کمال شہرت و عزت پاکر تقریباً پینسٹھ سال کی عمر میں حرکتِ قلب بند ہونے سے ۱۹ اپریل ۱۹۱۷ء / ۱۳۳۵ھ کو لکھنؤ میں رحلت کی اور تال کٹورے کی کربلا میں اندرون احاطہ میرزا کیوان جاہ لحد ملی۔

تالیفات :

کرامت حسین نے بے شمار مضامین و رسائل و حواشی لکھے جن میں چند مستقل کتابیں درج ذیل ہیں

- فقہ اللسان (انگلش پریس، عربی) مطبوعہ۔
- الحقوق والفرائض
- الامور العامہ (عربی) مطبوعہ۔
- علم القانون۔
- علم الاخلاق فارسی و اردو (دانش کراچی۔ نزہتہ ج ۸۔ ص ۲۷۲)

کرامت علی، جونپوری :

۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء

مولانا سید کرامت علی، سید حمید الدین حسینی محمد آبادی کے خاندان سے تھے۔ جدی وطن محمد آباد گہنہ تھا۔ لیکن قرابت کی بنا پر کچھ گاؤں میں آباد تھے۔ کچھ گاؤں ضلع جون پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سید ذاکر علی جونپوری ہاں منطق و فلسفہ ولی اللہ صاحب اور علوم دین مولانا نادر علی لکھنوی سے پڑھ کر عراق و ... نادہ کیا۔

مشہد مقدس میں (بعہد فتح علی شاہ قاچار) مدرس ہوگئے پھر تبریز میں ریذیڈنٹ کے میر منشی رہے۔ وہاں ... انگریز سفیر نے تبریز میں دیوان انشا سپرد کیا۔ وہاں سے اجمیر آئے اور قاضی مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ہگلی کے وقف محسنیہ کے متولی کی حیثیت سے بنگال آگئے وہاں ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی جو سب غرباء میں ... ... تھے۔ آپ نے سنہ ۱۲۹۰ھ یا ۱۲۸۵ھ میں رحلت فرمائی اور امام باڑہ حاجی محسن ہگلی میں دفن ہوئے جسٹس امیر علی کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسلم فلسفہ کے بارے میں انھیں جو کچھ معلوم تھا

وہ مولانا کرامت علی کا فیضان تھا۔ امیر علی نے انگلستان جانے سے پہلے مولانا کی کتاب "مخزن علوم" کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔[1]

(سید امیر علی ص ۲۵۔ ثقافتِ اسلامیہ۔ لاہور)

تصانیف: • رسالۃ فی ماخذ العلوم۔ • رسالۃ فی العروض والقافیہ۔ • رسالۃ فی المفاضلۃ بین العربی والفارسی۔ (نزہتہ، س ۲۹۶، ضمن احوال تفضل حسین: تذکرہ بے بہا ص ۱۰۳۔ اقبال احمد۔ تاریخ جون پور۔ ص ۷۸۶، و تذکرہ علما دوم ۱۳۹)

کرم حسین بلگرامی:

۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء

مولوی سید کرم حسین بلگرامی، اپنے عہد کے بڑے عالم و فاضل، مدبر و سیاست دان تھے۔ حکومت اودھ نے انھیں ایک موقعہ پر خلعت مع اسپ و فیل و پالکی و نالکی عطا کی تھی۔ اسلامی علوم کی تحصیل کے بعد انھوں نے انگریزی پڑھی تھی اور اس میں مہارت حاصل کی۔ لکھنؤ کے مشاہیر و علما سے روابط تھے۔ سب ان کی عزت کرتے تھے۔ تاریخ سلطان العلما میں مولانا آغا مہدی صاحب نے سلطان العلما کا مکتوب بنام مولانا کرم حسین نقل کیا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ خط اپنی غلطیوں کی وجہ سے پڑھا نہیں جاتا لیکن اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جناب سلطان العلما نے کرم حسین صاحب کو ان لفظوں سے یاد کیا ہے۔

"السید الجلیل النبیل، المشہر لصوارم الالٰہیات مقطع شبہات عابدی العزی واللات زبدۃ المحبین السید کرم حسین"۔ (ص ۲۲۴)

خط میں کرم حسین کی مدح میں ان کے مناظرے اور حمایت مذہب میں قلمی مساعی کو داد دی گئی ہے۔ بظاہر مولانا کرم حسین نے مناظرے کی کسی کتاب کا جواب بھی لکھا تھا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کی طرف سے ایک ہزار سات سو روپے ماہانہ پر کلکتہ میں سفارت اودھ پر فائز رہے (۱۸۳۲ء) کلکتہ انھیں پسند آگیا جہاں مدرسۂ عالیہ میں عربی کے استاد بھی رہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی سے جو عربی کتابیں چھپی ہیں ان میں بعض کتابوں کی تصحیح و تحقیق کا کام بھی انجام دیا۔ ان میں سے ایک کتاب "صحیفۂ کاملہ" میں نے دیکھی ہے جو اس کتاب کا دنیا میں پہلا نفیس مطبوعہ متن ہے۔ اسی طرح کپتان روبک کی صحیح کردہ کتاب "برہان قاطع" کا مقدمہ بھی آپ نے لکھا ہے۔ میں نے بعض قلمی مجموعوں میں ان کے عربی فارسی خطوط دیکھے تھے۔ یہ مجموعے لکھنؤ میں رہ گئے۔

مولانا کرم حسین بلگرامی سے عبدالقادر رام پوری نے ملاقات کی تھی۔ ان کا تاثر تھا: "مولوی کرم حسین بلگرام

[1] جسٹس سید امیر علی متوفی ۳ اگست ۱۹۲۸ء، اسلام کی تاریخ و فلسفہ و قانون کے [illegible] مبلغ۔

کے جلیل القدر سادات سے ہیں۔ مذہب اثنا عشری اور مسلک صلح کل رکھتے ہیں۔ فارسی عبادت قلم برداشتہ اور چست و درست اور رواں لکھتے ہیں۔ تنگی اور فراخی میں زندہ دلی سے اوقات بسر کرتے ہیں۔ کتب لغت و ادب اور تواریخ عجم و عرب کی سیر ہے۔" (علم و عمل ص ۱۴۳ ج ۱)

مرزا غالب کلکتے گئے تو مولانا کرم حسین نے ان کی پذیرائی کی وہ لکھتے ہیں "مولوی کرم حسین میرے ایک دوست تھے۔ انھوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ و بے ریشہ اپنے کف دست پر رکھ کر مجھ سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجیے۔ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھ کر ان کو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی ان سے لی۔"

کلکتے میں ان کا گھر علما و فضلا کا مرکز تھا۔ ان کے یہاں مشاعروں میں ایرانی و افغانی شعرا و سامعین جمع ہوتے تھے۔

مولوی کرم حسین اور کپتان ہنس سے گہرے تعلقات تھے۔ کپتان صاحب کے وطن جاتے ہی گورنر جنرل نے ان کی سفارت ختم کروادی۔

کرم حسین نے کلکتے میں ۱۲۵۷ھ کو رحلت کی۔

ان کی اولاد میں فرزندوں کے نام تفصیلاً تو معلوم نہیں لیکن مولانا سید علی بلگرامی کا پوتا ہونا بتاتا ہے کہ زین العابدین ان کے ایک بیٹے تھے۔

تالیفات • کتاب در رد اعتراضات اہل سنت (فارسی) اس کا نام نہیں ملا۔ • ترجمہ قوانین از انگریزی اس کے صلے میں وہ خان بہادر ہوئے۔ • تصحیح و تحقیق صحیفۂ کاملہ۔ • مقدمۂ برہان قاطع

(جرم غالب ص ۳۲۳ و مکتوب قاضی عبدالودود صاحب بنام مرتضٰی حسین)

حدود ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء

۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء

[illegible] مولانا سید [illegible] حسین ابن سید [illegible] حسین صاحب [illegible] زنگی پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کر کے [illegible] شاہی [illegible] میں داخلہ لے لیا۔ یہ مدرسہ جناب امجد علی شاہ اودھ نے قائم کیا تھا۔ جہاں مولانا سید [illegible] صاحب [illegible] مولانا کرم حسین نے منطق و فلسفہ، ہیئت و معانی و بیان، فقہ و اصول، تفسیر و حدیث [illegible] اساتذہ سے اور سند تکمیل و تلمذ مولانا سید محمد صاحب قبلہ [illegible] میں مصروف ہو گئے۔ درس کے علاوہ آپ کا مشغلہ مطالعہ اور [illegible] برس کی [illegible] اور چالیس سے زیادہ کتابیں نقل کیں۔

نوافل و تہجد کے سختی سے پابند تھے۔ طہارت میں ضرب المثل، کھڑاؤں اور قطب نماز ساتھ رکھتے تھے۔ اوّل وقت نماز اور انتہاءِ طہارت کا خیال رہتا تھا۔ اسی لیے اونی کپڑا پہننے سے احتیاط تھی۔ سوتی کپڑا پہنتے تو اسے دھوبی کے بعد پاک کرتے۔ مسلمان کاغذ ساز و روشنائی بنانے والے سے خریدتے تھے۔ تقدس و پاک باطنی کی وجہ سے لوگ آپ کو عارف مانتے تھے۔

آپ کے والد زمیندار تھے۔ موصوف نے ایک زمین نیلام میں خریدی تھی۔ جب وہ زمین آپ کو وراثت میں ملی تو سنی المذہب مالک کو یہ کہہ کر واپس کر دی کہ اس کی قیمت صحیح ادا نہیں ہوتی تھی۔ اور جو قیمت دی گئی تھی وہ بھی ہبہ کر دی اور خود انتہائی عسرت میں بسر کی۔

حد سے زیادہ منکسر مزاج تھے۔ فرشِ خاک پر کھانا اور سونا عادت میں داخل تھا۔ نماز پڑھانے سے احتیاط کرتے تھے۔ ناموری سے بچتے تھے۔ بیماری کے عالم میں گھر والوں نے پلنگ پر لٹا دیا تھا۔ آخری دن کسی سے پوچھا کہ زوال ہو گیا۔ جواب ملا ابھی نہیں۔ فرمایا نہیں دیکھو۔ زوال ہو گیا نماز کا وقت ہے۔ یہ کہہ کر تیمم کیا اور لیٹے لیٹے نماز پڑھی، کلمہ پڑھا اور رحلت کی۔ یہ واقعہ جمعہ ۲۷ شعبان ۱۲۶۲ھ کا ہے۔ آپ زنگی پور ہی میں دفن ہوئے۔ (بے بہا ص: ۲۹۱)

کفایت حسین، حافظ، علامہ:

۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء
۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

لاہور میں رئیس الحفاظ ثالث النیرین حاجی مولانا حافظ کفایت حسین اعلی اللہ مقامہ، لکھنؤ کی علمی روایت کی تصویر تھے۔ ان کے اخلاق، ان کا کردار، ان کی سادگی، ان کا علمی وقار، ان کی عزت اور سنی شیعوں کی ان سے محبت ہمیں علماء سابقین کی یاد دلاتی تھی۔ بلا شبہ وہ پاکستان میں شیعوں کے سب سے بڑے عالم تھے۔

حافظ صاحب ۱۸۹۸ء میں قصبۂ شکارپور ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبداللہ صاحب تجارت اور کاروبار کے سلسلے میں لکھنؤ آتے جاتے رہتے تھے۔ آپ نے ہونہار فرزند کو علم دین کے لیے مختص کر دیا۔ حافظ صاحب ابھی آٹھ نو برس کے ہوئے ہی تھے کہ مولانا محمد عوض صاحب شاگرد مولانا نجم الحسن نے شکارپور میں احسن المدارس حفظ قرآن مجید کا مدرسہ قائم کیا۔ حافظ صاحب کے والد نے ان کا نام اس مدرسے میں لکھوا دیا۔ آپ نے حافظ مہدی حسن (ساکن کیرانہ ضلع مظفر نگر) سے اسی مدرسے میں دس پارے حفظ کیے۔ ان کے بعد حافظ سید غلام حسین صاحب نے آخر تک قرآن حفظ کرایا۔ ۱۹۰۹ء میں حافظ فیاض حسین صاحب کے پاس حفظ سنانے کے لیے میرٹھ مدرسہ منصبیہ گئے۔ تین ماہ تک منصبیہ میں تصحیح و تجوید و قرأت سے فارغ ہو کر وطن آئے اور ۱۹۱۰ء میں مدرسۂ ناظمیہ لکھنؤ میں نام لکھوا لیا۔ ۱۹۱۶ء میں مولوی فاضل پنجاب، ۱۹۱۷ء میں منشی

فاضل پنجاب اور ملا فاضل الٰہ آباد ۱۹۱۸ء میں ممتاز الافاضل کا امتحان دے کر سند حاصل کی۔ اسی سال شیعہ ہائی اسکول لکھنؤ میں فارسی کے معلم مقرر ہوئے۔

۱۹۱۹ء میں مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لیا اور بعد فراغت ۱۹۲۰ء میں تبلیغ کے لیے پشاور بھیجے گئے۔ دو سال کی اعلیٰ کارکردگی سے متاثر ہو کر جناب نجم العلماء نے خاص سند عطا فرمائی۔ (یہ ۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے)

۱۹۲۵ء میں آپ کورم ایجنسی کے قاضی ہو گئے۔ کورم اور پشاور کے ارد گرد حافظ صاحب کی قابلیت اور حسن کردار کا اتنا چرچا ہوا کہ اپنے اور بیگانے سب گرویدہ ہو گئے۔ خصوصاً جب آپ نے پشتو سیکھ کر مقامی زبان میں تقریر شروع کی تو لوگ آپ کی تقریر کے گرویدہ ہو گئے۔ آپ نے عوام کو پابند شریعت و واقف عقائد کیا۔ آزاد قبائل میں حافظ صاحب کی مقبولیت و اثر سے مشتعل ہو کر آپ کو قتل کا منصوبہ بنا۔

حافظ صاحب جس مکان میں رہتے تھے اس میں ایک باغیچہ بھی تھا۔ ایک دن آپ باغیچے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ نور خان نامی دشمن آن پہنچا۔ حافظ نے نیت کی، سورتیں پڑھیں۔ رکوع کیا وہ تاک میں تھا کہ سجدے میں جائیں اور فیر ہو۔ حافظ صاحب سجدے میں گئے اور نور محمد نے پستول نکالا۔ نشانہ باندھا لیکن جھٹکا لگا اور پستول گر گیا۔ نور محمد نے ہمت کی۔ دوبارہ نشانہ باندھا۔ اب کی مرتبہ رعشے نے گولی نہ چلانے دی۔ آخر مجبور ہو گیا۔ سامنے آیا اور پیروں پر گر پڑا، معافی مانگنے لگا۔ حافظ صاحب نے پاس بٹھایا۔ کھانا کھلایا کچھ روپے دیئے اور ہنسی خوشی رخصت کیا۔

اگست ۱۹۳۴ء میں نجم العلماء کے حکم سے وہ پاراچنار سے مستعفی ہو کر شمال مغربی علاقے کی تبلیغ کے نگران اعلیٰ متعین ہوئے۔ اور پنجاب و سرحد میں اوقاف کے نائب متولی نامزد کیے گئے۔

۱۹۳۷ء میں ایک ایرانی خاندان میں دوسری شادی کی۔ اور راولپنڈی میں مستقل قیام فرمایا۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ کا ناخوشگوار تاریخی واقعہ ہوا۔ شیعہ ایجی ٹیشن کے اعلان سے برصغیر میں تہلکہ مچ گیا۔ لکھنؤ میں شیعہ حقوق کے تحفظ اور حسینیت پر جان نثار کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ کشمیر سے دکن تک اور اور پشاور سے کلکتے تک ہزاروں کی تعداد میں قافلے جیل جانے لگے۔ شیعہ تاریخ کا یہ عظیم واقعہ دو عظیم عالموں کے چشم و ابرو کا پابند تھا۔ ناصر الملت ناصر حسین صاحب اور نجم الملت نجم الحسن صاحب ان دونوں بزرگوں کی قوت، اقتدار اور گئے گزرے دینی حالات کے باوجود ایک صدائے "ھل من ناصر ینصرنا" نے ہر طبقے کے ہر فرد کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ افریقہ، عراق، ایران اور دنیا جہان میں جہاں جہاں شیعہ تھے جان و مال قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ لکھنؤ ایجی ٹیشن ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء کی چوبیس گرفتاریوں سے شروع ہزاروں شیعہ لکھنؤ میں

جمع ہونے لگے۔ اتنے بڑے محاذ کا انتظام، آدمی اور روپیہ، وقت کا نازک ترین کام تھا۔ حافظ کفایت حسین نے اس سلسلے میں انتھک محنت کی، لازوال قربانی دی۔ اور اپنے اثر و رسوخ سے مالی اور افرادی طاقت کا یادگار انتظام کیا۔ ایجی ٹیشن کا آغاز دو عالموں نے کیا۔ مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ فاتح قادیان اور مولانا مرزا رضا حسین صاحب اس کے بعد علماء و رؤسا و مومنین نے تیس ہزار افراد کی گرفتاریاں دیں۔ اس کے نتیجے میں شیعوں میں فکری اور عملی انقلاب کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا حافظ کفایت حسین صاحب کی مخلصانہ جدوجہد اور مولانا یوسف حسین صاحب کی بصیرت و جرأت ناقابل فراموش ہے۔

مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ نے حافظ صاحب کو مدرسۂ ناظمیہ میں معقولات کی استادی کا منصب پیش کیا۔ کیا اور ثالث النیرین لقب دیا۔ حافظ صاحب کئی سال تک التصریح، حمداللہ، ملا حسن، شمس بازغہ، شرح تجرید، عماد الاسلام وغیرہ کا درس دیتے رہے۔ اس دوران میں ان کی علمی حیثیت کے چرچے اور علما کا اعتراف فضل مزید اعزاز کا باعث ہوا۔ اس وقت حافظ صاحب غازی منڈی میں میرے مکان کے قریب رہتے تھے اور میں نے ان کو بہت نزدیک سے دیکھا۔

۱۹۴۶ء میں نواب رضا علی خان آف رام پور نے قرآن مجید کی تفسیر کے لیے علماء کا بورڈ بنایا۔ حافظ صاحب اس کے رکن ہو کر رام پور چلے گئے وہاں سے لاہور آئے اور نسبت روڈ میں قیام کیا۔

مدرسوں کی جدائی، علمی مراکز قطع تعلق، علماء سے دوری اور لکھنؤ کے کٹ جانے سے، شیعہ ذہنی اور عملی طور پر سخت پریشانی سے دوچار تھے۔ اس وقت مشرقی و مغربی پاکستان میں حافظ صاحب کی ذات مکمل مرکز بن گئی۔ فاروواں میں اختلاف ہوا۔ حافظ صاحب اس ایجی ٹیشن کے سربراہ ہوئے۔ شیعہ حقوق کے مسائل میں حافظ صاحب رہنما رہے۔ انھوں نے ۱۹۴۸ء میں ادارۂ تحفظ حقوق شیعہ کی بنا ڈالی اور مدت تک اس ادارے کی توانائی کا باعث رہے۔

۱۹۵۶ء میں شہزادہ معظم جاہ نے عشرۂ حیدرآباد دکن کے لیے طلب فرمایا۔ آپ نے پانچ تقریریں کیں اور گہری یادیں چھوڑ کر لاہور واپس آئے۔

۱۹۵۷ء میں حکومت پاکستان نے ملک میں اسلامی قانون جاری کرنے کی تجویز کو بروئے کار لانے کے لئے ایک بورڈ بنایا۔ حافظ صاحب اس بورڈ کے رکن تھے۔ جسٹس شریف صاحب چیئرمین کہتے تھے کہ بورڈ نے بے شمار اکابر سے دین پر گفتگو کی۔ لیکن حافظ صاحب نے دین کی جتنی جامع تعریف کی وہ اس سے پہلے نہ دیکھی تھی نہ سنی۔ "دین، درحقیقت اہل حقوق کے حقوق پورا کرنے کا نام ہے"۔

انجمن وظیفہ سادات و مومنین: حافظ صاحب مرحوم کا اہم ترین کارنامہ انجمن وظیفہ سادات و مومنین کا

پاکستان میں احیاء و قیام ہے۔ حافظ صاحب نے اس مفید ادارے کے لیے غیر معمولی جد و جہد کی اور ادارے کو طویل زندگی اور قوت سے ہم کنار کیا۔

امامیہ قرائت کالج، حافظ صاحب نے قرآن مجید کی صحت تلاوت اور حفظ کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جو اب تک بحمدہ قائم ہے۔

۶۲ء میں اوقاف بورڈ اور مشاورتی کونسل کا رکن بھی متعین کیا گیا۔

غرض ہر قومی مسئلہ میں وہ آگے تھے اور ہر دینی معاملے میں ان سے رجوع ہوتی تھی۔ چنانچہ تحریک ختم نبوت میں حافظ صاحب کی تقریروں نے تہلکہ ڈال دیا تھا۔ اور وہ مسلمانوں کے مسلم الثبوت قائد بلانے گئے۔

سن ۱۹۶۳ء میں بعض جاہ پسند لوگوں نے ان کے خلاف شدید ہنگامہ برپا کر دیا۔ حافظ صاحب نے عظیم صبر و تحمل سے ان مصائب کو برداشت کیا۔ مگر ان کے دماغ نے جواب دے دیا۔

اپریل ۱۹۶۴ء میں وہ حج کی نیت سے کراچی روانہ ہوئے۔ کراچی پہنچ کر دماغی فالج اور دل نے انھیں بے جان کر دیا۔ وہ بیمار ہو گئے اور ایسے بیمار ہوئے کہ دوبارہ تندرست نہ ہو سکے۔ علالت کے طویل عرصے میں ملک کے تمام مسلمان ان کی صحت کے لیے دعائیں کرتے اور ان کی ایک جھلک دیکھنے کو ترستے تھے۔

۱۹۶۶ء میں خدا نے حج کی تمنا پوری کی، وہ زیارات عراق اور حج سے مشرف ہوئے۔ یہ سفر ان کی معذوری کے عالم میں تھا۔ دو سال سے وہ صاحب فراش تھے۔ اس کے باوجود بحرین میں ان کا غیر متوقع طور پر بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ مفتی فلسطین ان سے ملے اور احترامات کا اعتراف کیا۔ نجف اشرف میں آیۃ اللہ السید محسن الحکیم (متوفی ۱۳۹۰ھ) نے بڑی شفقت فرمائی۔ اپنے معالج خاص سے علاج کروایا۔ آپ مناسک حج خود بجا لاتے اور مدینہ منورہ کی زیارت کے وقت کافی صحت مند رہے۔

مئی ۱۹۶۸ء کو ان کی حالت بہت بگڑ گئی۔ وہ گنگا رام ہسپتال میں داخل کیے گئے، جناب نواب مظفر علی خاں قزلباش نے انتہائی توجہ سے ان کا علاج کروایا۔ ان کی اولاد نے روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ لیکن وقت معین ہو چکا تھا۔

۵ محرم ۱۳۸۸ھ، ۵ اپریل ۶۸ء پنجشنبہ کا دن گزر کر رات کو نو بجکر بارہ منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور لاہور اشک و آہ کے طوفان کی نذر ہو گیا۔

جمعہ کے دن صبح آٹھ نو بجے جنازہ اٹھا اور لاہور کے ذوالجناح روز عاشورہ کے راستوں سے ہوتا ہوا چلا جنازے پر فضا سے پھول برسائے جا رہے تھے۔ زن و مرد فریاد و فغاں کر رہے تھے۔ معززین شہر، شیعہ اور سنی ہمراہ تھے۔ ڈیڑھ بجے کربلا گامے شاہ میں جنازہ پہنچا۔ میں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دو بجے کے بعد مولانا آزاد کی قبر کے قریب حافظ صاحب سپرد لحد ہو گئے۔

حافظ کفایت حسین صاحب، انکساری، ہمدردی و سادگی کا مجسمہ تھے۔ بھاٹی دروازے میں ایک نانبائی نے راستہ روک کر کہا۔ حافظ صاحب دس سال سے کہہ رہا ہوں۔ مجھ غریب کی دعوت قبول کریں۔ آپ کوئی نہ کوئی عذر کر دیتے ہیں۔ آج میں جانے نہ دوں گا۔ حافظ صاحب نے اپنے چھوٹے لڑکے سمیت قدم بڑھائے اور تنور کے پاس بیٹھ گئے۔ اس نے روٹی اور چنے کی دال پیش کی۔ راستے میں جو یہ منظر دیکھتا کھڑا ہو جاتا تھا۔ سب حیران تھے، یہ کیا ہو رہا ہے۔ کوئی صاحب کہتے تھے روٹی دال لے کر مسجد چلے جاتے، کسی کی رائے تھی، حافظ صاحب کے پاس پیسے نہ تھے۔ حافظ صاحب کھانا نوش فرما کر دوکان سے نکلے تو لوگوں نے گھیر لیا۔ سوال شروع کر دیئے۔ آپ ایک ایک کو واقعہ بتلاتے رہے۔ اور مسکراتے رہے۔ کوئی ناپسندیدگی کا اثر نہ تھا۔

حافظ صاحب سنی شیعہ، امیر غریب میں یکساں ہر دلعزیز تھے۔ وہ بہت بڑے خطیب تھے۔ ان کی تقریر فلسفہ و آیات کا بھاری پن لیے ہوتی تھی۔ لیکن خداداد کشش اور روانی کی بدولت ہر شخص داد دیتا تھا۔ ہر مذہب کا آدمی سنتا اور سر دھنتا تھا۔ احمدی، آریہ، سکھ، عیسائی، سنی شیعہ ان کی قوت استدلال اور علم کے معترف تھے۔ سنی علم دوست ان سے مستفید ہوتے تھے۔ ان میں ایک سردار عبدالرب نشتر، ان کے پشاوری عقیدت مند تھے جو پاکستان بننے کے بعد گورنر پنجاب ہوئے۔ حفظ و تجوید و قرأت و تفسیر و علوم قرآن میں مقابلہ اور بلا مقابلہ ہمیشہ غیروں نے اعتراف فضل کیا۔ آپ تلاوت میں سلام کا جواب دیتے، گفتگو فرماتے اور تسلسل و روانی کے ساتھ بلا اعادہ تلاوت شروع کر دیتے۔ ایک گھنٹے میں پانچ پارے ان کی عادت تھی۔ وہ روزانہ نصف قرآن اور ماہ مبارک میں ہر رکعت میں ایک قرآن مکمل کرتے تھے۔ لکھنؤ، اٹاوہ، نشکار پور، میرٹھ، حیدرآباد، سیالکوٹ، غرض متعدد مقامات پر تلاوت کے باوقار مظاہروں میں فضلاء سے داد لی۔ اور قابلیت کا لوہا منوایا۔

حافظ صاحب مناظر تھے، مگر جو انھیں چیلنج کرے، ورنہ طبعاً اور اصولاً وہ محبت کے پیامی اور اتحاد کے حامی تھے۔ ان کی مجلس، امام باڑہ، مبارک بیگم بھاٹی دروازہ میں خصوصاً سنی اکابر بہت زیادہ شریک ہوتے رہے۔ ہیئت و کیمیا، فلسفۂ ملا صدرا، پر انھیں عبور تھا۔ علم کے ساتھ ساتھ ادب و قدیم فنون سپہ گری، بانک بنوٹ لاٹھی، تیر اکی بھی خوب جانتے تھے۔ ان کا بدن ورزشی اور سڈول تھا، شیروانی اور عمامہ ان پر سجتا تھا۔ مگر لباس کی پروا کبھی نہ کی۔ اپنی قابلیت پر ناز کبھی نہ کیا۔ تقریروں کی کثرت نے انھیں کسی موضوع پر کچھ لکھنے نہ دیا۔ زبردستی مضمون لکھا کرتے تھے۔ ان کی زبان اور تحریر بہت سادہ ہوتی تھی۔ لہجے میں تاثیر اور درد تھا۔ جدید سائنس بھی جانتے تھے۔ ان کی متعدد تقریریں بھی چھپی ہیں۔ امامیہ مشن کے ماہنامہ پیام عمل جولائی ۱۹۶۸ء میں ان کی تصویریں تحریریں اور تقریر اور سیرت و سوانح پر مفصل معلومات مہیا کی گئی ہیں۔

بے نیازی، قناعت، ایثار ان کی امتیازی علامت تھی۔ لوگوں کی حاجت برآری کا یہ حال تھا کہ دن رات

لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ حافظ صاحب جب کسی کے بارے میں سفارش کر دیتے تھے تو ہر شیعہ حافظ صاحب کا حکم بجا لاتا تھا۔ وہ کبھی کسی کے ساتھ جانے میں تامل نہ کرتے تھے۔ ان کی وفات نے لاہور کی علمی ساکھ کو اور شیعوں کے مرکز کو کمزور کر دیا۔

اولاد: حافظ صاحب کی پہلی زوجہ سے ایک فرزند محمد کاظم اور متعدد صاحبزادیاں ہیں۔ فرزند بہت نیک اور اچھی تعلیم کے ... مالک ہیں دوسری اہلیہ سے کئی صاحبزادیاں اور پانچ فرزند ہیں • محمد مہدی • حسن مہدی • حسین مہدی • علی مہدی،

کلب باقر نصیر آبادی، مجتہد

حدود ۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء
۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء

مولانا سید کلب باقر بن کلب حسین بن ولی محمد حسین (کہ وہ دونوں بھی مجتہد کہے جاتے تھے۔ نصیر آباد میں ولادت ہوئی۔ وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے لکھنؤ آئے وہاں سے تکمیل علوم کے بعد عراق گئے اور متعدد علماء سے اجازات لیے جن میں جناب محمد سعید بن محمود بن سعید نجفی، آیۃ اللہ مرزا محمد تقی شیرازی آقای عباس نجفی اور سید کاظم یزدی کے نام سر فہرست ہیں۔ مولانا سید کلب باقر بڑے فقیہ اور بے حد پارسا بزرگ تھے۔ آپ کے عربی اشعار اہل زبان کی لطافت و معنویت رکھتے تھے۔ راجہ ابو جعفر صاحب کے عراقی اوقاف و جائداد کی مینجری اور وقف نواب مبارک محل لکھنؤ کی تقسیم آپ کے سپرد تھی۔ اور پانچ پانچ سو روپیہ تنخواہ تھی۔ تقریباً پچھتر سال کی عمر پاکر کربلا میں بتاریخ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۱ء رحلت کی۔

تلامذہ: • مولانا سبط نبی صاحب۔ • مولانا یوسف حسین صاحب۔

فرزند: • کلب مہدی صاحب۔

تصانیف: منظوم دلائل ... فی العقائد منظومہ عربیہ۔ • درۃ الفاخرہ، فقہ۔ (بے بہا ص ۳۰۰، مذ...) الکربلہ یعنی منظومہ فی المجالس، نزہۃ ج ۸ ص ۳۷۷)

۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

مولانا سید کلب مہدی ابن مولانا سید کلب باقر صاحب نقوی جائسی کربلا میں ہجرت کر گئے تھے وہیں ... ۱۹۳۰ء کو کربلاء معلےٰ میں وفات پائی۔

کلب ... عمدۃ العلماء:

۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۲ء
۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء

... قبیلہ نصیر آباد جائس کے معزز خاندان سے تھے۔ ان

کے والد علام قدوۃ العلما مولانا سید آقا حسن صاحب لکھنؤ کے اساطین علماء اعلام میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ آپ کے نانا جناب میر آغا صاحب (متوفی ۱۳۲۳ھ) فقہاء لکھنؤ میں بڑے فقیہ تھے۔ مولانا کلب حسین صاحب قبلہ نے ۶، شعبان ۱۳۱۱ھ بمقام لکھنؤ ولادت پائی اور "علی اختر" تاریخی نام ہوا۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ سلطان المدارس میں داخل ہو گئے جو آپ کے گھر سے قریب تھا۔ مدرسے کے اساتذہ میں جناب محمد رضا صاحب، جناب سید محمد ہادی صاحب قبلہ، جناب سید باقر صاحب قبلہ اور گھر پر اپنے والد بزرگوار سے پڑھ کر صدر الافاضل کی سند لی۔

گھر کی روایت اور والد بزرگوار کی مرجعیت کے شباب میں مولانا کلب حسین صاحب ناز و نعم اور علم و عمل کے ملے جلے ماحول میں پلے بڑھے۔ وہ شگفتہ مزاج شاعر اور ذہین طالب علم تھے۔ مدرسہ کے ساتھیوں میں مولانا عبد الحسین، مولانا میرن صاحب، مولانا زین العابدین صاحب اور دوسرے بلند مرتبہ حضرات کی معیت نے جوہر چمکائے۔ مولانا آقا حسن صاحب نے صدر الافاضل کے بعد فرزند کو نجفِ اشرف بھیج دیا۔

تین سال تک نجفِ اشرف و کربلاء معلےٰ کے اکابر علما سے استفادہ کے بعد لکھنؤ آئے اور والدِ علام کے معاملات میں ہاتھ بٹانا شروع کیا۔ خدا نے قوت بیان اور ملکۂ خطابت مرحمت فرمایا تھا۔ اس لیے منبر کو زینت بخشی اور دن بدن ترقی کرتے گئے، اس وقت شیعہ خطابت کے افق پر شمس العلما، خطیبِ اعظم مولانا سبطِ حسن، مولانا محمد رضا صاحب فلسفی، مولانا محمد حسین صاحب محققِ ہندی جیسے اکابر ضو فشاں تھے۔ جناب مولانا کلب حسین نے مطالعہ اور محنت سے ان بزرگوں کے سامنے شہرت و ناموری کے مدارجِ عالیہ طے کیے۔

۱۳۴۸ھ میں جناب قدوۃ العلما مولانا آقا حسن صاحب کی رحلت کے بعد مولانا کلب حسین عرف کبن صاحب پر بے شمار ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑا، مسجد آصف الدولہ کی امامت جمعہ و جماعت، ملازمان کے انتظامات، جناب مرحوم کے مقلدین کا مرجع، قومی معاملات کی دیکھ بھال، اور اس کے ساتھ علوم اسلامی کی کتابوں کا سلسلۂ اشاعت شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کا انصرام، امرا و غربا سے ملاقات، سینکڑوں کے خطوں کے جواب اس پر ذاکری مستزاد، مولانا کبن صاحب قبلہ نے تمام امور یوں سنبھالے کہ لوگوں کو جناب مرحوم کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ شدید سے شدید مشکلات میں خندہ پیشانی سے ملنا، بڑے سے بڑے دشمن کو گلے لگانا، غریبوں کی خدمت اور خدمت میں جفاکشی، قوم کی اصلاح و فلاح میں شب و روز محنت، ہر اچھے کام میں تعاون، ہر انجمن سے محبت، مخالفت کی پرواہ کیے بغیر ممکن حد تک شرکت، متحارب اور مخالف گروہوں سے رابطہ ان کے کمالات پر دلیل تھا۔

ہر انجمن انھیں اپنا سرپرست جانتی تھی، برصغیر کے ہر گوشے تک ان کی آواز پہنچتی تھی، شیعہ ایجی ٹیشن میں ان کی قید اور سنی شیعہ اسٹیج پر ان کی تقریر، شیعوں کی زعامت اور سنیوں سے اتحاد ان کی شخصیت کا روشن پہلو

ہے۔ ان صفات نے انھیں حیرت انگیز محبوبیت بخشی تھی۔ جناب نجم الملت اور ناصر الملت کے بعد مرجعیت میں ان کی ذات منفرد ہو گئی تھی۔ ان کی سب سے بڑی مصروفیت مجالس تھیں۔ وہ برصغیر کے گوشے گوشے میں پہنچے مگر جمعہ کے دن آصف الدولہ کی مسجد میں نماز بہر حال ادا کی۔ محرم میں عشرۂ مجالس کی گنتی دشوار ہے لیکن غفران مآب کے امام باڑے اور چھوٹی رانی کے عزاخانۂ اقبال منزل کی مجلسیں یادگار تھیں۔ خطابت میں ان کا اسلوب بہت دل کش تھا۔ ان کا لہجہ نرم، انداز بیاں سادہ، زبان شیریں و فصیح، مطالب لطیف و عام فہم و عالمانہ، کوثر کی روانی، سلسبیل کا بہاؤ، منبر کا وقار اور آواز کا دھیما پن، نہ چیخ پکار نہ دبی ہوئی صدا، ہزاروں کا مجمع مگر دور دور تک آواز پہنچ رہی ہے۔ آواز کے ساتھ سامعین کا حضور ذہن، درود و داد، گریہ و فریاد ساتھ ساتھ جب چاہا مجمع درود پڑھنے لگا۔ جب چاہا رُلا دیا۔ پھر مصائب میں تصنع نہ فضائل میں غلو۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر کی سطح پر ہوا کے جھونکے ہلکا ہلکا تموج پیدا کر رہے ہیں۔ برصغیر کے راجہ مہاراجہ، امیر غریب ہر ایک بلاتا۔ ہر ایک قربان ہوتا اور ہر ایک غیر معمولی حد تک پسند کرتا تھا۔

افریقہ، عراق، ایران، ہر جگہ ان کی عزت تھی اور تمام شیعہ ان کو اپنا مرکز عقیدت مانتے تھے۔

علم، ذہانت، عمل، تقدس بے نفسی، بے غرضی، خلوص، ایثار غرض حسن اخلاق و حسن کردار کی حسین ترین مثال تھے۔ انھیں تمام سیاسیات فن آتے مگر دیکھیے تو سادگی کی انتہا تھی۔ بیٹھیے تو محبت و شفقت کا مجسمہ، کسی کا دل دکھانا ممکن ہی نہ تھا۔ ہر شخص سمجھتا تھا جناب کو جتنی محبت اس سے ہے کسی سے نہیں۔ لوگوں کے گھروں پر بے تکلف جانا۔ چھوٹے بڑوں سے بے تکلف ملنا جب یاد آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

قوم کے فکری، اخلاقی، علمی اور اقتصادی معیار بلند کرنے کے لیے رسالے نکالے۔ الناطق، بلاغ، سحاب، ادارے قائم کیے۔ بیت المال، ادارۂ اقتصادیات، جماعتوں اور اداروں کے لیے بنیادی کام کیے۔ مدرسۂ ناظمیہ، [illegible] شیعہ کانفرنس، سرفراز اخبار اور آخر میں سلطان المدارس کی عمارت کا حکومت سے بچانا [illegible] ان [illegible] کردگی سے حکومت جھکتی تھی، مسلمان بھروسہ کرتے تھے اور شیعہ ان کا حکم مانتے تھے۔ آخری دور میں ان جیسی باعمل شخصیت کا جواب نہ تھا۔ وہ عراق و ایران گئے۔ وہ پاکستان آئے۔ سب نے یہ جانا کہ ان کا سردار آیا ہے اور ایسی محبت و عقیدت کے مظاہرے کیے جس کا جواب نہیں۔ جناب مرحوم مولانا کلب عابد صاحب کی واپسی عراق ۱۹۶۸ء کے بعد آہستہ آہستہ انھیں اپنا معاون بناتے گئے۔ خدا نے فرزند بھی ایسا سعید و صالح با صلاحیت و باوقار عطا کیا جس کی مثال نہیں دیکھی۔ مگر وہ اپنے معاملات اور ذمے داریوں سے فرار نہیں چاہتے تھے۔ اور فرزند کو آگے لاکر آرام مطلوب نہ تھا۔ وہ جب تک چل پھر سکے۔ کام کرتے رہے [illegible] تو خطوں کے جواب اب ہی

لکھا گیے۔ ۔ ایک وقت مدت سے چلا آرہا تھا اب وہ بھی بند ہوگیا تو مجبور ہو گئے تھے۔ پھر بھی فینس میں بیٹھ کر کلب صادق صاحب کی مجلس سننے گئے اور کہا خدا کا شکر ہے کہ منبر پر میری آواز اور محراب میں میری تصویر آگئی۔

بہتر تہتر برس کی عمر، ساری زندگی کی محنت نے کمزور سے کمزور تر کر دیا۔ خطرناک بیماری میں ہر ممکن علاج کیا گیا قیمتی اور نادر دوائیں دی گئیں مگر وقت آخر آیا اور عمدۃ العلما ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۳ء جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ کو دنیا سے رخصت ہو گئے۔ سینکڑوں بیوہ اور یتیم لاوارث ہو گئے اور قوم کا مرکز توی ختم ہوگیا۔ شام غریباں کا پہلا ذاکر اور گذشتہ روایت کا عظیم سرچشمہ رک گیا۔ تمام عالم تشیع میں کہرام مچ گیا اور محرم کے بعد دوبارہ محرم آگیا لکھنؤ میں فلفلے پہنچنے لگے۔ جنازہ دریا پر گیا، ہندو مسلمان سنی شیعہ ہزاروں کا مجمع اور لاکھوں تعزیت اور پرسہ دینے والوں کا اجتماع تھا۔ جنازے کے ساتھ بے شمار ماتمی دستے تھے۔ امام باڑہ غفران مآب میں زیر منبر دفن کیے گئے تو بے شمار لوگوں نے قبر کی مٹی تبرک کے طور پر اٹھائی۔ مولانا کلب عابد صاحب قبلہ نے مجھے لکھا کہ جناب کا سوگ یوں منایا گیا کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ فقط میرے گھر کا سانحہ ہے۔
مجھ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ بدنصیبی کہ میں لکھنؤ نہ جا سکا۔ جناب مرحوم کا عطا کردہ اجازۂ روایت میرے پاس ہے جس پر مجھے ناز ہے۔

تالیفات و خدمات: مولانا کلب حسین صاحب قبلہ بڑے فعال اور محنتی تھے۔ اس کے باوجود وہ سینکڑوں کے جواب مسئلوں پر فتوے اور مضامین و مقالات لکھتے تھے۔ ان کے مستقل تالیفات میں ایک کتاب

- مجالس الشیعہ ہے جو پاکستان میں چھپ چکی ہے۔

اولاد: مولانا کلب عابد صاحب قبلہ فرزند اکبر اور جانشین جد و پدر ہیں۔ مولانا اپنے کردار اور مزاج میں میرے ساتھیوں اور معاصرین میں سب سے بلند اور سب کے لیے قابل فخر ہیں۔

- سید کلب ہادی صاحب پاکستان میں ہیں۔ • کلب صادق صاحب صدر الافاضل پی ایچ ڈی جناب کلب باقر صاحب جناب کلب محسن صاحب۔

کلّو، فیض آبادی:

بعد ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۷ء

تاریخ جہاں نما میں تحریر ہے کہ میر کلو فیض آبادی فیض آباد کے مشہور علماء و فضلاء میں تھے اور ادب (عربی و فارسی) میں خاص درجہ رکھتے تھے، یہ تحریر ۱۲۲۲ھ کی ہے۔ (بے بہا: ۲۹۵)

کمال الدین موہانی

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء
۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

مولانا حکیم سید کمال الدین موہانی قصبہ موہان میں متولد ہوئے۔ ان کے والد سید نظام الدین حسین رضوی فاضل و طبیب تھے۔ فرزند کو دس برس کی عمر میں تعلیم و تربیت کے لیے لکھنؤ بھیج دیا۔ کمال الدین نے لکھنؤ کے جن معزز اساتذہ سے درس لیا۔ ان میں مولانا تراب علی و مولانا سراج سے معقولات اور جناب مولانا سید محمد صاحب سلطان العلما اور مولانا سید حسین صاحب سید العلما سے علوم دینیہ حاصل کیے۔ تیرہ سال میں وہ درجۂ فضیلت پر فائز ہوئے۔

کمال الدین صاحب زمیندار تھے۔ لیکن شوقِ علم میں وہ جائداد کا خیال دل سے نکال چکے تھے۔ انھوں نے ایک سچے طالب علم کی طرح عاجزی و انکساری خلوص و للّٰہیت کی زندگی گذاری۔ وہ کثیر العیال و پریشان حال تھے۔ اس کے ساتھ ہی کھانے پہننے کی پروا نہ کرتے تھے۔ گھر میں جو مل گیا۔ اسے ہنسی خوشی کھالیا اور پہن لیا۔ نہ کسی سے شکایت تھی نہ کسی سے حشر مندگی و احسان مندی۔ ان کے تدیّن اور بے طمعی سے متاثر ہو کر سید العلما علیین مکاں نے تبرعات کی تقسیم اور اہلِ حاجت کی داد و دہش ان کے سپرد کر دی تھی۔ ڈھائی سال تک وہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے اور کسی قسم کی شکایت نہ ہونے دی۔

۱۲۶۴ھ میں اپنے نانا مولوی سراج الدین علی خان قاضی کلکتہ کے وقت محلہ اٹالی کی تولیت کے لیے کلکتے گئے۔ واجد علی شاہ نے ان کی قابلیت کا شہرہ سنا تو اپنی سرکار میں طلب کر لیا۔ مولانا نے واجد علی شاہ کے حکم سے بعض کتابوں کی شرح لکھی۔

لکھنؤ اور کلکتے میں ان کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا۔ خیال ہے کہ ان کے زمانۂ قیام لکھنؤ میں شاید ہی کوئی طبیب ایسا پیدا ہوا ہو جس نے ان سے نہ پڑھا ہو۔

قانونِ شیخ انھیں حفظ تھا۔ کبھی کتاب دیکھ کر نہ پڑھاتے تھے۔ علوم فلسفہ کے علاوہ ادب و فقہ میں بھی اتنی صلاحیت و قابلیت تھی کہ مفتی محمد عباس سے عموماً مباحثے رہتے تھے اور بار بار اساتذہ کو صلح کرانا پڑتی تھی چونکہ منطق و فلسفہ کا عنصر غالب تھا۔ اس لیے ہر شخص کی بڑائی ماننے میں تردد رہتا تھا اور معاصر اکابر ناراض ہو جاتے تھے۔ کرٹرہ ابوتراب خان کی مسجد بندہ حسن خان میں مفتی صاحب سے ان سے مدتوں، مباحثے رہے۔

ایک دن مرزا محمد جعفر اوج صاحب سبق پڑھ رہے تھے کہ جناب ممتاز العلما سید تقی کی پینس آتے دکھائی دی۔ حکیم صاحب اُٹھ کر چلے گئے۔ ممتاز العلما کمرے کے پاس آئے اور اوج صاحب سے پوچھا

"تمہارے پاس ابھی کوئی صاحب اور بھی تھے؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں، مولانا کمال الدین صاحب قبلہ تشریف فرما تھے۔ فرمایا مولانا کامل ہیں، مگر ان کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور جو شخص نماز نہیں پڑھتا۔ اس کے کام میں اکثر برکت نہیں ہوتی۔ اوج صاحب نے عرض کی۔ وہ تو جناب ملک العلما (بندہ حسن صاحب) کے مقلد میں نماز انھیں کے پیچھے پڑھتے ہوں گے۔" یہ جواب سُن کر ممتاز العلما کے چہرے پر سُرخی آگئی۔ فرمایا بہت معقول جواب دیا۔ آپ نے استاد کا حق خوب ادا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ معاصر علما سے ان کی نوک جھونک بہرحال رہتی تھی۔

کم و بیش ستر سال کی عمر پاکر ۱۲۹۹ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔ لاش موہان لے کر گئے اور خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔

تلامذہ: (چندنام) • مولانا غلام جبار، حیدر آباد دکن کے ہائی کورٹ کے جج۔ • حکیم سید محمد جواد صاحب

تالیفات: متعدد کتابوں کے حاشیے لکھے:۔ • حاشیہ مجسطی • حاشیہ صدرا • حاشیہ شمس بازغہ۔ • حاشیہ اشارات۔ • حاشیہ متنبی (بے بہا، ۲۹۔ نزہتہ ج ۷، ص ۲۰۱)

کاظم شمشاد: متوفی ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء حجۃ الاسلام شیخ کاظم شمشاد بن شمشاد حسین صاحب ہندی ایک عرصے تک نجف و کربلا میں رہے۔ اور مجتہد جامع الشرائط مانے گئے علامہ الشیخ رضا المظفر کے کلیۃ الفقہ نجف کے مدرس اعلیٰ تھے۔ آیۃ اللہ السید ابوالقاسم الخوئی مدظلہ ان کا احترام کرتے تھے۔ چھپن برس کی عمر میں ۱۹۷۴ء میں نجف میں رحلت کی۔

تصانیف: • تقریرات خوئی و حواشی کتب فقہ و اصول

کلب تقی: ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء مولانا سید کلب تقی صاحب جائس ضلع رائے بریلی کے عالم و مجتہد، لکھنؤ اور نجف سے فارغ التحصیل تھے۔ ۱۹۳۷ء میں رحلت کی۔

کلب حسن: متوفی حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

مولانا میرزا کلب حسن بن احترام الدولہ دبیر الملک میرزا کلب علی خان ہیبت جنگ بن میرزا محمد تقی اصفہانی عالم و فاضل ادیب و متکلم، امیر و سخی تھے۔ ۱۲۴۲ھ میں "جامع اخبار حج" تصنیف کی تھی۔ (تکملہ نجوم السماء۔ ج ۲، ص ۴۴۳)

کلب حسین، باروی: متوفی حدود ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء سید کلب حسین صاحب صدر الافاضل مسجد نواب حسن رضا میں امام جمعہ و جماعت تھے فیض آباد ہی کے شعبہ عربی کالج میں مولوی عالم کو پڑھاتے تھے، مقالہ نگار تھے۔ فیض آباد میں رحلت کی۔

کلب عسکری: متوفی رمضان ۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۰ء عالم و فاضل و مقدس بزرگ تھے۔

(اصلاح کھجوہ)

(گ) گلشن علی : ۱۲۱۴ھ / ۱۷۹۹ء
۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء

مولانا حاجی سید گلشن علی صاحب اپنے وطن سونڈی ضلع جون پور میں ۱۲۱۴ یا ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے "نوبادہ زباغ اقبال" سے تاریخ نکلتی ہے۔ آپ خاندانی رئیس اور اجداد سے علمی روایت کے حامل تھے، ہوش سنبھالا اور سات برس کے ہوئے تو مولوی ذاکر علی ساکن مفتی محلہ سے پھر سید محمد علی صاحب کج گاویں اور مولوی محمد عوض سے مقدمات صرف و نحو وغیرہ پڑھنے کے بعد ۱۲۳۰ھ میں لکھنؤ گئے اور مولوی ولی اللہ فرنگی محلی سے معقولات کا درس لیا فقہ و اصول میں مرزا کاظم علی صاحب اور حدیث و تفسیر میں جناب مولانا حسین علی خان صاحب سے استفادہ کیا طب میں غلام امام ضامن صاحب کے شاگرد تھے اور حکیم فتح علی خان صاحب کے مطب میں بیٹھے۔ سات برس قیام فرماکر ۱۲۳۵ھ میں وطن آئے۔

تحصیلداری، منصفی اور نیابت مہاراجہ بنارس کے فرائض انجام دینے کے علاوہ تعلیم و تدریس کا شغل ہمیشہ جاری رہا۔ ۱۲۶۰ھ میں پہلی مرتبہ سفر حج و زیارات سے مشرف ہوئے۔ ۱۲۶۷ھ میں واپسی ہوئی حاکم حدیدہ نے آپ سے طب اور شریف مدینہ نے علوم ادب کی تعلیم حاصل کی۔ علماء عرب و عجم نے آپ کی قابلیت مانی۔

۱۲۸۱ھ میں دوبارہ سفر مشہد و عراق سے مشرف ہوئے اور اس مرتبہ بھی سات سال کے قریب صرف ہوئے۔ عراق میں ریذیڈنٹ کی نیابت کی کربلا میں درس بھی دیا۔

ستتر (۷۷) برس کی عمر پاکر ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۹۱ھ بنارس میں رحلت کی اور سونڈی اپنے وطن اور اپنے جدی مقبرے میں لاکر دفن کیے گئے۔ تاریخ ہے :

قلت تاریخہا فی مصرعہ   نور اللہ الودود مضجعہ

اور لوح سنگِ مرمر پر منجملہ اور اشعار کے ایک مصرعہ یہ بھی ہے :

پنہاں شدہ بزیر زمیں آفتاب دیں

شیعہ کانفرنس منعقدہ بنارس میں مہاراجہ بنارس ہز ہائنس سر پربھو نرائن سنگھ بہادر جی سی آئی ای نے تقریر کرتے ہوئے شیعہ مذہب کی تعریف کی اور کہا میرے والد کے دیوان حاجی گلشن علی صاحب نے ریاست کو بہت تقویت پہنچائی اور ان کے حقوقِ خدمت بہت زیادہ ہیں۔

تصانیف : • حواشی کتب درسیہ عربی میں نصیحت نامہ ترجمۂ احادیث • جواب باصواب رد عرض نیک • کفایۃ الحساب شرح خلاصۃ الحساب بہت مبسوط ہے اور اردو میں ہے۔

ل دیکھیے صفحہ مابعد

اولاد : مولوی محمد حسن صاحب لکھنو میں تھے۔ بڑے بزرگ و مقدس تھے۔ لندن بھی گئے تھے۔
شاگرد : • مبارک حسین کربلائی ۔ • سید محمد علی صاحب بنیرہ • حکیم مرتعش صاحب مرحوم ۔ • مولوی محمد علی کشمیری
• مولوی علی نقی صاحب ۔ • مولوی حکیم سید ابوجعفر بنارسی ۔ • حاجی حافظ مولوی امداد علی صاحب ۔
• حافظ شیخ محمد علی صاحب بنارسی ۔ • مولوی مرزا صادق علی ۔ • مولوی مرزا عابد علی ۔ • حکیم شمس الدین علیخاں
• محمد مرزا صاحب حکیم احمد مرزا صاحب • حکیم مرزا جعفر علی صاحب ۔ • مولوی سید داجد علی صاحب
آپ کے پوتے مولوی سید محمد رضی الدین صاحب متولی وقف امام باڑہ حسنیہ ہو گئی ۔
(بے بہا: ۳۰۴ ۔ تاریخ شیراز ہند ص ۱۱۷)

لہ ۔ مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ میں عہد نبوی سے آج تک شیعوں کی تعداد اور اہمیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی، حکومتوں نے تعصب اور ظلم ستم کی حدیں ختم کر دیں، مگر حسنی و حسینی سادات کی بالادستی برقرار رہی ۔ حرم مکہ میں جہاں حنفی، شافعی، حنبلی مصلے تھے وہاں شیعہ مصلے تھے اور شیعہ پیش نماز الگ پڑھتے تھے ۔ آٹھویں صدی میں وہ ختم ہوا، اس کے باوجود جب بھی سیاسی قوت اُبھری ان کی انفرادیت سامنے آئی ۔ میں نے ۱۸۶۹ء اور ۱۹۷۷ء میں دو مرتبہ شرف حج حاصل کیا۔ اور وہاں کے علما و امرا و عوام شیعہ سے ملاقاتیں کی ہیں ۔ مذکورہ بالا حوالہ تیرہویں صدی ہجری کا ہے ۔ اس دور پر تاریخی نوٹ کی گنجائش نہیں ۔ صرف ایک قلمی سوانح اور مولانا اعجاز حسن صاحب بدایونی کی تحریر نذر قرطاس ہے ۔ اللہ نے مدد کی تو یہ بحث پھر کروں گا ۔

مولانا شیخ اعجاز حسن صاحب بدایونی کے الفاظ ہیں :-

"ہم لوگ جناب مرزا محمد ہادی صاحب خلف جناب مرزا فصیح مرحوم کے مکان میں مقیم تھے، مرزا صاحب کو بنگالیوں کے مطوف تھے ۔ مگر سلطان الحجاز، شریف عون الرفیق کے آپ مصاحبین خاص میں سے تھے ۔ آپ کے ذریعے سے والد (جعفر حسن صاحب) کی ملاقات شریف صاحب سے ہوئی پھر تو والد صاحب ہر روز بلائے جاتے تھے ۔ ایک دن میں بھی ہمراہ گیا، چار گھنٹے سے زیادہ تخلیہ رہا، شریف صاحب برابر مذہبی امور کا والد سے تذکرہ کرتے رہے، شریف صاحب ممدوح پکے حیدری شیعہ تھے، شریف نے والد کو بہت سی اشرفیاں دینی چاہیں لیکن والد نے قطعی انکار کر دیا، یہ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں مکے میں اطفال شیعہ کی دینی تعلیم کے واسطے ایک مدرسہ جاری کر دیجئے ۔ اس تحریک کو شریف صاحب نے بطیب خاطر منظور فرمایا اور حکم نامہ تحریر فرما دیا ۔" (کتاب مذکور تحریر ۱۲۴۲ صفحہ ۲)

(ل) لُطف حسین، نحوی:

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

لکھنو کے مشہور عالم و مقدس اور قابلِ احترام مدرسین میں تھے، فنِ نحو میں خاص مہارت تھی اس لیے نحوی مشہور تھے۔ مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ آپ کے شاگردِ خاص تھے۔

۱۳۰۰ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔

لُطف علی خان، بھکّری:

سید لطف علی خان محمد شفیع، سید یوسف بھکری کی اولاد سے تھے، قطب الملک نے انھیں دربارِ شاہی سے لطف علی خان لقب دلوایا تھا۔

تصنیف طلسمِ سعادت (مذہب شیعہ کی حمایت میں) (مقدمہ دیوان محسن تتوی ص ۲۰)

لقا علی، حیدری:

حدود ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۰ء
۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

واعظ و مبلغ جناب لقا علی صاحب حیدری بدایونی (مسلم مشنری) انتہائی ذہین و ذکی، اسلام کی تبلیغ کے داعی، خطیب و صاحبِ قلم مصنف سرکاری ملازمت میں رہتے ہوئے عیسائیوں، آریوں اور ہندؤں اور قادیانیوں سے مناظرے کرتے اور عام اجتماعات میں دینِ اسلام پر دلکش انداز میں تقریر کرتے تھے۔ مدرسۃ الواعظین لکھنو قائم ہوا تو نوکری چھوڑ کر مدرسے میں داخلہ لیا اور مبلغ کی حیثیت سے متحدہ ہند کے چپے چپے اور افریقہ، چین، برما، سیلون تک دورے کیے۔ تقریر میں ہندی اور انگریزی مصنفین کے حوالوں میں طویل عبارتیں رواں پڑھتے۔ بلا کا حافظہ تھا۔

طویل عمر پاکر محرم ۱۳۸۴ھ، ۲ر جون ۱۹۶۴ء کراچی میں رحلت کی۔

تصانیف: • الامامیہ (طبع کراچی ۱۹۵۲ء) • شہید کربلا کی کہانی ایک بیوہ کی زبانی اردو نیز انگریزی
• شیعہ اور سنی بھائیوں کو ایک صلاح نیک۔ • قادیانی کتاب حیاتِ مسیح از قرآنِ پاک پر تبصرہ۔
• کتاب الموافقۃ والمصالحۃ نواب پریا زاں پر اضافہ • الجنۃ۔ • فلسفۂ موت و حیات۔

۴ مجتبیٰ حسن : ۱۳۲۱ھ / ۱۹۱۳ء
۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

علامہ سید مجتبیٰ حسن بن سید محمد نذیر صاحب کاموں پور ضلع غازی پور (ہند) کے مشاہیر علما میں تھے ۱۳۲۱ھ کو ایک متدین گھر میں پیدا ہوئے، مئو اور بنارس میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے کچھ عرصے مدرسۂ ناظمیہ اور سلطان المدارس لکھنؤ میں رہے۔ بچپنے سے شعر و ادب کے دلدادہ اور قدیم و جدید کی تفریق سے بیزار اور نئی نسل کو نئے انداز سے تعلیم دین دینے کے خواہش مند تھے۔ محنت و مطالعہ خمیر میں داخل تھا۔ ایک ایک سال میں دو، دو امتحان دیئے۔ الٰہ آباد بورڈ اور لکھنؤ یونیورسٹی سے عربی، فارسی و اردو کی سندیں حاصل کیں۔ سلطان المدارس سے ۱۹۳۰ء میں صدر الافاضل پاس کیا۔ یعنی شرح لمعہ، قوانین، فصول، شرح مطالع الانوار، ملا صدرا، حمد اللہ، تشریح الافلاک، نہج البلاغہ، متنبی کا دیوان، حماسہ، شرح تجرید، معالم الحق، شرح کبیر، رسائل و اصول کافی کا درس لیا۔

اساتذہ میں، مفتی محمد علی صاحب، مولانا سید محمد ہادی صاحب، مولانا محمد رضا صاحب، مولانا عالم حسین مولانا سبط حسن صاحب کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ صدر الافاضل کی سند ملتے ہی پٹنہ کے مدرسۂ دینیہ میں استاد مقرر ہو گئے۔ اس مدت میں عربی، فارسی و اردو میں سیکڑوں مضامین و مقالات اور بے شمار منظومات لکھ ڈالے۔ طبیعت میں بلا کی آمد، اور خیالات میں غضب کا ہیجان تھا۔ مطالعہ کا شوق فراواں اور لکھنے کا ملکہ پاک و ہند کے تمام شیعہ رسائل و اخبارات میں لکھتے تھے۔ نئے سے نئے موضوع اور قدیم مباحث پر تحقیق، قوم کی علمی برتری کی لگن، جوانوں میں تبلیغ کا شوق، جدید علوم پڑھنے والوں سے خطاب، ادب و تاریخ کے حوالے سے قدیم و جدید کو ہم آہنگ کرنے کی مہم چلائی۔ دینی مدارس کا پرانا نصاب، شیعہ سنی نظام فکر کا پیچ انھیں اچھا نہ لگتا تھا۔ وہ مشرقی علوم کی عظیم دانش گاہ "ازہر" اور نجف میں رہ کر تجربے کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ۱۹۲۵ء میں مصر گئے اور ۱۹۳۶ء میں الازہر کے منتظمِ اعلیٰ نے داخلہ منظور کر لیا۔ ازہر میں مولانا مجتبیٰ حسن سے پہلے کسی ہندی طالب علم کو داخلہ نہیں ملا تھا۔ انھیں ازہر میں تعصب کا نیا عالم نظر آیا۔ وہاں کسی شیعہ کا گزر بھی نہ ہو سکتا تھا۔ مولانا بھی اظہارِ تشیع کے بغیر داخل ہوئے تھے۔

امتحان کے بعد مولانا مجتبیٰ حسن صاحب نے "ازہر" سے "ام المومنین عائشہ" پر ریسرچ کی منظوری لی اور شب و روز کی انتھک محنت کے بعد دو ہزار سے زائد صفحات لکھ کر اساتذہ کو دکھائے۔ جامعہ کے بورڈ نے پوری چھان بین اور امتحان کے بعد انھیں فلسفۂ تاریخ و تربیت و اخلاق پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی۔ مولانا مجتبیٰ حسن کاموں پوری نے مصر میں انقلابی نظریات، ادبی تحریکات اور مشہور علمی شخصیتوں کو قریب سے دیکھا۔ ابھرتے ہوئے مصر کے

مشاہیر علم و تحقیق سے ملاقاتیں کیں۔ حافظ ابراہیم، شوقی، طنطاوی جوہری، ڈاکٹر امین، حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر طٰہٰ حسین سے دوستانہ روابط استوار کیے۔ انھیں علوم آلِ محمدؐ سے متعارف کرانے کی کوشش کی۔ اس دور میں محمد عبدہ نے "نہج البلاغہ" کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا تھا۔ محمد عبدہ کے شاگرد رشید رضا اور طنطاوی جوہری کی تفسیر کے چرچے ہو رہے تھے۔ اس وقت مجتبیٰ حسن صاحب نے "صحیفۂ کاملہ" کے مطالعہ کو عام کرنا چاہا۔ آخر بعض بڑے بڑے مفکرین نے صحیفہ پر بہت اچھے اچھے مضامین لکھے۔ پانچ سال تک مصر میں قیام رہا۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری اور انسان شناسی کا تجربہ لے کر نجف و کربلا ہوتے ہوئے ۱۹۴۰ء میں لکھنؤ وارد ہوئے

صحافت و سیاست، جدید و قدیم کا فرق ختم کرنے، قوم کے فکری نظام کی اصلاح، ان کے رجحانات کے مقاصد تھے۔ اس لیے قومی حلقوں نے ان کا خیر مقدم کیا۔ وہ لکھتے رہے، بولتے رہے، پڑھتے رہے پڑھاتے رہے۔ اس کے سوا انھیں اور کوئی دھن نہ تھی۔ نہ کھانے کی پرواہ، نہ پہننے کا شوق، نہ پروپیگنڈے کا سلیقہ، نہ ظاہر داری کا ڈھنگ، شوق تھا تو صرف کتاب خریدنے اور مطالعہ کرنے کا، ان کے پاس بیٹھنے والے جدید علوم و افکار پر سیر حاصل تقریریں کر اٹھتے تھے۔ ان کے دوست نئی سے نئی کتاب اور قدیم سے قدیم مسئلہ پر نفیس نکات بحث و نظر سامنے آتے تھے۔ عورت کی تعلیم و تربیت، مذہب اور علوم جدیدہ، تاریخ اسلام، خصوصاً "کربلا کے واقعات" امام حسین علیہ السلام اور حضرت علی علیہ السلام پر مولانا نے جتنا پڑھا اور لکھا ان کے کسی معاصر نے اتنے متنوع انداز میں نہیں پڑھا، لیکن وہ کسی موضوع پر جم کر نہ لکھ سکے۔ تاریخ میں وہ کسی بڑے سے بڑے مغربی محقق سے کم نہ تھے اور عربی ادب میں وہ عربوں کی نظر اور اہلِ زبان کا مزاج رکھتے تھے مگر انھیں کماحقہٗ فراغت تصنیف و تالیف نہ ملی۔ معاون اور ساتھی نہ ہونے کی بنا پر وہ پھیل نہ سکے۔

فنِ خطابت و تقریر میں انھوں نے جدید نفسیاتی اسلوب اور علمی وزن کا اضافہ کیا۔ وہ کامیاب خطیب اور جوانوں کے حلقے میں محبوب مقرر تھے۔ شیعہ سنی سب ان کی تقریر کو پسند کرتے تھے۔

مدرسۃ الواعظین، مدرسۂ ناظمیہ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۱ء تک لکھنؤ یونیورسٹی اور ۱۹۵۲ء سے ۱۹۷۴ء علی گڑھ یونیورسٹی میں تدریسی فرائض انجام دیئے مدرسۂ ناظمیہ، آل انڈیا شیعہ کانفرنس، آل انڈیا اسلامی تعلیمی بورڈ، تعلیمی کمیٹی مدرسۂ عالیہ رام پور، آل انڈیا اور نیشنل کانگریس، الواعظ، سرفراز، الرضوان، کے اداروں میں اہم رکن کی حیثیت سے ممتاز تھے۔ امامیہ مشن لاہور کو انھوں نے ایک علمی منصوبہ دیا۔ حسینی مشن راولپنڈی کی سرپرستی کی

۲۳ سال تک علی گڑھ یونیورسٹی میں صدر شعبہ شعبۂ دینیات کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد، ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ ۱۸ جولائی ۱۹۷۴ء ساڑھے تین بجے علی گڑھ میں سفر آخرت فرمایا۔ اور بڑا کتب خانہ، پڑھی لکھی اولاد اور مستند تصانیف یادگار چھوڑیں۔

تصانیف : • کربلا • مقتل عقبہ بن سمعان • مقتل ضحاک مشرقی • مقتل السیوطی • مقتل ابن واضح یعقوبی • مقتل ابوالفدا • مقتل ناسخ • مقتل حسین دیار بکری • مقتل ابوالفدا
اولاد : • عندلیب زہرا ایم اے • قاسم مجتبٰے ایم ایس سی، ایم فل، پی ایچ ڈی • فیض مجتبٰے • حسن مجتبٰی • اقبال مجتبٰی • مہناز مجتبٰی • شمیم کاظم • شبیر کاظم • شبیہ زہرا ایم اے • قمر زہرا • ممتاز زہرا • شہناز (سید محفوظ علی، سوانح حیات، مطبوعہ کان پور)

مجدالدین :

حدود ۹۹۶ھ / ۱۵۸۸ء
۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۵ء

پیشوائے اعظم دکن میر محمد مومن استر آبادی کے اکلوتے بیٹے علامہ مجدالدین محمد حیدر آباد کے بہت بڑے عالم و فقیہ تھے۔ موصوف کی والدہ دکن کی خاتون تھیں جن سے ان کے والد نے تقریباً ۹۹۵ھ میں عقد کیا تھا مجدالدین کی ولادت ۹۹۶ھ کے کچھ دن بعد ہوئی اور عالم باپ نے بڑے اہتمام سے تعلیم دلائی۔ مجدالدین خداداد صلاحیتوں کی بدولت فقہ و حدیث، ادب و تاریخ میں معاصرین پر فائق ہو گئے۔ وہ درویش دوست، مسافر نواز، سخی، وفادار اور شفیق شخص تھے۔

میر مجدالدین اپنے والد کے سیاسی اور علمی اعزاز کے باوجود سیاست سے کنارہ کش اور خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے۔

ان کی شادی یول چی بیگ کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ ان سے ایک دختر اور تین فرزند پیدا ہوئے۔ صاحبزادی کا عقد مرزا بیگ فندرسکی کے بھتیجے مرزا حمزہ استر آبادی سے ہوئی۔ مرزا حمزہ سلطان محمد کے عہد میں ۱۰۳۰ھ کے قریب وارد دکن ہوئے تھے۔ علامہ نے انھیں ساٹھ ہزار ہون کی جاگیر دلوا کر اپنی پوتی کا عقد کیا۔ مرزا حمزہ ۲۴ ذی حجہ ۱۰۴۰ھ میں سرخیل، سپہ سالار ہو گئے تھے، لیکن چار ماہ بعد معزول کر دیے گئے۔ اس کے بعد انھیں ایک لاکھ کی جاگیر اور مجلس نشینی کا اعزاز عطا ہوا۔ (ص ۲۴۹، میر محمد مومن)

مرزا حمزہ نے شوال ۱۰۴۸ھ میں رحلت کی۔

مجدالدین کے بڑے فرزند میر محمد جعفر ان سے چھوٹے فرزند محمد شفیع تھے جن کی اولاد سے محمد عباس ۱۹۵۷ء تک دائرہ میں میر مومن کے متولی تھے۔

تیسرے فرزند محمد مقیم جن کی اولاد بھی باقی ہے۔

مجدالدین نے چالیس برس سے کم زندگی گزارنے کے بعد شب جمعہ ۲۲ ربیع الاول ۱۰۳۴ھ کو رحلت کی۔ مرزا احسن اسدفانی نے قطعۂ تاریخ لکھا :

مجد دیں آں کہ نزد اہل خرد — دو جہاں سایہ بود دا خورشید

بگدائی اجل شب جمعہ — گوہر عمر جاوداں بخشید

بہر تاریخ او سپہر بریں — داغ بر دل نہاد داہ کشید

ضعیف باپ نے اپنے قائم کردہ قبرستان میں قبر پر ایک گنبد بنوایا جس گنبد میں بیٹے کے چالیس دن بعد خود بھی بیٹے کے پہلو میں آسودۂ لحد ہوئے۔

میر مجدالدین کے تالیفات کا سراغ تو نہیں ملتا۔ البتہ محی الدین ندرز نے کچھ فارسی اشعار جمع کر لیے ہیں۔

(میر محمد مؤمن، طبع ۱۹۵۷ء۔ ص ۱۶۶)

محبوب علی شاہ

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء

۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء

مولانا سید محبوب علی شاہ سگھر ضلع کیمبل پور کے رہنے والے تھے۔ آپ علم نحو میں سیبویہ وقت اور مناظرہ میں لاثانی تھے۔ وسیع النظر، صاحب ذوق، خوش تقریر و خوش تحریر تھے۔ عربی نظم و نثر پر قدرت کاملہ تھی۔ جدید عربی ادب سے قدیم ادب تک عبور تھا۔ عموماً طلبہ کو نصاب ازہر (مصر) پڑھاتے تھے۔ وہاں کے علما سے دوستانہ روابط اور خط و کتابت بھی تھی۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد باقر صاحبؒ کا نام سرفہرست ہے۔ لکھنؤ میں سلطان المدارس کے اساتذہ سے بھی درس لیا اور جناب مولانا محمد رضا صاحبؒ سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔ وہ تین حضرات کا بہت احترام فرماتے تھے۔ جناب مولانا محمد باقر صاحبؒ، جناب مولانا محمد رضا صاحبؒ اور جناب مولانا سبط حسن صاحب اعلی اللہ مقامہم۔

طبعاً غیور، جری، اور سپاہی تھے۔ شہسواری، نشانہ بازی اور بہادری کی بدولت انھوں نے قوم کی عزت رکھی۔ مناظرہ میں ہمیشہ دشمن کو شکست دی۔ بہت پور ضلع لدھیانہ میں جناب مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ اور احمد لیں سے مناظرہ تھا۔ مولانا محبوب علی شاہ صاحب ان کے ساتھ تھے۔ جڑانوالہ کے ایک چک میں مولوی حیا غدین صاحب سے مناظرہ کیا۔ چک ۳۸، ضلع ملتان کے مناظرہ میں مولوی چراغ دین صاحب اور مولوی عبدالعزیز صاحب بھتائی کا مناظرہ جیتا۔ مولوی محمود اٹک صاحب سے منارہ ضلع جہلم میں مناظرہ ہوا اور محمود صاحب نے شکست قبول کی یہ اس عہد کے مشہور واقعے ہیں۔ ان مناظروں سے مولانا کے علمی کمالات اور دینی اشاعت کا بڑا شہرہ ہوا۔ متعدد امرا پڑھے لکھے لوگ اور متعدد حضرات نے شیعہ مذہب قبول کیا۔

مولانا محبوب علی شاہ صاحب مرحوم نے تعلیم و تدریس میں بیش از بیش حصہ لیا۔ کیمبل پور، پنڈی گھیب، پھروڑ اور

خوشاب کے مدارس میں بہت سے تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ اور اب خوشاب میں مدرسۂ جعفریہ موصوف کی یادگار میں قائم ہوا۔ خوشاب ہی میں رہتے تھے اور اپنے ہی مکان کے صحن میں قبر کی جگہ پائی۔

کتب خانہ: مولانا کو کتب بینی اور کتب اندوزی کا بہت شوق تھا۔ کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ، مصر، بغداد، نجف، تہران، مشہد وغیرہ سے مسلسل کتابیں منگواتے اور ان کی جلدیں بڑے اہتمام سے بندھواتے اور احتیاط سے رکھتے۔ ایک ایک کتاب کے متعدد ایڈیشن تھے۔ تفسیر و نحو، و حدیث کا ذخیرہ بہت قدر کے لائق تھا۔

تصانیف: عربی اردو نظم و نثر، مکاتیب و مراسلات کے علاوہ متعدد تالیفات تھیں جن میں سے۔

- ہارون محمدی۔ • بخاری کا صحیح فیصلہ چھپ کر بھی تقسیم بھی ہو چکی ہیں۔

تلامذہ: مولانا محمد شریف صاحب مرحوم صدر الافاضل میرے ہم درس تھے۔ ~~وہ ضلع جہلم کے باشندے اور مولوی صاحب مرحوم سے صرف و نحو و ادب کے متوسطات پڑھ کر لکھنؤ آئے تھے۔ چھٹے درجہ میں داخلہ لیا اور کافیہ پڑھتے تھے اور شرح جامی کے حوالے سے بات کرتے تھے صرف و نحو کے علاوہ کچھ اور نہیں پڑھا تھا ہم سب میں عمر کے لحاظ سے بھی بڑے تھے۔ اس لیے ذہانت خداداد کے سہارے ایک سال میں دو دو امتحان دے کر آگے نکل گئے اور ۱۹۴۵ء میں صدر الافاضل کر لیا۔ خوشاب میں ۱۹۵۴ء کے قریب انتقال فرمایا۔~~

- مولانا ملک مہدی حسن صاحب۔ مولوی فاضل، فقیہ فاضل، فاضل طب لکھنؤ

~~میرے ساتھ گورنمنٹ ہائی اسکول باغبانپورہ میں عربی کے استاد ہیں۔ [illegible] ۱۹۱۹ء میں [illegible] ضلع سرگودھا میں ولادت پائی۔ [illegible] ملتان، لاہور، [illegible] اور لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ [illegible] ۱۹۵۱ء سے اسکول میں مدرسی کر لی اور اب ہم دونوں ایک ساتھ [illegible] خدمات انجام دے رہے ہیں۔ • مولانا گلاب شاہ صاحب مدرس اعلیٰ مخزن العلوم ملتان [illegible] اور قابل احترام ہیں۔~~

- مولانا ملک عطا محمد صاحب سیکرٹری دار العلوم محمدیہ سرگودھا۔ • مولانا غلام محمد صاحب نجفی سرگودھا۔
- مولانا غلام شبر صاحب خوشاب۔ • مولانا سید کرامت علی گلگت۔ • مولانا محمد حسین صاحب ملتان
- مولانا سردار حسین صاحب پدھراڑ۔ • مولانا سید عاشق حسین صاحب مرحوم جھاجرہ ضلع سرگودھا۔
- مولانا سید محبوب علی شاہ صاحب ہمدانی جلال پور ستیداں۔ • مولانا سید عبد اللہ شاہ صاحب سید کسراں ضلع راولپنڈی۔

اولاد : فرزند نرینہ چار ہیں جو کم سنی میں یتیم ہوئے۔

• سید محمد سہیل۔ • سید کوکب حسین۔ • سید لعل حسین۔ • سید ذوالقرنین۔

محرم علی، نوگانوی :

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء
۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء

مولانا سید محرم علی نوگانوہ ضلع مراد آباد کے اوّلین علماء میں سے ہیں۔ نوگانوے کے تمام علماء بلا واسطہ یا بواسطہ انہیں کے شاگرد ہیں۔ وہ خود لکھنؤ کے فارغ التحصیل تھے عبداللہ پور۔ ضلع میرٹھ۔ سہارن پور رچلکانہ جانسٹھ وغیرہ میں رہے۔ آپ سپاہی منش، پاک طینت، مہمان نواز، تائب تھے۔ اچھے حافظے کے خوش گلو ذاکر تھے اور بہت کامیاب ذاکری فرماتے تھے۔ زیارت عتبات عالیات سے بھی مشرف ہوئے تھے۔

تقریباً اسی برس کی عمر ۴ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ کو رحلت کی اور جانسٹھ کے مقابر رؤسا میں دفن ہوئے۔
نواب محمد جعفر علی خان نے تاریخ کہی۔

حدیث آہ بالحزن داؤد می خواند — حکیم زآل شہ مشرقینم
زنوگانوہ درچار دہ ماہ چارم — محرم علی رفت نزد حسینم

فرزند: • مولوی ظہورالدین (بے بہا : ۳۴۸)

محسن علی شاہ، سبزواری :

۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء

مولانا سید محسن علی شاہ سبزواری لاہور کے خطباء و مشاہیر سے تھے۔ موصوف نے پنجاب میں تبلیغ و دفاع عن المذہب کے فرائض انجام دیے۔ شمس العلماء مولانا سید علی حائری سے دوستانہ و بے تکلفانہ مراسم تھے

لطیفہ : موچی دروازے میں محسن علی صاحب ایک جگہ مجلس پڑھنے منبر پر بیٹھے۔ اثناء تقریر میں مولانا حائری صاحب آگئے۔ عمامہ، عبا، قبا، وجیہہ و حسین آدمی، مجمع نے ادھر رُخ کیا اور مولانا جوتوں میں بیٹھ گئے۔ محسن علی نے درخواست کی کہ آگے تشریف لے آئیں مگر مولانا از رہ انکسار نہ اٹھے۔ محسن علی صاحب نے کہا۔ کوئی جوتی اٹھانا ہے تو مولانا نے برجستہ فرمایا جی ہاں آپ کا جوتا دیکھ رہا ہوں۔

۵ محرم ۱۳۴۷ھ / ۲۴ جون ۱۹۲۸ء دوشنبہ دو بجے رات کو رحلت کی۔ وفات کے وقت تقریباً ستر برس کے تھے۔ مولوی محسن علی صاحب نے بڑے خلوص سے تبلیغ کی اور سینکڑوں کو شیعہ کیا۔

تصنیف : • نور العین فی جواز البکاء علی الحسینؑ **اولاد :** • الطاف حسین۔ • رضا حسین

محسن ٹھٹھوی :
حدود ۱۱۲۱ھ / ۱۷۰۹ء
۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء

ملا محسن ابنِ نور محمد ابنِ ابراہیم، ٹھٹھہ سندھ کے رہنے والے تھے۔ پورا نام محمد محسن اور تخلص محسن ہے اسی نام سے شہرت ہے۔ محمد محسن تتوی کی نواب لطف علی خان کے یہاں پرورش ہوئی۔ پھر سیف اللہ خان (م ۱۱۴۳ھ) کے بیٹے صادق علی خان اور محمد تقی خان انکے سرپرست رہے اور آخری دس بارہ برس تک وہ میاں نور محمد خان کلہوڑہ کی سرپرستی میں گزرے۔

محسن عالم و فاضل و شاعر اور شیعہ عقائد کے ترجمان تھے۔ سندھ میں سیہوان کے صوبہ دار احمد بیگ خان اور ٹھٹھے کے صوبے دار سیف اللہ خان نے شیعہ مذہب کو فروغ دیا۔ اس لیے محسن کے قدردان اچھی تعداد میں موجود تھے۔ ان کے کلام میں مدح آئمۂ اطہار کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

- عقد دوازدہ گوہر (مناقب ائمہ اطہار) • طراز دانش میلاد حضرت صاحب الزماںؑ • اعلام ماتم یعنی حملہ حسینی (بروزن حملۂ حیدری) • محک کمال (بیاض اشعار) • دیوانِ قصائد • دیوانِ غزل (حملہ حسینی نوہزار اشعار کا منظومۂ کربلا ہے۔ اس کا تتمہ مختار نامہ قانع تتوی نے لکھا)

- محمد رفیع خان باذل نے حملۂ حیدری لکھا۔ • مرزا ابوطالب اصفہانی نے تکملہ حملہ حیدری لکھ کر اسے مکمل کیا۔
- محسن تتوی نے حملہ حسینی لکھا۔ • مختار نامہ قانع نے لکھ کر دوسرے سلسلے کی تکمیل کی۔

اولاد : • غلام علی مداح مولود ۱۱۴۵ھ۔ • غلام کاظم۔

محسن کی وفات ۲۰ شوال ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء (مقدمہ دیوانِ محسن، طبع حیدر آباد ۱۹۶۳ء)

محسن نواب :
۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء
۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء

مولانا سید محسن نواب صاحب مجتہد ابن جناب سید احمد نواب رضوی ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۱۱ء کو چاہ کنکر نقوی ٹولہ میں پیدا ہوئے۔ اپریل ۱۹۱۵ء میں ان کے والد نے انتقال فرمایا۔

موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے قریبی مدرسے ناظمیہ میں حاصل کی اور ۱۹۲۳ء میں سلطان المدارس میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۳۳ء میں صدر الافاضل پاس کیا لکھنؤ سے درس خارج کے لیے عراق گئے اکابر عراق سے فیض اٹھانے اور اجازے لینے کے بعد وطن واپس آ گئے نجف اشرف و کربلا نے ان کی ذہانت و ادبیت و عربیت کے بڑے شہرے ہوئے۔

اکتوبر ۱۹۳۹ء کو عراق سے واپس آئے اور مدرسۂ ناصریہ جون پور کے پرنسپل بلکہ اس کے مجدد ہوئے تعلیمی اداروں کو فروغ دینے کا خاص جذبہ تھا۔ جون پور سے مدرسہ عالیہ رام پور بلا لیے گئے اور نواب رضا علی خان نے

مدرسہ عالیہ کا پرنسپل مقرر کیا پھر سلطان المدارس میں مدرس معقولات ہو کر آئے۔

تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ ماہنامہ العلم اور الواعظ کی ادارت کی۔ طالب علمی سے آخر تک سیکڑوں مضمون اور مقالے لکھے۔ فارسی و عربی نظم و نثر میں کمال حاصل تھا۔ لکھنؤ اور نجف میں عربی کے ادبا ان کے گرویدہ رہے۔ ان کے تبرکات میں حاجی داؤد ناصر صاحب کے استقبال میں ایک قصیدہ ہے جو ۲۰ ذی القعدہ ۱۳۶۴ھ کو مدرسۂ ناصریہ جون پور میں پیش کیا تھا۔

اھلا بھذا القادم المسعود	اھلا بمفخر شعبنا داود
اھلا بضیف ماجد ضو التقی	شیخ المکارم والندی والجود
اھلا بمقدمہ ومقدم صحبہ	من کلّ قرم فی الوریٰ محسود
ھم فی الظلام کواکب دریّۃ	ولجید کل فضیلۃ کعقود
اھلا لفتیتنہ بنی امّ العلی	اھلا باشبال لہ کاسود
یا قادما بالخیر ھذا جمعنا	یثنی علیک بفضلک المشھود
مستجدیا وافاک منّا مجمع	رؤیتہ من وردک المورود
احییت زرع العلم بعد محولہ	حیّاک ربّ العرش بالتابید
قد کان امس بنائہ متزلزلاً	والیوم اصبح محکم التنضید
نرجو لفضلک ان توجہ نظرۃ	للناصریّۃ نظرۃ التائید
والحق انت احق من یرجی بھم	فی فتح باب مغلق مسدود
ان قیل ابن غیاث ملّۃ جعفرؑ	فاشارت الدنیا الی داؤد
اُدرِکْ علوم الدّین کادت تنمحی	یا نجل ناصر ملّۃ التوحید
ادرک علوم الدّین والدنیا معا	بنوالک المیمون والمسعود

مولانا محسن نواب صاحب بہت مقبول خطیب اور شیوا بیان مقرر تھے۔ برِصغیر میں ان کی خطابت کے شہرے تھے۔ حیدر آباد دکن سے کشمیر تک ان کا دورہ رہتا تھا۔ نفاست و فکر انگیزی ان کا خاصہ تھا۔ افسوس ہے کہ مولانا نے بہت کم زندگی پائی۔ کئی سال تک صاحبِ فراش رہے اور ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ ۲۶ اگست ۱۹۶۹ء روز سہ شنبہ لکھنؤ میں راہی جنت ہوئے اور اپنے بعد بہت کم سن بچوں کو یتیم چھوڑ گئے۔

اساتذہ لکھنؤ: ۰ مولانا صغیر حسن صاحب ۔ ۰ مولانا عالم حسین صاحب ۔ ۰ مولانا عبد الحسین صاحب

- مولانا سید ہادی صاحب • مولانا ابن حسن نونہروی • مولانا سید محمد صاحب • مولانا ظہور حسین۔
- مولانا ناصر حسین صاحب۔

اساتذہ نجف : • علامہ شیخ عبد الحسین رشتی • آقای سید جواد تبریزی۔ • آقای مرزا محمد حسین نائینی
• آقای ابو الحسن اصفہانی • آقای سید ضیاء الدین عراقی۔

تصانیف • محسن انسانیت • زائر تیئیم قائم آل محمد • خلاصہ عبقات حدیث مدینہ عربی ج ا • الفرق بین المعجزہ والسحر (عربی) • غدیر سے کربلا تک۔
المنتقی ما المنتقد من تاریخ الخطیب احمد۔ . . . . (الذریعہ)

محمد ملا یزدی :

۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء

علوم عقلیہ کے نامور عالم اور مذہب امامیہ کے زبردست حامی حبیب اللہ میرزا جان شیرازی کے شاگرد تھے۔ ۸۳ یا ۹۸۴ھ میں ہندوستان پہنچے۔ اکبر نے بڑے اعزاز سے پذیرائی کی۔ کچھ عرصے تک ابو الفضل سے دوستی رہی لیکن پھر نا چاقی ہوگئی۔ بادشاہ سے اجازت لے کر حج و زیارت حرمین کے لیے روانہ ہوئے اور سورت کے قریب پہنچ کر رہزنوں کے ہاتھ لٹ کر غائب ہوگئے (مرآۃ العالم)

لیکن معاصر مؤرخ عبد القادر بدایونی کے بقول ملا محمد یزدی (۸۳، ۹۸۴ھ) آگرے آئے اور حکیم ابو الفتح گیلانی سے ملے اور بادشاہ کو تشیع کی طرف مائل کرنے لگے۔ (ترجمہ منتخب ص ۴۴۲، ۹۸۱) اکبر پران کا اتنا اثر ہوا کر بقول بدایونی بادشاہ پر شیعیت کی چھاپ لگ گئی۔ (ترجمہ ۲۷۴)

۹۸۷ھ میں جون پور کے قاضی القضاۃ بنگ چلے گئے اور محمد معصوم کابلی کی بغاوت میں اکبر کے خلاف فتویٰ دیا۔ لیکن اکبر نے باغیوں کی سرکوبی کے بعد ملا صاحب کو گرفتار کر کے دریائے جمنا میں غرق کروا دیا۔

یہ واقعہ ۹۹۸ھ کا ہے۔ (مقالات مولوی محمد شفیع ج ۲۔ • منتخب التواریخ ترجمہ اردو۔ • نزہتہ ج ۴)

محمد بن محمد حنیف :

بعد ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء

مفتی السید محمد بن محمد حنیف رضوی زیدپوری (زید پور بارہ بنکی یوپی، ہند کا ایک مردم خیز قصبہ) مولانا سید محمد بڑے عالم و فاضل، متقی و زاہد، مقدس و عارف تھے۔ جناب سید علی شاہ رضوی کشمیری اور جناب شریف العلماء و شیخ مرتضےٰ انصاری سے اجازے رکھتے تھے۔ امجد علی شاہ اودھ کے زمانے میں خیر آباد (سیتاپور) کے مفتی تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں ان کے احوال ضائع ہوگئے۔

(تکملۂ نجوم السماء، ج ۲، ص ۲۶۹)

محمد، ہگلوی :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۵ء

مولانا سید محمد بن ابو محمد صاحب ہگلی (بنگال) کے عالم جلیل، پیش نماز و خطیب تھے۔ جناب غفران مآب سے اجازہ حاصل تھا اور مرحوم کے شاگرد رشید تھے۔ (نزہۃ ج ۷، ص ۴۰۹)

محمد سید، محمد آبادی :

۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۵ء

سید محمد بن احمد علی محمد آباد میں ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ والد اور کبار علماء سے تعلیم حاصل کی۔ پھر وطن واپس آگئے اور طبابت کے ذریعے اصلاح ظاہر و باطن اور خدمت خلق کو پیشہ بنایا۔ (نزہۃ ج ۸ ص ۳۸۷)

محمد سید، موہانی :

۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

سید محمد بن محمد ولی بن واجد علی موہانی اپنے عہد کے مشہور عالم و طبیب تھے۔
شاہی شفاخانے میں طبیب تھے، کہتے ہیں ایک ہزار دواؤں کے نام اور خواص از بر تھے۔
صاحب درس و صاحب دست شفا تھے۔
۱۳۳۴ھ سنہ وفات ہے۔ (نزہۃ ج ۸، ص ۳۹۹)

محمد کامل، شہید رابع :

حدود ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء
۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء

مولانا حکیم میرزا محمد بن غیاث احمد خان کشمیری دہلوی معقولات و منقولات میں عالم بے بدل، طب میں حکیم محمد شریف صاحب دہلوی کے شاگرد تھے اور طب میں مہارت کی بنا پر مہاراجہ کشمیر کے معالج رہے اور کشمیری کہلائے۔ علوم دینیہ میں جناب سید رحم علی مؤلف بدر الدجیٰ کے تلمیذ تھے۔ کیا بعید ہے کہ حزیں کے شیخ علامہ محمد حسن نبیرۂ شہید ثانی سے بھی فیض اٹھایا ہو۔ درس و تدریس، جواب مسائل دینیہ روز مرہ تھا۔
مؤلف نجوم السماء نے آپ کے قلمی و خطی مسائل دیکھے تھے اور انھیں حکیم صاحب کے اجتہاد کا گمان ہوا "ختم فقیہ" تاریخ وفات سے اس گمان کو مزید قوت ملتی ہے۔ کامل ان کا تخلص تھا۔ حکیم مرزا محمد صاحب نے تحفۂ اثنا عشریہ کا جواب لاجواب لکھ کر زندگانی جاوید حاصل کی۔ عبد العزیز صاحب نے صواقع ملا نصر اللہ کابلی کا چربہ اتارا اور تقیے کے طور پر اپنے اصل نام کے بجائے غلام حلیم نام رکھا۔ خدا کا انتظام دیکھیے کہ ادھر عبد العزیز تحفۂ اثنا عشریہ لکھ رہے تھے اور ادھر مرزا محمد صاحب اس کے جواب لکھتے جاتے تھے اس سلسلے میں انھوں نے

ادھر عبدالعزیز صاحب کو علم ہوا تو انھوں نے حکیم محمد شریف خان صاحب (متوفی ۱۲۲۲ھ) کو ایک خط لکھا: ...... قد سمعت ان الفاضل الکامل المدقق المحقق مرزا محمد سلمہ تعالیٰ قد کتب علی وجہ الرد والبحث علی التحفۃ الاثنا عشریہ ، ان اتفق طلب مرقومانہ ومطالعتہ بوساطتکم فالمامول ان تبذلونی ذالک ......

عبدالعزیز صاحب نے مسئلہ طہارت خمر اور جمع بین الصلوٰتین پر کچھ لکھا تو حکیم صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اس کی بھرپور تردید کی۔ جس کے جواب میں غرۃ الراشدین لکھا گیا۔ جناب حکیم باقر علی خان صاحب نے مولوی عبدالعزیز کے اس جواب کا جواب معین الصادقین لکھا۔ نزہۂ اثنا عشریہ کی بارہ جلدیں ہیں لیکن نظر ثانی نہ فرما سکے تھے کہ ایک دشمن نے بڑی خفیہ تدبیر سے آپ کو شہید کر دیا۔

پنجہ شریف دہلی میں مرقد منور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ جناب منیر شکوہ آبادی نے اپنے قطعۂ تاریخ میں کچھ اوصاف شہید بھی قلم بند فرمائے ہیں۔

حیف مرزا محمد مختلا ۔۔۔ فلک شرع زاہد کامل

متکلم، محدث، افقہ ۔۔۔ نادرِ عصر عالم و عامل

ہم حکیم و طبیب و ہم شاعر ۔۔۔ کامل و ہم تخلصش کامل

ناصرِ اہلِ بیت در دہلی ۔۔۔ اثبت و پاک و صادق قائل

نزہہ اوست در دوازدہ جلد ۔۔۔ کرد دعوائے تحفہ را باطل

در جناں رفت پیش آلِ رسول ۔۔۔ شد بدریای معرفت واصل

سال مرگش چناں نوشت منیر ۔۔۔ ہائے افسوس فاضل کامل ۱۲۲۵ھ

مولوی عبدالحی نے المختصر کے حوالے سے ۱۲۲۵ھ تاریخ وفات اور "ختم فقہ" مادہ نقل کیا ہے۔ میرے نزدیک ممکن ہے۔ رضی علی خان نے "ختم فقیہ" لکھا ہو۔ کاتب سے "ی" چھوٹ گئی ہو۔ کیونکہ لوح قبر پر جو قطعہ درج ہے اس کے مصرعۂ تاریخ سے بھی ۱۲۲۵ھ نکلتا ہے:

در فشلونش بہ گریہ بگو وا محمدا

اولاد: آپ کی اولاد کا سلسلہ باقی ہے جن میں سے ایک صاحب تھے۔ ذوالفقار حسین تھے اور اب لاہور میں بھی ان کے بعض احفاد ہیں۔

تصانیف: نزہۂ اثنا عشریہ بجواب تحفۂ اثنا عشریہ۔ کامل۔ اس کی جلد اوّل و چہارم مطبوعہ لکھنؤ و دہلی

نظرسے گزری ہے اور جلد نہم متعلق فقہ دہلی اُردو اخبار کے مطبع سے ۱۸۵۵ء میں چھپی تھی۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ مکتبۃ العلوم کراچی میں اور خطی نسخہ استاذ علام مولانا محمد مصطفےٰ صاحب جوہر کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ • اس کے علاوہ طب میں ایک کتاب لکھی (عربی) • تاریخ العلماء • رسالہ علم بدیع

• رسالہ صرف فارسی۔ • نہایۃ الدرایہ شرح وجیزۂ علامہ بہائیؒ (در کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ)

• تنبیہ اہل الکمال والانصاف علی اختلال رجال اہل الخلاف اس کتاب میں ان راویوں کا ذکر ہے جو صحاح ستہ میں کذابین، ووضاعین و مجاھیل وضعفاء خوارج ونواصب وقدریہ ومرجیۂ ہیں۔ ابن حجر عسقلانی کی کتاب التقریب سے استخراج ہے۔ • رسالہ فلسفہ (فارسی) • تتمہ نزہہ، باب فقہ۔ • منتخب فیض القدیر شرح جامع صغیر ایک جلد۔ • منتخب انساب سمعانی۔ • منتخب کنز العمال۔ احادیث فضائل آلِ محمدؐ و مثالب اصحاب۔ • رسالہ بداء۔ • رسالہ رویت باری تعالیٰ۔ • رسالۃ فی تعصبات اھل السنۃ۔

مولانا الشہید نے طویل مطالعے میں متعدد حواشی اور متعدد کتابوں سے خلاصے بھی لکھے تھے۔ ان میں سے چند نام یہ ہیں: • تلخیص ارشاد الساری قسطلانی۔ • تلخیص جمع بین الصحیحین۔ • تلخیص جامع الاصول

• تلخیص مسند احمد بن حنبل۔ • تلخیص الاستیعاب ابن عبد البر۔ • تلخیص فتاویٰ عالمگیری۔

• تلخیص حلیۃ الاولیاء۔ • تلخیص تاریخ طبری۔ • تلخیص تاریخ خمیس۔ • تلخیص ملل ونحل شہرستانی۔

• تلخیص شرح مقاصد۔ • تلخیص کتاب السیاسۃ والامامۃ۔ • تلخیص شرح المواقف۔

(نجوم السماء ۳۵۲۔ تذکرہ بے بہا ۳۲۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۴۱۹۔ نیز شذور العقیان وسیرت مرزا محمد)

محمد، ابن عبد العلی :

۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء

مولوی سید محمد صاحب بن جناب مولوی سید عبد العلی صاحب دیوکٹھ ضلع غازی پور کے رہنے والے اور اپنے عالم و فاضل پدر بزرگوار کے جانشین علوم اجتہاد اپنے والد اور جناب غفرانمآب سے حاصل کیے۔ معقولات و منقولات میں مشہور رہوئے۔ مقدس و متورع، جناب امجد علی شاہ اودھ اعلی اللہ مقامہ کے دربار میں بڑا اعزاز تھا۔ ۱۲۶۶ھ میں وفات ہوئی فیض آباد میں جمعہ و جماعت کے امام تھے۔ کچھ کتابیں بھی لکھی تھیں جو دست بردِ زمانہ کی نذر ہوگئیں۔

مفتی صاحب قبلہ نے مصرعہ تاریخ لکھا " آہ لرزۂ عظیم " (رطب العرب)

اولاد : • سید علی صاحب بڑے مقدس بزرگ تھے

تلامذہ : • مولوی سید حسن رضا صاحب۔ • مولوی سید منصب علی صاحب۔ • مولوی کرم حسین صاحب

• مولوی سید صفدر علی صاحب ۔ ٥ مولوی سید احمد علی صاحب محمد آبادی، اعلی اللہ مقامہم ۔

(بے بہا ص ۲۲۸، درمنثور، نزہہ حق نما)

محمد صاحب جونپوری:

حدود ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء

۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء

مولانا سید محمد صاحب بن سید عطا حسین جون پور میں قیام تھا۔ موصوف سید محمد امروہوی علی اطہر نظام آبادی مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی کے تلمیذ خاص اور مفتی محمد عباس صاحب کے مخلص ساتھی اور دوست تھے۔ "ظل ممدود" میں مفتی صاحب کے متعدد عربی خط ان کے نام موجود ہیں۔ جناب سید العلماء سے اجازہ رکھتے تھے۔

تقدس و زہد کے ساتھ ساتھ علم و فضل میں بلند مرتبہ تھے۔ معقولات خصوصاً ہیئت میں مہارت تامہ تھی۔ راجہ صاحب محمود آباد نے ریاست کا تحصیلدار مقرر کر لیا تھا۔ بیمار ہو کر وطن آئے اور ۱۲۷۱ھ میں رحلت کی۔ مخدوم شاہ اڈھن کی لحد کے قریب قبر بنی۔

مولانا صفی نے اپنے ایک مسدس میں جو سالانہ جلسہ اسکول جون پور میں ہوا پڑھا تھا۔

سید محمد ایسے ہنرور کا آستاں	چھنتے تھے مسئلے فلکیات کے جہاں
اللہ رے انقلاب، ترا دور آسماں	بیٹھا کمہار چاک گھماتا ہے اب وہاں

جناب مفتی صاحبؒ نے آپ کی تاریخ لکھی ہے:

المرء فی آماله — غفلان عن اعماله

اولیس یفزع ساعة — عن ماله لما له

یُبقی السناط وأمّه — لیغتم فی استحصاله

قد ساءنی بفراقه — من سرنی بوصاله

ابن تابع شرع النبی — وسمیه من آله

حبر ذکی متقی — حسنت جمیع خصاله

تاریخ قطع وصاله او — بلغ المعلی بکماله

۱۲۷۱ھ تخرجہ یک عدد ۱۲۷۰ھ

(بے بہا: ۴۰۶، تاریخ جون پور ص ۸۸)

محمد، سید، سلطان العلما :
۱۱۹۹ھ / ۱۷۹۴ء
۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء

غفران مآب جناب آیۃ اللہ سید دلدار علی نقوی جائسی لکھنؤ اور برصغیر کے عظیم ترین فقیہ و مجتہد تھے۔ تیرھویں صدی میں تمام شیعہ آپ کو مقتدائے اعظم مانتے تھے۔ موصوف نے لکھنؤ کے سیاسی اور ماحول میں اسلام کو فروغ دینے میں جو سعی و کوشش کی تھی۔ ان کے فرزند سید محمد صاحب نے کمال تک پہنچا دی۔ اب اس کے نتائج دیکھئے۔

مولانا سید محمد لکھنؤ میں ۱۷صفر ۱۱۹۹ھ کو پیدا ہوئے۔ نہایت مقدس و پاکیزہ ماحول میں نشو و نما ہوئی۔ والد بزرگوار نے خود تعلیم دی۔ تفسیر و حدیث، اصول، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت اور تمام متداول علوم میں درجۂ انتہا اور کمالِ اجتہاد حاصل کیا۔ ۱۹ سال کی عمر ۱۲۱۸ھ میں مولانا دلدار علی نے مفصل اجازہ عطا فرمایا جو چھپ چکا ہے۔

نوعمری میں رسم لکھنؤ کے مطابق، بانک بنوٹ، تلوار، نیزہ بازی، شہسواری جیسے فنون سپہ گری میں استادی و مہارت حاصل کی تھی۔ بچپنے میں ان کی صلاحیتیں اور نوعمری میں ان کی قابلیت اور غیر معمولی ذہانت دیکھ کر لوگ انعامِ غیبی کہتے تھے اور خود جناب فرماتے تھے "اِنَّ صَاحِبَ زمانی والحجّۃ المنتظر ربانی قد تکفّل لحفاظتی و ربّانی"۔ اس کا ثبوت سلاطین وقت کا وہ جھکاؤ اور فرماں برداری ہے جو آپ سے پہلے کسی کو نہ ملی۔

نوجوانی میں فقہ و اصول اور دوسرے علوم کا درس شروع کیا۔ والدِ علام کے معاملات مراسلت میں کمک کی۔ اپنے چھوٹے بھائیوں کی تعلیم و تربیت کا بار اٹھایا۔ تصنیف و تالیف و مطالعہ میں کمی نہ آنے دی۔ عوام کو اسلام کی برتری اور شریعتِ اسلام کی اہمیت اس حد تک سمجھائی کہ امجد علی (تخت نشین ۱۲۵۸ھ) نے آپ کو سلطان العلما کا خطاب اور مختارِ کل کا منصب پیش کیا۔ ممالکِ محروسہ میں شرعی نظام جاری کیا۔ اور سلطان العلما کا حکم سب پر فائق رکھا۔ سلطان العلما نے قضاۃ اور مفتی مقرر فرمائے۔ سنی شیعہ علما کو جگہ دیں۔ ہندوؤں کے لیے ان کے مذہبی پنڈت مقرر کرکے اسلامی نظام و قانون کو نافذ کیا۔ زکوٰۃ و خمس کے محکمے قائم ہوئے۔ اخوت و برادری کی فضا بحال ہوئی۔ امجد علی شاہ کے بعد انگریزوں کی سیاست نے شدید ردِ عمل کا مظاہرہ کیا لیکن سلطان العلما کی شخصیت دیوارِ فولاد تھی۔

سلطان العلما نے سخت سے سخت غم اٹھائے۔ بھائیوں کی وفات، والد کا صدمہ، پھر قوتِ بازو اور معین و مددگار چھوٹے بھائی سید العلما سید حسین کی موت۔ لیکن وہ صبر و تحمل کے ساتھ ثابت قدم رہے اور خدمت علم و دین و عوام میں کوئی کمی نہ آنے دی۔

ہنومان گڑھی کا معاملہ ہو یا ۱۸۵۷ء کا انقلاب آپ نے ہر مرحلے میں دُور اندیشی، حزم و احتیاط کا بے مثال مظاہرہ کیا کہ ہر شخص "قبلہ کعبہ" کہنے لگا۔ اور سقوطِ اودھ کے بعد بھی وہ دینی امور اسی شان سے انجام دیتے رہے۔ دینی وقار کو مجروح نہ ہونے دیا۔

ان کے اقبال و اثر سے انگریز بھی متاثر تھے۔ ان کا احترام کرتے تھے۔ اور حکومتِ اودھ کی سابقہ خدمات کے سلسلے میں شاہی تنخواہیں تو بند کر دی تھیں۔ البتہ ایک ہزار روپیہ پنشن اور حاضری عدالت سے مستثنیٰ اور اسلحہ کی اجازت تھی۔ دربار میں کرسی بھی معین کی گئی تھی۔

ملک کے باہر بھی عزت و احترام عام تھا۔ ایران و عرب کے علماء سے مراسلت تھی۔ اندرونِ ملک شیعہ سنی اکابر محبت کرتے تھے۔ ادیب و شاعر قصائد لکھتے تھے۔ اودھ کے تمام دینی معاملات آپ ہی سے متعلق تھے۔ اس لیے بہادر شاہ ظفر نے تشیّع کا اعلان کیا تو درگاہ حضرت عباس علیہ السلام میں آپ ہی کے ذریعے عَلم چڑھوایا۔ غالب نے اپنے لیے وظیفہ کی کوشش کی تو آپ سے رجوع کی۔

آپ ہی کی کوشش سے مکۂ مکرمہ، مدینۂ منورہ نجف و کربلا و مشہد میں بڑی بڑی امدادیں بھیجی گئیں۔ نہریں بنیں، مسجدیں اور مسافر خانے تعمیر ہوئے اور وقف قائم ہوئے۔ خود لکھنؤ میں لاکھوں روپے کے وقف آج تک موجود ہیں۔ مدرسے قائم کیے جن کے بعض آثار باقی ہیں۔

سلاطینِ اودھ کے مذہبی اور اسلامی رجحانات کی ترقی میں آپ کا بڑا دخل ہے۔ گویا آپ اودھ کے شیخ الاسلام اور قاضی القضاۃ تھے اور تمام ملک آپ کے حکم کی تعمیل فرض سمجھتا تھا۔

بادشاہ کے قیصر جنت امجد علی شاہ اعلی اللہ مقامہ نے کسی تاجر سے شاہی مسند و تکیہ تیرہ لاکھ میں خریدا۔ ارکانِ دولت نے لاکھ سوا لاکھ کی رقم دبا لی۔ تاجر نے آپ کی عدالت میں استغاثہ کیا۔ آپ نے بعد ثبوت ڈگری دے دی۔ اس عہدیدارِ شاہی کو وہ رقم ادا کرنا پڑی۔

حاضر جواب اور پُرمزاح بھی تھے۔

کسی نے پوچھا، حضور چاندی سونے کے اگالدان کا استعمال جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ہم تو اس میں تھوکتے بھی نہیں۔

مولوی امراللہ صاحب سے اختلافِ مذہب کے باوجود بے تکلفی تھی۔ ایک مرتبہ موصوف تشریف لائے جناب سلطان العلماء بڑے تپاک سے ملے۔ باتوں باتوں میں مہر کا تذکرہ آیا تو فرمایا، مہر کے واسطے اصلح ورافلح تھا کہ "کان امر اللہ مفعولا" کندہ کرالیں۔

جناب میرزا محمد، کامل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط تحریر فرماتے تھے۔ تو پتہ میں بلی ماروں کے بجائے

ہر بیرہ کشاں لکھتے تھے۔

کسی نے لکھا "سید محمد بہادر" آپ نے جواب میں خط لکھ کر آخر میں تحریر فرمایا "سید محمد بے بہادر"
کسی نے عرض کی۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ سے سفارش فرما دیں۔ آپ نے عرضی کی پیشانی پر
لکھا۔ "یا حضرت عباس علیؑ وقت مدد ہے"

نصیر آباد جائس میں شیعوں کا جلوس تعزیہ محلہ قصیانہ سے ہو کر جاتا تھا۔ فقیر محمد خان، سپہ سالار کے شہر
کے سنیوں نے شکایت کی اور کہا کر جلوس کا راستہ بدل دیں۔ شیعہ تبرا کرتے ہیں۔ نواب فقیر محمد خان گویا،
جناب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ جناب نے فرمایا میں لکھنو میں ہوں۔ وہاں کے عوام
کوئی بات کیسے مانیں گے؟ میری بات چلے گی۔ پھر خان صاحب یہ فرمایئے کہ بدعت کا تھوڑی دیر
ہونا بہتر ہے یا دیر تک، انھوں نے کہا تھوڑی دیر۔ آپ نے فرمایا تو اگر جلوس تعزیہ قصیانہ سے نہ گیا تو
راستہ بڑا ہو گا اور شیعہ دیر تک تبرا کریں گے جس کا باعث آپ ہوں گے۔

جنگ آزادی خاندان اجتہاد کے بزرگوں سے سنا ہے کہ غدر کے بعد فوجی عدالت نے آپ سے بھی جواب طلبی کی۔ اور
پوچھا کہ آپ کے نزدیک کافروں سے جہاد کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: غیبت امام میں جائز نہیں۔ انگریز
نے پوچھا اور جب امام ہوں تو آپ نے فرمایا: اس وقت حضرت عیسیٰؑ بھی ان کے ہمراہ ہوں گے جو وہ
حکم دیں گے۔ اس کی تعمیل ہو گی۔

ایک مرتبہ بادشاہ نے آپ کو طلب فرمایا اور طے کیا کہ تعظیم نہ کریں گے۔ دو کرسیاں تھیں۔ ایک پر بادشاہ خود
بیٹھ گئے۔ دوسرے پر قلمدان رکھ دیا۔ آپ تشریف لائے اور دروازے کے پاس پہنچ کر باآواز بلند فرمایا: یا اللہ!
(علما کسی کے گھر میں جاتے ہیں تو یہ کلمہ کہتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی بات خلاف شرع ہو یا کوئی
نامحرم ہو تو ہٹ جائے) بادشاہ یہ آواز سنتے ہی کھڑے ہو گئے۔ آپ نے کرسی سے قلمدان اٹھایا اور بیٹھ گئے
بادشاہ نے کچھ اُلٹے سیدھے مسائل پوچھے اور اجازت دی۔ سلطان العلماء کے جانے کے بعد بادشاہ دیر تک گردن
جھکائے بیٹھے رہے۔ کسی نے رنج کا سبب دریافت کیا تو کہا۔ میں نے سوچا تھا کہ قبلہ و کعبہ کی تعظیم نہ کروں گا۔
مگر جب وہ تشریف لائے تو جیسے کسی نے میری بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھا دیا۔ بے شک یہ سید برحق اور
واجب التعظیم ہیں۔ میں نے ایسے عالم کی شان میں گستاخی کی نیت کی تھی۔

یہی بادشاہ ایک مرتبہ اس قدر ناراض ہوا کہ اس نے سید العلما کا مکان توپ سے اڑانے کا حکم دے دیا۔
داروغۂ توپ خانہ نے ایک توپ جناب کے تشریف کدے پر اور ایک توپ شاہی محل سرا کے سامنے
نصب کر دی۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو بلا کر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کی حضور دنیا کے بادشاہ ہیں۔ قبلہ و کعبہ دین

کے بادشاہ ہیں۔ میں حضور کے حکم سے ایک طرف جناب کا مکان اڑا دوں گا اور دین کے احترام میں آپ کی محل سرا بادشاہ کو یہ عقیدت بھائی اور افسر کو خلعت عطا کیا۔

ایک مرتبہ شاہی اہتمام سے تابوت اٹھایا گیا۔ جب جلوس سر و پا برہنہ بادشاہ کے ساتھ کربلا پہنچا تو حکم دیا گیا کہ نمازِ جنازہ پڑھلیئے۔ آپ نے فرمایا یہ کس کا جنازہ ہے؟ بادشاہ نے کہا امام کا جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا حضور امام کے جنازے پر امام ہی نماز پڑھا سکتا ہے۔

اقتدار کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص نے درخواست کی کہ حضور فلاں گھر میں جن بہت پریشان کرتے ہیں جناب نے مکان دیکھنے کی خواہش فرمائی۔ انھوں نے دعوت کا انتظام کیا۔ جناب تشریف لے گئے۔ جب دسترخوان پر بیٹھے تو دیکھا کہ ادھر کی رکابی اُدھر چلی جاتی ہے۔ ادھر کی پلیٹ ادھر آجاتی ہے۔ آپ نے کوئی دعا لکھ کر دسترخوان پر رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد اس پر لکھا ہوا ملا، آپ حاکم دین ہیں آپ کی اطاعت ہم پر فرض ہے اس لیے میں جاتا ہوں۔ اس کے بعد ان حضرات کو کوئی شکایت نہ ہوئی۔

وفات: سلطان العلماء نے خدمتِ علم و دین کی طویل خدمت گزاری کے بعد پچاسی سال سے کچھ زیادہ عمر میں شب پنجشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو لکھنؤ میں وفات پائی اور حسینیہ غفران مآب میں ابدی نیند سو گئے ملک کے ادیبوں اور شاعروں نے مرثیے لکھے اور مصنفوں نے سوانح قلم بند کیے جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے مولانا آغا مہدی صاحب تاریخ سلطان العلماء ہے۔ تازہ ترین کتاب ہے۔ آپ وفات کے بعد رضوان مآب کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

اولاد: • سید محمد باقر صاحب • سید محمد صادق صاحب • سید محمد مرتضےٰ صاحب • سید محمد عبداللہ صاحب جو خلاصۃ الاعمال، اور سبیل النجات کے مؤلف اور رسالہ تردید غلات کے مصنف تھے۔ • جناب سید بندہ حسن صاحب

• جناب سید علی اکبر صاحب۔ • جناب سید علی محمد صاحب • جناب سید غلام حسین صاحب۔

• جناب سید محمد علی صاحب۔

تصانیف: • ضربت حیدریہ دو جلد بجواب شوکت عمریہ۔ • طعن الرماح • منہاج التدقیق عربی مطبوعہ

• سیف ماسح۔ • اصل اصول رد سید مرتضےٰ اخباری۔ • سبع مثانی در تجوید۔ • عجالہ نافعہ عربی مطبوعہ علم کلام (میرے پاس ایک بہت عمدہ قلمی نسخہ ہے) • بارقۂ ضیغمیہ در بحث متعہ جواب عبدالعزیز دہلوی۔

• احیاء الاجتہاد۔ اصول فقہ۔ • تضییق و دسعت قضا۔ • بوارق موبقہ در بحث امامت رد تحفہ

• فوائدِ نصیریہ در زکوٰۃ و خمس۔ • رسالہ جمعہ۔ • رسالہ نجاست جنب بحرام۔ • گوہر شاہوار جواب سوالات نصیر الدین حیدر بادشاہ" در مسئلہ قرآن و اہل بیت۔ • بشاراتِ محمدیہ • قتال النواصب

- حاشیہ شرح مُسلّم ۔ • رسالہ جذر اصم ۔ • ثمرۃ الخلافت ۔ • ازاحۃ الغی ردِّ عبدالحی ۔ • شم الفار ۔
- صمصام قاطع ۔ • برق خاطف ۔ • کتاب مبسوط ردِّ تحفہ بحث امامت ۔ • حاشیۂ شرح کبیر
- حاشیۂ شرح زبدۃ الاصول ۔ • کشف الغطا ۔ (ورثۃ الانبیا ۔ بے بہا ۲۳۶ ۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ، ص ۱۵۴ ۔ رسالہ حالات سلطان العلماء ۔ • تاریخ سلطان العلماء ، بے بہا)

محمد، اخباری :

۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۴ء
۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء

میرزا ابواحمد محمد بن عبدالنبی بن عبدالصانع نیشاپوری اکبرآبادی (آگرہ) وطن تھا بقول ذکر حسین ۱۲۳۲ھ تبوکلمز بغداد ۱۲۳۲ھ آید قتل کر دیے

تصانیف : تسلیۃ القلوب الحزین ۔ • کتاب المبین ۔ • مُنیۃُ المرتاد ۔ • کلیات الرجال

- تقویم الرجال ۔ • مصادر الانوار ۔ • فتح الباب ۔ • الشہاب الثاقب ۔ • دوائر العلوم
- قلع الاساس رد اساس الاصول بجواب تحفہ اثنا عشریہ (تکملہ) تاریخ اسلام ج ۵ ۔ بنام زبدۃ الکلام ، طبع دہلی ۱۹۱۹ء)

محمد، اخباری، میرزا :

۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

میرزا محمد ابن میرزا امان لکھنو کے نامور عالم اور صاحب سند محدث تھے ۔ خطابت و وعظ میں ان کا جواب نہ تھا ۔ بعض معاصر حضرات نے ان کے علم و اجازات پر بحث کی ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی اخباریت اور بعض مسائل سے اختلاف اس کا باعث ہو ۔

بہرحال جناب سلطان العلماء ، سید العلماء ، مفتی محمد عباس صاحب سے کبھی بہت گہرے روابط تھے ۔ کچھ عرصے بعد ان لوگوں سے تعلقات کشیدہ ہوگئے ۔ عراق و ایران گئے اور وہاں سے اجازات لائے ۔ واجد علی شاہ نے کلکتے بلایا تھا ۔ اس سفر میں مرشد آباد اور پٹنے جیسے شہروں قصبوں میں بڑی معرکۃ الآراء تقریریں کیں ۔ ۲۹ ر رمضان ۱۲۸۹ھ کو لکھنو میں وفات ہوئی ۔ منیر شکوہ آبادی کی تاریخ ہے :

فاضل اخباری وہم زینت بزم عزا — حضرت میرزا محمد آنکہ بد شیوا زبان
زیر عباں اشتافت آنکہ جانب جنات عدن — در فراقش خونفشاں گردید چشم دوستان
سال مرگش در صفاتش نظم کردم اے منیر — عالم اخباری و زوّار و پاکیزہ بیان

میر احسان کے امام باڑے میں دفن ہوئے (۱۲۸۹ھ)

تصانیف : • زہد و تقویٰ در بحث من و سلوی ۔ • خواتیم الصالحین (انگشتری پر) طبع مطبع محمدی ۱۲۶۹ھ اس رسالے میں لکھا ہے کہ نگینوں پر ایک رسالہ الگ لکھا ہے ۔ • نور الاسلام لکشف معنی الطعام ۔

محمد، سید، فخر العلما:

حدود ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

جناب فخر العلما مولانا سید محمد بن مفتی ملا حمید الدین محمد موسیٰ المعروف بہ سید باقر مرشد آبادی۔ ۱۲۹۰ھ میں جناب ملا مہدی مازندرانی جب لکھنو آئے تو آپ نے موصوف کی تقلید کی مگر ملا مہدی صاحب نے آپ کے علمِ فقہ کے کمال کو دیکھ کر فرمایا کہ تم پر تقلید واجب نہیں۔ چھ مہینے کے بعد ملا صاحب نے فرمایا کہ تم پر تقلید حرام ہے۔

آپ نے اپنے والد جناب سید باقر صاحب اور علمائے لکھنؤ سے علوم حاصل کیے۔ پھر عراق گئے۔ پھر بعض زائرین امروہہ کے اصرار سے امروہہ آگئے وہاں سے لکھنؤ آئے۔

آپ نے متعدد کتابوں پر حواشی لکھے۔

تصوف پسندی و ریاضت باطن میں مشہور تھے۔

لکھنؤ میں رحلت کی اور جناب حاجی سید رضی الدین مرزا مرحوم فرزند اکبر جناب فخر العلما نے کربلائے معلیٰ لے جاکر دفن کیا۔ دوسرے فرزند سید اسد اللہ جلال الدین مرشد آباد میں تھے۔ (تذکرہ بے بہا: ۲۴۴)

مرزا محمد، فیض آبادی:

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

محمد بن علی محمد فیض آبادی بہت بڑے عالم تھے جناب سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب سے حدیث و فقہ و اصول و کلام میں درس و اجازہ لیا تھا۔

تصانیف: ۰ الاسنۃ المحمدیہ للزنادقۃ والنصرانیۃ والیہودیۃ تالیف ۱۲۲۵ھ ۰ ریاض المواعظ اور دوسرے رسائل کتب خانہ ممتاز العلماء لکھنؤ میں موجود ہیں۔ (تاریخ سلطان العلماء۔ نزہۃ ج ۷، ص ۰ التکملہ نجوم السماء ۲ ص ۲۱۲)

محمد، سید، وزیر:

۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۷ء

جناب مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ کے بڑے صاحبزادے، مولانا سید محمد جامع صفات و کمالات خوش مزاج، خوش گفتار، عبادت گذار، شب بیدار، سحر خیز، مہمان نواز بزرگوار تھے۔ علوم متداولہ میں مہارت حاصل کی تھی۔ تینوں زبانوں شعر برجستہ کہتے تھے۔ نذیر تخلص تھا۔

سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب، مفتی صاحب، مولوی احمد علی صاحب، ملک العلماء، تاج العلماء نے اجازات عطا فرمائے تھے جو ۱۲۹۸ھ میں عظیم آباد پٹنہ سے چھپ چکے ہیں۔ طب میں حکیم نبا صاحب نے

سند کماں دی تھی۔

آگرے اور پٹنہ میں امامت جمعہ وجماعت کے فرائض انجام دیے۔

عظیم آباد پٹنہ ۱۹؍شعبان ۱۳۱۴ھ میں انتقال فرمایا۔

اولاد: مولوی سید زین العابدین صاحب قبلہ۔ • مولوی سید مرتضےٰ صاحب قبلہ۔

تصانیف: • شریعت سہلہ (عربی) فقہ۔ • کتاب المسائل۔ • رسالہ راحت رسا۔ • حالاتِ اہلیہ
• رقعاتِ فارسی۔ • مثنوی زادِ عقبیٰ۔ • مثنوی باغ مومنین۔ • مثنوی نان وکباب۔ • مثنوی شمس الضحیٰ
• مجموعہ قصائد۔ • مثنوی گوہر۔ • شبِ چراغ۔ • مثنوی رشکِ بوستان۔ • مثنوی گلشنِ ہدایت۔

(بے بہا: ۳۵۴)

محمد سید، سونی پتی:

۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

مولانا سید محمد صاحب بن مولانا عمار علی متوفی ۱۳۰۴ھ سونی پت کے رئیس، اپنے والد اور متعدد اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی خدمات انجام دیتے رہے۔

موصوف فقہ واصول، تاریخ وکلام کے ماہر اور سنسکرت کے فاضل تھے۔ کیمیا سے بھی شغف تھا۔ آپ اپنے والدِ علام کے جانشین رہے۔

۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء سونی پت میں رحلت کی۔

اولاد: • مولوی سید علی جان (اصل نام علی احمد تھا) ۱۹۰۶ء میں رحلت کی۔

تصانیف: • تحفۃ الاشعریہ (مطبوعہ) (بے بہا ص ۴۰۸)

محمد سید نجفی، ہندی:

۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء
۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء

آیۃ اللہ سید محمد ہندی بن سید ہاشم بن میر شجاعت علی رضوی آپ کے جدِ بزرگوار لکھنؤ سے ہجرت کرکے نجف میں متوطن ہوگئے تھے۔ آپ کے والد سید حسین ابن سید ابی الحسن موسیٰ حسینی عاملی کے داماد تھے۔ جن سے جناب سید محمد کو صاحب جواہر الکلام کی دختر منسوب تھیں۔ اس سے ان کی ثقاہت تقویٰ اور کمال علم وعمل کا ثبوت ملتا ہے۔

علامہ سید محمد نے جناب شیخ محسن خنفر م ۱۲۷۰ھ اور شیخ محسن، شیخ مرتضیٰ انصاری سے اجازات حاصل کیے، آپ فقیہ، اصولی ورجالی ہونے کے علاوہ متعدد علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ نجف میں مدتوں درس دیا اور امامت فرمائی۔ ایک مدت تک سامراء میں رہے۔ آخر عمر میں نجف تشریف لے آئے اور ۲۹؍شعبان ۱۳۲۳ھ ۲۹؍اکتوبر

۱۹۰۵ء کو رحلت فرمائی اور نجف کے مکان مسکونہ میں دفن ہوئے۔

آیۃ اللہ سید محمد ہندی کثیر الفضائل، کثیر التصانیف تھے۔ آغائے بزرگ تہرانی اور آقای محسن الامین نے آپ کو دیکھا تھا۔ آپ کے تالیفات آپ کی اولاد کے پاس نجف میں محفوظ تھے۔

اولاد: • سید باقر مجتہد متوفی ۱۳۲۹ھ • سید جعفر • سید فرج • محمود • رضا • ہاشم

تصانیف: • المنہج القویم فقہ۔ • ارجوزہ فی الرجال "نظم اللئالی فی علم الرجال" ۲ جلدیں (اس سے محسن امین نے اعیان میں استفادہ کیا ہے) • مسلک الفطن النبیہ فی شرح اسانید من لا یحضرہ الفقیہ
• اللئالی الناظمہ لاحکام اللازمہ (فقہ کامل) عربی۔ • شوارع الاعلام الی شرائع الاسلام — (عبادات و اکثر معاملات تک لکھ چکے تھے) • الصراط المستقیم شرح المنہج القویم فقہ
• حقائق الاصول (اصول فقہ ۲ جلد) • الدرر المنثورہ والکنوز المستورہ، مسائل اصول فقہ، رجال وغیرہ پر بہت عمدہ مباحث۔ • مختصر العیون الغامزہ علی خبایا الرامزہ فی العروض والعیون للدمامینی والرامزہ للخزرجی۔ • السبیکۃ الذہبیہ فی الاعاریض العربیہ۔ • حاشیہ علی رسائل الشیخ مرتضی وعلیہا حواشی بخط المرتضی۔
• الاضواء المزیلہ للشبہۃ الجلیلہ۔ • تقریرات الشیخ محسن۔ • تقریرات الشیخ مرتضی الانصاری وعلیہا حواشی بخط الشیخ۔ • مختصر مراسم سلار۔ • فوائد متفرقہ۔ • تقریر علی بحث الوکالہ۔ • تقریر بحث المیرزا الشیرازی فی الجبائر۔ • مباحث اصولیہ۔ • تقریر بحثہ فی طہارۃ الجواہر۔ • تقریر بحث المیرزا الشیرازی فی الخلل الواقع فی الصلوۃ۔ • رسالۃ فی الاماء۔ • فوائد متفرقہ فقہیہ۔ • رسالۃ فی المقادیر الشرعیہ۔ • تقریر بحث السید حسین ترک فی جملۃ من ابواب الفقہ۔ • رسالہ عملیہ۔ • کتاب القضاء۔ • تقریر بحث المیرزا الشیرازی۔ • متفرقات ملتقط من کتب العقائد وعلم القرأۃ وغیرہا۔ • تقریرات الشیرازی فی جملۃ من ابواب الفقہ (غیر ما تقدم)۔ • فوائد متفرقہ فی الفقہ والاصول۔ • مختصر شرح الاسباب فی الطب۔ • تقریر بحث السید حسین الترک فی الصلوۃ من الاذان من جملۃ مسائل الفقہ غیر ما تقدم۔ • مطالب رجالیہ منتخبہ من رجال بحر العلوم۔ • غایۃ الایجاز فی الفقہ • الکشکول ۹ مجلد
(اعیان الشیعہ ج ۴۴۔ ص ۱۱۰۔ طبع دوم و مصفی المقال تکملہ نجوم السماء ج ۱ ص ۲۵۲)

محمد، سید رضوی، اکبر آبادی:

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

مولانا سید محمد بن سید اولاد علی رضوی کا اصل وطن ہیلک ریاست بھرت پور مشرقی راجپوتانہ تھا۔ مولانا سید محمد صاحب علی گڑھ کے سرکاری مدرسے میں عربی فارسی کے مدرس تھے۔ علوم اسلامی کے عالم اور مولانا حامد حسین صاحب مؤلف عبقات کے شاگرد تھے۔

بے حد مقدس، صاحبِ نظر اور دادگستر آدمی تھے۔ آگرے میں بہت بڑا مکان بنوایا اور بہت سی جائداد وقف کی تھی۔ بڑی عزت و ناموس سے رہتے تھے۔ مزار شہید ثالث آگرہ کی تعمیر جدید کے لیے فردوس مآب مولانا حامد حسین اور مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ نے جو سعی کی اس کا مرکز مولانا سید محمد صاحب تھے۔

ستر، اسی کے قریب عمر پاکر ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں سفرِ آخرت کیا۔

اولاد: • خان صاحب سید سجاد حسین سول و سیشن جج بھرت پور۔ • سید جواد حسین صاحب منصف اور کئی صاحبزادیاں تھیں۔ پانچویں صاحبزادی کے فرزند جناب محمد محمود مخمور اکبرآبادی نے مولانا کے احوال لکھ کر مجھے متشکر فرمایا۔

تصانیف: • تنزیہ القرآن۔ پادری عمادالدین کے جواب میں انتہائی مدلل اور عالمانہ کتاب (مطبوعہ) • مقتل (حسینؑ) • فقہ پر چند رسائل۔

محمد شیخ، شوستری:

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

حدود ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

جناب حاجی مولانا شیخ محمد شوستری، دزفول (ایران) کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے اور بمبئی میں نشو و نما حاصل کی۔ سات برس کے ہوئے تو ایک خاص معلم کے خدمات حاصل کیے اور تجوید و تلاوت و خوش خطی و ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کیے اور اعلیٰ علوم دین کے لیے علامۃ الحاج شیخ ابوالقاسم نجفی کاشانی فقیہ بمبئی کے حضور میں حاضر ہوتے رہے۔ پھر نجف و مشہد وغیرہ میں تعلیم حاصل کرکے فلسفہ و فقہ و کلام پر عبور حاصل کیا۔

بمبئی میں دین اور اہلِ دین کی خدمت کرتے تھے۔ انسان دوستی، اخلاق اور داد و دہش، سیرت و کردار میں اہم شخصیت کے مالک تھے۔ اہلِ علم کا لباس پہنتے تھے۔ حج و زیارات سے مشرف ہو چکے تھے۔

عبدالحسین نجفی نے اپنے سفرنامے "الرحلۃ الحسینیہ فی الدیار الہندیہ" طبع ۱۳۴۶ھ میں مولانا محمد شوستری کی تصویر دی ہے اور مندرجۂ بالا احوال لکھے ہیں۔

بہت بڑے تاجر اور رئیس تھے۔ لیکن فقہ و اصول کے دروس میں برابر شرکت کرتے رہے۔ بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ حدود ۱۹۳۵ء میں بمبئی میں رحلت کی۔ **فرزند:** • حاجی شیخ محمد علی۔

محمد سجاد: لڈن صاحب، دیکھیے علی سجاد

محمد سید، گکرولوی :
حدود ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

مولانا سید محمد صاحب گکرولی ضلع بجنور کے معززین و امراء و علماء میں تھے۔ مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کی سند لی تھی۔ ان کے والد سید محمد حسنین بھی علم دوست بزرگ تھے انہوں نے علل الشرائع کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔

مولانا سید محمد گکرولی کی وفات ۱۹۳۵ء کے بعد ہوئی۔

محمد سید، کشمیری، مجتہد:
۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء

حجۃ الاسلام مولانا سید محمد صاحب قبلہ اچھ گام کشمیر نے مدرسۂ سلطان المدارس لکھنؤ سے صدر الافاضل اور نجف اشرف سے درس خارج حاصل کیا اور بعد حصول اجازات وطن واپس جاکر امور دینی اور تبلیغ میں مصروف ہوئے۔

جون ۱۹۵۹ء / ۱۳۷۸ھ اچھ گام میں رحلت کی۔

محمد سید، عرف میرن صاحب:
۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء
۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء

جناب عمدۃ الفقہا مولانا سید محمد عرف میرن صاحب جانشین غفران مآب مولانا سید محمد تقی بن سید محمد ابراہیم کے فرزند تھے۔ ۲۴ رمضان ۱۳۱۳ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اور مدرسۂ سلطان المدارس میں درس لے کر صدر الافاضل ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں جناب سید باقر صاحب اور مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محلی کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ لکھنؤ سے فراغت کے بعد نجف بھی گئے۔ مولانا میرن صاحب یوں تو فقہ و اصول بھی پڑھاتے تھے لیکن ان کو منطق سے خاص دلچسپی تھی۔ مولانا کلب حسین صاحب، مولانا عبدالحسین صاحب کے ہمدرس تھے۔ میں نے بھی شرح تہذیب ان سے پڑھی ہے۔ میرے ساتھ مولانا کلب عابد صاحب اور حسن نواب صاحب بھی پڑھتے تھے۔

مولانا میرن صاحب جناب ممتاز العلماء کے امام باڑے اور کتب خانے نیز متعلقہ اوقاف کے نگران تھے۔ حسین آباد کی مسجد میں امامت فرماتے تھے۔ مجلس بھی پڑھتے تھے۔ مولانا کو میں نے پاٹے نالے کی مسجد مولا پھر کٹرۂ ابوتراب خان میں رہتے دیکھا تھا۔

مولانا نے ۱۴ جنوری ۱۹۶۱ء ۲۶ رجب ۱۳۸۰ھ کا دن گذر کر شب یکشنبہ ساڑھے دس بجے لکھنؤ میں رحلت کی۔ جناب مفتی احمد علی صاحب نے نماز پڑھائی۔ سید تقی صاحب کے امام باڑے میں ضریح کے

سامنے دفن ہوئے۔

اولاد: • سید علی صاحب صدر ممتاز الافاضل و فاضل نجف • سید حسن صاحب صدر ممتاز الافاضل و فاضل نجف

محمد سید دہلوی :

حدود ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء
۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۱ء

خطیب اعظم مولانا الحاج سید محمد صاحب دہلوی، اپنے وطن ہبتین ہیڑی ضلع بجنور (ہند) میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا آفتاب حسین صاحب قبلہ کے بڑے فرزند تھے۔ آفتاب حسین صاحب اینگلو عربک اسکول دہلی میں استاد تھے۔ اس لیے سید محمد صاحب نے دہلی میں نشو و نما حاصل کی۔ ابھی چند سال نہ گزرنے پائے تھے کہ ۱۳۲۱ھ میں والد نے رحلت کی۔ چاہنے والی ماں نے مولانا آفتاب حسین صاحب کے چہلم کے بعد اپنے جگر گوشے کو تعلیم کے لیے مولانا قاری عباس حسین صاحب کے سپرد کردیا۔ ایک سال بعد والدہ نے بھی اکیلا چھوڑا اور دنیا سے سدھاریں۔ ماں کے مراسم سوگواری سے مہلت ملتے ہی مولانا سید محمد دہلوی دہلی آگئے۔ یہاں ان کے والد کے چاہنے والے اور اس ہونہار فرزند کو باپ کا خلف رشید دیکھنے کی تمنا کرنے والوں میں مولانا مرزا محمد حسن صاحب اور مولانا سید محمد ہارون صاحب استاذ عربک اسکول نے ہدایۃ النحو و کافیہ وغیرہ پڑھا کر لکھنؤ کے لیے آمادہ کیا اور سید محمد باقر انبالوی نے لکھنؤ بھجوادیا۔ اور مولانا نے مدرسۂ ناظمیہ میں نام لکھوالیا۔ چار سال گذرے تھے کہ مولوی مقبول احمد صاحب نے رام پور بلالیا۔ (حدود ۱۹۱۲ء) مدرسۂ عالیہ رام پور میں شیخ محمد طیب عرب سے مولوی فاضل کا نصاب پڑھ کر پنجاب یونیورسٹی سے سندِ امتیاز حاصل کی۔ نواب امراؤ مرزا اسی دن کے منتظر تھے۔ موصوف نے مولانا کو عربک اسکول میں جگہ دلوادی۔

مولانا سید محمد صاحب نے اطمینان کی سانس لیتے ہی، خداداد جوہرِ ذہانت، ذکاوت، طلاقت و خطابت کا مظاہرہ شروع کیا۔ اور دلی والوں نے یتیم مولانا آفتاب حسین کو سروں پہ اٹھالیا۔ ان کی تقریر میں لوگوں کو وہی لطف حاصل ہوا۔ چنانچہ ایک بہت بڑی مجلس میں سید منیر دہلوی نے کھڑے ہو کر کہا۔

مولوی سید محمد ہیں عدیلِ آفتاب — ظاہر و باطن ہیں بے مثل و مثیلِ آفتاب
سچ کہا ہے "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" — چوم کر ان کے قدم کہتی ہے دلّی کی زمیں

خطابت نے دن بدن ترقی کی، اور مولانا نے دل لگا کر مطالعہ اور محنت کی۔ انھیں کتابوں کا بڑا شوق تھا۔ وہ شروع ہی سے پڑھنے کے عادی تھے۔ زبان رواں اور طرزِ خطاب دل کش تھا۔ "اینگلو عربک ہائی اسکول میں درس کی وجہ سے ان کے شاگرد ان کے گرویدہ تھے اور وہ بھی بڑی نفسیاتی تدبیروں سے طلبہ کو پڑھاتے

اور سبق یاد کرادیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھی اور افسران سے بے تکلف اور پُرخلوص طور پر ملتے تھے۔ وہ جہاں کہیں مجلسیں پڑھنے جاتے وہاں کے لوگ ان کی عادت (کہ وہ زادِ راہ وغیرہ میں رقم لینا پسند نہ کرتے) جانتے تھے۔ اس لیے غیر معمولی عزت سے پیش آتے تھے۔ ان کی اس بات نے ہر دلعزیز بنا دیا۔

مولانا کی تقریر میں شگفتگی، مزاح اور حرکات و سکنات کے ذریعے تاثیر آفرینی، زبان اور سادگی کچھ اس طرح تھی کہ عوام عش عش کر اٹھتے تھے۔ سیرت النبیؐ کے جلسے ہوں یا محرم کی مجلسیں ان کے سامعین ہمیشہ مطمئن اور خوش جاتے تھے۔ گھنٹوں تقریر کرتے مگر سننے والے تر اکتاتے تھے۔ وہ علمی مضامین کو عام فہم زبان میں بھی ادا کر سکتے تھے اور فلسفیانہ ذوق رکھنے والوں کے مجمع کو بھاری بھر کم مطالب سمجھا کر داد لیتے تھے۔ عام فہم چٹکلے اور خوش کن فقرے، پھبتی اور طنز ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ لوگ انھیں "بلبلِ بستانی معانی" کہا کرتے تھے اور خواجہ حسن نظامی "خطیبِ اعظم"۔

دلّی میں ایک عظیم اجتماع میں بلبلِ ہند سروجنی نائیڈو کی تقریر کے بعد مولانا سید محمد صاحب نے اپنے انداز میں تقریر کی کہ خواجہ حسن نظامی کے اخبار منادی نے آپ کے خطیبِ اعظم ہونے کا اعلان کر دیا۔

مولانا نے برِصغیر میں دکن سے کشمیر اور کراچی سے ڈھاکے تک پھر افریقہ اور ایران و عراق میں اپنی تقریر کا سکہ بٹھایا اور اپنے کمال کا لوہا منوایا۔ ۱۹۳۹ء اور ۱۹۵۱ء میں عراق اور ۱۹۶۶ء میں حج سے مشرف ہوئے۔ ان سفروں میں مولانا نے ہر ملک کے اکابر سے ملاقاتیں کیں۔ کتابیں خریدیں اور علمی فائدے اٹھائے۔

مولانا سید محمد صاحب خوددار، نفاست پسند، نوادر کے شوقین، کھانے پینے رہن سہن اور رکھ رکھاؤ میں رئیس تھے۔ نظامِ دکن اور نواب رام پور سیٹھ حاجی داؤد ناصر جیسے امرا سے میل جول تھا۔ وہ سخی اور ہمدرد اور فعال شخص تھے۔ قوم کی فلاح و بہبود، عوام کی خوش حالی اور اصلاح کے لیے انھوں نے بہت سے تعمیری کام کیے۔ مثلاً مظفر نگر میں شیعہ ہوسٹل قائم کیا۔ دہلی میں شیعہ ہال اور شیعہ اوقاف قائم کیا۔ جھنگ میں یتیم خانہ بنوایا۔ بمبئی کا خوبصورت اور وسیع ہال کیسر باغ انھیں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ لکھنؤ ایجی ٹیشن میں غیر معمولی خدمتیں انجام دیں۔ پاکستان میں شیعہ مطالبات کے لیے قوم کو متحد و منظم کیا۔ اور بڑھاپے میں انتھک جدوجہد کر کے حکومت سے مطالبات منوائے۔

مولانا سید محمد ملک کے مسلم الثبوت مجتہدؒ کے خطیب اور لاجواب رہنما تھے۔ ان کا سب سے بڑا مشغلہ کتاب دوستی تھا۔ یوں ان کو نئی اور نفیس چیزیں جمع کرنے سے بھی دلچسپی تھی۔ انھیں پڑھنے کے ساتھ لکھنے کا بھی شوق تھا۔ انھوں نے رام پور میں تفسیر قرآن مجید کے لیے ایک بہت بڑے بورڈ کی تشکیل کی تھی۔

اس بورڈ نے ابھی پانچ سو صفحات کا مقدمہ ہی مکمل کیا تھا کہ پاکستان بن گیا۔ اور مخالفینِ پاکستان نے رام پور میں ان کا کتب خانہ اور گھر جلا دیا۔ اس کے بعد وہ پاکستان آ گئے۔

مولانا سید محمد ستر سال کی عمر میں "خطیبِ اعظم" اور "قائدِ ملت" کی حیثیت سے شیعوں میں ناموری کی انتہا پر پہنچ کر خدا کے حضور میں حاضر ہوئے۔ وہ طویل مدت سے عوارض قلبیہ میں مبتلا تھے۔ اس پر طرہ تھے افکار آخر دن رات محنت نے انھیں مضمحل کر دیا۔ ازیں رو ۲۹ رجادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ ۲۰ راگست ۱۹۷۱ء جمعہ کے دن ایک بجے کے بعد اچانک حرکتِ قلب بند ہونے سے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔ انھیں ہزاروں کے مجمع نے باغِ خراسان کے قبرستان میں دفن کیا۔

تصانیف: • **نورالعصر،** حضرت امام آخرالزمانؑ پر نفیس کتاب ہے جو لاہور سے چھپی اور میں نے ان کی فرمائش سے مقدمہ لکھا۔ اس مقدمے میں مولانا سید محمد صاحب کے احوال بھی ہیں۔

• **کشکول:** مولانا نے مدت العمر مطالعہ کیا۔ اس کے خلاصے لکھے جو ضخیم دفتر کی صورت میں موجود ہیں۔

• **یادگار:** مولانا نے پاکستان میں بچی کھچی کتابوں کو دوبارہ مرتب کیا اور نئے سرے سے کتب خانے کو بنایا۔ یہ کتب خانہ اپنی زندگی میں حاجی حسن علی پیر ابراہیم کی تولیت میں دے دیا تھا۔ موصوف نے فردوس کالونی کی ایک عمارت میں منتقل کر کے فائدۂ عام کے لیے کھول دیا۔ کتب خانے میں اعلیٰ درجے کی کم و بیش آٹھ ہزار قیمتی کتابیں ہیں جن میں "آئینۂ حق نما" اور مولوی امیر علی کی منظوم عرضداشت بنام واجد علی شاہ ہے اور جناب فردوس مآب مولانا حامد حسین صاحب عبقات کے خطوط عربیہ کا مجموعہ قلمی نوادر ہیں۔

دوسری یادگار ان کے فرزند سید احمد صاحب نے تیار کی اور وہ ان کی مختصر سوانح عمری ہے جو ۱۹۷۱ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔

تیسری یادگار، مطالبات کمیٹی کے موجودہ صدر نے قائم کی اور وہ لاہور کا شیعہ ہوسٹل یعنی سید محمد ہال ہے جو رٹی گن روڈ پر واقع ہے۔ ۱۹۷۷ء میں اسے بیچ کر اس کی رقم انجمن وظیفہ سادات کو دیدی گئی اور اس سے وظائف بنام قائدِ ملت جاری ہوئے۔

اولاد: مولانا کے دو فرزند ہیں: • سید احمد جوہر صاحب اور • سید محمد رضا صاحب اور ایک صاحبزادی۔ (بے بہا — انجمن وظیفہ سادات سلور جوبلی نمبر۔ • مقدمہ نورالعصر۔ • حالاتِ زندگی و تاثرات طبع کراچی ۱۹۷۱ء)

مرزا محمد بن اسحاق تستری:

۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۱ء

فاضل و عالم نجم الدولہ محمد بن موتمن الدولہ اسحاق دہلوی جن کو محمد شاہ نے بخشی کا عہدہ دیا تھا۔

۱۲۳۲ھ میں قتل ہوئے۔ (نزہتہ ج ۶ ص ۲۵۶)

محمد سعید بن باقر بخاری لکھنوی:

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء

مولانا محمد بن باقر لکھنوی (شاگرد جناب سید العلما) لکھنو میں پیدا ہوئے۔ جناب سید حسین صاحب سے تلمذ تھا۔ ۱۲۵۹ھ میں عراق ہجرت کر گئے۔ اور کربلا میں وفات پائی۔

متعدد تالیفات تھے جو ضائع ہو گئے۔ (نزہتہ ج ۷، ص ۴۱۴)

محمد بن تاج الدین حسن اصفہانی:

۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء

۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۵ء

فاضل ہندی، بہاؤ الدین محمد بن تاج الدین اصفہانی مشہور مجتہد اور نامور محقق تھے۔ جناب تاج الدین حسن بن محمد کا ہندوستان آنا بتاتا ہے کہ یہاں اس وقت شیعوں کی علمی اور سیاسی حیثیت بہت بہتر تھی۔ مولانا والد کے ساتھ بچپنے میں ہندوستان آئے تھے۔ اس لیے بڑے ہو کر فاضل ہندی کہلائے۔ گیارہ سال کی عمر سے تصنیف و تالیف میں مصروف ہوئے۔ تیرہ سال کی عمر میں معقولات سے فراغت کی۔ انیسویں سال میں منیۃ الحریص علی فہم شرح التلخیص لکھی۔

علامہ مجلسی نے شاہی حرم سرا میں مسائل بتانے کے لیے نابالغ عالم ہونے کی بنا پر متعین کیا۔ ایک روز جب آپ حرم سرا میں گئے تو آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اور پردہ کر کے گئے! لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ اب مَیں بالغ ہو گیا ہوں لہٰذا نامحرم پر نظر نہیں کر سکتا۔ علامہ مجلسی کے خاندان سے سلسلہ دامادی تھا۔

ذہانت، حافظہ اور اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر عمر میں فقہ کے نامور محقق ہوئے اور اصفہان میں صاحبِ درس و تصنیف رہے۔

موصوف کی ولادت ۱۰۶۲ھ اور وفات ۲۵ رمضان ۱۱۳۷ھ میں ہوئی۔

تصانیف: • مناہج النبویہ فی شرح روضۃ البہیہ (۱۰۸۸ھ) کئی مجلد۔ • کشف اللثام فی شرح قواعد الاحکام۔ (۱۱۰۵ھ) • منیۃ الحریص علی فہم شرح التلخیص۔ • تمحیص علم بلاغت • کتاب النحو والجاریہ۔ • در اصول شریعت و فروع۔ • کاشف لیغنی، شرح عقائد نسفی پر حواشی۔ (نجوم السماء ۲۱۱، بے بہا ۷۷۔ روضات الجنات ج ۷، ص ۱۱۱)

محمد، میر : ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء

میر محمد بن میر امداد علی آشوب بن میر روشن علی فروغ جوان و صالح و متقی دہلی میں پیش نماز تھے۔ مرزا غالب نے جمعہ، ۲۶ ستمبر ۱۸۶۲ء غرۂ ربیع الثانی ۱۲۷۹ھ کے مکتوب میں میر مہدی حسین مجروح کو میر محمد صاحب کی وفات اور دفن کی خبر لکھی ہے۔ (دیکھیے اُردوئے معلّٰی)

محمّد بن علی، شیخوری : حدود ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء

جناب شیخ محمد بن علی، جبل عامل کے قریۂ شیخور کے رہنے والے تھے۔ جناب حر عاملی متوفی ۱۱۰۴ھ نے انھیں اپنا معاصر اور فاضل و عالم و عابد و متوطن حیدرآباد لکھا ہے۔ مولوی محمد حسین نے تذکرہ بے بہا میں لکھا کہ ان کی قبر حیدرآباد میں ہے۔

تصانیف : • تحفۃ الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب۔ کا مخطوطہ ۱۰۱۲ھ جناب حر عاملی کے کتب خانے میں موجود تھا۔ (نجوم السماء ص ۹۵۔ بے بہا ص: ۳۰۸۔ امل الآمل ج ۱ ص ۱۶۹۔ نزہۃ ج ۵)

محمّد بن علی عاملی، شامی : حدود ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء — حدود ۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۸ء

حجۃ الاسلام مولانا الشیخ محمد بن علی بن محمود[1] بن یوسف بن محمد بن ابراہیم جبل عامل شام (حال لبنان) کے رہنے والے تھے۔ موصوف معاصر شیخ حر عاملی، فاضل، ماہر، محقق و مدقق ادیب و شاعر تھے۔ محمد بن فضل اللہ بن محب اللہ دسنی نے خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر میں بہت تعریف کی ہے۔ اور حشری ان کا تخلص بتایا ہے۔

سلافۃ العصر کے مؤلف نے لکھا ہے کہ آپ اپنے وطن شام سے بلاد عجم گئے اور وہاں بڑی خوش حالی سے بسر کی تعلیم و تدریس مشغلہ رہا۔ والی حیدرآباد نے بڑے اہتمام سے بلایا۔ بڑے احترام سے رکھا۔ امور دینی اور لوازم شرعی کا نگراں مقرر کیا۔ ملا نظام الدین احمد مکی بھی ان کا ادب و احترام کرتے اور ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے (مولانا کا ایک خط شیخ کے نام دیکھیے، احمد، نظام الدین کے احوال میں) حج و زیارات سے مشرف ہو کر

---

[1] - نجوم السماء میں شیخ کے دادا کا نام بحوالۂ امل الآمل محمود بن یوسف ہے لیکن امل الآمل کے نسخۂ جدیدہ ج ۱ ص ۱۷۲ پر محمود ساقط ہے۔ عبدالحی نے نجوم السماء کے نسخے سے سید علی محمد سے نقل کیا ہے

دو برس بعد پھر حیدرآباد واپس آئے منتخب التواریخ بدایونی میں انہیں اکبری منصب دار لکھا ہے۔ اور کچھ خط نقل ہیں۔
سید علی خان مدنی نے ان سے قرأت و فقہ و نحو و بیان و حساب کی تعلیم حاصل کی۔ موصوف نے ،
سلافۃ العصر میں شیخ کے اشعار و احوال نقل کیے ہیں اور کہا ہے کہ تاریخ وفات شیخ "نیف وتسعین والف" ہے۔

(نجوم السماء ۱۳۳ ۔ امل الآمل ج ۱ ص ۱۷۳ ۔ نزہتہ ج ۵ ۔ بے بہا ۳۱۰ ۔ سلافۃ العصر ص ۳۲۳)

محمد بن علی حسینی، کشمیری :

حدود ۱۱۰۴ھ / ۱۶۹۲ء

السید محمد بن علی حسینی عربی النسل جبل عامل کے باشندے اور عالم و فاضل و فقیہ و نحوی و شاعر و متدس و صالح تھے۔ وطن سے ہجرت کر کے کشمیر میں متوطن ہو گئے تھے۔

علامہ حر عاملی متوفی ۱۱۰۴ھ نے اپنا معاصر کہا ہے۔ (امل الآمل ج ۱ ص ۱۶۹۔ نجوم السما ص ۹۵ نزہتہ ج ۵)

محمّد بن معن، الجزائری :

حدود ۱۱۰۴ھ / ۱۶۹۲ء

جناب مولانا الشیخ محمد بن معن جزائری علامہ حر عاملی متوفی ۱۱۰۴ھ کے معاصر عالم جلیل۔ ہند میں سکونت پذیر رہے۔ (امل الآمل ج ۲ ص ۳۰۷ ، بے بہا ص ۳۱۰)

محمّد بن نجم العلما :

۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء
۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء

حجۃ الاسلام مولانا سید محمد صاحب مرحوم، سرکار نجم العلما مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کے فرزند محبوب تھے مولانا کی تاریخ ولادت ہے۔ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ اس وقت جناب نجم العلماء امروہے میں رہتے تھے۔ ولادت بھی امروہے میں ہوئی۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ نے قطعہ تاریخ ولادت لکھا :

چوں بہ نجم الحسن کہ در امثال — مثل شمس است درمیان نجوم
روز عید مباہلہ کہ بود — شرف و قدر و فضل آں معلوم
حق عطا کردہ است طفل سعید — اسم او مخبر از سہ تا معصوم
سال تاریخ مولدش گفتم — قدس گلستان ورع و علوم

(چونکہ مفتی صاحبؒ نے سید محمد علی حسن نام تجویز فرمایا تھا اس لیے سہ تا معصوم سے اشارہ کیا) دوسرا قطعہ لکھا تھا :

سید پاک کہ نجم الحسن است — نور عین و ثمر قلب من ست

حق عطا کرد با د طفلِ جدید　　　طالعش باد ہمایوں وسعید
شود از اہلِ کمال ایں فرزند　　　تا ہمہ خلق از و فیض رسند
ماہ ذی الحجہ بر بست و چارم　　　شد د تا عید برائے مردم
بلبل خانہ تباریخش گفت　　　بچہ گل در چمن علم شگفت

سید محمد عرفیت تھی۔ کمسنی ہی سے تعلیم شروع ہوگئی۔ لہو و لعب سے نفرت تھی۔ مجالس علمیہ میں بیٹھتے تھے۔ دس گیارہ سال کی عمر میں ایسے کمال تک پہنچے کہ جناب مولوی سید محمد مہدی صاحب ادیب کے مکان پر پندرہ روزہ جو صحبتِ فضائل منعقد ہوتی تھی، جس میں جوٹی کے ادیب دادِ سخن دیتے تھے۔ وہاں مولانا نے اسی عمر میں عربی قصیدہ پڑھا اور بڑے بڑے بزرگوں کو اپنی قابلیت و ذہانت کا گرویدہ بنالیا۔

مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل تک تعلیم حاصل کی اور خلعت وعبا و سند سے شرفیاب ہوئے۔ کچھ عرصے تک شرح لمعہ و قوانین کا درس بھی دیا اور بڑی تحقیق سے پڑھایا۔

معقولات کی کتب قدیمہ کے مطالعہ سے بہت دلچسپی تھی۔ اصولِ فقہ اور ادب پر مکمل عبور تھا۔

تواضع و تقویٰ، فروتنی و حلم، ایثار و زہد، قناعت و عبادت سے آراستہ شہرت و جاہ طلبی سے دور۔

ضعف و امراض چشم میں مبتلا ہوئے۔ پھر ضعفِ صدر کی شکایت ہوگئی تھی۔ اس کے باوجود جب افاقہ ہوتا درس و تدریس میں مصروف ہوجاتے تھے۔ آخر تپ لازم ہوگئی اور ۲ جمادی الاولی ۱۳۲۷ھ لکھنو میں انتقال فرمایا۔ امام باڑہ جناب غفران مآب میں دفن ہوئے۔ مؤلف تذکرۂ بے بہا نے قطعہ لکھا:

چوں سید محمد ادیب سخنور　　　بجنت رواں شد رضیا کریما
ز دنیای دوں رخت بربست فوراً　　　چو بہر سفر از خدا یافت ایما
بہا و ضیای جناں شد دو بالا　　　ز نور و تجلای آں ماہ سیما
پئے سال تاریخ رضوان جنت　　　ندا زد، لقد فاز فوزاً عظیما　(۱۳۲۷ھ)

• ھو مغفور کے علاوہ گیارہ شعروں کا ایک اردو قطعہ ہے جس کے آخری دو مصرعے میں نقل کرتا ہوں۔

مصرع آخر کا فقرہ آخری تاریخ ہے　　　مصرع اول سے ہے جو مثل گلدستہ بہم
خلد میں پہنچے جو ضیاء سے تو رضوان نے کہا　　　پھول سے نجم الحسن کے بس گیا باغ ارم　(۱۳۲۷ھ)

اولاد: • تاج العلماء محمد مہدی صاحب نگراں مدرسۃ الواعظین لکھنو • عماد العلماء محمد رضی صاحب ساکن کراچی پاکستان۔

تصانیف: • شرایع الاسلام مطبوعہ (عقائد اطفال اردو) • رسالہ درجواب معراج العقول (عربی)

• کشف القلم فی الجذر الاصم (منطق) • رسالہ فی الصرف والنحو (ناتمام) (بے بہا ۳۸۸)

محمد بن علی، ابنِ خاتون:

حدود ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء
حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء

شمس الملۃ والدین، ابو المعالی، شیخ محمد ابن علی ابن خاتون، پیشوائے دکن، صدر الشریعت، صدر جہاں جملۃ الملک کے مناصب پر فائز ہوئے۔ نواب علامی ان کا عام لقب تھا۔

دکن کی قطب شاہی حکومت میں علماء کا سیاسی و تہذیبی اقتدار اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ دینی قوانین و ضوابط حکومت میں استحکام و قوت پیدا کرتے ہیں۔ دکن میں ہندو اکثریت اور سنی عوام کی فراوانی کے پس منظر میں دیکھیے تو "پیشوائی" کا عہدہ کتنا اہم نظر آتا ہے۔ محمد مومن و شیخ ابن خاتون و محمد رضا جیسے پیشواؤں کے حالات پڑھ کر علما کی بصیرت و عزمیت مجسم ہو جاتی ہے۔ دکن کا پیشوائی نظام تاریخ تشیع کا ایک اہم باب اور اسلامی حکومت کا ایک اہم تجربہ ہے۔ اس موضوع پر گفتگو سر دست ہمارے موضوع میں داخل نہیں ہے۔

ہم ابنِ خاتون پر شیعہ عالم کی حیثیت سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

علامہ شیخ محمد ابن علی موجودہ لبنان کے جنوب "جبلِ عامل" سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا خاندان آلِ ابنِ خاتون کہلاتا تھا، اور "عیناث" نامی قصبے کے خاندان علم و علما میں ان کا شمار تھا۔ عیناث سے بڑے بڑے علما نکلے اور ان حضرات نے دینی تبلیغات میں بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ شیخ بہائی نے ایران اور شیخ ابنِ خاتون نے دکن میں دینی علوم و اخلاق و شریعت کو رواج دینے کی کوشش کی اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچ کر علما کے علمی و عملی دائرۂ کار کا تعارف کرایا۔

ابنِ خاتون کا نسب نامہ یہ ہے "شمس الدین محمد ابن علی ابن محمد ابن خاتون عاملی عیناثی، مشہور بہ ابن خاتون اور مادری رشتے سے وہ علامہ بہائی، شیخ محمد ابن حسین ابن عبد الصمد جبعی عاملی حارثی کی خواہر کے فرزند تھے۔ ابنِ خاتون حسب نسب، وطن و آداب کے لحاظ سے عرب تھے۔ ان کا خاندان شام و لبنان سے طوس و اصفہان آیا اور آتے ہی معزز ہو گیا۔ شیخ بہائی حکومتِ صفویہ میں شیخ الاسلام ہوئے۔ غالبا ابن خاتون ایران میں پیدا ہوئے۔ اور طوس واستر آباد میں اساتذہ و علماء سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ان کے والد بھی عالم تھے اور ماموں بھی۔ خلاصۃ الرجال علامہ کا ایک نسخہ دیکھا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابنِ خاتون ۱۰۲۷ھ میں بہائی سے درس لیتے تھے۔ انھیں سے اجازۂ حدیث بھی لیا اور انھیں کی "الاربعین" کی بہت عمدہ شرح بھی لکھی۔ شرح اربعین کے مقدمے میں ابنِ خاتون نے بہائی کی تعریف یوں کی ہے جیسے وہ استاد و

مخدوم وشیخ سب کچھ تھے۔ شیخ عبد علی بن محمود جابلقی مؤلف شرح الفیہ بھی ان کے مادری بزرگوں میں تھے۔ ابن خاتون نے ان سے بھی پڑھا۔ بڑے بڑے اساتذہ سے تفسیر وحدیث، فقہ و کلام، فلسفہ ومنطق، ریاضی اور سائنس جیسے تمام متداول علوم حاصل کرنے کے بعد وہ اوج کمال کو پہنچے۔

سلطان محمد قلی کے عہد میں دکن آئے اور پیشوائے اعظم محمد مومن سے رابطہ پیدا کیا۔ ان کے درس میں شریک ہوئے۔ علامہ محمد مومن نے جوہر قابل دیکھ کر کمک کی۔ سلطان محمد قلی (متوفی ۱۰۳۵ھ) نے منشی الملک اور دبیر سلطنت بنا دیا۔ ۱۰۲۴ھ میں شیخ محمد ابن خاتون سفیر کی حیثیت سے ایران گئے اور دس سال وہاں قیام کیا۔ اسی دوران میں انھوں نے اعلیٰ اسناد حاصل کیے۔ محمد قلی قطب شاہ کی وفات کے بعد دکن آئے تو عبداللہ قطب شاہ نے ان کی پذیرائی کی۔ یہاں تک کہ بادشاہ نے اپنے پھوپھا شاہ محمد ابن شاہ علی عرب شاہ پیرزادہ پیشوائے سلطنت کا نائب مقرر کیا۔ کچھ دن بعد محمد رضا استر آبادی سے منصب دبیری ان کی طرف منتقل کر دیا۔ ۹ رمضان ۱۰۳۸ھ کو پیشوائے کل مقرر کیا۔ ۱۳ جمادی الثانیہ ۱۰۴۲ھ کو میر محمد رضا پیشوائی کے عہدہ پر نامزد اور ابن خاتون معزول ہوئے مگر ۹ شوال کو ۱۰۴۳ھ کو جملۃ الملک مقرر کیے گئے۔ ۱۰۴۶ھ میں یہ اعزاز ملا کہ ان کی پالکی دولت خانے کے اندر جانے کی اجازت تھی۔

ان کی علمی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ چنانچہ "اَمَلُ الآمِل" کے مصنف اور ابن خاتون کے معاصر علامہ حر عاملی میں لکھتے ہیں:

"عالم وفاضل، ماہر ومحقق، عظیم الشان ادیب اور جلیل القدر، جامع فنون علم تھے" اور مولانا محمد بن شرف الدین حسینی نے لکھا ہے:

"المولی الاعظم، والشیخ الاکرم، جامعُ صفات مکارم الاخلاق والشیم، حاوی سمات اعاظم اهل الآفاق علی وجه الاتم:

جواد ماجد ندب کریم	تقی فاضل مولی همام
محاسن لا یحیط بها نظام	ومجد لا ینام ولا یرام
وفضل لو قسمت البعض منه	علی جهل الخلائق لاستقاموا
وعز شامخ الاطواد تهوی	بجانبه الکواکب والغمام

وذلک عز الاسلام وفخر المسلمین، بل اعتضاد اعظم الملوک والسلاطین شمس الملة والدنیا والدین، ابوالمعالی محمد بن المرحوم المبرور علی بن خاتون الطوسی العاملی، خلّد الله ایام دولته واقباله وانعم بالسعود عیشه وباله"۔

- ترجمہ: مولائے معظم، شیخ اکرم، اخلاق وعادات کے بہترین اوصاف کے جامع آفاقی شخصیتوں کے تمام کمالات کے حامل کامل:

• سخی، صاحب شرف، کریم، پاک ذات، مولا، معزز۔ • ایسی خوبیوں کا مالک اور ایسے صفات جن کا احاطہ دشوار اور ان کا مقابلہ مشکل ہے۔ • فضل ایسا کہ اگر ان کا ایک حصّہ دنیا بھر کے جاہلوں میں بانٹ دیا جائے تو وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔ • عزّت واقبال کی بلندی ایسی کہ ستارے اور بادل بھی سرنگوں ہیں۔

اس سے مراد عزتِ اسلام ومسلمین، بلکہ بادشاہوں، شہنشاہوں کے قوتِ بازو، آفتاب ملت ودین ودنیا۔ ابوالمعالی محمد فرزند مرحوم مبرور علی ابن خاتون طوسی عاملی۔ اللہ ان کے عہد دولت واقبال کو قائم اور زندگانی کو دائم رکھے "۔

خدمات: ابنِ خاتون نے حیدر آباد میں مساجد و شفاخانے بنوائے، سرائیں تعمیر کیں۔ علما فضلا کو بڑے بڑے تحفوں سے نوازا، غربا کی پرورش کی۔ ملک وعوام کو خوش حال رکھنے کے منصوبے بنائے۔ شاہی تقریبات میں بے اعتدالیوں کو روکا۔ مذہبی اقدار کو فروغ دینے کی سعی کی۔ حیدر آباد کی مکہ مسجد آپ ہی کی نگرانی میں مکمل ہوئی۔ مدرسے آباد کیے۔ خود اپنا مدرسہ بنوایا جہاں بڑے بڑے علما، فقہا، ادبا، فلاسفہ بحث مباحثہ کرتے اور طلبا درس لیتے تھے۔ منگل کے روز سرکاری چھٹی ہوتی تھی۔ اس دن ادبی اجتماعات ہوتے تھے۔ عربی وفارسی کے شعرا دادِ سخن دیتے اور بڑے بڑے اعزاز وانعام لیتے تھے۔

ان کے قیمتی اور وقیع کتب خانے میں علما مطالعے کے لیے آتے تھے۔ وہ خود سرکاری کام سے فارغ ہو کر درس دیتے۔ تصنیف و تالیف . اور مصنفین کی امداد کرتے۔ چنانچہ ملا علی ابن طیفور کا ترجمہ، "عیون اخبار الرضا" اور "تاریخ حدیقۃ السلاطین" ملا حسین آملی/عاملی کی "شرح نہج البلاغہ" اور ملا محمد بن شرف الدین کی "جوامع الکلام/الکلم" ابن خاتون علیہ الرحمہ کی معارف پروری کے ثمر ہیں۔

ابنِ خاتون کی تصویر حیدر آباد میں موجود ہے۔ اس میں وہ امراء کے لباس میں ملبوس ہیں۔ وہ بہت وجیہ، قدآور اور تندرست و توانا آدمی تھے۔

وفات: اتفاق ہے کہ مجھے اب تک ابنِ خاتون کی قطعی تاریخ ولادت و وفات نہیں مل سکی۔ روضات الجنات مطبوعہ حبل المتین اصفہان ۱۳۸۲ھ کی جلد اول کے حاشیے میں لکھا ہے۔ "شیخ عباس قمی کے پاس "ارشاد الاذہان" علامہ حلی کا ایک خطی نسخہ تھا۔ جسے شمس الدین نے ۵ محرم ۱۰۶۵ھ کو حیدر آباد میں لکھا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ ابنِ خاتون نے ۱۰۷۰ھ کے حدود میں رحلت کی۔

مآثر دکن میں لکھا ہے کہ مقبرۂ ابن خاتون کا پتہ یہ ہے:
پرانی حویلی، زنانہ پھاٹک، ابن خاتون کی قبر سے متصل ان کی اہلیہ وغیرہ کی قبریں ہیں۔ سند وفات مذکور نہیں ہے۔

تصانیف: • شرح ارشاد علامہ (فقہ عربی) • حواشی بر جامع عباسی تالیف قبل ۱۰۵۰ھ (فقہ فارسی) ~~صاحب روضات الجنات کے پاس اس کا قلمی نسخہ تھا~~ • شرح اربعین بہائیؒ موسوم بہ قطب شاہی (حدیث) تالیف ۱۰۲۲ھ مطبوعہ بمبئی • کتاب امامت (عقائد) • توضیح الاخلاق محمد شاہی۔ فارسی۔ اخلاق ناصری کا خلاصہ (فہرست کتب خانہ امام رضاؑ ج ۲)

اس کے علاوہ متعدد حواشی وغیرہ۔

ابن خاتونؒ کی کتابوں کا ایک ذخیرہ ان کے فرزند شیخ اسد اللہ نے کتب خانہ امام رضاؑ میں ہدیہ کر دیا تھا۔ جس میں سید احمد بن علی حسینی استر آبادی کی معالجۃ الاسقام بھی تھی (اعیان الشیعہ ۹/۱۰۲)

اولاد: • شیخ اسد اللہ • جمال الدین ابو العباس احمد۔

(دیکھیے امل الآمل ج ۱ ص ۱۶۹۔ نجوم السماء، ص ۷۷۔ روضات الجنات ص ۲۲ طبع حجری۔ نزہۃ الخواطر ج ۵۔ تذکرہ بے بہا ص ۱۸۵، تصویر و تفصیل کے لیے سب رس، حیدر آباد دکن جنوری ۱۹۴۹ء)

محمد بن شرف الدین: حدود ۱۱۰۴ھ/ ۱۶۹۲ء

سید میرزا محمد بن شرف الدین علی بن نعمۃ اللہ الجزائری عراق و ایران کے افاضل علما کے خاندان سے تھے۔ اکابر عہد سے فیض یاب ہوئے۔ حافظ و عابد۔ محدث و فقیہ عالم و ادیب تھے۔ شیخ محمد بن خاتون عاملی کے ارشد تلامذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔

حیدر آباد دکن میں رہتے تھے، علامہ حر عاملی نے ان کے معاصر ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور ان سے روایت کی ہے۔

تالیفات: جوامع الکلام: الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ • الاستبصار و تہذیب الاحکام کی حدیث کو صحیح و غیر صحیح اور شرح و بیان مفید کے ساتھ جمع کیا۔ یہ کتاب برصغیر میں فن حدیث کی مہتم بالشان خدمت ہے۔

(امل الآمل: ج ۲ ص ۱۷۵۔ نجوم السماء: ص ۱۴۰۔ روضات الجنات: ج ۷ ص ۹۱۔ فوائد الرضویہ ص ۵۳۸۔ الکنی والالقاب ج ۲ ص ۳۳۰۔ میرا مضمون طبع المنتظر۔ لاہور۔ ۱۹۷۶ء)

محمد سید، امروہوی:
۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء
۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

مولانا سید محمد صاحب امروہوی سے میں ملا ہوں اور تذکرۂ بے بہا کی وہ عبارت پڑھ کر سنائی جس میں مولانا کے حالات تھے۔ موصوف سے ان کے سوانح دریافت کیے لیکن انہوں نے کچھ بتانے سے پہلوتہی کی۔ موصوف بہت مقدس اور خاموش عالم تھے۔ ایک مدت تک جناب حسین محمد صاحب وکیل کے گھر پر لاہور میں مقیم رہے آخر کراچی جاکر ۱۵ فروری ۱۹۷۶ء / ۱۴ صفر ۱۳۹۶ھ کو رحلت فرمائی۔

۷ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ بمقام امروہہ پیدا ہوئے تھے۔ تاریخی نام نظیر الحسن ہے۔ آپ کے والد مولانا سید احمد حسین صاحب بہت بڑے عالم و فقیہ تھے۔ مولانا سید محمد نے ابتدائی کتابیں صرف و نحو وغیرہ، سید المدارس واقع شفاعت پوتہ شہر امروہہ میں پڑھیں اور اسی مدرسے میں آپنے والد علام سے اعلی کتابوں کا درس لیا۔ مثلاً صدرا، شمس بازغہ، شرح مواقف، شرح تجرید، شرح لمع الاسلام، شرح لمعہ اور قوانین منطق و ہیئت ادب و بلاغت میں ضروری اور متداول کتابیں بڑی محنت سے پڑھیں۔ ۱۳۲۸ھ میں مدرسے سے سند حاصل کر کے سات سال تک درجۂ عالم و فاضل کو پڑھایا۔

۱۳۳۶ھ میں لکھنؤ گئے اور براہ راست صدر الافاضل میں داخلہ لیا۔ سرکار باقر العلوم سے مکاسب، وسائل، الکافی و شرح کبیر کا درس لیا۔ مدرسۂ سلطان المدارس نے امتحان کے بعد صدر الافاضل کی سند دی جو اس زمانے میں بڑا اعزاز رکھتی۔ صدر الافاضل کے بعد سال بھر تک پھر سید المدارس میں درس دے کر عازم عراق ہوئے محنت، مطالعہ، کم آمیزی اور شوق کی بنا پر آیۃ اللہ میرزائے محمد تقی شیرازی اور سرکار آیۃ اللہ شیخ محمد حسین مازندرانی اور آیۃ اللہ سید محمد کاظم شیرازی سے استفادہ کیا۔ ان حضرات نے اجازے مرحمت فرمائے اور موصوف ۱۳۳۹ھ میں وطن واپس آن کر سید المدارس میں معقولات و منقولات کا درس اعلیٰ دینے لگے۔

مولانا کی ذہانت و ذکاوت، تقدس و انکسار، اخلاق و تقوی کا ہر شخص مداح تھا۔ زبان میں اثر تھا۔ موعظہ و خطابت میں خلوص، مطالعہ و درس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا شغف آخر عمر تک جاری رہا۔ ۱۳۴۲ھ سے کچھ پہلے امروہہ میں یتیم خانہ قائم کیا۔ مساجد و حسینیہ کی تعمیر و آبادی میں ہمیشہ حصہ لیا۔ یوپی کے امتحانات علوم عربیہ و فارسیہ کے بورڈ میں ممبر رہے۔ ۱۹۵۲ء، ۱۹۵۴ء تک امروہے میں رہے۔ اسی زمانے میں زیارات عراق و ایران سے مشرف ہو کر لاہور آئے اور آخر کار پشاور و لاہور میں رہنے لگے۔ بیشتر زمانہ لاہور میں گزارا۔

امروہہ اور دوسرے مقامات پر لوگ آپ کی تقلید کرتے تھے۔ میں نے انھیں صاحب نفس قدسی

روحانیت وعبادت کا مجسمہ پایا۔ مسکرا کر بات کرنا، دین و دیانت اور حسن کلام کے سوا ادھر اُدھر کی بات نہ کرنا آپ کا شعار تھا۔ حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ سے بے حد محبت تھی۔ ہر مہینہ کی ۱۴ تاریخ حضرت کے اعزاز میں محفل منعقد کرتے تھے۔

تصانیف: • وسائل الشریعت، فقہ وعقائد (اردو) کئی مرتبہ شائع ہوئی۔ • فقہ الفریقین: اردو، مطبوعہ • فرق الفریقین: اردو، مطبوعہ۔ • خصائص اسلام: مطبوعہ۔ • اصول خمسہ: • عشرہ کاملہ • مطاعن: • وظائف الشیعہ: مطبوعہ۔ • ملاقات امام زمانہ: مطبوعہ (اردو)

اولاد: • ڈاکٹر سید محمد حبیب الثقلین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی۔ اور صاحبزادیاں۔

(تذکرہ بے بہا ص ۴۰۵)

محمد ابراہیم (فردوس مکان)

۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء
۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء

شمس العلما مولانا الحاج سید محمد ابراہیم صاحب بن مولانا محمد تقی خاندان غفران مآب کے نامور فرزند تھے۔ آپ ۱۰ جمادی الثانیہ ۱۲۵۹ھ مطابق ۹ جولائی ۱۸۴۳ء لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ حکومت اودھ نے اسی دن تیس روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ ہونہار بچے نے پانچویں سال بسم اللہ کی اور ابتدائی تعلیم کے بعد مولوی کمال الدین صاحب سے معقولات اور اپنے والد علام سے علوم منقول کی تکمیل کی۔

مولانا بچپنے ہی سے ذہین، جید الحافظہ تھے۔ سولہ برس کی عمر میں مراتب کمال حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس، تقریر وتحریر میں دلچسپی لینے لگے۔ آپ حق گو، متقی، رحم دل اور معاملہ فہم مدبر و باعمل عالم تھے۔ مسلمانوں کی خیرخواہی اور ۱۸۵۷ء کے بعد بدلتے ماحول میں اسلامی زعامت کے فرائض انجام دینے میں بڑی ہمت سے کام لیا۔ ۱۸۸۹ء میں مقدمہ بلا فصل میں ان کا بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس بحث کے بعد آپ کے بیان نے مقدمہ کا رُخ بدل دیا۔ اور ایسا فیصلہ ہوا کہ پھر یہ جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

۲ جون ۱۸۸۴ء کو آپ کی کوشش سے آصف الدولہ کا امام باڑہ انگریزی فوج سے خالی ہوا۔ اسی کے ساتھ ٹیلے والی مسجد جسے انگریزوں نے دواخانہ بنا رکھا تھا، واگذار کرائی۔ آصف الدولہ کی مسجد میں نماز جمعہ وعیدین قائم کی۔

- تحسین علی خاں کی مسجد اور اس کی دو کانیں درست کرائیں۔ • امام باڑہ ممتاز العلما میں اضافہ کیا۔
- عربی فارسی کتابوں کے ترجمے کروائے۔

ایک سال محرم اور دسہرہ ایک ساتھ ہوا۔ آپ نے حکام سے کہہ کر دسہرہ ملتوی کرا دیا۔

۱۲۸۹ھ میں حج و زیارتِ مدینہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۲۹۱ھ (شعبان) عتباتِ عالیات کی زیارت فرمائی۔ پھر صفر ۱۲۹۸ھ میں زیارات کے لیے تشریف لے گئے۔ جناب شیخ زین العابدین مازندرانی سید ابوالقاسم طباطبائی۔ شیخ حسن بن اسداللہ کاظمینی رحمہم اللہ نے اجازات دیئے۔ ۱۳۰۵ھ میں تیسری مرتبہ مشرف زیارات ہوئے۔ اس زیارت میں آپ کا بہت بڑا استقبال ہوا۔ لکھنؤ سے سہارن پور پہنچے تو پلیٹ فارم کا ٹکٹ معاف تھا۔ سارا شہر اسٹیشن پر حاضر ہوا۔ حکام و اراکین بھی موجود تھے۔ ہاتھی، فینس، گاڑی، ٹمٹم، فٹن جیسی متعدد سواریاں حاضر کی گئیں۔ کچھ لوگ پیشوائی کے لیے رڑکی پہنچ گئے تھے۔ ریل سہارن پور آن کر رکی تو صلوٰۃ کے نعروں سے فضا گونجی۔ پلیٹ فارم پر فرش تھا۔ لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ اتارا۔ فینس میں سوار ہوئے تو مومنین سواری کا پایہ تھامے جلو میں لیے گولے چھڑاتے شہر چلے۔ سڑکوں پر چھڑکاؤ ہو رہا تھا۔ سواری کا وقار دیکھ کر معلوم ہوتا تھا جیسے کسی بادشاہ کی سواری آ رہی ہو۔

میر احسان علی وکیل رئیس کے مکان پر قیام فرمایا۔ دوسرے دن کھجور والی مسجد میں نماز پڑھائی۔ دُور دُور سے لوگ زیارت کو آئے۔ دو دن کے بعد اسی شان سے رخصت ہوئے۔ عراق میں بھی اس مرتبہ ان کا استقبال قابلِ توجہ تھا۔ متعدد مشاہیر علماء میں شیخ مازندرانی ملا حسین اردکانی وغیرہ نے مفصل اجازات مرحمت فرمائے۔ آپ نے وہاں سے مشہد مقدس کا قصد فرمایا تو شیخ مازندرانی وغیرہ نے علماء مشہد کو اطلاع دی۔ اور آپ راستے میں علماء و مشاہیر سے ملتے ہوئے شاہزادہ عبدالعظیم پہنچے جہاں علماء و رؤسا نے آپ کا استقبال کیا۔ شاہ نے ضیافت کرنا چاہی لیکن جناب نے قبول نہ فرمایا۔ مگر حجۃ الاسلام مرزا فضل اللہ نوری کے اصرار سے مہمانی قبول فرمائی۔ شاہ نے دوسرے دن ظل السلطان کو بھیج کر اشتیاقِ ملاقات کا اظہار کیا۔ دوسرے روز خاص گاڑی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ قصرِ شاہی میں پہنچے تو صدرِ اعظم دروازے تک استقبال کو آئے۔ بادشاہ کے پاس پہنچے تو شاہ نے کھڑے ہو کر تعظیم دی اور ہاتھ چوما۔ آدھ گھنٹے تک گفتگو رہی۔ پھر بادشاہ نے دعوت دی۔ آپ نے عذر کیا۔ اور رخصت ہوئے۔ بادشاہ نے ایک انگشتری الماس اور فرمان بھیج کر عزت افزائی کی۔ اور دوبارہ دعوت پر اصرار کیا لیکن آپ نے پھر عذر کر دیا۔ مشہور ہے کہ بادشاہ اس دن تبدیلِ آب و ہوا کے لیے باہر جانے والے تھے۔ لیکن ملاقات کی وجہ سے سفر ملتوی کر دیا۔ دورانِ قیام و سفر میں بارہ سوار آپ کے ہمراہ رہے جو آپ کے ساتھ مشہد تک گئے۔ بارہ روز قیام مشہد کے بعد ہرات و قندھار تشریف لے گئے۔ جہاں امیر کابل نے آٹھ سوار آپ کی رکاب میں بھیجے اور خود ملنا چاہا مگر آپ نہ ملے۔ ہرات میں آٹھ دن قیام فرما کر ۴ دن قندھار میں ٹھہرے۔ یہاں امیر نے چار دن تک آپ کی ضیافت کی۔ آپ چمن سے میرٹھ اور میرٹھ سے لکھنؤ آئے۔ اور دو سال میں سفر تمام کیا۔

مولوی محمد حسین کے ان بیانات سے "سوانح حیات فردوس مکاں" خالی ہے۔ چونکہ مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ نے اپنے والد کی مفصل سوانح عمری لکھی ہے اور وہ ابھی چھپی ہے۔ اس لیے مزید تفصیلات کے لیے اس کتاب سے رجوع کی جائے۔ آخر میں تذکرہ بے بہا کا یہ واقعہ بھی ملاحظہ ہو :

ایک شب کو جناب شمس العلما نے ایک خواب دیکھا کہ ایک وسیع باغ میں قصر عالی شان بن رہا ہے وہاں جناب ممتاز العلما (سید تقی صاحب) رونق افروز ہیں۔ آپ نے پوچھا، یہ کس کا باغ ہے، ممتاز العلماؔ نے فرمایا، اس کی تعمیر تین ماہ بعد ختم ہوگی۔ اور یہ باغ و مکان تم کو دیا جائے گا۔ آپ خواب سے بیدار ہوئے اور فرمایا میری عمر کے تین ماہ رہ گئے ہیں۔

وفات : اڑتالیس برس کی عمر میں ضعف صدر و ریہ نے خطرناک صورت اختیار کرلی اور نامور معالجوں کے علاج بے اثر ہو گئے۔ ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۰۷ھ ۱۲ جنوری ۱۸۹۰ء کو کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رحلت کر گئے۔ اور اپنے والد ممتاز العلما کے امام باڑے میں والد کے پائیں قبر دفن ہوئے اور فردوس مکاں لقب ہوا۔

تلامذہ : (دیکھیے سوانح حیات فردوس مکاں) • مولانا علی جواد صاحب بنارسی مجتہد متوفی ۱۳۷۳ھ
• قاری سید عباس حسین صاحب علی گڑھ۔ • مرزا محمد ہادی رسوا متوفی ۱۹۳۱ء۔ • مولانا امجد حسین الہ آبادی
• محقق ہندی محمد حسین متوفی ۱۳۲۷ھ۔ • حاج مولوی کلیم سید حسین ابن تفضل حسین متوفی ۱۹۳۷ء
• قاری یعقوب علی خان نصرت متوفی ۱۳۴۸ھ۔ • مولوی حکیم سید احمد حسین زیدی متوفی حدود ۱۹۲۰ء
• طبیب حاذق مرزا محمد تقی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھنؤ۔ • سلطان محمود مرزا گورگانی برق، مقیم کاشی وغیرہ۔

تصانیف : • امل آمل۔ نواب شفاء الدولہ کے سوالات کا استدلالی جواب جسے ملاحظہ فرما کر علماءِ عراق نے اجازات دیے۔ • بضاعۃ مزجاۃ : پہلی تصنیف۔ • بارقۂ ضیغمیہ : بحث متعہ (غالباً)
• نور الابصار فی اخذ الثار، در احوال مختار ۱۶۸ صفحات (مطبوعہ لکھنؤ) اس کا ترجمہ مرزا حاتم علی بہرنے ذابِ انتقام کے نام سے کیا۔ • یواقیت و درر، فی التماثیل والصور، تصویر کشی پر بحث۔
• شمعہ فی احکام الجمعہ : سفر ایران میں اس کا نام ناصر الدین شاہ قاچار کے نام پر "لمعۂ ناصریہ" رکھا۔ استدلالی فقہ کی مبسوط کتاب۔ • تفسیر ظل ممدود۔ سورۃ "ہود" وکہف و یوسف اور بعض آیات پر تحقیقی بحث۔
• تفسیر ینابیع الانوار۔ جلد سوم۔ • مواعظ ماہِ صیام۔ • کتاب المسائل۔ فتاویٰ۔ • بیاض نسخہ ہائے مجرب

اولاد : • جناب مولانا سید محمد تقی صاحب۔ • جناب مولانا سید احمد صاحب۔ • جناب مولانا سید ابو الحسن صاحب
• جناب سید رضی صاحب۔ (متوفی حدود ۱۹۵۹ء ملتان)

(بے بہا۔ نیز سوانح حیات فردوس مکاں)

محمد ابراہیم حسین، پانی پتی : ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۷ء — ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء

حافظ مولانا خواجہ اعظم علی بن صادق علی کے فرزند مولانا ابراہیم حسین صاحب جمعہ کے دن، ۲۴ رجب ۱۲۳۲ھ کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدِ اعلیٰ ملک علی ہرات سے پانی پت آئے غیاث الدین بلبن ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ خواجہ ملک علی حضرت ابوایوب انصاری کی نسل اور اسحاق انجو حاکم کرماں کے خاندان سے تھے۔ پانی پت میں ان کی اولاد نے عزت پائی۔

حافظ اعظم علی صاحب نے خاندانی دستور کے مطابق فرزند کو تعلیم و تربیت کے ابتدائی مراحل طے کرانے کے بعد لکھنؤ بھیج دیا۔ بے بہا میں ہے کہ قاری جعفر حسین اور ممتاز العلما سید ابراہیم صاحب سے سات سال تک اور مولانا حالی کے بقول خواجہ صاحب نے سید العلما سید حسین، اور مولانا واجد علی اور سہارن پور میں فضل حق خیرآبادی سے علوم نقلی و عقلی کی تکمیل کی اور اسناد لے کر تقریباً ۱۲۵۴ھ میں لکھنؤ سے وطن واپس آئے اور امامتِ جماعت و درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ مولانا کی پرہیزگاری، خطابت کی دلکشی اور علمی پختگی کی وجہ سے سب احترام اور محبت کرتے تھے۔ ارسطوجاہ نے اپنے چھوٹے صاحبزادے شریف حسین اور بھانجے مقرب علی خاں کی تعلیم کے لیے لدھیانے بلایا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ ہائی اسکول امرتسر میں مدرس رہے۔ ۱۳۰۰ھ میں وطن میں مسجد کو عزا خانہ کی تعمیر کی اور وہاں مؤثر وعظ کہے اس طرح ان کا دائرہ عقائد دین پنجاب سے یوپی تک پھیلا ہوا تھا۔

موضع میمن ضلع بجنور کے قریب آپ کی زمین تھی اس لیے کبھی کبھی وہاں جاتے تھے۔

حج و زیارات سے مشرف ہو چکے تھے۔ لہذا اس زمانے میں یہ سعادت حاصل کرنا آسان نہ تھا

صاحبِ کرامات و روحانیت تھے۔ روز پنجشنبہ صبح سوا چار بجے بوقت صادق ۱۴ رجب ۱۳۰۸ھ کو پانی پت میں رحلت کی۔ (میں نے خاندانی یادداشت میں ۱۴ رجب ۱۳۱۸ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۰۰ء بعمر ۸۶ سال دیکھا ہے۔ لیکن حالی کا قطعہ تاریخ اور بقول حالی لوحِ مزار پر بھی ۱۳۰۸ھ تحریر ہے)

تلامذہ : • ڈاکٹر لائٹنر۔ • مقرب علی خان۔ • الطاف حسین حالی۔ • اولاد حسین مظہر (برادر حالی)
• فیروزالدین امرتسری۔ • مولوی غلام علی قصوری عالم اہلِ حدیث۔

اولاد : • مولوی محمد علی حیدر صاحب، پرہیزگار، متقی اور گوشہ نشین تھے۔ یکم مئی ۱۹۷۲ء راولپنڈی میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند خواجہ مرتضےٰ صاحب نے بعض کتابوں کے اندراجات مجھے دکھائے تھے۔
• مولوی علی حیدر صاحب کے علاوہ دو صاحبزادیاں تھیں۔

محمد ابراہیم بن علی حسن زنگی پوری:

۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء
۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

مولوی سید علی حسن صاحب گنج ضلع گیا (بہار، ہند) میں دینی خدمات انجام دیتے تھے۔ مولوی محمد ابراہیم ۴ صفر ۱۲۸۷ھ جمعہ کے دن صاحب گنج میں پیدا ہوئے۔ اور "اختر نیکو" تاریخی نام ہوا۔

فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم اور شمس بازغہ و شرح مواقف و شرائع الاسلام اپنے والد سے پڑھنے کے بعد ۱۳۰۸ھ میں لکھنؤ گئے اور ملاذ العلماء سید بچھن صاحب سے معالم الاصول و مختلف الشیعہ، تاج العلماء علی محمد صاحب سے زاد قلیل و زبدۃ الاصول اور عماد العلماء میر آغا صاحب سے شرح لمعہ و شرح کبیر و قوانین پڑھی۔ بقیہ قوانین اور نتائج الاصول نیز سبعۂ معلقہ و تفسیر مجمع البیان بھی مولانا سبط حسین صاحب قبلہ سے پڑھی۔

جناب مولانا سید جواد علی صاحب بنارسی، جناب مولانا سید علی حسین صاحب زنگی پوری، جناب عماد العلماء، تاج العلماء اور دوسرے اکابر سے اجازے حاصل کیے۔

خلیق، متواضع بزرگ تھے۔ ادب سے بھی شغف تھا۔ اصلاح ملک و ملت سے دلچسپی تھی۔ اپنے والد کے بعد اُن کے قائم مقام تھے۔ جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۸ محرم ۱۳۲۹ھ زنگی پور میں رحلت کی۔ (بے بہا ص: ۴۴)

محمد احمد، سونی پتی:

۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء
۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

مولانا سید محمد احمد صاحب عابدی سادات کے فرزند تھے۔ آپ کے جد امجد سید نصر اللہ شمس الدین التمش کے زمانے میں نیشاپور سے وارد ہند ہوئے اور سلطانہ رضیہ کی اتالیقی حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کے اجداد اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ اِس خاندان کے متاخرین میں مولانا عمار علی صاحب نے بڑی شہرت پائی اور ۱۳۰۴ھ میں فوت ہوئے۔

ان کے فرزند مولوی سید محمد فقہ و اصول تاریخ و کلام کے عالم تھے۔ ۱۹۰۱ء میں ان کی رحلت ہوئی۔ سید محمد کے بیٹے علی جان عالم تھے مگر ریاست میں الجھ گئے نمبردار، کرسی نشین اور میونسپل کمشنر ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں رحلت کر گئے۔

سید محمد احمد انہیں سید علی جان کے فرزند تھے۔ موصوف ۱۹۰۱ء / ۱۳۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ نے فرزند کی تعلیم و تربیت اور زمینداری کے انتظام میں پردہ نشینی کے باوجود غیر معمولی قابلیت کا مظاہرہ کیا۔ عظیم ماں کی سعی سے مولانا محمد احمد نے علوم دینیہ حاصل کیے

اور قدیم و جدید علوم میں مہارت پیدا کی۔ پھر مدرسۃ الواعظین سے سند حاصل کر کے دو سال تک یوپی اور پنجاب میں تبلیغی دورے کیے۔ اس سے پہلے آگرے اور متھرا میں آریہ تحریک و تبلیغ کو ناکام بنانے کے لیے ایک وفد کے ہمراہ بڑی خدمت انجام دے چکے تھے۔ آپ نے تقریر و تحریر کا کبھی کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ چونکہ خوشحال زمیندار تھے اس لیے بڑے وقار سے رہتے تھے۔

جناب نجم العلماء کے ہم رکاب عراق و ایران میں عتباتِ عالیات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور وہاں کے مقیم ہندی حضرات کی بڑی امداد کی۔

مولانا محمد احمد صاحب بڑے فعال اور باعمل بزرگ تھے۔ آپ نے مدرسۃ الواعظین میں مویدالعلوم یعنی شعبہ تصنیف و تالیف اور الواعظ پریس کا تعاون کیا۔ پریس کی نگرانی فرمائی، تقریریں کیں، مضامین لکھے باوجود مسلسل بیماری و ضعف کے قومی امور کے لیے سفر کیے اور چند تالیفات بھی یادگار چھوڑے۔

مولانا پاکستان آکر لاہور و ملتان میں رہے

۲۴ اکتوبر ۱۹۵۸ء / ۱۳۷۸ھ لاہور میں رحلت فرمائی اور ملتان میں آسودۂ لحد ہوئے۔

تصانیف: • ختم نبوت۔ • شہادتِ عظمیٰ۔ • تفسیر قرآن مجید۔ (بے بہا ص ۲۰۲)

محمد احمدؒ فیض آبادی: ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء — ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

مولانا محمد احمد ابن میر علی محمد ۱۱ نومبر ۱۹۰۶ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ گئے۔ اور سلطان المدارس سے صدر الافاضل پاس کر کے دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان آئے اور حکیم مشرقی پاکستان میں ایسے اخلاق حسنہ و روحانیت سے تبلیغ کی کہ ہندو مسلمان سب گرویدہ ہوگئے ۱۹۶۹ء میں حج سے مشرف ہوئے اور ۱۹۷۲ء میں بنگلہ دیش سے کراچی آئے۔ ۲ جنوری ۱۹۷۴ء کو رحلت فرمائی۔ مولانا نے بہت سے ہندوؤں کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا اور مسلمانوں کو پابندِ احکام بنایا۔

محمد اسماعیلؒ دیوبندی: ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء — ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

جناب مولانا محمد اسماعیل خلف سلطان علی مستقل علی پور، لوٹیال، فرید سر ہند، کپور تھلہ کے رہنے والے تھے اپنے والد کے علاوہ، حسن میتھم دلوری، مفتی فقید اللہ، محمد علی جالندھری، خیر محمد اور شبیر احمد عثمانی سے خیر المدارس دیوبند و ڈابھیل میں پڑھا، اپنے والد کے ساتھ چین اور ملایا گئے

۱۹۲۵ء کے بعد مولانا اسماعیل صاحب امامت جماعت اور تبلیغ تشیع میں مصروف ہو گئے۔ حافظ مذہب کا تھے۔ چونکہ مذہب بدلا تھا لہذا جوش بھی کم نہ تھا۔ جب کوئی شیعیت پر حملہ کرتا۔ مولانا آگے بڑھ کر دفاع کرتے۔ مباحثوں میں کامیابی اور مناظروں میں فتح در فتح نے انھیں صفِ اول میں کھڑا کر دیا آخری دس پندرہ سال میں حالت یہ ہوئی کہ مولانا کی تقریر میں ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا۔ مولانا مجلس پڑھنے منبر پر آتے تو بخاری، مسلم ذخیرہ ساتھ لاتے، عبارت پڑھتے اور کتاب کھول کر دکھاتے تھے سفر ہر ضفر میں سو پچاس کتابوں کا صندوق ساتھ رہتا تھا۔ بات کی اور کتاب کا حوالہ صفحہ و سطر کے ساتھ دیا اور ضرورت پڑی تو شاگرد کو اشارہ کیا۔ کتاب کھل گئی اور مولانا نے مجمع کو متوجہ کر لیا۔

۱۴ر جون ۱۹۷۶ء/ ۱۵ر جمادی الثانیہ ۱۳۹۶ھ سہ شنبہ کو موٹر کار کے ایکسیڈنٹ سے جاں بحق ہوئے اور چہارشنبہ ۱۶ر جمادی الثانیہ کو لائل پور میں (جہاں وہ مقیم تھے) سپرد لحد ہوئے۔

محمد اعجاز حسن بدایونی:

۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء
۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء

"الحاج الزائر الشیخ محمد اعجاز حسن اثنا عشری محمدی بدایونی خلف الحاج الزائر مولانا محمد جعفر حسن اعلی اللہ مقامہ، پیش نماز ابن الجناب المستطاب مولانا الزائر المولوی علی حسین امام جمعہ و جماعت طیب اللہ رمسہ ابن اخی العمقام والحبر العلام مولانا الطاف علی المعروف بمجتہد اعلی اللہ مقامہ (السوانح الاعجازیہ) بدایوں کے رہنے والے اور حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ اجداد کرام اہل علم و عمل تھے۔ مولانا علی حسین صاحب جناب سید العلماء کے شاگرد تھے۔ جناب سید العلماء سید حسین صاحب آپ کے حافظے اور مسائل فقہ پر عبور کی وجہ سے "بولتی کتاب" کہا کرتے تھے۔

مولانا کی ولادت ۱۴ر ذی قعدہ ۱۲۹۸ھ کو بمقام سرسی ضلع مراد آباد ہوئی۔ آپ کے نانا سید دلدار علی زائر ابن سید مدد علی صاحب نے محمد اعجاز حسن اور والد نے حسب وصیت پدر محمد حسین نام رکھا۔

اپنے والد اور سید شبیر حسین سرسوی اور مولوی مظفر علی خان صاحب، ملا باقر صاحب مراد آبادی، سید کرار حسین سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ امروہہ، نوگانواں، میرٹھ اور جلالی کے مدرسوں میں بچپنا گزرا۔

رمضان ۱۳۱۵ھ میں عقد اور ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں آپ کی شادی خانہ آبادی ہوئی۔ مولانا اعجاز حسن، والد سے دوری کی بنا پر لاابالی ہو چکے تھے۔ شادی اور ایک سال بعد بچی کی ولادت ہوئی اور والد کی علالت نے لوگوں کو فکر مند کیا اور ایک ایسا واقعہ ہوا کہ جس نے موصوف کی زندگی پر دور رس اثرات کیے۔ خود مولانا کی لفظوں میں

"ربیع الاوّل ۱۳۱۸ھ، ایک دن نمازِ مغرب کی تیاری میں والد ماجد مشغول تھے کہ میری چھوٹی پھوپھی کے فرزندِ رشید مولوی محمد اسماعیل الرضا عرف ابوذر بی اے ابنِ جناب مولوی محمد دولت علی صاحب وکیل میرے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میرا ذکر چھیڑ کے یوں عرض کرنے لگے۔ ماموں صاحب، آپ کی ضعیفی ہے۔ اب اعجاز حسن صاحب اولاد ہو گئے ان کو فکرِ معاش لازم ہے۔ بدایوں کے تحصیلدار میرے دوست ہیں اگر اجازت دیجئے تو میں سفارش کر کے تحصیل بدایوں میں اعجاز حسن کو چپراس دلوا دوں۔ برادر موصوف کی تقریر گو ظاہر میں میرے لیے مفید تھی مگر والد ماجد کے دل و جگر کو اس تقریر نے برما دیا۔ سنتے ہی مرحوم کے چہرے سے آثارِ غضب نمایاں ہوئے لیکن تحمل کناں فرمایا "اے ابوذر خدا سے ڈرو، ایسی بیہودہ تجویز کو زبان پر نہ لاؤ۔ دیکھو اور خوب یاد رکھو، کہ یہ میرا بیٹا فخرِ خاندان ہوگا۔ میں اپنے مقلب القلوب والاحوال سے امیدِ واثق رکھتا ہوں کہ وہ مجھ ایسے ناچیز بندہ کو ذلیل نہ ہونے دے گا اور میرا سوال رد نہ فرمائے گا۔ وہ میری زندگی میں اس کو لباسِ علم سے آراستہ کر کے اس کے سر پر عمامہ فضیلت رکھے گا اور تمہارے تحصیلدار اس کی کفش برداری پر فخر کریں گے" وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون۔ اے ابوذر، ہم لوگ فقراء اللہ ہیں۔ دین و مذہب ہمارا نصب العین ہے۔ ہم کو دنیا طلبی مقصود نہیں ہے کہ "الدنیا جیفة وطالبها کلاب" بھائی صاحب کی یہ تجویز میرے لیے نہ کچھ مفید تھی اور نہ موذی لیکن والد ماجد کا جوابِ ہدایت مآب مجھ گمراہ کے لیے منارۂ فیروزی اور غفلت شعار وضلالت دثار کے لیے تازیانۂ ملامت ہو گیا۔ نورِ علم میری آنکھوں میں چمکا۔ تاریکی جہالت میرے دل سے کافور ہوئی۔ اسی وقت خدا سے پکا عہد کر کے میں نے تحصیل علم دین کے لیے اپنی کمر ہمت مضبوط کر لی اور اپنی پرانی پھٹی کتابیں جمع کر کے صندوق سے اپنے کپڑے لیے، سب چیزوں کا بقچہ بنا کر بغل میں داب والد ماجد کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ والد نے میری وضع کو ملاحظہ کر کے فرمایا، کیا قصد ہے۔ میں نے عرض کیا، تحصیلِ علمِ دین کے لیے لکھنؤ جانے کا ارادہ ہے۔ فرمایا کیا اب بھی تم پڑھ سکتے ہو۔ دراں حالے کہ تمہارا زمانۂ تحصیل قریب ختم پہنچ گیا۔ میں نے عرض کیا اگر جناب کی دعا شاملِ حال اور معین و مددگار ہے تو نزولِ رحمت باری میں کیا دیر لگتی ہے۔ بس اب مجھے اجازت دیجئے اور اپنی دعا میرے ساتھ کیجئے۔ اب میں ایک ساعت اس گھر میں قیام نہ کروں گا۔ فرمایا وقت نمازِ مغرب قریب ہے۔ مسجد جاؤ میں بھی آتا ہوں۔ رات مسجد میں گزارو، انشاءاللہ کل صبح کو میں تمہیں لکھنؤ لے جاؤں گا۔ الغرض وہ رات تارے گن گن کے مسجد میں کاٹی۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا کہ میرا نصیبۂ خفتہ بیدار ہوا، والد ماجد نمازِ صبح کے لیے مسجد میں تشریف لائے، جماعت ہوئی۔ دن نکلے یکہ آیا، اللہ کا نام لے کر دونوں سوار ہوئے" (السوانح الاعجازیہ)

مدرسۂ ناظمیہ کے ساتویں درجہ میں شرح ملا جامی، قطبی، شرائع الاسلام، شرح باب حادی عشر، نفحۃ الیمن

کا درس لیا۔ اور اب مسلسل تعلیم شروع کردی۔

۱۳۱۹ھ کو زیارت کربلا و نجف کے لیے گئے۔ ۱۳۲۱ھ میں اپنے والد کے ہمراہ زیارات سے مشرف ہوئے۔

۱۳۲۲ھ میں سلطان المدارس کا ایک امتحان دیا اور اسی سال دوسرے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ حج کے بعد مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ سے شرح لمعہ و قوانین وغیرہ کا درس لیا۔ ۱۳۲۳ھ میں درجہ قابل پاس کیا۔ ۱۳۲۴ھ میں منتہی اج کیا۔ ۱۳۲۵ھ کو ممتاز الافاضل کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے مولانا سید محمد ہادی صاحب سے قوانین الاصول اور بحر العلوم سید علن صاحب سے جواہر الکلام پڑھی اور دونوں بزرگوں سے اجازہ لیا۔

۱۳۲۶ھ میں ککرولی ضلع مظفر نگر آئے۔ اور خدماتِ دینی انجام دینے لگے۔ ککرولی کی مسجد کی تجدید و تعمیر کی۔

۱۳۲۷ھ میں علالت کی وجہ سے ککرولی سے چلے آئے۔ ۱۳۲۸ھ میں مولانا نجم الحسن صاحب نے مدرسۂ عالیہ رام پور میں مولوی فاضل کے لیے مدرس مقرر کیا۔ اسی زمانے میں مولوی مقبول احمد صاحب نے صیغۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ موصوف کے سپرد کردیا۔ آپ نے اعتقادیہ صدوق کی شرح لکھی اور مستقل تصنیف و تالیف کا مشغلہ شروع کردیا۔ ۲ شعبان ۱۳۳۲ھ کو آپ کے والد مولانا محمد جعفر حسن نے رحلت کی۔ اس وقت مولانا محمد اعجاز حسن صاحب آگرے میں مقیم تھے۔

۱۳۳۵ھ میں جامع حامدیہ کی تالیف کے سلسلے میں رام پور گئے مگر قیام جلالی اور بدایوں میں رہا۔

۱۳۳۶ھ سے ملک میں دورے شروع کیے۔ ۱۳۳۷ھ میں لکھنؤ شیعہ اسکول میں ملازم ہوگئے۔

۱۳۴۲ھ میں مدرسۂ ناظمیہ میں بطور مدرس درجۂ قابل تقرر عمل میں آیا۔

۱۳۴۰ھ سے مدرسۃ الواعظین میں پڑھا رہے تھے۔ ۱۳۴۲ھ میں مستقل مدرس ہوگئے۔

اس زمانے سے مناظرہ و تبلیغ کے دورے شروع ہوئے۔ اور برصغیر کے شہروں اور دور دراز بستیوں میں گئے۔ رنگون اور زنجبار و ممباسہ و عدن کا سفر کیا۔ مزاراتِ مکہ و مدینہ کے انہدام پر احتجاج و اقدامات میں بڑی خدمت انجام دی۔

۱۳۴۸ھ میں آپ نے پانچواں حج کیا۔ اس حج کے بعض واقعات کے ذیل میں مولانا نے لکھا ہے کہ قبا میں چھ ہزار شیعہ آباد تھے مگر ابن سعود کی پالیسی سے تین سو شیعہ باقی رہ گئے ہیں اور وہ بھی خوف زدہ ہیں۔

مولانا نے سات حج اور متعدد مرتبہ شرفِ زیارات حاصل کیا۔ آپ بڑے مخلص و متدین، حامی و مبلغ اسلام تھے۔ اسلام دشمن مذاہب سے مقابلے اور اسلام و تشیع کی سربلندی کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے۔ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی تاسیس اور مبلغین کی تعلیم، اور مدرسے کے عظیم الشان کتب خانے کے لیے آپ کی کوشش بہت بڑا کارنامہ ہے۔ مولانا محمد اعجاز حسن صاحب قبلہ عربی و اردو کے قادر الکلام

مصنف اور شیوا بیان خطیب تھے۔ تبلیغ دین کے لیے جان قربان کرنے سے دریغ نہ تھا۔

۱۵ ذی قعدہ ۱۳۵۰ھ/ ۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک تقریر کرتے ہوئے دل کا دورہ پڑا اور دنیا سے سفر فرما گئے۔

تلامذہ: • مولانا محمد اعجاز حسن صاحب نے متعدد درسوں اور مختلف جامعوں کی طلبا کو پڑھایا اس لیے انکے شاگردوں کا شمار مشکل ہے۔ موصوف نے ۱۳۴۰ھ سے کے شاگردوں کی ایک مختصر فہرست "السوانح الاعجازیہ" کے ضمیمہ میں قلم بند کی ہے۔ ان اڑتالیس ناموں میں سے چند نام یہ ہیں:

- لقا علی حیدری۔ • امداد حسین خان سلطان پوری۔ • مرزا محمد طاہر صاحب لکھنوی۔ • سید علی جعفر جونپوری
- وحید اصغر زید پوری۔ • محمد بشیر صاحب ٹیکسلا۔ • ڈاکٹر مجتبےٰ حسن کاموں پوری۔ • محمد رضی صاحب آل نجم العلماء۔ • محمد زکی صاحب آل نجم العلماء۔ • سعادت حسین خان صاحب سلطان پوری۔ • ابرار حسین پاروی
- محمد عارف صاحب شادی ضلع ملتان۔ • خادم حسین صاحب بڑا گاؤں فیض آباد۔ • ثمر حسن صاحب
- سید محمد کاظم نجفی زنگونی۔ • محمد جواد طہرانی۔ • سید حسین قمی۔ • رضی عباس صاحب چار جوی

تصانیف: • ہدیہ جعفریہ ترجمہ اعتقادیہ صدوق۔ یہ رسالہ آپ نے اپنے والد کی خدمت میں ہدیہ کیا تھا۔ ہدیہ جعفریہ متعدد بار چھپ چکا ہے۔ • ایضاح الفرائض: میراث پر تحلیلی مفصل کتاب۔ • معراج النحو مطبوعہ

- ذخیرۃ الصرف عربی۔ • حل لغات نہج البلاغہ مطبوعہ۔ • حاشیہ بر سیوطی (عربی) شرح الفیہ ابن مالک
- ترجمہ جلد اول ناسخ التواریخ۔ • مصائب اہل بیت۔ • نجم الہدایہ۔ مطبوعہ۔ • تذکرۂ محمدیہ (حالات حضرت محمد بن ابی بکرؓ) مطبوعہ۔ • شمس الاعتقاد مطبوعہ۔ • افضیلۃ النبیؐ علی سائر العباد (مطبوعہ)
- تجوید القرآن دو حصے مطبوعہ۔ • شجرۃ الانبیاء والائمہؑ۔ اردو۔ مطبوعہ۔ • ایضاح الاشکال (منطق مطبوعہ)
- برہان مجادلہ فی تفسیر آیۃ المباہلہ (اردو مطبوعہ) • وظائف اعجازیہ (مطبوعہ۔ اردو) • احکام جماعت مطبوعہ
- خزینۂ ہدایات۔ مطبوعہ عقائد۔ • نجم العقائد (مطبوعہ) • تنبیہ الناصبین۔ دو مجلد۔

(اور متعدد اہم اور مشہور کتابیں جن پر ان کا نام نہیں ہے)

- ترجمۂ اصول کافی، کتاب العقل، کتاب الادعیہ، کتاب فضل القرآن، کتاب العشرہ۔ • تحفۃ المقبول مطبوعہ
- مقدمات القرآن۔ مطبوعہ۔ • لغات القرآن۔ • فہرست الفاظ قرآن۔ • ضمیمہ جات مقبول ترجمہ۔
- مقبول پر ائمر پانچ حصے (یہ کتابیں مولانا مقبول احمد صاحب کی خواہش پر ان کے نام سے شائع ہوئیں۔
- دلیل الخلافت عربی۔ • ترجمہ ارشاد المفید۔ • ترجمہ منار الہدیٰ (نصف) مشمولہ جامع حامدیہ۔
- ترجمہ فصول المہمہ ابن صباغ۔ • ترجمہ احتجاج طبرسی (اکثر ابواب) • ترجمۂ خلاصہ جامع عباسی۔

• اعجاز الخلافۃ۔ • ترجمۂ نماز۔ • نجم الاعتقاد (رد فرقہ مساواتیہ غالیہ) • الوعید لیزید، جواب التردید (رد غلاۃ) • اعجاز المضامین۔ • الرجم، جواب عبدالشکور دو جلدیں۔ • ردکواذب شکوریہ جواب اتداد الشبیہ • ازالۂ خرافات شکوریہ۔ جواب رسالۂ تحریف القرآن۔ • اعجاز المناسک۔ • معیار الانتقاد و رسالہ خیر الاعتقاد۔

اولاد: • محمد صفی الحسنین مرحوم محمدی۔ • محمد زکی الحسنین مرحوم محمدی۔ • محمد عزیز الحسنین ریٹائرڈ پروفیسر گورنمنٹ کالج شکارپور (متوفی صفر ۱۳۹۶ھ) • پرفیسر محمد شفیع الحسنین محمدی۔ وائس پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج سکھر۔ • مولانا محمد شبیہ الحسنین صاحب محمدی۔ • محمد ولی الحسنین صاحب محمدی (اسلام آباد) • محمد نقی الحسنین صاحب محمدی۔ (کراچی) • محمد رفیع الحسنین صاحب محمدی (بدایوں)

(• ماخذ تذکرۂ محمدیہ (احوال محمد بن ابی بکرؓ)۔ • السوانح الاعجازیہ، بخط مؤلف۔ • بیانات مولانا شبیہ الحسنین صاحب محمدی۔ • تذکرۂ بے بہا)

محمد اکبر شمیم : ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۳ء — ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء

جناب سید محمد اکبر شمیم ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۵۸ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۸۴۳ء کھجوہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد حسن صاحب کھجوہ کے رئیس اور باحیثیت زمیں دار تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی۔ اس کے بعد لکھنؤ گئے اور وہاں کے اساتذہ سے علوم دینی کی تحصیل فرمائی۔ وطن میں آپ مطالعہ و مباحثے میں وقت گذارتے تھے۔ شاعری سے دلچسپی تھی اور مرثیہ کہتے تھے، مرثیہ گوئی میں مرزا دبیر سے تلمذ تھا۔ چھیالیس برس کی عمر میں، ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۸۸۷ء کو رحلت کی اور کھجوے میں دفن کیے گئے۔ آپ کا ذخیرہ کتب مکان گر جانے سے تلف ہو گیا۔

(دبستان دبیر، ۳۷۷)

محمد اکبر شاہ : حدود ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء — ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

مولانا سید محمد اکبر شاہ صاحب تلہ گنگ ضلع کیمبل پور کے قریب سگھر نامی بستی کے رہنے والے تھے۔ آپ کا خاندان سادات سگھر کا مذہبی گھرانا تھا۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا محبوب علی شاہ صاحب بخاری صاحب علم و عمل بزرگ تھے۔ مولانا محمد اکبر صاحب نے سلطان المدارس لکھنؤ سے تعلیم حاصل کی تھی اور مولانا سید محمد رضا صاحب قبلہ اور مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ کے تلمذ پر فخر کرتے تھے۔

[illegible] ... آخر عمر میں راولپنڈی کے

مضافات میں مقیم رہے اور نور پور شاہاں میں رحلت کی۔ تاریخ وفات ۱۵ ستمبر ۱۹۷۰ء رجب ۱۳۹۰ھ

محمد اکبر چکر کوٹی :

مولانا الحاج سید محمد اکبر صاحب وطن میں تعلیم حاصل کر کے عراق چلے گئے اور دس بارہ سال فقہ و اصول و دیگر علوم کا درس لے کر اپنے گاؤں چکر کوٹ ضلع کوہاٹ آئے اور دینی خدمات انجام دیتے رہے ۔

(مکتوب مولانا جواد حسین صاحب ہنگو ۱۲ دسمبر ۱۹۷۳ء)

محمد امین، ایلچ پوری:

۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۳ء
۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء

محمد امین بن حکیم محمد نقی اصفہانی، ایلچ پور برار میں پیدا ہوئے۔ شیخ مازندرانی اور محمد مصطفےٰ مراد آبادی وغیرہ سے تعلیم و تکمیل کی معقولات و منقولات کے درس میں عمر بسر کی۔ فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ وطن ہی میں وفات پائی۔

(نزہۃ ج ۶ ص ۲۴۱)

محمد امین، گوپال پوری:

۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء

مولانا محمد امین صاحب گوپال پور ضلع سارن ہند کے باشندے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ ۱۲۹۱ھ میں وفات پائی۔

(بے بہا ذیل علی اظہر)

محمد باقر (بیجاپوری):

حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء
۱۱۲۸ھ / ۱۷۱۶ء

نواب تراب علی خان سالار جنگ کے اجداد میں شیخ اویس ثانی نامی اپنے فرزند شیخ محمد علی کو لے کر وارد دکن ہوئے۔ آپ چونکہ مدینہ منورہ سے آئے تھے اور وہاں کی خدمت گزاری و تولیت رکھتے تھے۔ لہذا بڑا ادب و احترام کیا گیا۔ جناب شیخ محمد علی نے دربار عادل شاہ کے دبیر سلطنت ملا احمد کی دختر سے عقد کیا جن سے دو فرزند پیدا ہوئے۔ محمد باقر اور محمد حیدر۔

محمد باقر نے عربی اپنے گھر اور علوم اسلامی اساتذہ سے حاصل کر کے معقولات و منقولات میں نام پایا۔ موصوف کی شادی امیر علی خان بیجاپوری کی خواہر سے ہوئی۔ اور اعزاز سے زندگی گذرنے لگی۔ سکندر عادل شاہ کے وزیر مصطفےٰ خان نے ان کی مخالفت کی۔ اس لیے وہ دربار عالمگیر میں حاضر ہو کر دو ہزار پیدل پانچ سواروں کی افسری پھر شاہ جہان آباد اس کے بعد کشمیر کی دیوانی پر سرفراز ہوئے۔

آخر میں اسد خاں کی سفارش پر تلکوکن نظام شاہی کی دیوانی ملی۔ کچھ عرصے تک بہ خدمت انجام دے کر خانہ نشین ہو گئے۔

اورنگ آباد میں گھر بنا لیا تھا وہیں ۱۱۲۸ھ/۱۷۱۶ء میں رحلت کی۔

تصانیف: • تلخیص المرام فی علم الکلام (ضخیم کتاب)۔ • روضۃ الانوار۔ • زبدۃ الافکار محمد فصیح صاحب نے اس کا نام روضۃ الانوار و زبدۃ الافکار رکھا ہے۔

اولاد: • شیخ محمد تقی۔ (نزہۃ ج ۶۔ ص ۲۹۰۔ یادگار سلور جبلی نمبر، جاگیرداران حصہ اوّل ص ۵ طبع حیدرآباد)

محمد باقر مشہدی:

حدود ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۸ء
حدود ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء

نواب معز الدولہ، دانشمند خان محمد باقر مشہدی، مشہد میں ولادت ہوئی، مشہد ہی میں تعلیم حاصل کی فرخ سیر کے عہد میں دہلی پہنچے۔ بادشاہ نے دانشمند خان لقب دیا۔ نادر شاہ کے لشکر میں علی اکبر ملا باشی تھے محمد باقر ان کے بھائی تھے۔ اس لیے محمد شاہ اور نادر میں پیغامات کے تبادلے محمد باقر کے ذریعے ہوئے۔

محمد باقر مختلف علوم میں فاضل و ماہر تھے۔ "ریاض الشعراء" میں ان کی فارسی گوئی پر تبصرہ ہے۔

تقریباً ۱۱۵۱ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ ج ۶۔ ص ۲۹۱)

محمد باقر، طباطبائی:

... ...
حدود ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء

سید محمد باقر طباطبائی اصفہانی علوم و فنونِ اسلامی میں ماہر، اور فقہ و عربی ادب میں لاثانی تھے۔ عبد القادر رام پوری ان سے ڈھاکے میں ملے تھے اور "روزنامہ" میں ان کے تعلق لکھا ہے موصوف سولہ مہینے ڈھاکے میں رہے اور ۱۰ ذی حجہ ۱۲۲۷ھ تاریخ قیام لکھی ہے۔ عبد الحی نے نام صرف "باقر طباطبائی" لکھا ہے۔ ہم نے ترجمہ روزنامہ علم و عمل سے پورا نام نقل کیا ہے۔ (نزہۃ ج، ص ۹۵، علم و عمل ج ۱ ص ۱۳۸)

محمد باقر، لکھنوی:

... ...
حدود ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء

حکیم آغا باقر بن معالج خان کشمیری عہد شجاع الدولہ میں فیض آباد میں رہتے تھے۔ آپ کے والد شاہ دہلی کے معالج تھے۔ جناب ملا احمد بہبہانی نے ۱۲۲۲ھ میں ان کو لکھنؤ کے اہلِ علم میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

• عالی جناب سلالۃ الاطباء، عالم زاہد، زاہد متقی، مسیح دوراں، جالینوس زماں آغا باقر مشہور بہ آغاجی خلف مرحمت پناہ معالج خان آپ فضل و کمال میں اعلیٰ اور تواضع و فروتنی میں بلند درجے پر فائز تھے اور

جاہ در یاست سے دُور تھے لوگ تصوف و اخباریت کا اہتمام رکھتے تھے۔

حکیم اسد علی یکتا، دستور الفصاحت (ص ۱۰۲ تالیف ۱۲۳۰ھ) میں لکھتے ہیں۔ "حضرت قبلہ و کعبۂ دو جہان زبدۂ علماء ہندوستان، مجتہد زمانہ، محدث یگانہ، مسیحائے وقت، مخدومی و استادی جناب حکیم آغا محمد باقر صاحب غفر اللہ ذنوبہ"

میر شیر علی افسوس جناب حکیم صاحب کے شاگرد تھے۔

محمد باقر، دہلوی : حدود ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء

مولانا آغا محمد باقر صاحب حضرت سلمان فارسی رضوان اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ اجداد کا وطن ہمدان تھا۔ ان میں سے مولانا محمد شکوہ دہلی آئے وہ عالم و مجتہد تھے (دیکھیے محمد شکوہ) مولانا کے پوتے مولانا محمد اکبر بھی عالم تھے۔ موصوف کا عقد ایک ایرانی نژاد خاتون سے ہوا اور مولانا محمد باقر پیدا ہوئے۔ محمد باقر صاحب نے اپنے والد آخوند محمد اکبر اور میاں عبد الرزاق سے تعلیم حاصل کر کے ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج میں داخلہ لے کر نئی تعلیم حاصل کی۔ اور اسی کالج میں ۱۸۲۸ء سے ۱۸۳۶ء تک فارسی کے استاد کی حیثیت سے کام کیا۔ ان کی خدمتوں سے متاثر ہو کر انگریز گورنر جنرل نے ان کو خلعت عطا کی۔ اس کے بعد دہلی کے کلکٹر چارلس مٹکاف نے تحصیلدار مقرر کیا۔ سولہ سال اس منصب پر فائز رہے۔ لیکن ان کے مزاج میں آزادی اور طبیعت میں انگریزی سیاست سے نفرت تھی اس لیے ملازمت چھوڑ دی۔

مولانا محمد باقر نے دہلی میں عزاداری اور دینی سرگرمیوں کو تیز کیا انھوں نے پہلی مرتبہ عزاداری کے لیے امام باڑہ عام بنوایا، مسجد تعمیر کی۔ موصوف کا امام باڑہ اپنی وسعت اور مقبولیت کے لحاظ سے بہت مشہور ہوا۔ خود مولانا اس میں پانچ پانچ، چھ چھ گھنٹے مجلس پڑھتے تھے۔ بیان بہت دلکش اور رقت انگیز ہوتا تھا۔ فضائل اہل بیت میں وہ دل آزار باتیں بیان کرنے سے بہت پرہیز کرتے تھے تاہم دین المسلمین کلکتہ کا علامہ مجتہد سیالکوٹی کی تحریر میں حضرات اہل سنت کی اشتعال انگیز تحریروں سے متاثر ہو کر آپ نے دینی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا اور مذہبی اخبار نکالنے لگے تھے۔

مولانا محمد باقر اردو اخبار کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے جب کالج کا پریس بیچا تو مولانا نے خرید کر ۱۸۳۶ء سے اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار اردو صحافت کا پہلا نقیب بنا۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مولانا محمد باقر نے اپنا قلم وقف کیا، بہادر شاہ نے ان کے جوش اور اثر کی بنا پر دہلی میں کمپنیوں اور بازاروں کی نگرانی کا منصب عطا کیا وہ سنہ ۵۷ء کی جنگ آزادی کے قائد بنے اور قلم و قدم درم

سے کام کیا۔ یہی خدمتیں ان کی وفات کا سبب بنیں۔ اور انگریزوں کی فتح کے بعد انھیں بغاوت کے جرم میں پھانسی کی سزا دی گئی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ٹیلر کے پناہ دینے اور اس کی تحریر کی وجہ سے قتل ہونے کی داستان ضرورت و مصلحت کی پیداوار ہے۔ میں نے افکار کراچی کے شمارہ اگست، ستمبر ۱۹۷۰ء میں اس پر بحث کی ہے۔

۱۸۴۵ء کے بعد جب نواب حامد علی خان نے لکھنؤ سے مولوی جعفر علی صاحب جارچوی کو بلایا۔ تو دہلی میں نئی گہما گہمی شروع ہوئی اور مولوی محمد باقر صاحب سے نو وارد بزرگ نے مباحثے شروع کیے۔ اسی زمانے میں شیعوں کی دو جوشیلی پارٹیاں وجود میں آئیں۔ فرقۂ باقریہ اور فرقۂ جعفریہ۔ یہ دونوں گروہ اپنے اپنے مذہبی رہنماؤں کی حمایت میں سرگرم عمل ہوئے۔ ان بحثوں نے مذہبی معلومات اور معمولات میں بڑا اضافہ کیا۔

مولانا محمد باقر صاحب کے تالیفات مطبوعہ وغیر مطبوعہ تلف ہو چکے ہیں۔ لیکن "ہادی التواریخ" مؤلفہ ۱۲۶۸ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو دینی علوم پر عبور تھا۔ ہادی التواریخ ماہ بماہ تاریخوں کی واقعاتی فہرست ہے اور بہت اہم کتاب ہے۔

تفسیر آیۂ تطہیر پر بھی ان کا ایک رسالہ تھا جو چھپا تھا۔

اصولِ دین پر بھی ایک کتابچہ کا سراغ ملتا ہے۔

دہلی اردو اخبار اور اثنا عشری ان کے پریس کا نام تھا جس سے متعدد مذہبی و ادبی و علمی کتابیں چھپی ہیں۔ ان میں ایک اردو ترجمہ و تفسیر قرآن مجید بہت اہم ہے۔

مظہر الحق نامی رسالہ بھی ماہانہ یا پندرھویں روز چھپتا تھا۔

مولانا کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ ان میں ذوق اور رجب علی شاہ ارسطو جاہ کو شہرت ہے۔ مولانا عملیات کے بھی شوقین تھے اور جفر وغیرہ سے بھی شغف رکھتے تھے۔

مولانا کی اولاد میں شمس العلما محمد حسین آزاد متوفی ۱۹۱۰ء اردو کے شہرۂ آفاق ادیب و مؤرخ ہیں۔

اسماعیل حسین منیر کے قطعۂ تاریخ وفات سے مولانا محمد باقر کی سیرت و شخصیت پر معاصرانہ رائے سامنے آتی ہے۔ ان کا قطعہ ہے:

جنابِ فاضلِ کامل محمد باقر	سپہرِ علم و فضیلت کے نیرِ تاباں
شہیرِ عالمِ ایجاد، دہلوی مولد	بزرگ اصل میں ایک تھے ساکنِ ہمداں
حدیث و فقہ و کلام و مناظرہ میں وحید	مصنفات سے ان کے ہے شکلِ شمسِ عیاں
خلیق و ناصرِ آلِ رسول و تعزیہ دار	فدائے نامِ نبیؐ عاشقِ شہِ مرداں
حلیم و قابل و محتاط و مجمعِ حسنات	جہانِ دانش و فضل و مروت و احساں

خدا کی راہ میں مقتول ہو کے آخر کار گئے جہاں سے وہ سوئے روضۂ رضواں
لکھی منیرؔ نے بیران کے مرگ کی تاریخ شہید و متقی و عالم علوم جہاں (۱۲۷۴ھ)

(بے بہا۔ ادبی دنیا۔ بزم غالب)

محمّد باقر بن سلطان العلما:

۱۲۱۴ھ / ۱۷۹۹ء
۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء

جناب سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا سید محمد باقر ۱۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ذہانت و ذکاوتِ خداداد تھی۔ معاصر اساتذہ و علما سے تلمذ کیا۔ اپنے والد اور چچا سید العلما سے تکمیل کی، جدِّ مرحوم مولانا دلدار علی نے رحلت کی تو آپ بائیس برس کے تھے جوان و فارغ التحصیل ہو کر والد کے معاون ہوئے۔ شہر کے امرا۔ آپ سے رجوع کرتے تھے۔

۵ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ میں امجد علی شاہ تخت نشین ہوئے تو اپنی سابقہ عقیدت اور مولانا کی قابلیت سے متاثر ہو کر عدالت دیوانی کی صدارت پیش کی اور "منصف الدولہ شریف الملک مہتمم عدالت دیوانی و فوجداری" کا خطاب و منصب پیش کیا۔

مولانا بہت سادگی پسند، غربا نواز، سخی تھے۔ سرائے معالی خاں میں رہتے تھے۔ کھپریل کا معمولی سا مکان آپ کا مسکن تھا۔ امام باڑہ و مسجد شاندار بنوائی تھی۔ مہدی گنج میں شبیہ کربلا بنوائی۔ مسجد تعمیر کی اور کنواں تیار کرایا لیکن اس سلسلے میں مقروض ہو گئے۔ جناب عظمت الدولہ نے قرضہ ادا کیا تو آپ نے وہ تعمیر نواب صاحب کے نام کر دی۔

عزاداری سے بہت شغف تھا۔ عزاخانوں میں جاتے اور تعزیوں پر چاندی سونے کے پھول اور رقم چڑھاتے تھے۔ خود ان کا تعزیہ بہت اعلیٰ درجہ کا تھا، چاندی سونے کی ضریح بڑی شان سے اٹھتی تھی۔

ایک مرتبہ امجد علی شاہ نے قیمتی دو شالہ نذر کیا اور درخواست میں کہا اسے آپ خود استعمال فرمائیں۔ کسی غریب نے اپنی لڑکی کی شادی کے لیے امداد طلب کی۔ آپ نے وہ دو شالہ اس کی نذر کر دیا۔

کتب خانہ میں بہت قیمتی اور نادر کتابیں تھیں۔ فروع و اصول، تاریخ و حدیث کا ذخیرہ علماء کے لیے مختص تھا۔ مصروفیت کے باوجود تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف سے دلچسپی رہی لیکن عمر نے ساتھ چھوڑ دیا اور ضعیف باپ کے سامنے ۔ ۱ جمادی الثانیہ ۱۲۷۶ھ دسمبر ۱۸۵۹ء کو رحلت فرمائی اور اپنے دادا کے امام باڑے میں آسودۂ لحد ہوئے۔

تصانیف: • تشئید مبانی الایمان فی الرد علی بصارۃ العینین (طبع ۱۲۵۷ھ) تصنیف حیدر علی • رسالہ فی نکاح بنت الزانیہ۔ • رسالۂ حج • سیف صارم (بے بہا: ۸۲، نزہت ج ۷، ص ۹۱، تاریخ سلطان العلما، ص ۹۰، نجوم ۱/۱۷۹)

مُبارک حسین، کنبوہ :
حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا مبارک حسین لکھنوی کربلائی بن نورالحسین بن تاج الدین بن علی حسن خان کنبوہ لکھنوی۔ معقولات و منقولات جیں، کامل و فاضل مولانا مبارک حسین نے اپنے دادا سبحان علی خان سے تعلیم حاصل کی پھر کربلا آگئے اور جناب مرتضیٰ شوستری سے فقہ و اصول و علوم دین کی تکمیل کی۔ ۱۳۰۰ھ کے بعد کربلائے معلیٰ میں فوت ہوئے۔ (تکملہ ج ۲، ص ۴۴۷)

محمد اصغر :
حدود ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء
۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

مولانا مرزا محمد اصغر صاحب صدرالافاضل ابن مولانا کاظم حسین صاحب مقدس، مولانا محمد اصغر صاحب سُلطان المدارس کے افاضل اور لکھنو کے مشہور خطیبوں میں تھے۔ بڑے خوش وضع، خوش اخلاق، قومی اور مذہبی معاملات میں مجاہد، تبلیغ و مجالس کے سلسلے میں دُور دُور تک گئے اور کامیاب آئے، ان کے والد علام وثیقہ دار تھے۔ جو مولانا محمد اصغر صاحب اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد حسن صاحب قبلہ مرحوم کو ملتا رہا۔ مولانا محمد اصغر صاحب زیارتِ عراق سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ مئی ۱۹۷۲ء ساٹھ سال سے کچھ زیادہ عمر تھی، دانتوں میں تکلیف ہوئی۔ میڈیکل کالج لکھنو میں ~~داخل کر دیئے گئے~~ انجکشن دیا گیا۔ اسی وقت حرکتِ قلب بند ہو گئی۔ ~~یہ واقعہ ۱۹۷۲ء کا ہے~~۔ حسینیۂ غفران مآب کے بیرونی حصّے میں قبر پائی۔ (نبیرۂ نجم العلماء)

محمد احمد، امروہوی :
۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا سید محمد احمد ابن حاجی مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب امروہوی (متوفی ۶ نومبر ۱۹۳۱ء) کے صاحبزادے وطن میں تعلیم حاصل کی، پھر مدرسۂ عالیہ رام پور سے مولوی فاضل پنجاب کا امتحان پاس کر کے امروہہ کالج پھر لکھیم پور اس کے بعد لکھنؤ حسین آباد انٹر کالج میں عربی کے مدرس رہے۔ سرکار نجم الملت کی منجھلی صاحبزادی بھی آپ سے منسوب تھیں۔ لکھنؤ میں ۱۹۶۵ء میں رحلت فرمائی اور کربلاء ملکہ آفاق لکھنو میں دفن ہوئے۔

اولاد : پانچ صاحبزادیاں اور سید آفتاب احمد صاحب رضوی ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں رہتے ہیں۔ آج کل ایک مسجد بنوا رہے ہیں۔

(نبیرۂ نجم العلماء)

محمد باقر واعظ : ....

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء

مولانا محمد باقر لکھنوی جناب غفران مآب مولانا دلدار علی (متوفی ۱۲۳۵ھ) کے شاگرد تھے۔ بڑے فاضل حاضر دماغ، حاضر جواب، ظریف اور مشہور خطیب و واعظ تھے لکھنؤ میں "مجلسی دوراں" کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء نے جن ناموروں کے نشان آنکھوں سے اوجھل کیے ان میں مولانا محمد باقر بھی ہیں۔ (ورثۃ الانبیاء، سوانح غفران مآب۔ بے بہا)

محمد باقر ابن غلام عباس: ....

۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

مولوی محمد باقر ابن شیخ غلام عباس تاجر کتب لاہور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کی سند حاصل کر چکے تھے۔ اس زمانے میں فارسی و عربی کی یہ دونوں سندیں بڑا درجہ رکھتی تھیں۔

مولوی محمد باقر صاحب کے والد شیخ غلام عباس نے لاہور میں شیعوں کی بہت سی کتابیں شائع کی ہیں۔

مولوی محمد باقر صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول امرتسر میں عربی فارسی کے استاد تھے۔

جوانی کے دن تھے کہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو جاں بحق ہوئے۔

تصانیف: • تذکرۂ ملا مجلسی۔ طبع لاہور ۱۳۲۹ھ۔ • ترجمہ عین الحیٰوۃ۔ مطبوعہ (ماہنامہ البرہان لدھیانہ)

محمد باقر بن ابو الحسن رضوی (مجتہد): ..

۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء

۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء

جناب مولانا سید ابو الحسن صاحب قبلہ عرف جناب ابّو صاحب کے فرزند نامور مولانا محمد باقر صاحب کی ولادت، صفر ۱۲۸۶ھ کو ہوئی۔ (عبد الحی کے بقول شب جمعہ ۹ صفر کو اور مولانا عالم حسین کے بقول، صفر ۱۲۸۵ھ یہی تاریخ ماہنامہ الواعظ لکھنؤ فروری ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ مگر محمد حسین نوگانوی نے مصرعہائے تاریخ ولادت لکھے ہیں جن سے ۱۲۸۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ وہ یہ مصرعے ہیں: • فلک گفت خورشید دین مبیں • گفت تاریخ ولادت مشہدی لکھنوی۔ • ماہ نو طالع بشد بر آسمان اجتہاد اور یہ تاریخیں جشن ولادت کے موقع پر پیش کی گئی تھیں)

مولانا ابو الحسن صاحب خود بہت بڑے مجتہد و مقدس و صاحب شہرت تھے اور خاندان اجتہاد کے نامور عالم ممتاز العلما سید محمد تقی صاحب کے خویش تھے۔ اس لیے جناب سید باقر صاحب کی ولادت دو بڑے گھروں کی خوشی کا باعث تھی۔ مولانا محمد باقر دونوں خانوادوں کے صفات کمال کے حامل ہوئے۔ وہ بچپنے ہی سے مقدس

تھے اس لیے کمزور اور علیل رہنے لگے مگر ذہانت، حافظہ، شوقِ طالب علمی، ذوقِ کمال نے کمسنی ہی میں بڑے بڑے اساتذہ تک پہنچا دیا۔

مولانا شیخ تفضل حسین تعلقدار سے ریاضی، ہیئت، منطق و فلسفہ پڑھا۔ مولانا سید حیدر صاحب سب رجسٹرار لکھنؤ اور مولانا سید حیدر علی صاحب اور مولانا سید حسین صاحب سے کلام، و ادب و ابتدائی فقہ و اصول و درایت و حدیث و تفسیر کا درس لیا۔ پھر اپنے والد علام سے انتہائی کتب کے سبق لیے

۱۳۰۱ھ میں جناب سید محمد ابراہیم صاحب کی دختر نیک اختر سے عقد ہوا۔

۱۳۰۲ھ میں اپنے والد علام کے ہمراہ عراق تشریف لے گئے اور وہاں شیخ شریعت فتح اللہ اصفہانی آیۃ اللہ محمد کاظم خراسانی۔ آیۃ اللہ محمد کاظم یزدی طباطبائی اور الحاج میرزا خلیل طہرانی۔ سرکار علامہ نوری طبرسی و سرکار محمد حسین شہرستانی رحمہم اللہ سے فقہ و اصول، میں درسِ خارج و درسِ سطحی کی تکمیل کر کے دس سال بعد وطن لوٹے اور اپنے والد کے جانشین ہوئے۔

مولانا محمد باقر صاحب خلق و مروت، توکل و رضا، سخاوت و قناعت امانت و احتیاط، عبادت و زہد، تقویٰ اور احتیاط، سادگی و انکساری میں اپنے والد کی تصویر بلکہ ان سے آگے تھے۔ معمولی خوراک اور پانی ملا کر بدمزہ کر کے کھانا کھانا آپ کی ریاضت تھی۔ صاف اور اچھا لباس مرغوب تھا۔ آپ کی روحانیت اور پاکیزگی نفس سے ہندو مسلمان سب متاثر تھے۔ آپ کے وعظ میں زہد و تقویٰ کی تلقین ہوتی تھی۔ آپ کی گفتگو میں محبت و الفت کا پیام۔ کسی سے دل میں غبار نہ تھا۔ چھوٹے بڑے کا احترام کرتے تھے۔ کسی نیک و بد میں حریف نہ بنتے تھے۔ گوشہ نشین ہونے کے باوجود دنیا کی رجوع تھی۔ ہزاروں مسائل روز آتے تھے۔ گروہ در گروہ طلبا درس لیتے تھے۔

مدرسہ سلطان المدارس کے صدر مدرس تھے۔ لیکن ہر سطح کے جید طلبا مختلف علوم پر بڑی بڑی کتابوں کا درس لیتے تھے۔ باوجود بزرگی و استادی کے طلبا کا احترام فرماتے اور ان کی تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے۔ مدرسے کے طلبا پر باپ سے زیادہ شفیق تھے۔ آپ کے عہد نے مدرسۂ سلطان المدارس کے طلبا میں عزتِ نفس، بے غرضی، خلوص اور محبتِ علم کی روح پھونک دی تھی۔ لوگ آپ کو سلمان و ابوذر سمجھتے تھے۔ صادق القول، شیریں زبان، فقیہ و اصولی، محدث و رجالی، منطق و ہیئت و فلسفہ میں ماہر ہونے کے باوجود عربی نظم و نثر پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے۔ آپ نے مدرسۂ سلطان المدارس میں عربی شعراء کی ایک نسل پیدا کی۔ مدرسے کے مقاصدوں میں جو جو عربی فارسی قصیدے پڑھے گئے وہ تاریخ ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ آپ کے عظیم شاگردوں کی فہرست طولانی ہے۔ لیکن جناب شمس العلما مولانا سبط حسن صاحب، جناب ادیب العلما مولانا سید علی حسین

جناب سید العلما مولانا سید شبیر حسین صاحب کی عربی میں مہارت مشہور رہی ہے۔ یہ حضرات زہد و ورع میں بھی اپنے استاد کی مثال تھے۔ رحمہم اللہ۔

مجھے آج بھی مسرت محسوس ہوتی ہے کہ میرا نام سرکار باقر العلوم نے تجویز فرمایا تھا اور دعا، توفیقات فرمائی تھی

طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

جناب سید باقر صاحب نے تقوے کی وجہ سے آخری عمر تک یکساں عزت سے زندگی بسر کی۔ علما اور معاصر اکابر شیعہ اور سنی، قریب اور دور کے سب حضرات آپ سے محبت کرتے اور احترام سے پیش آتے رہے۔ برصغیر کے علاوہ افریقہ، یورپ تک آپ کے مقلد پھیلے ہوئے تھے۔

آپ کو امام حسینؑ اور کربلا سے ایک خاص عشق تھا۔ متعدد مرتبہ زیارت سے مشرف ہوئے اور رجب ۴۶ھ میں آخری سفر یوں کیا جیسے خاص طور پر طلب حاضری کا حکم آیا ہو۔ چونکہ تکلف سے دور اور شہرت سے نفور تھے اس لیے خاموشی سے آمادۂ سفر ہوئے لیکن جیسے جیسے معلوم ہوتا گیا وہ دور ٹا مجھے ان کے ایک رفیق سفر نے بتایا کہ جناب کے کرامات اور جذب و خلوص کے جو حالات میں نے سفر میں دیکھے ان سے معلوم ہوا کہ لکھنؤ میں ان کے بارے میں جو واقعات مشہور ہیں وہ یکے از ہزار ہیں۔ جہاز میں بھی آپ کے اخلاق، عبادت، زہد اور غیبی امداد کا عجب عالم رہا۔ کربلا معلیٰ میں آپ گوشت نوش نہ فرماتے تھے۔ عموماً روتے رہتے تھے۔

کربلا میں آپ کا مکان ہے۔ وہیں ۲۷ شعبان ۱۳۴۶ھ بروز پنجشنبہ ۱۰ بجے صبح کو نمونیے میں رحلت فرمائی اور کربلا ... حرم امام حسینؑ میں دفن ہوئے، جو آپ کی دیرینہ تمنا تھی۔ تمام اخبارات و رسائل اور تمام اقوام و ملل نے آپ کی رحلت پر تعزیت کا اظہار کیا۔ بے شمار مرثیے لکھے گئے اور متعدد خصوصی اجتماعات و مجالس ہوئے۔ مرثیوں میں سے چند عربی مرثیے "اسداء الرغاب" کے آخر میں چھپ چکے ہیں مثلاً جناب مولانا علم حسین صاحب قبلہ کا قطعہ تھا۔

فقد اصبح الیوم ھند کربلا کمدا	فراث علم ببرد الموت اذ جمدا
فظلّ حیاتہ طرّا اتضبح اسیٰ	اذ کان من قبل فیہ علیتہا رغدا
علی الفنا اشرفت وزادہ قلقا	اذ قیل بحر الھدیٰ عن جریہ رکدا
ابکی دما لوحید کان حین مضیٰ	من الافلین فی ھذا الوریٰ عددا
بموتہ صار حصن الدین منثلما	بفقدہ اصبح الاسلام مضطھدا
اذ استراح عن الدنیا وکربتھا	وجاور ابن علیؑ سید الشھدا
نادی ابن عمران فوق الطور آہ والا	مصباح سینا علم المصطفیٰ خمدا

۱۳۴۶ھ

اولاد: • مولانا الاستاذ سید محمد صاحب قبلہ مرحوم صدر مدرس مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ۔ • مولانا الاستاذ سید علی صاحب قبلہ مدظلہ العالی۔ • مولوی سید رضی صاحب مرحوم۔

تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مختصر یہ ہے کہ طبقۂ اوّل کے صدر الافاضلین عموماً آپ کے شاگرد ہیں۔ اور لکھنؤ کے بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا ہے۔ آپ کا کتب خانہ فقہ و اصول کا عظیم و وسیع کتب خانہ ہے جس میں نوادر کتب اور مخطوطات کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔

تصانیف: • صوب الدیم۔ عربی فقہ۔ • القول المصون فی نسخ نکاح المجنون عربی، فقہ۔ • الغرائب فی مسائل وصیۃ الوارث عربی، فقہ۔ • الروضۃ الغنا فی بحث آلات الغنا عربی، فقہ۔ • اسد الرغاب بکشف الحجاب عن وجہ السنۃ والکتاب (عربی) مطبوعہ نجف، ۱۳۴۴ھ (میرے کتب خانے میں موجود ہے) • متعدد کتابوں پر حواشی۔ • دیوان اشعار عربی و فارسی۔

• پر المقدمۃ لکرامت حسین۔

مولانا محمد باقر صاحب قبلہ کے عربی اشعار کا اسلوب ملاحظہ:

صحی القلب عن حب الحسان العواتق	واصبحت فی شغل عن اللہو عائق
أألبغی وصال البیض والشیب شامل	کفی وازع عنھن شیب المفارق
وصاح نہار الشیب فی لیل عارضی	وحلق غربان الشباب الغرانق
وجربت ھذا الناس حتی مللتھم	فلم ارفیھم من صدیق مصادق
ولم الق منھم غیر وغد مماکر	ولم الق منھم غیر خب مماذق
یحاذ بنی العلیا قوم سفاھۃ	وھیھات این النجم من کف رامق
وکم أشقونی فانتنبت مکرما	وأثر عودی فی النبال الرواشق
واعیت قناتی ان تلین لغامز	وما نوب مجدی بالذنوب لشارق
وما وجد الاقوام ذیلی مدنسا	لدن رمقونی بالعیون الروامق
وما انا الا البدر فی اللیل طالعا	وھم کالکلاب العاویات النواعق
فقل للاولی أمنوا اللحاق الا اربعوا	علی ظلعکم، لاتدحضوا فی المزالق
وقل للعدی موتوا بغیظ نفوسکم	فما الفضل الا للکرام المعارق
ونحن ورثنا المجد عن کل ماجد	وآباء صدق کالشموس الشوارق
بھالیل ازوال نناخ ببابھم	صدور الامانی او صدور الایانق

وكل فتى تعشو الى ضوء ناره ... ثمال الايامى موئل للذّرادق

ربيع اليتامى ينعش الناس سيبه ... إذا أخلفت قطر النجوم الدوافق

طويل عماد البيت ابلج لم يزل ... لدن شبّ حتى شاب ماوى لطارق

وابيض ميمون النقيبه ماجد ... خلائقه مسك لعرنين ناشق

وكلّ لبيق بالطعان حزوّر ... طويل نجاد السيف حامي الحقائق

وكلّ فتى لا يرهب الطعن قلبه ... محشّ لنار الحرب فى كل مازق

ذريني انل ما لا ينال من العلى ... بكفّ طويل الباع ابلج حاذق

فما كل من رام المعالى يرمنه ... ولا استوسقت غير الكرام لسائق

وما كل من شان المكارم امّها ... اذا لاح من تلقائها لمع بارق

وما كل طلّاع الثنايا بثابت ... ولا كل طلاب العلاء بلاحق

وما الدهر والايام الا كما ترى ... سحابة صيف او كلعقة لاعق

تسلّت عمايات الصبابة والصبا ... فلا الفرع يصبيني ولا الدعص شائقي

ومن يعشق العلياء او يبغ نيلها ... يجانب وصال الآنسات الشوائق

ومن راق بيض المكرمات ورقنه ... فليس الى البيض العذارى برامق

ومن لذّ ورد المجد اولذّ شربه ... تعافى رضاب الغانيات الفواسق

وهيهات مثلي ان يملّ لكاعب ... ولقيناده حبّ الحسان العوائق

واني لمن قوم كانّ حلومهم ... لدى الوزن امثال الجبال الشواهق

أولو شتوات للعفاة مصارخ ... إذا عضهم فرس الخطوب الطوارق

هم خير حيّ من قريش علمتم ... لهم اوجه بيض وبيض الخلائق

ومنّا النبيّ الابطحي محمد ... نبي أتي بالوحي من عند خالق

ومنا على الخير من وطئ الحصى ... وأكرم من يعلوه متون السوابق

واقتلهم للقرن يوم كريهة ... وافلق الهامات من كل خالق

وأضربهم بالسيف فى كل معرك ... وأطعنهم بالرمح بين الفيالق

وكم اوردا الرايات بيضا خوافقا ... وأصدرها محمرّة كالشقائق

وما كفّ حتى قد جرى من دمائهم ... بصفين امثال السيول الدوافق

فتى فاق اولاها فخاما واطولها شيئ ... وابذى الورى كفّا واطول غائب

واجملهم ... الكرامات السوابق ... واعظمهم علما وحلما ومفخرا

واصحابه شم الانوف مساعر | مصالیت اضحوا کالنصول الذوابق
کماۃ اباۃ الضیم غر جحاجح | غطاریف فی ظل البنود الخوافق
لیوث طعان یرہب الشوس باسہم | إذا اقتحموا فی الفیلق المتضائق
تراهم إذا ما ابدت الحرب نابہا | وقامت علی ساق حماۃ الحقائق
فمن دارع شاکی السلاح مدجج | ومن حاسر صمصامه فوق عاتق
ومن طاعن صدر الکماۃ برمحه | ومن ضارب هام العداۃ وفالق
میامین للمولیٰ مشائیم للعدیٰ | معاقل عز للنزیل وطارق
مطاعین فی الهیجا مطاعیم فی القریٰ | مداریک وتر بالخفاف الذوالق
مناویر ذاقوا الرائعات وذقنهم | مساعیر قد خاضوا دماء الموارق
هم خطبوا العلیاء غلوا مهورها | لسمر لدان او ببیض دقائق
إذا استنصرخوا لم یسألوا من دعاهم | ولا عاقهم هم لبشد المناطق
وطاروا الی قب البطون ضوامر | خفاف بایدیهم خفاف البوارق
وخاضوا غمار الموت دون حریمهم | إذا عاق نکس القوم بعض العوائق
اولئك غیث للمحلین وغوثهم | إذا ما سماء الناس ضنت ببوادق
شباب وشیب من بنی الدین والهدیٰ | کهول وفتیان حماۃ الحقائق

فوارس من علیا قریش تنذامروا
علیهم سلام الله فی کل شارق

(• الواعظ لکھنؤ ، • بے بہا ص ۸۸ • نزہتہ ۸ ص ۱۲۴ • تتمۃ اسداء الغاب)

محمد باقر، بمبئی:

۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

جناب حاجی ملا محمد باقر بن فتح محمد صاحب کا وطن جلال پور ضلع فیض آباد تھا۔ فتح محمد صاحب راجپوت تاجرا پیشہ تھے۔ بمبئی میں اچھا کاروبار تھا۔ دین سے شغف تھا بمبئی میں مسافر خانہ ویوجی جمال کے مدرسے کے استاد ہوگئے اور بچوں کو پڑھانے لگے۔ خوش اخلاقی کے اثر سے بمبئی کے مسلمان آپ کا احترام کرتے تھے۔ موصوف نے نماز جماعت کی امامت نہیں کی۔ لیکن وعظ و تبلیغ میں پیش پیش تھے۔ بمبئی عیسائی تبلیغ کا مرکز اور مشنری کا اڈہ تھا۔ جناب ملا صاحب نے ان کے نامور پادریوں سے

مناظرہ و مقابلہ کرکے مسلمانوں کی برتری قائم کی اور سنی علما نے ملا صاحب کی قابلیت کا اعتراف کیا۔

پادری دمشقی اور پادری غلام مسیح نے بارہا کہا کہ سنی حضرات ہمیشہ مقابلے میں شیعوں سے پناہ لیتے ہیں اور شیعہ واقعاً مناظرہ خوب کرتے ہیں۔ آپ نے متعدد غیر مسلمان حضرات کو مسلمان اور سنیوں کو شیعہ بنایا۔ آخری دور میں دو حضرات تو ایسے شیعہ کیے تھے جن کا تذکرہ خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔

- مولوی برکت علی شاہ ولد بوٹے شاہ موضع کمام ضلع جالندھر۔ اپنے وطن میں امام جمعہ و جماعت تھے۔ بمبئی گئے اور وہاں بھی امامت مسجد حاصل کی۔ مولانا نے ملا صاحب سے دینی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ ایک ماہ کے بعد شیعہ ہو گئے۔

- مولوی سید احمد حسین شاہ ولد سرفراز علی ساکن مدراس محلہ نرمل کھیڑی واعظ و محدث اور مدراس کے پیر و مرشد باپ کے بیٹے تھے۔ بیس سال سے بمبئی میں وعظ و ارشاد فرما رہے تھے۔ ملا صاحب سے مباحثہ کیا اور ۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ کو جلسہ عام میں اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کیا۔ اور ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ کو ایک وبا میں راہی جنت ہوئے۔

ملا محمد باقر صاحب نے حج و زیارت کے لیے بمبئی آنے والوں کی بڑی خدمت کی۔ مسافر خانہ ولوجی جمال کے مہتمم تھے اور غربا کی مدد کرنے میں کمربستہ رہتے تھے۔ بمبئی میں قومی اور دینی سرگرمیوں کو تیز کیا۔ اعلیٰ درجے کے خطیب اور انتہائی کامیاب واعظ تھے۔ دور دور تک دورے کرتے تھے۔ حج و زیارات سے متعدد مرتبہ مشرف ہوئے تھے۔

آپ نے ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ کو وفات پائی۔ آپ کے فرزند مولانا محمد جعفر اور مولانا محمد موسیٰ صاحب صدر الافاضل آپ کے جانشین ہوئے۔

تصانیف: ملا محمد باقر صاحب خطابت کے ساتھ تحریری خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ ملک کے اخبارات و رسائل میں بکثرت مضمون لکھتے تھے۔ مضامین کے علاوہ کچھ رسالے بھی لکھے جن میں سے چند مطبوعات یہ ہیں: • نجات الدارین بعزائے حسینؑ (اردو) • شعلۂ نور بجواب مسائل شولاپور (اردو) • خزینۃ التحقیق۔ • رسالہ فدک۔ • خیر الکلام۔ • نفاق الثلاثہ۔ (بے بہا ص ۹۱)

محمد باقر بن گل محمد شاہ:

۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۳ء
۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

مولانا حاجی سید محمد باقر صاحب بن گل محمد شاہ صاحب جن کا خاندان تصوف و پیری، مخدومیت وغیرہ میں چکڑالہ کا محترم خاندان ہے۔ اور نقوی سادات سے تعلق رکھتا ہے ۲۰ رمضان ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے

بچپنے میں اساتذہ ان کی ذہانت پر آفرین کہتے اور تابناک مستقبل کی پیشین گوئیاں کرتے تھے۔ پرائمری تعلیم کے بعد صرف و نحو کی تعلیم اپنے بھائی طالب حسین شاہ صاحب اور والد بزرگوار سے حاصل کی۔ مولوی عبداللہ جکڑالوی کے فرزند محمد عیسٰے سے بھی کافیہ شرح جامی اور منطق کے اسباق لیے۔ پھر ملتان آکر مولوی سید علی نقی صاحب سے پڑھتے رہے۔ کچھ دن بعد جناب مولانا شریف حسین صاحب قبلہ کو جگراؤں خط لکھا۔ موصوف نے درخواست منظور کی۔ اور مولانا تحصیل علم کے شوق میں جگراؤں اور وہاں سے لکھنو گئے۔ واپس آکر ۱۹۰۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ منشی فاضل کا امتحان دیا۔ کچھ دنوں تک اورنٹیل کالج میں تعلیم بھی دی۔

۱۹۱۴ء سے وطن میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

۱۹۲۴ء میں چک ۳۸ کے مومنین اپنے چک ملتان لے آئے اور بیس برس تک مولانا نے لوگوں کو علوم سے فیض یاب کیا۔

۱۹۴۴ء کے لگ بھگ آپ رجبانہ ضلع جھنگ آگئے اور یہاں سلسلۂ درس جاری کر دیا۔ رجبانہ کے مدرسے کے اخراجات محترمہ جنداں سیال ادا کرتی رہیں۔ ۸ر صفر ۱۳۸۶ھ کو بمقام رجبانہ میں سخت بیمار ہوئے اور متعلقین سے اپنی زمین پر جانے کی خواہش کی۔ لوگ میانوالی ضلع کے قصبہ کھلوڑ کلاں لے گئے اور آپ نے وہیں ۱۹ر صفر ۱۳۸۶ھ، جون ۱۹۶۶ء کو رحلت فرما کر خواب گاہ حاصل کی۔

جید الحافظہ تھے صرف و نحو، معانی و بیان، منطق و فلسفہ کی ایک ایک کتاب حفظ تھی۔ عربی ادب پر قدرت کاملہ تھی۔ برجستہ نظم و نثر لکھ لیا کرتے تھے۔ بے حد پرہیزگار، متقی، سادہ مزاج اور شہرت سے نفرت کرنے والے تھے۔ نفس کی قوت و پاکیزگی کا یہ اثر تھا کہ اپنے بیگانے سب عزت کرتے تھے۔

اولاد: • سید ناصر الدین حسین۔ • ضیاء الدین حسین۔ • زین الدین حسین

تلامذہ: چند مشاہیر۔ • مولانا سید محبوب علی شاہ صاحب (خوشاب) احوال درج کتاب ہیں۔

- مولانا سید محمد یار شاہ صاحب (علی پور)۔ • مولانا محمد حسین صاحب (جہانیاں شاہ)
- مولانا اختر عباس صاحب۔ • مولانا سید گلاب شاہ صاحب۔ • مولانا سید غلام عباس صاحب میانوالی۔
- خواجہ محمد لطیف صاحب۔

محمد باقر لنڈی :

۸۰ ... ۱۹۶۲ء

مولوی سید محمد باقر شاہ صاحب موضع لنڈی کچی کے سادات سے تھے۔ ابتدائی تعلیم اور فارسی کا درس

وطن میں حاصل کر کے پڑھانے اور مطالعہ و تبلیغ میں مصروف رہے۔ خوش لہجہ، شیریں بیاں مقرر تھے۔ جوانی کے بعد عربی پڑھی اور عراق و ایران کا سفر کیا۔ بنگش میں آپ کو فقہ کے مسائل سے باخبر، عمدہ خطیب اور باوقار شخصیت مانا گیا۔ متمول گھرانے سے تعلق تھا۔ اس لیے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر بھی مقرر کیے گئے تھے۔ آپ صاحب دل، صاحب درد عابد شب زندہ دار بزرگ گذرے ہیں۔ (مکتوب رمزی بنگش)

محمد باقر علی خان، مشتاق :

۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء

نواب محمد باقر علی خان عرف بنے صاحب مشتاق، نوابین اودھ کے خاندان سے تھے۔ وثیقہ بھی ملتا تھا۔ میاں الماس کے امام باڑے کے قریب سکونت اور معالی خان کی سرائے میں بڑی املاک تھی۔ دولتِ علم سے مالا مال تھے۔ اور علوم اسلامیہ میں اچھی قابلیت تھی۔ شرفاء و معززین ان سے درس لیتے تھے۔ ان میں مرزا محمد ہادی عزیز[1] کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ آخر عمر میں رام پور چلے گئے اور نواب صاحب نے بڑی قدر کی۔

آپ شاعر بھی تھے۔ مشتاق تخلص تھا۔ اور زکی بلگرامی شاگرد مرزا دبیر سے تلمذ تھا۔

محمد باقر علی خان نے ۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء کو رحلت کی۔ ان کے ایک صاحبزادے سید صاحب مشتق کو میں نے دیکھا ہے۔ (دبستانِ دبیر۔ ص ۷۰۸)

محمد بخش، قریشی :

حدود ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

مولانا محمد بخش صاحب قبلہ قریشی، تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان کے عالم و فاضل، محقق و خطیب تھے۔ پوری زندگی تبلیغ اسلام میں گذاری۔ رسول و آلِ رسول صلوات اللہ علیہم اجمعین کے تعلیمات کی اشاعت ان کا نصب العین تھا۔ دشمنانِ آلِ نبیؐ کے حملوں کے جواب اور اسلام و تشیع کی رد میں جو کچھ لکھا جاتا تھا۔ مولانا اس کا جواب دیتے تھے۔

وسیع کتب خانہ جمع کیا اور بڑی محنت سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ جس میں مخالفینِ مذہب کے اعتراضات کے مفصل تحقیقی جواب لکھے۔ لیکن وہ کتاب چھپوا نہ سکے۔

مولانا نے عمر کا آخری حصہ بلوٹ شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں گذارا اور وہیں ۱۹۵۰ء سے قبل رحلت کی۔

---

[1] محمد ہادی عزیز حکیم محمد علی کشمیری (مؤلف نجوم السماء) کے فرزند، ۱۸۸۲ء لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۵ء میں وفات پائی۔ تجلیات، سوانح مفتی محمد عباس ان کی اہم تصنیف ہے۔ اُردو کے مشہور استاد شاعر مانے گئے ہیں۔

محمد حسن، ٹاٹاپوری:

۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

مولانا محمد حسن صاحب ضلع ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد کے باشندے تھے، سنی مدارس سے فارغ التحصیل حنفی العقیدہ تھے۔ خود تحقیق کے بعد شیعہ ہوئے اور جب مولانا عبد العلی ہروی طہرانی ٹاٹاپور ملتان آئے تو مولانا محمد حسن صاحب ان سے مستفید ہوتے رہے۔

زکی تخلص سے عربی نظم و نثر برجستہ لکھتے تھے، وعظ و خطابت میں مشہور تھے۔

چاہ سید منڈا میں ذاتی مکان بنواکر سکونت اختیار کی۔ ۳۰ جنوری ۱۹۵۰ء کو رحلت کی عقائد پر ایک کتاب لکھی

اولاد: • مولوی اعجاز حسین صاحب واعظ و مصنف۔ (از مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ) (البرہان)

محمد مرتضیٰ زیدی:

حدود ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء

۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا سید محمد مرتضیٰ ابن صفی الحسنین مرحوم یکم جون ۱۹۱۸ء کو گکروی ضلع مظفر نگر (ہند) میں پیدا ہوئے۔ (مولانا نے تاریخ ولادت غالباً کے ساتھ لکھی ہے) لکھنؤ میں پندرہ سال رہ کر مولوی، عالم، اردو اعلیٰ قابلیت کے تین امتحان الہ آباد بورڈ سے اور فاضل ادب و دبیر کامل کے امتحان لکھنؤ یونیورسٹی سے پاس کیے۔ مدرسۂ ناظمیہ میں کامل تک تعلیم حاصل کر کے مختلف ہائی اسکولوں میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ دسمبر ۱۹۴۷ء سے نومبر ۱۹۴۹ء تک شیرانوالہ ہائی اسکول لاہور، پھر گورنمنٹ ہائی اسکول قصور لاہور میں پڑھاتے رہے۔

رمضان ۱۳۹۳ھ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو وفات ہوئی۔ (از قلم مرحوم)

محمد تقی، مبارکپوری:

حدود ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

مولانا محمد تقی بن مولانا غلام رسول مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (ہند) میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر پہلے مبارک پور پھر مدرسۂ ناظمیہ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ طب میں کمال پایا، وطن آئے اور نماز جماعت پڑھانے، اور خدمات دینی بجالانے کے ساتھ ساتھ مطب بھی کیا۔

۱۹۳۰ء کے قریب وفات پائی۔

ان کے ایک فرزند مولانا محمد داؤد صاحب تھے (شجرۂ مبارکہ، ص ۲۴۲)

محمد تقی، ممتاز العلما: ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۹ء — ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

جناب سید العلما مولانا سید حسین صاحب کے فرزند دوم مولانا محمد تقی صاحب ۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۲۳۴ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت جناب سید العلما مرجعیتِ کبریٰ کے درجہ پر فائز تھے۔ جناب غفران مآب کا آخری دورِ زندگانی تھا۔ مولانا محمد تقی تقریباً سولہ ماہ کے مہینے تھے کہ جدِ بزرگوار غفران مآب نے رحلت کی (۱۹ر رجب ۱۲۳۵ھ) ان کے بعد سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب کا پورا دورِ عروج مولانا محمد تقی نے دیکھا۔ ان کے والد نے فرزند کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ کم سنی ہی سے علم کے شیدائی تھے۔ بچپنے میں کھیل کود سے نفرت تھی!

ان کے مشہور اساتذہ میں جناب احمد علی محمد آبادی اور جناب مفتی محمد عباس صاحب تھے۔ اپنے والد اور بڑے چچا سے اعلیٰ کتابوں کا درس لیا۔ ۱۸ر ربیع الاول ۱۲۶۲ھ اور ۲ر جمادی الثانیہ ۱۲۶۲ھ میں ان کے عم محترم سلطان العلما اور والد بزرگوار اور صاحب جواہر الکلام نے اجتہاد کی سند دی۔ یعنی ۲۷، ۲۸ برس کی عمر میں درجہ اجتہاد تک پہنچے۔

ثریا جاہ امجد علی شاہ نے مدرسۂ سلطانیہ قائم کیا تو جناب محمد تقی صاحب اس کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ بادشاہ نے خلعت و لقب ممتاز العلما مرحمت فرمایا۔ دو سو روپے تنخواہ ہوئی۔ اس مدرسے میں تیس استاد اور دو سو سے زیادہ طالب علم تھے۔ ۱۸۵۷ء میں مدرسہ بند ہو گیا اور مدرسین کو پنشن ملنے لگی۔ اسی مدرسے کی تجدید جناب آغا صاحب نے فرمائی اور مولانا محمد تقی صاحب کے داماد مولانا ابّو صاحب اس کے پرنسپل ہوئے۔

ممتاز العلما فخر المدرسین نے تدریس و خطابت میں بڑا نام پایا۔ اپنے والد کی وفات ۱۲۷۳ھ کے بعد وہ تمام امور کے ذمہ دار قرار پائے۔ جناب سلطان العلما نے بھی ان پر اعتماد کیا اور جمعہ و جماعت ان سے متعلق کر دیں۔ موصوف نے ایک شاندار امام باڑہ اور مسجد تعمیر کی۔ طلبہ کے لیے ہوسٹل بنوایا۔ اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ قائم کیا جو اب تک باقی ہے۔ بہت سے اوقاف آپ کی تولیت میں آئے۔ جن میں سے چھوٹے تحسین اور بڑے تحسین کی مسجدیں اور امام باڑے بھی ہیں۔ آپ محمد علی شاہ کی مسجد میں جمعہ اور بڑے تحسین علی خان کی مسجد میں پنجگانہ نمازیں پڑھاتے تھے۔ شہر کے اکابر و علما آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ تمام ملک میں مرجعیت تھی۔ اخبار الاخیار میں آپ کے فتوے چھپا کرتے تھے۔ ایک دنیا آپ کی تقلید کرتی تھی۔

انگریز آپ کا احترام کرتے تھے۔ دربار میں کرسی تھی اور عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ تھے۔ خطابت میں اثر، اور فقہ میں مہارت اور فنِ تفسیر سے بے حد شغف تھا۔ زندگی کے آخری دن تک ینابیع الانوار تفسیر قرآن مجید میں مصروف رہے۔ ۲۳ رمضان ۱۲۸۹ھ کو دس بجے دن تک تفسیر کا کام کیا۔ دن گذرا، رات بسر ہوئی تین بجے شب قدر کی سعید ساعتوں میں رحلت فرمائی اور اپنے بناکردہ عزا خانے میں کبیر دلسحد ہوئے اور جنت مآب لقب ہوا۔ منیر نے مادہ تاریخ لکھا "افتاد ستون کعبۂ فقہ"

مولانا سید محمد ابراہیم آپ کے فرزند آپ کے جانشین ہوئے۔

تلامذہ: • سید ابوالحسن عرف ابو صاحب قبلہ۔ • خواجہ عابد حسین صاحب سہارن پوری۔
• سید غلام محمد صاحب ریواڑی متوفی ۱۳۰۰ھ • خواجہ ابراہیم حسین پانی پتی۔ • سید عمار علی مفسر سونی پتی
• غلام حسنین کنتوری۔ • علی میاں کامل۔ • سید محمد حسین فیض آبادی۔ • سید حسن۔ • نواب علی جاہ۔
• نذیر علی۔ • نواب والا جاہ۔ • منیب خان رامپوری۔ • کرامت حسین کنتوری۔ • سید علی اکبر بن سلطان العلماء

تصانیف: • ارشاد المومنین (ارشاد المبتدین صلوٰۃ و طہارت عربی) • مرشد المؤمنین
• عباب فی علم الاعراب (نحو) • شرح مقدمات حدائق۔ • رسالہ امامت۔ • نخبۃ الدعوات
• حدیقۃ الواعظین۔ • لمعۃ الواعظین۔ • رسالہ استدلالی امامت جماعت، • اداب و فضیلت دعا
• شرح تبصرۂ علامہ۔ • غنیۃ السائلین۔ • جواب مسئلہ لدنیہ۔ • ینابیع الابرار تفسیر
• ہدایۃ المسترشدین • نزھۃ الواعظین • (دو جلد) (بے بہا ۱۰۰، نوہتر ص ۳۲ تکملہ نجوم السماء ۲/۲۹۹)

محمد تقی بن دلدار علی:

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء
۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء

مولانا سید محمد تقی خلف سید دلدار علی لکھنوی۔ جناب تاج العلماء علی محمد و جناب مفتی محمد عباس کے شاگرد تھے۔ ۱۳۰۲ھ میں ماہ مبارک رمضان میں مراد آباد گئے تھے۔ الہ آباد میں ماہ محرم کے مجالس پڑھتے تھے۔

مرشد آباد میں بحیثیت عالم دین قیام رہا۔ مجتہد تھے اور مرجعیت حاصل تھی۔

مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ میں مدرس تھے۔ طلبا مدرسے کے علاوہ بھی درس لیتے تھے۔ عربی پر ادیبانہ قدرت تھی۔ خطابت میں مہارت تھی۔ زھد و تقویٰ عبادت و اخلاق میں ممتاز تھے۔

مولوی محمد حسین نوگانوی مؤلف تذکرۂ بے بہا نے شرائع الاسلام و ہدیۂ سعیدیہ پڑھی۔ مولانا ظہور حسین صاحب قبلہ بھی آپ کے شاگرد تھے۔

آپ نے تقریباً بیاسی سال کی عمر پاکر بروز سہ شنبہ عید قربان ۱۳۳۶ھ لکھنؤ میں انتقال فرمایا اور امام

باڑہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔

تصانیف : کتاب الطہارۃ استدلالی عربی مبسوط۔ کتاب الصلوٰۃ استدلالی عربی مبسوط۔ کتاب الصوم استدلالی عربی مبسوط۔ کتاب الاعتکاف استدلالی عربی مبسوط۔ رسالہ الرؤیا۔ عربی۔ رسالۃ المعراجیہ عربی۔ پند و نصائح اردو۔ رسالہ توبہ۔ رسالۂ عدالت عربی۔ رسالہ حج (فقہ) اردو۔ رسالہ اصول فقہ۔ تحقیق رشیق (در مبحث خنثیٰ مشکل) رسالہ حرمت خمس۔ رسالہ بلوغ اردو۔ مجالس الشیعہ اردو۔ مصباح الدجی فی معرفۃ بلوغ المذکر والانثیٰ فقہ مطبوعہ۔ ارشاد المومنین مطبوعہ۔ عربی و اردو و فارسی کے مجلدات فضائل و مناقب و مصائب میں۔ (بے بہا ص ۱۰۴)

محمد تقی بن محمد ابراہیم :
۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء

مولانا محمد تقی بن محمد ابراہیم کے خلف اکبر و جانشین آپنے آبائی وطن لکھنؤ میں بتاریخ ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۹۲ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۸۷۵ء روز پنجشنبہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میر حسن علی صاحب سے حاصل کی جو متعدد علماء کے ابتدائی استاد تھے۔ ۱۳۰۵ھ میں جناب سید ابراہیم صاحب کے ہمراہ زیارات عراق و ایران سے مشرف ہوئے۔ پھر آپنے والد علام سے درس لینا شروع کیا۔ لیکن ۱۳۰۷ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ قبل از بلوغ والد کی مجلس چہلم میں آپ کو جناب سید ابراہیم صاحب کا قائم مقام قرار دیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے منطق و فلسفہ، فقہ و اصول وغیرہ کے لیے اپنے خاندان کے اساتذہ جناب ملاذ العلما سید بچھن صاحب بحر العلوم سید علن صاحب اور تاج العلما علی محمد صاحب عماد العلماء جناب میر آغا صاحب سے تلمذ حاصل کیا۔ فراغت کے بعد عربی میں مقالہ لکھا: "الاشعۃ النورانیہ فی صلاۃ الجمعۃ الاسلامیہ" اسی پر اجازہ اجتہاد ملا۔ لیکن آپ نے عمل باحتیاط کو لازم رکھا۔

جناب سید تقی صاحب قبلہ اپنے والد کی جگہ حسین آباد کے امام باڑے کی مسجد میں امامت نماز کا فرض انجام دیتے رہے۔ پھر خاندانی اختلافات کی وجہ سے تین امام باڑے دو مسجدیں اور دو مقبرے نیز متعدد مکانات و دوکانات چوک، اسی ہزار روپے کے پرامیسری نوٹ اور ایک نادر خطی ذخیرۂ کتب آپ کی تولیت سے ۱۳۲۸ھ میں لے لیا گیا۔ یہ مقدمہ برسوں چلا۔ آخر اب ۱۹۶۹ء میں اس کا فیصلہ ہوا۔

جناب سید تقی صاحب قبلہ بہت خاموش گوشہ نشین اور متقی عالم تھے۔ درس و تصنیف و تالیف و موعظہ آپ کا مشغلہ تھا۔ آپ کا نفیس نادر و نایاب کتابوں کا ذخیرہ کتب خانۂ سید تقی محفوظ ہے

آپ نے ۵ محرم ۱۳۴۱ھ کو رحلت کی۔ اور اپنے والد کے بناکردہ عزاخانے میں محوِ آرام ہوئے۔

اولاد: • جناب عمدۃ الفقہا مولانا سید محمد صاحب عرف میرن متوفی ۱۳۸۰ھ۔ • جناب زبدۃ العلما سید آغا مہدی صاحب قبلہ، آپ کراچی میں رہتے ہیں اور اپنے والد کی سوانح "تذکرۃ المتقین" کے نام سے لکھ چکے ہیں۔ زیرِ نظر حالات آپ کے مکتوب ۱۹ ر اپریل ۱۹۷۲ء کے مکتوب سے لکھے جا رہے ہیں۔

تصانیف: • حواشی بر کتب درسِ نظامی از میزان الصرف تا حمد اللہ و شرائع الاسلام و شرح لمعہ وغیرہ (محفوظ در مکتبۂ ممتاز العلماء) • الاشعۃ النورانیہ ۲۰ صفحے خطی۔ محفوظ در مکتبۂ ممتاز العلماء

• تفسیر سورۂ یوسف۔ ۵۵۲ صفحات (خطی، مدرسۃ الواعظین لکھنو) • تفسیر سورۂ الحمد حصہ اوّل ۳۰۸ حصہ دوم ۷۶ صفحات (مدرسہ) • تفسیر صلوٰۃ الوسطی ۸۸ صفحات (خطی مدرسۃ الواعظین) • کتاب الوقف، ۱۰۴ صفحات عربی، اردو، انگریزی، محفوظ در مکتبہ ممتاز العلماء نیز پریوی کونسل لندن۔ • امالی التفسیر والمواعظ۔ تفسیر آیات و فضائل، جلد اوّل ۴۸۲ جلد دوم ۲۸۸۔ جلد سوم ۱۸۰۔ جلد چہارم ۷۹ صفحات۔ پہلی دو جلدیں کتب خانہ مدرسۃ الواعظین لکھنو اور دوسری دو جلدیں کراچی میں مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ کے پاس ہیں۔

• خصالِ صدوق کی بعض احادیث کا ترجمہ (خطی) • ترجمۂ اردو معالم الاصول ۳۵۸ صفحات (خطی کراچی)
• ترجمۂ اردو زبدۃ الاصول ۲۹۱ صفحات (کراچی) • حاشیہ عربی معالم الاصول (مدرسۃ الواعظین)
• حاشیہ عربی زبدۃ الاصول (مدرسۃ الواعظین کراچی) • حاشیہ فوائد الصمدیہ عربی (مکتبہ ممتاز العلما)
• حاشیہ عباب فی علم الاعراب عربی (مکتبہ ممتاز العلماء) • ترجمۂ اردو کتاب السماء والعالم بحار الانوار (ناقص، مدرسۃ الواعظین) (مکتوب آغا مہدی صاحب بے بہا ۱۰۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۸)

محمد تقی نقوی:

حدود ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء

مولانا الحاج سید محمد تقی نقوی صاحب سرسی کے رہنے والے تھے۔ موصوف نے اپنے احوال زاد الصالحین جلد اوّل میں لکھے ہیں جو اب میرے پاس نہیں ہے۔ ان کی وقیع کتاب زاد الصالحین کی آٹھ جلدوں کے مطالعے سے ان کی علمی قابلیت، حدیث و فقہ، اعمال و اوراد کے شوق پر روشنی پڑتی ہے۔ تقریباً چار چار سو صفحات کی آٹھ جلدیں اصولِ دین، فروعِ دین، اخلاق و احکام کا ضخیم اردو مجموعہ ہے اسے مجموعی طور پر اردو میں ترجمۂ احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔

مولانا محمد تقی صاحب سرسی ضلع مراد آباد سے حیدر آباد چلے گئے تھے۔ اور زاد الصالحین جلد ہشتم کے

صفحہ ۱۸۳ کے حاشیے سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف ۱۳۳۱ھ میں عراق گئے تھے اور جناب مولانا سید ابوالقاسم علامہ طباطبائی کے پیچھے نماز جمعہ ادا کی تھی۔

نیز حج سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔

زادالصالحین کے شیرازے میں کاتب نے ۱۷/۲/۲۵ء لکھا ہے اور سرورق پر سلمہ و دام فیضہ لکھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جلد پنجم کے خاتمے پر ناشر نے ایک صفحہ (۲۸۷) زائد کر کے مولانا کو مرحوم ظاہر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابت زادالصالحین کے وقت مصنف زندہ تھے لیکن اثنائے طباعت میں رحلت کر گئے میرے اندازے سے یہ واقعہ ۲۲ سے ۱۹۲۵ء کے درمیان میں واقع ہوا ہوگا۔

تالیفات: • زین المتقین۔ اردو۔ • لسان المتقین۔ • زادالصالحین بارہ حصے (آٹھ مطبوعہ نولکشور)

• انیس الصالحین۔ • تحفۃ الصالحین۔ • زینت الصالحین چھ جلدیں۔ • هیأت النفس۔

• انیس الحجاج مع انیس الزائرین۔ • تحفۃ الحاجت۔ • زادالمومنین۔ • تحفۃ الانام و اهتداء الجنان

• وسیلۃ المعاد (بیشتر مطبوعہ ہیں اور سب اردو ہیں) (ماخوذ از زادالصالحین)

محمد تقی، امین العلماء:

بعد ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۲ء

امین العلماء سید محمد تقی بن مولوی سید سرفراز علی انبالے کے رہنے والے تھے۔ لکھنؤ میں تحصیل علم کے بعد عراق گئے اور آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی سے اجازۂ اجتہاد پایا۔ لیکن مجاور کربلاء معلیٰ بن کر وہیں کے ہو رہے۔

ابتدا میں مرثیہ گوئی بھی کی اور مرزا دبیرؔ کے شاگرد ہوئے۔

تصانیف: تاج المواعظ المعروف بہ تحفۂ حسینیہ۔ طبع لکھنؤ ۱۳۱۹ھ (دبستانِ دبیر)

محمد تقی، طہرانی:

حدود ۱۳۵۵ھ / ۶، ۱۹۳۷ء

جناب حجۃ الاسلام شیخ محمد تقی صاحب قبلہ طہرانی نجفی نجف و کربلا و سامرا کے اکابر و شیوخ فقہ و اصول سے تکمیل درس کے بعد مومنین بمبئی کی دعوت پر تشریف لائے اور مسجد ایرانیان بمبئی میں مدت العمر پیش نماز و خطیب رہے۔ مولانا محمد تقی، انتہائی مقدس، متقی، متورع، سادہ مزاج، سخی، عابد شب زندہ دار بزرگ تھے۔ فارسی میں وعظ فرماتے تھے، زبان میں تاثیر تھی۔

مولانا صفدر حسین صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی مناجات و دعا اور خوفِ خدا میں گریہ دیکھ کر نفسیاتی تاثر

حاصل کرتا رہا اور بہت سے معاملات قلبی و واردات ان کی سیرت وعمل سے حاصل کیے۔

فقہ و اصول، صرف ونحو میں درس دینا عادت تھی۔ تقریباً اسی بیاسی سال کی عمر میں ۳۶، ۱۹۳۷ء کے قریب نجف میں رحلت کی۔

تالیفات: تصنیف و تالیف و تحشیہ عام مشغلہ تھا۔ لیکن اشاعت بہت کم ہوئی۔ شائع شدہ کتابوں میں مرزا صفدر حسین صاحب (پشاور) کے پاس۔ الاربعین - حدیث (عربی) ہے۔

محمد جان:

حدود ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

مولانا محمد جان، اصل نام سید اشرف حسین صاحب محلہ وزیر گنج لکھنؤ کے رہنے والے، بڑے عالم و فاضل و خطیب تھے اور مولانا محسن صاحب کے خویش، بقول مولانا یوسف حسین صاحب لکھنؤ کے عربی مقاصد وذیل بہترین قصیدے پڑھتے تھے اسلامیہ ہائی اسکول کندھاری بازار لکھنؤ میں عربی کے استاد تھے۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی آگئے تھے۔

محمد جعفر کشمیری:

حدود ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء

ملا میرزا مولانا میرزا محمد بن حسن شیروانی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ میرزا ابراہیم قاضی اصفہان، امیر عبدالباقی بن امیر محمد حسین حسینی خاتون آبادی اور مولانا محمد باقر بن محمد باقر ہزار جریبی ان سے روایت کرتے تھے۔

(نجوم السماء ص ۲۲۹ - نزہتہ ج ۶ ص ۲۹۴)

محمد جعفر بن ابوالحسن:

۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء

جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب عرف ابو صاحب قبلہ کے فرزند بلند مرتبہ جناب مولانا سید محمد جعفر صاحب ۲۰ شوال ۱۲۸۹ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت سے قبل جناب مولانا سید ابراہیم صاحب قبلہ نے خواب دیکھا کہ آپ کی خواہر محترمہ ایک فرزند گود میں لیے ہیں اور وہ بچہ سورۂ حمد پڑھ رہا ہے۔ اس بشارت سے معلوم ہوا کہ فرزند پیدا ہوگا۔ اور وہ کم سنی ہی میں ذہین و ذکی و عالم علوم دینیہ ہوگا۔ دوسرا خواب خود جناب ابو صاحب قبلہ نے ۷ صفر ۱۲۹۰ھ شب جمعہ کو دیکھا کہ آپ کے حجرے میں مولانا جعفر صاحب موجود ہیں اور بظاہر چار ماہ عمر ہے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک فارسی رقعہ ہے جو اس فرزند کو دے کر پوچھا۔ اس رقعہ میں جو لفظ "شعلہ" ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ بچے نے جواب دیا "یہ وہ ہے جو کپڑے کو جلا دیتا ہے" پھر پوچھا اس رقعے میں جو لفظ خامہ ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ جواب دیا "اس سے لکھا جاتا ہے" اس پر تعجب ہوا

اور خیال کیا۔ اس وقت گھر والوں میں کوئی ہو تو اس سے بیان کروں کر دیکھو یہ لڑکا کیا کہتا ہے۔ یہ خواب بتاتا ہے کہ بچہ بے حد فہیم ہوگا۔ بچپنے میں درجۂ اجتہاد کو پہنچے گا۔

چنانچہ ہوش سنبھالتے ہی مولانا حبیب حیدر صاحب اور جامع معقول و منقول مولانا شیخ تفضل حسین صاحب اور اپنے والد معظم سے پڑھنے کے بعد تیرہ سال کی عمر میں عراق گئے۔ ۱۳۰۳ھ میں مولانا ابو صاحب قبلہ نے چوتھا سفر زیارات کیا تھا، وہ محمد جعفر صاحب کو اپنے ساتھ نجف لے گئے اور وہاں آقای شریعت آیۃ اللہ فتح اللہ شیرازی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ درسِ خارج پڑھاتے اور اکابر علماء میں تھے۔ لیکن جناب ابو صاحب کے احترام اور مولانا محمد جعفر کی خاطر معالم الاصول پڑھانے پر آمادہ ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد آقای موصوف نے اندازہ کیا کہ طالب علم ذہین اور قابل ہے۔ اس لیے درسِ خارج میں حاضر ہونے اور مباحثہ کرنے کی اجازت دے دی۔

اور مولانا درسِ خارج میں شریک ہونے لگے۔ لیکن صحت خراب ہوئی اور مرض بڑھتا گیا۔ نجف و کربلا و سامرہ میں علاج کیا مگر وقت آچکا تھا۔ لکھنؤ آئے اور آٹھ دن کے بعد ۸ شعبان ۱۳۱۰ھ کو انتقال کیا اور سید تقی صاحب کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

آپ نو عمری میں عربی اشعار لکھتے تھے اور ایک دیوان مرتب کر لیا تھا۔ (بے بہا ص ۱۱۲)

محمد جعفر حسن : حدود ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء — ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

مولانا شیخ محمد جعفر حسن خلف مولانا علی حسین خلف مولانا الطاف علی بدایونی۔ حضرت محمد بن ابی بکر رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد سے تھے۔ بدایوں کے قدیم علمی خانوادے کی حیثیت سے جانے پہچانے عالم تھے۔ مولوی محمد حسین نے تاریخ ولادت ۱۲۴۰ھ لکھی اور مولانا محمد اعجاز حسین نے وقتِ وفات چوہتر سال لکھا ہے اس لیے میرے نزدیک حدود ۱۲۵۸ھ بدایوں میں ولادت ہوئی۔ مولانا محمد جعفر حسن صاحب نے معاصر اساتذہ سے علوم دین حاصل کر کے جناب شیخ مازندرانی و حسن آل یاسین سے اجازے لیے۔ برصغیر میں دینی خدمات انجام دیے۔ آپ نے مساجد کی تعمیر، مدارس کی تاسیس کے علاوہ علمی تصنیف و تالیف کی ہمت افزائی کی اور مذہبی کتابیں چھاپنے کے لیے سید المطابع قائم کیا اور اخبار الصادقین نامی اخبار نکالا۔ موصوف نے تیرہ مرتبہ حج کا شرف پایا اور گیارہ بار عراق و ایران گئے۔ آپ کی تبلیغ و تعلیم سے ہزاروں افراد نے فیض پایا۔ اخلاق و فقہ کی تعلیم دی۔ اولاد کو خدمت دین کے لیے تیار کیا۔ شنبہ دوسری شعبان ۱۳۳۲ھ کو چوہتر برس کے سن میں قصبہ جلالی ضلع علی گڑھ میں رحلت کی۔ مولوی جعفر حسن رفتہ زدنیا آہ آہ۔ مولانا شبیہ الحسن صاحب قبلہ ابن مولانا اعجاز حسن صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے اجداد کے نام محمد جعفر حسن، محمد اعجاز حسن ہیں۔ اعجاز حسین و جعفر حسین غلط ہے جیسا کہ بے بہا میں ہے۔ (بے بہا ص ۶۲)

محمّد جواد، لکھنوی :

حدود ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

مولانا سید محمد جواد صاحب گلشن کی بغیہ قریب درگاہ حضرت عباس لکھنو میں رہتے تھے۔ ان کے جدّ اعلیٰ مولوی اکبر علی بن فضل علی مؤلف ضیاء الابصار (۱۲۳۲ھ) مشہور ذاکر تھے۔ ان کی اولاد میں سید محمد سجاد مناظر اور مولوی محمد جواد صاحب کو میں نے دیکھا ہے۔ مولانا جواد صاحب سید باقر صاحب قبلہ کے شاگرد اور صدر الافاضل مولانا آقا حسن صاحب قبلہ نے مدرسۂ بیت المال قائم کیا تو مولانا محمد جواد صاحب کو مدرس مقرر کیا۔ کچھ عرصے تک ریاست مالیر کوٹلہ میں شیعہ عالم و امام جمعہ و جماعت رہے۔ تقسیم ہند کے وقت وطن آ گئے تھے اور لکھنو میں طلبہ کو گھر پر پڑھاتے تھے۔ بقول مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ اپنے بڑے بھائی محمد سجاد صاحب کے بعد لکھنو میں رحلت کی۔ میرے خیال میں ساٹھ برس سے زیادہ عمر تھی۔

محمّد جواد، کراروی :

۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء
۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء

مولانا سید محمد جواد بن سید علی ضامن، کراری ضلع الہ آباد کے مشہور افاضل میں تھے، منطق و فلسفہ کے ماہر اخلاق و تقوےٰ میں مشہور، مدرسۂ ناظمیہ اور علماء لکھنو سے فیض حاصل کیا، ممتاز الافاضل کی سند لے کر دینی خدمات کو وتیرہ بنایا، عرصۂ دراز تک بارہ بنکی (یوپی) میں رہے۔ چودہ سال تک جلالی ضلع علی گڑھ میں امام جمعہ و خطیب رہے۔ لوگ آپ کے اخلاق و جذبۂ اصلاح سے بہت متاثر ہوتے تھے۔

وفات : ۲۴، صفر ۱۳۹۱ھ

اولاد : مولانا ذیشان حیدر صاحب نجفی، عالم و مصنف و خطیب۔

تصانیف : کرسی نامہ (مباحث فلسفہ و کلام) قلمی

دیوان : عربی و فارسی و اُردو اشعار۔ قلمی

(نجم الحسن ذیشان حیدر)

محمّد جواد حسین، ممتاز الافاضل :

حدود ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء
۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

مولانا سید محمد جواد حسین صاحب نے مولوی فاضل، ملا فاضل، منشی فاضل، ممتاز الافاضل امروہوی

جناب نجم الملت کے عزیز، وشاگرد رشید تھے۔ موصوف جنوری ۱۹۱۰ء کے قریب دہلی عربک ہائی اسکول میں مدرس رہے اور بنارس میں مدرس رہے ۱۳۵۲ھ میں رحلت کی۔

محمد جواد، کشمیری:

۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء

۱۲۲۴ھ میں اپنی آباد کے مشہور و محترم عالم ملا محمد جواد نبیرہ ملا محمد علی بادشاہ کا چرچا تھا۔ موصوف کے اساتذہ میں آپ کے والد اور ملا اسماعیل اصفہانی و سید العلماء سید حسین صاحب کے نام لیے جاتے ہیں۔
سیف صارم میں موصوف کا نام یوں لکھا گیا ہے:

"جناب قدسی انتساب، اعلم علماء الاعلام، افضل الفضلاء العظام هادی الانام، حجة الاسلام اخوند ملا محمد جواد طاب ثراه وجعل الجنة مثواه۔

مفتی محمد عباس صاحب نے رطب العرب میں آپ کی تاریخ وفات میں دو شعر یہ لکھے ہیں:

مات الجواد وکان حبراً عابداً والموت اقرب کلما هو آت

ارخت عام وفاته فی مصرع ملا جواد سید خل الجنات

۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ء)

حکیم عبدالحی نے تکملہ نجوم السماء سے تاریخ وفات ۱۲۷۷ھ لکھی ہے اور ابوطالب خان کے امام باڑہ میں قریب غسل خانہ مہدی علی خان مدفن فرمایا ہے۔ تکملہ میں المحرم ۱۲۷۷ تاریخ اور قطعہ وفات از احمد علی صاحب (تکملہ ۱۱۷/۲) دیکھیے جلد

تصانیف: • حاشیہ شرائع الاسلام۔ • حاشیہ شرح لمعہ (بے بہا ص ۱۰۹، نزہتہ ج ۷، ص ۱۲۵)

محمد جواد عبدالرسول:

۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء
حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۰ء

جناب سید عبدالرسول رضوی عرف سید محمد جواد۔ ۱۰ جون ۱۸۸۴ء کو مٹیا برج کلکتے میں پیدا ہوئے ان کے والد نواب اعتمام الدولہ احمد علی خان مصنف "تحفۂ احمدیہ" واجد علی شاہ کے رفیق تھے اور ترک وطن کے بعد بادشاہ کے ساتھ رہے۔ سید عبدالرسول کے جد امجد میر مصطفےٰ شاہ علوم عربیہ کے ماہر اور مسلم الثبوت استاد تھے۔ ان کی شادی سید ابوالحسن صاحب عرف ابو صاحب کی خواہر کے ساتھ ہوئی۔ سید عبدالرسول کے والد ابو صاحب کے بھانجے تھے۔ اور علوم دین کے ماہر محدث وفقیہ تھے
سید جواد صاحب علوم دین کے جید عالم اور بڑے متقی پرہیزگار اور عامل بااحتیاط تھے۔ لکھنؤ میں ان کی اور جناب سید باقر صاحب کی محبت اور دونوں کا تقدس ضرب المثل تھا۔ بہت سے لوگ آپ کو

اخباری کہتے تھے۔ حکیم نظیر حسن خان کی مسجد میں عموماً قیام رہتا ہے
جوانی میں سید جواد صاحب نے علوم دین کی تکمیل کے بعد سینیئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا شاعری بھی کی "شاکی" تخلص تھا۔ لیکن ترک دنیا اور زہد نے یہ شغلہ کبھی نہ رہنے دیا۔
لکھنؤ میں ۱۳۵۰ھ کے حدود میں رحلت کی۔ (خمخانۂ جاوید ج ۴ ص ۲۴۲)

. . . .

محمد حسن نبیرۂ شیخ شہید ثانی:

حدود ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء

جناب الشیخ زین الدین علی شہید ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف میں مولانا شیخ محمد حسن، عراق و ایران سے ہوتے ہوئے وارد ہند ہوئے اور دہلی میں قیام کیا۔ فقہ و اصول، تفسیر و حدیث میں بے نظیر مانے جاتے تھے۔ فلسفہ سے شغف نہ تھا، تصوف کے بارے میں فرماتے تھے کہ ہمارے مقتدا و ائمہ ان لوگوں کے بھی مقتدا تھے۔
عراق و ایران پر حملۂ افاغنہ کے وقت علامہ نجف چلے گئے۔ وہاں بھی سکون نہ ملا تو ہندوستان آئے اور صفدر جنگ کی پذیرائی سے کچھ اطمینان حاصل کیا، لیکن اہل و عیال کربلا میں رہے۔ جہاں کچھ روپیہ بھیج دیا کرتے تھے۔ نواب صفدر جنگ نے اپنے فرزند شجاع الدولہ کی اتالیقی سپرد کی تھی۔ اس کے بعد علامہ عظیم آباد چلے گئے جہاں ایک ایرانی تاجر نے کچھ روپیہ دیا کہ بطور مضاربہ تجارت کریں۔ علامہ نے دہ روپیہ ایک شخص کو دے دیا اور خود دہلی میں برہان الملک کے مقبرے میں رہنے لگے۔
آپ کا گماشتہ گورکھپور سے کچھ عمارتی لکڑی خرید کر عظیم آباد آیا، عظیم آباد کے نائب نظامت رام نرائن نے لکڑی خریدنے کی درخواست کی اور فریب دیا۔ لکڑی لے لی اور قیمت سے مکر گیا۔ شیخ نے لکھا کہ اگر لکڑی خریدنا ہے تو قیمت دو ورنہ مال واپس کر دو۔ اس نے جواب دیا کہ میں مغرب و مشرق میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ صرف آپ کے لحاظ اور آپ پر رحم کرتا ہوں۔ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔ شیخ حیران رہ گئے۔ جواب لکھا:
پیغام کا مطلب واضح نہیں ہوا، رہا یہ کہ تم بڑے بے خوف ہو تو

عزیزی ہست می دانی، خدا نام کزو شوریدہ دریا گیرد آرام

اس کے بعد بھی اس دشمن خدا نے روپیہ نہ دیا شیخ پر یہ دن سخت گذرے۔ آخر خدا نے بد عاسنی اور عالی جاہ میر قاسم بہار و بنگال و اڑیسہ کے ناظم ہو کر آئے۔ موصوف نے راجہ کی سخت سرکوبی کی۔ اور علامہ بزرگوار کی خدمت گذاری کو شرف جانا۔ اس طرح شیخ کا قرض ادا ہوا۔ اس کے ایک دو سال بعد آپ نے رحلت کی اور صفدر جنگ والد برہان الملک کے قریب دفن ہوئے۔ آپ کے شاگرد و خادم اخوند ملا قاسم اس مزار کے مجاور ہوئے اور اسی کے قریب گھر بنا لیا۔ میرا اندازہ ہے کہ حضرت شیخ محمد حسن نے حدود ۱۱۹۰ھ دہلی میں وفات پائی۔ (سیر المتاخرین ص ۱۱۵)

محمد حسن قتیل : حدود ۱۱۷۲ھ / ۱۷۶۰ء
۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء

بٹالہ پنجاب کے بھنڈاری خاندان کے درگاہی مل باحیثیت و باوقار آدمی تھے۔ موصوف بٹالے سے باغپت اور وہاں سے ڈاسنے (دہلی سے تین کوس) چلے گئے۔ درگاہی مل سرکاری ملازمت اور قربت دربار کی وجہ سے اچھی حیثیت رکھتے تھے۔

درگاہی مل کے گھر میں ۱۱۷۲ھ یا ۱۱۷۰ھ یا ۱۱۶۶ھ میں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی جس کا نام دیوانی سنگھ رکھا گیا۔ اس زمانے میں درگاہی مل دہلی میں تھے اور دیوانی سنگھ کی ولادت فرید آباد دہلی میں ہوئی۔ ہندو کھتری گھرانے میں نشو و نما اور ابتدائی تعلیم پائی۔ ملک میں اسلامی علوم اور فارسی زبان کا رواج تھا۔ ابتدائی گھریلو تعلیم کے بعد معزز گھروں کے نوجوان رائج علوم سیکھتے تھے۔ دیوانی سنگھ نے بھی فارسی پڑھی۔ آدمی تھے صاحبِ ذوق و شاعر کمسنی ہی میں فارسی شعر کہنے لگے۔ اس سلسلے میں ان کی رسائی مرزا محمد باقر شہید اصفہانی فیض آبادی تک ہوگئی۔ مرزا باقر شہید نے فارسی تعلیم دی اور دیوانی سنگھ ان کی فیضِ صحبت سے شیعہ ہوکر محمد حسن بن گئے۔ محمد حسن عربی میں اتنی قدرت رکھتے تھے کہ مقفیٰ مسجع خطبے لکھ سکیں۔ فارسی میں خاص مسلک کے محقق مانے جاتے ہیں۔ نثر کی بھی برجستہ لکھتے تھے۔

محمد حسن قتیل نے ایران و عراق کا سفر کیا اور اپنے ذوق کی تکمیل کی۔ ان کی عالمانہ مہارت کا سب سے بڑا ثبوت اردو قواعد صرف و نحو اور عروض ہے جس میں وہ انشاء اللہ خان انشا کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے اور دریائے لطافت لکھی تھی۔

محمد حسن قتیل لکھنؤ میں نواب سعادت علی خان کے دربار میں معزز تھے۔ منصور نگر کے قریب رہتے تھے۔ اور شنبہ ۲۳ ربیع الاول ۱۲۳۳ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۸۱۸ء لکھنؤ میں فوت ہوئے۔ قیصر باغ میں وہاں دفن ہوئے جہاں آج کل میوزک کالج بنا ہوا ہے۔ اور اس وقت امام باڑہ تھا۔

تصانیف : • ہفت ضابطہ۔ • شجرۃ الامانی۔ • نہر الفصاحت۔ • چار شربت۔ • دریائے لطافت (ایک حصہ) • انشائے قتیل۔ • دیوانِ شعر۔ (نزہۃ ج، ص ۳۳۴ باضافہ)

میر محمد حسن : ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء
۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

مولوی میر محمد حسن کھجوہ ضلع سارن بہار، ہند کے رہنے والے ۳ ذی قعدہ ۱۲۳۳ھ ۵ دسمبر ۱۸۱۸ء کو پیدا ہوئے۔ بڑے رئیس زمیندار تھے۔ وطن میں اور لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ آپ سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب کے شاگردِ خاص تھے۔

مرثیہ بھی کہتے تھے۔ جناب سلامت علی دبیر سے کلام پر اصلاح لیتے تھے۔
بڑے نیک، عبادت گذار، اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ کھجوہ ضلع سارن میں عزاداری کو جہلم تک قائم کیا۔
۱۵ صفر ۱۲۹۵ھ / ۱۸ فروری ۱۸۷۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کے صاحبزادے سید محمد شمیم نے بہت اچھا قطعہ تاریخ لکھا ہے جس کا آخری شعر ہے۔

باحزن دل نمود رقم سال پر ملال   درد اکہ شد بماہ صفر بے حسن علیؑ

(۱۲۹۵ھ)   (دبستانِ دبیر)

محمد حسن، امروہوی:

حدود ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء
۱۳۱۹ھ / ۱۸۹۵ء

مولانا سید محمد حسن بن مولانا محمد سیادت صاحب (متوفی ۱۲۶۵ھ) امروہے کے باوقار علما میں تھے موصوف اپنے خاندان کے دستور کے مطابق علوم دین کے عالم اور لکھنؤ کے سید العلما اور ممتاز العلما اور مفتی محمد عباس سے ذاکری میں مشہور اجازہ یافتہ تھے۔ حج و زیارات سے بھی مشرف ہوئے۔ مطب و امامت جمعہ و جماعت و خطابت مشغلہ تھا۔ زہد و تقویٰ میں ضرب المثل تھے۔ نہم رجب ۱۳۱۹ھ کو رحلت کی۔ اٹھہتر سال عمر پائی۔

اولاد: • مولانا سید اولاد حسین صاحب متوفی ۱۳۲۸ھ (دیکھیے احوال)

تالیفات: • نظارۃ الایمان فی فصول الاذان۔ • رسالۂ خلافت۔ • رسالہ درجواب سوالات تراب علی۔

(تواریخ واسطیہ ۲۹۶۔ بے بہا ص ۳۵۶۔ نزہتہ ج ۷، ص ۴۲۴)

محمد حسن بن سید حسین لکھنوی:

۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء
۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء

مولانا حکیم سید محمد حسن صاحب، محقق ہندی مولانا محمد حسین کے بڑے بھائی تھے۔ ۱۲۶۶ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے علاوہ نامبرآوردہ اساتذہ میں ملک العلماء بندہ حسن صاحب سے تعلیم کو مکمل کیا ذہین و نازک مزاج بزرگ تھے۔ معقولات و طب میں ملکہ تھا۔ فراغتِ تعلیم کے بعد سنبھل چلے آئے۔
آپ کا وطن یہی تھا صرف کچھ مدت کے لیے پٹنے میں رہے۔
شیعوں کی طرح سنی حضرات بھی آپ کی قابلیت کے معترف تھے۔ مولوی بہادر علی شاہ جلال پور جٹاں اور مولوی محمد قاسم سے مناظرہ ہوا۔ جب مولانا محمد حسن نے دخل دینا چاہا تو مولوی قاسم صاحب نے آپ کے علم کا اعتراف کیا اور آپ سے مناظرہ کرنے سے انکار کیا۔
مولانا محمد حسن نے چہار شنبہ ۲۹ جمادی الاولی ۱۳۲۸ھ میں رحلت فرمائی اور سنبھل میں دفن ہوئے۔

نواب جعفر علی خان نے قطعہ تاریخ کہا :

حکیم لکھنوی و فلسفی و معقولی — فدائے چار دہ معصوم و صاحب تقوی
فقیہ گوشہ نشین آل صاحب لولاک — محب خاص محمد حسن شد از دنیا

۱۳۲۸ھ (بے بہا ص ۳۸۰)

محمد حسن، قاضی :

حدود ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء
حدود ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

مولانا قاضی محمد حسن صاحب قبلہ ڈیرہ غازی خان کے متوطن۔ بہت عالم و فاضل بزرگ تھے موصوف کے پاس بہت قیمتی کتب خانہ تھا علماء سے محبت تھی۔ اکثر علماء موصوف کے مہمان ہوتے تھے۔ درس و تدریس سے شغف تھا۔

ستر سال سے زیادہ عمر میں وفات پائی۔

تلامذہ : ~~محمد حسین صاحب بھاکر~~ مولانا عزیز حسین صاحب اور دوسرے افاضل،

محمد حسین، کنتوری :

۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء
۱۱۸۱ھ / ۱۷۶۷ء

مولانا محمد حسین بن حامد حسین بن زین العابدین موسوی کنتور میں پلے بڑھے اور شیخ عبد الرب بن قاضی ولی محمد حضرت پوری سے تعلیم حاصل کی۔ معقولات و منقولات کے فاضل تھے۔ مولانا مفتی محمد قلی صاحب، فرماتے تھے کہ بلوغ سے آخر تک کبھی نافلہ ترک نہ ہوا۔

~~۱۱۸۱ھ میں وفات پائی~~

خوش خطی کا شوق تھا۔ خوش حال آدمی تھے۔ خالی وقت میں کتابیں نقل فرماتے رہتے تھے۔ مثلاً : حق الیقین، تحفۃ الزائر، جامع عباسی۔ نیز ایک مجموعۂ اوراد و وظائف مرتب کیا تھا۔

۱۲۸۱ھ / ۱۱۸۱ھ میں وفات پائی (تکملہ نجوم السماء، نزہتہ ج ۶ ص ۲۹۸)

محمد حسین، مرشد آبادی :

حدود ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء

حکیم مولانا محمد حسین بن محمد ہادی عقیلی شیرازی، مرشد آبادی علوم متداولہ کے فاضل اور فن طب میں مشہور تھے۔ محمد ہاشم معتمد الملوک کے خانوادے سے تھے۔

اساتذہ میں : حکیم محمد تقی۔ محمد ہادی۔ سید محمد علی بن عبد اللہ یزدی مرشد آبادی کے ہمراہ رہے۔

اور شیخ علی حزیں سے بھی درس لیا۔

تصانیف : • مخزن الادویہ تالیف ۱۱۰۰ھ۔ • قرابادین کبیر۔ تالیف ۱۱۸۵ھ۔ • خلاصۃ الحکمۃ کلیات، تالیف ۱۱۹۵ھ۔ • رسالہ جدری وحصبہ۔ • رسالہ فی ام الصبیان۔ • رسالہ العرق المدنی۔

• رسالہ فی الختان۔ • رسالہ فی ذات الجنب۔ • رسالہ فی الرد علی ما اوردوہ علی رسالۃ الشیخ محمد صالح

• توضیح الرشحات۔ • بیاض اشعار۔

۱۲۰۵ھ بنارس میں وفات ہوئی۔ (نزہتہ ج ۷، ص ۴۳۴)

محمد حسین لکھنوی :

معہد ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء

جناب مولانا محمد حسین بن میرزا محمد علی شاگرد جناب غفران مآب لکھنؤ سے ہجرت کر کے عراق چلے گئے تھے۔ میرے پاس ان کی قلمی درخواست بنام سلطان العلما وسید العلما ہے جس میں محمد علی شاہ مرحوم کا جاری کردہ وظیفہ بند ہونے کا ذکر اور اس کے بحال ہونے کی تمنا کی گئی ہے۔

محمد علی شاہ نے ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء میں رحلت کی۔

محمد حسین حیدرآبادی :

۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء

محمد حسین بن علی نور بن نور محمد بنگلوی حیدرآبادی فقہ واصول کے ماہر خراسان میں پیدا پرورش ہوئے۔ ۱۲۳۷ھ میں وارد ہند ہو کر یہاں کے علما سے تحصیل علوم کی۔ ۱۲۵۵ھ میں حیدرآباد آئے اور ناصر الدولہ نے اپنے فرزند افضل الدولہ کا اتالیق مقرر کیا۔ پھر قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا۔

رمضان کی چاند رات ۱۲۷۴ھ میں رحلت کی۔ (نزہتہ ج ۷، ص ۴۲۷)

محمد حسین گریان۔ دیکھئے سید حسن

محمد حسین جزائری حیدرآبادی :

۱۲۰۷ھ / ۱۷۹۲ء

۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء

مولانا محمد حسین بن محمد علی بن محمد حسین بن نور الدین بن نعمۃ اللہ جزائری شیراز میں بتاریخ غرہ محرم ۱۲۰۷ھ پیدا ہوئے۔ اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد علی حیدرآباد میں تھے۔ اس لیے وطن سے حیدرآباد آئے تو والد اور میر عالم بھی وفات پا چکے تھے لیکن نواب میر عالم کے داماد منیر الملک نے پذیرائی کی اور خاندان کی ایک صاحبزادی سے عقد کرا دیا، جس کے بعد مولانا محمد حسین حیدرآباد میں رہنے لگے۔

مولانا علوم دین میں فاضل، طب میں ماہر، صاحبِ ریاضت و نفسِ قدسی تھے۔ عربی میں شعر بھی کہتے تھے۔ عبدالحی نے آپ کے یہ چار شعر تزکِ محبوبیہ سے نقل کیے ہیں:

ویطیع المرٔ فی ان یترکوہ سدی	ولا یحاسبہ رب الوریٰ ابدا
کلا سیأتیہ یوم لا مرد لہ	ان لم یمت امس محسودا یموت غدا
اصبر علی حادثات الدھر منتظرا	لروح رب البرایا حسبنا وعدا
واستغن بالعلم والتقوی وکن رجلا	لا یرتجی غیر رزاق الوریٰ احدا

آپ نے ۲۲، ۲۳ ذی القعدہ ۱۲۸۰ھ حیدر آباد میں رحلت فرمائی۔

تصانیف: • ترجمہ مصباح کفعمی (متن میں یہی نام ہے) سرورق پر راحۃ الارواح نام درج ہے۔ یہ کتاب ۱۳۲۴ھ لکھنؤ اور بمبئی سے چھپی ہے۔ بہت عمدہ طباعت ہے۔ میرے کتب خانے میں موجود ہے اس کے حاشیے پر صحیفۂ کاملہ بترجمۂ فارسی ہے۔

• مختار الجوامع۔ • دیوانِ شعر۔ (نزہۃ ج ۷، ص ۴۲۷)

محمد حسین کھماچی:

۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء
حدود ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء

مولانا محمد حسین کھماچی، حسین لکھنوی، بن محمد علی بن محمد بیگ بن آقا علی نقی ترک قبیلے قرآقلو افشار سے تعلق رکھتے تھے۔ محمد علی صوبہ آذربائیجان کے شہر ارومیہ سے کھمایت۔ کھماچ۔ میں اترے اسی نسبت سے کھماچی کہلاتے۔ کھماچ سے دہلی، دہلی سے نواب آصف الدولہ کے عہد میں وارد لکھنؤ ہوئے۔ یہاں مرزا وارث علی تورانی کی صاحبزادی سے شادی کی جن سے ۲۹ رمضان ۱۲۳۳ھ (محمد عابد صاحب نے ۱۲۳۲ھ لکھا ہے جو غلط ہے) کو آقا محمد حسین کی ولادت ہوئی۔

آقای محمد علی روضہ خوانی کے سلسلے میں حسینیۂ آصف الدولہ میں ملازم تھے۔ بعد میں نصیر الدولہ محمد علی شاہ کے مصاحبین میں داخل ہوگئے۔ محمد علی صاحب نے ۱۲۳۳ھ میں عتباتِ عالیات کی زیارت کو نکلے اور تبریز میں عباس مرزا ولی عہد سے ملے اور خلعت سے سرفراز ہوئے۔ وہاں سے ہمدان ہوکر عراق پہنچے جہاں ان کے چچا آقا حسن نے رحلت کی۔ مولانا محمد علی عراق سے طہران آئے۔ طہران سے گورنر بمبئی اور گورنر جنرل کلکتہ اور شاہِ اودھ کے نام سفارش نامے لے کر ۱۲۴۰ھ میں بمبئی آئے۔ بمبئی سے پونہ، حیدر آباد، مچھلی بندر، کلکتے مرشد آباد، عظیم آباد، بنارس ہوکر ۱۲۴۱ھ میں وارد لکھنؤ ہوئے اور ۲۹ رمضان ۱۲۵۰ھ میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

اجمیر، آگرے لکھنؤ اور لاہور میں لوگ ان کے علاج سے فیض یاب ہوتے پیچیدہ امراض کے مریض شفا پاتے تھے ہندو اس بات پر گرویدہ تھے اور مسلمان ان کے عاشق۔

مولانا آغائے بارہوی نے شب جمعہ یکم جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ مجاہد آباد لاہور میں رحلت فرمائی اور اپنے مکان مسکونہ کے اس کمرے میں آسودۂ لحد ہوئے جس میں وہ چٹائی پر بیٹھ کر دین کی خدمت کرتے تھے۔ ان کے فرزند سید نواب عالم ایم اے نے قطعۂ تاریخ میں مرحوم کی سیرت کی خوب تصویر کشی کی ہے یہی قطعہ انکے مزار کی زینت ہے:

ہے بارہوی پر سایۂ مولائے بارہوی	اللہ ری شان عزّ و شرفہائے بارہوی
پکڑے ہوئے قدوم رسالت پناہ کو	ہیں منزل حضور میں آغائے بارہوی
پہنچے ہیں بارگاہِ جناب امیرؑ میں	باغ جناں ہے زیر قدمہائے بارہوی
عرش بریں پہ چادر زہراؑ کے سائے میں	بچھوا دیا ہے حق نے مصلّائے بارہوی
اللہ رے آل شافع محشر کا مرتبہ	قدموں میں پنجتن کے بنی جائے بارہوی
دانائے رمز حجت مہدیؑ منتظر	بطل عظیم عصر تھے آغائے بارہوی
اخباری و محدث و علامہ و فقیہ	فقر و غنا و عجز صفتہائے بارہوی
مرد فقیر خاک نشین، منکسر مزاج	سب کچھ تھے اور کچھ نہ تھے آغائے بارہوی
ہر نوجواں کو دین کا عاشق بنا دیا	اس درجہ پُرکشش تھے عملہائے بارہوی
گونجی ہوئی فضا میں ندائے سروش ہے	ہیں زندۂ جاوید اب آغائے بارہوی ۱۳۹۴ھ

اولاد: مولانا کی سات صاحبزادیاں اور تین فرزند اپنی والدۂ ماجدہ کے سائے میں حیات ہیں۔ بڑے آغا شاہ عالم منجھلے جان عالم اور چھوٹے فرزند میجر نواب عالم ایم اے ہیں۔

تعمیر مساجد: آغا صاحب نے بہرسر، بھرت پور اور آگرے میں لوگوں کے کردار اور دینی جذبات کو سنوارا اور مسجدیں آباد کیں۔ ۱۹۴۷ء میں لاہور آئے اور صدر چھاؤنی میں جمعہ و جماعت، وعظ و درس، اعمال ماہ رمضان و محرم و شعبان سے امامیہ ہال سائگر روڈ کو آباد کیا۔ مغل پورہ ریلوے ورکشاپ کے علاقے میں لب سڑک بڑی جفاکشی کے بعد مسجد کی بنیاد رکھی۔ اپنے گھر میں بھی مسجد و جماعت و عیدین کا سلسلہ شروع کیا جو اب تک باقی ہے۔

تالیفات: بشارات الصادقین۔ الحجاب۔ دینیات طبع ہوئیں۔ باقی تحریریں بھرت پور میں ضائع ہو گئیں۔

نواب یوسف علی خان کے دربار میں ایک مرتبہ فارسی بول چال پر گفتگو میں کہا گیا کہ اہلِ ہند کا یہ فخر بجا ہے کہ اصطلاحات، محاورات، لغت اور نکاتِ فارسی سمجھنے میں جتنا عبور ہم کو حاصل ہے۔ ایرانی بھی اتنا نہیں جانتے۔ فارسی بول چال کا نہ جاننا کوئی عیب نہیں۔ نواب صاحب نے مولانا محمد حسین کو متداول فارسی پر کچھ لکھنے کا حکم دیا۔

نواب کلب علی خان کے دور میں مولانا محمد حسین صاحب اپنے وظیفہ پر بحال رہے۔ اس کے بعد آپ کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

تصانیف: • عذب البیان: دو حصے۔ پہلے حصے میں ایرانی معاشرت اور روزمرّہ کا بیان ہے۔ اس سے فارسی جدید زبان اور جدید بولی سمجھ سکتا ہے۔ دوسرے حصے میں حکایات ولطائف و ظرائف اور فرہنگ ہے۔ کتاب کے دو سو بیس صفحے چھپ سکے تھے کہ مصنف نے رحلت کی۔ یہی مطبوعہ حصہ ۱۹۲۵ء میں الہ آباد سے دوبارہ چھپ کر الہ آباد بورڈ کے نصاب میں داخل ہوا۔ • مجالس الاخیار۔ فارسی اخبار ماتم، اردو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہلِ بیت کے متعلق چھیالیس مجلسیں یہ کتاب رام پور کے وقیع ذخیرۂ کتب اور مصنف کی جگر کاوی کا ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ۱۲۸۵ھ میں رامپور لکھی اور حسینی پریس نے ۱۲۹۱ھ میں شائع کی۔ (الواعظ جنوری ۱۹۵۲ء)

محمد حسین، بحر العلوم، علّن صاحب:

۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۱ء

۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

بحر العلوم مولانا سید محمد حسین ابن ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب کی تاریخ ولادت یکم رجب ۱۲۶۷ھ ہے آپ کے چھوٹے بھائی جناب ملاذ العلماء سید ابو الحسن لکھنؤ میں بچھن صاحب اور آپ علن صاحب کہلاتے تھے۔ آپ کے والد نے یحیٰی و زکریا نام رکھا تھا۔ لیکن یہ نام مشہور نہیں ہوئے۔

مولانا علن صاحب خوبصورت، ذہین اور اعلیٰ درجے کے صاحبِ حافظہ تھے۔ الفیہ ابن مالک یاد کی اور آخر تک اس کے اشعار یاد رہے۔

مولانا سید حسن (احاطہ کمال جمال) ملا علی نقی (استاد کیننگ کالج) مفتی محمد عباس صاحب اور اپنے والد سے صرف و نحو تفسیر و حدیث، عقائد و ادب، معقولات و منقولات کا درس مکمل کیا۔

طب کی کتابیں حکیم کمال الدین موہانی اور حکیم نبا صاحب سے پڑھیں اور حکیم نبا صاحب کے مطب میں بھی بیٹھے۔

اثناء طالب علمی میں مطالعہ اور یاد کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی۔ خواجہ غلام حسنین صاحب آپ کے

ہم درس تھے۔ ان کی روایت ہے کہ جماعت میں جناب بچھن صاحب عبارت پڑھتے اور وہی مبر درس ہوتے لیکن جس دن علن صاحب درمیان سے پڑھتے اور اعتراض و بحث شروع کرتے تو دو، دو دن سبق ملتوی رہتا۔ رات کو جناب بچھن صاحب مطالعہ کرتے اور سبق کا اعادہ کرتے۔ دونوں بھائی ایک جگہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جناب علن صاحب نے بھی مطالعے کے لیے کتاب اٹھائی مگر بند کر کے رکھ دی۔ چھوٹے بھائی نے کہا۔ "بھیا کتاب دیکھ چکے" جواب دیا "میں تو کتاب کی جلد دیکھ کر مطلب سمجھ لیتا ہوں"۔

ذہانت و ذکاوت کی وجہ سے فراغت کے بعد بہت جید الاستعداد ہوتے لیکن دینی فرائض چھوٹے بھائی کے سپرد رہے۔ خود مطب کیا اور بڑے معرکے کے علاج کیے۔ جناب مفتی صاحب نے اسی رجحان کے مطابق آپ سے منجزات مریض پر رسالہ لکھوایا جسے دیکھ کر مفتی صاحب نے اجازہ دیا۔

بچپنے میں لکھنؤ کے عام دستور کے مطابق فنون سپہ گری سیکھے مگر نئی بات یہ تھی کہ تمام علما، تو فینس میں سفر کرتے مگر آپ گھوڑے پر۔ اس عادت پر اہل لکھنؤ اعتراض کرتے اور نظم و نثر میں بحث رہتی۔ ایک مرتبہ آپ گھوڑے سے گرے تو "اودھ پنچ" نے سرخی جمائی "اَلسَّلَامُ عَلَی الْخَنْدِ التَّرِیْبِ" اور جناب اوج نے کہا:

مقام گریہ ہے، واحسرتا ودارسفا ۔۔۔ تصنع اور تشخص ہو شیوۂ علما،
جو مستحب ہے فرس کی سواری زیبا ۔۔۔ وہ ناروا ہو اور اسکے عوض قفس ہو رواہ
سوار چار کے کاندھوں پہ جیتے جی ہونا ۔۔۔ گنہ نہیں ہے پہ احدثی بت واقعی ہونا

جناب علن صاحب خوش باش، طبیب، اور عالم و مدرس تھے۔ مریضوں سے بہ شفقت اور طلبا سے بہ احترام سلوک کرتے تھے۔ طلبا کی عزت و خوشحالی و اعزاز کا خیال رکھتے تھے ان سے اولاد کی طرح محبت رکھتے تھے۔

بکثرت طلبا حاضر ہوتے۔ آپ شوق سے پڑھاتے۔ ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ طلوع آفتاب سے پہلے جناب آقا حسن صاحب کو پڑھاتے۔ اس کے بعد گیارہ بجے تک درس جاری رہتا۔ پھر تین بجے سے دس بجے رات تک پڑھاتے رہتے تھے۔ آپ کے درس میں طب، منطق، فقہ و اصول، کلام و ادب وغیرہ کے طلبا میں سنی اور شیعہ حاضر ہوتے تھے۔

سبق میں تقریر ایسی دل نشین ہوتی کہ طلبا مطمئن ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا شیخ اعجاز حسن صاحب بدایونی نے بحث شروع کی اور قاضی مبارک کا قول سند میں پیش کیا۔ مولانا علن صاحب نے قاضی کی کئی سطریں ازبر سنا کر قاضی پر اعتراض کیا۔ اس قسم کے واقعات ان کے تلامذہ میں مشہور رہے۔

مولانا لطف حسین صاحب فرماتے تھے کہ جناب علن صاحب رفتار و گفتار میں سلطان العلما سے مشابہ تھے۔

جناب مرزا محمد جعفر اوج کہتے تھے "جامع معقول و منقول ہیں تو جناب علن صاحب قبلہ ہیں۔ باقی دور و تسلسل ہے"

کم و بیش پندرہ سال اسی عالم میں رہے۔ ۱۲۹۶ھ میں والد نے رحلت کی۔ دو تین سال نجف کی نیت کرتے رہے آخر ۱۲۹۹ھ میں عازم عراق ہوئے۔ عراق پہنچ کر شیخ العراقین آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی (متوفی ۱۳۰۵ھ) کے درس خارج میں بیٹھنے لگے۔ سال ڈیڑھ سال میں اتنی صلاحیت نمایاں کی۔ کہ ۸ محرم ۱۳۰۱ھ کو آقای شیخ نے اجازہ مرحمت فرمادیا۔ یہ اجازہ ۱۳۰۲ھ میں چھپ چکا ہے۔ آقای شیخ حسین مازندرانی بھی آپ کے مداح رہے۔ نجف سے فارغ التحصیل ہو کر وطن آئے تو درس میں خاص کشش پیدا ہو گئی اور طلباء کا مجمع بڑھ گیا۔

۱۳۰۹ھ میں ملاذ العلما سید بچن صاحب نے رحلت کی تو مسند فتویٰ اور اجتہاد آپ کے پائے نام ہوئی۔ آپ نے موروثی جائداد اور باپ دادا کا عظیم کتب خانہ مرتب کیا حفاظت و ترقی کی سعی کی۔

ذاکری۔ جناب بحر العلوم اپنے اجداد اور علما کی طرح وعظ بھی فرماتے تھے لیکن آپ کے وعظ میں خطیبانہ آہنگ اور ایک نیا پن تھا۔ رمضان میں لکھنؤ کی سب سے بڑی مسجد واقع احاطہ مرزا علی خان میں بعد نماز ظہرین تقریر فرماتے اور آخر میں مصائب کربلا بیان فرماتے تھے۔

محرم میں مجلسیں اور عام دنوں میں فضائل و مصائب اہل بیت پڑھتے تھے۔ لکھنؤ میں مدتوں روضۃ الشہداء کے طرز پر ذاکری ہوئی۔ سلطان العلما اور ان کے بعد اہل علم نے اسلوب بدلا اور حدیث و آیت عقائد و سیرت پر درس کا نہج پیدا ہوا۔ جناب بحر العلوم نے علمی موضوعات کو ذاکری میں داخل کیا۔ "طہارت" موضوع ہوا تو پوری مجلس آیت، حدیث فقہی بحث فضائل اور مصائب میں یہی عنوان رہا۔ مدارج تخلیق پر گفتگو ہے تو از اول تا آخر اسی پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ ان کی مجلسی تقریر کی عبارت تھی:

"اختلاف کیا ہے حکماء یونانیین بلکہ متکلمین نے جمیع طبعیین نے بلکہ اخبار معصومین بھی اس باب میں مختلف ہیں کہ اول مخلوقات کیا شے ہے اور مبداء اول سے کیا شے صادر ہوئی۔ "فذهب اكثر الحكماء الى ان اول المخلوقات العقل الاول ثم العقل الاول خلق العقل الثانى والفلك الاول وهكذا

نزلوا الی العقل العاشر الخ

عربی عبارت کے بعد تھوڑی سی اردو نثر سے پھر عربی آگئی اور بحث، بحث میں فضائل آخر میں مصائب۔ عموماً سورۂ فاتحہ کے بعد استعاذہ اور قال اللہ یا قال رسول اللہ سے تقریر شروع فرماتے۔ خاص خاص دنوں میں خطبہ بھی پڑھتے تھے۔ عبارت میں تلازمے، مراعات النظیر استعارے کنایے ہوتے اور زبان ادق ہوتی تھی جیسے مرزا دبیر کا مرثیہ ہزاروں کا مجمع سنتا سمجھتا اور خالص علمی مسائل سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ بیرون لکھنو بھی انداز بیاں یہی تھا۔ اس انداز نے عوام کو دینی مسائل اور علمی لہجہ سے مانوس کیا۔

دھرا بدن، نورانی چہرہ، خوبصورت ڈاڑھی، پاٹ دار اور نرم آواز، مجمع گرویدہ ہو جاتا اور جب مصائب پر آتے تو خود بھی بہت روتے دوسروں کو بھی بہت رلاتے تھے۔

لکھنو سے باہر بھی گئے اور لوگوں نے اس احترام و اعزاز کے ساتھ استقبال کیا کہ گورنر یا وائسرائے کے استقبال بھی اتنے تپاک سے نہ ہوتے تھے۔ فرش فروش سے اسٹیشن کا پلیٹ فارم آراستہ پھول نچھاور ہوتے۔ فینس کو امراء و سادات اٹھاتے۔ درود کے نعرے لگتے۔ جلسے ہوتے، مسجد کا سنگِ بنیاد رکھوایا جاتا دور دور سے حکام و امراء و سادات زیارت کرنے آتے۔ مظفر نگر میں آپ کا ورود ان استقبالوں میں ایک یادگار استقبال تھا۔

آپ تصویر کھینچوانا پسند نہ کرتے تھے۔ کسی نے آپ کی اطلاع کے بغیر ایک تصویر کبھی کھینچ لی تھی۔ وہی چھپتی رہی۔

جناب سید بچھن صاحب کے بعد خاندانِ اجتہاد میں آپ مرجع کل قرار پائے۔ اپنی خطابت و فقاہت کی بنا پر برِصغیر میں منفرد شخصیت کے مالک ہوئے۔ اعزاز و اقبال کے عین عروج میں جمعہ ۲۸ رجب ۱۳۲۵ھ کو لکھنو میں رحلت کی۔ آپ کی قبر غفران مآب کے امام باڑے میں ہے۔

اولاد: • ظفر مہدی عرف جھن صاحب۔ • سید محمد آغا (مولود تقریباً ۱۳۰۲ھ) تکمیل علوم متداولہ کے بعد نجف گئے اور وہیں (حدود ۱۳۲۷ھ) رحلت کی۔ • دلدار علی عرف مٹھے آغا۔ • سید رضی عرف متوفی مئی ۱۹۴۶ء

تلامذہ: • آپ کے تلامذہ بکثرت تھے جن میں نام بر آوردہ حضرات یہ ہیں:۔

- مولانا آقا حسن صاحب (دیکھیے احوال) متوفی ۱۳۴۸ھ۔ • مولانا سبط حسین صاحب (دیکھیے احوال) ۱۳۰۱ھ
- مولانا ابن حسن صاحب (دیکھیے احوال) متوفی ۱۳۶۸ھ۔ • مولانا سید احمد صاحب (دیکھیے احوال متوفی ۱۳۸۱ھ
- مولانا سید محمد تقی صاحب (دیکھیے احوال) • مولانا ابو الحسن صاحب (دیکھیے احوال) متوفی ۱۳۵۵ھ
- مولانا اعجاز حسن صاحب (دیکھیے احوال) متوفی ۱۳۵۰ھ۔ • مولانا خواجہ مختار احمد صاحب (دیکھیے احوال)

• مولانا ظہور الدین صاحب نوگانوی طبیب سلطان پور۔ • مولوی رضا حسین نوگانوی • مولانا علی مردان صاحب
• مولانا حماد علی صاحب۔ • مولانا حکیم مظہر حسن صاحب طبیب مہاراجہ بنارس مولف تاریخ بنارس
و رسالۂ زاد مظہریہ۔ • مولانا مہدی حسن صاحب بہیرہ سادات امام جمعہ و جماعت دہلی۔
• مولانا احفاد الحسن صاحب (دیکھیے احوال) • حکیم واجد حسین صاحب بھیکپوری۔ • مولانا ساجد علی
• حکیم سید احمد صاحب۔ • مولانا محمد حسین صاحب نوگانوی مؤلف تذکرہ بے بہا۔ • مولانا سید ابوالحسن شاہ
کشمیری۔ (متوفی ۱۳۴۲ھ)

تصانیف: • الروض الاریض فی منجزات المریض (عربی) • القول الاسد فی توبۃ المرتد (فقہ، مطبوعہ)
• شرح زبدۃ الاصول، اصول فقہ (اردو) • رسالۂ مختصر در بحث غنا۔ • رسالہ مفصل در بحث غنا۔
• تکملۂ قواعد المواریث (مطبوعہ)۔ • الحدیث الحسن فی جواز التسامح فی ادلۃ السنن عربی (مطبوعہ)
دیکھیے الذریعہ۔ • بناء الاسلام (مجالس) اردو مطبوعہ۔ • عملیہ در طہارت و صلوٰۃ۔ مطبوعہ۔ اردو۔
• تحریر الرائق فی حل الدقائق۔ • کتاب المواعظ۔ ضخیم مخطوط۔ • کتاب مسائل۔ ضخیم مخطوط۔

(بے بہا ۲۷۰۔ نزہۃ ج ۸ ص ۴۴۴۔ الواعظ مئی ۱۹۵۴ء)

محمد حسین آزاد۔ دیکھیے آزاد۔

محمد حسین مجتہد محقق ہندی:

۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء
۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء

محقق ہندی، سلطان الذاکرین مولانا سید محمد حسین صاحب مجتہد ابن مولانا سید حسین زیدی البارہوی، لکھنوی اپنے وطن لکھنو میں جمعہ کو ن ۱۳ رجب ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ مولانا سید حسین صاحب علم و کمال بزرگ تھے۔ فرزند نے علمی ماحول میں ہوش سنبھالا، اپنے والد اور معاصر اساتذہ سے پڑھنے کے بعد مولانا سید ابراہیم صاحب مولانا علی محمد صاحب تاج العلما سے فقہ و اصول کا درس کامل کیا۔

۱۳۰۶ھ میں زیاراتِ عتباتِ عالیات کو گئے تو نجف و کربلا کے بڑے بڑے سطحی اور خارج درسوں میں شرکت کی۔ اور شیوخ درس نے ۱۳۰۸ھ میں اجازاتِ اجتہاد سے سرفراز کیا۔ ان اجازوں میں آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی نے لکھا تھا:

"لاحظت لبعض تحریراتہ فی المسائل الاصولیۃ فوجدتہ من الاکابر" حجۃ الاسلام فضل اللہ نے اپنے اجازے میں تحریر فرمایا: "فوجدتہ من اعاظم العلماء واکابر الفضلاء قادر علی الترجیح والتعدیل والنقض والابرام والتاویل" حجۃ الاسلام الشیخ محمد حسین مازندرانی نے لکھا " اوردتہ موارد الامتحان فوجدتہ

فوق الماموں۔ چھٹے سفرِ عراق میں علماء کی طرف سے محقق ہندی خطاب عطا ہوا۔ اور علماء عراق ہمیشہ آپ کے
مداح رہے حتیٰ کہ سید اسماعیل صدرؒ نے آپ کی تقلید کی اجازت دی تھی۔

درسِ خارج : لکھنؤ میں افاضل طلاب اور اکابر علماء اس تعداد میں موجود تھے کہ لوگ نجف و قم کی طرح
مستقل درسِ خارج کا سلسلہ شروع کرنے کے خواہشمند ہوئے۔ چنانچہ جناب شیخ رضا حسین صاحب تعلقہ دار نے
ایک میٹنگ کر کے فیصلہ کیا اور قبلہ و کعبہ محمد حسین صاحب سے درخواست کی۔ مولانا آمادہ ہو گئے اور درسِ خارج
کا آغاز ہوا۔ لیکن نجف میں درسِ خارج کے لیے جو طویل روایت موجود تھی۔ لکھنؤ کی پچاس سالہ زندگی اس کے
لیے پوری طرح سازگار نہ تھی۔ یہ درس کچھ عرصے بعد رُک گیا۔ اگر لکھنؤ مزید دس بیس برس نئے حادثات سے
دوچار نہ ہوتا تو یقیناً وہاں درسِ خارج عام ہو جاتا۔

(درسِ خارج یہ ہے کہ ایک فقیہ و مجتہد منبر پر جاتے ہیں اور افاضل علماء کو فقہ کا پورا دورہ مسئلہ بمسئلہ تفصیل
سے سمجھاتے ہیں۔ اس سلسلے میں اعلیٰ درجے کی اصولی، استدلالی، اختلافی اور فتوے پر بحث ہوتی ہے۔ یونیورسٹی
کے لکچر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نجف و قم میں درس کا یہ طریقہ سینکڑوں برس سے جاری ہے)

مولانا محمد حسین انتہائی مقدس، بڑے تارک الدنیا عالم تھے۔ خدا نے ذہن و ذکاوت غیر معمولی عطا کی تھی۔
قوتِ بیان اور قدرتِ تحریر میں یکتا تھے۔ غربا پروری کا یہ عالم کہ سائل کو پورے گھر کا اثاثہ دے دیا کہ لڑکی بیاہ دے۔
گھر والے سمجھے کہ برتن قلعی کو جا رہے ہیں۔ کئی دن کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تو کسی حاجت مند کو دے دیے۔
مستغنی ایسے کہ امرا مجالسِ عزا کے بعد بڑی سے بڑی رقم پیش کرتے۔ آپ اسی وقت لوگوں اور محتاجوں
میں بانٹ دیتے یا لیتے ہی نہ تھے۔ جب بھی روپیہ ہوا زیارات کے لیے روانہ ہو جاتے۔ راستے میں
لوگ آنکھیں فرشِ راہ کرتے، قالین و بانات بچھاتے۔ سروں پر بٹھاتے تھے جیسا کہ کراچی والوں نے کیا تھا۔
پٹنے کے رؤسا نے امام باندی بیگم صاحبہ مرحومہ کے وقف میں روک لیا مگر آپ چند سال کے بعد
چلے آئے۔

خطیب ایسے کہ ان سے پہلے اس انداز اور آواز کا خطیب دیکھا نہ گیا تھا۔ ہزاروں کا مجمع، اپنے
بھی بیگانے بھی مجال ہے کہ آخری شخص تک آواز نہ جائے اور مخالف گرویدہ نہ ہو۔ برجستہ اور برمحل تقریر دلکش
اور بھاری بھرکم انداز، علمی وقار ہر چیز ملحوظ رہتی تھی۔ آپ نے لکھنؤ، بمبئی اور بے شمار شہروں میں بڑے بڑے
معرکے سر کیے۔ شیعہ سنی متحدہ اجتماعات میں ہمیشہ آپ کو سب سے زیادہ پسند کیا گیا۔ لوگ آپ کی تقریر پر
بے حد گرویدہ تھے۔ لکھنؤ میں اس وقت تین ذاکر برابر کے تھے۔ قاری محمد علی صاحب، کہف العلماء سید ابن حسن صاحب
مولوی محمد عباس محسن صاحب۔ لیکن محقق ہندی ان سب پر فائق تھے (آغا مہدی) دو دو گھنٹے مجلس پڑھتے

اور لوگ مسحور سنتے رہتے تھے۔

مولانا مقبول احمد صاحب کی خطابت کا آغاز تھا۔ موصوف جناب مرزا محمد عباس صاحب کے یہاں مہمان ہوئے۔ ۲۰ صفر کی مجلس ہوئی تو نواب صاحب نے محقق ہندی سے درخواست کی۔ مولانا دہلی سے آئے ہیں۔ اگر پیش خوانی کی اجازت مرحمت ہو تو پڑھیں لوگ متعارف ہو جائیں گے۔ محقق نے، اجازت دی۔ مقبول احمد صاحب کا شباب نئے نئے سنی سے شیعہ ہوئے تھے۔ مزاح و مطاعن نے مجلس کو زیر و زبر کر دیا۔ ان کے بعد محقق ہندی بالائے منبر آئے اور چند لمحوں میں مجمع پہلے خطیب کو بھول کر داد دے رہا تھا۔ اور حیران تھا کہ روز خطابت اور کشش کتنی زبردست ہے۔

محقق ہندی بڑے منکسر المزاج اور تبلیغ دین میں جفاکش تھے۔ برصغیر کے ہر بڑے شہر میں پہنچے اور لوگوں نے گرویدگی سے سنا۔ لکھنو اور بمبئی تو آپ کے مفتوحہ شہر تھے گویا بکثرت مجلس پڑھتے اور کبھی عذر نہ کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین نوگانوی ناقل ہیں کہ ملا سید ابن علی ساکن نوگانوہ سادات نے شب جمعہ ۴ صفر ۱۳۲۵ھ کو وہ عمل پڑھا جس کے بعد حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ ملا صاحب نے خواب میں دیکھا مولانا محمد حسین صاحب محقق ہندی اور مولوی محمد حسین مؤلف تذکرۂ بے بہا آئے ہیں۔ محقق ہندی عمامہ و عبا میں ملبوس اور کفش پہنے ہیں اور ملا صاحب سے خیریت دریافت کر رہے ہیں۔

حاضر جواب، وسیع النظر اور ناموس اسلام کے نڈر محافظ تھے۔ سر سید احمد خان کی تفسیر کے نتائج سے جوانوں میں نئے رجحان پیدا ہوئے تو آپ نے جم کر ان کے ذہنوں کو صاف کیا۔ سنی، عیسائی اور دہریوں سے مناظرے کیے۔ کثرت مصروفیت کے باوجود پڑھاتے بھی تھے اور لکھتے بھی چنانچہ بہت سی کتابیں غیر مطبوعہ اور مطبوعہ یادگار ہیں۔

محقق ہندی مولانا محمد حسین صاحب نے ۲۸ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ پنجشنبہ کے روز اپنے آبائی مکان محلہ دال منڈی لکھنو میں وفات پائی اور شیر جنگ کے باغ میں دفن ہوئے۔

اولاد: • ظفر حسن صاحب۔ • نظر حسن صاحب۔ • محمد عابد صاحب۔ • محمد باقر صاحب • محمد صادق صاحب۔ • سکندر حسین صاحب (متوفی ۱۹۷۵ء لکھنو)

تلامذہ: • حکیم سید محمد جواد نبیرۂ حکیم کوچک صاحب۔ • حکیم سید مظفر حسین صاحب طبیب۔ • محدث خبیر مولانا سید مظفر حسین صاحب۔ • فاضل جلیل مولانا علی مرزا صاحب۔ • مورخ شہیر مولوی محمد حسین مؤلف تذکرہ بے بہا۔

تالیفات: • تفسیر البرہان در بحث معراج و رد سر سید (فارسی و اردو۔ مطبوعہ) میرے پاس ہے۔ م

- حواشی ذخیرۃ المعاد فقہ۔ • یوسفیہ •کتاب الصلوٰۃ، عملیہ۔ • تحقیق جدید اصول فقہ۔
- القول المفید فی مسائل الاجتہاد والتقلید عربی طبع ۱۳۱۶ھ لکھنؤ۔ میرے پاس موجود ہے۔
- رسالۃ الجمعہ عربی۔ • رسالۃ اصالۃ الطہارۃ عربی۔ • حدیقۃ الاسلام ۳ جلد۔ • دفع المغالطات فی اسرار الشہادات فقہ۔ • آفتابِ ھدایت۔ • الوقف علی الاولاد۔ فقہ۔ • ترجمہ (اردو) نہج البلاغہ
- ترجمۂ وجیزہ درایہ۔ • ترجمہ صحیفۂ کاملہ۔ • حواشی قوانین الاصول عربی (اصول فقہ) متعدد حواشی بر کتب درسیہ۔ (بے بہا ص ۲۸۳۔ الواعظ نومبر ۱۹۵۴ء)

محمد حسین، نوگانوی، الحاج:

۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء
۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

مولانا محمد حسین بن سید حسین بخش، نوگانوہ ضلع مراد آباد میں ۲۳ محرم ۱۲۸۳ھ کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور دینیات کے بعد شیخ جعفر حسن صاحب بدایونی نے نوگانوہ میں مدرسۂ دینی قائم کیا جس میں مولانا سید اصغر حسین صاحب مدرس ہوئے۔ موصوف سے دستور المبتدی تک درس لیا۔ مولانا اصغر حسین صاحب ۱۸۸۰ء / ۱۲۹۸ھ میں حج کے لیے گئے۔ ادھر بارہ میں مدرسہ جاری ہوا۔ مولوی شیخ سجاد حسین صاحب سے پڑھنے میراں پور گئے اور شرح ملا جامی، شرح تہذیب اور مختصر نافع تک پڑھنے کے بعد نوگانوہ میں مولوی محرم علی صاحب سے درس لینے آ گئے۔

اوائل رجب ۱۳۰۰ھ میں لکھنؤ آکر علامہ کنتوری کے مدرسے میں داخلہ لیا۔ ۱۳۰۳ھ میں شادی ہوئی۔ ۱۳۰۴ھ میں لکھنؤ جاکر بحر العلوم سید محمد حسین علن صاحب سے تلمذ کیا۔ اور کتب خانۂ غفران مآب میں کتابدار مقرر ہوئے۔ ۲۳ شوال ۱۳۰۵ھ کو بحر العلوم نے اجازۂ پیش نمازی دیا۔ ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۰۵ھ کو جناب ملاذ العلما سید ابو الحسن صاحب اور تاج العلما نے اجازہ دیا۔ اسکے بعد مولانا محمد حسین سہارن پور کے مدرسے میں مدرس مقرر ہو گئے۔

لکھنؤ میں میر سید علی صاحب اور میر محمد شاہ سے فنِ خطابت سیکھا۔ ۱۳۰۹ھ میں حج بدل کے لیے حرمین کا سفر کیا۔

۱۳۱۳ھ میں سہارن پور سے مظفر نگر آئے۔ مظفر نگر سے زیارات کے لیے عراق و ایران کے سفر کو نکلے اور شرفِ زیارت حاصل کیا۔

۱۳۲۱ھ میں پھر مع اہل و عیال عتباتِ عالیات عراق و ایران کی زیارت کی۔ اور علامہ الحاج شیخ محمد حسین مازندرانی سے اجازہ لیا۔

۱۴۱۳ھ میں حجِ واجب سے مفتخر ہوئے۔ اس سفر میں جنت البقیع کے ایک مزار پر ضریح رکھوائی۔
مولانا محمد حسین مقدس، پرہیزگار، عالم و مورخ تھے۔ انھوں نے مظفرنگر میں مسلمانوں کو ہندوؤں کی مٹھائی کھانے سے روکا اور مسلمان دوکاندار مہیا کیے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے تبلیغی اور دینی خدمات انجام دیئے۔ ان کا وقیع کام تذکرہ علما ہے جس میں چودھویں صدی ہجری کے ابتدائی علماء کے احوال ہیں
۲۴ محرم ۱۳۶۲ھ فروری ۱۹۴۳ء کو رحلت کی۔
اعلام الشیعہ میں شیخنا الکبیر آغا بزرگ تہرانی نے ۱۳۵۵ھ تاریخ وفات لکھی ہے۔ لیکن صحیح تاریخ وہی ہے۔ جو میں نے اخبارات کی خبر سے نقل کی ہے۔

اولاد : • محمد حسین عرف مظاہر الحسین • محمد مجتبیٰ مجتہد۔

تصانیف : • زینت المجالس جلد اول و دوم و سوم۔ مطبوعہ۔ • ترجمہ لہوف ابن طاؤس۔
• المنشار لقطع الاحجار۔ • شرح الفیہ فقہ (فارسی) • نارحامیہ۔ • رسالۂ فدک۔ مطبوعہ۔
• مثنوی عقائد اثنا عشریہ مطبوعہ۔ • پیراہن یوسفی در مصائب۔ مطبوعہ۔ • تحفۃ الاخیار فی نجات المختار۔ مطبوعہ۔ اس کا فارسی ترجمہ بھی کیا۔ • مذہب باب۔ • حاشیہ اصول کافی۔ • زینۃ المنابر۔
• کشکول۔ • رسالہ استغاثات۔ • تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلماء۔ مطبوعہ ۱۹۳۲ء

(ماٰخذ: تذکرۂ بے بہا۔ • البرہان لودھیانہ مارچ ۱۹۴۳ء۔ • اعلام الشیعہ)

محمد حسین جعفری : ۱۲۹۷ف

حدود ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء

سید باور علی خان جاگیردار و منصبدار دکن کے فرزند محمد حسین جعفری ۱۲۹۷ف میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ نواب باقر نواز جنگ معالج سرسالار جنگ و نظام کی نگرانی میں علوم مشرقی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر نظام کالج سے میٹرک کرکے انگلستان چلے گئے۔ آکسفورڈ سے بی۔ اے کیا۔ اسی زمانے میں جنگِ بلقان کے لیے ترکیہ چلے گئے۔ طول طویل سیاحت و ملازمت کے باوجود علمی و دینی خدمات انجام دیتے رہے اور ۱۳۸۰ھ کے حدود میں رحلت فرمائی۔ سہارو عالم[۵]

تصانیف : • ھدایات مدرسین۔ ترجمہ بحار الانوار (بعض اجزا) • مفتاح التعلیم۔ • ترجمہ تقریر جمال الدین۔ • مضامین و مقالات۔

فرزند : • سید محمد مہدی۔

[۵] میں نے اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

محمد حسین بن محمد سید محمد ہادی:

حدود ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء
۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

استاذنا فی الفقہ وشیخنا فی الحدیث وسیدنا فی الاخلاق مولانا السید محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت حدود ۱۳۲۸ھ لکھنو میں ہوئی۔

مولانا محمد حسین صاحب سلسلۂ فقہا کے نامور فرد تھے۔ ان کے والد مولانا سید ہادی صاحب (متوفی ۱۳۵۱ھ) ان کے والد مولانا سید ابوالحسن صاحب ابو صاحب (متوفی ۱۳۱۳ھ) ان کے والد سید علی شاہ (متوفی ۱۲۶۹ھ) ان کے والد سید صفدر شاہ رضوی (متوفی ۱۲۵۵ھ) فقیہ و عارف باللہ تھے۔

مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ، سلطان المدارس کے نائب صدر مدرس تھے۔ درجۂ سندالافاضل کو فقہ و اصول کا درس دیتے تھے۔ شرح لمعہ، قوانین الاصول، فصول اور ہیئت میں التصریح پڑھاتے تھے میں پانچویں چھٹے درجے میں پڑھتا تھا، اب تک ان کا نورانی سراپا یاد ہے۔ ابھرتا ہوا قد، منور چہرہ، گھنی خوبصورت سفید ڈاڑھی، چوڑی پیشانی، اس پر سجدے کا نشان۔ فنس پر مدرسے تشریف لاتے، گلے میں ڈوپٹہ، سر پر عمامہ، بر میں بغدادی چھینٹ کی قبا، ہاتھ میں عصا جس میں بیضوی چاندی کی موٹھ، پاؤں میں زرد مخملی کفش۔ ایک دن سنا کہ جناب کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے۔ کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ رحلت کی۔

ان کے تین فرزند جن سے مجھے خصوصی تلمذ ہے۔ مولانا الاستاد سید احمد صاحب (متوفی محرم ۱۳۹۲ھ) خطیب و ادیب تھے۔ (دیکھیے احوال) استاذنا الفقیہ صاحب نفس قدسی سید محمد حسن صاحب قبلہ اپنے آبا و اجداد کی طرح مرتبۂ اجتہاد پر فائز اور اپنے والد کی جگہ سلطان المدارس میں نائب صدر مدرس سندالافاضل کے آخری سال کے نگران مدرس تھے۔ ثقاہت، علم و تقویٰ اور عمل میں یگانہ اور تدریس و خطابت میں انتہائی کمال پر فائز ہیں۔ جناب اپنے بزرگوں کی طرح نجف و کربلا سے عشق رکھتے تھے۔ بار بار ان آستانوں پر حاضری دیتے رہے۔ آخر ۱۹۵۰ء سے کچھ پہلے ہجرت کر کے کربلا میں مقیم ہو گئے۔

مرحوم مولانا سید محمد حسین صاحب نے دوسرے بزرگانِ لکھنو اور علماء ہند کی طرح پہلے وطن میں تکمیل تعلیم فرمائی۔ اس کے بعد عراق تشریف لے گئے اور نجف اشرف میں اکابر علما سے درس خارج مکمل کر کے ۱۹۳۸ء میں لکھنو تشریف لائے۔ کمرہ ابوتراب خاں میں قیام فرما ہوئے۔ طلبا جوق در جوق دن رات حلقہ کیے رہتے۔ اور جناب مختصر نافع، شرائع الاسلام، شرح لمعہ، شرح کبیر، مکاسب، معالم الاصول، قوانین، فصول، رسائل وغیرہ کا درس دیتے تھے۔ گھر کے علاوہ شیعہ عربی کالج میں عماد الکلام کے انچارج تھے، جہاں عماد الاسلام اور شافی جیسی اہم کتابیں اور تفسیر کے طلبا کو اُن کا نصاب پڑھاتے تھے۔

میں نے جناب مرحوم سے شرائع مکاسب تک اور عماد الکلام میں دو سال کا نصاب پڑھا۔ ان کی تقریر دل میں اتر جاتی اور ان کی سیرت نفسیات کو موہ لیتی تھی۔ ان کے کریمانہ اخلاق اور مشفقانہ محبت آج تک دل میں گھر کیے ہوئے ہے۔ مجھے اور ان کے تمام طلبا کو اس رشتۂ شاگردی پر فخر تھا۔ محلے کا ہر چھوٹا بڑا صدقِ دل سے ان کا مداح اور صمیم قلب سے ان کا وفادار تھا۔

باوقار، ہنس مکھ، کشادہ پیشانی، فراخ حوصلہ اور انتہائی قانع و صابر تھے۔ ان کے صبر و تحمل کا ایک واقعہ میرے لیے ناقابل فراموش ہے۔ ان کی پشتِ مبارک پر سرطان ہو گیا تھا۔ بلرام پور ہسپتال کے سامنے ڈاکٹر بھاٹیہ کا پرائیویٹ ہسپتال تھا۔ جناب کو آپریشن کے سلسلے وہاں رہنا پڑا۔ میں نے دیکھا کہ آغازِ مرض سے آپریشن تک نہ چیختے ہیں، نہ شدتِ درد سے کراہتے ہیں۔ جب بالکل یارائے ضبط باقی نہ رہتا تو یا علیؑ یا علیؑ فرماتے آپریشن کے دن میں آپریشن روم میں موجود تھا۔ کف دست سے بڑا آپریشن ہوا اور پورا سرطان نکالا گیا۔ بڑی دیر تک ڈاکٹر بھاٹیہ چیر پھاڑ میں لگے رہے۔ بوڑھے آدمی تھے مگر جناب کے احترام و محبت سے متاثر ہو کر خود مصروفِ عمل تھے۔ پسینے میں شرابور تھے۔ جناب کے چہرے کا رنگ زرد تھا اور چونکہ بیہوشی کی دوا سونگھنے سے انکار فرمایا تھا۔ اس لیے پورے ہوش و حواس کے ساتھ کبھی کلمہ پڑھتے اور کبھی یا علیؑ فرما دیتے۔ آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے ہمت و صبر پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا، "مولوی صاحب ہم نے ایسا مریض نہیں دیکھا اب انشاء اللہ ضرور شفا ہوگی۔" اسپتال سے آکر اور غسلِ صحت کے بعد جناب آستانہ حسینی کے لیے روانہ ہوگئے مرض نے کمزور کر دیا تھا۔ حرارت رہنے لگی اور اس موذی مرض نے آخر کار ۳۰ ستمبر ۱۹۶۵ء/ ۴ جمادی الاولی ۱۳۸۵ھ کو شمع حیات گل کر دی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔

جناب مرحوم کے اوصاف و کمالات کا بیان میرے لیے دشوار ہے۔ مختصر یہ ہے کہ میں نے ہی نہیں محلے کے کسی فرد اور جماعت کے کسی طالب علم اور شہر کے کسی آدمی نے ان کی زبانِ مبارک سے کسی کی غیبت، مذمت یا شکایت نہیں سنی۔ وہ پابندی سے صبح و مغربین کی نماز محلے کی مسجد میں پڑھاتے تھے۔ نماز سے پہلے اور نماز کے بعد طرح طرح کی باتیں ہوتی تھیں مگر جناب تشریف لاتے اور خاموش تشریف فرما رہتے اور اسی وقار سے واپس تشریف لے جاتے تھے۔ محلے میں ان کے بڑے بھی ان سے ادب کے ساتھ ملتے تھے مگر وہ عاجزی، انکساری اور پوری بزرگداشت سے پیش آتے تھے۔ طلبہ علوم دینیہ کا بڑا احترام فرماتے اور علوم دین سے اس قدر عشق رکھتے تھے کہ شب و روز فقہ و اصول و حدیث کا مطالعہ اور اس کا درس دیتے رہے۔ فقہ پر تبحر تھا۔ مسائل کے جواب میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی فاضل سوال لکھتا تو اس کے جواب میں حکم شرعی کے ساتھ دلائل و وجوہ استنباط بھی تحریر فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا "حضور، ماشاء اللہ کئی صاحبزادے ہیں۔ ان میں سے کسی کو علوم دینیہ کی تعلیم دلائیں۔ زمانہ پُر آشوب اور حالات ناسازگار ہیں"۔ میری بات سن کر مسکرائے اور فرمایا:

"مولانا! میرے جدِ بزرگوار نے دو صاحبزادے چھوڑے، دونوں نے اجتہاد کا مرتبہ حاصل کیا۔ دونوں نے عزت سے زندگی بسر کی۔ دونوں کا رزق خداوندِ عالم نے مہیا فرمایا میرے والد نے تین فرزند یادگار چھوڑے۔ ہم نے بھی دینی تعلیم حاصل کی اور دینی علوم سے بہرہ ور ہوئے۔ الحمد للہ ہمیں بھی خداوندِ عالم نے کسی کا محتاج نہ فرمایا۔ وہی خدا ان بچوں کے لیے ضامن ارزاق ہے۔ حالات پہلے بھی خراب تھے۔ اب بھی اچھے نہیں"۔

چنانچہ اپنے خاندانی دستور کے مطابق الحمد للہ چاروں صاحبزادگان علوم دینیہ کی تحصیل و تدریس میں مصروف ہیں۔ سب سے بڑے مولانا محمد صالح صاحب نجف سے فارغ التحصیل ہیں اور مدرسہ سلطان المدارس میں درس دیتے ہیں۔ دوسرے مولانا سید محمد جعفر صاحب، تیسرے مولانا محمد مصطفےٰ صاحب چوتھے مولانا محمد مجتبےٰ صاحب ہیں۔ اطال اللہ بقاءھم۔

محمد حسین نجفی:

۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء
۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء

آیۃ اللہ حجۃ الاسلام مولانا الشیخ محمد حسین نجفی بمبئی، سورت، دکن، کچھ، سندھ اور برصغیر کے نامور عالم تھے وجیہ، مدبر، مصلح اور زاہد و عامل بزرگوار گذرے ہیں۔ ان کے قریبی ملنے والوں نے انھیں تنہائیوں میں مناجات کرتے اور مجمعوں میں خاموش بیٹھے دیکھا۔ دونوں حالتوں میں ان پر تقویٰ، خوف و خشیتِ الٰہی کا اثر نمایاں ہوتا تھا۔ ان کی نماز اور شب بیداری، ان کی غربا سے ہمدردی اور تمام اعلیٰ اخلاقی صفات ان کے مقبولِ بارگاہ ہونے کی دلیل تھے۔

ان کے والد بزرگوار مولانا ابوالقاسم ۱۳۰۷ھ میں بمبئی آئے (دیکھیے ابوالقاسم) اور مولانا محمد حسین نے ۱۳۸۷ھ میں رحلت کی۔ پورے اسی سال دونوں بزرگوں نے اسلامی دعوت و تبلیغ کو مقصدِ حیات بنا کر بڑی بڑی شخصیتوں اور نامور تاجر و عوام کو حلقہ بگوشِ اسلام اور پابند شریعت کیا۔ مولانا محمد حسین کے سوانح اخبارات و رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ ان میں قدرے مفصل مگر صحافیانہ احوال "اوٗ داؤد" نامی رسالے میں موجود ہیں (جو میرے کتب خانے میں ہے)

مولانا محمد حسین ۱۹ جمادی الاولی ۱۳۰۳ھ / ۲۵ مارچ ۱۸۸۶ء کو قبل از مغرب نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ ان کی ننھیال کے افراد تاجر و ثروتمند اور دیندار و عالم دوست تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب

نے والدہ اور ماموؤں کے ساتھ رہ کر تربیت حاصل کی۔ والدہ اور نانی صاحبہ نے قرآن مجید و ابتدائی تعلیم دی۔
کچھ دن مدرسہ محمد علی بوشہری اور مکتب سید ہاشم کربلائے معلےٰ میں بھی پڑھتے رہے۔ ۱۳۱۲ھ میں موصوف کے نانا علی رضا شوستری نے آپ کو سامرے بھیج دیا۔ آیۃ اللہ آقای میرزا محمد حسین شیرازی اپنے عہد کے مرجع اعظم تھے۔ آپ نے سامرہ کو مرکز قرار دیا تھا۔ اور وہیں حوزۂ علمیہ قائم کیا۔

۲۴ شعبان ۱۳۱۲ھ کو میرزا محمد حسن شیرازی نے رحلت کی۔ اور آقای میرزا محمد تقی شیرازی اعلم قرار پائے۔ آیۃ اللہ تقی نے بھی سامرے ہی میں قیام کیا۔ مولانا شیخ محمد حسین ابتداء سے انتہا تک بہتیر سامرے میں پڑھتے رہے۔ کچھ عرصے نجف میں بھی رہے اور درجۂ اجتہاد حاصل کرنے کے بعد بمبئی آئے۔

اساتذہ: • شیخ عبداللہ شوستری۔ • محمد علی طہرانی۔ • میرزا عبداللہ شیرازی۔ • شیخ نظر علی۔ • محمد علی نجف آبادی
• علی محمد یزدی۔ • شیخ ابراہیم اسدو آبادی۔ • سید احمد (م ۱۳۵۶ھ) • آقای محمد کاظم یزدی (م ۱۳۳۷ھ)
• آقا ملا کاظم خراسانی (م ۱۳۲۹ھ) • آقای فتح اللہ اصفہانی • آقای سید ابوالحسن اصفہانی و آقای ضیاء الدین عراقی۔ • سید مصطفےٰ کاشانی۔ • قوۃ الاسلام مولانا شیخ علی مرحوم طاب ثراہم۔

ہم درس مشاہیر برصغیر: • مولانا سید راحت حسین گوپال پوری۔ • مولانا سید ابوالحسن منن صاحب لکھنوی
• مولانا سید یوسف حسین امروہوی۔ • مولانا سید سبط نبی نوگانواں سادات

سفر: مولانا محمد حسین کربلا، نجف، کاظمین و سامرہ میں آتے جاتے رہے۔ انھوں نے عراق سے باہر پہلا سفر ۱۳۲۰ھ کو کیا جب ان کے والد نے شادی کی غرض سے طلب کیا تھا۔ دوسرا سفر بمبئی ۱۴ شوال ۱۳۳۱ھ سے شروع ہوا اور ۳ ذی القعدہ ۱۳۳۱ھ کو بمبئی پہنچے اور آخر تک وہ خدمتِ دین و علم کرتے رہے۔ ۱۳۳۲، ۳۱ھ میں بمبئی کے علاوہ پونا، اور سورت وغیرہ بھی گئے۔ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ سے مسجد کی امامت و خطابت کے فرائض سنبھال لیے۔ ۱۳۳۶ھ میں انھوں نے سورت، پونا، دکن، فیض آباد، لکھنو، جاوہ وغیرہ کا دورہ کیا۔

۱۳۳۹ھ سفر عراق میں گذرا ۱۳۵۲ھ یعنی

۱۹۳۵ء میں حج سے مشرف ہوئے۔

۱۹۶۳ء پہلی اور ۱۹۶۷ء کو دوسری مرتبہ مشہد و قم کی زیارت کی، مولانا اس مرتبہ نجف و کربلا کی زیارت کے لیے بے چین تھے لیکن سیاسی کشیدگی کی وجہ سے ویزہ نہ ملا۔ وہ طہران میں علاج کی بنا پر ٹھہرے مگر ۲۸ صفر ۱۳۸۷ھ / ۷ جون ۱۹۶۷ء کو مستعار زندگی تمام ہوگئی۔ جنازہ طہران سے قم لایا گیا اور مسجد طباطبائی میں جگہ ملی۔

دینی خدمات: مولانا محمد حسین نجفی فقیہ و مجتہد، مفسر و محدث ہونے کے ساتھ ساتھ سوشل ورکر اور

قومی رہبر بھی تھے۔ ان کی وسعت نظر، قابلیت اور اخلاق کا ہر شخص معترف تھا۔ وہ چالیس برس تک دینی خدمتیں انجام دے چکے تو اہل بمبئی نے ۲ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ۔ ۴ اپریل ۱۹۴۱ء کو ان کے اعزاز میں اجتماع کیا۔ اس جلسے میں معززین شہر، مسلمان اور غیر مسلم اکابر نے موصوف کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

ان کی جرأت و ہمت، جذبۂ خدمت اسلام کا اظہار اس وقت سے ہونے لگا جب ۱۳۲۹ھ میں روسیوں نے ایران پر حملہ کیا اور علماء نجف نے دفاع و جہاد کا فتویٰ دے دیا۔ بہت سے علما و طلبا جنگ کے لیے کمر بستہ ہو کر ایران روانہ ہوئے تو مولانا محمد حسین صاحب بھی اس دستۂ جنگ آزما میں شریک تھے۔

۱۳۳۱ھ میں مولانا بمبئی آئے تو یہاں ایک دینی مکتب، دو تین مسجدیں اور کئی امام باڑے پہلے سے موجود تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب کو مسجد و مدرسۂ یادگار ملا قادر حسین کی نگرانی سونپی گئی۔ مولانا کے لیے زبان کا مسئلہ مشکل درپیش تھا۔ لہذا انھوں نے اردو اور گجراتی سیکھی جس پر آہستہ آہستہ قابو حاصل کر لیا۔ کچھ دن بعد وہ انگریزی کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور انگریزی جاننے والوں کی مدد سے بڑا کام کیا۔

عمر کھاڑی میں بمبئی کے ایرانی تاجروں کا ایک دبستان تھا جس میں ان کے بچے دینی تعلیم حاصل کر کے انگریزی اسکولوں میں جدید علوم پڑھنے جاتے تھے۔ مولانا نے پونا کے وقف سے پانچ سو روپے ماہوار کی امداد لی اور حاجی زین العابدین صاحب متولی کی مدد سے مکتب کو "امین ایرانین اسکول" میں بدل دیا۔ یہ اسکول مشنری کے دباؤ سے آزاد ہو کر اسلامی فضا میں بچوں کو تعلیم دینے لگا۔

۱۳۳۷ھ میں بمبئی وبا ہیضہ کی زد میں آیا تو نوجوان ہمت نجفی نے پورے شہر کی خدمت کے لیے کمر باندھی اور یادگار امدادی پروگرام بنایا۔

۱۳۴۸ھ میں مولانا ابوالقاسم صاحب مستقل ہجرت کر کے کربلا معلیٰ چلے گئے اور مولانا محمد حسین نجفی بر بلاست خوجہ اثنا عشری مسجد کے خطیب ہو گئے۔ اب انھوں نے بمبئی کے جوانوں کو دینی تعلیمات سے باخبر کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے۔ جن میں ۱۳۵۲ھ میں انجمن حمایت اسلام کی تاسیس، اور ۱۳۵۴ھ سے ماہنامہ اثنا عشری کا اجرا اور ۱۳۵۸ھ سے انجمن اخوان الصفا کا قیام بہت اہم ہے۔

"اثنا عشری" میں قومی اطلاعات اور مذہبی تبلیغات کے ساتھ ساتھ مولانا کا خطبۂ جمعہ بھی شایع ہوتا تھا۔ اخوان الصفا کے ممبر کتب خانۂ نجفی میں درس قرآن سنتے تھے۔ انیس سال میں تفسیر قرآن کا پہلا دور مکمل ہوا۔ پھر دوسرا دور درس شروع ہوا۔

جمعہ میں مسائل فقہ اور دوسرے اخلاقی و ملی موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت و وفات اور ائمہ معصومین کی ولادت و وفات کے اجتماعات میں آپ خطبہ دیتے تھے۔ حاجیوں

اور زائروں، طلباء اور علماء، مشاہد مشرفہ اور دوسرے قومی معاملات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔
۱۳۶۱ھ میں یادگار حسینی اور ۱۹۵۶ء میں یادگار مرتضوی کے اجتماعات میں گراں قدر اہتمام کیا۔
تالیفات: ۱۳۶۹ھ سے پیغام نجفی کے نام سے ہفتہ وار پمفلٹ جاری کیا۔ یہ ۱۲۵ خطبے ہفتہ وار چھپے پھر انھیں تین جلدوں میں الگ الگ چھاپا گیا۔ ان کے عربی، اردو، فارسی اور گجراتی ایڈیشن افریقہ، عدن، بحرین اور پاک و ہند میں شائع ہوئے۔ • ارمغانِ اسلام۔ دو جلدیں، عقائد، احکام و اخلاق فارسی و گجراتی دو ایڈیشن۔ • احکام الشریعت، فتاویٰ فقہیہ اردو اور اس کا ترجمہ گجراتی "شریعت نا احکامو"
• معرفۃ الامام۔ فارسی، ترجمہ اردو ہادی الانام فی معرفۃ الامام، مطبوعہ۔ • تنبیہ الامۃ فی صلوٰۃ الجمعہ، فارسی فقہ استدلالی (خطی)۔ • کشکول (خطی) • خزینۂ دانش۔ جس کا انگریزی ترجمہ DAWOOD کے نام سے پیر ابراہیم ٹرسٹ کراچی نے ۱۹۷۲ء میں شائع کیا۔
(زبانی گفتگو از مولانا صفدر حسین صاحب مشہدی مقیم پشاور۔ • مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے مقدمہ DAWOOD ص ۵
• کراچی ۱۹۷۲ء

محمد حسین، نجفی :

۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

مولانا سید محمد حسین صاحب باب العلوم ملتان اور مختلف مقامات و مدارس سے تحصیل علم کے بعد نجفِ اشرف تشریف لے گئے اور وہاں سے فقہ و اصول و علوم دین کا دورہ مکمل کر کے وطن واپس آئے۔ آپ کرور لال عیسیٰ ضلع مظفر گڑھ میں مدرسۂ جامع الرضا کے صدر مدرس رہے۔ ۱۹۷۲ء / ۱۳۹۲ھ میں رحلت کی۔

مرزا محمد خلیل :

حدود ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء

مولانا محمد خلیل صاحب لکھنؤ کے باشندے تھے۔ عالم و عارف زاہد و مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ علما کا بہت ادب کرتے تھے۔ موصوف نے عراق و ایران کا سفر بھی کیا۔ عراق میں وہ آیۃ اللہ سید علی طباطبائی کی خدمت میں حاضر رہے۔ آقای طباطبائی محبت و توجہ فرماتے تھے۔ آپ نے آقای طباطبائی کے فتاویٰ حدیقۃ المتقین پر لکھے تھے۔ ایک دن مرزا صاحب قبلہ نے آقائے طباطبائی سے عرض کیا "اگر حضور، ہندوستان میں تشریف لے چلیں تو وہ تیرہ خاکدان منور ہو جائے۔ سرکار آیۃ اللہ نے فرمایا "خدا نہ کرے کہ میں مشاہد مشرفہ سے جدا ہوں" یہ جواب ایسے لہجے میں تھا جیسے کسی نے بدعادی ہو۔ پھر فرمایا، وہاں کے لوگوں کو یہاں آکر استفادہ کی کوشش کرنا چاہیے۔

جناب مولانا محمد خلیل صاحب جب وطن آئے تو مولانا سید دلدار علی صاحب کو سفرِ عراق پر آمادہ کیا اور جب مولانا تحصیلِ علوم کے بعد وطن واپس آئے اور لکھنؤ میں قیام فرمایا تو مرزا صاحب قبلہ نے آپ کو فقہی و کلامی موضوعات پر لکھنے کی رغبت دلائی۔ اور موصوف ہی کے اصرار سے حدیقۃ المتقین کی کتاب الصوم و کتاب الزکوٰۃ کی استدلالی شرح لکھی۔

مرزا صاحب قبلہ نے خواب دیکھا کر دو چشمے شہد و شکر سے زیادہ شیریں موصوف کی زبان سے جاری ہیں۔ یہ خواب جناب غفراں مآب سے بیان کرتے ہوئے فرمایا، اس کی تعبیر میں نے شرح حدیقہ سے دی ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ غفراں مآب نے انھیں دو حصوں کی شرح مکمل کی اور کتاب الطہارت باوجود سعی مکمل نہ ہو سکی۔

جناب غفراں مآب نے عماد الاسلام کے دیباچے میں جناب مرزا صاحب کے فضائل بیان کرنے کے بعد ان کی وفات کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا ہے۔ (بے بہا ص ۱۴۴)

محمد داؤد : ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۵ء — ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء

مولانا سید محمد داؤد صاحب قبلہ ابن سید حسین علی صاحب کی تاریخِ ولادت شنبہ ۹ رجب ۱۲۹۴ھ ہے سید مظفر تاریخی نام۔

لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے "مولوی فاضل" کی سند لی۔ علمی قابلیت، اثر آفرین وعظ اور زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ روحانی بلندی، اور زہد و ورع میں سلف صالحین کے نمونہ تھے۔

۱۳۴۱ھ سے مدرسۂ عالیہ رام پور میں تدریس اور شہر کی جماعت و جمعہ کی امامت فرماتے رہے۔ شیعہ، سنی، نواب اور عوام سب آپ کی عزت و تکریم کرتے تھے۔

۲ شعبان ۱۳۷۲ھ (اپریل ۱۹۵۳ء) کو رام پور میں وفات پائی۔ (بے بہا، ۱۵۲)

مرزا محمد زکی، لکھنوی : ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء

مولانا محمد زکی بن جواد علی عرف مرزا جو صاحب لکھنؤ کے مشہور عالم، پرہیزگار اور مدرس تھے۔ جناب مولانا سید حسین صاحب سے تلمذ تھا۔

جمعہ ۲۰ محرم ۱۲۷۲ھ میں رحلت کی۔ اور لکھنؤ ہی میں سپردِ لحد ہوئے۔

(محمد ذکی: دیکھیے ذکی)

محمد حسن، صدر الافاضل :

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

اُستاذی مولانا مرزا محمد حسن صاحب قبلہ لکھنؤ، وکٹوریہ اسٹریٹ پر رہتے تھے۔ مشہور مرثیہ گو مرزا گدا کے خاندان کے مقدس و محترم اور میرے استاد شرح جامی مولانا کاظم حسین صاحب قبلہ، (متوفی حدود ۱۹۲۷ء) کے دو فرزند میں نے دیکھے۔ مولانا محمد حسن صاحب صدر الافاضل دوسرے مولانا محمد اصغر صاحب صدر الافاضل (متوفی ۱۹۷۴ء) مولانا محمد حسن صاحب، سلطان المدارس کے درجۂ چہارم کے مدرس تھے۔ میں نے ان سے پڑھا ہے مولانا ۱۹۵۵ء کے قریب ریٹائرڈ ہو کر عراق چلے گئے اور کئی سال وہاں رہ کر وطن پلٹے۔ مولانا محمد محسن صاحب نے بتلایا کہ مولوی صاحب نے ~~۱۹۷۵ء~~ ۸ نومبر ۱۹۷۵ء میں رحلت فرمائی۔ ان کے ایک فرزند محمد مرتضیٰ صاحب بی۔اے موجود ہیں۔

محمد حسین، جونپوری :

۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء

مولانا محمد حسین بن سید مظہر علی خان نبیرۂ قاضی حسن سعید خان، منطقی، فلسفی و خوش خط تھے، کچھ عرصے درس بھی دیا۔ جمعہ ۳، رمضان ۱۲۹۶ھ میں رحلت کی اور مفتی محلہ جون پور میں دفن ہوئے۔

اولاد : • سید علی عظیم و سید محمد مجتبیٰ۔ (تکملہ ج ۲، ص ۳۰)

محمد داؤد، مبارک پوری :

حدود ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء

مولانا محمد داؤد بن مولانا محمد تقی بن مولانا غلام رسول صاحب وطن سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سلطان المدارس لکھنؤ آئے اور صدر الافاضل پاس کیا۔ دینی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ اور حدود ۱۹۳۵ء میں رحلت کی۔ موصوف کے چھوٹے بھائی محمد اصغر صاحب میرے ہم درس اور سلطان المدارس کے طالب علم تھے۔ نوجوانی میں تکمیل تعلیم سے پہلے رحلت فرما گئے۔ (شجرۂ مبارکہ ۲۴۲)

محمد رضا نجفی، بلتستانی :

حدود ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء

مولانا شیخ محمد رضا نجف اشرف میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر اسکردو آئے، راجہ صاحب اسکردو راجہ محمد علیخان کے اصرار سے اسکردو میں ٹھہر گئے۔ راجہ صاحب نے مکان اور زمین انکی نذر کردی۔ مولانا فقہ و اصول تفسیر و کلام میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ بڑے خوشخط تھے۔ مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ نے مولانا رضا صاحب کے تصانیف انکے فرزند کے پاس اسکردو میں دیکھے تھے۔ محمد رضا صاحب نے حدود ۱۹۲۰ء میں رحلت کی۔ ان کے فرزند شیخ علی ۱۹۶۰ء کے قریب مرحوم ہوئے۔

میر محمد رضا، استرآبادی - پیشوائے دکن

۱۰۵۱ھ / ۱۶۴۱ء

میر محمد رضا بن میر سید علی مکی بن سید ابراہیم استرآبادی علماء واکابر میں سے۔ میر محمد رضا مظفر علی دبیر کے بعد (۱۰۳۴ھ) شہزادہ عبداللہ کے اتالیق مقرر ہوئے۔

پیشوا میر محمد مومن کی رحلت ۱۰۳۵ھ کے بعد جناب میر محمد رضا اپنی علمی اور روحانی عظمت کی وجہ سے پیشوائے سلطنت کے کام انجام دینے لگے۔ اگرچہ انھیں باقاعدہ یہ منصب نہیں ملا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ان سے دبیری لے لی گئی اور علامہ شیخ محمد ابن خاتون کو دبیر بنا دیا گیا۔ آٹھ سال بعد شب سیزدہم جمادی الثانیہ ۱۰۴۳ھ علامہ ابن خاتون معزول ہوئے اور میر محمد رضا کو منصب "پیشوائی" عطا ہوا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ میر محمد رضا صاحب علم و دانش میں علامہ ابن خاتون سے کمتر نہ تھے۔

میر محمد رضا، ۱۰۵۰ھ میں فرزند واقارب کے ساتھ حیدرآباد سے بقصد مشہد روانہ ہو کر لاہور آئے اور یہیں ۱۰۵۱ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے ایک فرزند محمد جعفر حیدرآباد میں فوت ہوئے۔ ان کی قبر دائرہ میر محمد مومن میں ہے اور اس پر ۱۰۸۳ھ اور کچھ عبارت کندہ ہے۔ (میر محمد مومن حیات اور کارنامے ص ۱۳۶، ۲۸۵)

محمد رضا، کشمیری - اخوند

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء

ملا اخوند محمد رضا کشمیری فیض آباد کے صاحب دل، عارف، عالم و زاہد بزرگوار تھے۔ تارک الدنیا اس حد تک کہ حرام تو کیا حلال کی طرف بھی رغبت نہ کی۔ محنت مشقت کر کے رزق حلال حاصل کرتے تھے۔ ملازمین کے ذریعے اور خود بھی غلہ پیسنے اور روزی حاصل کرتے تھے۔ اس حالت میں بھی فقراء کی امداد سے دریغ نہ تھا۔ نمک سے روٹی کھانا۔ بوسیدہ بوریے پر سونا۔ اور بہت جفاکشی سے زندگی بسر کرنا آپ کو پسند تھا۔ امراء، رؤسا، اہل شہر خدمت کرنا چاہتے نذریں پیش کرتے لیکن آپ ہاتھ نہ لگاتے اور قبول نہ فرماتے تھے۔

عبادت و ریاضت، علم اور تقویٰ کی شہرت رعایا سے لے کر بادشاہ تک پہنچی مگر آپ نے خاموشی اور بے تعلقی ہی برتی۔ ایک مرتبہ نواب یمین الدولہ سعادت علی خان ہاتھی پر سوار آپ کے مکان پر آئے اور ملنے کی خواہش کی۔ اخوند نے جواب دیا۔ فقیر کے پاس امیر کی کیا ضرورت ہے۔ یہاں بوریے کے سوا کیا رکھا ہے۔ یمین الدولہ نے کہا۔ حضور میری خواہش ہے کہ آپ ہمارے شہر (لکھنؤ) میں قیام فرمائیں۔ آپ نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا (سبیکۃ الذہب ص ۶۱)

اخوند کے روحانی کمالات اس عہد میں زبان زد خاص و عام تھے۔ ان میں ایک واقعہ یہ ہے کہ جناب عارف باللہ

سید علی شاہ کے گھر پر مجلس عزا میں تاج الدین حسین خان اور سبحان علی خان کنبوہ بیٹھے تھے۔ جناب آخوند کی وفات کا ذکر چھڑ گیا۔ تاج الدین خان نے کہا۔ ہم نے تو ایسا عالم مرتاض، زاہد و صاحب کشف و کرامات نہیں دیکھا۔ ایک روز ہم اپنے گھر میں بیٹھے تھے۔ اچانک شاہی چوبدار آیا اس نے حکم نامہ پہنچایا، حکم تھا کہ تاج الدین اور سبحان علی صبح تک لکھنؤ خالی کر دیں۔ میں نے بھائی صاحب سے پوچھا۔ اب کیا تدبیر کی جائے۔ انھوں نے کہا یمین الدولہ کا حکم ہے کسی طور سے ٹل ہی نہیں سکتا اور ہم دونوں اپنی بڑی بہن کے پاس گئے اور ان سے یہ سارا ماجرا بیان کیا انہوں نے کہا کہ دعا مانگو کہ اللہ تعالیٰ یہ بلا ہم سے دور کرے اور سوائے دعا کے کیا چارہ ہے۔ بھائی نے کہا کہ دعا کے لیے نفس ذکی کی ضرورت ہے۔ ہمشیرہ نے کہا کہ آخوند صاحب سے عرض کرو اگر وہ دعا کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ بلا ضرور رد ہوگی۔ ہم آخوند صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور سارا قصہ کہہ سنایا اور دعا کی خواہش کی۔ تو جناب آخوند صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ دنیا کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی ہم نے التجا کی اور نہایت اصرار کیا تو فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور دعا کروں گا۔ ہم بہت خوش ہوئے مگر متفکر اپنے گھر آئے بھائی صاحب نے کہا کہ اسباب لدواؤ تاکہ صبح تک روانہ ہو جائیں اور رات بھر افسوس کرتے رہے جب طلوع آفتاب قریب ہوا۔ تو دیکھا کہ ایک چوبدار چلا آتا ہے۔ بھائی صاحب نے کہا کہ چلے جانے کی تاکید کو لکھا ہوگا۔ میں نے کہا ممکن ہے رُک جانے کو کہا ہو، چوبدار نے آ کر کہا کہ یمین الدولہ نے حکم دیا ہے کہ تم لوگ اپنے مکان میں اطمینان سے رہو اور شہر میں جہاں جی چاہو آؤ جاؤ ہم سب خوش ہوئے اور پھر ملازمین یمین الدولہ سے اس کا سبب پوچھا تو یمین الدولہ کا مقولہ بیان کیا کہ جب میں نے ان کے اخراج کا حکم دیا اور رات کو سویا تو خواب دیکھا کہ ایک بزرگوار کہ سبز لباس زیب بدن ہے اور گھوڑے پر سوار ہیں اور چہرہ پر نقاب پڑی ہوئی ہے ہاتھ میں نیزہ ہے اور نور سے آنکھیں چکا چوند ہوئی ہیں اور وہ نیزہ میرے سینے پر رکھ کر فرماتے ہیں کہ تو نے بڑی جرأت کی کہ دونوں بھائیوں کو شہر بدر کر دیا وہ ہمارے شیعہ ہیں اور حسینؑ پر رونے والے ہیں۔ میں نے ہاتھ باندھ کر معافی چاہی اور عذر کیا ناگاہ میری آنکھ کھلی تو مجھ پر دہشت عظیم طاری ہوئی اور تمام بدن میں رعشہ تھا۔ میں فوراً اٹھا اور ان کو روک دیا کہ نہ جائیں چند روز کے بعد ہم دس ہزار روپے لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم نے نذر کی تھی کہ اگر یہ بلا ہم سے رد ہو گی تو یہ رقم آپ کی خدمت میں حاضر کریں گے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ مجھے کچھ ضرورت نہیں اور نہ میں مستحق کو پہچانتا ہوں یہ تم لے جاؤ جب ہم نے بے حد اصرار کیا تو ایک روپیہ رکھ لیا۔ اسی وقت ایک سائل آیا اور وہ بھی اس کو دے دیا۔ ہم نے تو ایسا آدمی دیکھا نہیں۔ (بے بہا ص ۳۲۲، نزہتہ، ص ۳۹۴)

تکملۂ نجوم السماء (۲/۳۲۲) میں انہیں اخباری لکھا ہے۔ در حقیقت برصغیر میں چونکہ فقہ کا منتہائی درس "من لا یحضرہ الفقیہ" تک تھا اور اصول فقہ درس اور مجتہد زندہ سے رابطہ مسلسل نہ تھا اس لیے عموماً اہل علم اخباریت کی طرف مائل تھے۔

~~**محمد رضا لکھنوی :**~~

~~حدود ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء~~

~~مولانا محمد رضا بن ابوالقاسم طباطبائی تاریخ و ادب کے مشہور عالم تھے لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وطن ہی میں تعلیم و شہرت پائی۔~~

~~**تصانیف :** • مظاہر الادیان (نزہت، ج ۳۹م)~~

محمد رضا، لکھنوی :

حدود ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء

جناب مولانا محمد رضا صاحب لکھنوی علوم دینیہ اور اخلاقِ عالیہ سے آراستہ تھے۔ راجہ امیر حسن خان صاحب آف محمود آباد نے ریاست میں بلا لیا تھا اور بڑی قدر کرتے تھے۔ راجہ صاحب دہلی ۱۲۹۶ھ میں تشریف لے گئے تو مولانا محمد رضا صاحب ساتھ تھے۔ دہلی عربک اسکول کے مولوی الفت حسین کی تقریر میں شریک ہوئے مولانا محمد رضا اور الفت حسین صاحب سے مباحثہ ہوا۔ یہ مباحثہ عشرہ کاملہ کے نام سے چھپا ہے۔

۱۳۰۷ھ مولانا عراق گئے، اور آیۃ اللہ الشیخ مازندرانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب شیخ نے آپ کے تقدس و علم پر اعتماد فرمایا اور امور حسبیہ کا اجازہ دیا جو آداب المجالس میں چھپ چکا ہے۔

مولانا کثیر التصانیف تھے۔ ان میں سے چند نام یہ ہیں :- • عشرہ کاملہ مطبوعہ۔ مظاہر الادیان • آداب المجالس۔ طبع ۱۳۱۱ھ۔ • شرح زیارت ناحیہ کئی جلدیں۔ طبع شد۔ • شرح زیارت مفجعہ مطبوعہ

(بے بہا ص ۳۶۰)

محمد رضا فلسفی :

حدود ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء
۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء

استاذ علما، خطیب و فلسفی مولانا سید محمد رضا صاحب شمس پور ضلع جون پور وطن تھا۔ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ جناب سید محمد باقر صاحب، جناب مولانا ظہور حسینؒ صاحب قبلہ سے خاص تلمذ تھا۔ منطقی استدلالی اور فلسفۂ قرآن مجید ان کی تقریر کا نمایاں جوہر تھا۔ اردو، فارسی و عربی کے بہت بڑے ادیب تھے۔ دس ہزار اشعار عربی حفظ تھے۔ درس و تدریس سے شغف رہا۔ پہلے مدرسۂ ایمانیہ لکھنؤ میں مدرس تھے۔ اس کے بعد باہر چلے گئے اور وثیقہ اسکول میں پڑھاتے رہے۔ جناب سید محمد باقر صاحب قبلہ ان سے محبت فرماتے اور ان کی قابلیت کے معترف تھے اسلیے ۱۳۳۲ھ میں سلطان المدارس کے استاد معقولات کی حیثیت سے نامزد ہوئے۔ منطق و فلسفہ کا درس دیتے اور سند الافاضل کی جماعتوں کو حمد اللہ، شرح مطالع الانوار، شرح تجرید، ملا صدرا اور دوسری اعلیٰ

کتابیں پڑھاتے تھے۔ مولانا سعادت حسین کے بقول مولانا محمد رضا ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۵ء تک وثیقہ عربی کالج کے پرنسپل رہے ۱۹۰۴ء سے ۱۹۰۸ء چار سال سیالکوٹ میں عشرہ محرم کی مجلسیں پڑھنے آتے رہے۔ نواب سر فتح علی خاں صاحب قزلباش آپ کے قدرداں تھے۔ اور قبلہ و کعبہ کو لاہور بلاتے اور بڑے احترام سے مہمان رکھتے تھے۔

آپ ملا صدرا کے دبستانِ فلسفہ اور بوعلی سینا کے افکار کو انتہائی سادگی سے بیان فرماتے تھے لکھنؤ میں مولانا سبط حسن صاحب قبلہ اور مولانا محمد رضا صاحب برابر کے اور چوٹی کے واعظ سمجھے جاتے تھے۔

مولانا محمد رضا صاحب قبلہ نے ۱۶ رجمادی الثانیہ ۱۳۴۰ھ/۱۳ر فروری ۱۹۲۲ء کو رحلت فرمائی۔

اولاد : • مولانا سید محمد صاحب صدر الافاضل۔ • مولانا سید علی صاحب صدرالافاضل ایم اے مرحوم

(بے بہا ۳۹۸)

محمد رضا، لاہرپوری :

حدود ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء

مولانا محمد رضا صاحب قبلہ لاہرپوری صاحب علم وفضل اور متقی و مقدس تھے۔ راجہ امیرالدولہ بہادر کی مسجد میں پیش نمازی بھی فرماتے تھے۔

تقریباً ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں رحلت فرمائی۔

تصانیف : • تفسیر، تین پاروں سے آگے نہ لکھ سکے۔ • سفرنامہ۔ • کتاب مناظرہ۔ • تحفہ محمد رضا (فقہ) مطبوعہ۔

(پیامِ اسلام لکھنو، ۲۴ر مارچ ۱۹۵۶ء)

محمد رضا، بنگش :

۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء
۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء

مولوی محمد رضا خلف ملا محمد صاحب ۲ر جنوری ۱۸۸۸ء کو موضع شیرکوٹ ضلع کوہاٹ میں پیدا ہوئے علم دوست گھرانے میں پرورش پائی۔ عربی و فارسی کی تعلیم کے علاوہ میٹرک اور بعد میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ دینی تعلیم کے لیے عراق بھی گئے۔ محکمۂ تعلیم میں ملازمت اور درس و تدریس مشغلہ تھا۔ پشتو کے مشہور مقرر و واعظ تھے۔ علامہ عبدالعلی ہروی طہرانی جب سرحد تشریف لے گئے تو ان کی عالمانہ و فلسفیانہ تقریر فارسی کا پشتو میں ترجمہ کرتے تھے اور علامۂ مرحوم آپ کی فہم و دانش پر آفرین کہتے تھے۔

۱۳ر جون ۱۹۲۳ء مطابق شوال ۱۳۴۱ھ آپ کی تاریخ وفات ہے اور شیرکوٹ کے آبائی قبرستان میں ابدی آرام گاہ۔

محمد رضی : دیکھیے عالی جاہ

(مکتوب رمزی بنگش)

میر محمد رضا عدل :

حدود ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۲ء

مذہب امامیہ کے سربرآوردہ عالم اور بڑے صاحب ریاضت اور شبعہ مسائل شرعی کے پابند بزرگ تھے ۔ دربار میں بڑا وقار تھا اعتبار کے مالک گذرے ہیں ۔ (ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۲۸۱)

محمد رضی :

۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء

مولانا سید محمد رضی صاحب ~~متاز~~ قبلہ زنگی پوری ، علوم اسلامیہ کے عالم شہیر و محقق خبیر ، متعدد رسائل و کتب کے مصنف تفسیر رضویہ رامپور بورڈ کے باعمل ممبر ، بکثرت مضامین و مقالات لکھے جوادیہ بنارس میں پرنسپل رہے ۱۵ اگست ۱۹۵۱ء / ۱۳۷۰ھ میں رحلت کی ۔ ان کی رحلت سے فلسفہ و منطق جدید کا ماہر کم ہوگیا ۔

تصانیف : اسلام کا اقتصادی نظام مطبوعہ ۔ • تفسیر رضی نامکمل مطبوعہ • قاتلان حسین کی گرفتاری

اولاد : علی عمران - اور صاحبزادیاں ۔

محمد رفیع باذل :

۱۱۲۳ھ / ۱۷۱۱ء

ملا محمد رفیع خان خان باذل بن مرزا محمد مشہدی دہلی میں پیدا ہوئے ۔ ملا رفیع کے چچا مرزا محمد طاہر وزیر خان عہد عالمگیری میں برہان پور ، اکبر آباد اور مالوے کے صوبے دار رہے ۔ آخر ۱۰۸۳ھ (۷۳-۱۶۷۲ء) میں فوت ہو یہ لوگ خواجہ شمس الدین صاحب دیوان کی اولاد سے تھے ۔ محمد طاہر وزیر خان شاہجہان کے عہد میں مشہد مقدس سے دہلی آئے ۔ اور عزت پائی ۔ دوسرے چچا میرزا جعفر سرو قد مشہد کے امیر تھے ۔ مشہد میں ان کا ایک مدرسہ بھی تھا ۔ مرزا محمود نے بھی اعزاز حاصل کیے ۔ اورنگ آباد اور برہان پور کے باغ اور محمود پور نامی محلے ان کی یادگار تھے ۔ ان کی قبر بھی محمود پورے میں ہے ۔

ملا رفیع نے دربار عالمگیر سے حکومت بانس بریلی حاصل کی ۔ وہ کچھ عرصے تک گوالیار کے قلعہ دار بھی رہے تھے ۔ تاریخ وفات ۱۱۲۳ھ یا ۱۱۲۴ھ ہے ۔ قبر کے بارے میں اختلاف ہے ۔ کوئی گوالیار کوئی دہلی میں بتاتا ہے ۔

ملا رفیع ، عالم ، مؤرخ اور مبلغ تھے ۔ ان کی علمی قابلیت اور تقدس و عقیدت کا حال اس طویل مثنوی سے لگایا جاسکتا ہے ۔ جو شاہنامہ کے بعد اپنے جوش اور فن میں بے مثال ہے ۔ یعنی " حملۂ حیدری " جس کے متعدد ایڈیشن سامنے آچکے ہیں اور ایک زمانے میں ہر گھر میں پڑھی جاتی تھی ۔ اس کے اشعار تقریباً اٹھائیس ہزار ہیں (فہرست کتب خطی کتاب خانہ آستان قدس ج ۷ ، ص ۲۱۲) " حملۂ حیدری " معارج النبوۃ

فی مدارج الفتوۃ" کا منظومہ ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عثمانؓ تک کے احوال پر مشتمل ہے ملا باذل کے بعد ان کے بھانجے ابوطالب فندرسکی اور مختلف حضرات نے تکملے لکھے۔ ملا باذل کی اولاد دہلی میں رہی۔ ایک کا نام مصفی نے آقاجان زائر لکھا ہے۔ (سروِ آزاد ص ۱۴۱۔ ترجمہ مآثر الامرا ج ۳ ص ۶۷۰، بے بہا ص ۲۲۰، نزہتہ ج ۶ ص ۳۰۶۔ بزم تیموریہ ص ۱۷۲۔ فہرست کتب خطی کتاب خانہ آستان قدس۔ ج ۷۔)

مرزا محمد رفیع، لکھنوی :

۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء

مولانا حکیم محمد رفیع عرف مرزا مغل غافل، فقہ و حدیث و اصول و معقولات و طب و حسن خط و شعر میں ماہر و کامل تھے۔ جناب غفران مآب کے افاضل تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ عالم و فاضل، فقیہ و منطقی ہونے کے ساتھ ساتھ طبیب و خطیب بھی تھے۔ ان کی تقریر محتاط اور مجلس خوانی عالمانہ ہوتی تھی۔ عبدالحی نے (محمد رفیع صاحب) مرزا مغل، غافل کی تاریخ وفات ۱۲۴۷ھ لکھنو میں لکھی ہے۔

تصانیف : • ترجمہ فارسی، بحار الانوار جلد عاشر (مخطوطہ ۶ جمادی الآخرہ ۱۲۴۹ھ موجود درکتب خانۂ ممتاز العلماء لکھنو)۔ • مثیر الاحزان ترجمہ (فارسی یا اردو) • وسیلۃ النجاۃ (مخطوطہ موجود درکتب خانۂ پروفیسر مفخر عالم ایم اے۔ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ) یہ کتاب ملا فضلی کی دہ مجلس کے انداز میں مرصع، مقفی نظم و نثر سے مرکب بارہ مجلسوں کا مجموعہ ہے۔

(تکملہ نجوم السماء ۱۲۴/۲ و ذاتی اطلاعات، مفخر عالم صاحب، نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۴۰۴، سوانح حیات غفران مآب ص ۲۷)

محمد سبطین بن تفضل حسین :

۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء

محمد سبطین صاحب، مولانا حاجی تفضل حسین صاحب قبلہ سنبھلی (متوفی ۱۲۹۸ھ) کے چھوٹے فرزند تھے۔ اپنے عہد کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ تقدس و زہد میں اپنے والد کے قدم بقدم تھے۔ حیدرآباد دکن میں قیام تھا۔ وہیں عالم جوانی میں بتاریخ یکم ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ رحلت کی۔

خزینۃ التواریخ میں قطعہ ہے :

زاہد متقی و نیک جواں سال حسین — راحت جان حزیں، قوت بازوے حسین
روز و شب در غم ہجر تو ہمی می گویم — در جناں سید مارفت محمد سبطین

(۱۳۲۶ھ)　　(بے بہا ص ۱۰۲)

حدود ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء
۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

محمد سبطین سرسوی :

علامۃ الاوحد مولانا سید محمد سبطین صاحب کا وطن تو سرسی ضلع مراد آباد تھا مگر ان کی عزت و اقبال کا آفتاب پنجاب میں چمکا۔ مولانا نے مدرسۂ منصبیہ میرٹھ میں تعلیم پائی اور ۱۹۰۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل پاس کیا۔ پنجاب میں مولوی فاضل کی بڑی عزت تھی۔ اور اسے عربی کی سب سے بڑی سند مانتے تھے۔

مولانا محمد سبطین نے مولوی فاضل پاس کرنے کے بعد پنجاب کے اسکولوں میں عربی فارسی کے مدرس کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ مہندرا کالج پٹیالہ اور گورنمنٹ کالج لودھیانہ میں بڑی عزت سے تعلیم دی اور پنجاب یونیورسٹی کے فیلو تک ترقی کی۔

مولانا محمد سبطین بچپنے سے ذہین و ذکی، ادیب و خطیب تھے۔ مضمون نگاری کا شوق اور تبلیغ دین کا شوق فراواں رکھتے تھے۔ چنانچہ نوجوانی میں "ناظم الہند" کے مدیر ہوئے اور لاہور کے اس نیم مذہبی نیم ادبی رسالے میں مشاق کا دور گذرا۔ ۱۹۱۲ء میں "البرہان" نامی ماہنامہ جاری کیا جو ۲۵ برس تک ملک کا علمی ماہنامہ شمار ہوتا رہا۔ مولانا محمد سبطین صاحب کا قلم، زبان اور حافظۂ خداداد ان کی شہرت کا سبب ہوا اس پر مولانا عبدالعلی ہروی طہرانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے اور جلا دی۔

مولانا عبدالعلی ہروی، قرآن مجید کے عالم و فلسفی تھے۔ مولانا محمد سبطین صاحب ان کے خاص الخاص ترجمان و شاگرد بنے۔ ان کی تقریروں کے ترجمے، ان کے مقالات کی اشاعت، ان کی صحبت نے ان کے ذہن کے شاداب معلومات کو سدا بہار بنا دیا اور وہ معقولات و فلسفۂ اسلام کے روشن فکر ترجمان بن کر ابھرے۔ ان کی تحریر و تقریر میں آیات سے استدلال اور تعلیمات محمدؐ و آل محمدؐ سے استناد سن کر بڑے بڑے علما مبہوت ہو جاتے تھے۔ مولانا کے موعظے میں جو بھی شریک ہوتا تھا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ انھوں نے پنجاب میں اسلام اور تشیع کی بڑی خدمت انجام دی۔ ان کا رکھ رکھاؤ، سخاوت و حسن اخلاق ایسا تھا کہ لوگ ان کی ہیبت و شان و شوکت سے مرعوب اور محبت و حسن سلوک سے عقیدت رکھتے تھے۔

قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل زیارات مشاہد مقدسہ کے لیے عراق تشریف لے گئے اور ۱۹ رمضان ۱۳۶۶ھ، ۷ اگست ۱۹۴۷ء صبح آٹھ بجے کربلائے معلیٰ میں رحلت فرما گئے اور رواق حرم حضرت سید الشہداء علیہ السلام میں سپرد خاک ہوئے۔ مولانا کا قیمتی کتب خانہ اور قلمی تصانیف ہندو مسلم فسادات کی نذر ہو گئے اور ان کی اولاد سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گئی۔

مولانا کے چار لڑکے اور تین صاحبزادیاں پاکستان میں ہیں۔

تصانیف: (چند کتابوں کے نام) ○ پیغامِ توحید۔ ○ دینیات برائے اطفال۔ ○ اسلامی نماز۔ (نماز کی ہیئت پر نفیس بحث) ○ خلافتِ الٰہیہ تین جلدیں۔ ○ مصحفِ ناطق تین جلدیں۔ ○ ترجمۂ کوکب دری معہ مقدمہ و خاتمہ کے۔ ○ صراط السوی فی احوال المہدی۔ ○ ترتیب مجالس علامۂ ہروی بنام مواعظ حسنہ ان مطبوعات کے علاوہ سینکڑوں مقالات و مضامین جو ماہنامہ البرہان اور دوسرے جرائد میں شائع ہو چکے اور متعدد تالیفات جو ضائع ہو گئے۔

○ میزان الطق۔

محمد سجاد، بنارسی:

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء
حدود ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء

مولانا محمد سجاد بن مولانا علی جواد صاحب قبلہ زنگی پوری، علماء و مقدسین میں بے حد ممتاز بزرگ تھے۔ آپ نے تحصیلِ علم کے بعد بنارس کے مدرسۂ جوادیہ میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم رکھا اور اس مرکزِ شرک میں توحید کی شمع روشن کی۔ ہندو مسلمان سب آپ کی روحانیت و پابندیٔ شرع کے قائل تھے۔ موصوف نے ۱۳ / جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ کو رحلت کی۔ ~~۱۳۴۸ھ میں رحلت کی۔~~

تجلی ۲ باہر ملا علی رضا

ملا محمد سعید اشرف مازندرانی:

حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء
حدود ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۴ء

جناب علامہ محمد تقی مجلسی کے نواسے اور ملا محمد صالح مازندرانی (متوفی ۱۰۸۱ھ) کے فرزند تھے۔ اصفہان میں ولادت اور تربیت پائی۔ اپنے والد اور میرزا قاضی اور جناب آقا حسین خوانساری جیسے اساتذہ سے درس کی تکمیل فرمائی۔

فنِ شعر میں میرزا صائب اور فنِ خطاطی میں عبدالرشید دیلمی کے شاگرد تھے۔ فنِ تصویرکشی میں ان کے استاد کا نام معلوم نہیں لیکن ان کے دیوان میں فخریہ اشعار ~~موجود ہیں۔ عالم گیر~~ ~~کے کتب خانے میں ان کا ایک تصویری سفینہ موجود ہے~~ بتاتے ہیں کہ وہ اچھے خطاط و مصور تھے

ملا اشرف کا گھر فقہ و حدیث و علوم قرآن کا گھر تھا۔ ان کے نانا اور والد اور ماموں محدثین بزرگ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی شہرت تعریف و تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے بھائی محمد ہادی، کافیہ و شافیہ و معالم الاصول کے شارح اور قرآن مجید و صحیفۂ کاملہ کے شارح ہیں۔ دوسرے بھائی میرزا علی نقی۔ سابق شاعری میں مشہور تھے۔

ملا اشرف نے جوانی اپنے گھر میں گزاری۔ ان کی اہلیہ مریم نامی خاتون تھیں۔ ۱۰۷۰ھ میں ان کے شیر خوار فرزند

محمد شفیع نے انتقال کیا جس نے ان کو ذہنی طور پر بہت متاثر کیا۔ اسی سال ان کے نانا ملا محمد تقی مجلسیؒ نے رحلت کی۔ ان واقعات سے پریشان ہو کر ملا اشرف نے وطن کو خیرباد کہا۔ اہلیہ اور دو سالہ فرزند محمد امین کو وطن میں چھوڑا اور ہندوستان وارد ہوئے۔

عالمگیر نے آپ کے صلاح و تقویٰ، کمال و ہنر کو دیکھ کر اپنی بیٹی زیب النساء بیگم کا اتالیق مقرر کر دیا۔ ملا صاحب گیارہ سال تک ہندوستان میں رہنے کے بعد دوبارہ عازم وطن ہوئے کہ زن و فرزند سے مل آئیں۔ ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء میں اجازت ملی اس سے دو سال پہلے ان کے والد رحلت کر چکے تھے کچھ مدت بعد اہل و عیال سمیت عازم ہند ہوئے۔ اس زمانے میں شاہزادہ عظیم الشان بن اورنگ زیب عظیم آباد پٹنہ کا گورنر تھا۔ شہزادے نے مولانا کو بڑے اعزاز سے سرفراز کیا اور دربار میں کرسی دی۔ وہ مولانا کے علوم و افکار سے مستفید ہوتا رہا۔ پشاور و کشمیر و لاہور میں ملا صاحب شہزادے کے شریک سفر بھی رہے۔

آخر عمر میں ملا صاحب نے غالباً دوسرے حج کی اجازت طلب کی لیکن مونگیر پہنچ کر ۱۱۱۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ بعض لوگوں نے ۱۱۲۰ھ کو سنہ وفات مانا ہے۔

اشرف، تو کمینت نکتہ دانی رانی — اسرار و رموز جادو دانی دانی
ہر چند کہ مانند نہ داری در خط — در شیوۂ تصویر برمانی، مانی

تصانیف: • دیوانِ اول: موجود در کتب خانۂ آستان قدس مشہد۔

• دیوانِ دوم: موجود در کتب خانہ ہای ہند۔

اولاد: • محمد امین۔ فاضل و محقق بزرگ تھے۔ سعد الدین تفتازانی کی کتاب تہذیب کے حصۂ کلام پر ایک تفصیلی حاشیہ اور مبحث امامت پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ دوسرے فرزند محمد علی دانا فاضل و شاعر تھے مرشد آباد میں اہل و عیال کے ساتھ قیام تھا اور وہیں انتقال کیا۔ (ملا صاحب کے شاگردوں میں ملا عبد الحکیم ساطع بن ملا غالب کشمیری کا نام محمد اعظم نے تاریخ کشمیر میں لکھا ہے)

(نامہ آستان قدس، شمارہ ۱۹۔ • تذکرۃ المعاصرین علی حزیں۔ • سرو آزاد ص ۱۱۷۔ • تذکرہ بے بہا ۱۶۸ • دیگر تذکرہ ہائے فارسی عموماً۔ • نجوم السماء ص ۱۸۴۔ • کلمات الشعراء ص، شمع انجمن ۳۲ سفینۂ خوشگو ۱۷، • بزم تیموریہ ص ۲۶۹۔ • نزہۃ ج ۶ ص ۳۱۲)

محمد سعید جونپوری:

حدود ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء

مولانا محمد سعید جونپوری صاحب اپنے عہد کے فاضل، زاہد، وسیع النظر بزرگ تھے۔ صاحب نجوم السماء نے بعض کتب پر آپ کے حواشی دیکھے ہیں۔ مثلاً کتاب الاقبال کے حاشیہ پر عربی میں لکھا ہے کہ: "الحمد للہ الذی وفقنی لهذا الصیام الی تمام الشهر اکثر من ثلثین" ستر برس کی عمر میں تیرہ سطری نوٹ لکھا۔ پھر اعمال رجب کے حاشیہ پر عربی میں تین سطریں تحریر کی ہیں اور کہا ہے کہ تیس سال سے ان اعمال کو بجالانے کی توفیق سے سرفراز ہوں۔ قلائد الجمان کے حاشیہ پر لکھا ہے: "هو محمد بن اسحاق بن بشار المطلبی صاحب کتاب سیرة النبیؐ وهو عندی موجودة بفضله ومنه وهو منة على العبد الضعیف اقل العبید محمد المدعو سعید اسعد حاله و نور باله ودفع وباله وجعل شفیعه محمداً وآله ۱۱۴۳"

(نجوم السماء ص ۲۷۷ - نزہۃ ج ۶ ص ۳۱۲ میں ۱۱۴۳ھ کو غلطی سے تاریخ وفات لکھا گیا ہے)

محمد سعید، سعید الملت الحاج:

۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء
۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء

اس کتاب میں مفتی محمد قلی، فردوس مآب حامد حسین، صدر المحققین ناصر حسین رحمہم اللہ کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ مولانا سید محمد سعید صاحب اسی سلسلے کی ایک شخصیت ہیں۔ آپ ۱۱ نومبر ۱۹۱۴ء ۸ محرم ۱۳۳۳ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ چونکہ سب بھائی بہنوں سے چھوٹے تھے اس لیے بہت سی محبتوں نے انھیں گود لیا۔ اور بڑی الفت بھری فضا میں پرورش پائی۔ ابتدائی اساتذہ سے بنیادی تعلیم، اور نصیر الملت جیسے برادر بزرگ اور خواہران محترم سے تربیت حاصل کر کے متوسط و اعلیٰ نصاب شروع کیا۔ مولانا سید حامد حسین عرف سید صاحب، مولانا امجد حسین صاحب، مولانا مظفر علی خان صاحب، مولانا سید ظہور حسین صاحب اور اپنے والد سے درسیات مکمل کیے اور اسی اثنا میں (۱۹۳۱ء) میں لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب (عربی کا اعلیٰ امتحان) دیا اور سند لی۔

۱۹۳۴ء میں درس اعلیٰ اور درس خارج (فقہ و اصول فقہ پر شیوخ حوزۂ علمیہ کے درس) میں شرکت کرنے عراق گئے اور حجج اسلامیہ آقای شیخ عبد الحسین رشتی آقای شیخ ابراہیم رشتی آقای سید حسن بجنوردی آقای سید جواد تبریزی، آقای شیخ ضیاء الدین عراقی اور مرجع اکبر، سید ابو الحسن اصفہانی رحمہم اللہ سے اسناد و اجازات لے کر دوشنبہ، ۷ شعبان ۱۳۵۶ھ یکم نومبر ۱۹۳۷ء کو وطن واپس پہنچے۔

نجف اشرف میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ مولانا محمد سعید صاحب نے دو کتابیں عربی میں لکھیں۔

" الامام الثانی عشر " اور " مدینۃ العلم " ملخص عبقات ۔ دونوں کتابیں عراق میں شائع ہوئیں اور علمی حلقوں نے اس نئی ابھرتی قوت کو دیکھ کر مسرت و اطمینان کا اظہار کیا۔

لکھنؤ میں تقریباً پانچ سال تک وہ سرکار ناصر الملت کے دست و بازو رہے ۔ ۱۹۳۹ء میں شیعہ ایجی ٹیشن کے سلسلے میں وہ جیل گئے اور تین ماہ قید میں رہے پھر ابوالکلام آزاد سے مذاکرات میں سرکار ناصر الملت کے نمایندے قرار پائے ۔ ۱۹۴۲ء میں ناصر الملت کی وفات ہوئی اور سعید الملت ان کے جانشین ہوگئے ۔ آپ نے جناب کے مقلدین سے فرمایا کہ اب آقای ابوالحسن اصفہانی کی تقلید کی جائے ۔ اس طرح اپنی پاکیزہ نفسی، للہیت اور تقدس پر دلیل مہیا فرمائی ۔ اور لاکھوں مقلدوں کو مرکزیہ اعلیٰ کی طرف موڑ دیا۔

۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۱ء تک مولانا محمد سعید صاحب عبقات الانوار اور شرح خطبۂ شقشقیہ لکھنے میں مصروف رہے اور جناب مرحوم نے ان کاوشوں کو ملاحظہ فرما کر خوشی کا اظہار فرمایا۔

مولانا محمد سعید صاحب ۱۹۴۳ء سے کتب خانے کی حاضری اور تصنیف و تالیف، انعقاد محافل و مجالس، ملاقات، جواب مسائل، قومی معاملات میں براہ راست مصروف ہوگئے ۔ وہ فقہ و اصول کا درس بھی دیتے تھے اور مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے جناب مرحوم سے نہج البلاغہ اور شرح لمعہ اور شرح کبیر کا درس لیا ہے ۔ اور فاضل ادب لکھنؤ یونیورسٹی میں اول نمبر کامیاب ہوا تو استاذنا الجلیل نے عبقات الانوار، الغدیر کی ایک جلد یہ لکھ کر انعام میں خود گھر پر زحمت فرما کر عطا کی :

" بسمہ تعالیٰ ۔ اھدی ھذا الکتاب الجلیل والسفر النفیس الی الفاضل الجلیل والعالم النبیل قرۃ العین مولانا المولوی السید مرتضیٰ حسین حرسہ اللہ من کل این وشین ۔ محمد سعید عفی عنہ ۱۸ رجب المرجب ۱۳۶۳ھ "

کاظمین لکھنؤ کی مسجد کوفہ کا ہر جمعہ وعظ اور بعض تقریریں بھی آپ کے ذمے ہوئیں قدیم دستور کے مطابق آپ نئے خطبے لکھتے اور تقریر تحریر کرتے اور بالائے منبر پڑھتے تھے ۔

کتب خانے کو از سر نو منظم کرنے کا کام بھی شروع کیا۔

۱۹۶۵ء میں حج و زیارت مدینہ منورہ کی سعادت حاصل کی ۔ مدینے میں جنت البقیع ہر صاحب دل کے لیے فریاد مجسم ہے ۔ مولانا سعید صاحب نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان ویران اور تباہ حال قبور کو شاداب بنوائیں گے ۔ اس مقصد کے لیے ایران، پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں اور سعودی عرب کے سلطان سے مذاکرات بات چیت شروع کی ۔ منزل قریب ہی تھی کہ پیغام اجل آگیا ۔ وہ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۷ء کو ڈاکٹر ذاکر حسین اور ۱۵ ستمبر کو اندرا گاندھی سے ملنے دہلی آئے تو مزاج ناساز تھا ۔ سفیر ایران کا لنچ تھا، آپ نے عذر کیا اور وطن روانہ ہوگئے ٹرین ہاپڑ اور مرادآباد کے درمیان تھی کہ آپ کو پیام اجل آگیا ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ ۱۷ ستمبر ۱۹۶۷ء بروز اتوار رحلت ہوگئی

ٹرین لکھنؤ پہنچی تو قیامت برپا ہوگئی۔

حسب دستور لکھنؤ، دریا پر غسل ہوا۔ وسیع میدان میں چالیس ہزار افراد نے نماز پڑھی۔ کربلا امداد حسین خاں میں لاش امانت رکھی گئی۔ پھر آگرے میں مزار شہید ثالث کے قریب ۲۵ رجب ۱۳۸۷ھ کو سپرد لحد ہوئے۔

مولانا محمد سعید صاحب نے متعدد مرتبہ ایران و عراق کے سفر کیے۔ وہ کئی مرتبہ کراچی اور دو مرتبہ لاہور بھی آئے۔ ۱۹۵۶ء اور پھر جولائی ۱۹۶۷ء میں پہلے سفر میں حدیث کی ضخیم ترین کتاب "مسانید العصمۃ" کی تالیف میں مصروف تھے۔ اور ۱۹۶۷ء میں تعمیر مزارات جنت البقیع کے لیے سرگرم عمل تھے۔ ان کی زندگی تعمیر میں گذری شیعہ کالج کی تعمیر و ترقی، کتب خانۂ ناصریہ کی تعمیر نو اور ترقی۔ پانچ جلدوں میں اس کی فہرست جدید کی ترتیب، مجلس انتظامیہ شیعہ کالج کے صدر کی حیثیت سے اہم خدمات کی بجا آوری، جامعہ سلطانیہ کے امتحانات سالانہ کی صدارت لکھنؤ یونیورسٹی اور شیعہ بورڈ کے ممبر اور سب سے بڑا کام مزار شہید ثالث آگرہ کی نئی عمارت کی تعمیر اور نوری بازار کی آبادی۔ مولانا محمد سعید صاحب کے زندۂ جاوید کارنامے ہیں۔

مولانا محمد سعید صاحب بہت مصروف و باعمل بزرگ تھے۔ زمینداری اور کتب خانہ ہی کا کام کیا کم تھا جس پر ہر شخص سے بالکل لگاوٹ سے ملنا اور ہر کام خود انجام دینا۔ عبادت گذاری، مجلسیں پڑھنا وعظ کہنا، نماز پڑھانا، قومی کام کرنا ان کا روزمرہ تھا۔ وہ فقیہ تھے، عالم تھے، مقرر تھے، خطیب تھے، مخلص دوست، کریم النفس انسان، اور عالی مرتبہ مصنف تھے۔ ان کی وفات نے مرکز علم کو شدید نقصان پہنچایا۔ میں استاذنا العلام کا ممنون ہوں، انھوں نے مجھے ہمیشہ شفقتوں سے نوازا۔ ان کی خدمت میں زانوئے تلمذ بہت سے حضرات نے تہہ کیا مگر لکھنؤ میں وہ اپنے کسی شاگرد سے وہ سلوک نہیں فرماتے تھے جس سے میں سرفراز تھا۔ وہ میرے غریب خانے پر آتے۔ مجھے انعام دیتے۔ میری تعریف اس لیے کرتے کہ میری ہمت بڑھے۔ میرے شوق کتب کا اکثر چرچا کرتے۔ ان کے تمام عزیز جو میرے ہمسن تھے۔ میرے انتہائی گہرے دوست تھے۔ جناب ہمیشہ اس بات پر ان کو آفریں دیتے تھے۔ میں لاہور میں تھا مگر مولانا محمد نصیر صاحب قبلہ اور مولانا محمد طاہر صاحب قبلہ اور جناب مرحوم ہمیشہ مجھے بے حد و حساب محبت سے یاد کرتے تھے۔ اس محبت میں استاذنا محترم مولانا سید ضیاء الحسن موسوی اور حبیب گرامی قدر حافظ علی صابر و مظفر حسین طاہر کی محبتوں کا بھی اثر تھا۔

وہ دو مرتبہ لاہور آئے اور ہر مرتبہ یوں ملے جیسے وہ مجھ سے زیادہ یہاں کسی کو عزیز نہیں سمجھتے وہ مجھے خدمت دین اور لباس علماء اختیار کرنے پر مجبور فرماتے اور حقیقت یہ ہے کہ مجھے ۱۹۴۷ء میں جناب ہی نے نماز پڑھانے پر ایسا مجبور کیا کہ مجھے تعمیل حکم کرتے ہی بنی۔ وہ مجھے کیا دیکھنا چاہتے تھے اس کا ذکر بے محل ہے۔ ان کی رحلت نے مجھے مرثیہ کہنے پر مجبور کیا۔ میں نے ایک مضمون لکھا "سلطان المحققین مولانا محمد سعید صاحب

قبلہ طاب ثراہ" یہ مضمون المنتظر لاہور ۱۹۶۷ء میں اور لکھنو میں چھپ چکا ہے۔ دوسرا تاثر ایک عربی مرثیہ کی صورت میں قلم بند ہوا جو پاکستان، ہندوستان اور بیروت کے اخبارات و رسائل میں چھپا جسے میں العرفان صیدا ذوالحجہ ۱۳۸۰ھ میں ص ۹۸۹ سے نقل کرتا ہوں۔

"الرثاء علی صاحب العبقات"

تبدلت الجنات بالفلوات	واحتشدت الارواح فی العرصات
نعی الدهر نعیاً یا لها حسرات	تاوه قلبی واستهان حیاتی
عیون احباء الدیانة اسبلت	واجدبت الاوطان للسنوات

فقدنا سعید الملة الجعفریة الذی کان دوما جامعاً لشتات

فقدنا به من کان ینصح دیننا	ویرشدنا للخیر والحسنات
فاصبح دین الله قد مات ناصره	فیبکی ابینا باکی العبرات

مسانید آل المصطفی قد بکت لما یا جامع الاخبار فی الصفحات

شمیلما، عظیماً جاهداً فی سبیله	کریماً نبیلاً صاحب العبقات
فکان یفوح المسک عند جنابه	جلیس العلی فی الصدر بالبسمات
فجثمانه فی الهند والروح فی الغری	یجالس نور الله والقبسات

علیك سلام الله فی کل مشهد

نزلت غریاً او بجنب فرات

یہ درد کی صدا تھی، شاعران پاک وہند و ایران و عراق نے بہت مرثیے لکھے صحافیوں نے خاص نمبر نکالے اور لوگوں نے سوانح قلمبند کیے۔

ارشاد کراچی، سرفراز لکھنو کے خاص شمارے اور شیعہ کالج اولڈ بوائز اور شہید صفی پوری کے سوانحی رسالے یادگار ہیں۔

اولاد: ایک دختر اور تین فرزند جناب مرحوم نے تیرہ چھوڑے بڑے فرزند مولانا سید علی ناصر صاحب قبلہ اپنے اجداد کے وارث اور مسند نشین ہیں۔ موصوف ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوئے اور اب ماشاءاللہ بہت بڑی بڑی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔ اطال اللہ بقا بہم۔

تصانیف: • الامام الثانی عشر (عربی) طبع نجف ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء اس کتاب کا ترجمہ میں نے ۱۹۴۸ء میں کیا جو ایک مرتبہ لکھنو سے اور دوسری مرتبہ لاہور سے چھپا۔ یہ ترجمہ علی گڑھ یونیورسٹی کے نصاب میں

شامل ہے۔

• مدینۃ العلم طبع نجف عبقات الانوار حدیث، انا مدینۃ العلم وعلی بابہا کی عربی میں تلخیص۔ • شرح خطبۂ حضرت فاطمۃ الزہرا (عربی) (قلمی) • عبقات الانوار فی مناقب ائمۃ الاطہار (فارسی) (الف) المناصب حدیث من ناصب علیا فقد کفر (قلمی) (ب) • الخیبر حدیث لاعطین الرایۃ غدا (قلمی)۔ • خطبات ومقالات عربی و اُردو سینکڑوں کی تعداد میں (قلمی)

• مسانید العصمۃ: ہر امام سے منقول احادیث اقوال اور خطبات کا عظیم مجموعہ، جس میں مسند الامام الصادق ۴۰ جلدوں میں مکمل و مرتب ہوا ہے

مَیں نے مسانید العصمۃ کا نسخۂ مصنّف دیکھا ہے۔ یہ کتاب، روایت، درایت جمع و تدوین حدیث کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ اِس سے سعید الملۃ مجلسی و سید رضی کی محنت و ذوق کے آئینہ دار نظر آتے ہیں۔ مختلف حواشی و افادات بھرپور کتب خانۂ ناصریہ لکھنؤ میں محفوظ و موجود ہے۔

(سرکار سعید الملت طاب ثراہ: شہید صفی پوری، طبع لکھنؤ ۱۹۶۷ء۔ • ارشاد، کراچی اکتوبر ۱۹۶۷ء و اکتوبر ۱۹۶۸ء۔ • سرفراز نصیر الملت نمبر، لکھنؤ اکتوبر ۱۹۶۷ء۔)

محمد سیادت امروہوی:

۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء
۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء

شمس العلوم، بدر الفنون، فاضلِ اجل، زبدۂ اخیار حاوی معقول و منقول جناب مولانا محمد سیادت بن حجۃ الاسلام مولانا محمد عبادت صاحب امروہہ محلہ شفاعت پوتہ میں (۱۲۱۱ھ) پیدا ہوئے۔ وطن میں اپنے والد اور دوسرے اساتذہ سے ابتدائی کتابیں پڑھ کر لکھنؤ گئے اور فقہ و اصول، منطق و فلسفہ، تفسیر و حدیث، عقائد و ادب، طب وغیرہ کی تحصیل و تکمیل کے بعد جناب علیین مکان مولانا سید حسین سے اجازہ لے کر وطن آئے اور خدمتِ دین کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ غضب کا حافظہ رکھتے تھے۔ حدِ حفظ یہ ہے کہ مرض الموت کا عالم تھا حکیم نثار علی سے گفتگو میں شرح اسباب کے کئی صفحات ازبر سنا کر کہا ۳۲ سال ہوئے کہ یہ پڑھا تھا۔ قانع و صابر پڑھانے کے شوقین تھے۔ اشرف المساجد کی تجدید تعمیر (بعد ۱۲۶۳ھ) میں حصہ لیا۔ دائم المرض تھے مگر فرائض پابندی سے ادا کرتے تھے۔

۱۲۶۵ھ میں رحلت کی اور مسجد جامع کی جنوبی دیوار کے نیچے دفن ہوئے۔

فرزند: • محمد عسکری (دیکھیے حالات) • محمد حسن (دیکھیے حالات)

تالیف: • جواب سوالات امام الدین امروہوی یہ رسالہ۔ سلیمن ڈپٹی کمشنر نے پڑھ کر بہت تعریف کی۔

(تواریخ واسطیہ ص ۲۹۱ و بے بہا ۱۶۲، نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۲۴۳)

محمد شبّر :
۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء
۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء

مولانا سید محمد شبر صاحب عالم و فقیہ صدر مدرس مدرسۂ ناصریہ جونپور دوشنبہ ۱۲ صفر ۱۳۰۸ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۶ شعبان ۱۳۵۶ھ کو راہی جنت ہوئے۔

محمد شریف نجفی :
حدود ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء

محمد شریف نجفی، دکن میں پیدا ہوئے۔ عہدِ جہانگیر میں حکومت کے منصبدار ہوئے، اور سرکاری حیثیت سے ۱۶۲۱ء / ۱۰۳۱ھ میں بادشاہ کے ساتھ قاسم خان کی قیادت میں گجرات، مالوہ، اجمیر، دہلی، آگرہ، پنجاب اور سندھ و کشمیر گئے تھے۔ ممکن ہے کہ ملا محمد شریف نے فقہ و حدیث پر کچھ کام کیا ہو بہرحال یہ معلوم ہے کہ انھوں نے سلاطین دکن و کشمیر و دہلی کی فارسی میں تاریخ لکھی تھی جس کا نام ہے :
"مجلس السلاطین" اسٹوری کے بقول سنۂ تالیف ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء ہے۔
(تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و سندھ ج ۴ ص ۵۰۳)

محمد شکوہ :
حدود ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

مولانا محمد حسین آزاد کے جدِ اعلیٰ مولانا یا اخوند محمد شکوہ ہمدان کے باشندے اور حضرت سلمان فارسی کی اولاد سے ایک نیک اور عالم بزرگ تھے جو شاہ عالم م ۱۲۲۱ھ کے عہد میں ہمدان سے دلی آئے۔ بادشاہ نے ان کی شایانِ شان پذیرائی کی اور ان کا وظیفہ مقرر کیا۔ آغا محمد باقر صاحب مرحوم ان کو مجتہد بتاتے تھے۔ محمد شکوہ کے فرزند مولانا محمد اشرف اور ان کے بیٹے مولانا محمد اکبر اور ان کے بیٹے مولانا محمد باقر صاحب سب علمِ دین کے ماہر اور فقہ و حدیث، تفسیر و تاریخ کے عالم تھے۔ ان کے مدرسے میں دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور عروج لکھنؤ سے پہلے یہ حضرات دہلی میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا محمد اکبر صاحب کے شاگردوں میں مولانا رجب علی شاہ ارسطو جاہ اور مولانا سید جعفر علی صاحب جارچوی کے نام بہت مشہور ہیں۔
۱۸۵۷ء نے ان کے گھر تباہ کر دیئے اور آغا محمد باقر صاحب نبیرۂ آزاد کے بقول اب ان علما کے نام و تاریخ جاننے والا کوئی نہیں۔ (نیز دیکھیے۔ آغا محمد باقر دہلوی و مولانا آزاد۔ محمد حسین)

• محمد صادق بن سلطان العلما، دیکھیے سید صادق۔

محمد شریعت، شیخ :

حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

العالم الکامل، فقیہ اصولی، مقدس و متورع مولانا شیخ محمد شریعت بن آیت اللہ شیخ فتح اللہ شریعت اصفہانی (م ۱۳۳۹ھ) عراق و ایران کے مسلم الثبوت عالم تھے، ایران وطن تھا، نجف و کربلا و سامرا میں تعلیم مکمل کی۔ آیۃ اللہ السید ابوالحسن اصفہانی و آیۃ اللہ شیخ ضیا عراقی اور ان کے معاصر علما سے اجازات درس خارج و روایت لیے

جناب شیخ فتح اللہ شریعت نے انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں حصّہ لیا تھا، صاحب سیف ہونے کے ساتھ وہ اعلیٰ درجے کے مدرس اور مصنف بھی تھے۔ فہرست مخطوطات الشیخ محمد رشتی در کتاب خانۂ آیۃ اللہ الحکیم کے فاضل مؤلف جناب سید احمد حسینی نے ان کی چند قلمی کتابوں کے نام لکھے ہیں :

(۱) إبانة المختار فی ارث الزوجة من ثمن العقار بعد الاخذ بالخيار

(۲) صيانة الابانه عن سمة الرطانه :

(۳) قاعدة ان الواحد لا يصدر عنه إلّا الواحد، مطبوعات ان کے علاوہ ہیں۔

شیخ محمد شریعت صاحب اپنے والد بزرگوار کے بعد نجف میں صاحب درس ہوئے۔ ان کی شادی فقیہ اعظم آیۃ اللہ ضیا عراقی کی صاحبزادی سے ہوئی اور موصوف تادیر نجف و کربلا میں رہے اور وہاں ایک نئے نظام تعلیم کی تحریک میں حصّہ لیا "منتدی النشر" قائم کرنے والوں میں آقای رضا المظفر و آقای نصر اللہ خلخالی و آقای محمد سعید کے ساتھ آقای شیخ محمد شریعت پیش پیش تھے۔ جس کے نتیجے میں "کلیۃ الفقہ نجف" کی تاسیس ہوئی۔ شیخ شریعت نجف میں ایک مدت قیام کے بعد ایران واپس آگئے۔ قیام پاکستان کے بعد آیۃ اللہ سید حسین بروجردی نے انھیں اپنا خصوصی نمایندہ بنا کر کراچی بھیج دیا۔ آقای بروجردی کے بعد آیۃ اللہ السید محسن حکیم (متوفی ۱۹۷۰ء) اور ان کے بعد آیۃ اللہ السید روح اللہ خمینی مدظلہ کے وکیل مطلق تھے۔

آقای محمد شریعت بڑے مقدس و متقی ہونے کے ساتھ بڑے باغ و بہار اور شگفتہ مزاج عالم تھے۔ طول عمر نے کمزور کر دیا تھا، آخر میں فالج ہو گیا۔ طویل مدت تک صاحب فراش رہنے کے بعد ۹، اپریل ۱۹۷۸ء / ۲۶، ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ کو کراچی میں رہگرائے آخرت ہوئے۔

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا الحاج شیخ محمد شریعت یوں تو کراچی میں رہتے تھے لیکن مشرقی و مغربی پاکستان کے تمام خطے میں شیعوں کی دینی سرگرمیوں سے باخبر اور بڑی حد تک ان کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ وہ مرجع اعظم کے نمایندۂ خاص ہونے کی وجہ سے شیعوں کے لیے تقویت کا باعث تھے۔

محمد صادق، قاضی:

۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۷ء
۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء

قاضی محمد صادق بن محمد لعل ہگلی بنگال کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۰۱ھ تاریخ ولادت اور "اختر" سے سنہ نکلتا ہے۔ آپ خاندانی عالم و قاضی تھے۔ وطن میں تعلیم حاصل کر کے لکھنؤ آئے اور قتیل سے بھی تلمذ کیا۔ رزیڈنٹ لکھنؤ کے میر منشی رہے۔ غازی الدین حیدر بہادر نے منصب ملک الشعرائی کے علاوہ ایک ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ پر محکمۂ تصنیف و تالیف کا سربراہ مقرر کر کے عزت افزائی کی۔ غازی الدین حیدر کے بعد انیس سال تک کان پور میں تحصیل دار رہے۔ واجد علی شاہ کا تخلص اختر تھا۔ اس لیے بادشاہ نے آپ سے بہت بڑی رقم دے کر تخلص خرید لیا تھا۔

قاضی محمد صادق صاحب جامع الکمالات شخص تھے۔ نیز نجات و تاریخ ولغت و ادب پر بڑی دسترس تھی۔ عالمانہ وضع اور درس و تدریس پسندیدہ مشغلہ تھا۔ عربی و فارسی میں نظم و نثر کا وقیع ذخیرہ اور اردو میں دیوان یادگار ہے۔ ایک قول کے مطابق ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء اور دوسری روایت کے بنا پر ۱۸۵۸ء/۱۲۷۵ھ کو اٹاوے میں رحلت کی۔

تصانیف:۔ محامد حیدریہ۔ عربی، مطبوعہ۔ بادشاہ کے فضائل ۔ آفتاب عالم تاب۔ تالیف ۱۲۶۹ھ فارسی کا ضخیم تذکرہ۔ ۔ لوامع النور فی وجوہ المنشور۔ ۔ بہار اقبال۔ ۔ مفید المستفید ۔ گلدستۂ محبت۔ ۔ صبح صادق۔ ۔ دیوان عربی، فارسی و اردو۔

(خوش معرکۂ زیبا ج ا۔ نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۲۱۸ ۔ ۔ ہنگامہ دل آشوب ۔ ۔ خم خانہ جاوید ج اول)

محمد صادق لکھنوی:

حدود ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

مولانا سید محمد صادق صاحب امین آباد ہائی اسکول لکھنؤ میں عربی کے استاد تھے۔ ملا فاضل یا مولوی فاضل کی سند رکھتے تھے۔ اہل علم و فضل میں شمار تھا۔ مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں۔ میں نے انھیں ۱۹۲۸ء کے بعد بھی دیکھا ہے۔

محمد صالح، میر:

۱۰۶۰ھ / ۱۶۴۹ء

میر محمد صالح اور میر محمد مومن کے والد میر عبداللہ عہد شاہجہانی کے مشہور خطاط تھے۔ علم و فقر و خطاطی ان کی شخصیت کے صفات روشن تھے۔ ۱۰۲۵ھ میں دنیا سے کوچ کر گئے۔

محمد صالح بھی علم و دانش سے آراستہ، فقر و قناعت سے وابستہ رہے۔ شاہجہان نے منصب عطا کیا تھا۔ قزوینی نے بادشاہ نامہ میں لکھا ہے :

" چوں دوستی اہل بیت را بیت القصید اعتقاد خود ساختہ اند چند شعر شعری شعار در مدح و منقبت دوازدہ برج ولایت پرداختہ، اعیان صوفیہ با ایشان آمیزش دارند" (نسخۂ خطی ورق 578-B، مملوکہ مولانا محمد شفیع)

کلمات علیؑ نامی کتاب ان کے ہاتھ کی مخطوطہ علی گڑھ میں محفوظ ہے۔

ملا محمد صالح نے ۱۲ شعبان ۱۰۶۰ھ/۱۶۴۹ء میں رحلت کی۔

میر صالح برفت از عالم (۱۰۶۰ھ)

مصرع تاریخ وفات ہے۔

آگرہ، نگر جواہر کے متصل اپنے پدر بزرگوار کے گنبد کے قریب مشرقی جانب چوکھنڈی کے نیچے آرام فرمایئں

تالیفات: ۔ مناقب مرتضوی ۔ ۔ مجموعہ راز ۔

ان کے بھائی میر محمد مومن تقریبا نوے سال کی عمر پاکر ۱۰۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ اور فرزند محمد حافظ نے ۱۱۰۰ھ میں وفات پائی (صالح لاہوری : شاہ جہان نامہ، ج ۳ ص ۴۲۳ ۔ ۔ تذکرہ مشاہیر اکبرآباد ص ۱۹۶، ۔ رسالہ خط و سواد شمولہ مقالات محمد شفیع ج ۱ ص ۲۱۱)

محمد طاہر بن ابوالحسن :

حدود ۱۲۹۵ھ / ۱۸۸۷ء
۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء

جناب سید ابوالحسن عرف بچھن صاحب ملاذ العلما کے بڑے صاحبزادے ملا سید محمد طاہر صاحب خاندان اجتہاد و آل غفران مآب کے فاضل و عالم زاہد و خلیق فرزند تھے۔ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مرکز علم حوزۂ علمیہ نجف تشریف لے گئے اور چھ سال تک فقہ و اصول اور علوم دینیہ کی انتہائی تعلیم حاصل کرکے جنوری ۱۹۱۶ء کو لکھنو واپس آئے لیکن دو سال کے بعد علیل رہ کر چالیس سال کی عمر میں راہی جنت ہوئے۔ ایک کم سن فرزند یادگار چھوڑا۔ نواب جعفر علی خان کا لکھا ہوا قطعۂ تاریخ وفات ہے۔

آں ابن ابوالحسن بملا مشہور / درعمر شباب بود این جا نافر

آخر یکم شہر جمادی الاولی / از دار فنا رفتہ محمد طاہر

محمد حسین صاحب نے تذکرۂ بے بہا میں تاریخ وفات میں دو تاریخیں نقل کی ہیں۔ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ روز دوشنبہ " " ۱۳ فروری ۱۹۱۸ء" حالانکہ قطعہ تاریخ میں یکم جمادی الاولی صراحۃً موجود ہے۔ تقویم

کی رو سے یکم جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ بمطابق سہ شنبہ ۱۲ فروری ہے۔ اس لیے ۱۲ فروری یکم جمادی الاولی ہی صحیح تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ (بے بہا ص ۲۰۴)

محمّد عادل، کان پوری: ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا ابن علی صاحب کے فرزند سید محمد عادل صاحب مدرسۂ ناظمیہ لکھنؤ کے فارغ التحصیل اور کان پور میں اپنے پدر بزرگوار کے منصب امامت جماعت پر فائز اور امور دینیہ کے نگران تھے۔ اچھے خطیب و واعظ تھے۔

موصوف کا انتقال ۱۹۷۳ء میں ہوا۔ (مولانا محمد محسن صاحب نبیرۂ نجم العلماء)

محمّد عادل، رضوی: ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء — ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

مولانا محمد عادل صاحب قبلہ ابن سید مولوی حاجی سخاوت حسین صاحب مرحوم (م ۱۹۳۷ء) یوپی بھارت کے ضلع فیض آباد میں بڑے گاؤں عرف مصطفےٰ آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد حاجی سخاوت حسین زمیندار تھے۔ کتابوں کا بہت اچھا کاروبار تھا۔ ۱۹۰۱ء سنہ ولادت ہے۔ لکھنؤ میں رہے، مولانا محمد باقر صاحب نے بسم اللہ کرائی۔ سلطان المدارس میں تعلیم پائی۔ ۱۹۲۲ء میں سندالافاضل اور ۱۹۲۵ء میں صدرالافاضل ہوئے۔

مدرسۂ سلطان المدارس کے علاوہ لکھنؤ یونیورسٹی سے دبیر کامل و کامل (فارسی) کے امتحان پاس کیے۔ مدرسے سے فراغت کے بعد مدرسے ہی میں مدرس جماعت پنجم مقرر ہوئے۔

استاذ علام، نفاست پسند، صاحب ذوق، سفید پوش، شاعر مزاج، خوش مزاج بزرگ تھے طلبا کو سفید پوشی و شعرگوئی کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ خود عربی، فارسی و اردو کے اچھے شاعر تھے۔

پاکستان کے قائم ہونے کے بعد اوکاڑہ پنجاب پھر جہلم میں خدمت دین کی۔ کراچی میں کچھ دن رہ کر عراق گئے اور وہاں سے اجازات وکالت لے کر دوبارہ کراچی پہنچے تو سر سید ڈگری کالج میں اسلامیات کے پروفیسر ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں عثمانیہ کالج میں لکچرار رہے۔ سترہ سال تک مسجد رضویہ میں امامت کی۔ دو مرتبہ حج اور اٹھارہ مرتبہ زیارات عتبات سے مشرف ہوئے۔

پنجشنبہ ۶ فروری ۱۹۷۵ء مطابق ۲۴ محرم ۱۳۹۵ھ کو کراچی میں رحلت کی۔

تالیفات: متعدد مضامین اور رسائل و منظومات۔ (ماخوذ از اشتہار مجلس چہلم) مارچ ۱۹۷۵ء کراچی۔

میر محمد عاقل : ۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء

میر محمد عاقل بن میر محمد صالح کشفی م ۱۰۶۰ھ آگرہ کے نیک خصلت اور بابرکت بزرگ تھے۔ آپ کے والد اور دادا کا مزار اب تک موجود ہے۔ والد کی کتاب "مناقب مرتضوی" کا فارسی متن اور اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ محمد عاقل شیعہ عرفا اور صوفی منش لوگوں میں تھے۔
سعید احمد مارہروی نے تذکرۂ مشاہیر اکبرآباد میں تاریخ وفات ۷، رجب ۱۰۸۸ھ اور یہ قطعہ بھی درج کیا ہے :

زہے مقتدائے جہاں میر عاقل — کہ موصوف بودہ بہ نیکو خصائل
خرد گفت سالِ وصالش بہ مظہر — بجنت بود مسکن میر عاقل

(بوستان اخبار ص ۱۹۹)

محمد عاقل : حدود ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

مولانا محمد عاقل صاحب، مولانا علی سجاد صاحب بنارسی کے شاگرد معتمد اور سلطان المدارس لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی اور مدرسۂ ایمانیہ بنارس میں مدرس مقرر ہوئے۔ زاہد و عابد وخطیب تھے بقول مولانا سعادت حسین صاحب ۱۹۳۹ء کے لگ بھگ وفات ہوئی۔ ان کے فرزند تھے۔ مولانا محمد حیدر (دیکھئے احوال)

محمد زکریا : حدود ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء — ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

مولانا سید محمد زکریا ابن مولانا الجلیل سید کاظم حسین صاحب قبلہ خاندان اجتہاد کے فاضل جوان تھے۔ مولانا کاظم حسین صاحب قبلہ پٹنہ میں معقولات کے پروفیسر تھے۔ ۱۹۴۴ء میں لکھنو آئے تو مولانا محمد زکریا صاحب سلطان المدارس کے درجہ سندالافاضل جماعت دوم میں داخل ہوئے۔ اس وقت میرے ساتھ مولانا محمد داؤد صاحب نونہروی۔ مولانا محمد باقر صاحب لکھنوی اور مولانا محمد عباس صاحب بہاری پڑھتے تھے۔ مولانا محمد زکریا صاحب نے ۱۹۴۸ء میں، صدرالافاضل کیا اور رجب ۱۳۶۹ھ میں والد کے سامنے رحلت فرمائی، رحمۃ اللہ علیہ۔

محمد سلیمان شاہ تیموری:

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء

محمد سلیمان، تیموری کی اولاد سے تھے، لکھنؤ میں آباد تھے۔ محمد سلیمان شاہ تیموری رسالۂ تحفۂ سلیمانیہ فی معرفۃ الالف والھمزہ، (عربی) کے مصنف ہیں، یہ رسالہ ۲۵ شوال ۱۳۰۶ھ کو مکمل ہوا، اثنا عشری پریس لکھنؤ نے بلا سنہ طباعت چھاپا، رسالہ کے سرورق کی عبارت ہے۔ "عالم باعمل، فاضل بےبدل الذکی المنوقد والیلعی المتفرد، بقیۂ اولاد سلاطین شاہ جہان تیموریہ شاہزادۂ عالی جاہ جناب مرزا محمد سلیمان شاہ صانہ اللہ والبقاہ۔" چودہ صفحے کے رسالہ پر مولانا علی نقی ابن مولانا مفتی دلدار حسین کی تقریظ اور چند مہریں ہیں۔

- معین المومنین، زبدۃ العلما سید علی نقی۔ • نجم العلما سید ہدایت حسین ۱۲۹۲ھ
- علی مع الحق والحق مع علی۔ • سید علی نقی • ملک العلما سید بندہ حسن بن سید محمد حسین

ممکن ہے مولانا علی نقی صاحب سے تلمذ رکھتے ہوں، چونکہ مطبوعہ رسالے میں انھیں مرحوم نہیں لکھا گیا اس لیے ۱۳۰۶ھ کے بعد انتقال ہوا ہوگا۔

محمّد عوض، جون پوری:

حدود ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء

ملا محمد عوض صاحب حضرت عباس علمدار کی اولاد سے تھے، ملا محمد عسکری کے شاگرد اور شیخ علی حزیں سے گہرے روابط رکھتے تھے۔ کتابیں ازبر تھیں، بلا کا حافظہ اور قیامت کا ذہن تھا۔ مجنوں ہوگئے تھے مگر علمی مباحثات نہ چھوڑے۔

۱۲۰۰ھ کے لگ بھگ رحلت کی اور محلہ سپاہ جون پور میں دفن ہوئے۔ مولوی فتح محمد (م ۱۲۴۰ھ) ان کے فرزند تھے (تکملہ نجوم السما۔ ج ۲۔ ص ۳۲)

محمّد عبادت، امروہوی:

حدود ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء
حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

مولانا سید محمد عبادت بن محمد نجابت محلہ شفاعت پوتہ امروہہ" ولادت پائی۔ ان کا خاندان عہد شاہجہان سے امروہے میں آباد ہے۔ مولانا محمد عبادت صاحب نے خاندان بلکہ امروہے میں علم فقہ و اجتہاد کی داغ بیل ڈالی۔ آپ نے وطن اور لکھنؤ میں علم دین حاصل کیا۔ غفران مآب سے اجازہ لیا۔

مولانا محمد عبادت صاحب نے امروہے میں مسجد بنوائی اور نماز جمعہ و جماعت اہتمام سے قائم کی۔ بکھ

یہ مسجد عتیقہ اور چھوٹی تھی جسے جناب حاجی اشرف علی صاحب عظیم آبادی نے ۱۲۳۴ھ میں دوبارہ بنوایا۔

مولانا محمد عبادت صاحب نے مسجد میں آباد رہ کر لوگوں کو دین کی تعلیم دی۔ اور ۱۰ شعبان ۱۲۷۵ھ / ۱۸۶۱ء ستمبر ۱۸۶۱ء کو وفات پائی (انوار قمر ص ۱۱۳)

مولانا محمد عبادت کے علم و عمل نے لوگوں پر بڑا اثر کیا۔ طلبا نے بکثرت فیض اٹھایا۔ علوم دین کے علاوہ اقلیدس میں دور دور تک مشہور تھے۔ اقلیدس میں ان کے استاد تھے۔ مولوی برکت صاحب حنفی

اولاد : ۰ مولانا سید محمد سیادت (دیکھئے احوال)

(تاریخ واسطیہ ۲۹۰۔ ۰ بے بہا ص ۲۱۶۔ ۰ نزہتہ ج ۷ ص ۴۵۰)

محمد عباس، مفتی : ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء — ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء

العلامۃ المطلق آیۃ اللہ مفتی سید محمد عباس بن سید علی اکبر جزائری شوشتری ہشب شنبہ ۷ ربیع الاول ۱۲۲۴ھ / ۱۸ مارچ ۱۸۰۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدّ اعلیٰ سید نعمت اللہ جزائری تھے۔ جن کی اولاد دکن اور لکھنؤ میں آباد ہوئی۔

مولانا مفتی محمد عباس برصغیر کے ان علما میں ہیں جن کی جامعیت کا کوئی کئی صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ حقیقت میں علّامہ تھے۔ ان کا ذہن متنوّع ان کے تالیفات ہمہ گیر ان کا کام بے حد وسیع ہے۔ خدا نے انھیں غیر معمولی قوتیں عطا کی تھیں۔ انھیں بچپنے ہی سے علم و عبادت کا شوق اور لہو و لعب سے نفرت تھی۔ انھوں نے فارسی اپنے والد بزرگوار سے پڑھی۔ فقہ و اصول و کلام و حدیث وغیرہ جناب سید حسین، سید العلما سے معقولات فرنگی محل کے مولوی عبد القدوس و عبد القوی صاحبان سے اٹھارہ سال کی عمر تک پڑھے اور قابل رشک صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔

بارہ سال کی عمر میں بنیاد اعتقاد (منظومہ مشہور) اور چودہ سال کی عمر میں مثنوی منّ و سلویٰ لکھنے والے شخص کی ذہانت، ذکاوت، قابلیت اور بلندیٔ فکر کی عظمت و قدرت کا آئینہ ہیں۔ عربی میں مہارت کا یہ عالم تھا۔ کہ طالب علمی میں ایک مرتبہ جناب سید العلما نے ناسازیٔ مزاج کی بنا پر حاضرین سے کہا کہ مومنین تشریف فرما ہیں کوئی صاحب موعظہ فرماویں۔ کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ جناب کے سامنے لب کشائی کرتا۔ حالانکہ ان میں بعض تلامذۂ جناب غفرانمآب بھی تھے۔ تیسری مرتبہ جب حکم ہوا تو مفتی صاحب نے اٹھ کر اجازت مانگی۔ منبر پر تشریف لے گئے اور چند لمحے خاموش رہنے اور سوچنے کے بعد وہ خطبہ انشا فرمایا کہ تمام افاضل حیران رہ گئے اور مسجد شور تحسین و درود سے گونج اٹھی۔ جب منبر سے اترے تو مولانا سید حسین صاحب نے گلے لگا لیا اور بے حد آفرین کہی۔ مولانا محمد عباس حاضر دماغی اور فطری صلاحیت کی بنا پر یوں تو اپنے ہر استاد کی

نظر میں معزز و محبوب تھے مگر خصوصیت کے ساتھ ملک کے سب سے بڑے عالم سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب اور سید العلما مولانا سید حسین صاحب انھیں فرزندوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور مفتی صاحب نے بھی اپنے استاد سے جس عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے۔ مجھے اس کی مثال نہیں ملتی۔

"اوراق الذھب" اور" دیوان رطب العرب" میں مفتی صاحب نے طالب علمی سے لے کر اپنی شخصیت کے عروج تک وہ مدح سرائی کی ہے کہ عقیدت کی گردن جھک جاتی ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے بھی تقرب کا یہ درجہ عطا کیا کہ امرا و سلاطین ہوں یا علما و اساطین ہر ایک کے خطا اور معاملے میں مفتی صاحب کو سامنے رکھا۔

مفتی صاحب نے تفسیر پر توجہ کی تو" روائح القرآن" لکھ دی۔ حدیث پر توجہ کی تو" منابر الاسلام" فقہ میں" شریعت غرّا" اور" حاشیۂ شرح لمعہ" غرض تمام علوم پر ضخیم اور مختصر کتابوں کا انبار لگا دیا۔ ان کتابوں میں جسے پڑھیے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے محمد عباس اسی فن سے رشتۂ تخصص رکھتے ہیں۔ بچپنے سے شاعری کی، لیکن تاریخ لکھنے بیٹھے تو خالص مورخ، استدلال کیا تو فقیہ مطلق، اصول پر لکھا تو ماہر فن، ہیئت میں لکھا تو اس کے محقق، موعظہ لکھا تو خوف وخشیت کی فضا قائم کردی۔

وہ زمانۂ طالب علمی ہی سے استاد کے کاتب اور نجی طور پر مصنف تھے۔ مدرسے میں مدرس، محفل میں ادیب تھے۔ مسجد میں عبادت گذار، گھر میں شب زندہ دار، کثیر المطالعہ کثیر الدرس، کثیر التصنیف اور وسیع تعلقات رکھنے والے تھے۔

انتہائی سادہ مزاج، حد سے زیادہ فقیر منش بے حد علم دوست اور طلبہ پرور، سخی اور فنا فی اللہ اور انسانیت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ مرزا محمد ہادی عزیز نے ان کی سوانح عمری" تجلیات" میں ان کی مکمل تصویر قلم بند کی ہے۔ یہ ضخیم سوانح بدقسمتی سے اس وقت میری دسترس میں نہیں ہے۔ ورنہ یہ باب بہت پھیلتا۔

میں نے جناب نجم العلما کے گھر میں دو تین الماریاں ایسی دیکھی ہیں جن میں مفتی صاحب قبلہ کے قلم کی تحریریں اور مسودے بھرے ہوئے تھے۔ ڈیڑھ سو سے زیادہ ان کی کتابیں چھپی ہوئی ہیں اور اس سے زیادہ غیر مطبوعہ

جناب سلطان العلما نے آپ کے فقہی تبحر کے پیش نظر مفتی لکھنؤ نامزد کر دیا۔ اور بادشاہ نے" تاج العلما افتخار الفضلا" کے لقب سے ملقب کیا۔ یہ واقعہ ۱۲۶۱ھ کا ہے۔ آپ نے قضاوت و افتا کے لیے ایک دستور و قانون قلم بند کیا جو اودھ کے تمام قاضیوں کو بھیجا گیا۔

اس زمانے میں وہ استاذ مدرسہ، قاضی شریعت اور علمی وسیاسی عزت واقبال کے مالک تھے۔ مگر لباس جو مل جاتا پہن لیتے۔ اچھا لباس وہ محتاج کو دے کر بے جوڑ اور بوسیدہ لباس زیب تن کرتے۔ کھانا جو مل جاتا

اسے بد مزہ کرکے نوش فرماتے اور بہت کم کھاتے۔ گھر کا سودا خود لاتے، نوکر چاکر سب ہی تھے مگر ان کا احترام کرتے اور ان کے بجائے خود کام کرتے۔

ہر ایک سے بے تکلف تھے، طبیعت مزاح پسند تھی مگر علمیت و وقار ہاتھ سے نہ جانے پاتا تھا۔ ظرافت و تاریخ گوئی و بذلہ سنجی میں ان کا جواب نہ تھا۔

امیر مینائی کہتے ہیں کہ مفتی صاحب قبلہ سے درس لیتا تھا۔ ایک دن جناب نے فرمایا کہ مولوی عبدالحی (فرنگی محل) کے پاس جاؤ اور بعد سلام کہنا کہ سنا ہے آپ بخاری کی شرح عینی حیدرآباد سے لائے ہیں۔ میں بھی مشتاق ہوں۔ میں مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور موقع دیکھ کر قبلہ و کعبہ کا پیغام عرض کیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا: "میں نے تو آج تک دیکھی بھی نہیں اور لاتا تو ضرور حاضر کرتا۔ اور نہ یہ کتاب حیدرآباد میں ہے۔ اگر آپ کوئی پتہ بتادیں تو معلوم کروں"۔ جناب مفتی صاحب سے یہ جواب عرض کیا تو فرمایا "واللہ مارأیت بعینی"

مفتی صاحب قبلہ نے ایک مکان کرایہ پر لیا، اس مکان میں آپ سے پہلے کوئی صوفی رہتے تھے۔ ایک روز کسی نے دق الباب کیا، مفتی صاحب باہر آئے۔ اجنبی آدمی نے شاہ صاحب کو پوچھا۔ مفتی صاحب نے فرمایا: "میں تو پروردگار کی درگاہ کا گدا ہوں، شاہ سے کچھ سروکار نہیں، تمہارا کیا مطلب ہے؟" اس نے ذرا حقارت سے کہا تم سے میرا کام پورا نہ ہوگا۔ جوانی کا زمانہ شوخی کے دن مفتی صاحب نے اصرار کیا تو اس نے کہا ایک بیمار کا علاج کرانا تھا۔ یہ سن کر جناب اندر گئے۔ قرآن مجید سے تفاؤل کیا تو آیت نکلی:

فاننبذت به مكاناقصيًّا فاجاءها المخاض الى جذع النخلة۔

باہر آئے اور اس شخص سے کہا۔ کوئی مریض تو نہیں ہے۔ بظاہر تمہاری زوجہ دردِ زہ میں مبتلا ہے شاید لڑکا پیدا ہوگا۔ اس نے ایک روپیہ نذر دیا جسے مفتی صاحب نے یہ کہہ کر واپس فرمادیا: بل انتم بهديتكم تفرحون[1]

خود مجھ سے جناب مفتی احمد علی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مردِ مومن و غریب نے جناب سے عرض کی کہ حضور قرآن مجید سے استخارہ فرمائیں نیت میں کرتا ہوں۔ جناب نے تفاؤل کیا۔ آیت نکلی۔

"ربّنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النّار" آپ نے فرمایا بظاہر آپ عقد فرمانا چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ یہ عقد مبارک ہوگا اور آپ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ وہ مردِ مومن حیران رہ گئے۔ عقد ہوا تو زوجہ ایسی پاکدامن اور معاشی زندگی کے لیے مفید ہوئیں کہ اپنے شوہر کو کاروبار پر آمادہ کیا۔ آٹھ دس آنے سے ٹوپیوں کا کام شروع کیا۔ دن بھر مزدوری کرتی تھیں اور شام کو مال تیار کرکے دیتیں۔ شوہر بازار میں جاکر بیچ ڈالتے۔ چند دنوں میں وہ اس قابل ہوگئے کہ زیارات کے لیے جاسکیں۔ چنانچہ دونوں کربلائے

[1] بلکہ

معلّےٰ پہنچے۔ کچھ مدت بعد شوہر نے انتقال کیا اور اسی زمین پر دفن ہوئے۔ جناب مفتی احمد علی صاحب نے فرمایا کہ ان معظمہ نے مجھ سے کہا کہ یہ رقم امانت رکھ لیں۔ ہر شب جمعہ ایک طالب علم کو میرے شوہر کی طرف سے کھانا کھلا دیا کریں اور جب میں مر جاؤں تو اس روپے سے جو باقی بچے میری تجہیز و تکفین فرمادیں۔ مدت بعد اس مرحومہ نے بھی رحلت کی۔ آج تک میں ان کے لیے فاتحہ پڑھتا ہوں۔

حضور ذہن، ارتجال، ادبی صنائع طبیعت ثانیہ تھی۔ ایک صاحب عیادت کے لیے حاضر ہوئے۔ طبیعت ناساز تھی اور آخری مرض تھا۔ آنے والے کی مزاج پرسی کی جواب میں فرمایا "اسہال کو دیکھیے اور اس حال کو ملاحظہ فرمائیے"۔

میاں منیر ہر سبہ گو شاعر کے ایک شاگرد تھے۔ میاں کثیر موصوف ایک دن مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنے شعر سنائے اور مقطع بھی عرض کیا، جناب مفتی صاحب نے مسکرا کر فرمایا، آپ کا تخلص آپ کے لیے تو خوب ہے مگر آپ کی اولاد کو لوگ ابنِ کثیر کہیں گے۔

ایک مرتبہ واجد علی شاہ کے مصاحب ذوالفقار الدولہ حاضرِ خدمت ہوئے اور اپنے نوحے پر اصلاح طلب کی۔ مفتی صاحب نے معذرت فرمائی لیکن نواب صاحب نے اصرار کیا آخر آپ نے شعر سننے شروع کیے۔ ایک شعر تھا:

شاہ جب مرنے چلے رن میں تو زینب نے کہا ۔ اک لحد پہلو میں ہو بھائی بہن کے واسطے

فرمایا: پہلا مصرع یوں ہوتا تو خوب تھا:

وقتِ رخصت شاہ سے زینب نہ اتنا کہہ سکیں

لکھنؤ میں فقہ کا بڑا چرچا تھا، اور استدلالی فقہ کے اس زورِ نشاط میں بڑے بڑے فقیہ مسندِ اجتہاد پر فائز تھے۔ اتفاق سے ان دنوں فقیہِ اعظم اور مجتہدِ اکبر حضرت شیخ محمد حسن اور حضرت سید علی طباطبائی عراق میں اس فن کے تاجدار تھے۔ ان کی کتابیں "جواہر الکلام" اور "شرح کبیر" فنِ استدلال و اجتہاد میں حرفِ آخر قرار پا چکی تھیں۔ لکھنؤ میں نجف کی ہزار سالہ روایتِ اجتہاد نہ تھی۔ یہاں کی فضا ابھی اتنی مضبوط نہ تھی اس لیے ان کا کام مقامی طور پر اہم ہونے کے باوجود نجف و قم میں وہ مقام حاصل نہ کر سکا۔ مفتی محمد عباس صاحب یہاں کے پہلے مجتہد ہیں۔ جن کی تالیفات نے عراق جائے بغیر عراقی دبستان اور قمی اسلوب پر "شریعتِ غرا" بیش کی اور اس میں اعلیٰ ادبی پیرائے کا اضافہ کیا۔ ہر مسئلے پر مخالف و موافق آرا و فتاویٰ پھر ہر فتوے پر کتاب و سنت و اصولِ فقہ سے استدلال کر کے اپنے مسلک کی تقویت اس قدر جامعیت کے ساتھ جن کے عام طالب علم اور خاص فقیہ دونوں صاد کریں۔ لطف بالائے لطف یہ ہے کہ ایک ایک فن میں متعدد کتابیں لکھیں اور ہر کتاب

معیاری ہے۔ وہ ہر فن و علم کے عظیم علماء سے روابط رکھتے تھے اور بڑے بڑے لوگ اُن سے محبت کرتے تھے۔ ان کی کتابوں میں ایسے مراسلات و منظومات موجود ہیں جو اِس بات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ہیئت و فلسفہ، تاریخ و مناظرہ، رجال و حدیث، کلام و عقائد انشاء و مراسلت، حساب و منطق میں بے شمار کتابیں، ہنگامۂ سنہ ستاون کی نذر ہو گئیں۔ مفتی صاحب ایک مدت تک آوارہ وطن رہے۔ وہ حکومتِ اودھ کے قاضی بھی تھے اور مدرسۂ سلطانیہ کے مدرس بھی، وہ شہر کے معزز رکن بھی تھے اور انگریز کے دشمن بھی۔ اس لیے انھیں لکھنؤ میں مشکلیں درپیش تھیں چنانچہ عظیم آباد، کلکتہ، کان پور، بنارس شہر بشہر پھرتے رہے مگر ہاتھ سے قلم نہ چھوٹا، جو کچھ ضایع ہوا تھا اس سے زیادہ دوبارہ لکھ لیا۔

مفتی صاحب آخر عمر میں لکھنؤ میں جم کر بیٹھے، انتہائی ضعیفی کے باوجود، درس و موعظہ، مراسلت و فتوے اور مرجعیت کے تمام فرائض بڑی تن دہی سے انجام دیتے رہے۔ قضارا ۲۸ر صفر کو ان کے جوان فرزند نے رحلت کی۔ اِس غم کی تاب نہ لا کر پانچ ماہ بعد ۲۵ر رجب ۱۳۰۶ھ مارچ ۱۸۸۹ء کو لکھنؤ میں رحلت فرمائی اور غفران مآب کے امام باڑے میں آسودۂ آغوش لحد ہوئے۔

جناب مفتی صاحب کے تلامذہ کی فہرست بہت طولانی ہے۔ ان میں سے زیادہ اہم بلکہ استاذ علام کے صحیح جانشین جناب نجم العلماء سید نجم الحسن صاحب ہوئے۔ نجم العلما شاگرد بھی تھے اور خویش بھی، حاملِ فضائل بھی تھے اور صاحبِ علم و ادب بھی انھوں نے جناب مفتی صاحب کے تصانیف کو محفوظ رکھا اور انھیں بڑے اہتمام سے شایع کرتے رہے۔

اولاد : • مفتی صاحب قبلہ کی اولاد ذکور • مولانا محمد وزیر صاحب۔ • مولانا نور الدین صاحب متوفی ۷ر جون ۱۹۱۲ء / ۱۳۳۲ھ • مولانا سید حسن صاحب متوفی ۱۲ر جون ۱۹۱۲ء / ۱۳۳۰ھ • نور العلما مولانا سید حسن (ولادت ۴ر رمضان ۱۲۷۶ھ وفات ۲۸ر صفر ۱۳۰۶ھ) • بڑے مفتی صاحب مولانا سید محمد علی صاحب (متوفی ۷ر جولائی ۱۹۴۱ء، جمادی الثانیہ ۱۳۶۰ھ) • چھوٹے مفتی صاحب مولانا سید احمد علی صاحب متوفی ۱۳۸۰ھ

تصانیف : فنِ تفسیر میں : • روائع القرآن (عربی، مطبوعہ موجود) • تفسیر سورۃ الرحمٰن (عربی، مخطوط)

• تفسیر سورۃ ق • تفسیر آیۃ سیتجنبها الاتقی (عربی مخطوط) انوارِ یوسفیہ (فارسی مخطوطہ)

• حواشی التفسیریہ۔ بے بہا میں ایک سو چھبیس تالیفات کے نام درج ہیں، لیکن ان کی تفصیل نہیں ہے۔ میں صرف ان کتابوں کے نام لکھتا ہوں جو میرے کتب خانے میں مطبوعہ موجود ہیں۔

• عربی، تعلیقۂ انیقہ حاشیہ شرح لمعہ۔ طبع لکھنؤ۔ • عربی، الشریعۃ الغرّا، (دو جلدیں طبع عظیم آباد)

• عربی منابر الاسلام (دو جلد، مو عظہ و حدیث، عربی ادب، طبع لکھنؤ ۱۳۱۱ھ) صفحۃ الماس عمل لاتماس لا الحصول ہے یا نہیں۔

- عربی، لسان الصباح، بیانِ طلوع آفتاب وقتِ نماز۔ • عربی، رطب العرب، دیوانِ اشعار، لکھنؤ مطبع
- عربی، الشعلۃ الجوالہ۔ بحث حرقِ قرآن۔ لکھنؤ۔ • عربی و فارسی، مثنوی المرصع، اجناس الجناس مصر، ۱۳۱۰ھ
- بیت الحزن، مثنوی فارسی۔ امروہہ ۱۳۱۰ھ۔ • آبِ زلال، عربی و فارسی۔ لکھنؤ ۱۲۵۲ھ • الموا عظ القرآنیہ
- فارسی، مثنوی نان و حلوئی۔ لکھنؤ۔ • فارسی، ریاحین الانشا (خطوطِ فارسی) لکھنؤ۔ • مواعظ نعمانیہ
- اُردو، مثنوی بنیادِ اعتقاد۔ لکھنؤ۔ • فارسی نصر المومنین، ردِّ یہود۔ لکھنؤ۔ • مواعظ حسنہ
- فارسی، یدِ بیضا۔ لکھنؤ۔ • عربی، ظلِ ممدود (مکاتیب علماءِ عرب و عجم) لکھنؤ۔ • معجزہ رابعہ

مفتی صاحب قبلہ کے چند شعر:

یامن لہ الذوق بالاشعار والخطب　　عباس بالھند کالحسان فی العرب

فی نظمہ حکم لم یبدہا قلم　　فی نثرہ کلم احلی من الضرب

دیوانہ رطب اغصانہ ادب　　اوراقہ ذھب یفضی الی العجب

الوجد من شعرہ، والشعر من فکرہ　　کالسکر من خمرہ والخمر من عنب

بل رب لفظ جری من غیر فکرتہ　　کالریح فی الروض تستغنی عن الطلب

الدھر یوحشنی والشعر یؤنسنی　　واللہ یحرسنی من شر کل غبی

(رطب العرب ص ۴۷)

پہلا قصیدہ ہے:

ھو اللہ لا یحصی علیہ ثناء　　ویعجز عن ادراکہ العرفاء

علیم حکیم صانع متقدس　　یصور فی الارحام کیف یشاء

غنی حمید لا یطاع لفاقۃ　　ونحن الی انعامہ الفقراء

الٰھی فخلص نیتی فیک حیث لا　　یکون مرادی سمعۃ وریاء

فکل رجاء لیس دونک خائب　　وما خاب للراجین منک رجاء

وکل مساء فیہ ذکرک نیر　　وکل صباح ما ذکرت مساء

تبارک من رب بدیع مصور　　تحیر فی افعالہ العقلاء

فمن صنعہ شم الجبال کانھا　　مسامیر ارض والسماء خباء

ومن صنعہ ھذی القنادیل علقت　　بھا فی جہات العالمین ضیاء

ومنھا الازاھیر الانیقۃ صبغت　　بالوان وشی ما علیہ خفاء

فیابی عقول الخلق عن حد وصفه | وعن واجب العرفان لیس اباء
دنا فی علو واصطفی من عباده | ملائکة عظمی هم السفراء
فانزلهم تنزی الی انبیاءه العظام وهم فی ارضه خلفاء
اجلهم شأنا واعلی مکانة | نبی ذراه فی العلو سماء
محمد المبعوث للناس رحمة | له کلما فی العالمین فداء
سراج منیر لیستضئ به الوری | ومن نوره فی الکائنات سناء
حبیب عدو الله من لا یحبه | طبیب به للعالمین شفاء
وصلی علیه الله من فوق عرشه | ومنه علیه فی الکتاب ثناء
فقال وما اتاکم فاعملوا به | وما عنه ینهاکم فعنه انتهاء
ولا ترفعوا اصواتکم فوق صوته | فیحبط اعمال الذین اساؤا
فادبهم رب السماء بوحیه | بما منه ببید وعزة وعلاء
واسری به لیلا الی العرش ناعلا | فوافاه من دون الحجاب نداء
وسبح لله الحصاة بکفه | وسال باعجاز الاصابع ماء
وکان کمثل العبد یاکل جالسا | علی الارض ما کانت له الخیلاء
وطوبی لقوم قد احبوا محمدا | وعترته طرا فهم سعداء
هم الدعوة الحسنی غطارفة الوری | وهم لعلوم المصطفی امناء
اذا سکتوا فلینطق الدهر سائلا | واذ نطقوا فلیسکت البلغاء
علیهم سلام الله ما ذهم الذی | وما انشدت فی مدحهم شعراء

ص ۲

ایک نثر کا نمونہ بھی دیکھتے چلیے :

" اما العدل فھو قوام الرعیة ، وملاک البریة ، ونظام للعالم وصلاح بنی آدم وروی عن النبی انه قال عدل ساعة خیر من عبادة سبعین سنة اقول فکان عین العدل ناظرة الی سبعین سنة فی عین العبادة وزیادة حروفه اشارة الی خیریته فانها نوع من الزیادہ ، ولا تقدح فی لطف ھذه النکتة خفاء الدلالة لان المدلول معلوم الارادة وقال علی علیه السلام ، للظالم من الرجل ثلاث علامات ، یظلم من فوقه بالمعصیة ، ومن دونه بالغلبة ویظاهر القوم الظلمة "

(منابالاسلام ج ۱ ص ۱۷۲)

(مفتی صاحب پر مبسوط کتاب ہے (تجلیات طبع نظامی پریس لکھنو) • نزہۃ الخواطر جلد ہشتم۔ • مصفی المقال فی مصنفی علم الرجال۔ • تذکرۂ بے بہا ص ۲۲۶، • غالب اور مفتی محمد عباس از مرتضیٰ حسین طبع نگار۔ ۱۹۵۱ء لکھنو۔ • بزم غالب: تکملۂ نجوم السماء ج ۲ ص ۳۳)

محمد عباس، شروانی:

۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء
۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء

شیخ عباس بن احمد بن محمد شروانی یمنی لکھنوی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کی ذریت سے تھے۔ یہ خاندان مدینے سے بغداد و ہمدان میں رہا۔ مرزا محمد ابراہیم خان ہمدانی، نادر شاہ درّانی کے وزیر بلازمت سے مستعفی ہو کر نجفِ اشرف میں مجاور ہو گئے۔ لیکن ان کے بیٹے مستوفی الملک مرزا محمد علی خان قہرِ نادری کا شکار ہوئے۔ ایک بھائی مرزا محمد حسن خان ترکِ وطن کر کے ہند آئے اور بنارس میں رہنے لگے۔

مستوفی الملک محمد علی خان کے ایک فرزند مرزا محمد تقی روپوشی کے عالم میں یمن پہنچے اور شیخ محمد شروانی کہلائے شیخ محمد یمن سے نجف آئے اور جناب سید مہدی طباطبائی کے درس میں فقہ و اصول کی تحصیل کی تعلیم سے فارغ ہو کر شیخ محمد اپنے چچا کے پاس بنارس آ گئے۔ شیخ محمد کی آمد کے کچھ دن بعد مرزا محمد حسن نے سفرِ آخرت کیا۔ اور شیخ محمد نے سفر لکھنو، یہاں آصف الدولہ (۱۲۱۲ھ) کی حکومت تھی۔ آصف الدولہ نے شیخ محمد کی پذیرائی کی لیکن شیخ محمد یمن جا کر حُدیدہ میں مقیم ہو گئے۔ شیخ محمد کے فرزند شیخ احمد کی ولادت یمن ہی میں ہوئی ان کے نانا سید محمد حیدر بغدادی تھے۔

شیخ احمد کسبِ کمال کے بعد یمن سے کلکتے پہنچے۔ حکام فرنگ نے مدرسۂ عالیہ میں عربی کی تدریس ان کے سپرد کی۔ شیخ احمد کلکتے سے قسمت آزمائی کے لیے لکھنو وارد ہوئے۔ لکھنو میں رکن الدولہ سید محمد اسمٰعیل خاں رضوی مرشدآبادی کی صاحبزادی سے عقد ہوا جن کے بطن سے محمد عباس پیدا ہوئے۔

محمد عباس کی تاریخِ ولادت ۲۲ شوال ۱۲۴۱ھ / ۳۰ مئی ۱۸۲۶ء ہے اور بنارس زادگاہ ہے اپنے والد اور میر خیرات علی خان مشتاق فیض آبادی سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ کچھ فنونِ سپہ گری سیکھے۔ اتنے میں (۱۹ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ) شیخ احمد صاحب نے رحلت کی، محمد عباس کو گھر چھوڑنا پڑا۔ گھومتے پھرتے دکن گئے۔ قسمت نے یاوری نہ کی، دہلی آئے، بہادر شاہ ظفر نے یمنی عرب، اور فاضل سپاہی کو ابوالفضل دوران، مرزا محمد عباس خان کا نام و لقب دیا۔ مگر دولت کہاں سے ملتی۔ بادشاہ خود فقیر تھے۔ اب محمد عباس نے بھوپال کا رُخ کیا۔ ۱۲۵۶ھ سے نواب جہانگیر محمد خان (نواب شاہ جہان بیگم کے والد) نے پذیرائی کی۔ ان کے بعد نواب قدسیہ بیگم کے نوکر رہے۔ تجارت کے تجربے بار بار کر چکے تھے۔ ۱۲۸۱ھ میں بھوپال ہی میں وکالت شروع کی۔

نواب شاہ جہاں بیگم نے عقد کیا اور نواب صدیق حسن صاحب نے ریاست کا نظم و نسق سنبھالا تو ۱۳۰۴ھ میں محکمہ تنظیمات شاہ جہانی (قانون و تاریخ نویسی) ان کے سپرد کی۔ نواب صدیق حسن خان متشدد محدث اور محمد عباس رفعت پابند مذہب شیعہ عالم مگر دونوں میں خوب نبھی۔

۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء بھوپال میں رحلت کی اور احمد آباد روڈ پر کربلا میں دفن ہوئے۔

شیخ محمد عباس، رفعت و سرور کے تخلص سے عربی، فارسی و اردو میں شعر کہتے تھے۔ انھوں نے عربی میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ در اصل وہ عربی کے بہت بڑے ادیب تھے۔ علم کلام و تاریخ سے کماحقہٗ واقف تھے۔ ایک بہت بڑے کتب خانے کے مالک تھے۔

اولاد: • ابوالقاسم محتشم • ابوالحسن محترم۔

تصانیف: • زینت الانشاء: طبع لکھنؤ، عربی خطوط و مراسلات کا وقیع مجموعہ۔ • گلدستۂ انشاء: ادباء ہند و ایران بنام محمد عباس۔ • نجم الثاقب: وہ خط جو علماء عرب نے شیخ احمد یمنی کو لکھے (عربی مطبوعہ)

• حمائل الادب: وہ خط جو عرب ادیبوں نے علامہ شیخ احمد کو لکھے۔ (مطبوعہ ہند و بیروت)

• روضۃ الصبی: وہ خطوط جو علماء ہند نے مولانا احمد کو لکھے (مطبوعہ)۔ • مراسلاتِ احمدی: خطوطِ فارسی علامہ یمنی (مطبوعہ)۔ • انسان الانسان۔ • تسر الناظرین۔ • سبحۃ العسجد۔ • قیصر نامہ، تاریخ سلاطین عثمانیہ طبع ۱۲۸۰ھ کانپور۔ • سلطان نامہ، عبدالعزیز سے عبدالحمید ثانی تک، بمبئی۔ • تزک افغانی، تاریخ افغانستان، مفید عام آگرہ۔ • تاج الاقبال کا فارسی ترجمہ، طبع آگرہ۔ • چارچمن، تاریخ دکن، مطبع جعفری لکھنؤ دوسرا ایڈیشن باضافہ محبوب السیر۔ • تاریخ آلِ امجاد۔ ائمہ اہلِ بیت کی تاریخ طبع دہلی۔ • تاریخ سیلون طبع دہلی اردو۔ • تاریخ اندلس۔ طبع دہلی اردو۔

• تاریخ دلچسپ۔ طبع دہلی۔ اردو۔ • تاریخ نفیس طبع دہلی۔ اردو۔ • تاریخ قلائد الجواہر طبع بمبئی۔ اسماعیلیوں کی تاریخ۔ • نقدِ رواں۔ بادشاہ کے باتصویر سکّے۔ بمبئی اور بھوپال۔

• گرامی نامہ تاریخ سلاطین تیموریہ۔ فارسی۔ • آئینِ بہلین، سنسکرت کی کتاب قانون کا فارسی ترجمہ طبع آگرہ۔ • آئینِ محبوب۔ قانون کی فارسی کتاب۔ • چشمۂ نوش: فارسی میں آداب و قوانینِ سلطنت، فارسی۔ اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ • داستانِ باستان، تاریخ مالوہ (فارسی)

• رواں افزا۔ • نشاط افزا۔ • نور دیدہ: تینوں کتابیں ادب و شعر و تذکرہ و انتخاب پر مشتمل ہیں اور طبع نہیں ہوئیں۔ • تبساسات القیاس (کذا) • ہمایوں نامہ۔ • انشاء فارسی: مجموعہ خطوط و مراسلات فارسی بنام ادباء ایران و ہند۔ • سرّ من رأی: علم جفر پر فارسی تالیف۔ • آرسی پارسی: فرہنگ فارسی

قدیم وعربی وترکی۔ • بہارِ گل۔ • ساغرِ مل۔ • گل نسرین۔ • لخلخۂ عبہری: لطائف وحکایاتِ شعراء اور احوال محمد عباس۔ • بچوں کے لیے منظوم افسانہ۔ • راز ازل مجموعۂ مقالات۔ • داستانِ شگرف اردو فسانۂ عجائب کا فارسی خالص میں ترجمہ۔ • گل صد برگ۔ سو فارسی خط جس میں عربی کلمات استعمال نہیں ہوئے۔ • راح روح۔ زرِ ناب۔ سرواو سرور۔ سلکِ گوہر۔ درِ نجف۔ پانچ فارسی مثنویاں۔ • منظومات رفعت فارسی قصائد واشعار۔ • مجربات عباسی، مجرب نسخے۔ • تابوتِ سکینہ، مجرب اور اد ووظائف۔ • خیر العمل، اصول وفروع مذہبِ شیعہ۔ • تقریر دل پذیر۔ • جواب شافی بیان کافی۔ • جواب باصواب مناظرہ وعلم کلام، طبع لودھیانہ۔ • دیوانِ رفعت۔

(جناب نادم سیتاپوری کے عطا کردہ کاغذات جس میں محمد عباس کی تحریریں بھی ہیں اور نادم صاحب کا نقل کردہ نسب نامہ۔ نیز روزنامہ ندیم بھوپال۔ ۱۹ فروری ۱۹۵۶ء۔ مصنفات رفعت از سید محمد یوسف فقیر تلامذۂ غالب ص ۱۲۵۔ غالب نام آدرم، نادم طبع لکھنؤ۔ تکملۂ نجوم السماء)

محمد عباس (پاراچنار)

حدود ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا محمد عباس صاحب، شلوزان پاراچنار کے عالم وفاضل جوان تھے۔ ایران وعراق میں تحصیل علوم دین کے بعد وطن آئے۔ نہایت خلیق، ملنسار، مہمان نواز، عابد ومتقی شخص تھے۔ مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ نے انھیں خوب دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مولانا محمد عباس صاحب شمس آباد ضلع فرخ آباد یوپی ہند میں رہنے لگے تھے اور وہیں جوانی میں رحلت کی۔ سالِ وفات صحیح معلوم نہیں مگر یہ واقعہ ۱۹۴۵ء کے لگ بھگ ہوا۔

محمد عباس، بلتستانی:

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۸۴ء

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء

مولانا حجۃ الاسلام آغا سید محمد عباس صاحب موسوی چھتروں (شگر، بلتستان) کے جلیل القدر عالم اور عظیم الشان مبلغ اسلام تھے۔ موصوف نے انتہائی تعلیم عراق سے حاصل کی، میں نے مولانا علی مدبر صاحب کراچی کے پاس ۱۲۹۲ھ کی تصویر دیکھی جس میں مولانا محمد عباس صاحب، سید محمد کشمیری کربلائی کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ تصویر میں مولانا عباس صاحب کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہے۔ اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو موصوف کی ولادت ۱۲۴۰ھ کے حدود میں ہوئی ہوگی۔

مولانا محمد عباس صاحب نے تبت خورد کرگل، لداخ کے علاقوں میں بڑی محنت اور جفاکشی سے

تبلیغ دین کی بدھوں اور غیر مسلم حضرات کو تعلیم اسلام سے سرفراز کر کے مسلمان کیا۔ نوربخشی اور گم کردہ راہ جاہل کوہ نشینوں کو تعلیمات محمدؐ و آلِ محمدؐ سے سربلند فرمایا۔ مولانا محمد عباس عالم و عامل، عارف و مدرس تھے موصوف نے حج کے لیے ہمالیہ کی پہاڑیوں اور کشمیر کی وادیوں سے نکل کر زمین مقدس تک سفر کر کے سعادتِ حج سے شرف حاصل کیا۔ مساجد تعمیر کیے، حسینیے آباد کیے۔ مدرسوں کی تاسیس فرمائی اور مدرسۂ قائمیہ اب تک ان کی یادگار ہے۔ سید محمد طٰہٰ اور علی آغا ان کے فرزند اور ان کے تقدس و تبلیغات کے وارث ہیں۔

سید محمد عباس کا مزار چھپتروں میں مرکز خاص و عام ہے۔
مراثی و قصائد کے علاوہ بعض غیر مطبوعہ تالیفات بھی ہیں:

محمد عسکری، جونپوری:

حدود ۱۱۱۷ھ / ۱۷۰۶ء
۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۷ء

مولانا سید محمد عسکری بن سید ضیاء الدین جون پوری مفتی ابوالبقا[1] کے خاندان سے تھے۔ جون پور میں ان کے علم کا سکہ چلتا تھا۔ سید غلام مصطفےٰ ابن میر علامہ محمد حفیظ کے جانشین مانے جاتے تھے۔ دونوں شخص فیض آباد میں ملے۔ قاضی سید غلام مرتضےٰ انھیں خلوت میں لے گئے اور دیر تک باتیں کر کے خوش خوش مجمع آئے اور کہنے لگے۔ اب تک مجھے موت کا تذکرہ برا معلوم ہوتا تھا۔ مگر خدا کا شکر آج میں نے بار امانت کا حامل پالیا۔ اب مجھے موت کی پروا نہیں۔ "مظہر الاحدیہ فی بیان انساب السادات الزیدیہ" کے مؤلف کہتے ہیں کہ مرحوم مولانا محمد عسکری۔ ملا عیوض اور شیخ علی حزیں کے معاصر تھے اور اپنے زمانے میں علم ظاہر و باطن میں بے مثل و بے نظیر تھے "مظہر الاحدیہ"، تالیف سید عبدالاحد، طبع مطبع کاظمی جون پور ۱۹۱۱ء/ ۱۳۳۲ھ، صفحہ ۸۰۔
غلام حسین طباطبائی نے انھیں سادات کرام و اعیان فوی الاحترام جون پور میں لکھا ہے اور اپنے تاثرات یوں قلم بند کیے ہیں:

بود آن سید ستودہ صفات	کردہ از علم خویش اخذ صفات
منطقش راز دار علم و حکم	در اشارات او شفا مدغم
طلعت او مطالع الانوار	متجلی غوامض اسرار

وہ علوم و فنون میں وحید زمانہ اور طلاقت و حسنِ بیان میں یگانہ تھے۔ کتب متداولہ کی رسمی تکمیل تو نہ کی تھی مگر مطالعے اور فطری ذہانت کی بنا پر معقولات و منقولات، فروع و اصول میں کامل تھے۔ ہر درجے کے

[1] ابوالبقا بن ملا محمد درویش جون پوری زیدی سید اور سادات مفتی محلہ کے جد اعلیٰ تھے۔ حکیم محمد مہدی صاحب تکملہ نجوم السماء جلد دوم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶۸ میں تجلی نور اور اپنی اطلاعات پر مبنی جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ تاریخی نقطہ نظر سے مفید ہے، ملاحظہ ہو۔ محمد درویش واسطی زیدی جون پوری نے شیخ الملک مبارک خیر محمدی اور استاذ الملک ملا محمد افضل سے کسب فیض کیا۔ انکی تاریخ وفات ۱۱ ذی الحجہ ۹۹۸ھ ہے۔
• مفتی سید ابوالبقا ابن درویش محمد اپنے والد سے معقولات و منقولات پڑھے پھر ملا محمد صاحب (دیوگامی شاگرد ملا عبدالرشید مؤلف رشیدیہ) سے سند کمال لی۔ حکومت دہلی نے قاضی مقرر کیا۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۰۴۰ھ روز جمعہ رحلت کی۔ • ملا محمد صادق بن مفتی ابوالبقا، معاصر اساتذہ اور اپنے والد سے پڑھنے کے بعد شہزادہ بہادر شاہ کے اتالیق و نگران معین کیے گئے، ممکن ہے بادشاہ کی تبدیلی عقائد میں ملا سعید اشرف کے ساتھ ملا صادق کا ہاتھ ہو۔ ملا جامی و ملا قطبی کے شرحوں پر باپ نے حاشیے لکھے تھے بیٹے نے شرح زنجانی و شرح مأۃ عامل لکھی۔ • ملا محمد باقی ابن ابوالبقا، شاگرد ملا محمود جون پوری کی ریاضی و حکمت شہرت تھی، آداب باقیہ شرح شریفیہ اور ابحاث باقیہ بر مناظرۂ رشیدیہ فارسی میں لکھی۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۰۸۶ھ میں رحلت کی۔
• مفتی سید مبارک بن ابوالبقا، جن کا نقش نگین تھا "مبارک را بقا از ذات باقی ست" الٰہ آباد میں تعلیم حاصل کی دہلی گئے اور سند افتاء لے کر مفتی جونپور کی حیثیت سے وطن آئے۔ جون پور کے مفتی محلے میں خانقاہ بنوائی جس کے دروازہ پر لکھوایا "المصطفیٰ مدینۃ العلم و علی بابہا" ۔ ۲۰ رمضان ۱۰۹۸ھ تاریخ وفات ہے۔ • ملا محمد حفیظ اپنے چچا مفتی سید مبارک کے شاگرد، صوفی آدمی تھے۔ عالمگیر نے دہلی بلایا۔ محمد حفیظ دہلی گئے لیکن سب کچھ چھوڑ کے دل توڑ کے وطن واپس آئے اور ۲۲ شوال ۱۱۲۶ھ میں رحلت کی۔ • مفتی روح اللہ ابن سید مبارک بھی عالم و فاضل تھے۔ • مولوی محمد راجی نبیرۂ ملا محمد حفیظ، فقہ و اصول کے عالم جلیل تھے۔ افقہ الفقہا کہلاتے تھے۔ درس و تدریس مشغلہ تھا۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۱۸۳ھ کو فوت ہوئے اور فیض آباد میں قبر بنی۔ • قاضی خوب اللہ نبیرۂ ملا محمد حفیظ کو ایک سو حدیثیں حفظ تھیں۔ الٰہ آباد میں قاضی تھے۔
نواب شجاع الدولہ الٰہ آباد آئے تو خوب اللہ سے ملاقات ہوئی، نواب صاحب نے پوچھا: نام نامی۔ جواب دیا۔ خوب اللہ۔ نواب نے پوچھا۔ خوب فارسی۔ اللہ عربی یہ ترکیب کیا ہوئی؟ جواب دیا، نام کے لیے معنے ہونا ضروری نہیں۔ شجاع الدولہ: قاضی ہو کر نام بے معنی؟ قاضی: جب نام رکھا گیا تھا۔ اس وقت میں قاضی نہ تھا۔ نواب نے ہنس کر معانقہ کیا۔
قاضی ثناء اللہ مفتی صاحب سے ملنے آئے۔ دونوں دوست محبت سے ملے۔ بات شروع ہوئی۔ نوکر حقہ لے آیا۔ مفتی صاحب حقہ سے شغل کرنے لگے۔ قاضی ثناء اللہ نے حقے کی مذمت شروع کر دی۔ مفتی صاحب نے برجستہ کہا۔

تنباکو اگرچہ ہست زیاں کار بسے ۔۔۔ زاد فائدہ ہیچ کہ ندیدہ است کسے
آخر بہ ازیں چہ خوب باشد کہ ترا ۔۔۔ خاموش کند زہر زہ گفتن نفسے

قاضی خوب اللہ کی تاریخ وفات ہے۔ ۱۴ شعبان ۱۱۰۰ھ۔ • مولوی محمد علی نبیرۂ ملا صادق۔ • قاضی خیر اللہ پسر کوچک مفتی سید مبارک۔ • قاضی حسن سعید بن محمد سعید بن مبارک۔
قاضی القضاۃ دہلی متوفی ۱۱۵۷ھ۔ نامور لوگ تھے۔
اس سے جون پور میں فقہ و علوم اسلام کا ایک سلسلہ روایت کی صورت اختیار کر جاتا ہے جس میں تشیع کے علامات بھی ہیں اور مناسبت بھی۔

طلبہ پڑھنے آتے اور مطمئن ہوکر جاتے تھے۔

غرور وتکبر، دکھاوا اور دعوائے فضل و اظہار فضیلت کو بُرا سمجھتے تھے۔ اشارے کنایے میں بھی کسی کو بُرا نہ کہتے تھے۔ غیبت کرنے والوں کو بڑی نرمی و خلق سے روک دیتے۔ ان کے اخلاق نے ایک عالم کو گرویدہ بنا رکھا تھا اور طلباء کو بہت بڑا حلقۂ درس بن گیا تھا۔

بقول طباطبائی، خود مولانا نے بیان کیا۔ شیخ صدر جہان عرف میاں زنگو سے اور مجھ سے ملاقات و رسم و راہ تھی۔ بڑے متعصب اور سخت مزاج آدمی تھے۔ ایک دن میں ان کے مکان میں فواتح میبذی لیے بیٹھا تھا۔ شیخ صاحب کو میرا شیعہ ہونا معلوم تھا۔ بیٹھے بیٹھے کہنے لگے آؤ آج ہم تم مناظرہ کرلیں۔ تاکہ سنی اور شیعہ میں مذہب حق معلوم ہوجائے۔ شیخ صاحب علم وفضل میں مجھ سے زیادہ تھے۔ میں نے ادب سے عذر کیا، مولانا کا اصرار بڑھنے لگا۔ آخر میں نے تعمیل حکم کی اور کہا۔ حضور والا۔ آیات و احادیث کی سند دی جائے گی تو معنی، تفسیر و تشریح میں اختلاف ضرور ہوگا۔

آیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، افضلیت حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؑ پر بحث کرلیں۔ اب آپ یہ فرمائیں کہ صفات و عبادات و مناجات میں سب سے اعلیٰ اور اشرف چیز کیا ہے؟ شیخ صاحب نے فرمایا۔ علم معرفت الٰہی۔ میں نے کہا۔ حضرت علیؑ کے خطبے، رسائل اور اقوال معرفت و توحید و صفات الٰہیہ میں آپ کے سامنے ہیں۔ اگر کسی اور کے ارشادات جناب کے علم میں ہوں تو مطلع فرمایئے! مولانا، دیر تک سر جھکائے سوچتے رہے پھر فرمایا: "العجز عن درك الادراك ادراك" فلاں کا قول ہے۔ حیف اب تک غفلت میں رہا۔ آپ کی صحبت کے فیض سے ہدایت ملی[1]۔ غلام حسین کے بقول ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور ۱۱۹۰ھ میں فوت ہوئے۔ مولوی عبدالحی نے ۲۸ ذی قعدہ اور سید عبدالاحد نے ۲۹ ذی قعدہ اور ایک شاعر نے یکم ذی حجہ تاریخ لکھی ہے۔ قطعات تاریخ سے مولانا کی شخصیت و علمیت و تاریخ پر بہت سے نکتے ملتے ہیں۔ اس لیے مظہر الاحدیہ سے نقل کرتا ہوں (از مولوی فخر الدین)

چوں مرد میر عسکری آں منبع علوم	از علیین علم نیک نگہ کن کہ نور رفت
تاریخ فوت وے زخرد خواستم بگفت	علامۂ امامیۂ جون پور رفت
نور مطلق سید السادات جلوہ گاہ حق	قطب قطب العارفین سید محمد عسکری
میر سید عسکری کو در علوم	فوقیت بر فاضلان وقت برد
غرۂ ذوالحجہ، یکشنبہ بشب	جاں بجاناں عاشقانہ سپرد

[1] سیر المتاخرین، طبع لکھنؤ، ج ۳ ص ۹۵۱۔

گفت تاریخ وفاتش قادری   آہ سید عسکری رفت مرد

تلامذہ : مولانا کی کوئی اولاد نہ تھی۔ طلبا کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں عبدالقادر ابن خیرالدین عماد و عبدالعلی کے علاوہ سب نام تاریخ کے حافظے سے محو ہو چکے ہیں۔

تالیف و تخلیق میں چند معمے ہیں جو صاحب سیر المتاخرین تکملۂ نجوم السماء نے نقل کیے ہیں۔

(غلام حسین طباطبائی، سیر المتاخرین ۳/۹۵۱۔ محمد حسین، بے بہا ص ۲۱۱۔ عبدالحی نزہۃ الخواطر ۶/۲۲۲، عبدالاحد، مظہر الاحدیہ تکملۂ نجوم السماء ۲/۱۷)

محمد عسکری، لکھنوی :

۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

سید محمد عسکری بن محمد شاہ بن محمد ... اپنے عہد کے ممتاز عالم تھے۔ مولانا سید مرتضی اور مولانا سید حسین صاحب سے فقہ و اصول، عقائد وغیرہ میں کمال حاصل کیا۔

۱۲۸۹ھ میں رحلت کی۔ تاریخ ہوئی۔

بجناں بقرب خدا رسید

(نزہۃ ج ۷ ص ۳۵۱)

محمد عسکری، امروہوی :

۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶ء
۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

جناب مولانا سید محمد عسکری بن حجۃ الاسلام مولانا سید محمد سجادت امروہوی حدود ۱۲۳۲ھ امروہے میں پیدا ہوئے۔ والد و جد بزرگوار عالم و عابد، فقیہ و معقولی تھے۔ مولانا محمد عسکری صاحب نے بھی وہی راستہ اختیار کیا۔ والد اور معاصر اساتذہ سے پڑھ کر لکھنو گئے۔ اور تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، طب و فلسفہ، ہیئت و ہندسہ و منطق میں کمال حاصل کر کے سلطان العلما و سید العلما سے اجازے لے کر وطن آئے۔ طب سے بیماروں اور فقہ سے مومنوں کی خدمت کی۔ والد اور دادا کی طرح مسجدوں کی تعمیر و آبادی کی سعی کی۔ ۱۲۸۲ھ دلدار حسین ... لکھنو سے بلوا کر قدیم مسجد کی توسیع میں مدد کی۔ یہ تعمیر پانچ سال میں مکمل ہوئی۔ پھر ۱۳۰۰ھ میں بہت مرمت جاری کی گئی۔ مسجد کے کتبے افضل العلما سید اولاد حسین صاحب کے قلم خورشید رقم کے ہیں۔

[illegible]ھ میں رحلت فرمائی۔

[illegible] سید حسین صاحب قبلہ (دیکھیے احوال)

(تواریخ واسطیہ ص ۲۹۵، بے بہا ص ۲۲۳)

محمد عسکری شاہ کشمیری: حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء — ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء

مولانا محمد عسکری شاہ صاحب لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد مؤقر اساتذہ سے معقولات و منقولات میں درجۂ کمال پایا۔ جناب تاج العلماء کے شاگرد رشید تھے۔

مولانا بہت زیادہ متقی تھے۔ جب گھر سے نکلتے۔ راستہ چلتے تو منہ پر پنکھے سے آڑ کر کے چلتے کہ نامحرم کی نظر نہ پڑے۔ صاحبِ نفسِ قدسی و جذبِ روحانی تھے۔ لکھنؤ سے عظیم آباد پٹنہ چلے گئے تھے اور وہاں اپنی روحانی قوت، اخلاقی کشش اور انسانی اوصاف کی وجہ سے ہندو مسلمان سب کو گرویدہ بنالیا تھا۔

۲۹ رجب ۱۳۲۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ شیعہ سنیوں نے مل کر جنازہ اٹھایا، ہندوؤں نے بھی غم کیا۔

محمد عسکری، امروہوی: ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء — ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء

جناب سید عابد حسین متوفی ۸ر جنوری ۱۹۲۳ء کے فرزند ابوالفاروق سید محمد عسکری ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ کو امروہے میں پیدا ہوئے۔

اردو فارسی عربی اور دینی تعلیم طرز قدیم کے مطابق حاصل کی اور ۹۲ سے ۱۸۹۹ء تک گورنمنٹ ہائی اسکول باندا، پھر کرائسٹ چرچ کان پور میں انگریزی پڑھی۔ عقائد کا مطالعہ شروع کیا اور کان پور کے عیسائیوں سے مباحثے کرنے لگے۔ اخبار نور افشاں لودھیانہ اور کانپور کوارٹرلی ریویو میں یہ خبر چھاپ دی گئی کہ محمد عسکری عیسائی ہو گئے۔ اس کی تردید میں "تحفۂ محمدیہ" لکھا۔ اور عیسائیوں کا تعاقب شروع کیا پھر آریوں سے بحث شروع کی۔ ادھر قادیانی تبلیغ نے زور پکڑ لیا اور دو کتابیں لکھیں۔ "القول المتین فی قطع الوتین" کچھ دنوں بعد "تحفۂ رحمانیہ" شائع کیا۔ ۱۹۰۵ء میں آپ بہرائچ میں پوسٹ آفس کے کلرک تھے۔ عبدالشکور صاحب مدیر النجم کے اشتعال و اختلاف انگیز مضامین کے جواب لکھے اور "القول الجزم فی انتشار النجم" و "آیۂ استخلاف واھل خلاف" لکھا۔

آریوں کے خلاف ۱۹۱۲ء کے مناظرہ میں مہاشہ ست دیوجی کی شکست کے بعد ابوالفاروق صاحب نے "دیانندمت کھنڈن سبھا" قائم کی جو بعد میں "انجمن اشاعت الاسلام" کے نام سے بہت مشہور ہوئی۔ محمد عسکری صاحب نے آریوں سے مناظروں اور "اشاعت الاسلام" کے ذریعے شیعہ سنی اتحاد میں بے مثال کامیابی حاصل کی۔

۱۹۱۸ء میں مسوری پہاڑ پر مرزائی مبلغین سے پھر معرکۃ الآراء مناظرہ کیا اور مولانا محمد ہارون صاحب قبلہ سے

دو زبردست کتابیں لکھوائیں۔ السیف الیمانی علی المسیح القادیانی ۔ اور " الطال التناسخ " ادھر امروہہ میں محمود احمد عباسی نے شیعہ سنی اتحاد کو ختم کر دیا اور اختلافات بڑھ گئے۔ محمد عسکری صاحب نے اس وقت تین رسالے لکھے۔ " دافع البهتان والتقیۃ فی الاسلام ۔ اور " نیاز نامہ " اسی طرح خود شیعوں کے اختلافات ختم کرنے کی سعی کی اور رسالۂ " رقیمۃ الوداد الی مدبر الاتحاد " قلم بند کیا۔

۱۹۳۲ء میں محمود احمد عباسی نے ایک دل آزار کتاب لکھ کر پھر بد مزگی بڑھائی جس کے جواب میں، " سُرمۂ چشم عباسی، آفتابِ صداقت " لکھ کر بحث کو ختم کیا۔

۱۹۳۵ء کے بعد مؤید العلوم مدرسۃ الواعظین لکھنؤ سے آپ کی ایک کتاب چھپی " القول الجمیل فی التوراۃ والانجیل " جس میں موجودہ توریت و انجیل کی تحریف ثابت کی ہے۔

محمد عسکری صاحب کثیر العیال، نحیف و نزار، ملازم سرکار ڈپٹی پوسٹ ماسٹر ہوتے ہوئے یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اور طویل عمر پاکر، ۲۷ فروری ۱۹۶۲ء، ۲۰ یا ۲۱ رمضان ۱۳۸۱ھ کو فوت ہوئے۔ (انجمن جبلی)

محمد علی، مشہدی:

حدود ۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء

جناب محمد علی مشہدی سکندر لودھی کے زمانے میں مشہد مقدس سے واردِ ہند ہوئے۔ دہلی میں سکونت اختیار کی۔ علم کے ساتھ زہد و ورع میں کمال تھا۔ لوگ آپ کے گرویدہ و پرستار ہو گئے۔ قطب مینا دہلی دروازۂ علائی کے قریب ان کا مقبرہ موجود ہے۔ محمد علی کو غالباً اُس زمانے میں " امام علی مشہدی " کہتے تھے اور مقبرے کو مدت دراز سے " درگاہِ امام ضامن " کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علی اصغر حکمت سفیر ایران در ہند اس عمارت کا حال یوں لکھتے ہیں:

" در جنبِ منار قطب الدین ایبک نزدیک دروازۂ بزرگ علائی مقبرۂ ای موجود است متعلق بیکی از سادات شیعہ بنام امام محمد علی مشہدی "،

" این مقبرہ کہ بدرگاہ امام ضامن معروفست و ہمچنین " سید حسینی پای منار " نیز باوی گویند، اکنوں در کمالِ ظرافت موجود است۔ صاحبِ قبر در زمان سکندر شاہ لودھی از مشہدِ مقدس بہندوستان آمدہ و در دہلی اقامت اختیار کردہ است۔ مقبرۂ او در حجرۂ مربع بسیار ظریفی ست کہ بامر خود او در حیاتِ او از سنگِ مرمر ساختمان شدہ و بعداً در آنجا مدفون گردیدہ است بسال ۹۴۴ ہجری و بر سر در ورود آں این کتیبہ بفارسی منقوشست:

بسم اللہ الرحمن الرحیم وظیفۂ حمد و دعائی کہ مجاوران حظیرۂ قدس و ساکنانِ روضۂ امن بآں قیام نماید (کذا) نثار خداوندی کہ مقربان درگاہ او دنیا و آخرت را خدای راہ نمودہ اند و نقد جان و دل بیکر

آب وگل را سرف بارگاہ اوذ مودہ ۔ ددرود وافرہ وتحیات متکاثرہ بمشہد معطر وحظیرۂ منور شفیع روز محشر و آل و اصحاب اطہار او واصل ومتواصل باد وفی موقع ۔ مرب الخیرات ومسبر البریات ؛ توفیق ازلی رفیق حضرت ہدایت مرتبت محمد محمدت، علی صفوت، حسنی عشیرت، حسینی نسبت، عمدۂ سادات عظام، خلاصۂ القیامی کرام، عالی ؛ حیلۂ ترک وموسیٰ تجرید، کوہ عزلت وتفرید، المؤید من عند اللہ الغنی قطب الملۃ والطریقۃ سید حسنی الحسینی گردانید تا این بقعۂ شریف ومنزل لطیف را احداث نمود و وصیت فرمودہ کہ چوں مدت حیاتش کہ بذیل قیامت پیوند باد بسر آید وتشریف او خلوھا بسلام آمنین مشرف گردیدہ بسوی حظیرۂ قدس وروضۂ انس پرواز نماید مقبرۂ فایض الانوار آں حضرت ایں بقعۂ نامدار باشد وکان اتمام ھذہ البقعۃ فی شہور سنۃ اربع واربعین وتسعمائۃ" ۹۴۴ھ (علی اصغر حکمت ، نقش پارسی بر احجار ہند ص ۵۶ ، آثار الصنادید ص ۶۷)

محمد علی، مرشد آبادی، دکنی:

۱۱۱۷ھ / ۱۷۰۵ء

حدود ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء

"سید الاجل، علامۃ الوریٰ، الحبر اللوذعی، کاشف السرائر والرموز الازلی، سید محمد علی مد ظلہ اللہ تعالیٰ ظلال افضالہ علینا وعلی جمیع المومنین بلطفہ الجلی" یہ القاب غلام حسین طباطبائی نے سیر المتاخرین میں لکھے ہیں جن سے مولانا کے اثر و شہرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

خاندان : مولانا کے والد و اجداد کا سلسلہ یوں ہے :

میر عبداللہ بن میر ابراہیم ۔ اور جد مادری میر محمد شفیع ، میر عبداللہ صاحب زیدی حسینی یزدی نے یزد سے اورنگ آباد دکن ہجرت کی ۔ ان کی زوجہ میر محمد شفیع کی بیٹی تھیں۔

ولادت : مولانا محمد علی صاحب کی ولادت اورنگ آباد میں ہوئی۔ پنجشنبہ، دوسری رمضان ۱۱۱۷ھ آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔

تعلیم و تربیت : علمی گھرانے اور اونچے ماحول میں ہوش سنبھالا، رسم کے مطابق قرآن مجید و ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ حافظہ قیامت کا اور ذہن دراک تھا۔ الفیہ کے پچاس ساٹھ شعر پڑھے تھے کہ مشکلات صرف و نحو پڑھنے اور سمجھنے سمجھانے لگے۔ سترہ اٹھارہ سال کے سن میں بزرگان خاندان کے ساتھ ۲/۱۱۳۱ھ میں عازم عتبات عالیات ہوئے۔ بیس برس تک عراق و فارس میں تمام اکابر سے ملے اور بڑے بڑے شہروں میں تحصیل علم کی۔

وہ اساتذہ جن سے تلمذ کیا یہ ہیں :

• عالم ربانی حاجی اسماعیل خاتون آبادی ۔ • مولانا حاجی عبداللہ ہندی ۔ • میر محمد تقی مشہدی ۔ • ملا محمد صادق [illegible] ۔ • میر محمد [illegible] ۔ • ملا محمد [illegible] مجلسی ۔ • ملا محمد علی قاینی ۔ • میر محمد طاہر خاتون آبادی ۔ • میر معصوم

خاتون آبادی وغیرہم۔

اصفہان پہنچے تو بیس سال کے تھے۔ قابلیت کا یہ عالم کہ شفا و اشارات و علوم منقولہ کا مطالعہ کرتے اور متداول کتابیں پڑھاتے اور اکابر علما کے درسِ عالی میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے شیوخ روایت میں میر محمد تقی مشہدی میر محمد حسین و میر زین العابدین نبیرہ علامہ مجلسی رحمہم اللہ کے نام سرِ فہرست ہیں۔ عرفان و روحانیت، اسرار قرآن و رموزِ حدیث کے استاد تھے۔ (شیراز میں) حاجی نصیر، اصفہان میں میر تقی مشہدی فلسفہ و کلام ملا محمد صادق اردستانی۔

سندھ میں قیام: ایران سے حج کے لیے عزم کیا۔ جہاز چلا لیکن طوفان میں پھنس گیا اور بادِ مخالف نے سندھ پہنچا دیا۔ مولانا چند ماہ تک سندھ میں ٹھہرے پھر وہاں سے احمد آباد و سورت میں آرام و قیام کرتے، اورنگ آباد پہنچے وہاں ناظم دکن، ناصر جنگ نے روکا لیکن حالات کی ابتری نے دل نہ لگنے دیا۔ حیدر آباد آئے وہاں سے سیکاکول کے راستے بنگالے میں اترے۔ خواجہ محمد حامد مکی نے ہوگلی میں روک لیا۔ کچھ عرصے بعد شاہجہان آباد کی نیت سے روانہ ہوئے۔ راستے میں سیف خان برادر عمدۃ الملک امیر خان نے پورنیہ میں مہمان رکھا۔ پھر عظیم آباد وہاں سے لکھنؤ گئے لیکن روہیلوں کی جنگ سے وہ علاقہ تہہ و بالا تھا۔ اس لیے ہیبت جنگ کی درخواست قبول کی اور عظیم آباد کا رُخ کیا۔ ہیبت جنگ نے امراء و حکام بھیج کر استقبال کیا اور مولانا کی دل دہی و خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ ہیبت جنگ کے بعد مہابت جنگ کے پاس گئے اور نواب مہابت جنگ نے آپ کی خدمت کو سعادت جانا۔

سفرِ حج۔ ۱۱۶۰ھ میں آپ مرشد آباد سے حج کے لیے سمندری راستے سے روانہ حجاز ہوئے اور چار سال میں اطمینان کامل کے ساتھ دیرینہ تمنا پوری کر کے طوافِ کعبہ و حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہو کر مرشد آباد آئے یہاں سراج الدولہ کی حکمرانی اور سیاسی بحران تھا لیکن حاجی احمد خان کے نواسے حسن رضا خان نے خدمت گذاری کی، لب دریا مکان لیا۔ اس میں مولانا کو ٹھہرایا اور اتنی دل دہی کی کہ مولانا نے مستقل قیام فرما لیا۔ شب و روز مطالعہ درس، تصنیف و تالیف اور دینی خدمات میں منہمک رہتے تھے۔ لیکن مسجد و منبر و مدرسہ کی پابندی سے گریزاں اور امرا کی صحبت سے اجتناب پسند تھا۔

ایران میں عقد کیا تھا لیکن چند سال بعد ہی زوجہ کا انتقال ہو گیا پھر عقد نہ کیا، پرہیز گاری و تقدس کی بنا پر صاحب کرامت تھے۔ آپ کی متعدد کرامتوں میں ایک کرامت یہ ہے کہ نادر شاہ کے دوسری مرتبہ قندھار کے قریب سے نور محمد خان لمی رئیس ولایت ٹھٹھہ کی تنبیہہ کے واسطے ہندوستان میں آیا اور رئیس مذکور نہایت اقتدار سے قلعہ بند تھا قلعہ کے اسی کوس تک چاروں طرف نہ آبادی تھی نہ پانی، زکریا خان اور اس کا فرزند شاہنواز

خان استقبال کو آئے ۔ بادشاہ کا ارادہ معلوم کرکے کہا کہ قلعہ کے چاروں طرف اسی کوس تک پانی نہیں تو لشکر کا قیام مناسب نہیں ۔ جواب دیا کہ اگر لٹی آسمان پر جائے تو پاؤں پکڑ کر اور زمین میں جائے تو سر کے بال پکڑ کر لاؤں گا اور قتل کروں گا ۔ شاہ نواز خان کو مع تھوڑی سی فوج کے ساتھ لیا ۔ شام کو کوچ کرکے دوپہر کو پہنچے ۔ نادرشاہ نے شاہنواز خان سے فرمایا کہ اے فرزند پانی بھی مل سکتا ہے ۔ شاہنواز خان نے عرض کیا کہ حضور میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ سوائے قلعہ کے ممکن نہیں یہ کہہ کر پانی کے واسطے چند سواروں کے ساتھ قلعے کی طرف چلے ۔ فوج شاہی کے آتے ہی قلعہ امرکوٹ سے الامان کی فریاد بلند ہوئی ۔ شاہنواز خان نے لٹی سے کہا کہ تیری عمر و دولت کا اسی پر مدار ہے کہ تو بادشاہ کی اطاعت کرلے اس نے مان لیا ۔ شاہنواز خان اس کو موافق طریق ولایت کے تیغ و کفن کے ساتھ لائے اور نادرشاہ کی خدمت میں حاضر کیا ۔ نور محمد خان زمین پر بیٹھ گیا اور زمین ادب کو بوسہ دے کر معذرت کی ۔ نادرشاہ نے بھی معاف کردیا ۔ ایک رات وہاں قیام کیا اور دوسرے دن اسی طور سے کہ جیسے گیا تھا مع لٹی کے واپس ہوا ۔ بعد انتظام معاملات کے ایک روز نور محمد خان کو تنہائی میں بلایا اور فرمایا کہ یہ تیرا قلعہ اور سامان اور سکونت اور پھر جلد اطاعت کرلینا کیا بات ہے ۔ سچ بیان کرنا ورنہ سزا پاؤگے ۔ اس نے کہا کہ میرے یہاں ایک بزرگ رہتے ہیں ۔ میں ان کا بہت معتقد ہوں ۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ جو حکم شاہِ ایران دیں وہی کرنا ورنہ باعث ذلت کا ہوگا ۔ میں نے کہا کہ میرے یہاں سامانِ جنگ ہے ۔ فوج شاہی بھی جاندار ہے ۔ رسد کا ملنا اس کو ممکن نہیں ۔ انہوں نے فرمایا اقبال نادری کو نہیں جانتا ۔ اگر تمام دنیا کی فوج اور پہاڑ و دریا اور خشکی کی افواج جمع ہوں تو کامیاب نہیں ہوسکتیں ۔ اس وجہ سے میں نے بھی اطاعت کرلی ۔ نادرشاہ بھی مشتاقِ زیارت ہوا اور کہا کہ ہم سے بھی ملاقات کراؤ اس نے کہا کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا ۔ نادرشاہ نے کہا کہ تم میرا سلام کہو اور میں عہد کرتا ہوں کہ ان کے احترام میں ذرہ برابر کمی نہ ہوگی تم اپنے ساتھ لاؤ اور وہ نہ آئیں تو یہ پوچھو کہ میری موت کیونکر ہوگی جو کہیں آکر خبر کرو ۔ لٹی مذکور حاضرِ خدمت ہوا اور جو حکم تھا بجالایا اور واپس ہوکر نادرشاہ کو پیغام سنایا کہ " فرمایا ہے نہ کسی جنگ میں قتل ہوگے اور نہ بیمار پڑوگے بلکہ اپنے خیمے میں اپنے نوکروں کے ہاتھ سے مارے جاؤگے " ۔ نادرشاہ کے قتل سے تین سال پہلے یہ خبر ناقل سے سید فاضل مرحوم نے بیان فرمائی تھی ۔ اور ایسا ہی ہوا ۔ (سیر المتاخرین ج ۲ ص ۶۱۹)

۳ ربیع الاوّل ۱۱۶۹ھ شب سہ شنبہ کو نواب شہامت جنگ نے رحلت کی تو مولانا میر محمد علی نے نمازِ جنازہ پڑھائی تھی ۔ (سیر المتاخرین ج ۲ ص ۵۹۷)

معلوم ہوتا ہے کہ طویل عمر پاکر ۱۱۹۵ھ کے بعد رحلت کی ۔ بعد وفات بھی آپ کی عظمت کے چرچے رہے ، چنانچہ ۱۲۲۴ھ میں مؤلف جہاں نمانے آپ کا ذکر علماء جہانگیر نگر میں کیا تھا ۔ مؤلف سیر المتاخرین آپ کے معاصر

اور ارادتمند تھے۔ ۱۱۹۴ھ میں مرشد میں ان کا ہونا مذکور ہے گویا ۱۱۹۴ھ کے بعد رحلت کی ہے۔

تصانیف: • مجالی البھیہ۔ فضائل پنجتن میں (عربی) • حواشی شرح مفاتیح ملا محسن کاشی فقہ عربی • تصحیح و اصلاح و اضافہ اخوان الصفا و خلان الوفا • شرح کافیہ۔ فارسی نامکمل۔

(سیر المتاخرین ج ۲ ص ۶۱۶ تا ۶۲۰ • بے بہا ص ۳۱۸ بعد نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۳۵)

مرزا محمد علی دانا ابن محمد سعید اشرف:

حدود ۱۲۰۰ھ / ۱۸۸۵ء

ملا مرزا محمد علی بن محمد سعید اشرف بن ملا صالح مازندرانی کے فرزند، دانا تخلص تھا۔ عالم و فاضل و شاعر تھے مرشد آباد میں رحلت کی۔ اولاد باقی ہے۔ (بے بہا ۳۱۲ • نزہۃ ج ۶ ص ۳۳۶ مآثر الکرام)

مرزا محمد علی، لکھنوی:

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۵ء

مولانا محمد علی فقہ و اصول کے عالم اور جناب غفران مآب کے شاگرد تھے۔ لکھنؤ میں تعلیم سے فارغ ہو کر عراق اور وہاں سے مکہ و مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ (نزہۃ ج ۷، ص ۴۵۷)

مرزا محمد علی، لکھنوی:

۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء

مولانا محمد علی بن جواد علی علوم منطق و فلسفہ کے مشہور استاد تھے۔ علوم دین میں ان کے استاد جناب سید العلما سید حسین تھے۔ حدیث میں سید العلما کے علاوہ مولانا سید محمد صاحب سے بھی اجازہ حاصل تھا۔ واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتے گئے۔ ۲۷ شعبان ۱۲۸۷ھ کلکتہ میں وفات پائی۔ (نزہۃ ج ۷، ص ۴۵۱)

محمد علی، قائمۃ الدین:

حدود ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء

۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

جناب مولانا مرزا محمد علی صاحب قبلہ کشمیری، لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ محلہ گولہ گنج میں سکونت رہی ابتدائی تعلیم کے بعد جناب سید العلما سید حسین صاحب قبلہ علیین مکان، جناب سید صفدر شاہ صاحب مرحوم مفتی ظہور اللہ اور مولوی ولی اللہ کے خاص شاگرد ہوئے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ میں مسلم حیثیت کے مالک تھے۔ درس و تدریس میں انہماک تھا۔ حضرت واجد علی شاہ مرحوم جب کلکتہ گئے تو آپ بحیثیت مجتہد کلکتہ گئے۔ دربار سے آپ کا خطاب "قوام الدین والایمان" تھا۔

بڑے متقی، عبادت گذار، فلسفی، فقیہ اور سخی تھے۔ واجد علی شاہ مرحوم آپ کی اقتدا میں نماز پڑھ کر

بہت خوش ہوتے تھے۔ کلکتہ میں تقریباً قاضی و مفتی کی حیثیت رکھتے تھے۔ عوام و خواص کے مقدمات فیصل کرنے میں کسی قسم کی رعایت نہ کرتے تھے۔ کلکتہ کے شاہی حرموں میں سے بعض متوعہ بیگمات نے کچھ لڑکوں کو متبنیٰ کر لیا تھا، پھر جناب قائمۃ الدین (مشہور لقب) سے ان کی شرعی حیثیت کے بارے میں سوال کیا۔ مولانا نے قطعی محرومیت کا فیصلہ کیا، لیکن محلاتی سازشں نے اس پر بے اطمینانی کا اظہار کیا اور لکھنو کے علماء سے رجوع کی۔ وہ حضرات یہ سمجھے کہ یہ واقعتاً شہزادے ہیں اس لیے سفارش کردی۔ کلکتہ میں ہنگامہ ہوگیا مگر جناب قائمۃ الدین نے اپنا مؤقف نہ بدلا۔ اتفاق سے غلام حسنین صاحب کنتوری وہاں موجود تھے۔ انھوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ علماء لکھنو صورتِ حال سے واقف نہیں لہذا ان حضرات نے واقعی شہزادے سمجھ کر یہ لکھ دیا ہے۔ چنانچہ بادشاہ اور متعلقین نے جناب سے معذرت فرمائی۔

مٹیا برج کلکتہ میں انتقال فرمایا تاریخ وفات ۸ شوال ۱۲۸۹ھ ہے (تکملۂ نجوم السماء ج ۲ ص ۲۹۸)

اولاد : • مرزا محمد تقی صاحب قبلہ واجد علی شاہ مرحوم نے معیار العلما خطاب دیا تھا، جناب سراج العلما قائمۃ الدین کے پوتے تھے۔

تلامذہ : آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت طولانی ہے۔ ان میں سے چند نام یہ ہیں :

• مولوی سید علی حسین صاحب زنگی پوری۔ • مولوی سید زکی حسن صاحب زنگی پوری۔ • جناب اکلیل العلما محمد محسن صاحب زنگی پوری۔ • مولوی حبیب حیدر صاحب کنتوری۔ • مولوی علی حیدر صاحب لکھنوی
• مولوی سید شمشاد حسین صاحب زید پوری۔ (سبیکہ بے بہا ۲۵۲، رضاکار لاہور ۶ ر مارچ ۱۹۵۷ء)

محمد علی حسن، شمس :

۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶ء
۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء

آغا علی شمس جن کا اصل نام سید محمد علی حسن صاحب، خراسانی الاصل تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ کمسنی میں ماں اور باپ نے رحلت کی، کندن لال اشکی نے گیارہ سالہ یتیم پر شفقت کا ہاتھ رکھا، ہونہار بچے نے متداول علوم حاصل کرنے کے لیے، سبحان علی خان کمبوہ، اوحد الدین بلگرامی، مولوی فضل حق خیر آبادی، سلامت اللہ کشفی، قاضی محمد صادق اختر اور مفتی محمد عباس صاحب اور مرزا دبیر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ وہ خوش خطی میں کندن لال اشکی کے شاگرد تھے اور محمد علی شاہ بادشاہ اودھ نے "رنگین رقم" "مشکیں رقم" اور خان بہادر کا خطاب دیا تھا۔ راجہ کندن لال کے بعد نواب محمد تقی صاحب نے دستگیری کی۔ شمس عربی، فارسی و اردو کے ادیب و شاعر تھے۔ وہ صرف و نحو کے ماہر ہونے کی بنا پر لکھنؤ کے امراء و علما کے بچوں کو درس دیا کرتے تھے۔ معقولات و ادب بھی اعلیٰ درجے کے اساتذہ سے پڑھے تھے۔ اس لیے باحیثیت صاحبِ علم

وادب مانے جاتے تھے۔ آخر میں ہائی کورٹ کی وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔

شمس صاحب کی اور بہت سی نظموں میں سب سے اہم تین ہزار اشعار عربی کا وہ قصیدہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقعۂ کربلا تک کے واقعات نظم ہیں۔ اس قصیدے کا مطلع ہے۔

• لك الحمد یارب البناء المشید ۝ ورب الرواسی والبساط الممهد

مولوی محمد علی حسن نے ۱۳۱۲ھ میں رحلت کی۔

اولاد: مولوی غلام جبار صاحب جو ہائی کورٹ حیدرآباد دکن میں وکالت کرتے تھے۔ مولوی غلام جبار کے فرزند عزیز الحسن بھی بڑے عابد و پارسا تھے۔

تصانیف: • قلائد الفرائد۔ طبع لکھنو ۱۳۱۶ھ تین ہزار اشعار کا قصیدہ • سبعۂ سیارہ۔ طبع لکھنو سات منظوم درود مع ترجمہ آغاز میں اصول کافی وغیرہ سے سات حدیثیں اور ان کا ترجمہ۔ مترجم کا نام محمد محسن ہے۔

• مثنوی طلعۃ الشمس مطبوعہ۔ • شمشیر تبریز (بحث لغت مطبوعہ)

(ہنگامۂ دل پُر آشوب۔ • خم خانۂ جاوید۔ • دبستان دبیر۔)

~~محمد علی جبل رمری~~ (جبلی)

~~کے ایک فاضل~~ محمد علی دکن

حدود ۱۱۵۵ھ / ~~۱۷۴۲~~ ۱۷۴۲ء

~~مازندران کے ایک کوہستانی قصبے جبل رمر کے علما میں تھے۔ عبداللہ قطب شاہ کی سلطنت اور محمد بن خاتون کی پیشوائی کا دور تھا، موصوف کی ایک کتاب مجمع الامثال کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ اس کتاب میں ۲۸ فصول الف بائی ترتیب سے ہیں۔ ہر لغت میں پہلے آیت پھر حدیث اور ایک حکایت درج ہے۔~~

~~جملہ اوراق ۱۵۱ صفحہ ۱۹ سطر کا ہے~~ طبع علمیہ ایران۔

محمد علی بن صادق:

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء

حکیم مرزا محمد علی بن میرزا صادق بن مہدی کشمیری ۱۳ رجب ۱۲۶۰ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ علمی ماحول میں پرورش پائی اور سید العلما و سلطان العلما مولانا سید محمد صاحب قبلہ سے تفسیر و حدیث و فقہ اور معقولات اور مولانا حامد حسین صاحب قبلہ سے فقہ و عقائد اور راجہ امداد علی خان صاحب سے فلسفہ و طب اور مفتی محمد عباس صاحب قبلہ سے ادب عربی کی تکمیل کے بعد درس و تدریس و مطب و تصنیف و تالیف کی خدمت انجام دی۔ لکھنؤ میں ۱۳۰۹ھ کو راہی جناں ہوئے اور حسینیہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔

اولاد: محدث و مفسر و شاعر محمد مہدی م ۱۳۲۰ھ مرزا محمد ہادی عزیز م ۱۳۵۴ھ

تصانیف: • نجوم السماء طبع لکھنو ۱۳۰۳ھ و قم ایران • زعفران زار • خطی • روضۃ الازہار • مجمع الفوائد • (تجلیات • مصفی المقال • مقدمہ نجوم السماء طبع جدید قم ایران)

میر محمد علی :

حدود ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء
۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء

پٹیالہ کے ایک عالم معقولات و منقولات بزرگ جو وزیر الدولہ میر محمد حسن صاحب اور منشیر الدولہ خان بہادر محمد حسین صاحب آف پٹیالہ کے شاگرد اور ریاست پٹیالہ کے معزز صاحب منصب تھے۔ بہت ظریف الطبع اور حاضر جواب تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد انھیں قاموس الظرافت اس لیے کہتے تھے کہ وہ ظرافت کے طور پر خود تراشیدہ لغات بہت استعمال کرتے تھے۔ خلیفہ محمد حسین متین نے قطعۂ تاریخ لکھا:

ماہر انشا گری، میر محمد علی — کز قلمش یافتہ کار دفاتر نظام
آنکہ بجد و علا، دولت پٹیالہ را — بودہ بہر منصبے داد گر نیک نام
چوں ز دیار فنا جانب ملک بقا — نزد علیؑ و نبیؐ رفتہ بصد احترام
گفتہ متین حزیں سال رحیلش چنیں — میر محمد علی کردہ بہ جنت مقام

۱۳۱۷

(ادبی دنیا، لاہور دورۂ پنجم، شمارہ ...)

محمد علی، لکھنوی :

حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

مولانا سید محمد علی صاحب لکھنو علیین مکاں کے شاگرد اور صاحب اجتہاد تھے جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ اور جناب میر آغا صاحب کے ہمدرس، آپ کے فرزند سید حیدر علی صاحب بھی مجتہد تھے۔

(بے بہا: ۳۵۰)

محمد علی حیدر آبادی طبسی :

۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء
۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

علامہ محمد علی بن صفر علی بیگ قریۂ طبس میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی پھر عراق گئے۔ اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔ آپ آیۃ اللہ شیخ مرتضیٰ کے شاگرد رشید تھے۔ فراغت تعلیم کے بعد حج سے مشرف ہوئے۔ آپ مدت تک بمبئی اور بنگین پلی میں رہ کر حیدر آباد گئے اور کوٹلہ عالی جاہ میں منزل گزیں ہوگئے۔

آپ کی جلالت علمی، تقویٰ، استغنا اور اخلاق عالیہ اور سادگی کی سنی بھی بڑی عزت کرتے تھے۔

لوگ آپ کی کرامات وکشف کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ جانماز صبح کے وقت صاف بچھائی جاتی تھی لیکن جب بھی سائل آتا اسی جا نماز کے نیچے سے نکال کر رقم دیتے تھے۔ امرا وعوام سے بے نیاز تھے۔ تمباکو کا کاروبار تھا اور اسی سے گذر بسر کرتے تھے۔

ایک مرتبہ نواب مختار الملک سر سالار جنگ اوّل وزیر دکن کی والدہ نے کسی مسئلے کے لیے طلب فرمایا۔ آپ نے انکار فرمایا۔ جب اصرار ہوا تو فرمایا "میں یہاں کا رہنے والا نہیں ہوں اگر مجھ پر سختی کی جائے گی تو حیدر آباد چھوڑ دوں گا۔"

عبدالحی لکھتے ہیں کہ نواب مختار الملک سو روپے اور نواب امداد جنگ تین سو روپے ماہانہ نذر کرتے تھے محمد حسین کے بقول تخمیناً بچھتر سال کی عمر میں وفات پائی تاریخ ذی حجہ ۱۳۲۰ھ ہے۔

تلامذہ: چند نام: • مولوی حسینی میاں صاحب بانی عبادت خانہ محلہ دارالشفا • مولوی صادق علی • مولوی حیدر علی مدرس مدرسۂ عالیہ۔ • مولوی کاظم علی استاد نواب شہامت جنگ۔ • مولوی مرزا حیدر بیگ بیگن بلی مدرس مدرسہ سرکار نظام۔ • مولوی سید احمد اللہ۔ • مولوی حسنو میاں معقولی۔ • خود آپ کے فرزند مولانا علی نقی صاحب۔

تصانیف: • تبیان المسائل۔ • مجمع المسائل۔ • ھدایت المومنین طبع ۱۲۸۹ھ۔ • رسالہ طہارت۔ • منظومۂ فقہ۔ • مفاتیح الاصول، اصولِ فقہ۔ • انوار الابصار۔ • اثبات النبوۃ۔ • تفسیر آیۂ نور وغیرہ۔ (بے بہا ص ۳۵۰۔ نزہۃ ج ۸ ص ۴۴۴)

محمد علی، مہاجر کربلا:

۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء
۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء

جناب مولانا سید محمد علی صاحب قبلہ عالم باعمل مقدس و مدرس تھے۔ وطن (غالباً جونپور) سے ہجرت کر کے کربلائے معلیٰ چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ ڈپٹی سید محمد ہاشم صاحب رئیس اعظم شہر جونپور نے یہ تاریخ وفات نظم فرمائی۔

الاماں از کجروی آسمان	حیف از جور و تعدی زماں
نامہ از کربلا قاصد رساند	عالم دیندار و ہمہ عالم نماند
مولوی سید محمد با علیؑ	چوں بخواب نام او گردد جلی
متقی و زاہد و پرہیزگار	اہل دین و عابد و شب زندہ دار
عمر او ہفتاد و شش اندر حساب	دائماً مائل سوئے کار ثواب

بست و سہ سالش بارضِ کربلا | شد بسر در ورع و زہد و اتقا
شغلِ او تدریس دینیات بود | طبعِ او حلِ غوامض مے نمود
سیزدہ از ماہ شعبان بود آں | مبتلا گشتہ بفالج ناگہاں
نیمۂ شعبان و بعد نصف شب | چوں رسیدش از خدا حکم طلب
بر قدم گلبانگ زد زین تیرِ خاک | شد رواں روحش بسوئے خلد پاک
پہلوئے ذوالقدر دوم یافت جا | در رواقِ خامسِ آلِ عبا
بہرِ سالِ فوت او طبعِ سلیم | گفت بادا مضجعہ دار النعیم

(۱۳۲۲ھ، بے بہا ص ۳۸۱)

محمد علی مدّاح، آغا:

۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء
حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء

آغا محمد علی مدّاح ابن آغا معصوم رشتی حسنو میاں فلسفی کے شاگردِ خاص، حیدرآباد دکن اور لکھنؤ سے تحصیل علم کر کے حیدرآباد دکن (ہند) میں رہنے لگے وہاں کے لوگوں میں تدریس و تبلیغ کی۔ ۱۳۵۰ھ کے قریب وفات پائی۔

تصانیف: • افضل الصرف۔ • صراطِ مستقیم۔ • ایقاظ الغافلین۔

(تذکرہ بے بہا، درضمن احوال حسنو میاں ص ۱۴۲)

مفتی محمد علی، مجتہد:

۱۲۹۸ھ / ۱۸۷۹ء
۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

حجۃ الاسلام مولانا مفتی سید محمد علی بن مفتی سید محمد عباس صاحب جزائری شوستری لکھنو میں بڑے مفتی صاحب کہلاتے ... اور عربی ادب کے امام مانے جاتے تھے۔ آپ ۱۳ رجب ۱۲۹۸ھ محلہ نوب دروازہ لکھنو میں پیدا ہوئے۔ شفیق، عالمِ جلیل باپ کے دامنِ علم وفقہ و ادب کے سائے میں ہوش سنبھالا، ابتدائی مراحل میں تھے کہ ۲۵ رجب ۱۳۰۶ھ کو یتیم ہو گئے۔ بڑی بہن اور والدہ نے نگہداشت کی اور بڑے بہنوئی جناب نجم الملت نے مدرسۂ ناظمیہ میں داخل کر لیا۔

۱۳۱۳ھ یا ۱۴ تک مدرسے میں اور مولانا جعفر حسین صاحب، مولانا پیارے مرزا صاحب مولانا محمد مہدی صاحب ادیب سے صرف و نحو و ادب و معقولات کا درس لیا۔ شعر و ادب کا ذوق میراث میں ملا تھا چنانچہ ۱۵، ۱۶ برس کی عمر میں عربی منظومات و قصائد لکھنے لگے۔ یہ قصائد معاصر رسالو

اور مدرسۃ ناظمیہ کی سالانہ رپورٹوں میں چھپ چکے ہیں۔

۱۳۲۵ھ میں نجف کے دارالعلوم کے لیے روانہ ہوئے۔ کربلا، سامرہ اور نجف میں اساطین علم و دین سے فقہ و اصول، حدیث و تفسیر وغیرہ کے درس لیے۔ آیۃ اللہ سید کاظم خراسانی، آیۃ اللہ سید کاظم یزدی، آیۃ اللہ عبدالھادی، شیخ محمد حسین، سید محمد باقر، شیخ علی مازندرانی، سید کاظم طباطبائی یزدی، شیخ ضیاء عراقی اور آقای سید حسین جیسے بزرگان دین و علم سے اجازے لیے۔

آپ نجف میں آقای حکمی اور فاضل ہندی کہے جاتے اور اساتذہ و طلباء میں عزت و وقار کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ قیام نجف ہی کے دوران علم اصول پر ایک رسالہ عربی میں لکھا۔ جس سے استدلال و فقاہت و اجتہاد کی قوت معلوم ہوئی۔

ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ میں لکھنؤ پلٹے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جید طلبا و ادباء و شعراء آپ سے رجوع کرنے لگے۔ کچھ عرصے تک بلہرہ میں امامت جمعہ و جماعت بھی کی آخر میں شیعہ عربی کالج میں استادِ ادب کی حیثیت سے مقرر ہو گئے۔ دیوان ابوتمام و سید رضی، امالی ابوعلی قالی، الکامل للمبرد، العمدہ، ابن رشیق اور نہج البلاغہ جیسی اہم کتابیں پڑھاتے اور لغت و ادب میں تحقیق و تدقیق فرماتے رہے۔

آپ برجستہ شعر لکھنے چلے جاتے تھے۔ عربی، فارسی، اردو پر یکساں عبور تھا۔ تاریخ گوئی کھیل تھا۔ بلا کا حافظہ اور قیامت کا ذہن تھا۔

بڑے بڑے علما کو آپ سے تلمذ پر ناز ہے۔

آخر ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ یعنی آج سے پورے ۳۲ برس پہلے محلہ پاٹا نالا لکھنؤ میں رحلت فرمائی۔

تالیفات: مفتی صاحب قبلہ نے عربی و فارسی و اُردو اشعار کا ایک دفتر چھوڑا اس کے علاوہ دینی و ادبی کتب پر حواشی لکھے۔ بعض رسائل و کتب کی تالیف بھی کی مگر کوئی چیز شائع نہ ہو سکی۔

اولاد: • مولانا سید طیب آغا صاحب جو عراق ہجرت کر گئے اور نجف میں رہے پھر قم آ گئے۔ پڑھنے پڑھانے میں مصروف ہیں۔ • مولانا طاہر آغا صاحب چھوٹے فرزند تھے۔ ممتاز الافاضل عین شباب میں جاں بحق ہوئے اور لکھنؤ ہی میں سپرد لحد ہوئے۔

محمد علی، دہلوی

حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء

مولانا شیخ محمد علی صاحب کشمیری الاصل برہمن خاندان سے تعلق تھا۔ ان کے والد مسلمان ہوئے بیٹے

نے مولوی فاضل، منشی فاضل، ملا فاضل پاس کیا اور علم دین سیکھا۔ ۱۹۲۰ء کے بعد دہلی اینگلو عربک اسکول میں مدرس مقرر ہوئے اور دہلی میں پیش نماز تھے۔ آپ نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ و حواشی لکھے ہیں جو اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ مولانا نے سونی پت میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ قیام پاکستان کے وقت اہل سونی پت سے چھ ہزار روپیہ کا چندہ جمع کیا اور اہل رسول پور کے تباہ حال خاندانوں کی امداد کے لیے روانہ ہوئے۔ دہلی سے ۲۲ میل دور بلب گڑھ ضلع گوڑگانوے تک پہنچے تھے کہ کسی نے آپ کو شہید کر کے روپیہ چھین لیا۔ یہ واقعہ ۱۹۴۷ء کا ہے۔ (مولانا محمد علی کے تعزدیکھے احوال مقبول احمد) (مکتوب میر کرمی محمد صاحب)

محمد علی خان، میر عمدو:

۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

جناب سید محمد علی خان عرف میر عمدو مظفر پور (بہار) کے نامور رئیس، عالم و فاضل، مقدس و خطیب بزرگ تھے، علی محمد شاد (متوفی ۱۳۲۵ھ) نے ان کی وفات پر جو قطعۂ تاریخ کہا ہے اس سے موصوف کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔

دادریغا کہ در حجاب لحد	شد محمد علی ما پنہاں
سید و خان و انجب و اشرف	المخاطب بہ میر عمدو خاں
عابد و ذاکر و رئیس و امیر	علماء را مطیع و مرتبہ داں
فرد واحد بہ ہیئت و حساب	پیش اشکال ہندسی آساں
انکسار از جبیں دے پیدا	معدن خلق و صاحب ایماں
صرف و نحو عرب ورا از بر	با خبر از لغات و معنی آں
آشنائے زبان افرنجی	اعتنائے نداشت گرچہ بداں
مرجع اہل شہر بعد پدر	بمراتب بزرگ در اخواں
در مصائب کتابہا بنوشت	کرد بر ذاکراں بسے احساں
ہم حرف و حکایتش شب و روز	منحصر بر حدیث و بر قرآں
داشت تاریخ فوت کل احباب	تہہ تذکار خیر او بہ زباں
بہر غفران ہر یکی داعی	سیما در لیالی از دل و جاں
خالی در قصبۂ مظفر پور	نیست چوں او محافظ ایماں
شاد از مرگ او، دلم رنجور	برلبم آہ و دیدہ ام گریاں

داد مارا نوید چوں کردم　　حال او را سوال از رضوان
گفت تاریخ رحلتش بامن　　با محمد علی بباغ جناں
(۱۳۱۹ھ)

تصانیف: مندرجہ قطعۂ تاریخ سے جہاں سید محمد علی کی شب بیداری و تہجد گذاری کا علم ہوا وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ موصوف نے چند کتابیں بھی لکھی تھیں۔ • مجالس و مواعظ پرنام معلوم نہیں • تذکرہ دوفیات، تفصیل نامعلوم۔

(شاد کی کہانی شاد کی زبانی ص ۱۳۷)

محمد عمر خان (صولت رامپوری):

۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

حکیم محمد عمر خان ولد اخون زادہ ولد حکیم بایزید خان علوم و فنون فارسی و عربی رام پور میں پڑھے۔ جامع معقول و منقول مناظر و شاعر واعظ و طبیب تھے۔ صاحبزادہ سید مہدی علی خان بہادر مرحوم کے ملازم تھے۔ ان کی صحبت میں مذہب شیعہ اختیار کیا۔ پھر رام پور سے باہر چلے گئے۔ اخیر میں جاورہ میں ملازم ہوئے۔ نواب محمد اسماعیل خان بہادر کے بااختیار ہونے سے پہلے ۱۳ رمضان ۱۲۹۵ھ کو جاورہ میں انتقال کیا وہیں دفن ہوئے۔ طب میں اچھی دستگاہ تھی۔ ایک فرزند غلام عباس یادگار چھوڑے۔

(تذکرہ کاملان رام پور۔ ص ۲۶۶۔ تذکرہ علماء ہند و حدائق الحنفیہ۔)

تصانیف: • حاشیہ عینی شرح ھدایہ۔ • رسالہ طنطنۂ صولت۔ • محمد حسین لاہوری کے دس سوالوں کا جواب بنام "عشرۂ مبشرہ"

محمد قاسم بیجاپوری، ہندوشاہ:

حدود ۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۳ء

محمد بن قاسم بن غلام علی استرآبادی، ہند میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت دکن میں پائی۔ شیخ محمد مصری حکیم اور ملا احمد ٹھٹھوی و چتر بھوج وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔

مرتضیٰ نظام شاہ نے احمد نگر میں اس کی قدردانی کی پھر بیجاپور جاکر ابراہیم عادل شاہ کی سرکار سے وابستہ ہوگیا۔ ۹۸۸ھ اسی دربار کے لیے ہندوستان کی مبسوط تاریخ - گلزار ابراہیمی (تاریخ نوری) مشہور بہ تاریخ فرشتہ قلم بند کی، جس کی تکمیل ۱۰۱۵ھ میں ہوئی۔

اس کی دوسری کتاب "اختیارات قاسمی" طب میں ہے دونوں فارسی میں ہیں۔ شہرت عام کے مطابق مولوی عبدالحی نے فرشتہ کو شیعہ لکھا ہے لیکن اسکے مطالعہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(نزہۃ الخواطر۔ جلد ۵)

محمّد علی، کربلائی :

حدود ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء

مولانا محمد علی کربلائی، عراق کے فارغ التحصیل، تفسیر و حدیث فقہ و کلام میں فاضل تھے۔ حیدرآباد میں مدت تک رہے اور عبداللہ قطب شاہ (متوفی ۱۰۸۳ھ) کے حکم سے مضامین قرآن کو مختلف ابواب میں جمع کیا۔ کتاب میں انھوں نے اپنے استاد محمد ابن خاتون عاملی کا ذکر احترام سے کیا ہے۔ کتاب کا نام "قطب شاہی در استخراج آیات کلام الٰہی" اس کتاب کا ایک خطی نسخہ (مکتوب ۱۱ محرم ۱۰۸۴ھ) کتب خانۂ آیت اللہ سید شہاب الدین مرعشی قم میں موجود ہے۔ (بشکریہ آیۃ اللہ مرعشی مدظلہ)

قرآنی انڈکس پر یہ تاریخی کام اوّلیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا انڈکس بھی برصغیر میں تیار ہوا جس کے مؤلف ناصر ابن حسن نجفی متوفی ۱۱۱۸ھ ہیں۔ انڈکس کا نام ہے۔ "الجداول النورانیہ فی استخراج آیات القرآنیہ" یہ کتاب عالم گیر کے نام معنون ہے۔ دونوں کتابیں فلوگل کے انڈکس سے پہلے لکھی گئی ہیں۔ (الذریعہ و فہرست کتب خانہ آیت اللہ مرعشی، فہرست مفصل پنجاب یونیورسٹی لائبریری نادر عربی مخطوطات)

محمّد عمید :

حدود ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

مولانا سید محمد عمید صاحب ممتاز الافاضل بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ سرکار نجم العلما کے شاگرد مدرسۂ ناظمیہ اور دوسرے مدارس میں استاد رہے۔ دقیق النظر عالم و فلسفی تھے، تقریر میں استدلال اور وعظ کا حصہ نمایاں رہتا تھا۔ ساٹھ سے اوپر عمر پائی ۱۹۷۲ء میں رحلت ہوئی۔

تصانیف : • نجاستہ مشرکین۔ • جامع الاخبار اور بعض کتب پر حواشی لکھے۔ ~~۱۳۹۲ھ میں رحلت فرمائی~~۔

مولانا محمد ہادی صاحب ان کے فرزند بحمدہٗ موجود ہیں۔ (نبیرۂ نجم العلما)

محمّد عوض، الہ آبادی

۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء

مولانا سید محمد عوض (متوطن پھول پور ضلع الہ آباد) ممتاز الافاضل مولانا سبط حسن مولانا محمد ہارون صاحب کے ہم درس لو ران افاضل میں تھے جن کا امتحان علما عراق نے لیا تھا۔ مولانا محمد عوض صاحب کو جناب نجم العلما نے شکارپور ضلع بلند شہر میں بھیج دیا تھا۔ مولانا نے وہاں وعظ و درس کا سلسلہ جاری کیا اور پورے علاقے کو دینی جذبے سے سرشار کرنے میں عمر صرف کر کے ۳ شعبان ۱۳۵۶ھ کو شکارپور میں رحلت کی۔ ان کے تلامذہ میں مولانا حافظ کفایت حسین صاحب مولانا محمد بشیر صاحب مولانا نذیر علی صاحب مولانا منور حسین مولانا حشمت علی صاحب کے نام روشن ہیں۔

تالیفات : عدة الداعیین وظائف العابدین. خلاصہ مطالعات (مولانا محمد بشیر صاحب نے دونوں خط مؤلف کے اصل نسخے مجھے دے) فضائل الاعمال .. مطبوعہ

محمد غوث شاہ :

حدود ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

مخدوم محمد غوث شاہ صاحب جلالپور پیروالا تحصیل شجاع آباد ملتان میں اپنے جد کے جانشین، عالم، زاہد، علم دوست بزرگ تھے۔ بہت بڑے زمیندار بہت بڑے بالغ نظر بڑے کتب خانے کے مالک حفاظت ملت اور دفاع مذہب میں پیش پیش تھے۔

مولانا شیخ جواد حسین صاحب صدر الافاضل مبلغ کو ایک مدت تک اپنے یہاں بڑی عزت سے رکھا (مولانا یوسف حسینی)

محمد قاسم، کشمیری :

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

ملا محمد قاسم کشمیری، جناب ملا محمد مقیم فقیہ کے داماد تھے لکھنؤ آن کر قیام فرمایا تھا، تیرھویں صدی کے وسط میں ان کا لکھنؤ میں ہونا معلوم ہے۔ (تکملہ نجوم السماء۔ ج ۲۔ ص ۴۶۶)

محمد قاسم، الہ آبادی :

حدود ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء

۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء

جناب مولانا سید محمد قاسم صاحب الہ آباد کے علما میں مشہور تھے، لکھنؤ میں جناب ناصر الملت اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کر کے اجازات سے سرفراز ہوئے، ایران و عراق بھی گئے۔ بہت وسیع المطالعہ مصنف و محقق تھے۔ ۷ رمضان ۱۳۸۲ھ الہ آباد میں رحلت کی۔

~~محمد طاہر، اعظم گڑھی : م حدود ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء۔ مولانا سید محمد طاہر صاحب برائے سیر اعظم گڑھ کے موطن اور جناب مولانا محمد ... کے عزیز بڑے عالم و فاضل تھے۔ مدرسہ ایمانیہ بنارس میں استاد ... بنارس ... میں رحلت کی~~

محمد ظہور : م ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء۔ مولانا شیخ محمد ظہور صاحب صدر الافاضل مبلغ مدرسۃ الواعظین آخر عمر میں نائب مدرس اعلی مدرسۃ الواعظین مقرر ہوئے تھے، مئو ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے عالم و زاہد بزرگ تھے۔ اپنے وطن میں رحلت کی۔ مولوی ظہیر الحسن صاحب ایم۔ اے ان کے فرزند ہیں۔

محمد مرتضی، لکھنوی :

حدود ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء

۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

مولانا سید محمد مرتضی صاحب ممتاز الافاضل، ناظمیہ کے متصل رہتے تھے اور مدرسے میں فلسفہ و منطق کا درس دیتے تھے۔ ادیب و ماہر مدرس ہونے کے علاوہ ہر صنعت میں کامل، بڑے خوش مزاج اور متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ ساٹھ سال سے زیادہ عمر پا کر ۱۳۹۰ھ میں رحلت کی۔ مدرسۂ ناظمیہ کے اکثر افاضل موصوف کے شاگرد ہیں۔

اولاد : مولوی محمد اصغر صاحب ممتاز الافاضل اور کئی فرزند و دختر۔ (نبیرۂ نجم العلماء)

مفتی محمد قلی

۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء
۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء

مولانا، المفتی، السید محمد قلی خان بن السید محمد حسین بن السید حامد حسین بن السید زین العابدین الموسوی نیشاپوری، اکابر متکلمین واجلہ علماء اعلام و اساطین مناظرین فخام میں تھے۔ شریعت کے پرچم بلند کرنے میں بے حد جد و جہد کی حمایت ملت و دین میں ان کی کوشش کا عالم یہ تھا جیسے طور کی بلندی پر نور۔ ان کی خدمتوں کا اعتراف جمہور کی زبانی مشہور ہے۔ بلند درجہ ذات کے صفات کی خوبیاں اور کرامت کے چرچے متاخرین کے تالیفات میں مرقوم ہیں۔ طریقۂ آل محمدؐ کے احیاء کرنے والے کے فضل و کمال کا شہرہ چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ تمام علوم دینی اور مختلف فنون یقینی خصوصاً فن تفسیر و علم کلام میں بے نظیر امام ہمام تھے۔ کتاب تقریب الافہام اور تفسیر آیات الاحکام فراوانی علم و فضل اور علو مرتبہ و علم تفسیر کی مہارت پر دلیل روشن اور حجت ثابت ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس جامع کمالات شخصیت کی تعریف و توصیف احاطۂ تقریر و تحریر سے باہر ہے۔

زبانش مظہر اسرار تحقیق   ضمیرش مطلع انوار توفیق
ز توضیح بیانش گشت روشن   براہل علم ہر مشکل ز ہر فن

آپ کے اجداد کرام میں مولانا سید شرف الدین، حادثۂ ہلاکو میں اپنے وطن مالوف سے ہندوستان منتقل ہوئے۔ مؤلف مرآۃ الاسرار کے بقول سید شرف الدین اپنے ایک بھائی سید محمد کے ساتھ حملۂ ہلاکو میں خراسان سے ہندوستان آئے۔ میر شرف الدین ظاہری و باطنی کمالات کے حامل تھے اور قصبۂ کنتور میں مقیم ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے سید عزالدین والد کے جانشین ہوئے۔ ان کے فرزند سید علاء الدین قصبۂ کنتور میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد علوم ظاہری و باطنی کے مدارج عالیہ پر فائز ہوئے۔

میر سید حسین بن عزالدین ملقب بہ سید علاء الدین نے مدارج عالیہ و مرتبہ رشد پایا۔ سخاوت و عطا میں مشہور ہوئے۔ اعلیٰ درجے کی کتابیں لکھیں۔ کنتور میں پرورش اور کنتور ہی میں وفات پائی۔ کنتور کے نیشاپوری سادات جو وہاں رہتے ہیں۔ علاء الدین کی نسل سے ہیں۔ آج تک اعیان و اشراف وہاں آباد ہیں۔ جناب علاء الدین کا مرقد پاک کنتور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

ولادت: علامہ محمد قلی صاحب کی ولادت باسعادت روز دوشنبہ، وقت صبح صادق پنجم ماہ ذی قعدہ سنہ ایک ہزار ایک سو اٹھاسی (۱۱۸۸ھ) میں ہوئی اور بائیس تاریخ اسی ماہ و سال میں نواب

شجاع الدولہ نے رحلت کی۔

تعلیم: آپ نے اپنے عہد کے افاضل سے علوم دینی اور معارف یقینی جناب غفران مآب مولانا السید دلدار علی طاب ثراہ سے حاصل کیے۔ اور اکثر علوم وفنون میں بے نظیر محقق اور دقیقہ شناس عالم کامل خاص کر علم کلام میں مشہور آفاق ہوئے۔ تذکرۃ العلماء کے مؤلف نے جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی صاحب طاب ثراہ کے اکابر تلامذہ کے تذکرے میں علامہ کا ذکر کیا ہے:

"ہم از جملۂ ایشاں بود مدقق محقق، فاضل لوذعی سید جلیل المعی مولوی سید محمد بن محمد بن حامد کنتوری مشہور بہ سید محمد قلی کہ یکہ تاز معرکۂ فضل و کمالات و مناظر میدان بمناظرات و مباحثات بود۔ تصانیف انیقہ اش بہ نصرت مذہب حق را دلیلی ست ساطع و برہانی ست قاطع، اکثر کتب درسیہ را بفکر و مطالعہ خود برآوردہ بہ غایت ذکی الطبع و حدید الذہن بود"

مفتی میرٹھ: علامۂ موصوف مدتوں میرٹھ میں منصب عدالت پر متمکن اور وہاں کے مفتی رہے۔ اسی زمانے میں، احکام قضا وفتوی، شرائط قاضی ومفتی پر مشتمل "عدالتِ علویہ" نامی کتاب لکھی۔ جو آپ کے عدل و احتیاط پر شاہد عادل ہے۔

آپ کے فیصلوں، فتووں کے چرچے خاص وعام کی زبانوں پر عام ہیں۔ آپ کی کرامت روشن میں بعض باتیں بعض لوگوں کی زبانی سنی ہیں۔ جب مقدمہ پیش ہوتا تھا اور آپ پوری طرح اسے دیکھ کر فیصلہ شروع کرتے تھے تو پورے غور وخوض کے بعد جس فریق کے بارے میں حق ثابت ہوتا تھا۔ واقعہ کے طور پر فریقین میں شیعہ کو اور ہندو کے مقابلے میں مسلمان کو حق ملتا تھا۔

آخر عمر میں لکھنؤ آکر مقیم اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے تھے۔ اطاعت وعبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ آخر مدت زندگانی ختم ہوئی اور جناب باری تعالیٰ نے عالم باقی کو ان کے لیے اختیار فرمایا۔

آپ کی کرامت یہ ہے کہ آپ کے والد جو اپنے عہد کے فاضل بزرگ تھے اور مولوی عبد الرب حضرت پوری فرزند قاضی ولی محمد باقی حضرت پوری کے شاگرد تھے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ مولوی عبد الرب بذاتِ خود شیعہ تھے۔ مولانا محمد حسین نے حدیث کی متعدد کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھی تھیں۔

مولانا محمد حسین نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام نے تین پھل مرحمت فرمائے ہیں۔ دو ناقص ایک کامل ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہوئی کہ تین فرزند پیدا ہوئے۔ مہدی قلی جو شباب میں فوت ہوئے

ہادی قلی جو بچپنے میں جاں بحق ہوئے۔ محمد قلی جو علامۂ عصر ہوئے۔

آپ جناب غفران مآب کے شاگرد تھے۔ مدت تک میرٹھ میں صدر الصدور رہے۔ آپ کے فیصلے مومنین کی زبانوں پر ہیں۔ لوگ آپ کو روشن ضمیر جانتے تھے، آخر عمر میں لکھنؤ آگئے تھے اور یہیں ۹ محرم ۱۲۶۰ھ کو انتقال فرمایا اور امام باڑہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔ "ظل ممدود" میں جناب مفتی صاحب نے قطعۂ تاریخ لکھی ہے۔

چوں فاضل مفتی پسندیدہ خصال	بگذشت زعالم و بیزدان پیوست
در بلدۂ لکھنو رسید از کنتور	بس رخت سفر بسوی جنت بربست
در ماتم او سپہر زد جامہ بہ نیل	رنگ رخ لالہ در گلستان بشکست
با مجتہد العصر کہ ہمنام نبی ست	صہر رشتۂ اختصاص بودش در دست
زین راہ تواں گفت کہ تقوی و ورع	فریاد کشیدہ در عزایش بنشست
بر مرقد او نوشتہ شد تاریخش	ایں قبر مقدس محمد قلی است (۱۲۶۰ھ)

حدیث، رجال، تاریخ اور مناظرہ میں آپ برصغیر کے عظیم رکن ہیں۔ آپ کی کتابیں ملت جعفریہ کے لیے باعث فخر ہیں۔ موصوف نے فن تفسیر و کلام و مناظرہ میں تحقیق و بحث کے نئے دروازے کھولے وسعت نظر، دقت تحقیق اور اسلوب عبارت میں مفتی صاحب یگانۂ روزگار ہیں۔ درحقیقت برصغیر میں آپ فن مناظرہ کے مجدد ہیں۔

علماء عہد آپ کو علامہ و محقق لکھا کرتے تھے۔ جناب مولانا سبحان علی صاحب کا ایک خط یادگار کے طور پر نقل ہے۔

ابر مدرار عنایت، بحر زخار راغت، محیط معقول و منقول حاوی فروع و اصول، مولوی صاحب مخدوم نیاز کیشاں تحریر زماں دام مجدکم۔

سر لوح نیاز نامہ را مذہب بہ نیاز مندیہا نمودہ گذارش می دہد کہ رسالۂ رد تحفۂ اثنا عشری تصنیف ملازمان دیدم۔ سبحان اللہ چہ قدر درر غرر جوابہائے دندان شکن از بحر طبع گرامی سر برزدہ والحق چنیں جواب کمتر از فضلای سابق ہم سرانجام یافتہ باشد۔ بہ ہر فقرہ اش ذوالفقار است برائے قطع روش اوداج مخالفاں اگر غلط نہ کنم بجناب ارث از جناب حیدر کرار علیہ التحیۃ والثنار رسیدہ بر وجود سراپا جود و برکت سامی امروز اہل حق ہر قدر کہ نازش نمایند می زیبد خامہ مقصور اللسان چندانکہ بمدح طرازی جناب پردازد کیست از بسیار زیادہ نیاز

سبحان علی۔

تصانیف : • تشیید المطاعن دوجلد : جواب باب ہشتم تحفہ اثنا عشریہ ۔ • تقریب الافہام درتفسیر آیات الاحکام ۔ • سیف ناصری ۔ جواب باب اوّل تحفہ ۔ • تقلیب المکائد ۔ جواب باب دوم تحفہ • برہان السعادت ۔ جواب باب ہفتم ۔ • مصارع الافہام ۔ جواب باب یازدہم ۔ • نفاق الشیخین مطبوعہ • تطہیر المومنین ۔ • اجوبہ فاخرہ ۔ • عدالت علویہ ۔ • متعدد حواشی ۔

اولاد : • مولوی سید سراج حسین ، مولانا حامد حسین صاحب ، اعجاز حسین صاحب مرحوم ۔

(میری تالیف الفضل المبلی فی حیاۃ محمد قلی عربی ۔ نجوم السماء ۴۱۹ ۔ نزہتہ ج ، ص ۴۶۱ ، تذکرہ بے بہا ۲۹۲ ۔ تذکرۂ ناصر الملة)

محمد قلی خان ، حاجی :

حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

حاجی نواب محمد قلی خان کان پور (ہند) کے رئیس تھے ۔ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی ۔ علوم دین کے عالم پرہیزگار اور مصنف و مؤلف تھے ۔ جناب تاج العلما علی محمد صاحب ، مفتی محمد عباس صاحب سے خاص عقیدت و تلمذ کا رشتہ تھا ۔

موصوف نے قرآن مجید کا لفظی ترجمہ کیا جو ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء میں بلا متن لکھنؤ سے چھپا تھا ۔ اس زمانے میں عیسائیوں نے رومن رسم الخط میں قرآن مجید کے ترجمے چھاپ کر تقسیم کیے تھے ۔ نواب صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے عام آدمیوں اور عیسائیوں کے لیے یہ ترجمہ چھپایا کہ وہ مغالطے نہ دے سکیں ۔ اس ترجمہ پر جناب تاج العلما نے بہت عمدہ لفظوں میں نواب صاحب کی قابلیت اور ان کے ترجمے کی داد دی ہے ۔

محمد کاشف :

قبل ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۹ء

ملا محمد کاشف ابن ملا صادق معلوم بزرگ نحو و ادب کے عالم اور عہد شاہ جہاں کے مدرس و مصنف تھے ۔ لاہور میوزیم میں شرح ملا جامی کے دو حاشیے ہیں ۔

حاشیہ ملا صادق بحث مرفوعات بر یہ حاشیہ بلا خطبہ ہے ۔ دوسرا حاشیہ یا شرح (بحث تمیز) ملا محمد کاشف کے نام سے ہے ۔ اس کا آغاز ہے :

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ انّ احسن ما نتمسک بہ فی الوصول الی ذروۃ الکمال و ایمن ما نتشبث بہ فی نیل المرام ما نتوجہ بہ الی کوّۃ الآمال حمد من تقدس ذاتہ عن الاکفاء و الامثال و شکر من تنزہ صفاتہ عن الفناء و الزوال ۔ ثم الصلوۃ علی من ہو کالضحوۃ الکبری فی غیاھب الضلال و علی آلہ البررۃ المبراۃ کلما تہم عن الاطالۃ و الاخلال ۔

ولبعدفیقول الواثق بعنایت فیاض المعارف تراب اقدام الطالبین محمد الکاشف رزقه خیرالعلوم الخ

"حاشیہ میرزا کاشف ابن مولوی صادق بر بحث تمیز ملا"۔ یہ کتاب قائم محمد لاہوری نے ۱۰۵۹ھ کو لاہور میں لکھی ہے۔

محمد کاظم، اخباری :

حدود ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

مولانا مرزا کاظم اخباری علم و فہم زہد و تقویٰ میں ممتاز اور علم میں شہرت رکھتے تھے۔ مرزا محمد اخباری کے نواسے اور بحرالعلوم کے معاصر خطیب تھے۔

شاہ چھڑا کی گلی میں رہتے تھے اور اچھی خاصی عمر میں ۱۳۴۰ھ کے قریب وفات ہوئی۔

دفع المغالطات ۱۲ صفحے کا مطبوعہ رسالہ یادگار ہے۔ (الواعظ مئی ۱۹۵۲ء)

محمد کاظم بن نجم العلماء (مجتہد)

۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء
۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء

جناب مولانا سید محمد کاظم صاحب قبلہ، سرکار نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کے فرزند تھے۔ مولانا محمد کاظم صاحب کی ولادت بتاریخ غرۂ صفر ۱۳۰۸ھ لکھنؤ میں ہوئی۔

مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ نے بڑے اہتمام سے تربیت و تعلیم کا اہتمام کیا۔ شہر کے اساتذہ کے علاوہ مدرسۂ ناظمیہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور ممتاز الافاضل ہوئے اور اسی مدرسے میں درس دیا۔

۱۳۳۰ھ میں اپنے والد مکرم کے ہمراہ زیارات کے لیے پہلا سفر کیا۔ دوسری مرتبہ ۱۳۴۰ھ کو زیارات سے مشرف ہوئے۔

آیۃ اللہ مرجع اعظم آقای ابوالحسن اصفہانی۔ حجۃ الاسلام سید محمد فیروز آبادی اور آیۃ اللہ مرزا حسین نامی، حجۃ الاسلام سید ضیاء عراقی، آیۃ اللہ سید اسماعیل صدر نے اجازے مرحمت فرمائے تھے۔

کتب درس میں مہارت اور فارسی و عربی نظم و نثر لکھنے میں ملکہ حاصل تھا۔ لیکن نوجوانی کے عالم میں بیمار ہوئے۔ اس وقت نجف میں تھے۔ خدا سے دعا کی کہ وقت آخر والدین کو دیکھ لیں۔ دعا قبول ہوئی۔ آپ وطن آئے اور لکھنؤ ہی میں ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء کو رحلت فرمائی۔

مولانا محمد کاظم بہت ذہین و ذکی، خوش اخلاق و پرہیزگار نوجوان تھے۔

اولاد : ۰ استاذی مولانا محمد صادق صاحب قبلہ ۰ مولانا محمد محسن صاحب۔

تالیفات: • ترجمۂ الشیعہ وفنون الاسلام ۔ طبع شد۔ (بے بہا ص ۲۰۲)

محمد کاظم : ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء — ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء

خان صاحب مولوی حکیم، ڈاکٹر سید محمد کاظم صاحب صوبے دار پنشنر، مولانا علی حیدر مدیر اصلاح کے عم محترم تھے۔ ابتداءً علوم دینیہ حاصل کیے۔ عربی، فارسی کا درس مکمل کیا، طب پڑھی، انگریزی پڑھی اور جدید معالجہ کا فن حاصل کیا گورنمنٹ نے فوج میں بطور ڈاکٹر کے خدمات لے لیے۔ ۱۳۴۶ھ کے لگ بھگ پنشن لی۔ سولہ سترہ برس اپنے وطن کھجوہ ضلع سارن میں رہ کر ۷ اپریل ۱۹۳۴ء / ۹ محرم ۱۳۵۳ھ کو راہی جنت ہوئے۔

مولوی محمد کاظم صاحب علم الانساب سے شغف رکھتے تھے اور ضلع سارن کے مومنین کے انساب و احوال تاریخ سے جس قدر آپ واقف تھے اتنا کوئی نہ تھا۔ غضب کا حافظہ اور بہت مطالعہ تھا۔

(اصلاح کھجوہ ص ۸ ج ۱۸)

محمد مجتبیٰ : ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء — ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب تذکرۂ بے بہا فی تذکرۃ العلما کے مؤلف مولوی محمد حسین صاحب کے فرزند تھے نوگانواں ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت ۴ رجب ۱۳۲۳ھ ہے۔ مولانا محمد حسین صاحب جانسٹھ ضلع مظفر نگر میں امام جمعہ و جماعت تھے۔ مولوی محمد مجتبیٰ صاحب نے ہوش سنبھالا تو والد سے صرف و نحو پڑھی۔ مولوی پنجاب کی سند منصبیہ کالج میرٹھ میں مولانا ناظر حسین صاحب ممتاز الافاضل بڈھانوی سے اور عالم پنجاب کی سند ڈبائی ضلع بلند شہر میں مولوی سید زوار حسین صاحب سے پڑھ کر حاصل کی۔ ایک سال تک مدرسۂ عالیہ رام پور میں رہ کر مولوی سید تاثیر حسن صاحب ممتاز الافاضل، مولوی فضل حق فلسفی اور مولوی سید محمد داؤد صاحب قبلہ سے شرح لمعہ، تفسیر بیضاوی شرح اشارات وغیرہ پڑھ کر مولوی فاضل کیا۔ طالب علمی سے لکھنے کا شوق اور خطابت کا ذوق تھا متعدد مدرسوں اور شہروں میں رہنے کے بعد۔

سید المدارس امروہے میں مولانا سید محمد صاحب قبلہ سے چھ سال تک مستفید ہوئے۔ عالم، ادیب فاضل کی سندیں اسی مدرسے سے لیں۔ لکھنؤ میں بھی رہے پھر ۱۳۵۵ھ میں عراق تشریف لے گئے۔

آخر عمر میں مدرسۂ جعفریہ کی خدمت کی۔ اور ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ / مارچ ۱۹۵۸ء کو رحلت فرمائی۔

تصانیف: • عربی قصائد و اشعار مطبوعہ و غیر مطبوعہ چہل اصحاب رسول (مطبوعہ انجمن، جرولی) تکملۂ تذکرۂ بے بہا (مخطوطہ)۔ **اولاد:** مولانا سلمان حیدر۔ مولانا عمار حیدر

محمد محسن زنگی پوری : ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء — ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

فخر العلماء والمجتہدین مولانا سید محمد محسن بن مولانا سید محمد حسین صاحب ۱۵ رمضان ۱۲۶۳ھ کو زنگی پور میں پیدا ہوئے۔ وطن میں مولانا محمود علی و مولانا علی حسین صاحب سے پڑھ کر مٹیا برج کلکتے میں قائمۃ الدین مولانا مرزا محمد علی صاحب سے منقولات و معقولات کا درس اعلیٰ مکمل کیا۔ جناب قائمۃ الدین نے آپ کی باطنی صلاحیتوں کو دیکھ کر فرزند بنا لیا اور اپنے سامنے تدریس کا حکم اور عربی فارسی فتوے لکھنے کا کام سونپا۔

واجد علی شاہ مرحوم نے اپنے حلقۂ تصنیف کا رکن بنا لیا۔ اکلیل العلما خطاب اور دو سو روپے وظیفہ مقرر کیا بادشاہ کسی کتاب کا ترجمہ کرتے تو اصلاح کے لیے مولانا محمد محسن کو بھیجتے تھے۔ احترام اتنا کرتے کہ ماہِ مبارک رمضان میں بادشاہ کے سامنے لعابِ دہن پھینکنے کی ضرورت ہوئی لیکن آدابِ شاہی مانع ہوئے بادشاہ نے محسوس کیا۔ حکم ہوا کہ اگالدان مولانا کے سامنے رکھا جائے۔ اور یہ امر ناگوار طبع شاہی نہ ہوا۔

رجوع الی اللہ و تقویٰ یہ تھا کہ نماز و دعا میں خوفِ خدا سے روتے اور خوف زدہ ہو کر بے چین ہو جاتے تھے دو بجے رات سے نوافل و تہجد و فرائض ادا کرنے بیٹھتے اور طلوعِ آفتاب تک اسی عالم میں رہتے۔

بے حد زاہد و قانع و گوشہ نشین بزرگ تھے۔ تقریر سادہ و با اثر ہوتی تھی۔ بادشاہ اور لارڈ اوڈیین، شہزادے اور حکام کمپنی سب آپ کی عزت کرتے۔ آپ بھی دوسروں کی یہاں تک عزت کرتے تھے کہ بچوں کی بھی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔

آپ تین مرتبہ زیاراتِ عراق اور تین مرتبہ حج سے مشرف ہوئے۔

۱۳۱۲ھ میں دس آدمی ہمراہ تھے۔ ۱۳۱۴ھ میں واپس آئے۔ تیسرا سفر ۱۳۲۱ھ میں کیا۔

پہلا حج ۱۲۹۶ھ دوسرا ۱۳۰۶ھ تیسرا ۱۳۱۳ھ میں۔ ان سفروں میں علماء سے ملے اور مستفید بھی ہوئے۔ علماء و مجتہدین آپ کی پاکیزگیٔ نفس، تقویٰ اور علمی مرتبے کو پرکھنے کے بعد بڑی عزت کرنے لگے چنانچہ حجۃ الاسلام آقای سید محمد حسین شہرستانی نے ایک مرافعہ آپ کے پاس بھیجا۔ آپ نے فیصلہ لکھ کر بھیجا جسے حجۃ الاسلام نے بحال رکھا۔ آقای محمد حسین شہرستانی نے اجازۂ اجتہاد مرحمت فرمایا تھا۔

بادشاہ اودھ واجد علی شاہ کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ نزع کی حالت میں وفات سے ایک روز پہلے آپ کو بلایا اور دونوں ہاتھ گردن میں ڈال دیئے اور رو کر فرمایا "میں نے اسی دن کے لیے آپ کا ساتھ دیا تھا۔ آج آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ میری تجہیز و تکفین کا اہتمام اپنے ذمے لیجئے گا"۔ اس کے بعد واجد علی شاہ نے رحلت کی (۳ محرم ۱۳۰۵ھ / ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء) اور

مولانا محمد محسن نے حسب وصیت تجہیز و تکفین کی اور سبطین آباد کے امام باڑے میں سپرد لحد کیا۔
بادشاہ نے آپ کو اپنے وقف کا متولی اور امام باڑے کا نگران مقرر کیا تھا۔ مگر شہزادوں نے مجالس میں سوز خوانی موقوف نہ کی تو آپ تولیت سے مستعفی ہو کر وطن چلے گئے۔

۲۸ شعبان ۱۳۲۵ھ آپ کی تاریخ وفات ہے۔

اکلیل العلما تصنیف و تالیف کے پابند تھے سفر و حضر میں وقت معین پر آپ لکھا کرتے تھے۔ عربی نظم و نثر میں بھی آپ کے آثار تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی رکھتے تھے۔ تلامذہ میں چند نام یہ ہیں:

شاگرد: • سید سجاد حسین صاحب زید پوری وارد حال حیدر آباد۔ • شیخ سلامت علی صاحب لکھنوی حدیث خوان ہگلی۔ • مرزا غلام رضا صاحب مفتی گنج۔ • سید مہدی حسین صاحب لکھنوی۔ • سید عنایت حسین صاحب گنجی لکھنوی۔ • سید اشرف علی صاحب نبیرۂ سید علی حسین صاحب ابراہیم آبادی۔ • سید علی صاحب کشمیری لکھنوی۔
• سید حسین صاحب کشمیری لکھنوی۔ • شیخ وحید الدین صاحب بنگالی ساکن کلکتہ سنی المذہب۔

تصانیف: • العذب المعین فی شرح اربعین (عربی)۔ • مشکوٰۃ المصباح فی شرح دعاء الصباح (عربی)
• مصباح البیان تفسیر سورۃ الرحمٰن (عربی)۔ • فوح العبیر شرح جوشن صغیر۔ • جواہر التاج در قصص معراج۔ • ضیاء الشمس فی مسائل الخمس۔ • نسیم الصباح فی کلمۃ النکاح۔ • اجوبۂ فاخرہ۔
• التحفۃ اللمعہ فی صلوٰۃ الجمعہ۔ • فوائد محسنیہ۔ • حاشیہ شرائع الاسلام۔ • رشیقۂ انیقہ در بحث زکوٰۃ۔ • بہجۂ مولقہ۔ • اجوبۂ رشیقہ در اسئلہ دقیقہ۔ • السحر الحلال (عربی)۔ • الآیات البینات (عربی)
• قصیدۂ محسنیہ۔ • نفحۂ عنبریہ فی الصلوٰۃ الخیر البریہ۔ • تحقیق انیق در کذب و لغو۔ • ما مسکوب فی شرح الذنوب۔ • در مکنون در حال یوشع بن نون۔ • روح الیقین۔ • نزہۃ المتقین در نماز شب
• عمدۃ الذخائر در بیان صغائر و کبائر۔ • مثنوی در منظوم۔ • تحفۃ الاتقیاء در متعہ۔
• ہدیۂ بہیہ در حج۔ • ازہار التنزیل در وجہ سور قرآنیہ۔ • خیر البضاعۃ در احکام رضاعہ
• مصباح الہدیٰ۔ • رسالۂ عدیم النظیر در جنت و سعیر (سب غیر مطبوعہ) (بے بہا ۳۷۷)

محمد محسن، اعظم گڑھی:

۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء
۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

مولانا سید محمد محسن بن سید احمد حسین ۱۹۰۲ء موضع واری ضلع اعظم گڑھ (ہند) میں پیدا ہوئے، خوش حال زمیندار تھے۔ بارہ سال کی عمر تک گھر میں تعلیم حاصل کر کے لکھنؤ بھیجے گئے اور مدرسۂ سلطان المدارس میں از اوّل تا آخر پڑھتے رہے۔ صدر الافاضل کی سند لے کر حکیم عبد الحلیم صاحب سے طب پڑھی مگر طبیعت میں اردو ادب

مولانا سید محمد محسن صاحب کے پاس اعظم گڑھ میں ہے

کا ذوق کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ ۱۹۳۹ء و ۱۹۴۰ء میں انجمن ترقی اردو ہند دہلی کے شعبۂ تصنیف و تالیف سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے بعد گھریلو معاملات نے وطن رہنے پر مجبور کر دیا۔

قیام پاکستان کے بعد کراچی میں قیام کیا اور یہیں ۱۹۷۵ء / ۱۳۹۵ھ کو دنیا سے سدھارے۔

مولانا محمد محسن صاحب محسن شاعری میں عزیز کے شاگرد تھے۔ عربی فارسی پر قدرت تھی مگر زیادہ تر اردو میں لکھتے رہے۔ زمانہ کانپور، ساقی دہلی، ہمایوں لاہور میں کلام چھپتا رہا۔ مذہبی شاعری، مرثیہ، نوحہ، سلام، قصیدہ استادانہ لکھا مولانا بہت نیک، مقدس اور صاحب کمال بزرگ تھے۔

تصانیف: • آئینہ فکر۔ مجموعہ مراثی و سلام طبع شد۔ • اجمال فکر طبع شد۔ • محسن عزا، طبع شد۔ • پیام محسن، طبع شد

(مقدمہ آئینہ فکر، طبع کراچی)

محمد محسن : دیکھیے "محسن مٹھوی"

محمد مرتضیٰ نونہروی:

حدود ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء
۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء

فاضل جلیل، عالم نبیل، فلسفی کامل، ادیب اکمل مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب قبلہ فلسفی نونہروی اپنے وطن سے ابتدائی نصاب کامل کر کے لکھنؤ آئے اور یہاں کے اکابر سے متداول علوم اسلامیہ کی تحصیل کی معقولات مولانا عبدالحی فرنگی محلی علم فقہ و حدیث مولوی گلشن علی ادب مفتی محمد عباس صاحب سے پڑھ کر اپنے اقران و اماثل میں ممتاز ہوئے۔ نونہرو میں آپ باحیثیت زمیں دار تھے۔ لیکن علمی شہرت نے دور دور تک پہنچایا۔ حیدرآباد کے شعبۂ ترجمہ و تالیف میں مدتوں رہے اور وہاں عبدالحلیم شرر کی بعض کتابوں کے جواب لکھے یہ بات نور بدیکن کمو ناگوار ہو گی۔ سہ رر نانے فوراً حیدرآباد ترک کیا۔

مولوی محمد حسین نے "تذکرۂ بے بہا" میں بھی اپنے قطعہ تاریخ کے سوا کوئی خاص بات لکھی مجھے استاذ علام مولانا ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی نے اثنائے درس میں بتایا تھا کہ مولانا محمد مرتضیٰ صاحب کا کتب خانہ بہت وقیع تھا۔ بیشتر کتابوں پر حواشی تھے۔ تاریخ مطالعہ بھی لکھنے کی عادت تھی۔ تفسیر فخرالدین رازی از اول تا آخر غالباً آٹھ مرتبہ پڑھی تھی اور اس کے معائب و محاسن پر کمال درجہ عبور تھا۔ فلسفۂ بوعلی سینا اور نظریات طوسی و رازی و میر باقر داماد و ملا صدرا پر بحث کرتے تھے۔

میں نے ان کی لاجواب کتاب "معراج العقول فی شرح دعاء المشلول" کا مطالعہ کیا ہے۔ توحید و اسماء باری و صفات الٰہیہ پر اس سے اچھی کتاب میں نے اب تک نہیں دیکھی۔ عربی صاف اور رواں، مباحث

واضح اور نتیجہ خیز عماد الاسلام غفران مآب پر سخت تنقید ہے۔

مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب نے تخمیناً ستر برس کی عمر پاکر ۱۳۳۶ھ میں رحلت کی۔ ان کے ایک فرزند علی محمد صاحب ایڈووکیٹ لکھنؤ میں رہتے تھے اور اب ان کے ایک فرزند کربلا میں مقیم ہیں۔

تصانیف : • آبِ زر (فارسی) فلسفہ۔ • جواب شر (اردو)۔ • لوائح لیلیۃ فی شرح دعاء اللیل من الصحیفۃ الکاملۃ السجادیہ۔ • معراج العقول فی شرح دعاء المشلول، راجہ ابوجعفر صاحب مرحوم نے بڑے نفیس طریقے پر چھپوائی تھی[1]

(اعیان الشیعہ۔ ج ۴۸ ص ۵۴)

محمد مرتضیٰ بن سید حسن علی :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء

۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء

مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب قبلہ بن سید حسن قبلہ جون پوری مولوی گلشن علی صاحب دیوان ریاست بنارس کے نواسے تھے۔ موصوف نے خود مفتاح الشفا میں تحریر فرمایا ہے کہ میری ولادت سے پہلے میری والدہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اب کی مرتبہ جو لڑکا پیدا ہوگا وہ جیے گا اور چونکہ میں ساتویں مہینہ نہایت ضعیف الخلقت پیدا ہوا تو والدہ مرحومہ بہت روئیں اور کہتی تھیں کہ یا امام حسینؑ آپ نے تو فرمایا تھا کہ اب کی بار جو لڑکا پیدا ہوگا وہ جیے گا؟ پھر ان مرحومہ نے خواب دیکھا۔ کوئی بزرگوار فرماتے ہیں کہ یہ لڑکا جیے گا تو والدہ نے ان سے کہا کہ ہم کو کیونکر اعتبار ہو، کیا آپ امام حسینؑ ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ہے یا اور کوئی امر۔ پھر کہا دلالت اس لڑکے کے طویل العمر ہونے پر یہ ہے کہ لکیر اس کے ہاتھ کی بہت بڑی ہے۔ یہ خواب دیکھ کر بیدار ہوئیں اور میرے ہاتھ کی لکیر کو اسی وقت دیکھا تو بڑی پائی۔ میں بخار اور ورم جگر و درد حوالی گردہ میں بتاریخ نحس اکبر علیل ہوا تھا اس وجہ سے مجھے اپنی صحت سے مایوسی تھی، ہر چند عم بزرگوار مولوی سید علی حسین صاحب مرحوم نوراللہ مرقدہٗ نے بہت سمجھایا مگر تسکین نہ ہوئی۔ ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ امام رضا علیہ السلام میرے گھر میں تشریف لائے ہیں، ایک پتھر زمین پر رکھا ہے اس پر جلوہ افروز ہوئے۔ میں اپنے بستر سے اٹھا اور حاضر خدمت ہوا۔ حضرت کے پاس بیٹھ گیا، دیکھا حضرتؑ

---

[1] دلچسپ بات یہ ہے کہ اقبال احمد نے تاریخ جون پور میں آپ کا نام مرتضےٰ حسین مجتہد لکھا ہے۔ جب کہ خود علامۂ موصوف کی کتابوں اور تذکروں تقریظوں میں محمد مرتضےٰ تحریر ہے۔ مزید یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ سید امیر علی کے پوتے تھے۔

کچھ تحریر فرما رہے ہیں بعد فراغت تین نسخے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد کیا، ایک اس بیماری کے لیے ہے ایک کو میں بھول گیا چونکہ اس مرض میں قوتِ باہ بالکل زائل ہوگئی تھی اور کبھی اس کا خیال بھی نہ تھا تو تیسرے نسخے کے لیے یاد ہے کہ فرمایا یہ قوت کا ہے۔ یہ خواب دیکھ کر بیدار ہوا تو اپنے بستر خواب پر نسخوں کو ڈھونڈنے لگا، جب نہ پایا تو اپنی صحت کی تعبیر دی اور اسی روز سے اچھا ہونے لگا۔ تین چار روز کے بعد جناب میر مظہر علی صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ میں کئی بار تمہارے پاس آیا مگر ملاقات نہ ہوسکی۔ میں نے عذر کیا کہ مجھے اطلاع نہیں دی گئی۔ کہنے لگے میں نے امام رضا علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں کہ تم جاکر فلاں دعا اور اس کو بھی بھول گیا۔ سید محمد مرتضےٰ پر پڑھو اور میں بھی ان کے پاس یا ان کے دیکھنے کو جاتا ہوں یہ سُن کر مجھے تعجب ہوا پھر میں نے اپنا خواب ان سے بیان کیا۔ اس خواب کے بعد جو دوا بھی استعمال کرتا ہوں تو امام رضاؑ کے اسم شریف سے ابتداء کرتا ہوں۔

اسی کتاب کے حاشیہ پر ہے :

آخر شب سیزدھم یا چہاردھم، شب چہارشنبہ یا پنجشنبہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ کو خواب میں دیکھا کہ ایک طولانی خط حضرت امام صاحب الزمان علیہ السلام کا میرے نام آیا اور اس کو پڑھ کر مومنین کو سناتا ہوں اور مضمون اس کا کچھ یاد نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ اوّل میں تھا "دام ظلکم" اور آخر میں تھا "کتبہ صاحب الزمان"۔

مولانا محمد مرتضیٰ صاحب بہت بڑے عالم، فقیہ، محدّث اور صاحب سیرت و کردار تھے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان کا شیوہ اور صحت روایت کی پابندی ان کا دستور تھا۔ علماء ہند وعراق و ایران سے علمی رابطے استوار اور تبادلۂ افکار رہتا تھا، اصلاح رسوم، اصلاح ذاکری، ترویج علوم کے سلسلے میں آپ نے بڑی محنت کی رئیس آدمی تھے اس لیے اپنی کتابیں بڑے اہتمام سے شائع کرتے تھے۔ جون پور میں آپ کی وجہ سے علمی چہل پہل رہی۔ آپ کا نادر کتب خانہ اہل علم کے لیے مرکز تھا۔

عابد ومتقی تھے اس لیے عوام بھی عزت کرتے تھے۔ علمی بحث کا شوق تھا۔ درس و مطالعے کے بعد تصنیف و تالیف میں منہمک رہتے تھے۔ جناب خواجہ عابد حسین صاحب سہارن پوری اور جناب مولوی سید کلب باقر صاحب جائسی حائری سے مدتوں تحریری مناظرہ کرتے رہے۔ ۱۳۲۶ھ میں زیارت عراق سے مشرف ہوئے تھے۔

چونکہ حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے اسلیے لوگ آپ کو اخباری کہتے تھے مگر مفتاح الشفاعہ میں خود موصوف نے لکھا ہے :

"خادم علماء محدثین وفقہائے مجتہدین سالک مسالک مجلسیین در اختلافات علماءِ مصطفین"۔

۲ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ کو رحلت فرمائی۔ ڈپٹی سید محمد ہاشم صاحب کی تاریخ ہے:

آہ از جور و جفائے چرخ پیر — شور ماتم بر زمیں برپا شدہ
مولوی سید محمد مرتضیٰ — کو بزہد و اتقا یکتا شدہ
گشتہ در امراض گردہ مبتلا — رہگرائے جنت الماویٰ شدہ
دوم ذی قعدہ رفت از دہر زشت — مومنین را رنج لاتحصیٰ شدہ
خون بباریدہ عیون عالمان — از وفاتش صدمہ بر دلہا را شدہ
الفت خالص کہ با من داشتہ — قلب من بر ذات او شیدا شدہ
مادر گیتی نہ زاید مثل او — بے عدیلش در جہان پیدا شدہ
سالہا بودہ قیامش در عراق — در حدیث و فقہ بے ہمتا شدہ
مبحث تنقید فی التقلید از د — طبع مطبوع دل ما ہا شدہ
مصرعۂ با تعمیہ بی تخرجہ — بہر تاریخش بمن القا شدہ
کلک ہاشم زد رقم با صد الم — عالم اخباری از دنیا شدہ

(۱۳۳۷ھ)

تصانیف: • مفتاح الشفاعہ فی اقامۃ الصلوٰۃ والجماعہ۔ مطبوعہ۔ • اصلاح الرسوم مطبوعہ

• تزکیۃ الرحمٰن فی تقویۃ الایمان۔ • فوائد القرآن (اردو) فضائل و اثرات آیات قرآن طبع جعفری ۱۳۱۳ھ

• الکلام الحسن۔ • ارغام الماکرین و افہام الحائرین۔ بر سہ رسالہ۔ رسالہ در رد انذار الناظرین در رسالہ یا علی مدد و تصحیح البراھین فی رد ما اورد علی ارغام الماکرین۔ • حجۃ الایمان در لزوم استجابت دعاء نبی و امام۔ • الحجۃ القاطعہ بجواب اتمام الحجۃ۔ • تدمیر الخائبین در جواب تکبیت الخائنین۔

• تفضیح السارقین۔ • قتل المحاربین در رد اسکات المجانین۔ • ایقاظ النائمین در رد تنبیہ الغافلین

• فضل الصمد فی استفہام ما فی القول الاسد فی ترجمۃ یا علی مدد، طبع ۱۹۰۶ء • اعلان ملتق القرآن

• القول الاشد لرد ما فی قول الاسد (فارسی اردو) ۲۰ صفحات دبدبۂ احمدی۔ مواعظ مرتضویہ، تیس تقریریں۔

• دفع الملال بکشف فضائل الآل در جواب کشف الحال باجمال المقال در دبدبۂ احمدی۔

• افہام الحائرین ۲۰۰ صفحات رد عقائد عابد حسین دبدبۂ احمدیہ۔ ۱۳۳۰ھ، ۱۹۰۶ء۔

• نصیحۃ الناصب در رد فضیحۃ الکاذب (۲۰ صفحات، اردو طبع ۱۸۹۷ء) • برکات احمدیہ

• فوائد کربلائیہ در رد تحفۂ ارتضائیہ • سوانح ائمہ ۱۲ (طبع نشد)

اولاد: • سید علی مہدی اور سید محمد ہادی۔ (بے بہا ۳۸۹، تاریخ جون پور ۷۷۷، الذریعہ)

محمد مرتضیٰ، پروفیسر:
۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء
۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۲ء

پروفیسر مولانا سید محمد مرتضیٰ بن حکیم سید علی نقی بن آل علی نگینہ ضلع میں پیدا ہوئے۔ ممتاز حسن صاحب نے ان کی تاریخ ولادت ۱۸۹۰ء لکھی ہے۔ محمد مرتضیٰ صاحب نے نجی طور پر تعلیم پائی اور مختلف اساتذہ سے اسناد حاصل کیں۔ اپنے والد سے طب بھی پڑھی۔ مولوی فاضل و منشی فاضل کے امتحان پاس کیے۔ نگینے میں کچھ عرصے تک پڑھایا۔ کسی امتحان کے سلسلے میں الٰہ آباد گئے وہاں لاہور کے مشن کالج کے پروفیسر محمد اسماعیل سے ملاقات ہوگئی۔ یہ صاحب عربی فارسی کے ماہر اور عیسائی مذہب کے آدمی تھے۔ مولانا محمد مرتضیٰ صاحب سے بات چیت ہوئی۔ محمد اسماعیل صاحب نے لاہور کی دعوت دی۔ یہ ۱۹۲۳ء کا ذکر ہے۔ اسی زمانے میں مولوی محمد ... کالج سے پنشن پاکر عربی کی پروفیسری سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ ان کی جگہ مولانا محمد مرتضیٰ کا تقرر ہوگیا۔ اس سلسلے میں انھیں عربی میں ایک مقالہ لکھنا پڑا تھا۔ "ان الدین عند اللہ الاسلام"۔

مولانا محمد مرتضیٰ صاحب علوم اسلامیہ کے فاضل اور طبعاً نیک، حلیم، خوش مزاج، منتق اور ذہین تھے وہ مشن کالج کے اساتذہ و طلبہ میں محبوب و محترم تھے۔ ان کے شاگرد خاص ممتاز حسن سابق سربراہ نیشنل بنک آف پاکستان نے مشن کالج کے میگزین میں بڑا عمدہ مضمون لکھ کر ان کی شخصیت کو سراہا ہے۔

مولانا محمد مرتضیٰ صاحب چونکہ ادیب، شاعر، طبیب اور فلسفی بھی تھے اس لئے ان کی ذاکری میں یہ سب پہلو ابھرتے تھے۔ اور ان کی تقریر خاص اثر رکھتی تھی۔

ان کی شاعری کا دائرہ وسیع تھا۔ قصیدہ، غزل، نظم، رباعی سب پر قدرت تھی ادیب تخلص تھا۔

۲۲ اپریل ۱۹۲۸ء، ۲ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ لاہور میں رحلت کی اور مومن پورے میں دفن ہوئے۔

(الحافظ لاہور ص ۶، مشن کالج میگزین)

محمد مصطفےٰ، میر آغا (مجتہد):
۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء
۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء

عماد العلما مولانا سید محمد مصطفےٰ بن عمدۃ العلما سید محمد ہادی ربیع الاول ۱۲۵۳ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے پدری، مادری اور سببی رشتے آل غفران مآب سے تھے۔ رسم لکھنؤ کے مطابق فنون سپہ گری سیکھے اور فقہی ماحول اور اجتہادی روایت کی بنا پر تعلیم و تربیت حاصل کر کے اپنے والد، اپنے بھائی سید مہدی (متوفی ۱۲۷۶ھ) اپنے ماموں خلاصۃ العلما سید مرتضےٰ (متوفی ۱۲۷۶ھ) اور ممتاز العلما سید محمد تقی (متوفی ۱۲۸۹ھ) سے منقولات معقولات میں پوری طرح کمال حاصل کیا اور فقہ و اصول میں اجازۂ اجتہاد پایا۔ حدیث کی روایت اپنے اجداد

سے کی۔ علمائے نجف و کربلا میں حجۃ الاسلام آخوند ملا حسین اردکانی کربلائی حجۃ الاسلام سید علی بحر العلوم صاحب نجفی برہان قاطع نے آپ کی فقہی بصیرت دیکھ کر اجازہ دیا۔

جناب سید محمد مصطفیٰ آپ کا تاریخی اور زبان زد نام "میر آغا" شرعی معاملات میں بے حد محتاط اور فقہ میں غیر معمولی قابلیت رکھتے تھے۔ جناب ممتاز العلما سید محمد تقی کے بعد برصغیر کی مرجعیت اور اعلمیت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ اپنے دادا سلطان العلما اور ماموں ممتاز العلما کے تمام مقلدین کے علاوہ حلقۂ تقلید میں مزید وسعت دیکھی اور کم و بیش چالیس سال تک شیعہ عوام و خواص طلبا و علما کے مرجع عقیدت رہے۔ جناب میر آغا صاحب قبلہ میں مرجع اعظم کے تمام خصوصیات موجود تھے۔ عارف باللہ، متقی، ذہین، ذکی، خلیق، ہمدرد، سخی، معاملات میں سوجھ بوجھ، منور الفکر، باخبر اور محنتی تھے۔ طلبا کو درس، ملاقاتیوں سے میل جول، سینکڑوں خطوں اور مسئلوں کے جواب مصروفیت اور شب و روز کا کام اور۔ کمال احتیاط کا عالم یہ تھا کہ فتوے اور خطوں کے جواب خود لکھتے۔ لفافے خود بند کرتے تھے۔ لوگ اصرار کرتے تھے کہ محرر یا سیکرٹری رکھ لیں مگر آپ اسے نامنظور فرماتے اور اسے شرعی ذمے داری کے خلاف سمجھتے تھے۔ جناب ظہیر العلما مولانا سید ظہور حسین صاحب فرماتے تھے کہ جناب میر آغا صاحب نے متعدد ایسے فقہی مسائل حل کیے جو آپ کے خاندان میں لاینحل چلے آ رہے تھے اس کے علاوہ صرف و نحو ہیئت و ادب عربی میں ایسی دسترس تھی کہ بعض اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں جن کا ذکر فہرست میں آئے گا۔

عوام سے اتنی قربت و محبت تھی کہ لوگ آپ کو محبوب سمجھتے تھے۔ ہر شخص ادب و احترام کرتا تھا۔ آصف الدولہ کی مسجد میں امام جمعہ و جماعت تھے۔ لوگ اس دن آپ کی زیارت عام سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ ملک کے اخبارات و رسائل میں آپ کے فتوے چھپتے، شعرا آپ کی مدح میں قصیدے لکھتے تھے۔ معصوم علی عرف جلال شاہ کے قصیدے کے پانچ شعر دیکھیے جن سے آپ کے اوصاف و کمالات پر روشنی پڑتی ہے۔

قبلہ و کعبۂ دارین فقیہ ذی شان	افتخار علما، افسر اہل عرفان
صاحب ورع و صفا، تابع احکام خدا	عالم و عادل و عابد، شرف متقیاں
بارک اللہ، عماد العلما، سلّمکم	حبّذا عالم عالی گہر والا شان
وصف ذرے سے ہو کیا مہر منور کا رقم	میں ہوں اک ذرۂ ناچیز، وہ مہر تاباں
سر پہ سب شیعوں کے دنیا میں انھیں اے معصوم	صد و سی سال سلامت رکھے خلاق جہاں

شہرت و اقتدار کا پچاس سالہ آفتاب نصف النہار کو پہنچا۔ مرض نے صاحب فراش کیا اور پنجشنبہ ۱۱ رمضان ۱۳۲۳ھ کو پیغامِ اجل پہنچ گیا۔ شہر میں کہرام مچ گیا۔ دریا پر غسل و کفن کا انتظام ہوا (لکھنؤ کا دستور تھا کہ علما و اکابر رؤسا کے جنازے دریا پر لے جا کر غسل دیتے تھے) غفران مآب کے امام باڑے میں دفن کیے گئے۔

جناب میر آغا صاحب نے ایک لاکھ سے زیادہ فتوے اور سوالوں کے جواب لکھے جنہیں محفوظ نہ کیا جا سکا۔ لیکن اس کے علاوہ کافی تالیفات ان کے خاندان میں محفوظ اور کچھ شائع شدہ ہیں۔

تصانیف: • فرائد بہیہ فی مسائل الاثنا عشریہ الاستدلالیہ۔ طبع لکھنؤ ۱۳۰۵ھ (عربی و فقہ) میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ • حاشیہ بر شرح کبیر کتاب الطہارت عربی خطی میرے کتب خانے میں ایک حصہ موجود ہے۔ • لوا قیت فی احکام المواقیت (عربی) فقہ، قلمی • حواشی شرح لمعہ، عربی، قلمی، فقہ۔ • حواشی زبدۃ الاصول عربی قلمی، فقہ۔ • حواشی مبادی الاصول۔ عربی قلمی اصول فقہ۔ • حواشی نتائج الافکار۔ عربی قلمی۔ اصول فقہ۔ • خزینۃ المسائل اصول و فقہ۔ چار جلدیں، عربی۔ • مسائل متفرقہ۔ • ہدایت العوام۔ فقہ و عقائد۔ اردو۔ مطبوعہ۔ • کتاب الصلوٰۃ، ترجمہ اردو۔ • تحفۃ المومنین۔ فقہ۔ • تحفۃ العابدین۔ فقہ۔ • زاد المسافرین • رسالہ طہارت نسواں۔ فقہ۔ • اردو ترجمہ احکام النساء فقہ۔ • تشحیذ الاذہان فی ارکان الایمان در اصول دین با ترجمہ اردو و غیر مطبوعہ۔ • معرب عین الحیات۔ • رسالہ در مصائب حضرت سید الشہداء عربی۔ • موعظۂ فاخرہ اردو۔ • عقائد امامیہ۔ • جدول احکام ضروریہ • تحفۃ السائلین۔ • جدول تاریخ سعد و نحس۔ • کفایۃ السائلین۔ • دفع الشبہات • احکام مصطفویہ۔ • جوابات مسائل مشکلہ۔ • مفتاح الجنہ۔ • نجات الدارین۔ • عجالۂ مفجعہ در عقد ام کلثوم (تاریخ) • شرح دعائے عدیلہ (اوراد) • نخبۃ الاذکار اوراد فارسی۔ مطبوعہ۔ • حواشی شرح جامی، نحو، عربی۔ • شرح ثانیہ صرف عربی۔ • حواشی تشریح الافلاک ہیئت (بے بہا ص ۳۶۱ - اعیان الشیعہ ج ۴۸ ص ۷۸)

محمد موسیٰ، لکھنوی:

حدود ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء
حدود ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء

مولانا محمد موسیٰ بن خطیب اعظم مولانا سبط حسن صاحب مرحوم بڑے ذہین و ذکی محنتی و فعال شخص تھے طالب علمی میں غیر معمولی محنت سے الہ آباد بورڈ اور لکھنؤ یونیورسٹی کے متعدد امتحانات اعلیٰ نمبروں سے پاس کیے، سلطان المدارس کے درجہ سند الافاضل کے آخری سال میں تھے کہ بیمار ہوئے اور تقریباً بیس برس کے سن میں رحلت کی۔

محمد مقیم، قزوینی:

حدود ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

حاجی محمد مقیم طالقانی قزوینی علماء میں تھے۔ اہل علم احترام کرتے تھے۔ ایران سے عہد شاہ جہاں میں وارد ہند ہوئے اور اعزاز پایا۔ ان کی اولاد میں آغا باقر علی نے جہانگیر نگر ڈھاکہ کی حکومت و نوابی حاصل کی۔

(بے بہا ۳۲۳۔ تاریخ جہاں نما ۱۲۲۴ھ)

محمد مقیم، کشمیری:

حدود ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء

جناب ملا محمد مقیم کشمیری ۱۲۲۲ھ میں لکھنو کے معزز عالم شمار ہوتے تھے۔ کشمیر سے ترک وطن کر کے آئے اور لوگوں میں گوشہ نشینی اخلاق و علم کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ کچھ لوگ آپ کو اخباری اور کچھ فقیہ ربانی مانتے تھے۔ تکملہ نجوم السماء میں ہے کہ مولانا سعد رشاہ ملا مقیم کے داد اتلا محمد قاسم کے شاگرد تھے۔

موصوف کی اولاد میں مولانا محمد حسن صاحب بھی علم و فضل خلق و تقدس میں بلند مرتبہ تھے۔ ۱۳۴۱ھ میں حج کیا تھا۔ ملا مقیم کی اولاد میں مرزا محمد مہدی نے نجف میں مہدی علی صاحب کو پڑھتے دیکھا تھا۔ (بے بہا۔ ص ۳۲۴ تکملہ ۴۶۵)

محمد موسیٰ:

حدود ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء

۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء

مولانا محمد موسیٰ صاحب جناب ملا محمد باقر صاحب بانی معین الزائرین بمبئی کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ نے پوری تعلیم مدرسۂ سلطان المدارس میں حاصل کی اور صدر الافاضل کی سند لے کر مدرسۃ الواعظین میں داخل ہوئے پھر بمبئی واپس گئے۔ وعظ و تبلیغ و ترویج احکام دین میں مصروف رہے۔ موصوف کو ہم نے مدرسے میں دیکھا ہے آپ ہمارے سابقین میں تھے۔ بہت نیک و متقی عالم تھے۔ متعدد بار سفر حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد پنجاب آ گئے تھے اور منٹگمری (ساہیوال) میں۔

چہار شنبہ ۱۴ شوال ۱۳۸۶ھ، ۲۵ جنوری ۱۹۶۷ء کو رحلت فرمائی۔

میر محمد مومن، پیشوائے اعظم:

حدود ۹۶۰ھ / ۱۵۵۲ء

۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء

برصغیر کے جن شیعہ علماء دین کے نام سنہری حرفوں سے لکھے جاتے کے قابل ہیں ان میں ایک بہت بڑی شخصیت جناب میر محمد مومن بن علی حسینی استرآبادی ہیں۔ آپ کے حالات یوں تو نجوم السماء (ص ۴۴) اور تذکرۂ بے بہا میں نیز نزہۃ الخواطر اور محبوب الزمن و تاریخ عالم آرائے عباسی وغیرہ میں بھی ہیں لیکن

(نہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

انقلاب سلطنت قطب شاہی نے ان کے احوال پر پردے ڈال رکھے ہیں۔ جناب محی الدین روز نے آپ کے حالات کی تحقیق کی اور "میر محمد مومن، حیات اور کارنامے" کے عنوان سے ایک کتاب لکھ کر کچھ حق احسان ادا کیا ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن (۱۹۵۷ء) پیشِ نظر ہے۔ یہ احوال اسی سے ماخوذ ہیں۔ جس کے لئے میں زور کی روح سے اجازت طلب ہوں۔ جزاہ اللہ خیر اعنا وعن العلم۔

لقب : نواب علامی فہامی، مرتضائے ممالک اسلام، پیشوائے عالمیاں اور "رکن السلطنۃ" اور فرمانِ مجریہ ۱۰۵۰ھ میں عبداللہ قطب شاہ نے لکھا تھا:

"سیادت ونجابت پناہ، افادت و افاضت دستگاہ، قدوۃ المحققین، اسوۃ المدققین، مرتضے ممالکِ اسلام، مقتدائے طوائف انام، خلاصۂ اولادِ رسول، زبدۂ اخلاف بتول۔

خاندان : علامہ میر مومن استرآباد کے معزز سادات سے تھے۔ حکومتِ ایران نے مدار المہام و وزیر کا ان کو منصب تھا۔ علامہ کے والد سید علی شرف الدین سماکی تھے۔ چنانچہ خود علامہ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی عبارت ہے:

"عبد مامور محمد مومن بن علی الحسینی عفی عنہما"

میر صاحب کی والدہ مشہور عالم امیر فخر الدین سماکی کی خواہر تھیں۔

ولادت : علامہ کی تاریخ ولادت ایک تخمینے کے مطابق ۹۶۰ھ سے قبل ہے۔

تعلیم و تربیت : میر محمد مومن کی تعلیم و تربیت اعلیٰ معیار پر ہوئی۔ ان کا خاندان خود بھی اخلاق و سیرت و کردار نیز علم و فن میں شہرت رکھتا تھا۔ ان کے ماموں صاحبِ نفس قدسی تھے۔ علامہ نے اخلاق و تزکیۂ نفس کی تربیت ان سے حاصل کی۔ نور الدین موسوی شوستری سے علوم میں تلمذ رہا۔ آخر تفسیر و حدیث، فقہ و کلام نجوم و متعلقات فلکیات، ہیئت و ہندسہ وغیرہ میں کمال حاصل کیا۔ ان کے شیوخ حدیث میں ایک نام کتاب رجعت میں مذکور ہے اور وہ ہیں جناب نور الدین سید علی شوستری مکی از شمس الدین و سید محمد صاحب مدارک (سید نور الدین علی کی وفات ۱۰۶۲ھ میں ہوئی)

ملازمت : تعلیم سے فارغ ہوئے تو سرکاری ملازمت مل گئی۔ شاہ طہماسپ صفوی کے فرزند حیدر مرزا کی

لہ۔ میر محمد مومن عرف سید بادشاہ جناب پیشوا کی اولاد سے ہیں۔ ان کے شجرے میں اجداد کا نام یوں ہے:
میر محمد مومن پیشوا، بن سید سلیمان بن سید یعقوب بن محبوب بن سبحان بن رحمٰن بن سلطان بن احمد بن نور خدا بن شمس بن اسحاق بن محمد عبداللہ بن امام علی موسیٰ رضا۔

(میر محمد مومن ص ۲۶۵)

اتالیقی ایک ممتاز منصب تھا جو شرافتِ نسب، حسنِ اخلاق اور علم و کمال کے بغیر نہیں مل سکتا تھا۔

ہجرت : سلطان حیدر کی وفات اور شاہ اسماعیل کی تخت نشینی اور ملک کے سیاسی مد و جزر کی بنا پر علامہ محمد مومن ۹۸۶ھ میں قزوین سے عراق و عرب زیارت و حج کے لیے گئے۔ اور اس سے فارغ ہو کر ہند کا رُخ کیا۔

دکن میں آمد : اوائلِ محرم ۹۸۹ھ یعنی ابراہیم قطب شاہ (م ۹۸۸ھ) کے بعد دکن آئے۔ محمد قلی قطب شاہ نظام شاہیوں کی مدد اور عادل شاہیوں سے جنگ کر رہا تھا۔ مولانا محمد مومن شہر میں آئے تو عقیدت مند حضرات نے پذیرائی کی اور مولانا نے درس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خوش اخلاقی، ذہانت، حاضر جوابی اور حکمت و دانش کا چرچا ہوا بادشاہ بھی ملا اور ان کی شخصیت سے متاثر ہوا۔ لیکن مولانا اپنے زہد و تقدس کی بنا پر حکومت کے معاملات سے دُور رہے۔ چار پانچ سال میں عوام و حکومت غیر معمولی عقیدت مند ہو گئی۔

منصب پیشوائی : بادشاہ کی روز افزوں ارادتمندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد قلی قطب شاہ ان سے مشورے کرنے لگا۔ اور ۹۹۳ھ سے پہلے ہی وہ ملک میں اہم ترین فرد بن گئے لیکن "میر جملہ" یا "دیوان" و وزیر نہیں بنائے گئے بلکہ بادشاہ دراصل ان کے حق میں تخت و تاج اور اختیارات سے دستبردار ہو گیا تھا وہ دینی نقطۂ نظر سے ان کا معتقد اور دنیاوی لحاظ سے انھیں کامیاب سیاست داں مان گیا۔ محمد قلی نے علامہ کے لیے ایک مستقل و با اختیار منصب نکالا اور انھیں "پیشوائے سلطنت، پیشوائے اعظم یا وکیل السلطنت" کا لقب دیا۔ یہ منصب اتنا بلند تھا کہ میر جملہ کا تقرر بھی اسی کی صوابدید پر موقوف تھا۔ پیشوائی دراصل بادشاہ کی نیابت، شیخ الاسلامی، صدر الصدور، وکیل السلطنت غرض بادشاہ کے بعد سب سے بڑا منصب قرار پائی۔ اس خدمت کے لئے ایسی ہستی کا انتخاب ہوتا جو ملک میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ تھا۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ پیشوا کو ولی شرعی اور حاکمِ دینی مان لیا گیا۔

ان کی تنخواہ غالباً ایک ہزار ہون یعنی ساڑھے چار ہزار روپے ماہانہ سے زیادہ تھی، انھوں نے حیدر آباد میں بہت بڑی املاک بنائی حیدر آباد کے علاوہ کئی گاؤں خریدے، مسجدیں اور تالاب بنوائے، شاہی عطا کردہ جاگیر اس پر مستزاد تھی۔ ایک بڑا رقبہ خرید کر قبرستان کے لیے وقف کیا جو "دائرہ میر مومن" کے نام سے اب تک باقی ہے۔ اور یہ ان کی باقی رہنے والی بہت اہم یادگار ہے۔

میر مومن صاحب کا ایک اعزاز یہ بھی تھا کہ وہ پالکی میں بیٹھ کر دولت خانہ شاہی کے اندر جا سکتے تھے اور یہ اعزاز بیالیس سال تک باقی رہا۔

خدماتِ دینی : پیشوائے اعظم نے حکومت میں داخل ہوتے ہی اسلامی عقائد و احکام کا نفاذ شروع کیا، تہذیب و تمدن میں اسلامی ایام کو اہمیت دی۔ عیدِ میلاد النبیؐ، عیدِ غدیر اور ایامِ عزا کا اہتمام کیا۔ امام باڑوں کی تعمیر اور ۱۰۰۱ھ میں پہلی مرتبہ علم مبارک نصب کیا جو اب تک جلوس کے ساتھ اٹھتا ہے۔ محمد قلی آزاد مزاج بلکہ بھاگ متی کے عشق کی وجہ سے ایک بدنام بادشاہ مانا جاتا ہے مگر پیشوا کی روحانی کشش اور تعلیم و تبلیغ اس قدر اثرانگیز ثابت ہوئی کہ بادشاہ اور رعایا سب ان کے ساتھ ہو گئے۔ اسلامی روایات و تعلیمات سے ہندو بھی دلچسپی لینے لگے اور حیدرآباد کی ثقافت پر دینی رنگ غالب آگیا۔ شیعہ، سنی اور ہندو مسلم اتحاد کو فروغ ہوا۔

شہر نو کی بنیاد : حضرت علامہ کی پیشوائی کا دوسرا اہم کارنامہ حیدرآباد کی تعمیر و ترقی ہے۔ علامہ کی تجویز و منظوری سے "چارمینار" نامی ایک دروازہ بنایا گیا جس کی بالائی منزل پر مسجد، مدرسہ، خانقاہ اور بہت بڑا حوض تھا یہ دروازہ "تعزیہ" یا امام رضاؑ کے روضہ کے قدیم دروازے کی نقل تھا۔ دروازے کی مربع عمارت کے چاروں طرف چار سڑکیں تھیں۔ یعنی علامۂ ممدوح نے سب سے پہلے بلند اور مرکزی مقام پر مسجد کی تاسیس کر کے تعمیرات کا آغاز کیا۔ اس دُوراندیشی کا فائدہ یہ ہوا کہ زوال حکومت کے بعد تمام عمارتوں پر زوال آیا مگر چارمینار اب تک قائم ہے۔ اور قطب شاہی حکومت کی اسلام دوستی کا اعلان کر رہا ہے۔

چارمینار کے علاوہ دوسری شاہی عمارتوں کے محل وقوع اور ان کے منحوس و مسعود ہونے نہ ہونے اور عملیات و طلسمات کے لیے پیشوا کا مشورہ لازمی تھا۔ عظیم الشان جلوخانہ کا حیرت انگیز دروازہ جسے کمان سحرِ باطل کہا جاتا ہے وہ بھی پیشوا کی صوابدید کا نشان تھا۔ اس دروازے کے سامنے پتھر کا ایک ستون تھا جس پر ایسی دعائیں اور نقش تھے جن کے اثر سے ہر شخص کے غلط منصوبے اور اذیت رسانی کے ارادے باطل ہو جاتے تھے اور بادشاہ ہر آسیب سے محفوظ رہتا تھا۔ یہ ستون اس قدر مفید ہوا کہ لوگ اس سے مَس ہو کر صحت یاب ہونے لگے۔ ایک مدت بعد شہر کے طبیبوں نے رات کے وقت اس پتھر کو اکھیڑ کر ایک کنویں میں ڈال دیا۔

پیشوا کی حویلی اور دائرہ : شہر کی تعمیر کا جو نقشہ بنایا گیا اس میں شہر کے ایک کونے پر قبرستان کی جگہ تعمیر ہوئی اور دوسرے کنارے سے ذرا پہلے حویلی بہ حویلی "حویلی مبارک" کہی جاتی ہے۔ اس میں محبوب علی خان اور ان کے بعد ان کی اہلیہ رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ "شفا خانہ" اور متعدد مکانات بنوائے جو اُن کی اولاد میں تقسیم ہوئے اب یہ علاقہ "محلۂ میر مومن" کہلاتا ہے۔ یہاں بڑی بڑی باؤلیاں، دروازے اور بازار تھے۔ اس کی تفصیل ۱۱۴۸ھ تک کے کاغذات میں موجود ہے۔

سلطان محمد قطب شاہ کی تعلیم : حضرت میر مومن کی پیشوائی کے ابتدائی دس سالوں کا سب سے اہم واقعہ محمد قلی قطب شاہ کے بھتیجے اور جانشین شہزادہ مرزا محمد سلطان کی ولادت ہے۔ اس شہزادے کی پوری زندگی مولانا کے زیرِ اثر رہی۔

اس کی تعلیم، تربیت، اخلاق، زہد و تقویٰ، شادی اور تخت نشینی سب کچھ مولانا کی بدولت ہوئی۔ اس طرح علامہ نے ثابت کر دیا کہ دینی اقدار ملکی تعمیر و ترقی اور شخصی کردار سازی و حکمرانی کے لئے بہت بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

مولانا نے نومولود کی ولادت کے موقعہ پر اس کی شاہی کی خبر دی تھی جو پوری ہوئی اور جب سلطان محمد قلی بادشاہ ہوئے تو مولانا نے اپنی سابقہ بزرگی و محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

ازدعا گوئی چو مومن، ہم دعا ہنر کر ہست   او کہن داعی و تو شاہ جہاں بان نوی

سلطان محمد قلی کی بادشاہی مولانا کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ کیونکہ محمد قطب شاہ کی ایک ہی لڑکی تھی۔ شاہ ایران نے اس لڑکی کا رشتہ مانگ لیا، علامہ صاحب نے ایرانی سفیر کو پانچ سال تک روکا اور شہزادی کو سلطان محمد سے بیاہ دیا۔ اس طرح نہ شاہِ ایران کی نفی میں جواب دینے کی ضرورت پیش آئی نہ ملک کے معاملات میں کوئی خلل آیا۔

چوتھا کارنامہ مرزا محمد امین کا جملۃ الملک مقرر ہونا ہے۔ اس امیر بیدار مغز نے حیدر آباد کی تاریخ کو جو تابناکی بخشی، اس سے پیشوا کی مردم شناسی ثابت ہوتی ہے۔ جملۃ الملک محمد امین کے تقرر کے بعد پیشوا صاحب کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ اور جب علامہ شیخ محمد ابن خاتون بھی آ گئے تو علامہ مومن کو اطمینان ہو گیا۔

عوام کی ترقی و رفاہیت :- علامہ مومن نے دیہاتوں میں تالاب، سرائیں اور مسجدیں بنوائیں۔ امام باڑے تعمیر کرائے۔ پھل دار درخت لگا کر باغ بھر دیے۔ دُور افتادہ مقامات پر اسلامی علوم و تہذیب کی اشاعت ہوئی۔ لوگوں کو رعائتیں ملیں تو دیہات آباد ہوئے۔ مسجد و منبر سے تعلیم اور محرم کے مراسم سے محبت کا پیام دیا گیا، اس وجہ سے ہندوؤں نے ائمۂ اطہار اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام شروع کیا۔

سید آباد نامی قصبہ کے آثار اب تک موجود ہیں۔ اس قصبے میں سرا اور مسجد باقی ہے۔ یہ عمارتیں مولانا نے وقف کر کے ملا تیمی کو متولی معین کیا تھا، ملا تیمی کی اولاد اب تک اس جگہ آباد اور ان کی ملکیت باقی ہے۔ مسجد کی وہ محراب جو سنگ موسی پر شاندار خطِ ثلث سے آراستہ ہے آج بھی باقی ہے۔ کتبہ میں ۱۰۱۴ھ کندہ ہے۔ آیات و احادیث و اسمائے رسولؐ و آلِ رسولؐ کے کاتب مولانا محمد حسین شیرازی تھے۔

میر پیٹھ، علامہ صاحب کی جاگیر تھی۔ یہاں بھی مسجد و تالاب ہے۔ "ظل اللہ گوڑہ" ایک گاؤں بھی آپ نے بسایا اور یہاں مسجد بنوائی، باغ اور باؤلی کے آثار بھی ہیں۔ اسی طرح "ایل" بھی جاگیر میں تھا۔

ایک اور آباد کردہ علاقہ مومن پورہ یا مادریال ہے۔ کنگرہ، مامڑپلی، چرلہ پلی وغیرہ کی مسجدوں وغیرہ کے تذکرے بھی موجود ہیں۔

سیاسی بصیرت : شہزادہ سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شادی حیات بخشی بیگم سے

کرانا اور شاہ ایران کی درخواست مسترد کرنا پیشوائے اعظم کا اہم کارنامہ تھا۔ اس کے نتیجے میں محمد قلی شاہ کے بعد سلطان محمد بادشاہ ہوا، سلطان محمد قلی نے ۱۷ ذی قعدہ ۱۰۲۰ھ میں رحلت کی خبر سنتے ہی مولانا دولت خانہ عالی پہنچے اور ضروری امور کا سرانجام کر کے سلطان محمد قطب شاہ کی شاہی کا اعلان کر دیا جس کے بعد دعویداران سلطنت اور خانہ جنگی کا خطرہ نہ رہا اور بادشاہ کی وصیت پر عمل بھی ہو گیا۔

۱۰ ذی الحجہ ۱۰۲۰ھ کو سلطان محمد قطب شاہ نے تخت شاہی پر جلوس کیا۔ پیشوائے اعظم نے محمد قلی قطب شاہ کو اکبر کی طرح بے دین نہ بننے دیا تھا۔ اب انھیں اپنے پرورش کردہ سلطان کو زیادہ دینی اقدار کا پابند رکھنے کا موقع ملا، سلطان محمد قطب شاہ نے فیض تربیت سے اسلامی علوم و آثار کی ترویج کی اس کی عمارتیں اور شہروں کی تعمیر نو میں ہندویت سے زیادہ ایرانی نقشہ جلوہ فرما ہے۔ مولانا نے اپنے قصیدہ میں کہا ہے:

سر مرقند خاک تلنگانہ ز فرخ پائے تو ‌ ‌ ‌ اے فدائے خاک پاکت سرزماں جاں نوی

گو صفا یان نو شد از شاہ جہاں عباس شاہ ‌ ‌ ‌ حیدرآباد از تو شد شاہا، صفایان نوی

سلطان محمد بادشاہ ہونے کے باوجود مطالعہ کا عاشق تھا اس نے نادر کتابیں بڑے ذوق[1] سے جمع کی تھیں، ان میں ایک کتاب "کنز المیامن" ہے جس کے لئے کہا جاتا تھا کہ امام رضا علیہ السلام نے خود تحریر کی تھی۔ سلطان نے اس نسخے کی نقل مکہ مکرمہ سے کروائی تھی۔ اور محمد استرآبادی کے کتابت و مقابلہ نے فرائض انجام دیئے تھے۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ بادشاہ نے شاہ قاضی شاگرد علامہ مومن سے کروایا۔ یہ نسخہ سالار جنگ کے کتب خانے میں اب تک محفوظ ہے۔ کاتب کا نام محمد مومن عرب بن شرف الدین حسن شیرازی ہے اور تاریخ ذی حجہ ۱۰۲۹ھ علامہ ابن خاتون سے سلطان کا تلمذ اور ان کے علمی مشاغل کی ہمت افزائی فروغ علم و ترویج مذہب کا ثبوت ہے۔

---

[1] حیدرآباد، کتب خانوں کا شہر اور نوادر کتب کا خزانہ ہے۔ عرب و عجم کے ہزاروں علما دہاں آئے اور اہل قلم نے تصنیف و تالیف کا کام کیا، چونکہ علامہ میر مومن و ابن خاتون جیسے علمائے دین ملک کے سربراہ تھے۔ اس لیے رؤسا کے گھروں اور مدرسوں میں دینی کتابوں کی فراوانی تھی۔ دکن کی تباہی اور ۱۹۴۸ء میں ہندوؤں کے قبضۂ دکن کے بعد یہ ذخیرے آخری مرتبہ منتشر ہوئے۔ اس کے باوجود کتب خانۂ سر سالار جنگ مرحوم اور کتب خانہ آصفیہ و کتب خانہ عثمانیہ یونیورسٹی کتب خانۂ دار التصنیف والترجمہ اور متعدد مکتبوں میں انتہائی نادر و نایاب شیعہ کتابیں اب بھی موجود ہیں۔

شاہی کتب خانوں کے بہت سے نوادر ایران، لندن اور فرانس اور امریکہ کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

قطب شاہی حکومت نے بہت سی کتابوں کے ترجمے کروائے اور براہ راست کتابیں بھی لکھوائیں، غالباً اسی روایت کی تجدید کیلئے نظام حکومت نے ایسے ادارے قائم کیے تھے جنھوں نے ترجمہ و طباعت نوادر اشاعت علوم اسلامی کا فریضہ انجام دیا۔

پیشوا کی نجی زندگی: علامہ میر محمد مومن کے اکلوتے فرزند میر محمد الدین ۹۹۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ خیال ہے کہ ان کی والدہ دکھن کی رہنے والی تھیں۔ محمد الدین نے ۱۰۳۴ھ میں رحلت کی۔ علامہ میر محمد مومن نے ان کی تعلیم و تربیت عالمانہ طور پر کی۔ اس وقت وہ بوڑھے بھی تھے اور حکومت کے منصب کی وجہ سے مصروف بھی۔ مگر گھر کی فضا سے غافل نہ تھے۔ وہ ذاتی طور پر عوامی رفاہ و بہبود، تعلیم و ترقی سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور اپنی اولاد کو مثالی بنانے میں کوتاہی کو جرم سمجھتے تھے۔

درس و تدریس: اتنی فکروں اور مصروفیتوں کے باوجود انھیں پڑھانے کا بھی شوق تھا، اور تدریس ان کی اہم مصروفیت رہی۔ اس عہد کے اکثر علما و افاضل ان سے پڑھتے یا علمی مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے۔

گوشہ نشینی و عبادت: سلطان محمد قطب شاہ کی حکومت میں وہ تقریباً گوشہ نشین ہو گئے۔ اہم معاملاتِ حکومت کے علاوہ بیشتر عبادت و اوراد و وظائف میں مصروف رہتے تھے۔

وفات: آخر ستر پچھتر برس کی عمر میں داغ فرزند جواں کی تاب نہ لا سکے اور محمد الدین کے چالیس دن بعد دوشنبہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۰۳۴ھ آپ نے سفرِ آخرت کیا اور اپنے فرزند کے مقبرے میں زیرِ گنبد جگہ پائی۔

عرس: ہر سال ۲۶، ۲۷ شعبان کو بہت بڑا عرس اب تک ہوتا ہے۔ عرس میں ہندو مسلمانوں کی شرکت پیشوا کی ہر دلعزیزی کی گواہ ہے۔

سیرت: میر محمد مومن، امیری و فقیری کے جامع تھے۔ ان کی دینی حیثیت اور سیاسی سوجھ بوجھ پر اب تک کوئی انگشت نمائی نہیں کی جا سکی ہے۔ اوّل سے آخر تک تواضع، شفقت، پرہیزگاری کا نمونہ رہے، نہ علم پر مغرور تھے نہ منصب شاہی پر متکبر نہ بیرونی روابط میں کمزوری آنے دی نہ اندرونی استحکام کو نقصان پہنچا۔

رعایا کی فلاح و بہبود، اہلِ حاجت کی دستگیری، مسافروں کی پذیرائی و خبر گیری، ایران و توران کے علما و فضلا و اہلِ جوہر پر بارش کرم، ملازمت کا انتظام، ترقی کی خواہش اور ان کی عزت افزائی کا خیال رکھا۔

حرمین و عتباتِ عالیات، حجاز و عراق و ایران کے روضوں اور وہاں کے اکابر و علماء کے لیے سالانہ امداد و وظائف کا اہتمام کرتے رہے۔

طلبہ و فضلا کو پڑھاتے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ علم و فضل، دولت و امارت کے ساتھ ساتھ اہم ترین بات یہ تھی کہ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔

ریاضت و طہارتِ باطن: جناب میر صاحب عالم باعمل، صاحبِ ریاضت و روحانیت تھے۔ جن منتر تھے، دعا مستجاب تھی۔ تعویذ و عزیمت میں تاثیر تھی۔ فن رمل و نجوم میں مہارت تھی۔ دولت خانۂ عالی کے لیے پتھر کا ستون بنوایا تھا اور اس پر تکسیر و نقوش و تعویذات کندہ کراتے تھے یہ تعویذ عوام کے لیے تاثیر بخش ثابت ہوئے

لوگ یہاں آکر شفا پاتے تھے اس طرح سے ایک باؤلی کا پانی شفا بخش ہوگیا۔

جنوں پر حکومت: معاصر مورخین لکھتے ہیں کہ علامہ کی تسخیر جنات کے واقعات زبان زد خاص و عام ہیں اور دکن میں ان کے چرچے ہیں ان میں سے گلزار آصفیہ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

"سلطان قطب شاہ کے اہل منصب میں دو بھائی میر مظفر وزیر کے یہاں متعین تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ سیر کی غرض سے موسی ندی پر خیمہ زن تھا، حشم خدم کے ساتھ یہ دونوں بھائی بھی حاضر خدمت تھے۔ گرمی کی شدت تھی اور دریا میں پانی کم ۔ لوگوں نے ندی سے کنوؤں اور گڑھوں میں پانی جمع کر لیا تھا۔ یہ کنویں یا گڑھے دو گز سے زیادہ گہرے نہ تھے ایک روز وزیر کو حضوری میں دیر لگ گئی۔ دونوں بھائی ساتھ تھے۔ چھوٹے بھائی نے بھوک سے مجبور ہو کر خیمہ کا رُخ کیا درباری لباس اتارا ہی تھا کہ دامن سے سانپ کا بچہ گرا منصبدار نے اسے مار ڈالا، مگر جسم میں آگ سی لگ گئی گھبراہٹ اور سوزش کی شدت سے گھبرا کر ایک گڑھے میں کود پڑا اور غائب ہوگیا۔ لوگوں نے اس کے بڑے بھائی کو اطلاع دی اس نے وزیر سے واقعہ بیان کیا۔ وزیر نے مشورہ دیا کہ پیشوا کی خدمت میں حاضر ہو۔ وہ شخص جناب پیشوا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے تین ٹھیکریاں کچھ لکھ کر دیں اور فرمایا۔ ایک ٹھیکری گڑھے میں ڈالنا تمہارا بھائی آجائے گا۔ لیکن اگر نہ آئے اور کچھ زیادہ دیر گذر جائے تو دوسری ٹھیکری ڈال دینا۔ اگر اس کے بعد بھی برآمد نہ ہو تو تیسری ڈال دینا۔ ایسا ہی ہوا، تیسری ٹھیکری کے ڈالتے ہی وہ شخص اس کنویں میں نظر آیا۔ لوگوں نے رسّے ڈال کر نکال لیا۔ وہ شخص کچھ دیر کے بعد ہوش میں آیا۔ لوگوں نے واقعات پوچھے تو اس نے بتایا جس سانپ کو میں نے مارا تھا وہ شاہ جنات کا بھانجا تھا۔ میرے کنویں میں اترتے ہی دو بدشکل جوان مجھے لق و دق صحرا سے ایک شہر میں لے گئے۔ اس شہر کے بارونق بازار، صاف شفاف راستے، مصروف لوگ اور شاندار عمارتیں دیکھتا ہوا بادشاہی محل پہنچا۔ محل میں جسے دیکھا چست و چابک، کمر بستہ سامان جنگ سے لیس ہے۔ بادشاہ تخت مرصع پر جلوہ گر، ارکان دولت اپنی اپنی جگہ ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، تخت کے نزدیک بادشاہ کی بہن سر برہنہ کہہ رہی ہے۔ خدا نے بھائی تجھے بادشاہ بنایا ہے۔ انصاف سے کام لے اور میرے بچے کے خون کا بدلہ دلوا۔ میرے دل کو ٹھنڈا کر۔

بادشاہ نے مجھے دیکھتے ہی قتل کا حکم دیا۔ حسب الحکم قتل گاہ لے گئے۔ تلوار چلنے ہی کو تھی جو چوبدار دوڑے "گردن نہ اڑانا" کا شور ہوا بادشاہ کی طلبی کا حکم آیا اور مجھے بادشاہ کے روبرو پہنچا دیا گیا۔ میں نے بادشاہ اور بہن کی باتیں سنیں۔ بادشاہ بہن کو سمجھا رہا تھا اور کہتا تھا کہ تیرے لڑکے کا خون اس کی گردن پر کیسے ثابت ہو سکتا ہے وہ تو سانپ بن کر گیا تھا۔ اس نے سانپ کو مارا۔ اب اس غریب کو معاف کر دے۔ میر مومن صاحب نے سفارش کی ہے مگر وہ نہ مانی اور میں دوبارہ قتل گاہ بھجوا دیا گیا۔ جلاد نے تلوار اٹھائی۔ اتنے میں ایک شتر سوار تیزی سے آیا اور میری طلبی کا حکم لایا۔ میں دوبارہ دربار پہنچایا گیا۔ اس وقت بادشاہ تخت سے نیچے اتر کر بہن کے سر پر

ہاتھ رکھے سمجھا رہا تھا کہ میر مومن صاحب کی دوبارہ سفارش آئی ہے۔ اس شخص کو معاف کر دے مگر وہ راضی نہ ہوتی تھی اتنے میں شہر کے مشرقی حصہ میں آگ لگنے کی خبر آئی۔ خبر سنتے ہی بادشاہ نے میرے محافظوں کو حکم دیا کہ جلدی سے اس شخص کو اسی کنویں میں ڈال دو ورنہ شہر جل جائے گا اور جنات تباہ ہو جائیں گے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ علامہ نے "دائرہ" کے لیے کربلائے سے مٹی جنوں ہی کے ذریعے منگوائی تھی

وفات کے بعد بھی متعدد واقعات دیکھے جاتے رہے ہیں جن میں سے ایک واقعہ نواب میر عالم کے زمانے میں رُونما ہوا اور مؤرخین نے اسے مشاہدات کے طور پر لکھا ہے:

"میر شہسوار علی صاحب ایک غیرت مند مفلوک الحال صحیح النسب سید تھے۔ باحیثیت لوگ محرم کے سبز لباس محرم کے بعد ان کی نذر کر دیا کرتے تھے اور سال بھر تک وہی سبز کپڑے پہنا کرتے تھے نواب میر عالم نے پانچ روپے ماہوار مقرر کر دیئے جو ان کے لیے کافی نہ تھے لیکن میر صاحب نے کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا۔ اتفاق سے میر شہسوار علی آدھی رات گھر آتے ہوئے دائرۂ میر مومن کی طرف سے گذرے۔ انھوں نے دیکھا گنبد کے دروازے پر ایک بزرگ عربی لباس پہنے کھڑے ہیں۔ انھیں دیکھتے ہی آواز دی "میر شہسوار علی ادھر آؤ" یہ سمجھ گئے کہ میر مومن صاحب یہی ہیں آگے بڑھے اور کہا:

"پیر و مرشد! آج کی رات غلام کے لیے شب معراج ہوگئی۔ آپ کے قدم میسر آئے۔"

فرمایا۔ تمہارے اخراجات کیسے چلتے ہیں، میں نے عرض کیا "قبلۂ عالم! باوجود قدیم دوستی کے میر عالم پانچ روپے ماہوار دیتے ہیں۔ اس میں بڑی مشکل سے بسر ہوتی ہے"! فرمایا۔ "اگر تم کو ایک روپیہ یومیہ مل جائے تو کافی ہے"؟ میں نے عرض کیا "بہت ہے" یہ سن کر اپنی جیب سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ کا ایک روپیہ نکال کر مجھے دیا۔ کہ اسے اپنے قلمدان یا صندوقچے میں لال کپڑے یا کاغذ سے باندھ کر رکھنا اور صندوق کو مقفل کر دینا کہ ضائع نہ ہو۔ انشاء اللہ اس صندوق سے روزانہ دو روپے ملتے رہیں گے۔ ایسا ہی ہوا میر صاحب کے دن پھر گئے۔ ان کی خوش حالی کی خبر سے لوگوں کو شبہ ہوا۔ گھر کی اور لڑکوں کی پوچھ گچھ ہوئی اور میر عالم مدار المہام تک معاملہ پہنچا۔ انھوں نے مجھے بلا کر حقیقتِ حال دریافت کی اور وہ روپیہ دیکھ کر بوسہ دیا اور کہا۔ "لو مبارک ہو، اس کو احتیاط سے رکھو"۔

جب تک میر شہسوار علی زندہ رہے وہ روپیہ محفوظ رہا اور اس کا اثر باقی رہا ان کے بعد نہ وہ روپیہ رہا نہ اس کا اثر باقی رہا۔ البتہ میر مؤمن کی عظمت و روحانیت مانی گئی۔

دوسرا واقعہ بھی مصنف گلزار آصفیہ نے چشم دید لکھا ہے:

"ہمت یار جنگ قدیم خاندانی امیر، نمازی، متقی اوراد و وظائف کے پابند، صاحبِ تدبیر و دانش

قلعۂ ظفر گڑھ و ابراہیم گڑھ کے قلعہ دار ایک دن اپنے مکان کے بالاخانے میں بیٹھے صحرا و سبزہ زار کا منظر دیکھ رہے تھے۔ اچانک سفید رنگ طلائی زیور اور زرتار جھول سے آراستہ بکری پر نظر پڑی جو ناز و انداز سے دیوارِ قلعہ کے نیچے پھر رہی تھی۔ نواب اسے دیکھتے ہی قلعے سے باہر آئے اور پیدل اس کا پیچھا کیا مگر وہ آہستہ آہستہ دُور ہوتی گئی اور پھر گل یاسمن کا ڈھیر بن گئی۔ نواب صاحب یہ دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگ پالکی میں ڈال کر گھر لائے مگر نواب صاحب کو عرصے تک ہوش نہ آیا۔ ہوش میں آئے تو کھانا پینا چھوڑ دیا۔ دن رات روتے تھے۔ لباس چاک رہنا غالب بڑے عمل تعویذ ہوئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

آخرکار مجبور ہو کر پالکی میں بٹھا۔ رسیوں سے باندھ کر میر مومن صاحب کی قبر پر لائے لیکن نواب نے گنبد میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور بھاگنے لگے۔ لوگوں نے جبراً پکڑ کر قبر کے قریب بٹھا دیا۔ یکایک بدن میں لرزہ طاری ہوا اور چیخنے لگے "میں جاتا ہوں، مجھے یہاں سے لے چلو" کچھ عرصے بعد بے ہوش ہو گئے۔ چار ساعت بعد ہوش آیا تو لباس طلب کیا۔ لوگوں نے قبر سے وار کر پانی پلایا۔ نواب صاحب اس کے بعد کبھی جنون زدہ نہ ہوئے۔

اسی مصنف نے لکھا ہے:

محمد نعیم الدین خان بہادر کے یہاں ایک حبشی جوان تھا۔ یکایک اس کا مزاج بگڑ گیا۔ لوگوں کو پتھر مارنے اور گالیاں دینے لگا۔ بہت علاج معالجے ہوئے جب کوئی فائدہ نہ ہوا تو "دائرہ" میں لے گئے۔ لیکن گنبد میں جانے کی جس قدر کوشش کی جاتی تھی وہ بے نتیجہ ہوتی ہے۔ آخر بڑی قوت کے ساتھ اسے قبر کے قریب بٹھایا اور قبر سے پانی وار کر پلایا۔ جس کے نتیجے میں وہ تندرست ہو گیا۔

ابھی تک قبر کے اردگرد کوزے اور صراحیاں رکھی ہیں۔ لوگ پانی پیتے اور شفا پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی لوگوں کے مختلف تجربے اور عمل ہیں جو صدیوں سے چلے آتے ہیں۔ اور اس معاملے میں شیعہ سنی دونوں شریک ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ سنی حضرات علامہ کو سنی کہتے ہیں۔

فتح کا پھریرا: دبیز سفید کپڑے کا گاؤ دم لانبا پھریرا جس کا طول پانچ گز اور عرض تین گز ہے۔ اس تبرک کے مالک میر محمد مومن عرف سید بادشاہ ساکن محلہ سلطان شاہی کے بقول یہ پرچم قطب شاہی فوجوں کی شکست کے وقت بادشاہ کی درخواست پر میر صاحب نے تیار کرایا تھا۔ پھریرے میں حاشیے اور وسط میں آیات اور ادھر اُدھر کچھ نقش، پنجتن اور چہاردہ معصومین کے نام لکھے ہیں، کہتے ہیں کہ اس پرچم کی برکت سے بادشاہ فتح یاب ہوا۔

علامہ کے آثارِ باقیہ میں ایک تو وہ پاک قبرستان ہے جس میں کربلائے معلّٰی کی مٹی بچھائی گئی ہے۔ دوسرے وہ اوقاف و تعمیرات جن سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر وہ عجیب کارِ خیر جس کی اور کوئی مثال نہیں ملتی۔

آپ نے اپنے غلاموں اور کنیزوں کو شیعہ و سنی غسل میت کے آداب و مسائل یاد کرا کے ان کی زندگی کے
معاش کا مستقل انتظام کر دیا۔ آج تک ان کی اولاد غسال کہلاتی اور یہی فریضہ انجام دیتی ہے۔ ان میں آدھے سنی ہیں اور آدھے
شیعہ۔ گلزار آصفی میں ہے کہ غلاموں کی تعداد سو تھی۔ یہ سب علامہ نے خود خرید کر آزاد کیے تھے۔ افسوس ہے کہ گردش
زمانہ سے ان کی املاک ضائع ہو گئی اور اب یہ آزاد لوگ محنت مزدوری کے طور پر یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔

"دائرۂ میر مومن" میں سینکڑوں اونٹوں پر لاد لاد کر کربلاء معلیٰ کی مٹی ڈالی گئی۔ یہ مٹی کربلا سے لائی جاتی رہی۔ یہ
قبرستان لاکھوں سادات، علما، فضلا، امرا، ایران و عرب کی آرام گاہ ہے اور بہت سے مشاہیر کے نشان
مزارات اب تک موجود ہیں۔

میر محمد مومن برصغیر کے وہ عالم دین ہیں جنھوں نے مُلّا ہونے کے باوجود ریاست و سیاست میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے اور
اسلامی اقدار کو ایسے انداز سے زندگی بخشی جس کی مثالیں کمیاب ہیں۔ محمد مومن اور ابن خاتون کے ان مساعی کی دوسری مثال لکھنو
کا عہد امجد علی شاہ ہے جس میں سلطان العلما اور سید العلما نے اپنا تاریخی کردار ادا کیا تھا۔

پسماندگان: جناب پیشوا کے ایک بھائی میر شاہ علی تھے اور ایک فرزند مجد الدین جن کے حالات
اسی کتاب میں گزر چکے ہیں۔ مجد الدین کی اولاد اب تک حیدرآباد میں موجود ہے۔
ان میں محمد عباس نامی بزرگ اور دائرۂ میر مومن کے متولی تھے۔ ۱۹۵۷ء کے
بعد کیا تبدیلیاں ہوئیں سر دست ان کا علم نہیں ہے۔

تصانیف: • دیباچۂ کنیز المیامن۔ • رسالۂ مقداریہ، اس میں شرعی و طبی اوزان مسافتوں کی
اصطلاحیں کے تفاصیل اور آراء و مباحث درج ہیں اور ان کے متبادل دکنی اوزان تحریر کیے ہیں۔ کتاب سے
علامہ کی وسعت نظر اور فقہی بصیرت ثابت ہوتی ہے۔ کتاب کا اصل نسخہ نواب سالار جنگ کے کتاب خانے
میں موجود ہے۔ سلطان محمد قطب شاہ کی مہر بھی ہے "بندۂ شاہ نجف سلطان محمد قطب شاہ" ۱۰۲۰ھ

• کتاب رجعت جس کے تعارف میں عبدالجبار خاں نے لکھا ہے "آپ نے حدیث و ادب میں مولانا
سید علی الملقب بہ نورالدین الموسوی شوشتری سے اجازت و سند حاصل کی ہے اور آپ کی تصنیف کتاب رجعت ہے"
اس کتاب کا نسخہ سالار جنگ کے کتاب خانے میں ہے۔ لیکن اس کا سنہ تالیف ۱۰۶۹ھ درج ہے
اس لیے مجھے یہ کسی اور علامہ محمد مومن کی تالیف معلوم ہوتی ہے جو غالباً مجلسی کے استاد تھے۔

اس کے علاوہ حواشی و مراسلات عربی و فارسی کا کوئی سراغ نہیں۔ جناب محی الدین زور نے رسالہ مقداریہ اور
فارسی کلام کا معتد بہ حصہ اپنی وقیع کتاب میں محفوظ کر دیا ہے۔

ایک اور کتاب اختیارات قطب شاہی شرح اختیارات بدیعی تالیف علی بن حسین انصاری (۸۰۶ھ)

پنجاب یونیورسٹی کے ذخیرۂ شیرانی میں ہے۔ ("میر محمد مومن" تالیف محی الدین زور طبع دوم، ۱۹۵۰ء)

میر محمد مومن عرشی : حدود ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء
۱۰۹۱ھ / ۱۶۸۰ء

میر عبداللہ وصفی مشکین رقم کے چھوٹے بیٹے اور محمد صالح کشفی کے بھائی ہیں۔ اکثر علوم میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ شعر و کتابت میں مشہور تھے اور کتاب داری منصب تھا۔ کچھ عرصے سلیمان شکوہ پسر داراشکوہ کے اتالیق رہے پھر گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ حالات اور ماحول کے تعصب نے اُن شیعوں کو ملقہ التصوف میں پناہ لینے پر مجبور کردیا تھا ملا محمد صالح کنبوہ کہتے ہیں :

محمد صالح فارسی میں کشفی اور ہندی میں سبحان اور میر مومن عرشی تخلص ہیں " چوں ہر دو را بانغمۂ ہندی گوشۂ خاطری ست، نغمہ سرایان ہند پیش شان گوش می گیرند و در دائرۂ مجلس شان چوں دف حلقہ در گوش می کنند و چوں دوستی اہل بیت را بیت القصیدۂ اعتقاد خود ساختہ اند چندیں شعر در منقبت دوازدہ اختر برج ولایت پرداختہ واعیان صوفیہ باایشان آمیزش دارند" (شاہ جہاں نامہ ج ۳، ص ۳۲۴)

عرشی نے تقریباً نوے برس کی عمر ۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء میں رحلت کی اور اپنے والد کے قبرستان میں جگہ پائی۔

شب پنجشنبہ بتاریخ زبدہ (۱۸) | رواں شد بقصر جناں میر مومن (۱۰۹۱)
چو پرسند سال وصالش محبان | بگو، سید عرشیان میر مومن

(بوستان اخیار ص ۲۰۳، شاہ جہاں نامہ ج ۳)

محمّد مومن شیرازی : ۱۰۷۴ھ / ۱۶۶۳ء
۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء

علامہ الفقیہ المحدث، المفسر الحکیم، الادیب الشاعر محمد مومن بن محمد قاسم بن ناصر جزائری، شیرازی ہندی عالم و عارف، سیاح و مبلغ بزرگ تھے۔ غلام علی آزاد بلگرامی کے بقول ان کی زادگاہ شیراز اور سنہ ولادت ۱۰۷۴ھ ہے۔ عراق و عجم کے بہت بڑے بڑے علما سے تمام مروجہ علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کرنے کے بعد ہندوستان آئے اور عالمگیر کے مدارالمہام فاضل خان کی قدردانی اور عالم نوازی سے متاثر ہوکر یہیں رہ گئے۔ فاضل خان ۲۷ ذی قعدہ ۱۰۷۳ھ کو لاہور میں راہی ملک بقا ہوئے اس لیے ممکن ہے کہ مولانا محمد مومن لاہور میں بھی رہے ہوں نزہۃ الخواطر میں محمد مومن کو مقیم اورنگ آباد بتایا ہے اور سبحۃ المرجان میں تاریخ وفات ۱۱۱۸ھ درج ہے۔
اس وقت میرے سامنے موصوف کی تصنیف لطیف "قُرّۃُ العَین وسَبیکۃُ اللُّجین"۔

کا ایک قلمی نسخہ ہے، عربی کی یہ نفیس کتاب مقدمہ، دس مقالات اور خاتمے پر مشتمل ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اب تک محروم اشاعت ہے۔ حالانکہ مواد و ترتیب کے لحاظ سے بہت اہم کتاب ہے۔
"قرۃ العین" کا پہلا مقالہ حل مشکلات آیات پر مشتمل ہے (۴۰ آیات) دوسرا مقالہ چالیس احادیث مشکلہ پر
- علمی سوال و جواب ۔ مشکل عبارات و اشعار ۔ مناظرہ و مطارحہ ۔ مغالطات ۔
- نوادر و نکات ۔ الغاز ۔ معمہ و احجیہ ۔ کتاب کے عنوانات ہیں

فاضل مؤلف نے ذیل مباحث میں اپنے اساتذہ و تالیفات کے نام بھی لکھے ہیں۔ بظاہر یہ کتاب مشہد یا شیراز میں قلمبند کی گئی تھی۔

اساتذہ: السید محمد قاسم بن خیر اللہ حسنی حسینی سے نحو و لغت تفسیر و حدیث و فقہ پڑھی۔ زین العابدین حائری و شیخ علی بن محمد شامی و الشیخ صالح بن عبد الکریم بحرانی سے فقہ استدلالی و اصول ۔ محمد اسماعیل فسوی اور شیخ الحدیث شاہ محمد شیرازی و شرف الدین علی و نصیر الدین محمد بیضاوی و محمد صالح خضری و محمد حسین مازندرانی و حکیم محمد ہادی سے مختلف علوم و فنون میں فیض یاب ہوئے پھر برصغیر آئے۔ متعدد شہروں سے ہوکر اورنگ آباد میں قیام کیا اور برصغیر ہی میں ۱۱۱۸ھ کو اعلیٰ علیین کا سفر کیا۔

تصانیف: ۔ جامع المسائل النحویہ فی شرح الصمدیۃ البہائیہ ، مبسوط ۔ بیان الآداب
- مصباح المبتدین ۔ مشکاۃ العقول ۔ قرۃ العین ، سبیکۃ اللجین فی توجیہ الآیات المشکلۃ والاحادیث الغریبہ وحل الابیات وغیر ذلک (تالیف ۱۱۰۱ھ) ۔ وسیلۃ الغریب ، علی نہج قرۃ العین ۔
- تحفۃ الغریب ۔ نخبۃ الطب ۔ شرح قانونچہ ۔ تحفۃ الاطباء کشکول ۔ تمیمۃ الفؤاد من الم البعاد فی نوادر الاشعار ۔ جنات عدن فی ثمانیۃ فنون ۔ مشرق السعدین ۔ مجمع البحرین
- ثمر الفؤاد و سمر البعاد ۔ ثمرۃ الحیاۃ و ذخیرۃ الممات ۔ محاسن الاخبار و مجالس الاخبار ، مجلد
- طیف الخیال فی مناظرۃ العلم والمال ۔ (سبحۃ المرجان ۔ نجوم السماء ، ص ۱۸۲ ۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۵۶)

محمد مہدی ، موسوی :

حدود ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۳ء
حدود ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء

مولانا محمد مہدی بن ابو القاسم موسوی شہرستان کے رہنے والے تھے ۔ اپنے عہد کے مشاہیر سے تعلیم حاصل کی ۔ ان کے اساتذہ میں شیخ یوسف بحرینی کا نام بہت مشہور ہے ۔

ملا محمد مہدی موسوی نوعمری میں دہلی و حیدر آباد دکن آئے تھے ۔

عمر کا آخری حصہ کربلائے معلیٰ میں گزرا ۔ یہاں درس و تدریس داد و دہش اور ریاضت و عمل میں شہرت حاصل کی ۔
(نجوم السماء ، ص ۳۳۱)

محمد سعید، گرمرودی :

۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء

بقول محمد امین بن ابوالحسین قزوینی ("بادشاہ نامہ") قاضی محمد سعید گرمرودی شاگرد میر محمد باقر داماد (م ۱۰۴۱ھ) کے شاگرد۔ شاہ جہاں کے دربار میں بڑے محترم تھے۔ بادشاہ ان پر اعتماد کرتا تھا، داروغگی داغ و تصحیحہ، عرض مکرر اور دیوان بیوتات کے مناصب پائے ہزاری منصب تک پہنچے اور ۱۰۴۵ھ میں رحلت کی۔

محمد مہدی بن سید ہادی :

حدود ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء
۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء

مولانا محمد مہدی بن سید محمد ہادی آل غفران مآب لکھنؤ میں پیدا ہوئے اپنے خاندان کے بزرگوں سے پڑھ لکھ کر نوعمری میں مرتبہ کمال کو پہنچے۔ موصوف کی ذہانت و قابلیت کا ہر شخص مداح تھا لیکن اٹھائیس سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ تاریخ وفات ۱۲۷۶ھ (بقول تکملۂ نجوم السماء و عبدالحی ۱۲۷۷ھ)

تصانیف : • تحفۃ الصائم۔ •شرح اثنا عشریہ۔ • رسالہ در اجتہاد و تقلید۔

(نزہۃ ج ۷، ص ۱۹۱۔ • بے بہا ۲۳۶)

محمد مہدی ادیب :

حدود ۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء
۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء

مولانا سید محمد مہدی ابن نوروز علی صاحب مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی کے زمین دار تھے وطن میں پیدا ہوئے۔ علم دوست باپ نے اعلےٰ درجے کی تربیت کی۔ پندرہ سال کے ہوئے تو لکھنؤ آئے اور محلہ حیدر گنج میں قیام کیا۔ یہیں تکمیل تحصیل کی۔ معقولات میں مولوی کمال الدین موہانی اور مولوی فضل اللہ مدرس کیننگ کالج سے تلمیذ تھا۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب سے علوم ادب حاصل کیے۔ مفتی صاحب قبلہ آپ کے لیے فرماتے تھے: "اصدق خلّ من بطانتی واوثق سہم فی کنانتی" مولانا حامد حسین صاحب سے تلمذ تھا اور وہ بھی ان کی قابلیت کے مداح تھے۔

مولانائے مرحوم بڑے زمیندار اور اسی پائے کے عالم ادب تھے۔ رئیسانہ وضع اور عالمانہ شان تھی۔ حسین چہرہ، مقدس سیرت تھے۔ عربی شعر و ادب میں بڑی عظمت رکھتے تھے۔ "بہجۃ الادب" کے نام سے ایک انجمن قائم کی تھی اس انجمن میں پندرہ دن بعد عربی شعر و نثر کے اجتماعات ہوتے تھے۔ اور علماء وطلبہ مشق سخن کرتے اور فن کی داد لیتے تھے۔ تمام علماء و ادباء عرب سے مراسلت تھی کبھی کبھی لکھنے بھی جاتے تھے جہاں علمی صحبتیں ہوتی تھیں۔

جناب فردوس مآب کے داماد تھے۔ تخمیناً ۴۹ سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۷ صفر ۱۳۱۷ھ اپنے وطن میں رحلت کی۔

تصانیف: • الکواکب الدرّیۃ۔ عربی نظم و نثر کا نفیس مجموعہ طبع لکھنؤ میرے کتب خانے میں ہے
• الفریدۃ البہیۃ فی شرح قصیدۃ العلویۃ۔ عربی لغت و ادب کا ذخیرہ، مطبوعہ نسخہ میرے پاس ہے۔
مراثی و قصائد و نسیب و خطوط کا بہت بڑا ذخیرہ ضائع ہو گیا یا کتب خانہ ناصریہ میں ہے۔

تلامذہ: • مولانا سبط حسن صاحب۔ • مولوی محمد ہارون صاحب۔ • مولوی عالم حسین صاحب۔ • مولوی نظیر حسن صاحب بھیک پوری۔ • مولوی محمد عوض صاحب شہزادہ مرزا جہاں قدر صاحب مولانا شبیر حسن صاحب قبلہ، مولانا پیارے مرزا صاحب ابن حکیم عباس مرزا صاحب بن حکیم وزیر مرزا صاحب مرحوم لکھنوی

(بے بہا ص ۳۵۶۔ نزہۃ ج ۸ ص ۴۵۷)

محمد مہدی، بھیک پوری: ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء — ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء

مولانا سید محمد مہدی بن سید علی صاحب مشہور عالم و خطیب بزرگ تھے آپ ۲۵ ربیع الاوّل (بقول آغا بزرگ ربیع الثانی) ۱۲۶۹ھ علی نگر میں پیدا ہوئے۔ علی نگر بھیک پور ضلع سارن بہار میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جناب سید علی اس قصبے کے زمیندار اور علم دوست مومن تھے۔ موصوف نے فرزند کو دینی تعلیم دی۔ وطن اور عظیم آباد میں ابتدائی کتابیں پڑھ کر لکھنؤ میں تکمیل تعلیم کے لیے آئے اور بعد فراغت وطن جا کر اپنے والد کی بنا کردہ مسجد میں نماز جمعہ و جماعت قائم کی آپ کے مواعظ و اخلاق کی وجہ سے اشاعت دین بھی ہوئی اور عام مومنین بھی پابند صوم و صلوٰۃ ہو گئے۔ عموماً نماز ظہر کے بعد وعظ فرماتے تھے۔ ۱۳۲۵ھ میں مومنین کے اصرار سے وعظ و تقریر کے آخر میں مصائب بھی پڑھنے لگے تھے۔ اس زمانے میں نماز کے بعد عموماً وعظ میں صرف مسائل فقہ اور اخلاق بیان کئے جاتے ہیں ۱۳۱۶ھ اپنے گھر پر محرم کا سلسلہ شروع فرمایا۔ چار سال بعد لواعج الاحزان جلد اول مرتب ہو گئی۔ اس کا تاریخی نام مظہر المصائب ہے۔ یہ کتاب ذاکرین میں بہت مقبول ہوئی بار بار چھپی اور مانگ باقی ہے۔

۱۳۰۷ھ میں آپ عراق و ایران کے سفر کو گئے اور جناب سرکار مرزا محمد تقی صاحب مجتہد سامرہ اور جناب عماد العلما جناب سید باقر صاحب قبلہ نے اجازہ لئے امور حسبیہ شرعیہ دیے۔ ۱۳۲۱ھ میں حج و زیارات مدینہ سے مشرف ہوئے۔

ایک مدت تک تبلیغ و تلقین دین و اخلاق کے بعد ۲۴ جمادی الثانیہ ۱۳۴۸ھ کو مظفر پور میں انتقال کیا۔

تالیفات: • زمزمۃ الحجاج احکام حج بفرمائش حاج نواب سید علی نواب صاحب رئیس مظفر پور (مطبوعہ)

- سوانح مولوی سید علی صاحب (مطبوعہ)۔ • سواء السبیل جسے دیکھ کر مولوی شیخ عبد السبحان صاحب نے مذہب تشیع اختیار کیا۔ • حجتِ بالغہ۔ • مواعظ المتقین عربی طبع ۱۳۴۳ھ۔ • ہدیۃ الزائرین (زیارات)
- لواعج الاحزان دو جلد (بے بہا: ۴۰۱۔ • فہرست کتاب خانہ رضوی ج ۶ ص ۵۷۵)

محمد مہدی، کشمیری:

حدود ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء ..
حدود ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

مولانا شیخ محمد مہدی صاحب ابن شیخ محمد حسین صاحب سری نگر کشمیر کے رہنے والے تھے۔ بہت ذہین، جید الحافظہ، صاحبِ مطالعہ اور منطقی گفتگو، سادہ مزاج بزرگ تھے۔ مدرسۂ ناظمیہ میں تعلیم حاصل کی، انگریزی بھی اچھی جانتے تھے۔ ۱۳۶۰ھ میں ممتاز الافاضل کر کے وطن آ گئے۔ ۱۹۵۲ء میں مجھے مظفر آباد کشمیر جانے کا اتفاق ہوا تو مولانا سے ملاقات ہوئی۔ حکومتِ آزاد کشمیر میں ملازم تھے اور بہت سخت زندگی گذارتے تھے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ مظفر آباد میں رحلت کی۔ میرے خیال میں ان کی عمر پچپن ساٹھ برس ہو گی۔

محمد مہدی، کشمیری:

حدود ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء

مولانا محمد مہدی صاحب کشمیری گولا گنج لکھنو کے رہنے والے تھے۔ بڑے مقدس اور عالم بزرگ، مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ نے انھیں دہلی میں دیکھا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس کے قریب تھی۔ نواب حامد علی خان کی مسجد کی امامت و خطابت پر فائز تھے۔

مولوی محمد نصیر (بن زین الدین مکی)

۱۱۳۸ھ/۱۷۲۶ء

عظیم آباد اور صوبہ بہار ہند میں صاحب نفسِ قدسی، رئیس و عالم تھے۔ موصوف کے جدِ امجد شمس الدین فریادرس نامی کوئی بزرگ تھے۔ ان کی اولاد سے ایک صاحب صوبہ بہار آئے اور متوطن ہو گئے۔ مولوی نصیر صاحب شیخ پور میں رہتے تھے۔ ابتدائے شباب میں ملا محمد شاہ صاحب شیرازی نامی ایک عالم بنگال میں مقیم تھے۔ مولانا نصیر صاحب ان سے فیض حاصل کرتے تھے جب موصوف ایران جانے لگے تو مولانا نصیر بھی طلبِ علم کے شوق میں ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کی سواری نے ساتھ چھوڑ دیا مگر ہمت نہ ہارے اور پیدل چلے راستے میں تکلیفیں سہہ کر ایران پہنچ کر فقہ و حدیث، ریاضی و ہیئت و ہندسہ و حساب میں اتنی مہارت و شہرت حاصل کی کہ درس دیتے اور جاہ و عظمت سے رہتے تھے۔ عمدۃ الملک امیر خان ناظم صوبۂ کابل اور نواب وحید (مہابت جنگ) و امرائے ایران سے جو سوال و جواب ہوتے اور میر غلام محمد بہاری واسطہ قرار پاتے تو مولوی صاحب ایرانی امیروں کو

سوال پہنچاتے اور جواب لیتے تھے۔

کچھ عرصے بعد وطن پلٹے اور نواب آصف جاہ نے عظیم آباد میں تھوڑی سے جاگیر دے دی تھی۔ غلام حسین کے عہد تک عظیم آباد میں ان کے مکانات موجود تھے اور محمد حسن خان متصرف و مقیم تھے۔ (سیر المتاخرین ج ۲ ص ۶۱۱)

مولوی محمد حسین نے مختلف حوالوں سے ان معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ملا نصیر صاحب کا ذخیرۂ کتب بہت بڑا تھا۔ موصوف کی اولاد شیخ پور۔ حسین آباد ضلع مونگیر میں رئیس اور صاحب جاہ تھی بانِ امرا میں علی قاسم خان صاحب نے لکھا تھا۔ "جناب مرحوم جدنا، ملا نصیر بن زین الدین تھی" مختلف علوم میں صاحبِ تصانیف تھے۔ ملا صاحب چند سال تک شاہان دہلی کی طرف سے ایران میں سفیر بھی رہے۔ پھر وطن آکر پٹنے میں قیام فرمایا اور وہیں ۱۹ رجب ۱۱۳۸ھ کو رحلت کی۔ پانوں کے باغ میں مقبرہ ہے۔

تصانیف: • اصول الدین اور عربی و فارسی کے متعدد کتب و تالیفات حوادث زمانہ کی نذر ہوگئیں

اولاد: • داؤد علی خان (دیکھیے داؤد) (سیر المتاخرین ج ۲ ص ۶۱۱ ۔ • تذکرۂ بے بہا ۲۱۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۵۹)

محمد نصیر، نصیر الملت: ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵ء — ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

نصیر الملت مولانا محمد نصیر صاحب قبلہ، سرکار ناصر الملت کے بڑے فرزند تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت ہے ۹ رجب ۱۳۱۲ھ مطابق ۷ جنوری ۱۸۹۵ء۔ مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ نے فرزند کی پرورش و تربیت میں خاص اہتمام فرمایا۔ اور ہونہار فرزند نے خاندانی روایات، دینی ماحول اور علمی فضا میں قابلیت کے جوہر دکھائے۔ قرآن و تفسیر، حدیث و فقہ و اجتہاد کے تمام لوازم و متعلقات کی تحصیل و تکمیل اپنے وطن لکھنؤ میں کرنے کے بعد عراق تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر کم و بیش سترہ اٹھارہ سال تھی۔ ابھی آپ پڑھ ہی رہے تھے کہ عراق میں آزادی کی جدوجہد شروع ہوگئی اور علامۃ المجاہد سید محمود حبوبی اور علامۃ البطل الکبیر آیۃ اللہ سید محمد تقی شیرازی نے انگریزوں کے خلاف علمی جہاد میں حصہ لیا۔ (دیکھیے حیات حکیم میری مطبوعہ کتاب اور آقائے بزرگ طہرانی کی مطبوعہ تالیف "ھدیۃ الرازی الی الامام المجدد الشیرازی") ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۵ء تک عراق میں ہل چل رہی۔ مولانا محمد نصیر صاحب قبلہ نے علماء سے درس بھی جاری رکھا اور علماء کا سیاست میں طریق کار بھی دیکھا۔ آپ نجف سے اکابر و اعلام سے سند تکمیل و اجتہاد لے کر وطن آئے۔

لکھنؤ میں تمام حلقے ان کی علمی قابلیت کے ہمیشہ معترف رہے۔ خیال تھا کہ آپ مسندِ اجتہاد کو زینت بخشیں گے لیکن آپ نے اس سے پہلوتہی کی، سرکار ناصر الملت مرجعیت برصغیر کے منصب پر فائز تھے۔ لیکن

ان کی سب سے بڑی مصروفیت تصنیف و تالیف تھی۔ ملک و ملت کے تمام امور آپ سے وابستہ ہو چکے تھے مولانا نصیر صاحب نے اپنے لیے سیاسی مبصر کی حیثیت پسند کی آپ علمی رکھ رکھاؤ کے ساتھ ملکی اور بین الاقوامی سیاست میں حصہ لینے لگے۔ یہ حصہ از اول تا آخر فکری اور نظری رہا وہ بدلتے حالات میں شیعوں کے حقوق و مفادات کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ لکھنو ایجی ٹیشن ۱۹۳۹ء میں ان کی قربانی نے بڑا کام کیا۔ وہ تین ماہ جیل میں رہے۔ فائرنگ میں وہ شدید زخمی ہوئے۔ پھر ایجی ٹیشن کے تمام مراحل میں ان کا تدبر کام آتا رہا۔ ایجی ٹیشن کے بعد ان کی سیاسی بصیرت نے سنی شیعہ اور حکومت کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ اور آزادی کے بعد چودہ سال تک وہ مسلسل صوبائی اسمبلی کے ممبر رہے۔

مولانا محمد نصیر صاحب قبلہ شیعہ عربی کالج میں پرنسپل تھے اور علمی و ادبی محفلوں کی روح رواں، وہ سیاست و مذہب دونوں میں خاموش اور خانہ نشین تھے۔ الیکشن، ایجی ٹیشن، ہنگامہ اور تقریب سے دُور رہتے تھے۔ ان کو اصابت رائے اور دُور اندیشی فکر نے تہذیبی، سیاسی اور علمی اعزاز بخشے۔

مولانا محمد نصیر صاحب انتہائی منکسر مزاج، حد سے زیادہ ہمدرد، دوسروں کو بڑھانے والے، ہمت افزائی میں طاق اور خورد نوازی میں شہرۂ آفاق تھے۔ ان کا ٹھاٹھ باٹ نوابی اور رہن سہن باوقار تھا مگر عوام دوست اور ہر گروہ سے مساویانہ ملنے جلنے والے تھے۔ وہ سیاسی ہونے کے باوجود عالمانہ شان رکھتے تھے اور عالمانہ رکھ رکھاؤ کے باوجود سیاسی شخصیت تھے۔ ان کی وفات پر میں نے مضمون لکھا تھا "تاثرات اور یادیں" یہ مضمون ارشاد کراچی اور سرفراز لکھنو نصیر الملت نمبر میں چھپ چکا ہے۔ اس موقع پر صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ مولانا محمد نصیر صاحب علم و حلم کا پہاڑ اور تدبر و سیاست کا پُرسکون دریا تھے۔

وہ بڑے تھے، آخری دورِ حیات میں وہ تمام علما سے بڑے تھے۔ مگر انھوں نے تمام علماء کو بڑا سمجھا اور اپنے چھوٹے اور بہت چھوٹے بھائی کو اپنے عظیم والد کی مسند پر بٹھایا اور ان کی عزت و تکریم میں کسی قسم کی کمی روا نہ رکھی۔

نصیر الملت نے ۱۹ محرم ۱۳۸٦ھ ۲ مئی ۱۹٦٦ء دن کے ساڑھے تین بجے میڈیکل کالج لکھنو میں رحلت کی۔ وہ طویل عرصے سے بیمار تھے لیکن شفایاب نہ ہوئے اور حرکت قلب بند ہونے سے وفات پائی۔ ان کی موت شیعیانِ ہند کیلئے بڑا سانحہ تھا۔ ہزاروں افراد نے شایانِ شان مشایعت کی جنازہ امانت رکھا گیا۔ ۱۰ نومبر ۱۹٦٦ء کو جنازہ دوبارہ اٹھا کر شہید ثالث کے مزار آگرہ لے گئے۔ وہاں سے بمبئی اور بمبئی سے بذریعہ ہوائی جہاز بغداد۔ بغداد، کاظمین، سامرا، نجف اور کربلا میں جنازہ کا وہ استقبال ہوا جو عظیم علماءِ عراق کے جنازوں کے لیے مرسوم ہے۔ اس کے بعد کربلائے معلی حرمِ امام حسین علیہ السلام میں زعیم حریت "صاحب ثورۃ العشرین" آیۃ اللہ سید محمد تقی شیرازی (المتوفی ۱۳۳۸ھ) کے قریب یکم دسمبر ۱۹٦٦ء کو سپردِ خاک شفا ہوئے۔

(۰ ارشاد کراچی جون ۱۹٦٦ء، ۰ نصیر الملت نمبر سرفراز لکھنو اکتوبر ۱۹٦٦ء۔ ۰ نیز دیکھیے مولانا ناصر حسینؒ اور مولانا محمد سعید)

محمد مختار :
حدود ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء
۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۶ء

مولانا شیخ محمد مختار ابن حاجی امان اللہ ساکن بڑا گاؤں گھوسی (لکھنو کے قریب) ابتدا میں سلطان المدارس میں داخلہ لیا اور صدر الافاضل کر کے عراق چلے گئے تیس سال تک نجف و کربلا میں تحصیل علم کی۔ ان کے اساتذہ تھے۔ سید ابوالقاسم الخوئی، سید محسن الحکیم۔ آقای حمامی۔ سید جواد تبریزی۔

۱۳۸۹ھ میں حکومت عراق نے نجف کی تباہی پر کر باندھی اور آیۃ اللہ السید محسن الحکیم نے ۱۳۹۱ھ میں رحلت فرمائی تو پاکستان و افغانستان و ایران و ہند کے قدیم و جدید طلبہ کو حوزۂ علمیۂ نجف سے باہر جانے کا حکم دیا گیا، شیخ محمد مختار صاحب تیس برس قیام کے بعد کراچی پاکستان آگئے اور تقریباً ساٹھ سال کی عمر پا کر ۳ شعبان ۱۳۹۷ھ کو سفر آخرت فرمایا۔

نوٹ : نجف میں برصغیر کے جو علما ان آخری برسوں میں فوت ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔

- مولانا سید مختار ہندی الہ آبادی۔ حرم ابوالفضل العباس میں نماز پڑھاتے تھے، ساٹھ سال کی عمر میں بمقام کربلائے معلیٰ ۱۹۷۳ء میں رحلت کی۔
- مولانا سید حکمت حسین کندرکی ضلع مراد آباد کے باشندے ایک مدت مدید سے نجف و کربلا میں رہے درس خارج لیا، ۱۹۷۴ء کے قریب وفات پائی۔
- سید امیر شاہ بلتستانی المتوفی حدود ۱۹۷۳ء آیۃ اللہ حسین حمامی سے اجازہ رکھتے تھے۔

اولاد: • مولانا شیخ محمد نجفی • شیخ علی • محسن • عباس اور احمد

محمد مہدی، مرزا، لکھنوی :
۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء
۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

مولانا مرزا محمد مہدی صاحب لکھنوی، شاگرد مفتی محمد عباس صاحب و مولانا محمد ہادی صاحب نقوی و مولانا محمد مہدی صاحب ادیب و حکیم محمد جی صاحب۔ مرزا صاحب کے والد جناب محمد علی صاحب عالم و فاضل و طبیب تھے۔ انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو علم دین و طب پڑھایا، مرزا محمد مہدی صاحب نے نجوم السما فی تراجم العلما کا تکملہ لکھا جسے ان کے ہمدرس مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ نے از اول تا آخر دیکھا تھا۔ اس کتاب میں مرزا صاحب تاریخی، کتابی، فلسفی و ادبی اطلاعات کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔

مرزا صاحب ۱۳۰۸ھ، ۱۳۲۱ھ اور ۱۳۲۴ھ تین مرتبہ عراق اور ۱۳۲۱ھ میں مشہد گئے اور وہاں کے علما سے ملے۔ ان کا تذکرہ بھی لکھا:

مولانا حکیم محمد مہدی صاحب کی تاریخ ولادت ۲۹ر رمضان ۱۲۸۲ھ اور تاریخ وفات ۲۱ر رمضان ۱۳۳۰ھ ہے اور مدفن غفران مآب کا امام باڑہ ہے۔

مقدمۂ تکملۂ نجوم السماء میں مرزا صاحب کی تاریخ ولادت وہ لکھی گئی ہے جس تاریخ ان کے والد مرزا محمد علی صاحب پیدا ہوئے تھے۔

تصانیف: • تکملۂ نجوم السماء، دو جلدوں میں حضرت آیۃ اللہ سید شہاب الدین نجفی مدظلہم نے ۱۳۹۷ھ میں قم سے شائع کروایا۔ • حاشیہ مسلم العلوم۔ • سفرنامۂ عراق و ایران اور تذکرۂ ملاقات علما۔ • دیوان اُردو۔ • دیوان فارسی (تجلیات - مقدمۂ تکملۂ نجوم السماء)

محمد نظیر (دلمبہو)؛ ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء — ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا سید محمد نظیر مجتہد العصر نے مظفر نگر میں تعلیم حاصل کی اور مظفر نگر سے نجف اشرف چلے گئے اور بارہ سال رہ کر فقہ و اصول میں درجۂ اجتہاد حاصل کیا۔ بڑے خاموش، مقدس، عابد و زاہد بزرگ تھے۔ چھیاسٹھ سال کی عمر پاکر ۳۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کو وطن میں رحلت کی۔

(البرھان، لدھیانہ)

محمد ھادی: دیکھیے: ھادی: عمدۃ العلما، م ۱۲۷۵ھ

محمد ہاشم؛ ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء — ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء

مولانا سید محمد ہاشم صاحب مدرسۂ ناظمیہ سے فارغ التحصیل ممتاز الافاضل تھے اور شیعہ عربی کالج سے دو سالہ مطالعۂ ادب عربی اور دو سالہ مطالعہ عقائد کے بعد عماد الادب و عماد الکلام کی سندیں حاصل کیں۔ بہت اچھے خطاط اور اچھے خطیب تھے۔ لکھنؤ میں رہتے تھے اور تقریباً چالیس سال کی عمر پاکر جون ۱۹۷۷ء میں رحلت فرمائی۔ (مولانا محمد محسن صاحب، نبیرۂ نجم العلما)

مظفر حسین؛ حدود ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء

مولانا مظفر حسین صاحب عالم و فاضل بزرگ تھے، بڑے وسیع النظر اور بہت عمدہ کتب خانے کے مالک تھے۔ مولانا سید محمد رضا صاحب اور مولانا سبط حسن صاحب سے بڑی محبت تھی۔ نول کشور پریس لکھنؤ میں ادارہ مصححین کے سربراہ تھے۔ گولا گنج لکھنؤ میں رہتے تھے۔ جناب مولانا فضل علی صاحب مبلغ مدرسۃ الواعظین ان کے خویش تھے۔ (مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ)

محمد ہادی صلحا :
حدود ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء
۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

مولانا الخطیب مرزا محمد ہادی صلحا بن مرزا علی بن سیر علی بن سہراب علی خان بن طاہر خان وزیر، تورانی الاصل اور ایرانی النسل بزرگ تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ وطن ہی میں کمال حاصل کرکے جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب اور سید العلماء سید حسین صاحب سے اجازۂ جمعہ وجماعت اور سند کمال پائی۔ مدرسۂ سلطانیہ میں کتب فقہ پڑھاتے تھے۔ ایران وعراق بھی گئے۔ علم کلام وعقائد میں مہارت تامہ تھی اور مناظرے بھی فرماتے تھے۔ علم حدیث وتفسیر اور احتیاط اور روایت میں شہرت تھی۔

مولانا محمد ہادی صلحا آخری عمر میں فن ذاکری اور خطابت مجالس کے مجدّد و بانی مانے گئے۔ متعدد سفر کئے اور بے شمار مجلسیں پڑھیں۔ یکم جمادی الثانیہ ۱۲۹۰ھ لکھنؤ میں رحلت کی۔

مظفر علی اسیر نے قطعۂ تاریخ کہا جس سے بہت سے اوصاف و اخلاق پر روشنی پڑتی ہے:

افسوس از دورنگی عالم دریں زماں — صبح امید عالمیاں را نمود شام
درارض کربلا و نجف ہم دریں دیار — رفتند بیشتر علماء فلک مقام
ننمودہ اکتفا بہ ستم ہای ماسبق — تاریک کرد باز جہان چرخ تیرہ فام
مرزا کہ بود صالح و دین دار و متقی — ہادی بسوئے مہدی وہادی پئے انام
طاعت گذار و بیشبہا ز خدا شناس — شبہا پئے سجود بہ سجادہ اش قیام
زہد و ورع عبادت و تقوی شعار او — در کار نیک کرد بسر عمر خود تمام
بنوشت در مصائب آل عبا کتاب — مطبوع گشتہ و شدہ مقبول خاص وعام
اندوخت از زیارت شاہ امم شرف — در علم فقہ وحل مسائل بلند مقام
در بحث دیں حضور بیان متین او — گاہی نشد اشاعرہ را جرأت کلام
دراول جمادی ثانی ہزار حیف — شد روح پاک او طرف وادی السلام
آمد چو تا بمن خبر موت او اسیر — گفتم کہ آہ یادر دیں ، ذاکر امام (۱۲۹۰ھ)

جناب مفتی محمد عباس صاحب کا مصرع تو عجیب حیرت انگیز ہے۔

یاد تو خلاصۃ المصائب

خلاصۃ المصائب ۱۲۳۲ھ مکمل اور ۱۲۶۳ھ میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب کربل کتھا، گل مغفرت، مجالس علویہ کے سلسلے کی اردو نثر میں علمی اسلوب کی نادر کتاب ہے اور متعدد بار چھپ چکی ہے۔ (الواعظ جنوری ۱۹۵۳ء)

محمد ہادی، مرزا

حدود ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸ء
۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء

مرزا محمد ہادی بن مرزا محمد تقی لکھنؤ میں پیدا ہوئے، ان کی تاریخ ولادت ۱۸۵۸، ۱۸۵۷ یا ۱۸۵۹ء بتائی جاتی ہے۔ مرزا محمد ہادی کو علم ریاضی و نجوم فن تاریخ و رجال کا شوق اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا۔ انھوں نے فارسی، اقلیدس، حساب اپنے والد سے پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ وہ ہونہار فرزند کو سولہ برس کا یتیم چھوڑ گئے۔ محمد ہادی نے اپنے شوق سے اس عہد کے علماء سے درس لیے۔ اور عربی کے علوم میں نصاب مکمل کیا۔ مولانا کمال الدین اور مولانا غلام حسنین کنتوری ان کے مشہور استاد ہیں اور مرزا محمد جعفر اوج سے شعر و عروض سیکھا۔ اس کے بعد انٹرنس کر کے انجینیرنگ کالج رڑکی میں داخل ہوئے۔ وہاں سے اوور سیری پاس کر کے کوئٹے میں اچھی تنخواہ پر نوکری مل گئی وہاں علم کیمیا پر ایک عربی رسالہ دیکھا کسی سرحدی عالم سے اسے پڑھا اور کیمیا کی دھن میں نوکری سے رخصت لے کر گھر آئے اور تجربے کرنے اور سونا بنانے لگے۔

کرسچین کالج لکھنؤ میں فارسی کی جگہ ملی۔ کالج میں پڑھاتے پڑھاتے ایف اے اور بی اے کر لیا۔ اسی زمانے میں وہ دہلی گئے جہاں مولوی محمد حسین آزاد سے ملے مولانا اس وقت کسی طالب علم کو میبذی پڑھا رہے تھے اور وہ لڑکا الجھ رہا تھا۔ محمد ہادی نے مداخلت کی اور مسئلہ سمجھا دیا۔ مولانا آزاد نے دہلی آنے کا سبب پوچھا تو کہا "جنتر منتر" دیکھنے آیا ہوں۔ مولانا نے شاہی رصد خانے کے کھنڈر تفصیل سے دکھائے اب وہ نتیجے بنانے لگے۔

وہ ٹیوشن، نوکری، مزدوری، ناول نگاری کر کے روپیہ کماتے لیکن کیمسٹری، ارضیات، فلکیات کے تجربوں پر تمام دولت اور تمام توجہ دیتے تھے۔ آخر تنگ آکر حیدرآباد چلے گئے۔ وہاں دارالترجمہ میں چار سو روپے ماہوار پر ملازمت مل گئی لیکن وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ نوکری چھوڑی اور لکھنؤ کی راہ لی۔ اب کی مرتبہ کرسچین کالج والوں نے بجائے پچاس روپے دیے۔ جو نوکری اور شوق کی تکمیل میں لگ گئے۔ زمانہ تدریس میں وہ عربی فارسی فلسفہ تو خیر پڑھاتے ہی تھے لیکن جز وقتیہ ایم ایس سی کے لکچرر کے مسائل تدریس میں بھی مدد کرتے تھے ریاضی اور سائنس کے مشکل سے مشکل نکتے حل کر دیتے تھے۔ ۱۹۰۲ء میں انھوں نے ہیئت کا جم کر مطالعہ کیا۔ ۱۹۰۲ء میں سائنس آف ریلیجس کا ہفتہ وار رسالہ "السلیم" نکالا۔ ۱۹۰۷ء تک یہ پرچہ اسلام و تشیع کی خدمت کرتا رہا۔ اسی زمانے میں انھوں نے "تحفۃ السنہ" کے نام سے ۱۵ جلدوں میں ایک وقیع مذہبی کتاب لکھی جس میں شیعہ عقائد و اعمال پر تمام حملوں کے مکمل جواب تھے۔ یہ کتاب مناظرے کی علمی دستاویز اور دائرۃ المعارف ہے۔ اجتہاد و اخباریت پر فصوص الحکم لکھی۔ ۱۹۰۴ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس لکھنؤ میں شرکت کی جس کے بعد شارٹ ہینڈ کا اردو رسم الخط

اور اصول لکھ کر ۱۹۰۹ء میں فراغت پائی۔ ۱۹۰۷ء میں ابوالکلام آزاد۔ نے اردو ٹائپ کا نامکمل کی بورڈ مرزا صاحب کو دیا اور اسے مکمل کرنے کی خواہش کی اتفاقاً پرنس کالج کے پرنسپل کو گورنمنٹ سے عربی حروف تہجی کے چار ٹائپ رائٹر پولیس کو ٹائپ سکھانے کے لیے بھیجے تھے۔ رمینگٹن کمپنی نے مسٹر ہیڈلی سے فرمائش کی کہ اردو کی بورڈ مشین تیار کروا دیں۔ چار مہینے کی محنت سے یہ کام مکمل کر دیا۔ ان متفرق محنت طلب تجربوں کے ساتھ ساتھ "زیج مرزائی" کا عمل بھی جاری تھا۔ تین سال میں زیچ اور کتاب عمل اصطرلاب سے فارغ ہوئے۔

۱۹۲۰ء کے بعد ایک مرتبہ پھر حیدرآباد کا رُخ کیا۔ دارالترجمہ نے خیر مقدم کیا۔ مرزا صاحب نے اب کی جم کر نو کتابوں کے ترجمے اور فلسفۂ جدید و قدیم کے تقابل پر ایک مستقل کتاب لکھ کر امریکن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔

مرزا صاحب اردو میں چوٹی کے ادیب اور صاحب طرز ناول نگار مانے گئے ہیں۔ فارسی، عربی، سنسکرت، عبرانی، ہندی، انگریزی کماحقہٗ جانتے تھے مختلف زبانوں کے علوم سے باخبر تھے۔ دینی علوم میں پختہ اور فلسفہ، طب و ہیئت و نجوم و کیمیا سائنس، نفسیات، منطق، کلام، فنون ادب غرض بیشمار علوم و فنون میں عالم بے بدل۔ ادلہ۔ مشاہدات، تجربے، تصنیف، تالیف، تحقیق، ترجمہ تقریر غرض جامع حیثیات و صفات تھے۔ وہ پکے شیعہ اور مبلغ قسم کے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ پکے منطقی فلسفی اور باعمل حکیم تھے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان کے کون سے کام مجبوری کے اور کیا کیا کام ذوق کے مرہونِ منت تھے۔ اس لیے کہ ان کا ہر عمل معیاری تھا۔

ان کے تالیفات کا ذخیرہ اور بہت سا کتب خانہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں محفوظ ہے۔

مرزا محمد ہادی صاحب کا تخلص مرزا تھا۔ مگر ان کے ناول "امراؤ جان ادا" نے انھیں رسوا کے نام سے مشہور کر دیا۔ وہ زندگی بھر محمد ہادی بی اے اور محمد ہادی فلسفی کہے گئے۔ اب وہ اردو کے ناولسٹ رہ گئے ہیں۔ اور قوم کی علم سے غفلتوں نے ان کے دوسرے کمالات فراموش کر دیئے۔

مرزا محمد ہادی نے بھرپور عملی زندگی اور مخلصانہ قومی خدمات اور علمی کارناموں کے بعد چہار شنبہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء جمادی الثانیہ ۱۳۵۰ھ کو حیدرآباد دکن میں وفات پائی اور اسی شہر علم پرور میں آسودۂ لحد ہوئے۔

مرزا صاحب کی وفات پر ملک میں بے حد رنج و الم کا اظہار کیا گیا۔ اور اس واقعے کو اسلامی شخصیت کا نقصان قرار دیا گیا۔ ان پر بڑے بڑے آدمیوں نے مقالے لکھے اور اب تک ادبی زاویے سے متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ خود ان کی کتاب شریف زادہ بھی خود نوشت سوانح ہے

اولاد: • آغا ولی

شاگرد: مرزا صاحب کے لاتعداد شاگرد تھے۔ جن میں افتخار حسین جج۔ علی عباس حسینی۔ مرزا حامد حسین ایم اے کے نام مجھے یاد ہیں۔

تصانیف: ۔ تحفۃ السنۃ ۱۵ جلدیں خطی، مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں محفوظ ہیں۔ فصوص الحکم در بحث اصول و اخبار۔ اصول مناظرہ۔ ابطال ریفارم۔ فطرت اسلام۔ غورجیاس فن بلاغت (چوری ہوگئی)۔ منطق استقرائی مطبوعہ۔ اردو شارٹ ہینڈ مبنول مطبوعہ۔ مبادی علم النفس مطبوعہ۔

- جورس پروڈنس کا آزاد ترجمہ "کتاب النوامیس" رسالہ سقراط کا ترجمہ جو ماہنامہ "اشراق" میں چھپا۔
- سقراط کا بیان۔ تمدن کیا ہے؟ رسالہ اشراق میں چھپا۔ بقائے نفس بعد الموت سقراط کا جواب "رسالہ اشراق" میں چھپا۔ سوفسطائی اصول پر تنقید۔ مینو، رسالہ سعادت۔ منطق استقرائی (اردو) مطبوعہ
- مصباح المنطقیہ ترجمہ مطبوعہ۔ حکمۃ الاشراق شرح قطب الدین شیرازی کا ترجمہ۔ معاشرتی نفسیات (ز ۸ م)۔ اخلاق نقوماجس (علم اخلاق، ترجمہ، مطبوعہ)۔ فیدرلامیس۔ ترجمہ (مطبوعہ)
- کتاب الرویاء برمانیدس۔ غیر مطبوعہ۔ امراؤ جان ادا مطبوعہ (مرزا صاحب اب اسی حوالے سے پہچانے جاتے ہیں)۔ شریف زادہ مطبوعہ۔ ذات شریف مطبوعہ۔ دیوان غزل۔
- متعدد مطبوعہ و غیر مطبوعہ مثنویاں۔ فلسفہ شعر پر مقالات۔ مذہب پر مقالات۔
- مصطلحات کیمیا۔ جوزف آف لاجک (ترجمہ)۔ افلاطون کی کتاب جمہوریت ترجمہ۔
- رسالہ اعمال اصطرلاب (غیر مطبوعہ) (دبستان دبیر ص ۵۸۶ و کتب ادبیہ)

محمد ہادی، لکھنوی:

۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء
۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

جناب مولانا سید محمد ہادی صاحب قبلہ بن جناب سید ابوالحسن ابو صاحب قبلہ ۲ ذی قعدہ ۱۲۹۱ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ جناب ممتاز العلماء مولانا سید محمد تقی صاحب کے نواسے اور جناب سید باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ کے چھوٹے بھائی تھے۔

بچپنے سے اجداد کے طریقے پر گامزن تھے۔ انتہائی مقدس، ذہین اور متقی تھے۔ علم کا شوق فطرت کا جز تھا۔ اپنے عہد کے اکابر سے درس حاصل کیا۔ اپنے والد ماجدؒ اور برادر بزرگوار سے بھی تعلیم پائی بعد فراغت تعلیم نجف اشرف تشریف لے گئے جہاں فقہ و اصول کے درس خارج میں نہایت معزز طریقہ پر شرکت فرمائی۔ علماء آپ کا احترام کرتے تھے۔

شیخ الشریعت آقای شیخ فتح اللہ اصفہانی معروف بہ آقای شریعت آیۃ اللہ سید محمد کاظم

طباطبائی، محقق عصر آقا شیخ محمد کاظم خراسانی سے خاص طور پر استفادہ کیا۔ اکابر و اعلام سے فیض اٹھا کر لکھنو واپس آئے اور مدرسۂ عالیہ سلطان المدارس میں نائب صدر مدرس قرار پائے۔

شرح لمعہ، قوانین، فصول، تصریح (ہیئت) اور بعد شرح کبیر و رسائل و اصول کافی جیسے مہات کتب کا درس دیتے رہے۔ جناب سید باقر صاحب قبلہ عراق تشریف لے جاتے تھے تو آپ کو اپنا قائم مقام فرما جاتے تھے میں نے زیارت کی ہے۔ ابھرتا قد، خوبصورت چہرہ، عبا پہنتے تھے۔ سر پر کبھی عمامہ ورنہ ٹوپی ہوتی گلے میں ڈوپٹہ، کمر میں پٹکا، زرد مخمل کی کفش، ہاتھ میں عصا، بڑے بردبار، باوقار، متقی پرہیزگار، عبادت گزار تھے۔ طلباء کی بہت عزت فرماتے تھے۔ درس و تدریس، فقہ و اصول سے خصوصی شغف تھا۔

مدرسے میں اور ~~~~ گھر پر عموماً شب و روز درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

آخر عمر میں عشق آل محمد نے کشش کی۔ بارہا زیارات سے مشرف ہو چکے تھے مگر ۱۳۵۶ھ میں آخری مرتبہ تشریف لے گئے اور یکم صفر ۱۳۵۷ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۳۸ء کو ~~~~ نجف، باب الطوسی میں داخل ہو کر ہمیشہ کی دائمی نیند محو خواب ہوئے۔

تلامذہ: فہرست بہت طولانی ہے۔ چند نام لکھتا ہوں:۔

- جناب مولانا محمد رضا صاحب قبلہ۔ جناب مولانا سبط حسن صاحب قبلہ۔ جناب مولانا ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی۔ جناب مولانا کلب حسین صاحب قبلہ۔ جناب مولانا سید محمد رف میرن صاحب قبلہ۔
- جناب مولانا عالم حسین صاحب قبلہ۔ جناب مولانا سید عبد الحسین صاحب قبلہ۔ جناب مولانا زین العابدین صاحب قبلہ (ملتان)۔ جناب مولانا محمد مصطفےٰ صاحب قبلہ جوہر۔ جناب مولانا عالم حسین صاحب
- جناب مولانا سید محمد صاحب قبلہ۔ جناب مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ۔ جناب مولانا ضامن حسین صاحب
- جناب مولانا سید اقبال رضا صاحب۔ جناب مولانا ڈاکٹر اعجاز حسین صاحب۔ جناب مولانا ڈاکٹر مجتبیٰ حسن کامونپوری

تصانیف: حواشی شرح کبیر۔ حواشی رسائل شیخ مرتضےٰ۔ حواشی قوانین الاصول۔ حواشی شرح لمعہ۔

- ہدیۂ سنیہ شرح روضۂ بہیہ شرح لمعۂ دمشقیہ۔ رسالہ در طہارت آب منجمد۔ نہج الادب اخلاق و مواعظ و احادیث۔ قصائد مدحیہ معصومین عربی۔ رسالہ حرمت غنا۔ غیر مطبوعہ (فقہ استدلالی) المواعظ

اولاد: جناب استاذ محترم مولانا سید احمد صاحب قبلہ متوفی ۱۹۷۳ء/۱۳۹۳ھ۔ جناب مولانا استاذنا سید محمد حسن صاحب قبلہ مدظلہم مہاجر کربلا۔ جناب مولانا استاذنا سید محمد حسین صاحب ۱۳۸۵ھ (بے بہا ۳۱۱ و الذریعہ)

محمد ہادی بن آغا مہدی: ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء — ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء

مولانا سید محمد ہادی بن لسان الملت مولانا آغا مہدی صاحب قبلہ خاندان اجتہاد و آل غفران مآب کے

ہونہار فرزند، آپ تاریخ ولادت صفر ۱۳۴۹ھ ہے۔ آبائی وطن لکھنو میں ابتدائی تعلیم اور سلطان المدارس لکھنو میں سندالافاضل، مولوی و عالم و واعظ کے اسناد لے کر عراق گئے۔ عراق سے کراچی آئے اور بیمار ہوکر عین جوانی ۳۵ سال سات ماہ سولہ دن کی عمر پاکر رحلت کی۔

تاریخ رحلت ہے شب دوشنبہ، بجے بعد مغرب، ۳۰ رمضان ۱۳۸۵ھ کراچی۔

محمد ہارون زنگی پوری :

۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء

مولانا محمد ہارون بن سید عبدالحسین، ۲۴ ربیع الثانی ۱۲۹۲ (۹۳ھ) کو زنگی پور میں پیدا ہوئے۔ ابوداؤد آپ کی کنیت ہے۔ اپنے دور کے نامور عالم تھے۔

مولوی محمد سمیع زنگی پوری سے صرف و نحو اور حکیم مولوی محمد ہاشم، مولانا سید علی حسین صاحب سے بھی تعلیم پائی پھر مولانا علی جواد صاحب کے پاس بنارس آگئے۔ اس کے بعد لکھنؤ آکر ناظمیہ میں داخل ہوگئے۔ ممتازالافاضل کر کے مولوی فاضل پنجاب کا امتحان دیا جس میں وظیفہ حاصل کیا اور اورنٹیل کالج میں آپ کو بطور استاد بلا لیا گیا یہاں آکر عربی کے مدرس مقرر ہوئے۔ منشی محبوب عالم نے آپ کی قابلیت سے متاثر ہوکر اسی زمانے میں پیسہ اخبار کا ایڈیٹر کر دیا اور پندرہ روپے ماہوار تنخواہ دی۔ اس کے بعد آپ لکھیم پور کھیری میں مدرس ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد جناب نجم الملت نے مدرسہ امروہہ میں مقرر کر دیا۔ وہاں سے دہلی کالج چلے گئے۔ علالت کے بعد دہلی چھوڑ کر مونگیر کے ضلع حسین آباد میں قیام فرما ہوئے مگر وہاں بھی علالت نے نہ چھوڑا تو ترک ملازمت فرمائی مدرسۃ الواعظین میں صدر شعبۂ تصنیف و تالیف تھے جامع علوم، ذہین نادر صاحب زبان و قلم تھے۔ عصری تقاضوں کو سمجھنے اور جدید رجحانات کی روشنی میں دینی تعلیمات پر کام کرتے رہے۔ ان کے تالیفات برصغیر میں شیعہ مؤلفین کے لیے مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر شخص آپ کا مداح اور سنی شیعہ دونوں آپ کے گرویدہ تھے، مدرسہ دینیہ دہلی کو زندگی بخشی ۱۹۱۸ء دیوبند میں مرزائی حنفی اور وہابیوں سے کامیاب مناظرے کیے۔

مولانا محمد ہارون صاحب عربی فارسی اردو کے قادر الکلام شاعر و نثر نگار تھے۔ موصوف نے دور تجدد میں اپنی پختہ تحریروں اور زبردست تقریروں سے اسلام کی قابل قدر خدمت کی۔ خدمت دین میں ان کا جذبہ بے مثال تھا۔ ان کی کتابیں اور مضامین آج بھی اپنی علمی، تحقیقی اور فکری عظمت کے ساتھ باقی ہیں اور پڑھنے کے لائق ہیں۔ ان کے ہمدرس حضرات مولانا سبط حسن صاحب مولانا عالم حسین صاحب اپنے اپنے علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ نے شدید بیماریوں اور تکلیفوں کے باوجود مطالعہ، تصنیف و تالیف میں کمی نہ آنے دی اور تقریباً پینتالیس سال کی عمر میں وقیع تالیفات یادگار چھوڑ کر ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ کو دنیا سے منہ موڑا۔

تالیفات : • آئینۂ عرب ترجمہ مناجۃ الطرب ۔ چاپ لاہور ۔ • شہید الاسلام ۔ مطبوعہ ۔
• تعلیم الاخلاق در اصول دین۔ ۳ حصّے • السیف الیمانی علی المسیح القادیانی طبع ۱۹۲۳ء •
• الہیئۃ والاسلام (ترجمہ) مطبوعہ ۔ • ترجمہ صحیفۂ کاملہ مع حواشی ۔ مطبوعہ ۔ • الجزیرۃ الخضراء و البحر الابیض ۔ • نوادر الادب من کلام سادۃ العجم والعرب آئمّۂ اطہار کے منظومات و خطب و کلمات قصار (عربی) مطبوعہ ۔ • براھین الشہادت ۔ مطبوعہ ۔ • آثار الشہادت ۔ مطبوعہ ۔ • مکالمۂ علمیۂ قادیانی وشیعہ ۔ مطبوعہ ۔ • احقاق الحق کا ترجمہ ۔ مطبوعہ ۔ • انیس المتہجد احکام نمازِ شب ۔ مطبوعہ ۔
• صناد ید وطن ۔ • اوراد القرآن ۔ مطبوعہ ۔ • توحید القرآن ۔ مطبوعہ ۔ • اماما منا القرآن ۔ مطبوعہ
• علوم القرآن ۔ مطبوعہ ۔ • توحید الائمہ ۔ • رسالہ نظر یہ جوابات سوالات ۔ • رد تناسخ اردو مطبوعہ معالم ، اثنا عشری ، اصلاح ، شیعہ ، امامیہ ، البرھان ۔ وغیرہ میں بے شمار مضامین و مقالات علمیہ شائع ہوتے رہے ۔ (بے بہا ۴۴۳ ، الواعظ نومبر ۱۹۶۰ء میں تاریخ وفات ۱۴ / جمادی الاولیٰ درج ہے لیکن مجلہ فرات دہلی کے معاصر شمارے میں وہ تاریخ درج ہے جو ہم نے لکھی ہے ۔

محمد ہاشم ، زنگی پوری : ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء

حکیم مولانا سید محمد ہاشم بن محمد قاسم ، ۱۲۷۷ھ میں زنگی پور میں پیدا ہوئے اور "اختر نکو" سے سن نکلا ۔ علوم دین و فلسفہ و منطق و طب کے متداول نصاب سے فارغ ہو کر بڑے تقدس کی زندگی بسر کی ۔ کچھ زمین داری تھی ۔ اس پر بسر کرتے تھے ۔ خدا نے دستِ شفا بخشا تھا اور فنِ طب سے خاص دلچسپی تھی ۔ بڑے بڑے علاج کیے اور عمدہ عمدہ کتابیں لکھیں مثلاً : • تحقیق الھرام ۔ مطبوعہ ۔ • دُرِّ ثمین فی تحقیقِ غذا الجنین (اس رسالے پر حکیم محمد جی صاحب نے تقریظ لکھی تھی) • ھدایۃ العقول ، اسہال پر بحث ۔ (بے بہا ص ۲۵۰)

محمد ہدایت حسین : حدود ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

محمد ہدایت حسین بن شمس العلما ولایت حسین ، ارحسن الامین اپنا معاصر لکھتے ہیں اور کوئی تفصیل نہیں بتاتے
تالیف : • تحفۃ الاعیان فی ذکر فضلاء ہندوستان ۔ (• الذریعہ ج ۳ ۔ ص ۴۲۱ ۔ مصنفی الرجال کلکم ۲۹۳ • اعیان الشیعہ ج ۴۷ ۔ ص ۱۳۱)

محمد یحییٰ : حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء

سید محمد یحییٰ بن الامیر نظام الدین احمد الحسینی ، سید علی خان مدنی کے حقیقی بھائی تھے ۔

حجازی المولد تھے۔ خوش اخلاقی وادب وشعر کے لیے دیکھیے سلافۃ العصر (ص ۳۶ بعد) وطن کی یاد اور مقامات مقدسہ سے محبت کے آئینہ دار یہ شعر ہیں :

سئمت ایام الحجیج فاسبلت — جفونی دماءً واستجد بی الوجد

وایامنا بالمشعرین التی مضت — وبالخیف اذ حادی الرکاب بنا مجد

معلوم ہوتا ہے کہ سید محمد یحییٰ حجاز میں اکیلے اور سید علی خان والد کے ساتھ دکن میں رہتے تھے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان کی پھوپھی نے انھیں پالا تھا اور وہ مکے میں مقیم تھیں۔ سید علی خان نے ان کی وفات پر ایک دردانگیز خط بھائی کو لکھا تھا جو سلافہ میں ص ۱۰ پر موجود ہے۔

محمد یٰسین : ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء — ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

مولانا سید محمد یٰسین صاحب قبلہ زید پور ضلع بارہ بنکی سے لکھنؤ آئے اور سلطان المدارس سے صدر الافاضل پاس کیا۔ مختلف دینی خدمات انجام دیتے ہوئے کراچی تشریف لائے اور ایک مدت تک یہاں فرائض امامت و خطابت بجالائے۔ مولانا بہت نیک، مقدس، عابد و زاہد بزرگ تھے۔ ان کے معاصر انکی بڑی عزت کرتے تھے مئی ۱۹۶۶ء میں رحلت کی۔

محمود، جونپوری، مُلّا : ۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء — ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء

ملا محمود بن محمد بن شاہ محمد جون پوری، فاروقی النسل ہندی الاصل فلسفی منطقی عالم ہیں۔ جون پور میں پیدا ہوئے تاریخ ولادت ۹۹۳ھ ہے۔ استاذ الملک ملا افضل کے شاگرد تھے۔ ایرانی حکما سے علوم عقلیہ حاصل کیے۔ شاہ عبدالعزیز نے تحفۂ اثناعشریہ میں ملا محمود کو شیعہ فقیہ لکھا ہے (تحفۂ اثناعشریہ باب ۲، ص ۱۶۶۔ طبع لکھنؤ ۱۲۹۵ھ) لیکن میر باقر داماد کے احفاد میں سے بعض علما نے ملا محمود کی کسی کتاب کے خلاف ایک کتاب لکھی ہے۔ غالباً ملا محمود نے سادات کے خلاف کوئی رسالہ لکھا تھا، یہ کتاب بمبئی میں چھپی ہے لیکن ملا صاحب آخر میں شیعہ ہوگئے تھے، کتب خانہ ناصر الملت لکھنؤ میں ان کا ایک رسالہ "عقائد اثناعشریہ" اس کا ثبوت ہے۔

ملا محمود نے اپنے سکنی مکان جون پور میں انتقال کیا۔ تاریخ وفات ۱۰۶۲ھ ہے۔

تصانیف : • رسالہ در عقائد اثناعشریہ۔ • حاشی فرید۔ • شمس البازغہ جو ہندوستان کی فلسفیانہ کتابوں میں اعلیٰ درجے کی کتاب شمار ہوتی ہے اور درس نظامی میں داخل ہے۔

(دائرۂ معارف اسلامیہ اردو، پنجاب یونیورسٹی لاہور "محمود"۔ قاموس المشاہیر)

محمود، گیلانی:

۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء
۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

شیخ فاضل کبیر محمود بن محمد گیلانی، لاہجان کے قریۂ رولیشل میں پیدا ہوئے اور اپنے عہد کے اساتذہ سے علوم دین حاصل کرنے کے بعد عراق گئے اور وہاں کے بڑے بڑے علماء سے تفسیر و حدیث و فقہ و اصول عقائد و معقولات کی آخری تعلیم و اسناد حاصل کیے۔

کچھ عرصے تک بمبئی رہ کر سنہ ۱۲۸۹ھ سے کلکتے میں متوطن ہو گئے وہیں عقد کیا اور خدماتِ دین انجام دیتے رہے۔

۱۳۳۴ھ میں وفات پائی اور کلکتہ ہی میں آسودۂ لحد ہوئے۔

متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ (نزہۃ ج ۸)

محمود علی:

۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء
۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء

مولانا سید محمود علی بن احمد علی صاحب ۱۲۳۷ھ کو اپنے وطن زنگی پور ضلع غازی پور (ہند) میں پیدا ہوئے اور مولوی کرم حسین صاحب، نخبۃ العلماء، مولوی سید منصب علی صاحب سے وطن ہی میں تعلیم حاصل کی۔ پھر فیض آباد میں مولوی سید علی صاحب سے تلمذ حاصل کیا۔ جناب میر آغا صاحب قبلہ سے اجازہ بھی تھا۔ لیکن ورع و تقویٰ کی بنا پر نماز جماعت کی امامت سے گریز کرتے تھے۔ محتاط اور مسائل میں تحقیق فرماتے تھے جناب مولوی سید علی حسین صاحب مجتہد زنگی پوری کی قابلیت کے معترف تھے، درس و تدریس مشغلہ تھا۔ مرزا افضل صاحب کے وقف کے متولی تھے۔

۶۳ سال کی عمر ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۰۰ھ میں رحلت کی۔ (بے بہا ۳۴۶)

مختار احمد، خواجہ:

حدود ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء

جناب مولانا خواجہ مختار احمد صاحب تاج الافاضل، سہارن پور سے لکھنو آئے اور بحر العلوم سید محمد حسین علن صاحب (متوفی ۱۳۲۵ھ) سے اور خاص طور پر جناب ناصر الملت مولانا ناصر حسین صاحب سے تعلیم حاصل کی اور انھیں سے قریب ترین روابط اور عزیز ترین محبوبیت رہی تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں پہلے رجوعہ ضلع جھنگ پھر خیر پور میں قیام کیا وہیں رحلت ہوئی اور کراچی میں دفن ہوئے۔ تاریخ دفن ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۷۰ھ ۲ مارچ ۱۹۵۱ء (درنجف ۸ اپریل ۱۹۵۱ء)

مدد علی، سیتاپوری :

حدود ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۵ء

مولانا سید مدد علی بن سید محمد عارف صاحب ایک بلند پایہ عالم تھے۔ زیادہ قیام لکھنؤ میں رہا۔ خان علامہ تفضل حسین خان ع م ۱۲۱۵ھ کے یہاں ملازم اور نواب فضل علی خان بہادر کے صاحبزادے کے اتالیق رہے۔ آپ نے اپنے فرزند کی رحلت کے بعد سیتاپور کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ و فرخ آباد میں قیام کیا۔ موصوف کا مکان محلہ بیل تلے سیتاپور میں تھا اور اولاد زمانہ وہیں رہی

(پیام اسلام، مارچ ۱۹۵۶ء)

مراد کشمیری، ملا :

حدود ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۷ء

کشمیر میں شیعہ علما کی اچھی خاصی تعداد تھی لیکن ہندو حکومت اور مسلمانوں کی غربت و قلت وسائل کی بنا پر ان کے حالات منظر عام پر آسکے اگنتا فقہا میں ایک بزرگ ملا مراد کشمیری ہیں جن کا تذکرہ دو کتابوں میں دیکھا۔ ایک نجوم السماء میں دوسرے اعیان الشیعہ میں۔ نجوم السماء میں ہے: شیخ حر عاملی کے شاگرد ملا مراد کشمیری۔ اعیان الشیعہ جز ۴۷ میں درج ہے کہ

"محمد مراد بن محمد صادق بن محمد علی بن حیدر کشمیری، صاحب الوسائل کے شاگرد تھے۔"

مجلہ "ہندو مردم" تہران، مہر و آبان ماہ ۱۳۴۹ شمسی میں سابر آفاقی نے "نثر نویسی فارسی در کشمیر" میں لکھا ہے: "ملا مراد رفیقی، عالمگیر کے زمانے میں تھے۔ محمد مراد، شیخ احمد زاہد عالم ملتان کے نواسے یا پوتے تھے اور حدیث و فقہ میں بے نظیر شہرت رکھتے تھے۔"

اگر یہ اطلاعات ایک ہی شخص کے بارے میں ہیں تو خلاصہ یہ ہوگا ملا محمد مراد، رفیقی (مشہور بہ مراد) محمد صادق بن محمد علی بن حیدر کے فرزند اور شیخ حر عاملی (متوفی ۱۱۰۴ھ) کے شاگرد تھے۔ ملا مراد کے جد شیخ احمد عالم و زاہد بزرگ کشمیر کے علما میں تھے۔ اس لیے شاید ان سے بھی تلمذ ہو۔

اب یہ معلوم نہیں کہ ملا مراد کشمیر سے ایران کب واپس گئے اور فارغ التحصیل ہو کر وطن آگئے یا لاہور و دہلی میں قیام کیا۔ یہ معلوم ہے کہ انھیں اپنے استاد کے تالیفات سے شغف تھا اور شیخ حر عاملی ان کو فاضل معتمد جانتے تھے اس لیے بدایۃ الھدایۃ کی شرح لکھنے کا حکم دیا جس کا نام "دلیل ساطع" تھا دوسرا ترجمہ مختصر رجب ۱۰۹۸ھ میں کیا جس کا نام نور ساطع ہے۔ یا ساطع الانوار ہے۔ (فہرستوں میں نور ساطع اور میرے ملکہ مطبوعہ نسخے پر ساطع الانوار درج ہے) ساطع الانوار فارسی میں تقریباً تمام ابواب فقہ کا مختصر متن ہے۔

ان تاریخوں سے ملا مراد کا زمانۂ حیات بارہویں صدی کے ربع اول تک ماننا پڑتا ہے۔ ممکن ہے کہ ۱۱۲۰ھ کے لگ بھگ رحلت کی ہو۔

تالیفات : • مختصر کتاب الرجال، جس کے مقابلے سے ۱۰۱۱ھ میں فارغ ہوئے (اعیان)
• حاشیہ من لا یحضرہ الفقیہ۔ • شرح مفصل بدایۃ الھدایۃ بنام "دلیل ساطع"
• نور ساطع جس کا خطی نسخہ کتاب خانۂ مرکزی دانش گاہ تہران میں اس ترقیمے سے مزین ہے۔
"حررہ محمد الشہیر بمراد الکشمیری بیدہ الفانیہ۔ شوال ۱۰۹۸ھ، دستخط عبداللہ الشہور بہ زاھد" یہی کتاب ساطع الانوار کے نام سے اثنا عشری پریس لکھنؤ سے چھپ چکی ہے جس کے آخر میں تاریخ تصنیف "رجب ۱۰۹۸ھ" درج ہے۔ (نجوم السماء ص ۲۲۵، • نزہۃ ج ۶ ص ۲۴۹)

مرتضیٰ شریفی، میر :

۹۷۴ھ / ۱۵۶۷ء

میر مرتضیٰ شیرازی سید شریف جرجانی کے نواسے تھے اور منطق و فلسفہ و کلام میں یکتا، ریاضی و ادب و شعر میں استاد مانے جاتے تھے۔

آپ کی تعلیم و تربیت شیراز میں ہوئی۔ فلسفہ و منطق میں آپ نے عبدالصمد بغدادی سے اور حدیث میں سید میرک شاہ سے فیض پایا۔ شاہ اسمٰعیل صفوی نے آپ کو صدر (قاضی) خراسان مقرر کیا تھا۔ کچھ دنوں بعد مولانا مرتضیٰ حج و زیارات کے لیے روانہ ہو گئے اور مختلف علماء سے اجازات لیے، احمد بن حجر مکی م ۹۷۴ھ سے حدیث کی روایت لی اور سفر کرتے ہوئے دکن پہنچے۔ دکن سے (۹۷۲ھ) آگرے آکر مقیم ہو گئے۔ آگرے میں آپ کے درس نے بڑی شہرت پائی اور بہت سے طلباء و علماء مستفید ہوئے۔

۹۷۴ھ دہلی میں وفات پائی اور امیر خسرو کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ لیکن علماء نے فتویٰ دیا کہ قبر کھود ڈالی جائے چنانچہ بعض حضرات نے آپ کا جنازہ مشہد مقدس منتقل کر دیا۔

میر محمد محسن رضوی نے تاریخ وفات کہی تھی :

رفت ہا میر مرتضیٰ از دھر — علم گویا ز نسل آدم رفت
بہر تاریخ رفتنش محسن — گفت "علامۂ زعالم رفت"

ایک مادہ تاریخ تھا "علم از علما رفتہ"

تصانیف : • منظومۃ الکافیہ (عربی) نحو۔ • دیوان۔

(• بے بہا ۲۰۷، • نزہۃ ج ۴۔ • نجوم السماء۔ • منتخب التواریخ۔ • علماء ہند اصل و ترجمہ۔ اعیان الشیعہ ج ۴۸ ص ۹۸)

مرتضیٰ ابن مسلم : مرزا محمد دہلوی صاحب نے رجال نزھۃ اثنا عشریہ میں سید مرتضیٰ بن سید مسلم کی تعریف میں لکھا ہے۔ اکابر علماء و فضلاء فخام سے تھے (تکملۂ نجوم السماء ۲ / ۲۶۸)

مرتضیٰ، اخباری، سید:

حدود ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۵ء

مولانا مرتضیٰ لکھنوی اخباری حدیث و معقولات کے عالم جلیل تھے۔ جناب غفران مآب سے بھی تلمذ تھا بہت عمدہ قابلیت رکھتے تھے بعض علماء سے مباحثہ کا ذکر بے بہا میں ہے۔ ان کے تقوی اور پرہیز گاری ضرب المثل تھی حج و زیارات کے لیے تشریف لے گئے تھے اور سفر میں مقام "منا" میں رحلت کی۔ اس زمانے میں جناب غفران مآب زندہ تھے۔

تصانیف: • اسرار الصلوٰۃ۔ • مسلک اخباریت کی حمایت میں ایک رسالہ۔ • اساس الاصول کی رد

(بے بہا ص: ۳۱۹۔ • نزہۃ ج ۷، ص ۴۷۹)

مرتضیٰ، اصولی سید:

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء

جناب مولانا سید مرتضیٰ صاحب عالم جلیل و فقیہ و متکلم اور غفران مآب کے شاگرد تھے۔ متداول کتابوں پر حاشیے لکھے۔ لکھنو سے حیدر آباد گئے تھے۔ وہاں مولوی عبدالعلی اور قاضی نجم الدین قاضی القضاۃ کلکتہ سے مباحثات رہتے تھے۔ اسی زمانے میں رسالہ فی عینیۃ صفات اللہ سبحانہ لکھا (بے بہا ص ۳۲۳۔ • نزہۃ ج ۷ ص ۴۸۱)

مرتضیٰ بن سلطان العلماء:

۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء

جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب کے دوسرے فرزند جن کی ابتدائی تعلیم اپنے بھائی مولانا سید صادق اور اپنے والد سے مکمل ہوئی۔ بادشاہ نے خلاصۃ العلماء خطاب دیا تھا۔ علم و فضل و تقدس کے علاوہ درس و تدریس کا سلسلہ بھی تھا۔ سپاہیانہ فن میں ماہرانہ قابلیت رکھتے تھے۔ صیغۂ فوجداری میں پولیس کے افسر بھی تھے۔

۱۸۵۷ء میں اپنے والد کی حفاظت میں شمشیر بکف رہے تھے خلاصۃ العلماء مجتہد بھی تھے اور سپاہی بھی۔

۱۸ رمضان ۱۲۷۶ھ جوانی میں انتقال کیا اور اپنے جد امجد کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

دفن کے دوسرے دن لوگ فاتحہ پڑھنے گئے تو قبر سے قرآن مجید پڑھنے کی آواز آرہی تھی۔ اس واقعہ نے شہر میں ہیجان پیدا کر دیا۔ لوگ جوق در جوق حاضر ہونے لگے ضعیف باپ قبر پر آئے اور پکار کر کہا "سید مرتضیٰ تمہارے دادا نے قبر پرستی کے خلاف جو جدوجہد کی تھی وہ تم کو معلوم نہیں۔ کیا یہ چاہتے ہو کہ تمہاری قبر پر چادریں چڑھیں؟ اس کے بعد آواز رک گئی۔

فرزند: سبط محمد صاحب اجازہ۔ سید محمد سمنا۔ محمد اصطفےٰ

قطعہ تاریخ ہے:

نورنگاہ حضرت سید محمد مجتہد	آن قدوۂ ارباب یقیں کعبۂ عالی مکاں
رفت از جہاں اہل غم در سجدہ ماہ صیام	آہ محمد ہائے سید مرتضیٰ قبلہ جواں (۱۸۶۰ء)

(تکملہ نجوم السماء / السلطان العلماء، ص ۱۰۱۔ ۰ نزہۃ ج ۷، ص ۹۷۔ ۰ بے بہا ص ۳۲۵۔)

مرتضیٰ شاہ بن مہدی شاہ:

۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء
۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء

مولانا سید مرتضیٰ شاہ بن مولانا سید مہدی شاہ حائری کشمیری بتاریخ ۰ ربیع الثانی ۱۲۶۸ھ روز جمعہ، لکھنو میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور ماموں نیز جناب تفضل حسین اور مفتی محمد عباس صاحب سے معقولات و منقولات حاصل کر کے عراق میں درس سطحی و درس خارج میں شریک ہوئے۔ تکمیل درس کے بعد اجتہاد مطلق کے درجے پر فائز ہوئے۔ نجف و کربلا میں سب علماء ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ کمال یہ تھا کہ جس طرح فقہ و اصول میں مجتہد تھے۔ اسی طرح حدیث و درایت و رجال و منطق و ھیئت و فلسفہ و ریاضی میں حکیم و دانشمند زرگ تھے اور عرفان و زہد میں ولی کامل حکیم محمد مہدی صاحب کے بقول ان کے تالیفات سے صندوق بھرے ہوئے تھے۔ • قوانین الاصول۔ • شرح لمعہ • اور شرح کبیر پر حواشی۔ • تکملۂ رسالۃ الکر للبہائی۔ • حواشی بر تقویم المحسنین۔ • شرح، تحریر محقق طوسی لکتاب او طولوقس فی الکرۃ المتحرکۃ۔ • شرح صفحۃ الاسطرلاب للبہائی۔ • حواشی امل الآمل بحث قبلہ پر متعدد حواشی۔ • رسالہ کشف الضمائر وغیرہ

سرکار میرزا محمد حسن شیرازی اور دوسرے اکابر آپ کی عزت کرتے تھے۔ مولانا سید مرتضیٰ مقدس طویل عرصے تک عراق میں رہ کر بیمار رہے۔ لوگ آپ کو نجف سے کربلا، کربلا سے بغداد لے گئے۔ ہر جگہ علاج ہوا مگر فائدہ نہ ہوا۔ بغداد سے واپس آتے ہوئے آپ کلمۂ شہادتین اور اسماء آئمہ معصومین پڑھتے رہے اور اسی عالم میں وفات پائی۔ تاریخ وفات ۱۴ شوال ۱۳۲۳ھ ہے۔ کربلا میں در زینبیہ کے قریب حجرے میں دفن ہوئے۔ محمد صادق صاحب نے کہا:

راس الھدایۃ قد تساقط صارخا	جلت رزیتہ علی الاسلام

کرامات و واقعات: جناب سید مرتضیٰ الکشمیری النجفی کی سوانح حیات چھپ چکی ہے۔ نجوم السماء اور تذکرۂ بے بہا نے بہت سے حیرت انگیز واقعات نقل کیے ہیں۔ جن سے آپ کی روحانی کیفیت اور قبول بارگاہ احدیت ہونے کا یقین ہوتا ہے۔

• نواب سر فتح علی خان لاہور سے اپنے عم محترم نواب نوازش علی خان کے ہمراہ کربلا معلیٰ گئے۔ کچھ

عرصے کے بعد جب واپسی کا ارادہ کیا تو جناب سید مرتضےٰ صاحب سے رخصت لینے حاضر ہوئے۔
مولانا نے سفر سے روکا۔ نواب صاحب کے بضد ہونے پر فرمایا "آپ نہیں ملتے، اختیار ہے
لیکن ایک امر عظیم ہے، خیر بسم اللہ تشریف لے جائیں۔ نواب صاحب کاظمین پہنچے ہی تھے کہ نواب نوازش علی خاں
کی حالت غیر ہوئی۔ نواب فتح علی خان پریشان کہ میں تو بھلا چنگا چھوڑ آیا تھا۔ بہرحال کربلا واپس آئے لیکن
تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوسکے۔
سید محمد نصیر آبادی راوی ہیں کہ مجاور کربلا نواب مولوی میر اصغر حسین صاحب مایوس حد تک بیمار ہوئے
ایک روز میں نے خواب دیکھا۔ ایک باغ پر فضا ہے اس میں عالی شان مکان ہے۔ میں نواب صاحب کی
بیماری سے پریشان ہو کر باہر آنے لگا۔ ایک آواز آئی۔ سید محمد کہاں کا قصد ہے؟ میں نے کہا نواب صاحب
کے پاس جاتا ہوں۔ وہ بیمار ہیں اور کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا، مرتضیٰ شاہ کے پاس التماس دعا
کیوں نہیں کرتا۔ وہ اس مکان میں ہیں۔ میں مکان میں داخل ہوا، وہاں مرتضیٰ شاہ صاحب مصلے پر بیٹھے تعقیبات
میں مصروف دیکھے۔ سلام کیا، جواب ملا، مسکرائے میں نے کہا آپ نواب مولوی سید اصغر حسین صاحب
کے واسطے دعائے صحت فرمائیں۔ اتنے میں جو نکا تو اذان ہو رہی تھی۔ میں وضو کر کے نمازِ صبح پڑھنے کھڑا
ہوگیا۔ نماز کے بعد نواب صاحب کے یہاں پہنچے دیکھا تو وہاں علامہ سید مرتضےٰ کشمیری تشریف فرما ہیں۔ بڑی خوشی
ہوئی۔ میں نے خواب بیان کیا۔ آپ آبدیدہ ہوئے اور فرمایا، آپ کو اشتباہ ہوا ہوگا۔ اچھا یہ بات کسی سے
نہ کہیئے گا۔ آپ کے بارے میں اس قسم کے متعدد واقعات مشہور تھے۔ تذکرۃ النجوم الماہ ۲ ۱۲۹۲ھ بے بہا ص ۲۶۵)

مرتضیٰ حسین، حائری:

حدود ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء
حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء

مولانا مرتضےٰ حسین صاحب لکھنوی حائری اپنے والد سے ملا حسن و شرائع الاسلام تک پڑھنے کے
بعد انھیں کے ہمراہ کربلا گئے اور والد کی رحلت کے بعد خود بھی وہاں سے نہ آئے۔ حجۃ الاسلام ملا حسین ارد کانی
آیۃ اللہ الشیخ زین العابدین، آیۃ اللہ سید حسین بہبہانی کے درس میں شریک ہو کر درجۂ اجتہاد کو پہنچے۔
۲۸ سال کی عمر پاکر چودھویں صدی ہجری کے دوسرے عشرے میں وفات پائی اور جوار سید الشہداء میں
آرام گاہ ملی۔ (بے بہا۔ ص ۲۷۹)

مرتضیٰ حسین، امروہوی:

حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

مولانا الحاج سید مرتضیٰ حسین محلہ دانشمنداں امروہہ کے رہنے والے صرف و نحو و منطق کے

ستاد مدرسہ نور المدارس امروہہ میں ... رس تھے۔
ممتاز رئیس و دولت مند تھے بہت عمدہ کتب خانہ جمع کیا تھا۔ ۱۳۶۰ھ کے قریب وفات پائی۔
مولانا کی تاریخ وفات بروایت صاحب مطرح الانظار ۱۳۵۰ھ/۶ نومبر ۱۹۳۱ء ہے (میری سرگزشت ص ۶۳)

مرتضیٰ حسین، جگراؤنی:

۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء

شریف العلماء سید شریف حسین بن ارسطو جاہ رجب علی شاہ کے فرزند جناب قدوۃ العلماء مولانا سید مرتضیٰ حسین جگراؤں ضلع لدھیانہ کے عالم جلیل، فقیہ نبیل بزرگ تھے۔ ۱۹۴۴ء میں اعلیٰ علیین سدھارے ان کے بعد خاندان ارسطو جاہ میں فقہاء و علماء کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

مشرف علی خاں، لکھنوی:

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء

علی بن حسن بن عسکری غفرانمآب اور مولانا سید محمد صاحب کے شاگرد خاص اور بہت بڑے عالم تھے۔ فقہ و عقائد پر عبور تھا۔ جناب سید محمد صاحب اور مولانا سید حسین صاحب کے فتاویٰ بھی جمع کرتے تھے۔ عرف عام میں مشرف علی خان مشہور تھے، اصلی نام سید علی تھا۔ سنہ ۱۲۷۰ھ کے بعد وفات ہوئی۔

تصانیف: ازاحۃ الغی در رد علی عبد الحی (نزھۃ، تکملۂ نجوم السماء میں ہے) ازاحۃ العلۃ فی الرد علی عبد الحی الدہلوی' این کتاب رد است بر کتاب الصراط المستقیم کہ در منع اقامۂ عزاء سید الشہداءؑ تحریر فرمودہ، چنانچہ در کشف الحجب مسطور است) ○ کتاب المسائل (عرف مسائل مشرف علی خاں) فتاویٰ سلطان العلماء و سید العلماء کا مجموعہ (تکملۂ نجوم السماء ج ۲، ص ۳۴۳۔ نزھۃ الخواطر ج ۷، ص ۱۷۱)

مشرف علی، سیتاپوری:

بعد ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

سید مشرف علی بن سید محمد عسکری سیتاپوری کے فرزند نہایت شکیل و صاحب وجاہت بزرگ تھے۔ جناب سید العلماء (کذا) سید محمد عرف میرن (کذا) صاحب کے شاگرد رشید تھے، لکھنو کے مدرسۂ شاہی میں پڑھاتے تھے۔ جب سیتاپور آتے تو سب لوگ آپ کی عزت و تکریم کرتے تھے۔ نماز جمعہ و جماعت میں کافی رونق رہتی تھی۔ آخر عمر میں آپ زیارت عتبات عالیات کے لیے تشریف لے گئے۔ بعد مراجعت بمبئی میں رحلت کی وہیں مدفون ہوئے سیتاپور کے امام باڑے کے بیچ کے در میں آپ کی تاریخ کندہ تھی۔ (محمد اکبر)

مظفر علی، خواجہ : حدود ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۴ء

حیدرآباد کے عالم جلیل، پیشوائے اعظم علامہ محمد مومن کے معین کردہ منشی الممالک دبیر سلطان محمد قطب شاہ ۱۰۳۱ھ میں شہزادہ عبداللہ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ وہ عالم و ادیب، مدبر و خوش مزاج و خوش اخلاق بزرگ تھے۔ لیکن وہ تقریباً ڈیڑھ سال خدمت انجام دے کر جاں بحق ہو گئے۔

(میر محمد مومن حیات اور کارنامے ص ۱۲۴)

مظاہر احمد : حدود ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

مولانا سید مظاہر احمد صاحب کاموں پوری ممتاز الافاضل، ملا فاضل پروفیسر طبیہ کالج پٹنہ، عالم و فاضل عابد و متقی بزرگ تھے۔

مظفر علی خان : حدود ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

مولانا شیخ مظفر علی خان صاحب مرادآبادی لکھنوی صدیقی شیخ تھے۔ شاہی کے زمانے میں آپ کا خاندان باوقار تھا اور متعدد اعزازات کا مالک۔ آپ بھی اسی وجہ سے "خاں" کہلاتے تھے۔
ادب و معقولات و دینیات میں مولوی سید تفضل حسین صاحب سنبھلی اور جناب قاری صاحب علیہ الرحمۃ سے پڑھی۔ فقہ و اصول میں تاج العلماء اور نجم العلماء سے استفادہ کیا۔ ۱۳۲۸ھ میں حج سے مشرف ہوئے اور زیارات کا شرف پایا۔ مطبع تہذیب کے نام سے ایک پریس بھی تھا۔ ایک اخبار کے مینیجر رہے مدرسۂ ناظمیہ کے مدرسِ دوم تھے۔ جی ایس مسٹن گورنر یوپی نے بھی آپ سے کچھ دن پڑھا تھا۔
علالت کی وجہ سے نواب مرزا محمد عباس صاحب بانی مدرسۂ ناظمیہ نے اپنی جیبِ خاص سے وظیفہ کر دیا تھا۔ کچھ دن بعد جناب نجم الملۃ نے مدرسۂ عالیہ رام پور میں شیعہ دینیات کی جگہ آپ کا تقرر کروا دیا اور مسٹن صاحب نے سفارش کر کے نواب صاحب کے فرزندوں کی اتالیقی دلوا دی۔
۱۳۴۱ھ میں رام پور سے لکھنؤ آ گئے۔ مولوی مقبول احمد صاحب سے کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ اس لیے رام پور چھوڑ دیا۔ ایک زمانے میں آپ کے شاگرد محمد جعفر حسن بدایونی نے سید المطابع جاری کیا تو آپ ان کے اخبار "اخبار الصادقین" کے مدیر رہے۔ اسی زمانے میں اصول کافی کا ترجمہ بھی کیا تھا۔

(بے بہا، ص ۴۰۰)

مظہر اعلیٰ بنارسی :

حدود ۱۲۷۹ ھ / ۱۸۶۲ ء
حدود ۱۳۵۱ ھ / ۱۹۳۲ء

مولانا الفاضل الکامل شیخ مظہر اعلیٰ محلہ تیلیا بنارس کے باشندے تھے۔ لکھنو آئے اور تکمیلِ تعلیم فرمائی پھر بنارس چلے گئے۔ متقی اور زاہد و گوشہ نشین تھے۔ آپ کے صاحبزادے نے وکالت کا امتحان پاس کیا تو آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور عراق ہجرت کر گئے۔ کربلا میں فاضل بہبہانی آقائے سید حسین صاحب اعلی اللہ مقامہما سے قوانین ورسائل و شرح لمعہ وغیرہ کے سبق لے کر، نجف میں جناب آقای حسین اردکانی اور جناب سید حسین ترک کے درسِ خارج میں دورہ مکمل کرنے کے بعد بنارس واپس آئے۔ لیکن غیر علمی ماحول اور ہندو سماج سے گبھرا کر حیدر آباد چلے گئے۔ وہاں ضلع گلبرگہ میں ناظم کی جگہ مل گئی جس کی تنخواہ دو سو تھی، پھر تین سو ہو گئی۔ سال بھر بعد نوکری بھی چھوڑ دی اور مولوی احمد حسین صاحب برسیؔ کے یہاں چودہ سال تک مہمان رہے۔ جاگیرداروں اور حکومت کی نوکری نہ کی۔ سلیمان یار جنگ بہادر نے تیس روپے ماہوار بلا خدمت وظیفہ کر دیا تھا جسے آپ نے وصول نہ کیا لیکن وہ رقم مولوی احمد حسین صاحب سرسوی لکچرار عثمانیہ یونیورسٹی آپ کے لباس وغیرہ پر صرف کر دیتے تھے جب چار سو روپے جمع ہو گئے، مولانا کی خدمت میں پیش کیے مولانا وہ رقم لے کر حج کرنے چلے گئے۔ حج و زیارت سے فارغ ہو کر دوبارہ حیدر آباد تشریف لائے اور وہیں تخمیناً (۷۶) چھیتر سال کی عمر میں ۱۹۳۲ء کے قریب رحلت کی۔

آپ کے اساتذہ مولوی محمد علی صاحب، مولوی قطب الدین صاحب فرنگی محلی، مولوی غلام حسین صاحب کنتوری، مولوی تفضل حسین صاحب بنارسی، مولوی تفضل حسین صاحب فتح پوری، مولوی خادم حسین صاحب مولوی امداد علی صاحب حافظ کامل، معاصر علما آپ کو حقیقی عالم و فقیہ و مجتہد جامع الشرائط مانتے تھے۔

(مظہر علی بنارسی، مولانا سید حسین صاحب اور مولوی علی حنفی کے شاگرد تھے۔ تکملۃ نجوم ۲/۴۵۲) (بے بہا ص ۳۵۹)

مظہر حسن، حافظ :

۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء
۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

مولانا حافظ سید مظہر حسن بن نوروز علی مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی میں ۱۲۶۳ھ کو پیدا ہوئے۔ محمد مہدی اور بحرِ سخا مظہر حسن آپ کا تاریخی نام ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کر کے لکھنؤ آئے اور یہاں مولوی سید حسین صاحب ساکن احاطہ کمال جمال سے اور مفتی نواب مرزا صاحب سے علم حاصل کیا۔

ذکی، ذہین، عابد و زاہد، متقی و مخیر تھے۔ حافظہ کا یہ عالم کہ ایک مہینہ میں پانچ پارے حفظ کر کے سنا دیئے۔

شاہان دہلی داد و ہ سے اجداد کو جاگیریں حاصل تھیں۔ آپ کے والد پر خاندان والوں نے مقدمہ دائر کیا تھا لیکن سب ہار گئے تھے، جناب مولوی صاحب نے مفتی نواب مرزا صاحب کے ذریعہ تمام جائداد شرعی طور پر تقسیم کرادی، پھر بھی آپ کی زمینداری چھ ہزار روپے سالانہ کی تھی مگر جب وفات پائی تو گھر میں آپ کا صرف جوڑا پڑا نکلا۔

مناظرے سے دلچسپی تھی، توریت و انجیل ازبر تھی۔ عیسائی آپ سے پناہ مانگتے تھے۔ غلام احمد قادیانی سے تحریری مناظرے ہوئے اور اسے لاجواب کرکے اخبارات میں اعلان کردیا کہ غلام احمد صاحب نے میرے ان سوالات کے جواب نہیں دیئے۔

۲۷ رجب ۱۳۱۹ھ کو انتقال کیا۔

اولاد: • میر مصحف حسین صاحب۔ (بے بہا: ۲۵۸)

تالیف: (اردو) صراط مستقیم طبع لکھنو، توحید و عقائد پر بہت عمدہ کتاب ہے آخر میں ایک منظوم عربی مناجات بھی ہے۔ کتاب میرے پاس موجود ہے۔ • قواطب الاشیاء

مظہر حسن، سہارن پوری:

۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء
۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء

مولانا مولوی سید مظہر حسن بن سید صادق حسین صاحب آخر شعبان ۱۲۶۹ھ سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۸ء میں رسم بسم اللہ ہوئی۔ مولوی سید دلدار علی صاحب نانوتوی وغیرہ سے فارسی کی متداول کتابیں پڑھیں۔ تیرہ چودہ برس کی عمر میں گورنمنٹ اسکول سہارن پور میں انگریزی شروع کی، لیکن والد کا انتقال ہوگیا۔ دادا نے پرورش کی، رمضان ۱۲۸۶ھ میں ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ مڈل کے بعد عربی و دینیات کی تعلیم کی طرف توجہ ہوئی۔ ۱۲۸۸ھ میں مولانا شیخ علی رضا قزوینی نجفی مقیم پشاور لکھنو جاتے ہوئے سہارنپور ٹھہرے تو مولوی صاحب کو اپنے اخلاق کا گرویدہ کرلیا، چنانچہ آپ پشاور گئے اور وہیں ایرانی طرز پر صرف و نحو پڑھی۔

شعبان ۱۲۸۸ھ میں آپ کی شادی ہوئی اور اسی سال ماہ شوال میں تکمیل تعلیم کے لیے لکھنو چلے گئے لکھنو میں چار سال رہ کر مختلف علوم و فنون کے درس لیے جناب ملک العلما اور مفتی صاحب سے فقہ و اصول اور ملاذ العلماء سے منطق و حکمت کی تعلیم پائی۔

خشک کھانسی اور بخار کی شدید تکلیف اور علاج کی ناکامی سے مجبور ہوکر وطن واپس آگئے یہاں معلوم ہوا کہ ایک پھیپھڑہ خشک ہوگیا ہے۔ سول سرجن نے علاج کیا جس سے مکمل شفا پائی۔

نواب ناصر علی خان قزلباش رئیس لاہور انبالہ میں اکسٹرا اکمشنر ہوکر آئے تو مومنین کو مذہب سے بیگانہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ نواب صاحب نے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی اور آپ کو مدرس اول مقرر کیا۔ ڈھائی سال بعد مومنین کا ایک قافلہ حج کے لیے جانے لگا تو آپ بھی ان کے ساتھ حج و زیارت مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ فروری ۱۸۸۰ء میں وطن آئے لیکن کچھ دنوں بعد گورنمنٹ ہائی اسکول لودھیانہ میں عربک ٹیچر ہوکر آگئے اور ۲۴ جولائی ۱۸۸۰ء سے ۱۵ مئی ۱۹۱۰ء تک لدھیانہ، جگادھری، امرتسر وغیرہ میں تعلیم و تربیت دے کر تیس روپے ماہوار پنشن پر ریٹائرڈ ہوئے۔

مارچ ۱۹۱۲ء میں زیارتِ عتباتِ عالیات اور ۱۳۴۷ھ میں زیارتِ مشہد سے شرفیاب ہوئے۔

مولانا مظہر حسن صاحب نے تاریخ آئمہ پر بہت محنت کی اور اچھی اچھی کتابیں لکھ کر اردو میں طویل سیرت نگاری کی طرح ڈالی۔ (تاریخ وفات ۱۷ صفر ۱۳۵۰ھ ہے اصلاح کھجوہ ج ۳۵)

تالیفات: • تحفۃ المتقین۔ نوافل شبانہ روز (مطبوعہ) • ھدیۃ المصلین۔ مسائل سہو و شکیات نماز (مطبوعہ)۔ • تاریخ مکہ مکرمہ و حرم بطور سفرنامہ جو کتب خانہ حرم سے مستفید ہوکر لکھی۔ مگر قافلہ مدینے سے جدے کی طرف جاتے ہوئے لٹا تو یہ کتاب بھی سامان کے ساتھ لوٹ میں گئی۔ • جدول مختصر مشتمل بر تاریخ ہائے ولادت و وفات معصومین مطبوعہ تختہ کلاں لاہور۔ • جدول معقل۔ • تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین جلد اول دو حصے اور جلد دوم اردو مطبوعہ۔ • کشف الحقائق، سوانح امام جعفر صادقؑ۔ • لمعۃ التمیا فی احوال امام رضاؑ دو جلد۔ • یورش فوج روسیہ (مطبوعہ)۔ • رسالہ در حال متوکل عباسی ناتمام۔ • سفرنامہ عراق ناتمام • خمسہ مظہریہ در اعتقادات اثناعشریہ اردو مطبوعہ۔ • العقد الناظم۔ سوانح امام موسیٰ کاظمؑ۔ مطبوعہ۔ • سوانح امام زین العابدینؑ۔ • سوانح امام حسینؑ۔ • تاریخ الائمہ۔ اردو۔ (بے بہا: ۴۰۲)

المطبوعہ ۱۲۹۱ الحسن علی طبع شدہ

مرزا معز الدین، مرزا فخرا قمی:

۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء
۱۱۰۱ھ / ۱۶۸۹ء

سید محمد موسوی ملقب بہ مرزا معز الدین محمد خاں مرزا فخرا قمی، قم کے سادات رضویہ میں تھے۔ جناب محمد سلمان مشہدی عالم اجل مشہد کے نواسے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد سے حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں اصفہان آگئے اور جناب آقا حسین خوانساری کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ معقول و منقول میں انتہا کو پہنچے۔

۱۰۸۲ھ میں ہندوستان آئے اور شاہ نواز خان صفوی کی دختر یعنی شاہزادہ محمد اعظم کی خالہ سے نکاح ہوا۔ حکومت سے دیوانی صوبہ عظیم آباد پٹنہ سے سرفراز ہوئے لیکن امیر الامرا شائستہ خان ناظم پٹنہ سے نہ پٹی لہٰذا بادشاہ نے مرکز میں طلب کرلیا۔

۱۰۹۹ھ میں موسوی خان خطاب ملا۔ پھر دیوان ممالک دکن معین ہوئے۔ مشہور شاعر اور صاحبِ دیوان بزرگ تھے۔ ایک شعر ہے:

جز یاد تو فکرے دلِ ناشاد ندارد ۔۔۔ ایں شیشۂ می غیر پری زاد ندارد

"حسن ابدال میں آپ سے اور شیخ عبدالعزیز سے عجیب مباحثہ ہوا۔ جب طول ہوا تو کسی بات پر شیخ نے پوچھا، اس کی سند کیا ہے۔ موسوی خان نے فرمایا۔ بہاء الدین محمد سے شیخ عبدالعزیز نے کہا، میں نے بہاء الدین پر بائیس اعتراض کیے ہیں۔ موسوی خان نے کہا تمہاری پہنچ حروفِ تہجی تک ہوگی۔ شیخ نے کہا: تم شیعہ ہو اور شیعہ گز کرتے ہیں۔ اس کا کیا سبب؟ آپ نے قہقہہ مار کر فرمایا۔ یہ بات یا تو لاہور کی طوائفوں نے پوچھی تھی یا پھر ڈوم نے اس کے بعد آج تم پوچھ رہے ہو!

۱۱۰۱ھ دکن میں رحلت کی۔ (مآثر الکرام ۲۱۱، بے بہا ۲۱۱۔ اصل مآثر الامراء ج ۳ ص ۶۳۲)

مقبول احمد، حاجی:

۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء
۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

مولانا حاجی مقبول احمد صاحب بن غضنفر علی بن مراد علی صاحب دہلی کے مشہور افاضل اور ملک کے بہت بڑے خطیب تھے۔ ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ ایام رضاعت میں آغوشِ مادر اور سات برس کی عمر میں سایۂ پدر سے محروم ہوگئے۔ آپ کے بڑے بھائی پیر جی حفیظ اللہ نے پرورش کی۔ اس وقت حفیظ اللہ پانی پت میں رہتے تھے۔ وہیں ساتویں درجے تک پڑھ کر دلی آئے اور اینگلو عربک ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ اسکول میں مرزا احمد بیگ نے مقبول احمد کی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت و یتیمی سے متاثر ہو کر ان کی سرپرستی کی۔ اپنی اولاد کی طرح پالا۔ مقبول احمد نے محنت سے تعلیم حاصل کی۔ اور عام مطالعہ بھی کرتے رہے۔ ۱۸۸۵ء میں مڈل پاس کیا ۱۸۸۶ء میں اپنی تحقیق سے شیعہ مذہب اختیار کیا اور اس کا اعلان جامع مسجد دہلی میں کرتے ہوئے مناظرے کا چیلنج بھی کیا۔ ۱۸۸۷ء میں انٹرنس کا امتحان اور ۱۸۸۹ء میں مشن کالج سے ایف اے کا امتحان دیا۔ ان امتحانات میں موصوف نے صوبۂ پنجاب میں اوّلیت حاصل کی اور مولانا سید آفتاب حسین صاحب سے علوم دین میں بصیرت اندوزی کی۔

ایف اے کے بعد ان کی شادی ہوگئی اور گھریلو ذمّے داریاں کی وجہ سے وہ تعلیم کے بجائے تصنیف و تالیف و تقریر میں مصروف ہو گئے۔ اس زمانے میں علوم عربیہ، طب و اوراد و وظائف سے بھی شغف بڑھ گیا اور تقریر میں بھی شہرت کا آغاز ہوگیا۔ لیکن موصوف نے عملی سرگرمیوں کو ترک نہ کیا۔

مدرسۂ اثنا عشریہ دہلی کچھ دنوں سے کام کر رہا تھا۔ ۱۸۹۴ء میں راجہ سید باقر علی خان والی ریاست پنڈراول

و میر آف کوٹا، دہلی آئے مدرسہ کے منتظمین کا وفد راجہ صاحب سے ملنے گیا۔ راجہ صاحب وفد کے ارکان میں مولانا مقبول احمد صاحب سے بہت متاثر ہوئے اور اپنا پرائیویٹ سکریٹری تجویز کر لیا۔ ۱۹۰۲ء میں راجہ صاحب کا انتقال ہوا تو مولانا دہلی واپس آئے۔ یہاں آکر دواخانے کی اسکیم بنائی مگر سرمایہ جمع نہ ہو سکا جو حصص جمع ہوئے تھے ان کی رقم واپس کر دی۔

چلہ کشی، تین مہینے کے روزے اور مختلف ریاضتیں کرتے رہے۔ مجالس عزا پڑھتے ہی تھے، فنیر پر بیان، مزاحیہ خطابت، مناظرانہ اسلوب تھا۔ نواب حامد علی خان کی مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے کہ راجہ سید ابوجعفر صاحب کا تار آیا۔ ۱۹ رمضان جمعہ کا دن تھا۔ مولانا ۲۱ رمضان کی مجلس پڑھنے فیض آباد چلے ہو گئے۔ یہ مجلس اتنے معرکے کی ہوئی جس نے مولانا کو شہرت و عزت کے بام عروج پر پہنچا دیا۔ فیض آباد، جونپور اور لکھنؤ کی شہرت کا اثر پھیلا۔ نواب صاحب رام پور نے آپ کی علمی اور عملی صلاحیت دیکھی تو ریاست میں آڈٹ آفیسر رکھ لیا۔ بارہ سال تک اس منصب پر متمکن رہے مگر مجلسیں بھی پڑھتے تھے اور نواب صاحب کے ایما پر تفسیر و ترجمہ قرآن مجید بھی لکھتے تھے۔ جس میں مولانا اعجاز حسن بدایونی معاون تھے۔

رام پور میں وبا آئی اور مولانا کے دونوں صاحبزادے شجاع الدولہ و آصف الدولہ یکے بعد دیگرے جاں بحق ہو گئے۔ اس واقعے نے صحت پر بہت بڑا اثر کیا۔ ہمت بلند تھی خدمت دین و تبلیغ کی لگن نے سہارا دیا اور مولانا دہلی، لکھنؤ، بمبئی تک دورے کرنے لگے۔ ۱۹۲۰ء میں تقریباً سو اور ۱۹۲۱ء میں دوبارہ اسی تعداد میں آغا خانی حضرات کو شیعہ کیا۔ اس لیے بمبئی کے حضرات آپ کے بے حد قدر دان ہو گئے۔ اسی زمانے میں آپ حج و زیارات سے مشرف ہوئے۔

۲۳ ستمبر ۱۹۲۱ء کو شملے سے دہلی آئے اور ۲۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کو رحلت کی۔ آپ کی وفات پر ملک بھر میں تعزیتی جلسوں اور فاتحہ کے جلسوں کا طویل سلسلہ قائم رہا۔ دہلی میں مدرسۃ القرآن اور آگرہ میں مقبول المدارس کے نام سے یادگاریں قائم ہوئیں۔ مولوی شیخ محمد علی صاحب مولوی فاضل، ملا فاضل کے قطعۂ تاریخ میں ان تاثرات کی نشان دہی ہے:

ماہِ ربیع الاوّل بلہ، آہ شب چاردہ، واحسرتا — مقبول احمد مولوی، رفتہ ازیں دارِ فنا
در سرزمینِ ہند، آہ شد ماتمش صبح و پگاہ — عالم بدو بے اشتباہ بر وعظِ او عالم گواہ
منت بسے برد او جہاں، راحت بدید از این آں — اللہ بادش مہرباں، باشد مقامش در جناں
آں آفتاب مومنیں، غائب شدہ زیرِ زمیں — پیر و جواں اندوہگیں، در پنجہ کردندش دفیں
مقبول احمد ناگہاں، رفتہ ازیں فانی جہاں — سال وفاتش ایں بخواں، در خلد شد آں میہماں

(۱۳۴۰ھ)

خطابت: مولانا مقبول احمد صاحب چونکہ سنی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے بزرگ دہلی کے ایسے علماء سے متاثر تھے جو شیعوں کے خلاف انتہا پسند تھے۔ اس لیے مولانا مقبول احمد صاحب پر اس کا ردِ عمل سخت ہوا۔ ان کی خطابت میں دہلی کی زبان اور طبعی مزاج، علمی وزن اور حریفوں کے خیالات کی تردید کا پہلو نمایاں تھا۔ تفسیر کے درس و تالیفات جو اس عہد میں دہلی شہر کو گرمائے ہوئے تھے۔ مولانا نے اس کا جواب دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ موصوف نے خطابتِ منبر کو نیا اسلوب دیا اور مجلس خوانی میں نیا رنگ پیدا کیا۔ انگریزی علوم سے واقفیت اور فریقین کی کتابوں کے مطالعے نے ان کے بیان میں جدت پیدا کر دی تھی وہ شیعہ خطبا میں عظیم خطیب مانے جاتے ہیں۔

اخلاق و صفات: مولانا مقبول احمد صاحب انتہائی خلیق، ہمدرد اور سخی تھے۔ انھوں نے قومی ترقی کے لیے تجارت، مدارس، وظیفہ سادات و مومنین جیسے اداروں کی بڑی خدمت کی۔

تصانیف: درسی کتابیں متعدد دبطرز اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب تالیف سید احمد دحلان مفتی مکہ کا ترجمہ۔

- مقبول پرائمر (دینیات ۱ تا ۵ حصے۔ • زائچہ تقدیر۔ فال نامہ دانیال۔ • تہذیب الاسلام ترجمہ حلیۃ المتقین مجلسی
- وظائف مقبول، چودہ سورتوں اور کچھ دعاؤں کا مجموعہ۔ • ترجمہ قرآن مجید و تفسیر، جو تین صورتوں میں چھپا۔

(ا) حمائل، متن و ترجمہ و حواشی۔ (ب) قرآن مجید، ترجمہ و حواشی۔ (ج) قرآن مجید ترجمہ و حواشی و ضمیمہ طبع ۱۹۱۵ء

مولانا غلام رسول مہر صاحب ایم اے نے مجھ سے کہا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے نزدیک مقبول ترجمہ اپنی صحت کے اعتبار سے متداول ترجموں میں بہت فصیح ہے مگر افسوس کہ شیعہ کا لکھا ہوا ہے۔

تفسیر میں عموماً تفسیر صافی کو بنیاد قرار دیا ہے لیکن بعض مباحث میں دوسری معتبر کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے اور شیعہ عقیدہ و خیال کو بے خوف ہو کر لکھا ہے۔ اس عہد کے مشہور مفسرین اسلام نے اپنے بیانات و تفاسیر میں شیعوں کے خلاف جو کچھ کہا تھا۔ مولانا مقبول احمد صاحب نے اس کے مقابلے میں اپنی بات کہی ہے۔

مقبول احمد صاحب کا ترجمہ اب تک مقبول ہے اور بکثرت شائع ہوتا رہتا ہے۔

- مفتاح القرآن، دیباچہ مقبول ترجمہ۔ اس میں فضل قرآن مجید، قرآن و اہل بیت، متشابہ آیات پر گفتگو، تفسیر بالرائے کی ممانعت اور آخر میں سورتوں کے خواص ہیں۔

(تذکرہ بے بہا۔ انجمن وظیفہ سادات و مومنین کا جوبلی نمبر مع اضافہ)

مقرب علی خان، زائر، حاجی:

۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۴ء
۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

مولانا ابوالقاسم مقرب علی خان زائر بن سید نثیر علی خان بھاگلا ضلع لودھیانہ میں ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۵۹ھ دسمبر ۱۸۴۴ء

کو پیدا ہوئے لیکن ابھی کم سن ہی تھے کہ یتیم ہو گئے۔ خوش نصیبی سے معزز و باوجاہت نانا سید حب علی ارسطو جاہ نے اپنی نگرانی میں لے لیا اور بڑے اہتمام سے خود پڑھانا شروع کیا۔ دوسرے اساتذہ معین کیے مثلاً مولوی مظہر علی صوفی اور محمد حسین آزاد، خواجہ محمد ابراہیم حسین صاحبان سے علوم دینیہ و ادب کی تکمیل کی۔ اردو شاعری میں مولانا آزاد سے اصلاح لی۔

۱۲۷۷ھ میں ارسطو جاہ کے ساتھ حج سے مشرف ہوئے۔ اثنائے راہ، درس لیتے رہے۔ واپس آن کر مولانا قلندر علی پانی پتی سے منطق و فلسفہ کا نصاب مکمل کیا۔ ۱۲۸۰ھ، ۱۲۸۱ھ میں مولوی امداد علی مؤلف بحرالمصائب جگرانوں آئے تو ان سے فن ذاکری سیکھا۔ ۱۲۸۴ھ میں فردوس مآب مولانا حامد حسین لودھیانے آئے تو مقرب علی صاحب نے اَلدُّرَرُ السَّنِيَّة فی المکاتب البھیہ اور ریاض السالکین شرح صحیفۂ کاملہ اور عربی عبارات مشکلہ کا درس لیا۔

مولانا رجب علی شاہ صاحب نے مطبع و اخبار مجمع البحرین جاری کیا تو مولانا مقرب علی خاں تصحیح کتب و ترتیب اخبار کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ کچھ عرصے تک راجہ بلب سنگھ بھاگل پور کے یہاں رہے۔ راجہ پٹیالہ نے بھی ریاست میں نوکر رکھا۔

لاہور سے عربی میں "النفع العظیم لاھل ھذا الاقلیم" جاری کیا۔ جس میں بیشتر نظم و نثر عربی آپ ہی کی ہوتی تھی۔ اس اخبار کے کچھ پرچے دانش گاہ پنجاب میں محفوظ ہیں۔ "النفع العظیم" نے ترکی، مصر اور دوسرے ملکی شہروں سے داد لی۔

۲۷ اکتوبر ۱۸۷۷ء کو دہلی عربک اسکول میں مدرس دوم مقرر ہوئے۔

۱۸۸۰ء میں گجرات ہائی سکول میں آ گئے۔ اسی زمانے میں عربی نصاب کی مشہور کتاب سلم الادب کی ترمیم و تصحیح کے لیے بورڈ بنا تو مولانا مقرب علی صاحب اس کے ممبر ہوئے۔

۱۸۸۳ء میں مہاراجہ کشمیر نے طلب کر لیا اور دربار کی حاضری پر فائز ہوئے۔ آپ کا ایک قصیدہ سُن کر راجہ نے دو سو روپے اور جموں کالج میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ لیکن بددل ہو کر مستعفی ہو گئے اور راجہ نے رخصت کرتے ہوئے خلعت بخشا۔

گجرات سے ریواڑی گئے اور سرکاری مدرسے میں عربی پڑھائی۔ آٹھ سال تک گجرات میں انجمن امامیہ لکھنؤ کی شاخ کے صدر رہے۔

۱۸۸۸ء میں مقدمۂ خلیفۂ بلافصل کے لیے آپ کا بیان لینے کے لیے ایک کمیشن آیا۔

غرض مولانا مقرب علی، جامع کمالات و علوم، صاحبِ تقویٰ ادیب و خطیب، مصنف و

مؤلف تھے۔

پنجاب میں اصلاح عقائد و اعمال، تبلیغ سیرت و کردار قومی فلاح و بہبود، ملکی معاملات میں خدمت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ ان کی کتابوں میں صحت روایت اور ادب و شعر و اخلاق کا پہلو، نمایاں ہے۔

مولانا الحاج سید مقرب علی زائر نے ۱۹۲۶ء کو رحلت فرمائی۔

اولاد: • سید محمد قاسم۔ • سید محمد صادق۔

تالیفات: • عربی خطوط کا بڑا مجموعہ۔ • نور العین فی احوال الحرمین۔ • معراج نامہ (اردو) • مثنوی حلیۂ مقدسہ نبویہ (اردو)۔ • جامع الحسنات اردو نثر۔ • نفحات الترباحین۔ اردو • عشرۂ کاملہ۔ • النفع العظیم اخبار ۶ جلد عربی۔ • الیواقیت السنیہ فی ثلثۃ الحینیہ القرآنیہ۔ • مقدمۂ صرف جو انٹر کا نصاب تھا۔ • موید الادیب شرح اشعار الف لیلہ جلد اول۔ • تقریظ عبقات حصۂ اول عربی و حصہ دوم عربی نظم۔ • مناقب الصادقین من القرآن المبین • المجربات المقربیہ کشکول اس میں عاشقانہ اشعار بھی ہیں اور سلام و مراثی اردو فارسی عربی میں بہت ہیں اکثر رسائل کے مسودات ہیں اور آپ کی سوانح عمری۔ • کتاب اربعین فی فضائل امیر المومنینؑ • مثالب الکاذبین من القرآن المبین۔ • ذریعۃ النجات فی یوم العرصات۔ چار جلدیں۔ مجلس خوانی کے لیے تقریر متعدد عربی خطبے، اردو اشعار و مراثی کا ضخیم مجموعہ۔ (بے بہا ص ۳۱۲)

مکرم حسین، مجتہد:

حدود ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء

۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء

جلالی ضلع علی گڑھ کے محترم عالم سید مکرم حسین صاحب لکھنؤ سے فارغ تھے۔ ان کے اساتذہ میں، فائزۃ الدین محمد علی صاحب۔ مولوی احمد علی صاحب محمد آبادی۔ جناب ممتاز العلما سید محمد تقی صاحب سے علما تھے۔ مفتی محمد عباس صاحب۔ تاج العلما علی محمد صاحب۔ عماد العلما جناب میر آغا صاحب اور سرکار زین العابدین مازندرانی نے اجازہ ہائے اجتہاد عطا فرمائے تھے۔

مکرم حسین صاحب ریاضی، طب اور علم رجال میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ شعر و ادب سے بھی دلچسپی تھی۔ تقریباً ساٹھ برس پاکر ۱۳۰۵ھ میں رحلت کی۔

تصانیف: • رسالہ نوروز۔ • بحث طہارت کر۔ • رسالہ در بحث نماز جمعہ۔ • نسب نامۂ سادات جلالی۔ • هفت بند در مدح امیر المومنینؑ۔ (بے بہا ۳۴۷)

مکرم حسین: میرے ہم درس سلطان المدارس بھی جلالی کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۷۰ء میں رحلت کی۔

منصب علی، غازی پوری :

۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء

مولانا سید منصب علی بن سید غلام علی صاحبان اعلی اللہ مقامہم غازی پوری جناب مولانا سید محمد صاحب دیوکھٹوی کے شاگرد، اور جناب علیین مکاں کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ جناب سلطان عادل امجد علی شاہ مرحوم و مغفور کے دربار میں استخارہ پر مامور تھے۔ ایک سو پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ تھا۔ بڑے مقدس متشرع تھے۔ ایک دن لکھنؤ کے حمام میں نہانے تشریف لے گئے اور وہیں رحلت فرمائی۔
امام باڑہ غفرآن مآب میں دفن ہوئے، جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ نے تاریخ فرمائی۔

- بغوطہ مرد : ۱۲۶۶ھ (بے بہا، ۳۳۴)

منوّر علی :

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

فاضل و مقدس جناب علیین مکاں سید العلما سید حسین صاحب کے شاگرد تھے۔ آپ کا وطن رسول پور سونی ضلع الہ آباد تھا۔ مولانا امجد حسین صاحب مجتہد آپ کے فرزند تھے۔ (بے بہا و احوال امجد حسین)

منوّر علی، ممتاز الافاضل :

حدود ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا منور علی صاحب ممتاز الافاضل جناب کفایت حسین صاحب کے خویش تھے۔ کراچی میں رہتے تھے۔ ۱۹۶۵ء کے حدود میں رحلت کی۔ موصوف کسی کالج میں عربی و دینیات کے پروفیسر تھے

میر مومن ادائی، یزدی :

۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۰ء

یزد کے سادات سے تھے۔ فلسفہ و معقولات میں شہرت تھی۔ وطن میں مخالفت ہوئی تو سفرِ ہند کیا۔ کچھ دن سورت میں رہے وہاں سے حیدرآباد پہنچے یہاں سلطان محمد قلی نے قدردانی کی اور ۱۰۳۰ھ میں، وفات پائی۔ (میر محمد مومن۔ ص ۲۹۷، محبوب الزمن ص ۲۷۶)

مہدی شوستری :

۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۱ء

مولانا سید مہدی بن عبد اللہ بن نور الدین بن نعمت اللہ جزائری شوستری۔ خانوادہ علم و عمل میں مشہور تھے آپ کے والد سید عبد اللہ مجتہد آپ کے بھائی ابوالحسن طبیب و حکیم، ہندسہ و ریاضی و فقہ میں فاضل و مجتہد

تھے۔ کچھ دن حیدرآباد دکن میں بھی مقیم رہے تھے۔

مولانا مہدی اپنے بھائیوں سے عمر میں چھوٹے مگر علم و فضل و تقدس میں بڑے تھے۔ زاہد و تارک لدنیا رہے۔ مرشدآباد اور بنگالہ میں قیام کیا۔ وہیں بیس سال سے زیادہ رہنے کے بعد ۱۲۰۶ھ میں رحلت کی اور قریب ہی ایک باغ میں دفن ہوئے۔ مالک باغ نے مقبرہ امام باڑہ اور مسجد تعمیر کرواکے کچھ جائداد وقف کر دی۔ اہل شہر مزار کی زیارت کرتے تھے۔

مرزا محمد رضا عیشی اصفہانی نے تاریخ لکھی:

رکن ایماں سید مہدی دریغ	زیں جہان فانی مغرور شد
زیں مصیبت برہمہ اہل جہاں	روز روشن چوں شب دیجور شد
زیں خراب آباد پر اندوہ و رنج	بر تماشائے جہاں مامور شد
جبرئیل از بہر دفنش در بہشت	از پئے استبرق و کافور شد
از فروغ روح آں عالی جناب	جنت الماویٰ سراسر نور شد
گفت تاریخ وفاتش پیر عقل	باعلیؑ و مصطفےٰؐ محشور شد

اولاد: ٭ سید فرج اللہ شوستر میں رہے۔ ٭ سید حسین اور سید محسن بنگالہ میں

(نجوم السماء ٭ نزہتہ ج ۷ ٭ بے بہا ۳۲۵)

مہدی بن غفران مآب:

۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۲ء

۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۶ء

مولانا سید مہدی بن غفران مآب دلدار علی لکھنوی کے فرزند جن کی ولادت ۱۲۰۸ھ لکھنو میں ہوئی۔ اپنے والد اور معاصر اساتذہ سے تعلیم پائی۔ کم سنی کے باوجود بڑے ذہین ذکی متقی تھے۔ جناب غفران مآب اثنائے درس میں عموماً آپ ہی کو مخاطب کرتے تھے۔ جناب سید العلما سے پڑھا بھی تھا اور اجازہ بھی لیا تھا۔
(دیکھیے ورثۃ الانبیا ص ۵۵)۔

مولانا مہدی صاحب تنہائی پسند، زاہد، تارک الدنیا اور موت کو ہر وقت یاد کرنے والے تھے تقریباً ۲۳ سال کی عمر عنفوان شباب میں آخر ماہ ذی الحجہ ۱۲۳۱ھ کو رحلت کی اور اپنے والد کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

جناب غفران مآب نے جوان بیٹے کے غم میں "مسکن القلوب" نامی کتاب قلم بند کی تھی۔

اولاد: ٭ عمدۃ العلما سید ہادی صاحب۔

"البنات: ۔ کتب درسیہ پر تعلیقات و حواشی۔

(نجوم السما ۶۰۶، ورثۃ الانبیا ۵۴، بے بہا ۲۲۵، اعیان الشیعہ ج ۴۸۔ ص ۱۴۶)

مہدی شاہ، حاجی: ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء — ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء

حاج مولانا سید مہدی شاہ صاحب رضوی، قمی و کشمیری و لکھنوی ۱۴ رجب ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے آپ عالم جلیل ماہر فنون، فقہ و اصول، حدیث و تفسیر، تجوید و ادب و ریاضی، ہیئت و اقلیدس کلام و منطق وغیرہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ نواب سعادت علی خاں اعلی اللہ مقامہ کے عہد حکومت میں کشمیر سے لکھنؤ آئے۔ علیین مکاں، سید علی شاہ، جناب مفتی صاحب طاب ثراہم سے فیض پایا۔
متعدد مرتبہ زیارت سے مشرف ہوئے اور حج بھی کیا۔ علماء عراق میں حاج سید اسماعیل طباطبائی اصفہانی شیخ محمد تقی، نیز صاحب جواہر الکلام سے فقہ و اصول کی تکمیل کی۔ آخر عمر میں پٹنے چلے گئے تھے۔ جہاں ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ کو رحلت کی۔

اولاد: ۔ سید علامہ مرتضیٰ شاہ صاحب طاب ثراہ۔ ۔ سید رضی شاہ صاحب طاب ثراہ، جو نوجوانی میں فارغ التحصیل ہو کر نجف گئے اور وہیں ۱۳۱۲ھ میں رحلت کی۔

تالیفات: ۔ تعلیقات قوانین۔ ۔ تعلیقات شرح لمعہ۔ ۔ تعلیقات شرائع الاسلام۔ ۔ حواشی ارشاد علامہ اور متعدد حاشیے۔

شاگرد: ۔ علی محمد شاد، عظیم آبادی وغیرہ وغیرہ (بے بہا ص ۲۵۵۔ ۔ نزہۃ ۸ ص ۵۰۷)

ملا مہدی، استر آبادی، مازندرانی: ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء

جناب ملا مہدی بن محمد شفیع استر آبادی مازندران میں پیدا ہوئے۔ مدت تک کرمان شاہان میں رہے۔
نجف میں آیۃ اللہ جناب سید علی طباطبائی وغیرہ سے تلمذ حاصل کر کے درجۂ اجتہاد حاصل فرمایا۔
۱۲۴۰ھ کو لکھنؤ آئے۔ درس و تدریس کا شوق تھا۔ گوشہ نشین و قانع، اخلاق کریمانہ کے مالک تھے۔
متعدد مکمل و نامکمل تالیفات و حواشی سے وسعت علم کا اندازہ ہوتا ہے۔
جناب مفتی صاحب قبلہ سے مراسلت تھی۔
کہتے ہیں کہ اس پائے کا عالم عراق و ایران سے کوئی نہیں آیا۔ ملا مہدی صاحب نے ذی قعدہ ۱۲۵۹ھ میں رحلت کی اور غفران مآب کے پہلو میں دفن ہوئے (تاریخ لکھنؤ ص ۱۵۵)

تالیفات: قالمیس ۔ العقول بیان قواعد الاصول ۔ الفرعیات فی نوامیس الشرعیات ۔ (فقہ۔ ناتمام) ۔ شرح مطول، بنام مکمل ۔ رسالہ اصول دین (فارسی ۔ ناتمام) ۔ ثمرۃ الفواد در مسئلہ ترجیح اجماع منقول، ۱۲۳۵ھ کرمان میں تالیف کیا ۔ مصداق الاجتہاد لاختیار جودۃ ما جمعتہ فی الصدور والفواد ۔ (مسائل اصول فقہ و حدیث و تفسیر و کلام، تالیف ۱۲۲۵ھ) ۔ فصل الخطاب فی حجیۃ ظواھر الکتاب (سنہ مذکور) ۔ رسالہ احسن الاقوال فی تحقیق ما ھو الراجح بالالفاظ عند تعارض الاحوال (تالیف ۱۲۲۸ھ) ۔ رسالہ طہارت در احکام طہارت ۔ فارسی ۔ رسالہ ممتاز در احکام نماز (فارسی ۱۲۲۷ھ) ۔ استحکام در احکام صیام ۔ رسالہ کنوز در بیان احکام نماز ہائے نوافل یومیہ ۔ ۔ رسالہ ہدیۃ السلطان در بیان اصول ایمان ۔ نذر نصیر الدین حیدر مرحوم سلطان اودھ ۔ تالیف شعبان ۱۲۴۴ھ ۔ غرۃ الجبین، نماز پنجگانہ کے احکام ومنتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان کے لیے لکھا ۔ مجاری الانہار ترجمہ جلد ہشتم بحار الانوار، بادشاہ بیگم صاحبہ والدہ نصیر الدین حیدر مرحوم شاہ اودھ کی فرمائش سے صرف باب اول وثانی لکھ سکے تھے ۔ طبع شد ۔ عنایۃ الباری در تردید شبہات اخباری ۔ ۔ رسالہ پنج حدیث در مناقب جناب امیر علیہ السلام ۔ نجوم المومن ۔ جواب سوالات بفرمائش ممتاز الملک مومن علی خان صاحب مرحوم ۔ رسالہ نکاح ۔ رسالہ فوائد ہندیہ ۔ کشکول (تالیف ۱۲۵۷ھ) وغیرہ، شرح معالم الاصول، علم کلام وغیرہ میں کچھ نامکمل تالیفات ۔

(نجوم السماء ۳۹۵، بے بہا ص ۳۲۷، نزہتہ ج ۷، ص ۴۹۰)

مہدی، موسوی، کشمیری

۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء

مولانا سید مہدی بن حیدر موسوی صفوی کشمیری شمس الدین دانیال مُہبدکی اولاد سے تھے ۔ کشمیر میں آپ عالم دین اور رئیس بزرگ تھے ۔ ۱۳۱۰ھ قریہ بڈگام میں آپ نے سفر آخرت کیا ۔ اس وقت سے اب تک لوگ مزار کی زیارت کو جاتے ہیں ۔

دوبارہ
تکمار

تصانیف : ۔ التمرینات الغریبۃ فی تنقیح غوامض المسائل الاصولیۃ والفقہیۃ ۔ مطفئۃ الحرور ۔ منقذۃ الغرقی ۔ (اعیان الشیعہ ج ۴۸ ۔ ص ۱۳۴)

مہدی بن محمد، کشمیری، لکھنوی:

۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

مولانا حکیم مہدی بن محمد کشمیری لکھنو میں پیدا ہوئے ۔ علماء وقت سے تکمیل علوم کی ۔ جناب مفتی صاحب کے

شاگرد تھے۔ حکیم مظفر حسین سے طب حاصل کی اور درس طب مشغلہ رہا۔
۲۲ رمضان ۱۳۳۰ھ میں رحلت کی اور لکھنؤ میں سپردِ خاک ہوئے۔ (نزہۃ ج ۸ ص ۴۸۳)

مہدی بن باقر، نصیر آبادی :

۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء
۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

مولانا سید مہدی بن سید باقر بن سید حسین نقوی نصیر آباد جائس میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت ۵ محرم ۱۲۸۷ھ ہے۔

فاضل متقن، علوم عقلیہ و نقلیہ میں صاحب کمال، فقہ و اصول میں مشہور، والد کے ساتھ طلب علم کے لیے عراق پہنچے اور کربلا میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں ۲ رجب ۱۳۴۹ھ کو رحلت کی۔
آپ صاحب دیوان تھے۔ اس عربی دیوان کا نام ہے: "المختار فی مدیح النبی المختار"۔
(اعیان الشیعہ ج ۴۸ ص ۱۲۵)

مہدی خطائی، لاہوری :

حدود ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء

ملا مہدی خطائی شاگرد ملا محمد مقیم صاحب شاگرد علامہ حر عاملی رحمۃ اللہ علیہ لاہور کے علما میں تھے
تحقیقاتِ چشتیہ میں رجب علی شاہ ارسطو جاہ (م ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء) نے خود نوشت حالات میں لکھا ہے کہ وہ بارہ سال کی عمر میں لاہور آئے اور یہاں علوم طبیہ حکیم سید خیرات سے حاصل کیے اور کتب امامیہ ملا مہدی سے پڑھیں۔

چونکہ رجب علی شاہ ۱۸۰۶ء میں پیدا ہوئے تھے اور بارہ سال کی عمر میں لاہور آئے (گویا ۱۸۱۸ء میں) اس لیے ملا مہدی صاحب لاہور میں ۱۸۵۰ء کے حدود میں زندہ ہوں گے اور یہاں دینی تعلیم و تدریس کے لیے لوگ ان سے رجوع کرتے تھے۔

جناب حر عاملی، ابوجعفر محمد بن حسن بن علی مشغری عاملی متوفی ۱۱۰۶ھ علم حدیث کے عظیم المرتبت عالم تھے اور وسائل الشیعہ (حدیث) کے جامع و مؤلف، ان کے شاگرد ملا محمد مقیم شاید علماء کشمیر میں ہوں اور ملا مہدی اگر ان کے براہ راست شاگرد تھے تو لاہور میں حدیث کا اہم روایتی سلسلہ کا سراغ ملتا ہے۔ اور ۱۲۶۶ھ کے حدود میں یہاں فقہ و حدیث کے بڑے عالم موجود تھے۔ لاہور کے شیعہ فقہاء و محدثین کے بارے میں تفصیلات تحقیق طلب ہیں میں نے من لایحضرہ الفقیہ کا مخطوطہ دیکھا ہے۔ جو بعہد شاہجہان، لاہور میں لکھا پڑھا گیا تھا۔

محمّد حیدر :

حدود ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

مولانا شیخ محمد حیدر صاحب ابن شیخ محمد عاقل صاحب متولی مدرسۂ ایمانیہ بنارس، محلہ مقیم گنج بنارس میں رہتے تھے۔ محمد حیدر صاحب نے صدرالافاضل کے بعد مدرسۂ ایمانیہ میں درس دیا اور صدر مدرس بھی رہے۔ عالم و عابد بزرگ تھے۔ اہلِ شہر، ہندو مسلمان سب ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔

حدود ۱۹۶۴ء میں وفات پائی۔

محمّد مہدی حسن :

حدود ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء
۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء

میر حامد علی مختار کے فرزند نواب مہدی حسن خاں بہادر جناب فردوس مآب کے شاگرد، عربی و فارسی کے ماہر تھے، بلا کے ذہین غضب کے صاحب الرائے تھے، علمائے لکھنؤ کے ترجمان اور حکومت کے معتمد تھے۔ حکومت کی طرف سے خان بہادر خطاب تھا۔ شیعہ کالج اور سلطان المدارس کے معاملات کے سیکرٹری رہے۔ مولانا ناصر حسین صاحب اور مولانا سید محمد باقر صاحب کو ان کی بہنیں منسوب تھیں۔ اس لیے احترام و عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، میں نے انھیں کم آمیز، خاموش، کم سخن، بُردبار، آداب و لباس و دستور علما کا پابند و متشرع پایا۔

۴، ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ کو اُسّی برس سے زیادہ عمر میں وفات ہوئی اور غفران مآب کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔ دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک محمد رفیع صاحب وکیل اور ایک مولانا سید احمد صاحب قبلہ کو منسوب تھیں۔

محمّد یوسف جعفری :

حدود ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء

فاضل اجل، شمس العلما، خان بہادر مولانا محمد یوسف صاحب جعفری، علمائے بنگال میں سے تھے۔ البرہان لودھیانہ، فروری ۱۹۱۲ء میں انھیں بورڈ آف اکزمینرس کلکتہ اور چیف مولوی لکھا ... اور ان کی سو اُردو رباعیوں کے مجموعے "گل صد برگ" پر ریویو کیا ہے۔

مظفر حسن بنارسی ؛ متوفی حدود ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء مولانا قاضی مظفر حسن بنارس میں رہتے تھے۔ افاضل و علماو مدرسین میں شمار تھا۔ (سعادت حسین)

مہدی حسن بن مولوی بنیاد علی:

۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء
۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء

مولانا مہدی حسن مولانا بنیاد علی متوفی ۱۲۸۷ھ کے فرزند تھے۔ بہیڑہ ضلع فتح پور ہنسوہ وطن تھا۔ اپنے والد کے علاوہ جناب بحر العلوم علن صاحب سے خاص تلمذ تھا۔ نوجوانی میں تقدس و صلاح سے آراستہ تھے۔ جلالی ضلع علیگڑھ میں پیش نماز تھے۔ آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول ۱۲۷۴ھ اور وفات صفر ۱۳۱۳ھ میں ہوئی۔ انتالیس برس کی عمر میں پائی۔ مصرع تاریخ وفات ہے۔

مولوی مہدی حسن صاحب شدہ جنت مقام۔ (۱۳۱۳ھ) (بے بہا بذیل بنیاد علی)

. . . .

مہدی حسین، حیدرآبادی:

حدود ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

مولانا مہدی حسین صاحب حیدرآباد وطن تھا اور اسی شہر میں معقولات و منقولات میں مولانا وحید الزماں لکھنوی مولانا سید نیاز حسین صاحب برستی مولانا شیخ محمد علی خراسانی مقیم حیدرآباد سے درس لیا۔ تدریس اور پڑھانے سے دل چسپی تھی۔ مدتوں درس دیا اور متعدد اکابر آپ کے شاگرد ہوئے۔ مثلاً مولانا فیض حسن صاحب مترجم تبصرۂ علامہ، میر اکابر حسین زیدپوری۔ مولانا بندہ حسین صاحب،

مولانا مہدی حسن صاحب، بڑے متقی، گوشہ نشین عبادت گزار بزرگ تھے۔ آخر میں بصارت نے ساتھ چھوڑ دیا تھا

حیدرآباد دکن میں ۱۳۴۰ھ کے لگ بھگ رحلت کی۔ (بے بہا ۳۹۹)

. . . .

مہدی علی ابن نجف علی رضوی:

حدود ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء

مولانا مہدی علی بن نجف علی رضوی مقدس و متقی عالم و مدرس بزرگ تھے موصوف نے ابتدا میں عمدۃ العلما مولانا سید ہادی سے لکھنو میں درس لیا اور علم و فضل میں کمال کو پہنچے۔ آپ کا آبائی وطن عظیم آباد تھا مگر خود اٹاوہ کے شہر جعفر نگر محلہ رسول پورہ میں رہے اور وہیں رحلت کی۔

تصانیف: تذکرۃ العلما۔ حصہ اول فی الرواۃ حصہ دوم فی العلماء، فارسی (تالیف ۱۲۶۳ھ) صاحب تکملہ نجوم السماء میں اس کتاب کا نام تذکرۃ الاولیا اور آگے چل کر تذکرۃ العلما لکھا ہے۔ اور مصنف کا ترجمہ نیز مقدمہ و مباحث کا خلاصہ تحریر کیا ہے (تکملہ ۲/۶۶ مصفی علم الرجال ۲/۴، نزہتہ ج ۷ ص ۴۹۱)

مُنوّر حسین :

حدود ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء
۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

مولانا حکیم سید منور حسین صاحب ساکن ڈیرہ میر میراں ریاست پٹیالہ، عربی میں فاضل اور معقولات کے ماہر تھے۔ اُن کی خبر وفات کے ساتھ جو فقرے لکھے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ منور حسین صاحب فقہ و عقائد کے عالم اور طب میں ید طُولیٰ رکھتے تھے۔ انھوں نے ملک کے مختلف حصوں میں خدمتِ خلق و خدمتِ دین کی۔ آخر میں پٹیالہ آگئے اور وہیں ساٹھ برس عمر پاکر ۲۵ جون ۱۹۴۱ء کو راہی جنت ہوئے۔ (البرھان رجب ۶۱ھ)

مہربان علی، سیناپوری :

۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء
۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

مولانا سید مہربان علی بن سید محمد حسن۔ نہایت ذی استعداد عبادت گذار بزرگ تھے۔ جناب راجہ امیر حسن خاں آف محمود آباد کے (۱۸۵۹ء) آتالیق رہے۔ جب کورٹ آف وارڈ نے راجہ صاحب کو لکھنو اور بنارس بھیجنے کا فیصلہ کیا تو آپ نے ضعیفی کا عذر کرکے اپنے چھوٹے بھائی مولانا امتیاز علی صاحب کو ہمراہ کیا اور خود خانہ نشین ہوگئے۔

مولانا مہربان علی صاحب نے ۱۲۹۵ھ میں وفات پائی۔ (پیام اسلام۔ جون ۱۹۵۷ء)

میرزا جان، عظیم آبادی :

حدود ۱۲۴۰ھ / ۱۹۰۲ء

مولوی سید آغا محمد صاحب عظیم آبادی کے شاگرد تھے۔ قطبی، میبذی، ملا جلال، شرائع الاسلام، مختصر النافع شرح باب حادی عشر، معالم الاصول پڑھانے میں مہارت رکھتے تھے۔

مرشد آباد میں بصیغۂ ذاکری تھے۔ چھ سو روپے سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ بارُعب، خوبصورت، خوش آواز، قانع، پرہیزگار، پابند صوم و صلوٰۃ دوسروں کی قضا نمازیں تبرعاً پڑھا کرتے تھے۔ وظائف کے پابند تھے۔ تارک الصلوٰۃ سے نفرت تھی۔ ماہِ رمضان میں جب قرأۃ اور تجوید کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے تو سنی بھی شریکِ سماعت ہوتے تھے۔ آواز میں اتنی کشش اور تجوید میں اتنی مہارت تھی۔

جناب علیین مکان سید حسین صاحب قبلہ کے مقلد تھے۔ تقریباً ستر سال کی عمر میں بمقام عظیم آباد رحلت کی (بے بہا: ۲۴۵)

میر عالم، دیکھیے، ابوالقاسم تستری

منصب علی : حدود ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

مولانا منصب علی صاحب جون پوری، درس نظامی کے فاضل اور علم نحو کے ماہر تھے۔
جون پور وطن تھا، پھر عرصے تک لکھنؤ میں رہے اور بہت سے اکابر کے شاگرد ہوئے۔
(مولانا سعادت حسین خان صاحب)

میر نواب : ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء — ۱۳۱۷ھ / ۱۹۰۰ء

مولوی حکیم میر نواب بن حکم علی جان تاریخی نام امیر رضا عرف میر نواب صاحب تھا۔ آپ کے دادا شاہ اودھ کی سرکار میں بزمرۂ اطباء ملازم تھے۔ نو سو روپے ماہوار وظیفہ تھا۔ واجد علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی والدۂ ماجدہ کا علاج آپ ہی سے متعلق تھا۔ مولانا میر نواب ۱۲۵۲ھ کو نگینے میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ میں پرورش و تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ عالم باعمل عابد و زاہد، متبحر و محتاط تھے۔ علم و فضل، زہد و سخاوت تقویٰ اور پرہیزگاری کا نمونہ تھے۔ ۱۸۵۷ء میں وطن چلے گئے۔

نگینہ میں جمعہ و جماعت، خدمت مرضا کا فیض جاری تھا۔ فیس نہ لیتے تھے۔ مریضوں کے لیے پیدل گھروں پر جاتے تھے اور لوگ شفا پاتے تھے۔ مساکین کی خبر گیری و امداد فرماتے تھے اور عذر غربت فرماتے تھے۔ ریتام و بیوگان کی اعانت اس طرح سے خبر گیری کرتے تھے کہ گھر والوں کو بھی خبر نہ ہوتی تھی۔

ایک دفعہ مع اہل و عیال حج فرمایا اور دو مرتبہ زیارات عتبات عالیات سے مشرف ہوئے۔ دوسرے سفر زیارت کے لیے جب تیار ہوئے تو اٹھارہ برس وجع مفاصل میں مبتلا تھے۔ اٹھنے بیٹھنے سے معذور تھے، عزیزوں نے بدقت ریل میں بٹھایا۔ مگر مولا کا معجزہ کہ بمبئی پہنچتے پہنچتے پاؤں کھل گئے۔ یہاں تک کہ بمبئی پہنچے تو بے تکلف پیدل چلنے اور اپنی قیام گاہ کا زینہ پچیس تیس سیڑھیوں کا طے کرتے تھے۔

کربلا پہنچے تو مجاورت کا ارادہ فرمایا، لیکن گھر والوں نے وطن جانے پر اصرار کیا ... نے جناب شیخ زین العابدین مازندرانی اور سرکار میرزا شیرازی سے ملاقات کی۔ دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ آپ کے اہل وطن کو آپ سے انواع و اقسام کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس لیے واپس جانا مناسب ہے۔

وطن میں اپنے اور بیگانے تمام معاملات آپ کے ذریعے طے کراتے تھے۔ آپ نے اپنے وطن میں ۱۳۱۷ھ میں انتقال کیا۔

فرزند: میر سجاد حسین صاحب، مقدس و پرہیزگار بزرگ۔ (بے بہا: ۴۲۷)

(ن) ناصر ابن حسین نجفی: حدود ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء

العالم الحافظ، السید ناصر بن حسین حسینی نجفی اورنگ زیب عالم گیر (متوفی ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) کے عہد میں تھے۔ یہ تفصیل معلوم نہیں کہ ان کا تعلق دربار سے تھا یا نہیں؛ وہ نجف سے کب آئے؛ دکن، دہلی اور لاہور میں رہے یا آگرہ و الہ آباد یا ملتان اور ٹھٹھہ میں قاضی عبدالنبی گوہر نے ان کی تاریخ وفات ۱۱۱۸ھ لکھی ہے۔

علامہ السید ناصر کا قرآن مجید سے عشق اور آیات کلام اللہ کا حفظ ان کی اس اہم کتاب سے معلوم ہے جسے دُنیا کی قدیم مفصّل فہرست قرآن مجید یا انڈکس اور اشاریہ ومعجم کہنا چاہیئے۔ موصوف نے یہ کتاب عالم گیر کے نام معنون کی تھی اور نام رکھا تھا "الجداول النورانیہ"
اِس کے متعدد قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، پنجاب یونیورسٹی لاہور کا مخطوطہ لعل محمد الہ آبادی کے قلم سے ۱۱۲۱ھ میں تیار ہوا۔ ترتیب یہ ہے مثلاً

کان الناس اُمة واحدة	السورة	الرکوع	الجزء	ربع الجزء
	البقرة	العاشر	الثانی	اوائل الثالث

قرآن مجید کی آیات کے لیے چار انڈکس بترتیب ہیں:

(۱) **کشف الآیات**: تالیف محمد رضا ابن عبدالحسین النصیری الطوسی گیارہویں صدی در سنہ ۱۰۶۷ھ
(۲) تھدیۂ قطب شاہی در استخراج آیات کلام الٰہی قبل از ۱۰۸۳ھ (دکن، ھند)
(۳) **الجداول النورانیہ**: یہ تینوں انڈکس مشہور مستشرق فلوگل (۱۲۱۷ھ - ۱۲۸۷ء) سے پہلے شیعہ علما نے لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور انڈکس میرے کتب خانے میں ہے۔
(۴) نجوم الفرقان لتخریج آیات القرآن، مصطفیٰ بن محمد سعید افغانی دالبنتہ دربار شہزادہ محمد اعظم شاہ نے ۱۱۰۳ھ میں مرتب کی اور سلطان العلمائے ۱۲۶۲ھ میں لکھنو سے چھپوائی۔ اسی سلسلے کی ایک اور کتاب ہے:

معدن الانوار و مشکوٰة الاسرار: تالیف محمد بن صالح الملقب بکاشف الاسرار القزوینی، ماہ ربیع الاوّل ۱۲۷۱ھ، بخط مصنف، تمام تالیف در محرم ۱۲۷۰ھ کربلا معلیٰ بہت نفیس تالیف، کلمات کا اشاریہ اور لغت جو میرے کتب خانے کے نوادر کتب میں ہے۔

ناصر حسین جونپوری :
۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء
۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء

مولانا الحاج سید ناصر حسین بن مولانا سید مظفر حسین صاحب ملا محمد حفیظ (م ۱۱۲۸ھ) مفتی جونپور کی ساتویں پُشت سے تھے۔ ترویج دین، اعانت مساکین، ہدایت اخلاق، تعلیم و تدریس میں بے مثال تھے۔ آپ کے درس میں بکثرت طلاب آتے اور عموماً بہت جلد با استعداد ہو جاتے تھے۔ ابتدا میں معقولات کا درس دیا کرتے تھے لیکن آخر میں نحو و ادب و فقہ پڑھانے لگے تھے۔ مدرسہ ایمانیہ جونپور آپ کے طفیل عروج پر تھا۔ طلباء کو اولاد جانتے تھے۔ ان کی مکمل کفالت فرماتے تھے۔ جھوٹ سے نفرت تھی جو طالب علم ایک مرتبہ جھوٹ بولتا تھا اسے تین دن تک نہ پڑھاتے تھے لیکن اگر کوئی قصور وار اقرار جرم کر لیتا تو اُسے معاف کر دیتے تھے۔ حج و زیارات سے مشرف ہو چکے تھے۔

سادہ لباس پہنتے تھے۔ صرف منبر پر جاتے تو عبا پہن لیتے تھے۔ تکلف و تصنع سے نفرت تھی۔

لکھنؤ میں معقولات عبد الحلیم صاحب فرنگی محلی (م ۱۲۹۱ھ) سے پڑھی اور اکثر کتب معقولات پر حاشیے لکھے فقہ وغیرہ مولوی گلشن علی کجگانوی سے اور جناب تاج العلما کو خصوصیت خاصہ تھی۔ تجلیات میں جناب مفتی صاحب کا شاگرد لکھا ہے۔ شعر و ادب کا ملکہ تھا۔ نظم پر قدرت تھی۔

۱۴ رجب ۱۳۱۳ھ کو رحلت کی اور اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ جناب علامہ سید محمد مہدی صاحب ادیب نے فرمایا:

توفی من کان الحتوف بکینہ	وقد فرعت سنا کمن کان نادما
وناطت بہ ارباب فخر سودد	عمائم مجد اذا ماطلوا التمائما
ففی عامہ قد قال بعض احبتی	لہ الروح والریحان والخلد دائما (۱۳۱۳ھ)

شاگرد: • جناب مولانا محمد رضا صاحب واعظ و خطیب۔ • مولوی عنایت حسین خان صاحب۔

تالیفات: • رونق الصلوٰۃ۔ • رشق النبال اردو مناظرہ۔ • رسالہ اکبر بادیہ، فارسی در اثبات نجاست کفار مطبوعہ۔ • عبرات العیون۔ مقتل مطبوعہ۔ • نظر النذور۔ اردو۔ مطبوعہ۔
• ایجاز التحریر در آیۂ تطہیر۔ مطبوعہ۔ • حل الضابط۔ مطبوعہ (تہذیب المنطق کی شرح اردو)
• شرح زبدۃ الاصول۔ اردو۔ • ناصر الادب۔ عربی۔ مناظرہ فقہ و غنا۔ • علم الادب فی محاورات العرب عربی۔ • کتاب مبسوط در فضائل و مصائب۔ • رسالہ در رد اخباریین۔ • رسالہ میلاد شریف

لہ الکواکب الدرّیۃ: مجموعہ رسائل و اشعار عربیہ از محمد مہدی ادیب طبع لکھنؤ بعد ۱۳۱۷ھ

• رسالہ در بیان نجاست مشرکین۔

آپ کے چند عربی شعر یہ ہیں :

ایا غافلا عن حدیث النشور	تذکر حکایات اھل القبور
الی ابن اھل الوفا والتقی	الی ابن سکان دار الغرور
الا حول بیت الھوی لا تطف	وسلم الی اللہ کل الامور

○ ○ ○

این اولوا لفضل واحبابنا	این مضوا وارتحلوا من ھنا
این ملوک وعمارا تھم	این اجلاء واھل الغنی
این سلاطین وارکانھم	این مضی این مضی من فنی
کم لبثوا قلقہ لیلہ	رب فتی اصبح لا آمنا
کیف لنا العلم بمثواھم	قد ترکوا الیوم دیار العنا

(بے بہا : ۴۲۵، اعیان الشیعہ ج ۴۹، ص ۱۰۸) (شیراز ہند تاریخ جون پور ص ۳۷)

(تکملہ نجوم السماء ج۲ ص ۴۷، نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۴۹۳)

ناصر حسین، ناصر الملت:

۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء
۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء

لکھنو کی جس علمی روایت کا سنگِ بنیاد جناب غفران مآب نے رکھا تھا، سرکار شمس العلماء بدالمحققین آیۃ اللہ مولانا ناصر حسین اس کے آخری معمار تھے۔ آپ زعامتِ دین، فضیلتِ علما، ہیبتِ علم کا آخری ستون تھے۔ آپ کے بعد بھی مراجع آئے مگر وہ ہمہ گیری کوئی نہ پا سکا۔ جناب ناصر الملت ۱۹ رجادی الثانیہ ۱۲۸۴ھ / اکتوبر ۱۸۶۷ء پنجشنبہ اول وقت نماز صبح لکھنو میں پیدا ہوئے۔

ناصر الملت کے والد، فردوس مآب مولانا حامد حسین موسوی صاحب نے ابو الفضل کنیت ناصر حسین نام اور نجم الدین لقب رکھا اور آپ کے عم محترم مولانا سراج حسین صاحب نے "اسحاق" نام تجویز کیا۔

مولانا ناصر حسین نے ہوش سنبھالا اور گھر پر مکتب کھل گیا۔ قرآن مجید اور ابتدائی کتابوں کے بعد مولانا لطف حسین صاحب پڑھانے آنے لگے۔ ثانوی تعلیم خود جناب فردوس مآب نے مکمل کرائی۔ اس کے بعد جناب مفتی محمد عباس صاحب قبلہ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ جناب مولانا حامد حسین صاحب نے اپنے فرزند کے لیے وقت نکالا۔ اب روزانہ ناصر حسین صاحب والد کے حضور میں کتب اعلیٰ کی عبارت

پڑھتے مطلب سمجھاتے اور جناب اس پر بحث کرتے۔ اس طرح قوت استنباط ابھری اور سولہ برس کی عمر میں اجازہ حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہو گئی۔ ۱۴۰۰ھ میں نماز کی پہلی دو رکعتوں سورۂ الحمد کے بعد دوسرا سورہ واجب ہے؟ اس مسئلے پر ایک رسالہ امفرد لکھا۔ جناب مفتی صاحب اور مولانا حامد حسین نے اسی رسالہ پر رسالۂ اجتہاد عطا کیا۔

پندرہ سولہ سال کی عمر سے درس دینے لگے تھے پندرہ تک پہنچ گئے تھے۔ جوں جوں قوت کم ہوتی گئی سبق بھی کم ہوتے گئے۔ آپ کے حلقۂ درس میں سنی شیعہ دونوں طلبا حاضر ہوتے تھے۔ آپ فقہ و حدیث، دعقائد و ادب سب کچھ پڑھاتے تھے۔ اسی طرح مطالعہ بھی جاری رہا۔ عربی ادب و انشا کی مشق و مقابلے بھی رہے جناب، فردوس مآب نے آہستہ آہستہ اپنے مسائل و معاملات میں شریک کر لیا۔ مسائل و خطوط کے جواب لکھوائے، عبقات الانوار کا کام سپرد کیا۔ مولانا ناصر حسین صاحب نے ذہانت، حافظہ، استعداد، قابلیت کا ثبوت دیا۔ عبقات الانوار کے دو سو صفحے اور "سبائک الذهبان" کی اٹھان دیکھ کر علامہ حامد حسین صاحب نے "عمدۃ المحققین" کا خطاب دیا۔

۱۳۰۲ھ سے آپ نے مسجد کوفہ، محلہ کاظمین لکھنؤ میں ہر جمعہ کو بعد نماز وعظ کا آغاز فرمایا۔ وعظ کا طویل خطبہ ایسا عالمانہ و ادبی ہوتا تھا کہ علما و ادبا اسے سننے آیا کرتے تھے۔ ادبی خطبے کے بعد "ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون" عالمانہ موعظہ ارشاد فرماتے یہ خطبے اور وعظ ماہ مبارک رمضان میں روزانہ ہوا کرتے تھے اور تمام عمر یہی آیت موضوع کلام رہی۔ میں نے رمضان میں یہ موعظے سننے کا شرف حاصل کیا ہے ان تقریروں میں امر بالمعروف اور اخلاق، عبادت اس کے ثواب ترک اعمال و فرائض پر تحذیر کا عنصر غالب رہتا تھا۔ فضائل کے دنوں میں فضائل اور غم کے مواقع پر مصائب بیان فرماتے تھے۔

۱۳۰۶ھ میں مولانا حامد حسین فردوس مآب[1] ہو گئے اور بائیس سال کی عمر میں ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ نوجوانی کے دن تھے ممکن نہ تھا کہ یہ بوجھ نہ اٹھا سکتے مگر غیر معمولی محنت پابندی وقت، نظامِ زندگی کی باقاعدگی اور خوش اخلاقی و محبت نے لوگوں کو جناب فردوس مآب کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور تھوڑے دنوں میں آپ کی مرجعیت عام ہو گئی اور برصغیر میں لوگ ان کی تقلید کرنے لگے۔

مرجع وقت کے مشکلات: مرجعیت کا مطلب یہ ہے کہ عوام و خواص، فقہی مسائل، نجی معاملات اور قومی مشکلات میں اس عالم سے رجوع کرتے ہیں۔ ایسے بزرگ کے لیے خطوں کے جواب اور ہر کس و ناکس سے ملاقات، تمام ملکی و قومی مسائل سے مکمل واقفیت اور صورت حال سے نپٹنے، الجھنوں کو حل کرنے اور ماحول کو سمجھ کر رائے یا اقدام میں انتہائی محتاط، باخبر اور فیصلہ کن اور ثابت قدم شخصیت بننا پڑتا ہے۔ عوام

[1] اور والدۂ ماجدہ نے نوے سال کی عمر پائی ۲۵ نومبر ۱۹۱۶ء کو رحلت کی۔

ان فیصلوں کی درستی دیکھ کر جھکتے ہیں۔ عالم چونکہ سیاسی جوڑ توڑ نہیں کرسکتا۔ اسے شرعی ذمہ داری اور دینی اصول کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔ اس بناء پر وہ ذاتی نفع نقصان سے بالاتر ہوتا ہے۔ اسے دربار میں کرسی اور عوام کی لیڈری سے بے نیاز ہونا پڑتا ہے۔ ورنہ عوام فوراً باغی ہو جاتے ہیں اور اسکی دیانت بھی مجروح ہوتی ہے۔

مولانا ناصر حسین اصولی طور پر تصنیف و تالیف کو اولیت دیتے تھے۔ لیکن عام میل جول اور اس سے نفرت بھی نہ تھی؛ دونوں کاموں کے لیے موصوف نے نظام اوقات بنایا وہ عبادت و ریاضت خدمت دیں، فرائض اجتہاد اور خاندان کی خبرگیری، قومی سیاست، نماز صبح باجماعت پڑھاتے اور ایک گھنٹے کے قریب وظائف و تعقیبات پڑھتے اور ایک ملاقات کے لیے بیٹھ جاتے۔ ایک دو گھنٹے تک ملاقات سوالوں کے جواب، ارباب حاجت کی کمک فرماتے اسکے بعد اندر تشریف لے جاتے اور نو دس بجے کتب خانے روانہ ہوتے۔ گھاس سے کتب خانہ میل ڈیڑھ میل تھا آندھی پانی صلح و جنگ گرمی سردی کچھ بھی ہو ہمیشہ فینس میں جاتے اور تین چار بجے تک مطالعہ، تصنیف و تالیف درس و تدریس و نماز میں مصروف رہتے۔ میں نے ان کو کتب خانے میں دیکھا ہے۔ ان کی پابندی اوقات، ہر بات میں ضبط و نظم اور باقاعدگی، وقار اور رعب و داب تھا کسی بات میں کوئی مداخلت نہیں ہوسکتی تھی۔ مغرب کے وقت نماز جماعت اور وظائف کے بعد پھر نشست رہتی تھی۔ معین وقت اندر جانا، پھر کام، اور مختصر استراحت و تہجد محرم و صفر میں مجلسیں اور شرکت مجالس، ماہ رمضان میں متعدد مقامات پر نمازیں پڑھانا۔ اور مسجد کوفہ میں نماز و وعظ۔ ائمہؑ تاریخہائے ولادت میں محفل میلاد، ان محفلوں میں قصیدہ خوانی۔ اور جناب کا رات رات بھر اس میں بیٹھنا روزمرّہ تھا۔

ادبی تربیت گاہ : ناصر الملت کی محفل قصیدہ خوانی ایک تربیت گاہ تھی۔ اس میں شہر و بیرون شہر کے اساتذہ فن داد سخن لینے آتے اور قصائد پڑھتے تھے۔ جناب خود بہت بڑے نقاد تھے۔ اشعار کے عیب و ہنر یہاں کھلتے اور فن کی نوک پلک سنورتی تھی۔ جناب ہمت افزائی فرماتے تھے۔ رجب و شعبان کی محفلیں تین تین چار چار روز رہتی تھیں۔ چھوٹے بڑے شاعر اس کی تیاریاں کرتے تھے۔ اس میں ممتاز شعرا خطابات سے سرفراز ہوتے تھے۔ عزیز و محشر اسی محفل میں لسان الہند اور شاعر اہل بیت ہوئے۔ عربی، فارسی و اردو قصائد کا بہت بڑا دفتر اسی بزم کی بدولت جمع ہوا۔

جناب شب و روز، قول و فعل سے دینی خدمات میں مصروف رہتے تھے۔ اصلاح معاشرہ، اصلاح رسوم باطلہ، ترویج علوم دین، بناء مساجد و مدارس، اقامۂ نماز و مجالس، بیان مسائل و آداب تحریر فتاویٰ کے علاوہ طلبا کی عزت افزائی و خبرگیری، علما کا احترام و محبت، خاندان کے مسائل و معاملات کی بہتری، قوم کی فلاح و بہبود، ہر مشکل میں اصابت رائے، ہر مرحلہ میں رہنمائی اور پیش بندی تھی۔

اموال خمس وزکوٰۃ کا صحیح صرف، مستحقین کی امداد، روزانہ تقسیم، ماہانہ وظائف، سالانہ ہزاروں روپے کی آمد و خرچ اس کے لیے انتظامات مستقل کام تھا۔ رنگا رنگ، پیچیدہ سوالات کے جواب الگ کام تھا۔ قومی تنظیم اور اس کے دشوار مسائل پر فکر و عمل الگ فرصت طلب تھا۔ احباب، مومنین، غربا اور طلباء و علماء کے شہروں اور دیہاتوں میں باصرار داعی جانا۔ علما کی آمد ان حضرات کے لیے سلاطین کی آمد سے زیادہ قابلِ اہتمام و مسرت ہوتی تھی۔ اس عہد کے آداب و رسوم کے موافق اسٹیشن آراستہ ہوئے، راستے ہموار، دورویہ قطار، درود کا شور مصافحوں کا جوش، عالم کو فٹن میں بٹھا کر امراء و سادات کاندھوں پر لاتے تھے عوام دوستی اور غریبوں کی اس پسندیدگی نے ان کی عوامی ذمہ داریاں بڑھا دی تھیں۔ امراء کے احترامات کا تقاضا تھا کہ انھیں اصلاح احوال کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اس صورتِ حال کو چوٹی کے علما نے محسوس کیا اور جناب آقا حسن صاحب قدوۃ العلما، جناب نجم الحسن صاحب نجم الملۃ اور جناب ناصر الملۃ نے دوسرے علما کے تعاون سے ایک ملک گیر جماعت صدر الصدور بنائی۔ اس جماعت نے قومی اتحاد، تہذیبی ارتقا اور نظم و ضبط کے امور پر کام شروع کیا۔ عوام سے تعلق رکھنے والے اہلِ نظر و صاحبانِ خبر اس کام کو سیاست کہتے ہیں۔ علما کے نقطۂ نظر سے دینی فرائض میں احکامِ الٰہی کے نفاذ کے لیے تنظیم ضروری ہے وہ حکومت کی کرسی کیلئے راہ ہموار نہیں کرتے جب کہ طالع آزما مصلحین ملت انھیں راہوں سے وکالت چمکاتے اور وزارت تک جاتے یا صدارت پاتے اور پھر عوام کو بھول جاتے ہیں۔ علما کی سیاست دین کی حفاظت ہے اور غیر علما کی سیاست ذات کی برتری ہے۔ بہر حال "انجمن صدر الصدور" علما نے قومی اتحاد کے لیے قائم کی۔ جس سے غیر علماء کو خطرہ محسوس ہوا۔ انھوں نے علما سے ایسے فیصلے کرانا چاہے جو شرعاً درست نہ تھے۔ نتیجے میں علما الگ ہو گئے اور "صدر الصدور" شیعہ کانفرنس کے نام سے ایک نئی جماعت بنی۔ اس تنظیم کے باوجود عوام علما کے معاون رہے اور قراردادوں سے اتر کر عمل کی منزل میں علما کے بغیر کوئی کام آگے نہ بڑھ سکا۔

شیعہ کالج، شیعہ یتیم خانہ، لکھنو کا محاذ حسینی عوام دوستی اور دین پروری کے روشن ثبوت ہیں۔ ان تعمیری اقدامات میں ناصر الملت کا وجود بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کام عبقریت، منور الفکر، باریک بیں اور آفاقی ذہن رکھنے والے کی شخصیت ہی نہیں بلکہ توفیقات الٰہیہ کے بغیر انجام پذیر نہیں ہوتے۔ لکھنو میں دو کمیشن بیٹھے، اسپ کمیٹی اور ریگٹ کمیٹی، جنت البقیع کا المیہ، مشہد مقدس پر گولہ باری اور آخر میں "حسینی محاذ" مشہور قومی واقعے ہیں۔ ان میں ملک کے مشہور سیاسی رہنماؤں نے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مثلاً آنریبل سید رضا علی خاں نے لکھا ہے "۱۹۲۹ء میں مجھے جناب مرحوم کی خوبیوں سے واقف ہونے کا تھوڑا سا موقع ملا وہ تمام شیعوں کے امتحان کا وقت تھا۔ اس دار و گیر کے عالم میں

میں نے جو سکون و بلند نظری، فراخ دلی، بلند حوصلگی اور اصابت رائے جناب مرحوم میں پائی اس کی مثال پولیٹکل مسائل پر مباحثہ کرتے وقت میں نے بہت اونچے پولیٹکل حلقوں میں بھی نہیں پائی۔"
سرکار ناصر الملت براہ راست تمام معاملات کو اچھی طرح سمجھتے تھے، پھر ایک دو معتمد آدمی پوری صورتحال سے باخبر کرتے تھے۔ نتیجہ خود جناب کی صوابدید پر موقوف اور ہمیشہ صحیح ہوتا تھا ابوالکلام آزاد نے اپنے تعزیت نامے میں لکھا تھا۔ "آج عالم اسلام ایک ایسے رہنما سے محروم ہو گیا جو علم میں لاثانی اور ریاست میں بے مثال تھا"۔

١٩١٦ء میں آپ کے خدمات کے مقابلے میں "شمس العلماء" کا خطاب ملا تو گورنر نے خط تحریر کیا۔

جناب مولانا صاحب دنیاوی اعزاز آپ ایسے حضرات علما کے واسطے نہایت بے وقعت ہیں لیکن دنیاوی اعزاز بھی ایک ایسی چیز ہے جو دنیاوی بادشاہ دے سکتے ہیں۔ ہز ایکسیلینسی وائسرائے نے آپ کو شمس العلما کا خطاب دیا ہے اور میں نہایت خلوص کے ساتھ آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ نے جو احسانات اہل لکھنو اور تمام فرقہ شیعہ کے ساتھ مسلسل کیے ہیں۔ آپ کے قابل تعریف اثر کی یہ علامت ہے اور میں خوش ہوں کہ یہ خطاب آپ کو دیا گیا ہے۔ بہترین خواہشات کے ساتھ نئے سال کے لیے آپ کو دعائے خیر دیتا ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
سر جیمس مسٹن۔ گورنر
یکم جنوری ١٩١٦ء

اسلامی علوم میں ان کی عمیق نظر اور عجیب حافظہ اور جذبہ ترویج اشاعت کا یہ عالم تھا کہ علامہ شبلی نے کہا مولانا حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اسلام کی جو خدمت کی ہے اور علمی دنیا پر جو احسان عظیم آپ نے کیا ہے اس کے

لہ یہ اطلاع دلچسپ ہے کہ شمس العلماء کا خطاب پہلی مرتبہ لارڈ ڈفرن گورنر جنرل ہند نے اپنے استاد آقا شیخ محمد جیلانی مجتہد کو دیا۔ موصوف عراق سے بمبئی اور بمبئی سے کلکتے پہنچے تھے۔ جہاں گورنر جنرل کو فارسی کے استاد کی ضرورت تھی۔ ڈفرن نے آپ سے فارسی پڑھی پھر آپ کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ (تذکرہ علماء اہل سنت)

اندازہ نہیں ہو سکتا اور میرے تو آپ خضرِ راہ ہیں کہ جس صحرا (انساب سمعانی کے ایک حوالہ) میں تین روز سے میں سرگشتہ تھا اس سے چشم زدن میں نکال کر منزلِ مقصود پر پہنچا دیا" (فہرست و اشاریہ انساب سمعانی دیکھ کر)۔
دائرۃ المعارف اسلامیہ دکن و ایران و عراق و مصر و مغرب کے اہلِ علم مسلسل آپ سے رابطہ رکھتے تھے۔
خاتم المحدثین علامہ نوری تو آپ کے مداحوں میں تھے۔

کتب خانہ: کتاب خانہ ناصری قلمی نوادر، تاریخ و رجال و حدیث و عقائد کے ذخائر کا گنجینہ تھا دنیا بھر کے اسلامی کتابوں کے شوقین اور محقق اسے دیکھنے آتے تھے، ناصر الملت نے اس نفیس کتب خانے کو غیر معمولی نگہداشت سے جدید ترین اصولوں پر مرتب کیا اور توسیع بخشی۔

دھان پان، کمزور و نحیف، سفید نورانی چہرہ، بھاری بارعب ہلکی آواز، نرم و معطر ہاتھ، سفید سادے معمولی لباس، سر پر آڑی ٹوپی، گلے میں سفید ڈوپٹہ، عبا، مخملی کفش، باہر آتے تو جیسے بادشاہ آئے۔ لوگ دو رویہ کھڑے جھک جھک کر سلام کرتے۔ زمین پر فرش سفید چاندنی، چھوٹا سا گبھ اس پر چھوٹا سا گاؤ مسند تھی لوگ حلقے میں ادب سے بیٹھتے۔ اسنکان کی چائے نوش فرماتے، چوبیس گھنٹے میں دو پھلکے اور معمولی غذا جس میں پانی ملا لیتے تھے۔ عطر کا شوق تھا۔

انسان دوستی، اخلاق و محبت، خورد نوازی، غریب پروری کا یہ عالم کہ ہر شخص انھیں سب سے زیادہ اپنے لیے شفیق سمجھتا تھا تمام ادارے ان کو اپنا سرپرست جانتے تھے۔ بڑے بڑے امرا خادموں کی طرح اور علما شاگردوں کی طرح ملتے تھے۔ طلبا کی تعظیم کرتے تھے۔ علما کا احترام فرماتے تھے۔ گذشتہ علماء دین کا نام بڑے القاب سے لیتے۔ مبلغین، مصنفین کی ہمت افزائی کرتے۔ جناب غفرآں مآب کی یادگاروں سے خوش اور مطمئن تھے۔ یادگارِ حسینی کے موقع پر مجلسِ منتظمہ سے کہا تھا کہ "اثارۃ الاحزان" شائع کریں۔ یہ کتاب فقط کتب خانۂ ناصری میں تھی۔ جناب نے پانچ سو روپیہ اور اپنا نسخہ بھی دیا تھا۔

جناب نور اللہ شہید شوستری کے مزار کی کس مپرسی سے متاثر تھے۔ ان کے والد علام نے اسے آباد و تعمیر کا جو منصوبہ بنایا تھا۔ ناصر الملۃ نے اسے مکمل کیا اور مولانا سعید صاحب نے اسے بے حد و انتہا عروج پر پہنچایا تھا۔

وفات: پنجشنبہ یکم رجب ۱۳۶۱ھ صبح سے نوچندی جمعرات کے عَلم اٹھ رہے تھے۔ سہ پہر کو پورا شہر درگاہ حضرت عباسؑ کی طرف رواں تھا۔ گھروں میں سناٹا تھا۔ صحت کی دعائیں کر رہے تھے۔ حالت نازک تھی کہ اچانک چار بجے کے بعد جناب نے رحلت فرمائی۔ پورا لکھنؤ الٹ پڑا۔ ہنگامہ بپا ہو گیا۔ کہرام مچا ہوا تھا۔ میں اس وقت پہنچا جب کہ شریعت کدے پر زائد سے زائد پچاس آدمی ہوں گے۔

جناب مولانا محمد سعید صاحب قبلہ پچھاڑیں کھا رہے تھے۔ مولانا محمد نصیر صاحب قبلہ مرحوم فریاد کر رہے تھے۔ جناب خان بہادر مہدی حسن خان مرحوم چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ ایک عجیب عالم تھا۔ جناب مرحوم نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کی رحلت کا اعلان نہ کیا جائے۔ جنازہ اٹھانے میں تاخیر نہ ہو، جہاں غرباء مومنین کو غسل دیا جاتا ہے۔ وہاں غسل دیا جائے اور اگر ممکن ہو تو آگرے میں شہید ثالث کے مزار میں دفن کیا جائے۔

چنانچہ بغیر انتظار، جنازہ اٹھایا گیا، مگر مومنین کا مجمع دولت سرا سے امام باڑہ ناظم صاحب تک یعنی تقریباً آدھ میل تک پھیلا ہوا تھا۔ جنازہ گھر سے اٹھ کر امام باڑہ ناظم صاحب میں لایا گیا جہاں ایک مختصر سی مجلس ہوئی اس کے بعد کربلائے دیانت الدولہ میں غسل کے لیے لے گئے یہاں غربا مومنین کو غسل دیا جاتا تھا غسل کے فرائض طلبا افاضل نے انجام دیے۔ رات کو بارہ بجے کے قریب غسل سے فراغت ہوئی اور کربلا کے ایک حجرے میں میت امانت رکھی گئی تقریباً دو تین بجے رات کو ہم سب واپس ہوئے۔

لکھنؤ میں جناب کی رحلت گویا لکھنؤ کی روایتی تہذیب علما اور روایتی علمی وقار کی موت تھی۔ آپ کا جاہ و جلال، عزت و احترام بادشاہانہ تھا۔ آپ کی ذات برصغیر کی آخری بھرپور شخصیت تھی۔ جس پر سب کو ناز و اعتماد تھا۔

۲۱ مارچ ۱۹۴۲ء کو آپ کا جنازہ لکھنؤ سے آگرے کے لیے روانہ ہوا۔ میں اس سفر میں شریک تھا۔ لکھنؤ سے آگرے تک تمام چھوٹے بڑے اسٹیشنوں پر ہزارہا مومنین نالہ و فریاد کرتے ہوئے حاضر ہوتے تھے۔ اسٹیشن والے کہتے تھے ہم نے یہ احترام بادشاہوں کے لیے بھی نہیں دیکھا۔ آگرہ میں پورے ملک کے لاکھوں مومنین حاضر تھے۔ دوسرے دن مجلس کے بعد جنازہ دفن ہوا۔ اس منظر کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ خوش نصیبی سے مجھے قبر پر پہلے سے پہنچا دیا گیا تھا۔ اس لیے آخری خدمات اپنی آنکھوں سے دیکھیے۔ یہی شرف جناب نجم الملت کے دفن کے وقت بھی حاصل ہو چکا تھا۔

سرکار ناصر الملت ہمارے دور کے آخری صاحب اقتدار عالم تھے۔ افریقہ، کشمیر، برما، برصغیر، ایران، عراق غرض تمام شیعی دنیا آپ کو اپنا عظیم رہنما مانتی تھی۔ ان کی ذات ملت کے لیے شیرازہ بند تھی۔ وہ بڑے رکھ رکھاؤ اور آن بان کے ساتھ رہے۔

نظام دکن، گورنر یو پی، امراء و نوابین ہر شخص آپ سے مرعوب تھا۔ غربا نوازی، طلباء پروری، علماء دوستی، صبر و تحمل، محنت و مطالعہ، تصنیف و تالیف میں وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم تھے۔

سرکار ناصر الملت نے اپنے بعد بہترین اولاد چھوڑی۔

اولاد : • زوجہ جناب سید ابومحمد صاحب جرولی، جو تجوید و قرأت و فقہ و حدیث و تاریخ میں عالمہ جلیلہ اور خطیبہ، عابدہ و زاہدہ تھیں۔ • مولانا محمد نصیر صاحب متوفی ۱۳۸۶ھ دیکھیے احوال۔ • احمد سعید جو بچپنے میں رحلت کر گئے۔ • والدہ جناب مولانا سید ضیاء الحسن صاحب موسوی۔ • مولانا محمد سعید صاحب متوفی ۱۳۸۷ھ (دیکھیے احوال)

تلامذہ : سرکار ناصر الملت کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ مختصراً چند نام یہ ہیں :

- مولانا سبط حسن صاحب۔ • مولانا مفید حسین زید پوری۔ • مولانا عالم حسین صاحب۔
- مولانا مختار احمد صاحب • مولانا محمد ہارون صاحب۔ • مولانا فدا حسین صاحب۔
- مولانا شبیر حسین صاحب۔ • مولانا عباس حسین صاحب۔ • مولانا محمد حامد صاحب زید پوری
- مولانا محمد داؤد صاحب زنگی پوری۔

تصانیف : سرکار ناصر الملت کی پوری زندگی لکھنے میں صرف ہوئی۔ ان کے والد علام نے جو طرح ڈالی تھی جناب مرحوم ان کی حیات میں اسی نہج پر کام کرنے لگے۔ مولانا محمد مہدی ادیب کی ادبی نشستوں میں عربی شاعری کے علاوہ تفریح کا کبھی دھیان نہ کیا۔ خطبوں کی انشاء عربی اشعار کا انشاد ان کی تفریح تھی۔ وہ بلا شبہ عربی کے بہت بڑے ادیب تھے۔ مولانا عبد الحی نے ان کے بہت سے اشعار نزہۃ الخواطر میں نقل کیے ہیں۔

اصل میں سرکار ناصر الملت کا بنیادی کام "عبقات الانوار" ہے۔ عبقات الانوار تحفۂ اثنا عشریہ کے باب ہفتم باب الامامت کا جواب ہے۔ اس کی ترتیب یہ ہے۔

منہج اول۔ سات مجلد، آیات۔

- انما ولیکم اللہ ۔ • إنما یرید اللہ ۔ • قل لا اسئلکم علیہ اجرا ۔
- قل تعالوا ندع ابنائنا ۔ • إنما انت منذر و لکل قوم ھاد ۔
- السابقون السابقون ۔ مکمل غیر مطبوعہ۔

منہج ثانی ان بارہ حدیثوں کی تحقیق ہے جن کی دلیل امامت سے شاہ عبد العزیز صاحب نے انکار کیا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے : • الغدیر۔ • المنزلۃ۔ • الولایۃ۔ • الطیر۔ • مدینۃ العلم • التشبیہ۔ • النور۔ • الثقلین۔ • المناصب (من ناصب علیا الخ)۔ • الخیبر۔ • الحق مع علی • علی مع الحق۔ • التاویل (یا علی تقاتل علی التاویل)۔ عبقات الانوار فارسی نثر کے خاص اسلوب پر طویل کتاب ہے۔ تحقیق موضوع و درایت و روایت و مصادر کا دائرۃ المعارف جسے دیکھ کر یہ باور کرنا مشکل ہے کہ اس کتاب کا مصنف شگفتہ خیال اور نکتہ آفریں شاعر بھی ہے اور دیوان اشعار دیکھ

کر حیرت ہوتی ہے کہ عبقات کا مصنف اتنا عظیم عربی گو شاعر ہے۔ کچھ شعر آپ بھی ملاحظہ کریں۔

مدیح صاحب الزمان عجل اللہ ظہورہ

ان الربیع لعیدۃ وعتاد	وانی لعید اعظم الاعیاد
یوم بہ اضحی الریاض کانّہا	حلل مفوفۃ من الابراد
قد عطرت میدالباس خریدۃ	ادنی ملابسہا صبغ الجادی
قد اطربت بورودہا وزہورہا	وبکل غصن للصبا میاد
قد صابہا الوسمی ثم ولیہا	من بعد ماسقیت بصوب عہاد
قد وافق الانہار مطر وانّہا	تجری کصب مستہام صاد
فحمائم البستان فیہ ہواتف	وسواجع الکیتان فیہ شواد
لا غرو لو طربت وغنت انّہ	یوم اتی بالحظ والاسعاد
یوم منیر بین ایام الوریٰ	متوقد کالکوکب الوقاد
یوم لہ شرف علی شامخ	یسمو عن الغایات والابعاد
یوم اقرّ بفضلہ اہل النہی	من مشرک او مسلم منقاد

من قصیدہ فی مدیح امیر المومنین علیہ السلام

مالی اری لیلتی حفت بانوار	کأنّہا بضیاہا ذات اقمار
أتلک لیلۃ لیلی إذ رأت قمرا	فصیّرتہ بلوراء عدا نظار
خود حصان مصان شخصہا أبدا	وضوء غرتہا تبریق ابصار
باتت لو امعہا حتی بہا ائتلفت	أنجاد ارض حماہا بعد اغوار
لا یعرف الحی مثلہا وان جہدوا	إلّا بطیب شذاہا القائم الساری

من قصیدۃ بردالمفوف فی مدیح امیر المومنینؑ

وجف الفؤاد بلذع حب معنف	من ناحل صبّ کئیب مدنف
کلف بخالسۃ القلوب خریلۃ	ترنو بلحظ کالصوارم مرہف
فتاکۃ بنفوس ارباب الہوی	عجالۃ لہم بحتف مذعف
قمراء وجہا فی تحندس شعرہا	عفراء لونا ذات قدّ اہیف
اصمت لہ قلبا معنی بالجوی	إذا رسلت طیفا ملیل منضف

قد بات فیہ بمص زیقا سلسلا — أهمی و أشهی کاحتساء القرقف
من بعد جفونها و طول صدودها — سمحت بذاك فصار کالمترشف
حتی إذا صاح الدیوك وخفقت — زهر النجوم دری بان لم تسعف
بل کان ذا منها التسعر لوعة — فی قلبه المصلی بنار تشفشف
فمضی وهام یئن انہ مشتك — ویضج ضجة ذی رزاح مزدف
یبکی علی دار تطمس رسمها — لم یبق منها غیر جقف مشرف
سارت ظعائنها فما ترکت بها — غیر المها وسوی نعاف نعف
هلا سلوت عن الصبی الی الدمی — وبکی الطول بحرقة لا تنطفی
فلقد أسفت علی العلوم تأسفا — یحکی زفیر المروض المتلهف
لما رأیت ربوعها قد أقفرت — عن أهلها طرا کفاعة نفنف
درست معالمها و بادت اهلها — أطلالها محیت بسیل مجحف
للہ أهلوها الذین تحملوا — عنها بتحثیث المنایا المرعف
قد ساقهم عن عقرها وفنائها — قدر الإله الی نعیم مترف
کانما لها کالشمس لیقبس نورها — والآن تکسی بالظلام المسدف
زالت دعائمها وخر اساسها — ظلت شرائعها کأرض حرشف (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۸۸)

تالیفات و تصنیفات: • المفرد فی وجوب السورة الثانیہ فی الرکعتین (پہلی تصنیف)
• عبقات الانوار (الف) منزلت (ب) تشبیہ (ج) مدینۃ العلم (د) ثقلین (فارسی)
• نفحات الازہار فی فضائل الائمۃ الاطہار ۱۶ جلد ضخیم جلدیں۔ • کتاب اثبات رد الشمس لعلی علیہ السلام (عربی)۔ • کتاب فضائل امیر المومنینؑ بروز خیبر (فارسی) • مسند فاطمۃ بنت الحسینؑ (حدیث)
• اسباغ النائل فی تحقیق المسائل (مجموعۂ فتاویٰ، نو مجلدات)۔ • دیوان اشعار۔ عربی، فارسی، اردو۔
• خطبات (عربی) ضخیم مجلدات۔ • کتاب المواعظ۔ مجلدات۔ • خطب یوم الجمعۃ والعیدین۔ (عربی متفرق خطبے چھپے ہیں) • کتاب الاثمار الشہیہ فی المنشأت العربیہ۔ • انشاء و مکاتیب فارسی۔
• سبائک الذہبان۔ ۲۸ جلد۔ علم رجال۔ • فہرست انساب سمعانی۔ • افحام الاعداء و الخصوم فی عفد ام کلثوم (• تذکرہ ناصر الملت طبع لکھنؤ۔ نیرین طبع لکھنؤ۔ • بے بہا ۳۲۸۔ • بیسویں صدی کا مجدد اعظم۔ • نزہۃ الخواطر ج ۸۔ • اعیان الشیعہ ج ۴۹۔ ص ۱۰۷۔ طبع دوم الذریعہ)

ناظر حسن :
۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۶ء

مولانا حکیم سید ناظر حسن صاحب گوپال پور، بہار (ہند) کے رہنے والے تھے، طلب علم کے لیے متعدد سفر کیے، لکھنو کے مدرسۂ سلطان المدارس سے صدرالافاضل اور یونیورسٹی سے ملا فاضل کرکے وطن میں درس و تدریس کو مشغلہ قرار دیا، بڑے عابد و زاہد اور عالم و فاضل بزرگ تھے۔ آخر میں مدرسۂ ایمانیہ بنارس میں صدر مدرس تھے۔

تاریخ وفات ہے ۱۷؍ ذی القعدہ ۱۳۵۴ھ

ناظر حسین، شیخ :
حدود ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۸ء
حدود ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

مولانا شیخ ناظر حسین صاحب تقریباً ۱۸۸۸ء میں بمقام بڈھانہ ضلع مظفر نگر (ہند) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسۂ ناظمیہ لکھنو میں داخل ہوکر ممتاز الافاضل پاس کیا۔ ان کے ساتھیوں میں مولانا خادم حسین لکھنوی، مولانا علی زہاد صاحب، مولانا سبط حسن صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب امروہوی تھے۔

(سرکار نجم العلماء کے یہ خاص تلامذہ ہیں)۔ مولانا نے شب و روز پڑھنے اور الہ آباد بورڈ کے امتحان کے ساتھ ساتھ پڑھانے کا شغل جاری رکھا صرف و نحو، عروض و معانی و بیان و علم کلام سے خاص شغف تھا۔ کچھ عرصے تک حافظ فیاض حسین صاحب کے ساتھ مدرسہ منصبیہ میں مدرس رہے، کالون ہائی اسکول محمود آباد میں بھی پڑھایا۔ پاکستان بھی آئے تھے۔ شاگردوں سے بے حد محبت کرنے والے تھے۔ مولانا مرزا یوسف حسین صاحب کے پاس تصویر ہے۔ بھاری بھرکم، سادہ مزاج، گوشہ نشین و منکسر مزاج بزرگ تھے۔

۱۹۷۰ء / ۱۳۹۰ھ میں سرسی ضلع مراد آباد میں رحلت کی۔

شاگرد : جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ (ناقل احوال) مولانا مرزا ضامن حسین صاحب مولانا سید محمد قاسم صاحب، مولانا سید انصار حسین، مولانا حکیم وجیہہ الحسن صاحب زیدی خیر پور میرس۔

نبی بخش :
حدود ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء
۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۹ء

مولانا نبی بخش فرزند مولوی ضیأ الدین نیک و پارسا ماں کے شکم سے بنارس میں پیدا ہوئے، چار سال تک شیر مادر پیا، کم سنی میں ماں باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ کچھ رشتے دار بمبئی میں تھے۔ نبی بخش ان کے پاس چلے گئے اور اسلے درجے کے خطاطی و نقاش سیکھ کر ایک پریس میں کتابت کرنے لگے۔ ہم نے شادی کا

اہتمام شروع کیا، اتفاقاً مغل مسجد میں مولوی علی بخش صاحب نے تقریر میں فرمایا۔ "انسان تجھے صرف دُنیا میں تحصیل علم کا موقع ہے۔ اگر دُنیا سے جاہل اُٹھ گیا تو ابد تک جہلت نہ ملے گی"۔ لفظ "ابد" گرہ بن گئی۔ سوچنے لگے کہ قرآن سمجھوں گا، چونکہ وہ عربی میں ہے۔ اس لیے پہلے جاہلیت کا ادب پڑھوں گا، نجف و لکھنؤ کے لیے استخارہ کیا۔ لاہور پر استخارہ بہتر آیا"۔ بمبئی سے کراچی اور کراچی سے لاہور پہنچے، مدرسۂ رحیمیہ میں داخلہ لیا۔ مدرسے والوں کو فن کتابت کا علم ہوا تو بڑی قدر ہوئی۔ جب عربی سمجھنے اور ترجمہ کرنے کی قوت آگئی تو اورنٹیل کالج میں جانا شروع کیا۔ مولوی۔ مولوی عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات اول نمبر میں پاس کیے۔ لغت و شعر کا دفتر یاد ہوگیا۔ فارسی کے امتحان منشی فاضل میں سندلی، گھومنے نکلے اور ہمالیہ پہنچے وہاں مقامات حریری کے جواب میں "مقامات الجبلیہ" لکھی، مزید مہارت کے لیے عبری سیکھی، انگریزی پڑھی۔ اب قرآن مجید سمجھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک مقام پر پہنچ کر عاجزی کا احساس ہوا۔ ان دنوں علامۂ ھروی سے ملے اور کما حقہٗ ان سے فیض حاصل کیا، وہ مدت تک پٹیالہ، لاہور اور لدھیانے میں رہے۔ اور حیرت انگیز مطالعہ و حافظہ و ذہانت کے ساتھ علم کے پرستار ہوگئے۔ اور تشیع کے رنگ میں رنگ گئے۔ فارسی و عربی کے طویل قصیدے لکھے، فضائل اہل بیت میں دفتر قلم بند کیے، بے شمار مضمون لکھے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ علامۂ ہروی کے بعد مشہد مقدس کا سفر کیا اور وہاں ایک کرمانی عالم کی عالمہ و فاضلہ عابدہ و زاہدہ دختر سے عقد کیا اور تمام عمر تصنیف و تالیف میں بسر کردی۔ تقریباً ستر برس کی عمر پاکر شوال ۱۳۶۷ھ میں رحلت کی اور حرم میں قبر ملی۔ ان کے داماد اتفاقاً محرم ۱۴۰۰ھ کو مجھ سے ملے۔ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک دن کیلئے لاہور ٹھہرے تھے۔ میرے کہنے سے ایک نشست میں موصوف نے ۹ صفحے میں مختصر سوانح لکھ کر دیے اور فرمایا کہ نبی بخش کے تمام مطبوعہ و خطی تالیفات ان کے بیٹے مہدی کرمانی کے پاس تہران میں ہیں۔ ۱۴۰۰ھ میں محمد کرمانی نے "میدان محشر" نامی کتاب فارسی نبی بخش کے قلم سے میونخ جرمنی سے شایع کی اور اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولانا ۷۵ سال کی عمر پاکر مشہد میں فوت ہوئے اور حسینیہ کرمانیاں خراسان میں مدفون۔ ڈاکٹر قاسم رسا نے قطعۂ تاریخ میں لکھا:

بگفت در مہ شعبان شتافت سوی جناں ۔۔۔ چو ہفت سال گذشت از ہزار و سیصد و شصت

تصانیف: • مراحل الازل والابد۔ • التوحید والتجرید (طبع دکن) • المعرفۃ بالنورانیہ۔ • میدان المحشر • المعراج۔ • بشارت المصطفیٰ من صحائف الانبیاء۔ • مجالس شاہانہ۔ • مہدی شیعہ • اسرار ذبح عظیم • دفع الاوہام فی الھیئۃ والاسلام (فارسی طبع برلن ۱۳۴۶ھ) القسطاس المستقیم۔ • در النظیم فی اوصاف المعصومین۔ • البرھان، شیعہ اور دوسرے رسائل و اخبارات میں شایع شدہ مقالات و منظومات۔ جناب محمد کرمانی داماد مولانا نبی بخش نے تین گھنٹے تک عربی و فارسی و اردو اشعار اور اپنے استاد کے عربی و فارسی عبارات سنا کر مجھے دنگ کر دیا۔

ناصح رضوی :

۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء
۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء

سید محمد ابراہیم، ناصح رضوی ابن حکیم حاجی سید علی قاسم خراسانی عرف درویش خراسان سنہ ۱۹۱۰ء شیرکوٹ ضلع بجنور (ہند) میں پیدا ہوئے۔ اپنے ایرانی الاصل والد سے تعلیم حاصل کی پھر آگرے آگئے۔ ۱۹۲۷ء میں عراق کا سفر کیا اور تین سال وہاں قیام کیا۔ ۱۹۳۰ء میں ایران چلے گئے اور مشہد مقدس میں ٹھہرنے کے بعد لکھنو اور رام پور وہاں سے سر اکبر حیدری کی درخواست پر حیدر آباد دکن چلے گئے۔ ۱۹۵۱ء میں کراچی آگئے۔ کراچی میں سرکاری مجلہ فارسی "هلال" سے وابستہ ہوگئے۔ آخر تک یہ نوکری باقی رہی۔

محمد ابراهیم علما و اطبا کے خاندان سے تھے۔ فارسی کے ادیب اور علوم دینیہ کے فاضل تھے۔ ۱۶ر ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ کو رحلت کی۔ (بشکریہ ادارہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، راولپنڈی۔ از کتاب فارسی گویان پاکستان تالیف ڈاکٹر سید سبط حسن رضوی صاحب)

نثار حسین عظیم آبادی :

۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء
۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۲ء

مولانا سید نثار حسین بن سید اکبر حسین، شوال ۱۲۶۸ھ کو علی نگر، گیا، بہار، ہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان میں مولوی سید افضل علی صاحب ابن مولوی وزیر علی صاحب، اور مولوی ذاکر حسین صاحب جہان بھی اہل علم سے تھے

فارسی کی تعلیم مختلف اساتذہ سے حاصل کی اور ایسی قابلیت پیدا کی کہ رقعات شادی فارسی نظم و نثر میں لکھتے اور اصلاح دینے میں یکتا ہوگئے۔ اردو شاعری میں آغا میرزا صاحب عطا سے اصلاح لی۔

مولوی وزیر علی صاحب، جو آپ کے چچا ہوتے تھے، سے ایک مہینے کے قریب میزان منشعب پڑھ گئے۔ بعد ختم کی پھر مولوی سید ذکی حسن صاحب زنگی پوری مولوی سید علی حسین صاحب اور مولوی سید محمد عسکری صاحب لکھنوی سے عظیم آباد میں صرف و نحو وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

اسی زمانے میں آپ کی شادی ہوگئی لیکن آپ شوق علم میں ہفتے عشرے کے بعد چپکے سے لکھنو چلے گئے جہاں مولوی سید حیدر علی صاحب مولوی علی نقی صاحب، مولوی حبیب حیدر صاحب جنت مآب جناب ممتاز العلما، جناب سید العلما ثانی جناب ملک العلما، جناب مفتی صاحب، جناب مولوی سید احمد علی صاحب محمد آبادی سے علوم متداولہ میں تلمذ حاصل کیا۔

منتی علما میں مولوی عبدالحی صاحب، مولوی فضل اللہ صاحب اور مولوی عبدالنعیم صاحب سے پڑھا۔
طب کے لیے عالم وطبیب نواب مظفر حسین خان صاحب بن نواب مسیح الدولہ سے کچھ دنوں تک
نفیسی پڑھی۔ اس کے بعد شیخ تفضل حسین صاحب تعلقہ دار فتح پور لسواں سے نفیسی و قانون کا درس لیا۔
بعد تکمیل وطن آئے اور علمی مشاغل وطبی مصروفیات میں مصروف رہے۔
آپ نے چھ حج اور نو مرتبہ زیارات کیے۔ دو مرتبہ مشہد مقدس گئے۔ ایک سفر حج میں مولوی سید نیاز حسن صاحب
برنی حیدرآبادی اور جناب مولوی سید مظہر علی صاحب بنارسی حیدرآبادی سے ملاقات ہوگئی۔ یہ دونوں
بزرگ آپ کو حیدرآباد لے گئے۔
حیدرآباد میں تین سو روپے ماہوار پر مہتمم شفاخانہ یونانی بیرون بلدہ حیدرآباد ہوئے۔ ۱۳۲۷ھ میں
سرکار نظام سے پنشن مل گئی۔
دوسرے سفر خراسان میں شاہ ایران اعلیٰ حضرت ناصرالدین شاہ سے ملاقات ہوئی تو آپ کو عمدۃ العلماء،
بحرالعلوم، حسام الاسلام کا خطاب ملا۔
سفر عراق میں ایک ماہ جناب سرکار میرزا محمد حسن شیرازی کے درس میں اور چار ماہ جناب شیخ مازندرانی اور
ملا حسین اردکانی کے درس میں اور ایک ماہ مرزا حبیب اللہ کے درس میں شریک ہوئے۔
آپ بہت خلیق، سادہ مزاج مقدس ومتقی بزرگ تھے۔
۱۳۲۸ھ حیدرآباد دکن میں رحلت فرمائی۔

اولاد : • مولوی حاجی سید زین العابدین صاحب۔

تلامذہ : • مولوی سید میرن صاحب۔ • مولوی سید بندہ حسن صاحب۔ • مولوی سید اکبر حسین صاحب
زید پوری۔ • مولوی سید احمد حسین برنی۔ • مولوی سید ابن علی صاحب۔

تالیفات : • ترجمہ شافیہ فارسی۔ • میزان الاذکار، مفتی سعداللہ پر فارسی حاشیہ۔ • شرح معیار الاشعار
محقق فارسی حاشیہ۔ • حاشیہ بر شرح جامی عربی۔ • ردالاجابۃ الشیخیہ۔ • ایقاظ الغافلین۔
• ہدایۃ المومنین۔ • نہاریہ بہرامیہ۔ • ساعتیہ علویہ۔ • تعلیق المحال بالمحال۔ • حاشیہ نفیسی
• الالقاب المتداولہ۔ • صراط مستقیم۔ • الف رقعہ (مکاتیب عربیہ)۔ • ابطال المساوات
• حاشیہ قطبی۔ • حاشیہ میبذی۔ • حاشیہ ملا جلال۔ • حاشیہ میر زاہد۔ • حاشیہ ملا احمد اللہ
• حاشیہ شرح تجرید علامہ۔ • مصباح اللبیب فی شرح ضابطۃ التہذیب۔ • عمدۃ المعارف اردو،
در اثبات الوہیت و توحید۔ • بحرالمعارف۔ اردو ناتمام۔ • دیوان اردو۔ سہل ناتمام۔

• دیوانِ اردو ۔ • دیوانِ فارسی ۔ • دیوانِ عربی ۔ • حاشیۂ شرح لمعہ ۔ • حاشیۂ نفیسی ۔ • حاشیۂ شرح زبدۃ الاصول ۔ • حاشیۂ معالم ناتمام ۔ • نقشۂ قبلہ نما ۔ • ازالۃ التوہمات

• قواعدِ فارسی ۔ • مسائلِ اعتقادیۂ ضروریہ ۔ (بے بہا: ۲۹۴)

نثار حسین، سیتاپوری :

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء
۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

مولانا سید نثار حسین بن سید نیاز علی صاحب سیتاپوری، ۱۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے بعد اپنے ذوق و شوق سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کیا۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت میں کمال رکھتے تھے۔ راجہ شعبان علی کی ریاست سلیم پور میں پیش نماز تھے۔ مولانا ظہور حسن صاحب قبلہ آپ کے تبحر علمی کے مداح تھے۔

۱۳۴۰ھ میں رحلت فرمائی اور سیتاپور میں دفن ہوئے۔

تصانیف : • نزھۃ الامامیہ ۔ • صحیفۃ الزیارات ۔ • رسالۂ مسابقت ۔ • کتاب ردّ عیسائیہ

(پیامِ اسلام لکھنؤ، یکم جون ۱۹۵۷ء۔ نظارہ لکھنؤ ۱۹۵۵ء)

. . . .

نجف علی میر، فیض آبادی :

۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء

تاریخ جہاں نما ۱۲۲۲ھ احوال فیض آباد میں ہے کہ ان دنوں مولوی نجف علی صاحب زہد و ورع و تقدس میں مشہور تھے۔ "آئینۂ حق نما" میں ہے کہ آپ کے دادا مدینہ سے کشمیر آئے۔ خود نجف علی صاحب علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل و ماہر ہیں۔ میر حسن دہلوی کے صاحبزادے میر احسن خلق نے اپنی تالیف "طبِ احسن" کے دیباچے میں اپنی تعلیم و تحصیل طب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "بازقانون را از جنابِ میر نجف علی صاحب کہ در علم طب و حکمت و فقہ یکتائے زمان و در اوصاف ابوذر و سلمان کہ زبان خامہ رطب اللسان سراپا معجز بیان۔ بہ عبادتِ الٰہی شب بیدار، بندۂ خاص پروردگار، مصروفِ جود و سخا، در دعائے ربِ علا۔ شاعر و نثار و دبیر مقبول در تحریر و تقریر، مجمع علوم خلفش بالعموم، سینہ اش مخزن اسرار بے اندازہ بدست دعائش در اجابت کشادہ در عرصۂ سہ سال از مطالعۂ آں فارغ شدم" (تہذیب الاخلاق، مارچ ۱۹۶۷ء، لاہور ص ۱۱)

میر صاحب کی شاعری و اندازِ پرہیزگاری کی بنا پر لوگوں نے صوفی کہہ دیا جس سے عوام میں ردِ عمل ہوا۔ ۱۲۲۹ھ میں مولانا اپنے فرزند کی شادی کرنے لکھنؤ آئے تو جناب غفران مآب سے مراسلت کے بعد تصوف سے برأت کا اعلان کیا (دیکھیے آئینۂ حق نما)۔ نجف علی صاحب لکھنؤ میں نواب والا جاہ و عالی جاہ کی اتالیقی پر مامور ہوئے۔

فقہ وعرفان میں مہارت، تجوید وتفسیر سے شغف تھا۔ مدرس ومصنف ہونے کے ساتھ بقولِ مصنف سبیکۃ الذہب سید نجف علی کشمیری عالم عامل، زاہد تارک دنیا، صاحب کشف وکرامات تھے۔ نمک سے سوکھی روٹی کھاتے اور چوکی پر ایک بوریا بچھا کر سوتے تھے۔

ایک روز آپ حمام میں تھے کہ ایک رئیس بھی نہانے کے لیے آ گئے اور آپ کو دلاک سمجھ کر کہا "بدن ملو" آپ نے جسم ملا اور اسے نہلایا۔ جب انھوں نے مزدوری دینا چاہی تو آپ نے فرمایا، اس کی مزدوری خدا ہی مرحمت فرمائے گا۔ وہ صاحب نہا دھو کر واپس گئے تو لوگوں سے واقعہ بیان کیا۔ سننے والوں نے صورت شکل پوچھی اور کہا ارے وہ دلاک نہیں ملائکہ آسمان سے بہتر ہیں۔ وہ امیر حاضر خدمت ہوئے اور قدموں پر گر پڑے۔ آپ نے اٹھا کر گلے سے لگایا اور کہا، مومنین کی خدمت ذریعۂ مغفرت ہے۔

دیوان رشک صفحہ ۴۰۶ پر مولانا نجف علی صاحب کی تاریخ وفات ہے جس سے ۱۲۵۷ھ برآمد ہوتے ہیں۔

آپ کے اشعار:

ای کہ تو در ہمہ و در تو ہمہ	وز حلول و محل مبرائی
جسم دار تو مردم و تو مدام	در نظر آئی و نظر نائی
تا یکی ماندم در خست پنہاں	ہر کجا بنگرم تو پیدائی
کثرت مادروں و وحدت تو	در تراکم چو موج دریائی
نہ طراید زنطق من جزایں	در کشد کار من برسوائی
لیس فی دلقنا سواک ایدوست	بر وجودی لباس پیکر اوست
بسکہ بی حال گشتم از سحال	ہای ھوی ست عارفانہ مرا
تا من اللہ صبغۃ خواندم	ہست ایں قول صوفیانہ مرا
لیس فی دلقنا سواک ایدوست	بر وجودی لباس پیکر اوست
داری الحق انا الحق از شجری	چوں نہ داری ز اہل حق منظور
پس شنو عارفانہ ایں سخنم	کہ نہ گویم چوں صوفیاں گمراہ
لیس فی دلقنا سواک ایدوست	بر وجودی لباس پیکر اوست

(• نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۴۹۶، تاریخ جہاں نما۔ آئینۂ حق نما۔ • سبیکۃ الذہب۔ • بے بہا ۲۰۴، تکملہ نجوم السماء ۲/۳۴۲)

تالیفات: آئینۂ حق نما • مکالمات حسنیہ • حاشیۂ شرح لمعہ • رسالہ مخارج الحروف (موجود در کتب خانہ مسعود حسن ادیب)

اولاد: سید مہدی فیض آبادی عظیم آبادی مؤلف تذکرۂ علما۔

تلامذہ: حیدر علی فیض آبادی متوفی ۱۲۹۹ھ مؤلف منتہی الکلام۔ نواب والاجاہ۔ ● نواب عالی جاہ موسوی۔

نجف علی بن روشن علی:
۱۲۵۵ھ / ۱۸۴۰ء

مولوی نجف علی بن روشن علی بن چودھری نصرت اللہ صاحب مولوی حیدر علی سندیلوی کے شاگرد اور عالم فاضل شیعہ بزرگ تھے۔ نوکر پیشہ ہونے کی وجہ سے غالباً دھول پور میں بھی رہے اور تاریخ خاندان راجائے دھول پور تصنیف کی۔ بقول رحمٰن علی، ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ / ۱۸۴۰ء فالج کی حالت میں جاں بحق ہوئے۔

(تذکرہ علماء ہند ص ۲۴۲، نزہۃ ج ۷، ص ۹۵۴)

نجف علی نونہروی:
۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء

مولانا سید نجف علی نونہروی وطن سے تحصیلِ علم کے لیے لکھنؤ آئے اور علماء سے تحصیلِ علوم کر کے جناب غفران مآب سے سندلی۔ آپ فقہ و حدیث، منطق و فلسفہ، تاریخ و ادب پر عبور سند المہندسین مولانا غلام حسین و ابوالقاسم ساسانی و مولانا منصب علی سے ان کے مناظرے مشہور ہیں۔ (تکملۂ نجوم میں تاریخ وفات ہے ۱۶ رمضان ۱۲۶۱ھ در عظیم آباد)

تصانیف: ● کتابِ مصائب سید الشہداء۔ ● شرح قصیدۂ سید حمیری ● تفسیر قرآن ● حاشیہ بر بحثِ مثنّاۃ بالتکریر۔ ● حاشیۂ میر زاہد ملا جلال۔ ● رسالہ فی حرمۃ نکاح الشیعیہ بالسنی۔ ● لہاب السقف علی من استباح الخمس ● رسالہ الانساب (نزہۃ الخواطر، ص ۷۰۴)

نجف علی بن غلام علی:
۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء
حدود ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

الحاج جناب شیخ نجف علی بن شیخ غلام علی جعفر آباد ضلع فیض آباد کے باشندے تھے موصوف کی ولادت ۱۵ شعبان ۱۲۹۰ھ کو بمبئی میں ہوئی۔ آپ نے بمبئی میں دعوت و تبلیغ کے عظیم کارنامے انجام دیئے۔

مولوی چراغ علی صاحب نوگانوی ناقل ہیں کہ آپ ذات کے برہمن تھے اجداد مشرف باسلام ہوئے آپ کو علم کا شوق ہوا تو مولوی علی جواد صاحب بنارسی زنگی پوری سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور بمبئی میں، سید محمد صاحب شوستری نجفی سے شرح لمعہ و صدرا و شمس بازغہ پڑھ کر عراق گئے اور سولہ سال تک نجف اشرف میں مصروفِ درس رہے۔ سرکار محمد کاظم طباطبائی اور سرکار محمد کاظم خراسانی سے اجازہ ہائے اجتہاد، حاصل کر کے وطن آکر گوشہ نشین ہو گئے۔ عبادتِ الٰہی اور اشاعت شریعت رسالت پناہی درس و تدریس، موعظہ و جماعت سے کام تھا۔ مطالعہ، عبادت وعظ و نصیحت شب و روز کا

مشغلہ تھا۔ اسی لیے بمبئی کے مومنین بہت محبت و احترام کرتے تھے۔ مولانا نجف علی صاحب ۱۳۴۰ھ میں حج سے مشرف ہوئے۔
۱۳۴۲ھ صفر میں مؤلف تذکرۂ بے بہا محمد حسین صاحب حج کے لیے گئے تو بمبئی میں آپ سے ملے تھے۔
(بے بہا: ۳۲۲)

نجم الحسن، نجم العلما : ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء
۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

تاریخ علما، برصغیر کے آخری عظیم علما میں عظیم ترین عالم دین جن کے جذبۂ اشاعتِ اسلام نے تبلیغ کی نئی طرح ڈالی، اور فکر روشن نے زوال آمادہ ملت کو شمع راہ دی۔

مولانا سید نجم الحسن بن سید اکبر حسین رضوی ۶ ذی الحجہ ۱۲۷۹ھ کو امروہے میں پیدا ہوئے۔ سید اکبر حسین بڑے عابد و زاہد، فاضل و شاعر بزرگ تھے۔ محلہ دانشمنداں میں رہتے تھے۔ موصوف نے اپنے فرزند کو علم دین کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ ابجد خوانی و بسم اللہ کے بعد مولانا سید تفضل حسین صاحب سنبھلی کے درس میں بھیجا۔ یہاں نوعمر نجم الحسن رضوی نے متوسطات تک نصاب مکمل کر کے عزم لکھنؤ کیا۔

لکھنؤ میں تمام علوم اسلامیہ مشہور اساتذہ سے حاصل کیے۔ خصوصاً جناب سید ابوالحسن ابو صاحب، جناب مفتی محمد عباس صاحب، جناب ملا علی نقی صاحب سے زیادہ فیض پایا۔

مولانا نجم الحسن صاحب بہت ذہین، ذکی، محنتی اور صاحب ذوق تھے ان کی استعداد نے اساتذہ کو مہربان کر دیا اور جناب مفتی صاحب قبلہ نے تو خوشی و فرزندی کا شرف بخشا۔ کہتے ہیں کہ جناب مفتی صاحب نے جو اجازہ آپ کو مرحمت فرمایا وہ کسی شاگرد کو نہیں دیا تھا۔

مولانا نجم الحسن نے استاد کی زندگی میں درس دینا شروع کر دیا تھا۔ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، ادب و ہیئت میں آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی۔

مولانا سید محمد مہدی صاحب ادیب اپنے گھر پر پندرہ دن بعد عربی ادب و شعر کا اجتماع کرتے تھے۔ مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ نے اپنے فصیح و بلیغ قصائد و اشعار سے یہاں ہمیشہ برتری حاصل کی۔ انھوں نے ابتدا میں اپنی زندگی کا نصب العین بنایا تھا درس دینا اور اپنے استاد مفتی محمد عباس کے تصانیف کو مدون و مرتب کر کے قابل اشاعت بنانا اور بہ سعی و کوشش سے چھپوانا تھا۔ انھوں نے یہ سب کام مکمل کیے۔

آپ کی قابلیت و بصیرت دیکھ کر سرکار آیۃ اللہ سید محمد کاظم طباطبائی، آیۃ اللہ سید اسماعیل صدر، آیۃ اللہ شیخ عباس آل کاشف الغطا، آیۃ اللہ محمد حسین مامقانی و آقائی سید ابوالحسن لکھنوی نے ایسے

اجازے مرحمت فرمائے جن سے آپ کی فقاہت مسلم ہو گئی۔

شیعہ کانفرنس نے ۱۳۲۶ھ میں صدر منتخب کیا۔ اور ۱۳۲۹ھ میں آپ ایران و عراق گئے۔

نواب حامد علی خان آف رام پور نے آپ کو ریاست کے محکمہ تعلیم کا ڈائریکٹر معین کیا اور یہ اختیار دیا کہ جب اور جتنی مدت چاہیں رام پور رہیں اور جب چاہیں لکھنو چلے جائیں۔

۱۳۲۷ھ میں بڑے فرزند سید محمد اور ۱۳۴۱ھ میں چھوٹے بیٹے محمد کاظم نے رحلت کی۔ دو جوان فارغ التحصیل و باعمل بیٹوں کے داغ نے انھیں نڈھال کر دیا تھا مگر ان کی ہمت نہ ٹوٹی۔ وہ کام کی دھن میں لگے رہے۔

انھیں جدید تبلیغی ضرورتوں کا خیال تھا، وہ منور الفکر آدمی تھے۔ بدلتے ہوئے ماحول میں دین کے مسائل کا گھر گھر پہنچانا ان کا نصب العین تھا۔ وہ قدیم و جدید تعلیمی وسائل کو بروئے کار لانے کی فکر میں رہے آخر خدا نے ان کے ہاتھوں برصغیر میں پہلی مرتبہ یہ منصوبہ پورا کرایا۔ اس منصوبے کے نتیجے میں

مدرسۂ ناظمیہ، مدرسۃ الواعظین، مؤید العلوم، الواعظ اور انگریزی کا مسلم ریویو اور جناب مفتی محمد عباس صاحب کی تصانیف انگریزی میں تفسیر قرآن مجید صحیفۂ کاملہ سمیت پچاس کتابیں چھپوائیں جن میں تجلیات، سوانح مفتی محمد عباس بھی ہے۔ اس کتاب نے گلستان لکھنو کا گل صد برگ دست خزاں سے چھپا لیا۔

تاسیس مدرسۂ ناظمیہ: جناب مولانا سید ابوالحسن عرف ابو صاحب قبلہ کی تحریک سے ۱۳۰۸ھ میں جناب مرزا محمد عباس علی خان مرحوم نے مدرسہ مشارع الشرائع، مدرسۂ ناظمیہ قائم کیا جس کے سربراہ جناب نجم الملت قرار دیئے گئے۔ نیت کی پاکیزگی اور سربراہ کا خلوص رنگ لایا۔ جناب نجم الملت نے اس مدرسے میں اس قدر محنت سے کام کیا کہ برصغیر کے گوشے گوشے سے طلبا ناظمیہ میں آنے اور فارغ التحصیل ہو کر جانے لگے۔ مدرسے کے پندرہ سال کا درس پڑھنے کے بعد فارغ التحصیل کو "ممتاز الافاضل" کے لقب و سند سے سرفراز کیا جاتا تھا۔ مدرسۂ سلطان المدارس و ناظمیہ ہماری صدی کے سب سے بڑے اور باقاعدہ دینی مدرسے تھے جن سے صدہا ادیب، مصنف، خطیب طبیب، حافظ، قاضی اور مدرس پیدا ہوئے۔ ان کے فیوض سے کشمیر سے دکن اور ہند سے افریقہ تک روشنی پھیلی۔

جناب نجم الملت نے انتہائی تدبر سے مدرسے کی نئی عمارت بنوائی۔ مدرسے کو روز افزوں ترقی دی اور آخر میں اسی مدرسے کے ایک گوشے میں آسودۂ لحد ہوئے۔

تاسیس مدرسۃ الواعظین: ۱۳۳۸ھ میں جدید تر تبلیغی مساعی کے لیے ایک عظیم الشان منصوبے کا آغاز "مدرسۃ الواعظین" کے نام سے کیا۔ جناب راجہ صاحب محمود آباد مرحوم اور ان کے برادر مغفور کے سرمائے سے یہ ادارہ قائم ہوا۔ مدرسہ میں برصغیر افاضل طلاب کو تربیت دی گئی اور انھیں گوشے گوشے

میں پہنچایا، یہ مبلغ افریقہ اور عراق، تبت و برما، غرض دنیا بھر میں اسلام کا پیغام اور تعلیمات نبیؐ و آلِ نبیؐ پھیلانے لگے۔
مدرسے میں ایک نشر و اشاعت کا وسیع الذیل شعبہ قائم کیا جس سے علمی اور تبلیغی کتابیں اور ماہنامہ "الواعظ" اب تک چھپ رہا ہے۔ اُردو میں براہِ راست اُردو ترجمے کے ذریعے افکار و تعلیمات کی اشاعت ہوئی۔
انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ، صحیفۂ کاملہ کا ترجمہ اور مجالس المومنین کا ترجمہ اور ماہنامہ "مسلم ریویو" انگریزی میں چھپتا رہا۔

پریس: اشاعت کتب و رسائل کے لیے مدرسے میں انگریزی اور اردو پریس قائم کیا۔

کتب خانہ: تعلیم و تحقیق کے لیے مدرسۃ الواعظین کا کتب خانہ بہت بڑا اور نوادر کا مجموعہ ہے۔

تربیت: جناب مرحوم، مردم شناسی میں کمال رکھتے تھے۔ انھوں نے مدرسے کے طلبا میں ہونہار تلامذہ کی خصوصی تربیت سے انھیں جوہر قابل بنا دیا۔ جن میں مولانا سبط حسن صاحب قبلہ، مولانا عدیل اختر، حافظ کفایت حسین، مولانا یوسف حسین کے نام زبان زد ہیں۔ نجم الملت کی مردم شناس اور دوررس نگاہ نے جسے جہاں کیلئے تجویز کیا وہ شخص تمناؤں کے مطابق نکلا اور نصف صدی سے لوگ اس بزرگ کے شکر گزار ہیں۔

مجالس و محافل سے عشق تھا، محرم کی مجلسوں میں اہتمام خاص فرماتے تھے اور ۱۵ شعبان کا میلاد تو برصغیر میں مشہور تھا۔ اس میلاد میں سونے چاندی کے گیہوں تقسیم فرماتے تھے۔

آپ نے اقتدار و مرجعیت کا عروج دیکھا، آپ کے شاگرد اور مبلغین دنیا بھر میں تھے اس لیے مغرب و مشرق میں آپ مقتدا مانے جاتے تھے۔ حکومت ان کا احترام کرتی تھی۔ کچہری کی حاضری سے مستثنیٰ تھے۔ شمس العلما کا لقب تھا۔

پگٹ کمیٹی ہو یا السپ کمیشن یا کوئی اور بڑا مرحلہ، جناب نجم الملت کے بیان اور آپ کی رائے کو بنیادی درجہ دیا جاتا تھا۔

لکھنو ایجی ٹیشن میں آپ کے ہمہ گیر اثر نے حکومت کو ہلا دیا تھا۔ ناصر الملت سے انتہائی گہرے برادرانہ روابط تھے۔ ایک دوسرے کی رائے کے بغیر کوئی کام سرانجام نہ پاتا تھا۔

علماء فرنگی محل سے قریبی محبتانہ روابط تھے۔ میں نے اکابر علماء فرنگی محل کو جنازے میں دھاڑیں مار مار کر روتے دیکھا ہے۔

جناب مرحوم کے مکان کے سامنے میدان تھا۔ اس میں چھپر کے سائے میں چٹائی کا فرش تھا۔ جناب مرحوم وہیں تشریف رکھتے، وہیں امراء و نوابین و حکام سے ملتے وہیں پڑھاتے اور سائلین کو مسائل کا جواب، غربا کو امداد دیتے۔ ان کی سرکار غریب پرور اور علم نواز تھی۔ ان کے وجود سے برصغیر

میں علم و علما کا وقار تھا۔ ان کی رائے سیاست کا نچوڑ، ان کا فیصلہ تدبر کا نمونہ، ان کی صدا اثر انگیز تھی۔
ان کے مواعظ رمضان مَیں نے سنے ہیں عموماً بشارتیں اور اعمال کے ثواب بیان فرماتے تھے۔

ابھرتا ہوا قد، آڑی ٹوپی، گلے میں ڈوپٹہ، بر میں سفید قبا، پیروں میں مخملی کفش، فنس کی سواری، نورانی چہرہ، منور بڑی گھنی ڈاڑھی، ثقاہت و ہیبت کا نمونہ نجم الشریعت ان کا بڑا اچھا اور موزوں لقب تھا پچھتر برس کی عمر اور محنت طلب اور مسلسل کام نے انھیں کمزور کر دیا تھا۔ ضعف نے طول کھینچا صاحب فراش ہو گئے۔ حالت بگڑی تو ماتمی دستے فریادی اور دعائیہ جلوس لے کر شہر میں نکل آئے۔ علاج ہوا، لیکن طلب آ چکی تھی۔

یکشنبہ ۱۷ صفر ۱۳۵۷ھ کو داعی اجل کو لبیک کہی، شہر میں کہرام برپا ہو گیا، کوچہ شاہ چھاچھو کے شریعت کدے پر گریہ و بکا کا شور قیامت برپا کھائی دیتا رات بھر لوگوں کے قافلے لکھنؤ پہنچتے رہے۔
صبح کو سرکار ناصر الملت کی فریاد اور علماء فرنگی محل کے آنسوؤں کی بارش میں جنازہ اٹھا، انسانوں کا سمندر دریائے گومتی کو روانہ ہوا۔ امیر غریب، سنی، شیعہ، حکام اور زعما۔ علما اور طلبا کا اتنا بڑا مجمع کم دیکھا گیا تھا۔ لاکھوں آدمیوں نے مشایعت کی دریا پر غسل ہوا کھلے میدان میں نماز ہوئی اور شام کے قریب مدرسۂ ناظمیہ میں سپرد لحد ہوئے۔

اولاد: جناب مرحوم کے دو فرزند زندہ رہے جوان ہوئے علم و فضل میں اجتہاد کے درجے تک پہنچے لیکن دونوں جوان اٹھ گئے۔ • مولانا سید محمد صاحب۔ • مولانا سید محمد کاظم صاحب۔ ان دونوں کے دو دو فرزند الحمد للہ حیات ہیں۔

تلامذہ: نجم العلماء کے شاگرد اس آخری دور میں غالباً دوسرے علما سے تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ جن کی فہرست بہت طویل ہے۔

تصانیف: جناب مرحوم نے مضمون اور مقالے لکھے، رسالے تصنیف کیے۔ قصائد لکھے، حواشی قلم بند کیے۔ دوسروں کی کتابیں درست کیں۔ مفتی صاحب قبلہ کی کتابیں ایڈٹ کیں جن میں سے چند تالیفات کے نام یہ ہیں: • المحاسن۔ • سرادق عفت (پردہ) مطبوعہ۔ • سیکڑوں مسائل کے جوابات و فتاوی۔ • ہزاروں خط عربی و فارسی و اردو میں۔ • دیوان اشعار عربی۔ • النبوۃ والخلافۃ مطبوعہ۔ • التوحید مطبوعہ۔ (تاریخ واسطیہ ص ۲۵۹۔ • بے بہا ص ۳۳۴۔ • نزہۃ۔ اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۲۱)

مسئلہ الشک فی ارتفاع الاحداث والاسباب (عربی) شیخ زین العابدین مازندرانی کی تقلید ۔ مطبوعہ۔

نذر محمد : ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء
۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

مولانا سید نذر محمد ابن سید صفی الحسنین صاحب ممتاز الافاضل گکرولی ضلع مظفر نگر کے معزز زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا کی ولادت ۱۸۹۳ء یعنی ۱۳۱۰ھ میں ہوئی۔ صفی الحسنین صاحب زمیندار آدمی تھے لیکن مذہب سے گہرا شغف تھا، ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا الحاج شیخ اعجاز حسن صاحب بدایونی کو اتالیق کی حیثیت سے گکرولی میں بلایا گیا۔ مولانا اعجاز حسن صاحب نے صفی الحسنین صاحب کی تعلیم اور گکرولی کی مذہبی ترقی میں بہت کام کیا، جس کی یادگار وہ مسجد ہے جو اب تک وہاں باقی ہے۔ مولانا اعجاز حسن کی مراجعت کے بعد مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ نے مولانا سید صفدر حسن صاحب کو گکرولی بھیجا۔ اسی زمانے میں علامہ کنتوری سید غلام حسنین صاحب نے گکرولی میں قیام کیا۔ علماء اور افاضل کے قیام نے گکرولی کو علم پرور ماحول میں بدل دیا۔ نذر محمد صاحب نے متوسطات کا درس حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کا رخ کیا اور ۱۳۳۵ھ میں مدرسۂ ناظمیہ سے درجہ فاضل کی سند پائی اور ۱۳۳۷ھ میں مدرسے کی آخری سند تکمیل درس حاصل کی اور "ممتاز الافاضل" ہو گئے۔

مولانا سید نذر محمد صاحب کے ہم درس علماء میں حافظ کفایت حسین صاحب، مولانا سید عدیل اختر صاحب، مولانا سید خورشید حسن صاحب امروہوی، مولانا سید ظفر مہدی صاحب گہر بہت مشہور ہوئے ممتاز الافاضل پاس کیا ہی تھا کہ راجہ صاحب محمود آباد اور سرکار نجم العلما نے اسی سال مدرسۃ الواعظین قائم کیا۔ مولانا نذر محمد صاحب بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدرسۃ الواعظین میں آگئے۔ لیکن اب تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہا اور وطن آنا پڑا۔ مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ کو نواب صاحب خیرپور نے نواب میر فیض محمد صاحب کے لیے دینیات کے اتالیق کی ضرورت کا خط لکھا۔ سرکار نجم العلما نے علمی و عملی صلاحیت کے پیش نظر مولانا نذر محمد صاحب کو بھیج دیا۔ مولانا سبط نبی صاحب مجتہد نے نوگانواں سادات میں مدرسہ باب العلم قائم کیا تو نذر محمد صاحب قبلہ کو درس کے لیے بلا لیا۔ کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کر کے وطن آگئے۔ ۱۹۳۸ء میں دہلی میں یتیم خانے کی ابتداء ہوئی اور مولانا کو اتالیقی کے لیے منتخب کیا گیا۔ ۱۹۴۲ء تک درس و تدریس اور جمعہ و جماعت دہلی کے فرائض انجام دیئے۔

ان مصروفیات کے علاوہ فقہ و اصول سے دلچسپی کی بنا پر مطالعہ و تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رہا۔ ۱۹۶۲ء میں ترکِ وطن کر کے پاکستان منتقل ہوئے اور دسمبر ۱۹۶۸ء کو سکھر میں رحلت فرمائی۔

تصانیف : متعدد تصانیف و حواشی تلف ہو گئے۔ ترجمۂ عروۃ الوثقیٰ از اول تا آخر کتاب الصلوٰۃ

(فقہ مطبوعہ) • تعقیبات صلوٰۃ (ادعیہ و اوراد) مطبوعہ ان کی یادگار ہیں۔

اولاد: سید محمد علی زیدی و سید ابوالحسن زیدی۔ (مکتوب ابوالحسن صاحب و مولانا سید باقر حسنین صاحب متازالافاضل)

نظام الدین حسین:
حدود ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء
۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء

"رفیع الالقاب، زبدۃ المحققین والمدققین فخر الحاج والمعتمرین، طائف کعبہ علم و دین، محرم حرم شریعت سید المرسلین، مرکز دائرۂ علوم عقلیہ محور اکبر فنون نقلیہ، زبدۃ المصطفین سید نظام الدین حسین" (آئینہ حق نما)
کلام، اصول، فقہ ادب، منطق، حکمت، ہندسہ، حساب، ہیئت میں یکتائے روزگار تھے۔

عربی فارسی میں بہت اچھے شعر لکھتے تھے۔ آپ کی کتابیں محفوظ نہ رہیں۔

جناب غفرانمآب کے شاگرد رشید تھے۔ مطالعے سے شغف تھا۔ (بے بہا: ۲۲۲، نزہۃ ج ۲ ص ۱۸۵)

امیر نظام الدین دشتکی۔
دیکھیے احمد بن محمد معصوم

نظر حسن:
۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء
حدود ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء

جناب مولانا سید نظر حسن صاحب بن سید بہادر علی صاحب ۱۴ ربیع الثانی ۱۲۶۸ھ کو بھیک پور میں پیدا ہوئے۔

آپ کا نام تاریخی ہے۔ لکھنؤ میں اصول و فقہ جناب سید ابو صاحب مرحوم سے اور ادب جناب مفتی صاحب قبلہ اور جناب مولوی سید محمد مہدی صاحب ادیب اعلی اللہ مقامہما سے حاصل کیا اور بعض کتب درسیہ جناب مولانا سید علی نقی صاحب رامی پوری سے پڑھیں۔ مولوی محمد حسین مؤلف تذکرہ بے بہا کے عہد طالب علمی میں مولانا نظر حسن صاحب لکھنؤ کے جید طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ جامع کمالات ہوئے تو وطن آئے اور مسجد امام باندی بیگم صاحبہ مظفر پور میں امام جمعہ و جماعت مقرر ہوئے۔

آپ نے تین مرتبہ عراق اور ایک مرتبہ زیارت مشہد مقدس فرمائی اور علما سے درس لیا۔

تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ چنانچہ دوران طالب علمی لکھنؤ میں اصول کافی چھپ رہی تھی۔ آپ نے اس کی تصحیح کے فرائض انجام دیئے اور قطعہ تاریخ طبع لکھا۔

مقدس و متورع، زاہد و قانع، ایثار پیشہ تھے۔

عربی میں برجستہ شعر کہتے تھے

تالیفات: • سہیل السماء (؟ کذا) رد نواصب۔ • کاشف الحجاب در اثبات پردۂ نسوان۔

مسمط ابهان فی حل قشت (؟) العقیان قصیدۂ علویہ ۔ • لوامع النبراس فی شرح اجناس الجناس عربی
مدینۃ العزا و مطالع الانوار جس کی جناب آقا میرزا محمد علی رشتی اعلی اللہ مقامہ نے (نجف) شرح کی۔
(بے بہا: ۲۳۲)

نظیر الحسن، فوق :

حدود ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء
۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۸ء

چودھری بدر دار علی زیدی مہابن ضلع متھرا کے بہت معزز و نامور رئیس تھے۔ موصوف کے تیسرے فرزند نظیر الحسن صاحب حدود ۱۲۹۷ھ میں مہابن میں پیدا ہوئے اور دستور کے مطابق فاضل اساتذہ سے فارسی اور علوم عربیہ کی تحصیل کی۔ صرف و نحو، منطق و فلسفہ، معانی و بیان، تفسیر و حدیث، فقہ وغیرہ کے کتب درساً درساً پڑھے۔ صاحب دولت و علم تھے کتب بینی مشغلہ رہا۔

۱۹۰۵ء میں مرزا محمد جعفر صاحب اوج سے تلمذ اختیار کر کے فوق تخلص کیا۔

شیعہ کانفرنس کے سرگرم رکن تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے معاملات میں بھی حصہ لیا۔

آخر ۳ یا ۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ میں رحلت کی۔

تالیفات: • المیزان۔ موازنۂ انیس و دبیر کے مقابلے میں علمی و ادبی کتاب (میرے کتب خانے میں موجود ہے) • غم حسین اور حسنات محرم۔ کتاب بدعات محرم کی فصل تردید مطبوعہ ۱۹۰۲ء (میرے کتب خانے میں ہے)

اولاد: • سید حبیب الحسن ایڈووکیٹ۔

نعمت حسین عمری جون پوری :

۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ء
حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

مولانا شیخ نعمت حسین صاحب شیخ من اللہ بن بہاء الدین جون پوری کی اولاد سے تھے اور سخاوت علی و خیر الدین محمد سے شرح شمسیہ و شرح وقایہ پڑھی۔ حاجی حسین بنارسی سے شرح میبذی قدرت علی سے خلاصۃ الحساب و شرح سلم و شرح عقائد نسفیہ و رشیدیہ کا سبق لیا۔ مولانا آقا اسماعیل ایرانی سے مختصر التلخیص پڑھی اور بہت سے استادوں سے درس لیا۔ منطق و فلسفہ سے زیادہ شغف تھا۔ کچھ عرصہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم بھی رہے۔

بدایوں میں رحلت کی۔

تصانیف: • شرح زبدۃ الصرف۔ • رسالہ میراث و فرائض۔ • رسالۂ عروض و قافیہ۔
• دیوان اردو و فارسی۔

(نزہۃ، ص ۵۰۵)

نعمت اللہ آغائی صاحب :

۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء

میر نعمت اللہ سید آغائی صاحب کے فلسفی و شاعر حکیم ماہر تھے۔ ہندسہ و ریاضی نجوم و شاعری سے شغف تھا۔ فی البدیہہ شعر کہنے پر بڑی قدرت تھی۔ تین ہزار شعروں کا دیوان یادگار ہے۔ سید تخلص تھا۔ شباب میں شوستر سے عراق و خراسان ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔ محمد شاہ بہت احترام کرتا تھا۔ زیچ محمد شاہی میں موصوف نے رکن کی حیثیت سے کام کیا تھا۔

۱۱۵۱ھ پشاور میں رحلت کی۔ کوئی اولاد نہیں تھی۔

بن نورالدین بن نعمت اللہ شوستری۔

(تحفۃ العالم۔ نجوم السماء ص ۲۵۹۔ بے بہا ۱۹۱۔ نزہۃ ج ۶ ص ۳۸۸۔ اعیان الشیعہ

نعمت خان عالی، مرزا محمد :

حدود ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء
۱۱۲۱ھ / ۱۷۰۹ء

شاہ جہان کے دربار میں بڑے بڑے شیعہ امراء و علماء کا مجمع تھا۔ لاہور و دہلی میں شیعہ اساتذہ فقہ و عقائد کا درس دیتے تھے۔ اس وقت درس اعلیٰ کی آخری کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" تھی۔ میں نے اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ایسا دیکھا ہے جو دہلی میں لکھا اور پڑھایا گیا۔ اس میں ترقیمے کے نام و تاریخ کو مٹا دیا گیا تھا لیکن تفسیر خلاصۃ المنہج بلا تاریخ پر یہ نام ہے کہ "تفسیر امیر خلیل جوینی کے حکم سے لاہور میں لکھی گئی" یا "عیون اخبار الرضا" کے ترقیمے میں ہے "شاہ جہان آباد، ۲۲ محرم ۱۰۶۶ھ کو فدا علی مشہدی نے لکھا" اسی دور میں ملا محمد تقی مجلسی کے خاندان سے چند اکابر دار السلطنت پہنچے جن میں ملا محمد سعید اور دانشمند خان ملا شفیعا کا نام سرفہرست ہے۔ اس مختصر پس منظر میں نعمت خان عالی کا ابتدائی زمانہ گذرا۔

نعمت خان عالی، حکیم میرزا محمد بن فتح الدین احمد شیرازی[1]، اپنی زادگاہ شیراز سے اپنے والد[2] کے ساتھ وارد ہند ہوئے۔ میرے اندازے کے مطابق نعمت خان عالی ۱۰۵۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے ہوں گے ان کے والد حکیم و طبیب تھے۔ میرزا محمد نے اپنے والد اور معاصر اساتذہ سے تفسیر و حدیث، فقہ و عقائد، ان کی تحریروں میں قرآن مجید کی آیتوں کا برمحل و بکثرت استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ قرآن مجید کے حافظ تھے

---

[1] خوش گو اور بعض دوسرے تذکرہ نگار اسے مشہدی کہتے ہیں (سفینہ ص ۵۹)۔

[2] تاریخ محمدی کے مؤلف نے نعمت خان کا نام میرزا احمد والد کا نام حکیم داؤد لکھا ہے اور عرشی صاحب نے تاریخ محمدی کے حاشیہ میں نورالدین کے بھائی محمد علی کی تاریخ وفات ۱۰۹۰ھ بتائی ہے (حاشیہ تذکرۂ شعرائے کشمیر ص ۲۵۷)

اور بعض جن رعایتوں اور لطافتوں کا لحاظ کیا ہے اس سے فن اسباب نزول پر ان کا عبور ثابت ہوتا ہے۔ یہی حال منطق و فلسفہ کا ہے۔ ہر علم و فن کی اصطلاحیں، تلمیحیں، استعارے، تشبیہیں نوک زبان ہیں۔ جب تک کوئی شخص اس عہد کے درسِ اعلیٰ کا فارغ التحصیل نہ ہو نعمت خان کی تحریر خصوصاً "وقائع"، "حسن و عشق" اور "مضحکات" کا سمجھنا ممکن نہیں۔ کام گار خاں کی ہجو میں نعمت خان کا قصیدہ اتنے اصطلاحات پر مشتمل ہے کہ علامہ آزاد بلگرامی نے خزانۂ عامرہ میں اس کی شرح لکھی ہے۔

معاصر تذکرہ نگار ان کے علوم و کمال کے مداح ہیں۔ مثلاً خوش گو کہتے ہیں:

"کسب معقولات و منقولات بدرجۂ اتم کردہ، بفضائل و کمالات مستثنیٰ شد" (سفینۂ خوشگو ص ۵۹)

محمد افضل سرخوش نے لکھا ہے:

"در فضائل و کمالات از مستعدان زمانہ است، در انواع فنون شعر و انشا پردازی محسود اقران"
(کلمات الشعرا ص ۹)

اصلح میرزا اور کشن چند اخلاص نے بھی تعریف کی ہے۔ نورالدین نے یہ کمالات اپنے معاصر اساتذہ سے بھی حاصل کیے۔ غالباً وہ دربار شاہ جہان کے امیر دانشمند خان ملا شفیعا سے تلمذ رکھتے تھے۔ آزاد بلگرامی نے دیوان عالی کے مقدمہ سے یہ عبارت نقل کی ہے:

"در بدایت حال بمناسبت شغل طبابت کہ سمت موروثی بود حکیم تخلص می بود۔ آخر تصحیف حکیم اختیار تخلص حکیم را مانع شد و بفرمودۂ استادی نواب دانشمند خان، عالی تخلص کردم"۔ (سرو آزاد ص ۱۳۸)

نسخۂ دیوان عالی لاہور کے ورق ۱۲۸، الف میں ہے:

"شکر و حمد حضرت واہب، از اتفاقات حسنہ نام اصلی کہ بہ والدین الہام شد محمد است و تخلص کہ بخاطر استاد القا یافتہ عالی ست"۔

ملا شفیعا یزدی ۱۰۶۰ھ میں حاضر دربار شاہ جہاں ہوئے اور ۱۰۸۱ھ میں ان کی رحلت ہوئی۔
(شاہ جہان نامہ ص ۱۱۵، ۱۱۴۳۸ مآثر الامراء ج ۲ ص ۲)

گویا نورالدین محمد نے ۱۰۶۰ھ کے بعد شفیعا سے تلمذ کیا اور ۱۰۸۱ھ سے پہلے وہ اپنا تخلص بدل چکے تھے۔ آبائی پیشہ اور ذاتی ادب نے انھیں متعارف کرا دیا ہوگا۔ ملا شفیعا کے سبب سے وہ امراء میں معزز ہوں گے۔ ایرانی رؤسا سے ان کے تعلقات ہوں گے، ملا محمد سعید اشرف (متوفی ۱۱۱۶ھ) شہزادی زیب النسا کے اتالیق اور شہزادی کے یہاں معزز منصبدار تھے، ہو سکتا ہے کہ نورالدین اسی سہارے شہزادی کے یہاں پہنچے ہوں۔ دیوان عالی میں شہزادی کے ایک خیمہ کی تعریف میں قطعۂ تاریخ ہے جس سے ۱۰۹۰ھ برآمد ہوتے ہیں۔

ے دیوان عالی ص ۲۵

ایک قصہ یہ بھی ہے کہ عالی نے شہزادی کو ایک کلغی بھیجی تھی، شہزادی نے اس کے خریدنے نہ خریدنے کا جواب دینے میں دیر کی، تو نعمت خان نے ایک قطعۂ تقاضا لکھا جس کے جواب میں زیب النساء نے پانچ ہزار روپیہ کے ساتھ وہ کلغی واپس کی۔ (خزانۂ عامرہ ص ۳۳۳)

"خوش گوئے بقول، عالی نے حج کی سعادت حاصل کی اور اواسط عہد عالم گیری میں واپس آئے اور بانصدی منصب و نعمت خان کا خطاب حاصل کیا" (سفینہ ص ۵۹) نعمت خان کا خطاب ۱۱۰۴ھ میں حاصل ہوا۔ اس سے پہلے فتح دکن کے موقع پر اس نے لکھا ہے:

از نصرت پادشاہ غازی گردید دل جہانیاں شاد
آمد بقلم حساب تاریخ شد فتح بجنگ حیدر آباد (۱۰۹۷ھ)

بادشاہ نے اس کے صلے میں خلعت مرحمت فرمایا: (سرو آزاد ۱۳۶) اسی زمانے میں وہ وقائع نویسی جنگ دکن بھی قلمبند کرتے ہیں۔ ان کی مالی حیثیت اتنی ہو گئی کہ دہلی میں ۱۰۹۲ھ میں محل سرا بنوائی تھی۔ ۱۱۰۰ھ میں خلوت خانہ ۱۱۰۱ھ میں دیوان خانہ ۱۱۰۳ھ میں باغ بنوایا۔ (دیوان عالی) ۱۱۰۴ھ میں بادشاہ نے باورچی خانہ کا داروغہ مقرر کیا اور "نعمت خان" خطاب دیا؛ اس کے بعد وہ شاہی ملازمت میں داخل ہوئے۔ دیوان میں اس بارے میں سات شعروں کا قطعۂ تاریخ ہے جس کا پہلا اور آخری شعر ہے:

چوں ولی نعمت ز روی مرحمت نام مرا در شمار بندگان خویش نعمت خان نوشت
بہر تاریخ خطاب خود چو عالی فکر کرد سر برآورد از حساب و خان عالی شان نوشت

اور نثر میں یہ فقرہ یادگار ہے "شکر نعمت واجب، واجب"[1] آٹھ دس سال بعد عالم گیر نے جواہر خانہ کی داروغگی سے سرفراز کیا اور "مقرب خان" خطاب بخشا۔

عالمگیری عہد کے تالیفات عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ کے دربار میں بے تکلف مصاحب، معزز شاعر، معتمد امیر، ذمہ دار صاحب منصب تھے، دیوان میں متعدد تاریخیں، نثر میں وقائع کا مزاح و طنز، رسائل میں امراء کے نام بے تکلفانہ خط اور دو اہم کارخانوں کی داروغگی ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

۱۱۱۸ھ میں عالمگیر نے رحلت کی۔ اور محمد اعظم و محمد معظم تخت و تاج کے لیے جنگ آزما ہوئے۔ نور الدین عالی، اس وقت داروغۂ جواہر خانہ تھے اور خزانے کی حفاظت کے لیے گوالیار میں تھے۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۱۱۸ھ میں محمد معظم، شاہ عالم کے نام سے لاہور میں تخت نشین ہوا۔ نعمت خان عالی نے اس موقع پر "جنگ نامہ" لکھا۔ ان کی ملازمت بحال رہی اور شاہ عالم نے انہیں "دانشمند خاں" کا خطاب دے کر اپنی "تاریخ لکھنے

---

[1] مصرعے سے ۱۱۰۵ھ اور نثر سے ۱۱۰۴ھ برآمد ہوتے ہیں۔

پر مامور کیا۔ مگر نعمت خان اب بوڑھے ہو چکے تھے اور وہ "شاہ نامۂ بہادر شاہ" مکمل کرنے سے پہلے وفات پا گئے۔ محمد افضل سرخوش نے لکھا ہے کہ وہ اس زمانے میں شاہنامہ لکھ رہے ہیں۔

نعمت خان عالی مقدرات کے ہاتھوں علوم دین کے بجائے فنون ادب میں مشہور ہوئے اور دربار کے نجی دبیر ورکن ہونے کی بنا پر ان کی طبیعت کا مزاحیہ پہلو نمایاں ہوا۔ جفاکش بادشاہ کی تفریح خاطر ان کا پیشہ ہوا جس کا نمونہ رقعات و مضحکات اور وقائع نعمت خاں ہے جو چودہ سو برس سے داخلِ درس ہے۔

وفات: دانشمند خان مشہور بہ نعمت خان عالی مرزا محمد نے غالباً ۱۱۲۱ھ / ۱۷۰۹ء میں رحلت کی (سرو آزاد) کشن چند اخلاص کہتے ہیں کہ بہادر شاہ کا سنہ ۳ جلوس تھا۔ (ہمیشہ بہار ص ۱۷۶)

"تاریخ محمدی میں ہے" غرہ ربیع الثانی ۱۱۲۲ھ دہلی میں فوت ہوئے"۔

(حاشیہ تذکرہ شعرائے کشمیر ص ۲۵۴)

بندرابن کی اطلاع ہے" ۱۱۲۳ھ لاہور میں فوت ہوئے۔

قبر: حیدر آباد کی مصنفین میں عبداللہ خان اور میر غلام علی کی تحقیق ہے کہ دائرہ میر محمد مومن حیدر آباد میں قبر ہے محی الدین نے تحقیق کی تو معلوم ہوا" دروازے کے پاس قبر ہونا مشہور ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ نعمت خان اس مسجد کے صحن میں دفن ہوئے جو دائرے کے جنوب میں ہے۔ (میر مومن طبع ۱۹۵۷ء ص ۲۸۸)

جناب نادم سیتاپوری نے مجھ سے فرمایا تھا کہ" نعمت خان عالی کی قبر اجین کی مسجد میں ہے۔ میں نے وہ قبر دیکھی ہے اور نعمت خان عالی کے اخلاف میں ایک صاحب تعلقہ دار گوالیار میں رہتے تھے"۔

اولاد: عالی کے ایک فرزند کا نام دیوان عالی میں اور ایک دختر کا تذکرہ سودا کے سوانح میں۔ دیوان عالی ص ۲۳۵ پر ایک قطعہ کا عنوان ہے" تاریخ تولد فرزند زادۂ خود" اور شعر ہیں:

محمد صادق، آں فرزند ممتاز رشید من	کہ در سال و کمال و بر ہمہ اولاد شد فائق
ندارد گرچہ با من الفتی از روی صدق اما	بدیدارش زجان و دل ہمیشہ بودہ ام شائق
بحمداللہ نخل آرزوی او ببار آمد	عطا فرمود فرزند گرامی حضرت خالق
بجعفر کردہ شاہنشاہ عالمگیر موسومش	برای خدمتش یارب شود شائستہ و لائق
پئ تاریخ میلادش بدیہی مصرعی گفتم	الٰہی عمر او وافر، بحق جعفر صادق (۱۱۱۰ھ)

شیخ چاند نے کہا ہے کہ محمد شفیع کی اہلیہ یعنی مرزا محمد رفیع سودا کی والدہ نعمت خان عالی کی صاحبزادی تھیں۔

(سودا، طبع دوم ص ۴۷)

ان دونوں کے علاوہ" ہمہ اولاد" میں کسی کا حال معلوم نہیں۔

سنا ہے کہ بدایوں، مراد آباد، بلند شہر میں عالی کی اولاد تقسیم سے پہلے تک موجود تھی اور مظہر علی نامی ایک صاحب کہتے تھے کہ پوراسی گاؤں کی جاگیر بھی مدتوں باقی رہی۔

تالیفات : نعمت خان عالی نے اچھی خاصی کتابیں لکھیں اور تقریباً سب کتابیں مقبول ہوئیں، بعض کتابیں مدتوں فارسی کے اعلیٰ نصاب میں پڑھائی جاتی رہیں اور اب سے سو، سوا سو برس پہلے ان کے متعدد ایڈیشن چھپے۔ اسٹوری نے اپنی فہرست میں آٹھ کتابوں اور رسالوں کے نام لکھے ہیں جنہیں جناب پیر حسام الدین راشدی نے بترتیب نقل کیا ہے۔ (حاشیۂ تذکرۂ شعرائے کشمیر ص ۲۵۶) لیکن اس فہرست میں ایک اہم تالیف کا نام موجود نہیں اور بعض خط یا انشائیے مکرر ہو گئے ہیں۔ میں نے عالی کے تالیفات یہ معلوم کیے ہیں:

نعمتِ عظمیٰ، اسٹوری سے روایت چلی اور مجھ سمیت سب کو اشتباہ ہوا کہ یہ تفسیر نعمت خان عالی ہوگی۔ تفسیر دیکھی تو اس کے مصنف نکلے نورالدین عرف نعمت اللہ ولی صاحب جو مفسر سنی وشامنی ہیں۔

۔ وقائع نعمت خان عالی (حیدر آباد کے سات دن کی رپورٹ) طبع اوّل ۱۲۶۵ھ

۔ دیوانِ عالی۔ طبع اوّل ۱۸۸۱ء۔ ۴۔ حسن وعشق۔ شہزادے کی شادی کا حال طبع اوّل ۱۲۵۹ھ

۔ جنگ نامہ، جنگ اودے پور اور دو شہزادوں کا اختلاف۔ (طبع ۱۲۵۹ھ)۔ ۶۔ سخن عالی، عارفانہ واخلاقی مثنوی جس کا ایک ناقص الآخر نسخہ کتب خانۂ پنجاب یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ یہ کتاب سترہ سطری مسطر کے ایک سو چورانوے صفحات پر مشتمل ہے اور تقریباً ساڑھے تین ہزار شعروں کا مجموعہ ہے۔ اس کی بحر مثنوی مولانا روم کی ہے اور اسی انداز کو پیش نظر رکھ کر لکھی ہے۔ اس کا آغاز ہے:

حمد و شکر او را کہ ہر چہ ہست از دست دام ہستی حلقۂ وارازہای وہوست
لا و الا مایۂ ہر قید شد تار و پود از بہر دام صید شد

یہ مثنوی کم یاب اور غیر مطبوعہ ہے۔ ۷۔ شاہ نامہ شاہ عالم۔ نایاب و غیر مطبوعہ

رقعات و مضحکات۔ طبع اول ۱۲۶۱ھ

پہلے حصہ میں چند ادبیانہ خط ہیں، جن میں شوخی و طنز و مزاح و مزاج پرسی یا شکریے ہیں
دوسرا حصہ لطائف و حکایات پر مشتمل ہے، جس میں بعض چیزیں بہت کھلی ہوئی ہیں۔

بعض کتب خانوں میں "راحت القلوب" اور "رسالۂ ہجو حکما" علیحدہ صورت میں ہے اس لیے اسٹوری نے انہیں مستقل طور پر ایک کتاب مانا ہے۔ میرے خیال میں یہ دونوں تالیف نمبر ۷ میں موجود ہیں۔

مصادر

① دیوانِ عالی۔ نول کشور، لکھنو ۱۸۸۱ء۔ ۔ وقائع۔ نول کشور، لکھنو ۱۹۲۸ء۔ ۔ سخن عالی۔ قلمی مخزونہ

کتب خانہ دانش گاہ پنجاب۔ لاہور۔ • جنگ نامہ۔ مجتبائی لکھنو ۱۳۱۶ھ۔ • حسن وعشق۔ مطبع محمدی لکھنو ۱۲۵۹ھ
• رقعات ومضحکات۔ کلاں کوٹھی لکھنو ۱۲۶۱ھ۔ • ہجو حکما۔ قلمی، کتب خانہ، دانش گاہ پنجاب۔ لاہور۔

(۲) سرو آزاد۔ غلام علی آزاد۔ لاہور۔ ۱۹۱۳ء۔ • خزانۂ عامرہ۔ غلام علی آزاد۔ کان پور ۱۸۷۱ء۔
• کلمات الشعرا۔ سرخوش۔ لاہور، طبع دوم۔ • سفینۂ خوش گو۔ بندرابن داس پٹنہ ہند ۱۹۵۹ء
• تذکرۂ شعرائے کشمیر۔ اصلاح، میرزا۔ بحواشی پیر حسام الدین راشدی۔ طبع کراچی ۱۹۶۸ء۔ • روح بیدل۔
ڈاکٹر عبد الغنی۔ لاہور۔ ۱۹۶۸ء • سودا۔ شیخ چاند۔ کراچی۔ ۱۹۶۳ء۔ • ہمیشہ بہار۔ کشن چند اخلاص کراچی ۱۹۷۳ء
• صنادید عجم۔ مہدی حسین ناصری۔ الہ آباد۔ ۱۹۴۱ء۔ • ارمغانِ پاک۔ ڈاکٹر محمد اکرام۔ لاہور ۱۹۵۳ء
• پزشکان نامی پارس۔ ڈاکٹر محمد تقی میر۔ ایران سنہ ندارد۔ • اطبائے عہد مغلیہ۔ حکیم کوثر چاندپوری
کراچی ۱۹۶۰ء۔ • تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند، چوتھی جلد، فارسی ادب دوم ص ۱۲۴ طبع ۱۹۷۱ء
جس میں میں نے عالی کی ادبی حیثیت پر مختصر گفتگو کی ہے۔ • نزہتہ الخواطر ج ۶ ص ۲۶۴۔

نثار علی، سرائے میری: ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء

مولوی نثار علی صاحب، قصبۂ سرائے میر، اعظم گڑھ کے متوطن اور مبارک پور کے عالم رمضان شاہ کے مدرسے میں مدرس تھے۔ ۱۱ اپریل ۱۸۱۳ء کو مبارک پور جو ہندو مسلم تصادم ہوا تھا۔ اس کے چشم دید گواہ کی گواہی کا ایک پیراگراف، جس سے نثار علی صاحب کی علمی حیثیت اور سپاہیانہ مہارت پر روشنی پڑتی ہے مولوی حسن علی صاحب کے بقول:

"اس امام باڑے کے تین طرف بہت خوش قطع سائبان بھی تھے اور اسی میں ایک بڑے متبحر عالم، فاضل بے مثل، مولوی نثار علی ساکن سرائے میر، برادر زادۂ شیخ جان علی صاحب، خوش نویس، علوم عربی و فارسی کا درس دیتے تھے اور اسی امام باڑے میں قیام پذیر تھے۔ انھوں نے ایسی شجاعت و دلیری کی کہ فقط تن تنہا بیس پچیس دشمنوں کو، جو اُن میں بڑے جنگی اور بہادری میں مشہور تھے فی النار کیا، ان سبھوں نے دیکھا کہ ہم کسی طرح شمشیر زنی میں عہدہ برآ نہ ہوسکیں گے تو پشت کی جانب جاکر گولی ماری۔ باوصف گولی لگنے کے دو جوان قوی کو گرتے گرتے مارا۔ جب مولوی نثار علی نے اپنی جان کو فی سبیل اللہ نثار کیا، تب بہت سے دشمن دوڑے کہ انکی سیف لے لیں۔ وہ بہت عمدہ اور بیش قیمت اور بے مثل زمانہ تھی، اس وقت وہ عالمِ ضعف و ناتوانی میں پڑے تھے۔ دونوں کو آتے دیکھ کر ایسی ضرب لگائی کہ دونوں آدمیوں کے پیر کٹ گئے۔ ان کے بعد دس آدمیوں نے حملہ کرکے مارا اور تلوار لے گئے۔ وہ تلوار ۱۸۵۷ء تک ایک زمیندار کے پاس تھی۔" مولانا نثار علی کا مزار رمضان شاہ کے امام باڑے میں تھا۔

قاضی اطہر نے ملا رحمت علی اسماعیلی کی زبانی لکھا ہے :

ملا نثار علی مبارک پور سے حج کی نیت کر کے سورت پہنچے اور وہاں مذہب اسماعیلی قبول کیا۔ (بہ زمانہ داعی مطلق ملا سیف الدین عبد العلی متوفی ۱۲۲۴ھ کا تھا) لیکن مولوی نثار علی کا آخری دنوں امام باڑے میں رہنا اور وہاں کے مدرسے میں پڑھانا اس روایت کی تردید اور مولوی صاحب کا تشیع ثابت کرتا ہے۔

(شجرۂ مبارکہ۔ ص ۹۹ - ۱۰۱)

نوربخش، سید میر محمد :

۷۹۵ھ / ۱۳۹۲
۸۶۸ھ / ۱۴۶۳

عربی الاصل، کاظمی النسل سید عبد اللہ قطیف میں پیدا ہوئے۔ وطن میں ہوش سنبھالا، جوان ہوئے تو وطن سے نکلے۔ زیارت امام رضا علیہ السلام کی غرض سے مشہد آئے، خراسان کی آب و ہوا راس آئی تو قائن میں گھر بنایا اور وہیں شادی کی۔ ان کے خسر کا نام سید شہاب الدین بتایا جاتا ہے۔

۷۹۵ھ کو قائن میں سید نوربخش کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم میں ذہانت و ذکاوت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور نوعمری ہی میں تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ حساس طبیعت اور قلبی رقت اور تصوف پسند مزاج تھا۔ لہٰذا خواجہ اسحاق ختلانی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ خواجہ اسحٰق میر سید علی ہمدانی کے مرید تھے۔

خواجہ اسحاق نے اپنے پیر کا عطا کردہ خرقہ سید محمد کو دیا اور نوربخش کا خطاب بخشا اور کچھ عرصے بعد مع اپنے مریدوں کے نوربخش کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

سلطان شاہ رخ میرزا کا دور تھا، خواجہ اسحاق اور دوسرے ساتھیوں نے نوربخش کی قائدانہ صلاحیتوں اور سپاہیانہ قوتوں کا اندازہ لگانے کے بعد سید صاحب کو حکومت سے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا۔

ختلان کے حاکم سلطان بایزید نے نوربخش کی سیاسی قوت اور مریدوں کی کثرت، حکومت پر تنقید اور اصلاح و دعوت کی مہم دیکھ کر، آدمی بھیجے اور نوربخش، خواجہ اسحاق اور کچھ ساتھیوں کو گرفتار کرا لیا۔ خواجہ کو ۸۲۶ھ میں بلخ میں قتل کر دیا گیا۔ اور سید محمد مع ساتھیوں کے ہرات پہنچا دیئے گئے۔ ہرات میں اٹھارہ دن تک ایک کنویں میں قید رہ کر شیراز کی راہ سے انھیں وطن پہنچا دیا گیا۔

سید محمد نوربخش خوزستان میں تھے جو گرفتار ہوئے۔ سلطان ابراہیم نے اس قید سے رہائی دی۔ اس کے بعد آپ شوستر، بصرہ اور حلے گئے جو شیعہ علماء کا مرکز اور دینی علوم کا شہر تھا۔ اہل حلہ نے آپ کی پذیرائی

کی نگران کے تصوف نے بغداد اور کردستان اور مضافات کے علاقوں کو پسند کیا یہاں آپ کے نام کا خطبہ پڑھایا گیا، سکہ جاری ہوا اور خلافت قائم ہوئی۔ آپ جہاں گئے لوگوں نے والہانہ استقبال کیا، زبان کی تیزی، تقریر کے اثر اور اصلاح و دعوت کی معقولیت ہر روز مقبول ہوتی گئی۔ شاہ رخ میرزا کو نور بخش کے کردستان آنے کی اطلاع ملی تو اس نے آذر بائیجان سے حکم بھیجا کہ سید محمد کو مریدوں کے ساتھ جہاں ملیں گرفتار کر لو۔ نور غرض سید محمد گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیے گئے۔ بادشاہ نے نظر بندی کا حکم دے دیا۔ نور بخش وہاں سے موقع پا کر نکلے اور ادھر ادھر پناہ لیتے رہے مگر گرفتار ہوئے۔ آخر ہرات میں اعلان خلافت سے بے تعلقی کا اعلان کرایا گیا۔ ۸۴۵ھ میں آپ کی اسیری ختم ہوئی اور تبریز سے روم جانے کا حکم ملا۔ نور بخش اس کے بعد دور دور تک تبلیغی دورے کرتے رہے۔ بلتستان، اسکردو، خپلو وغیرہ میں یارقند و بلخ وغیرہ کی راہ سے نور بخش نے تعلیمات سے تشیع کو فروغ دیا۔ ان کے بعض صوفی منش اور سیاسی اتحاد کے علمبردار اس وقت صوفی خیالات اور شیعی اعمال کے پابند ہیں۔ (مجالس المؤمنین)

وفات سید محمد نور بخش نے ۸۶۸ھ میں رحلت کی۔ (ماہنامہ حبل المتین، رجب ۱۳۹۵ھ بلتستان حسین آباد اسکردو)

نور حسین، ڈاکٹر:

۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

حاجی الحرمین مولوی ابوالمنصور نور حسین کربلائی ۱۹۱۰ء میں ریاست ٹیری خٹک افغان ضلع کوہاٹ کے اسپتال کے انچارج مولوی نور حسین اور حکیم امیر الدین دونوں جناب علامہ عبدالعلی ہروی سے طویل علمی مذاکرات کے بعد شیعہ ہوگئے تھے۔ (مراسلات، دیکھیے البرہان لودھیانہ ۱۹۱۱ء) آخر عمر میں جھنگ آگئے اور سر سید، ولی محمد مگھیانوی اور دوسرے سنی حضرات کی کتابوں کے جواب لکھنے اور مناظرہ کرنے اور تبلیغ دین میں مصروف رہے

امیر الدین) نیز • ظہور المہدی (طبع ۱۹۱۰ء) • ثبوت خلافت • ثبوت نبوت • اسیاف الامامۃ • فیصلۂ حقانی۔ • تحفۂ نورانی • تکذیب قادیانی۔ نور حسین صاحب کی تاریخ وفات ۲۷ رمضان ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۰ء ہے۔

نور الدین، جزائری، لکھنوی:

۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء

جناب مولانا سید نور الدین، مفتی محمد عباس صاحب کے فرزند لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ والد اور معاصر اساتذہ سے تعلیم حاصل کر کے حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔

حیدر آباد سے بیمار واپس آئے اور ۷ رجون ۱۹۱۲ء جمادی الثانیہ ۱۳۳۰ھ کو لکھنؤ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہی۔

(الواعظ۔ مئی ۱۹۵۳ء)

نوراللہ، نعیم الدین :

حدود ۸۵۰ھ / ۱۴۴۶ء

عارف و عالم صاحب دعوت و تبلیغ حضرت شاہ نوراللہ، نعیم الدین بن شاہ برہان الدین خلیل اللہ اول (۷۷۵ - ۸۴۷ھ) بن نورالدین شاہ نعمت اللہ دلی (۲۲ رجب ۷۳۰ھ - پنجشنبہ ۲۲ رجب ۸۳۴ھ) احمد شاہ قطب شاہ کے داماد تھے۔ جب احمد شاہ (۲۵ - ۸۳۸ھ) نے گیسو دراز کی وفات (۸۲۵ھ) کے بعد نعمت اللہ شاہ کو پیر مانا تو دکن میں تشیع کا آغاز ہوا۔ (حاشیہ تحفۃ الکرام ص مقابل ۳۷۸)

نوراللہ شوستری، شہید ثالث، قاضی :

۹۵۶ھ / ۱۵۴۹ء
۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰ء

مولانا السید نوراللہ بن شریف حسینی مرعشی برصغیر کے ان عظیم ترین علماء میں ہیں جن کی جاں فروشی نے دین کو قوت اور جن کی موت کو اسلام نے زندگی بنایا۔ برصغیر میں تشیع کا داخلہ "آل نسب" اور ان مہاجر سادات کی وجہ سے ہوا جو دمشق اور بغداد کی حکومتوں سے گھبرا چکے تھے یا والیوں اور حاکموں کے اس قتل و غارت کے طوفانوں نے ان کے بزرگوں اور بچوں کی آبرو اور زندگی لوٹ لی تھی۔ سادات کے یہ قافلے سندھ آئے، ملتان میں پڑاؤ کیا۔ سندھ اور ملتان سے راجپوتانہ، دہلی، آگرہ وغیرہ میں پھیل گئے۔ ان سادات و مومنین کے ساتھ ساتھ اموی و عباسی طرفدار بھی مسلسل طالع آزمائی کے لیے آرہے تھے۔ وہ آل محمدؐ سے ہمدردی و محبت رکھنے والوں کے خلاف سخت سے سخت اقدام کرنے سے نہ رکتے تھے۔ تیسری صدی ہجری کے بعد سندھ و ملتان میں شیعوں کے لیے فضا اتنی ہموار ہوگئی کہ جعفر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر الاطرف بن امیرالمومنین (جو حجاز سے ملتان آئے تھے) ملتان کے حکمران ہو گئے۔ اس قوت نے شیعہ عوام کو ابھارا اور برصغیر کے اسلامی حلقوں میں شیعہ تہذیب و افکار کا چرچا ہونے لگا، کہ محمود غزنوی نے ملتان و سندھ میں خون کے دریا بہا دیئے اور نام یہ تھا کہ ملاحدہ و قرامطہ کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اس انقلاب نے برصغیر میں شیعوں کو اتنا ہی مبغوض عوام بنا دیا جتنا وہ عرب و ایران میں تھے۔ ان کی تعلیم و افکار و تاریخ کے ذخیرے تباہ ہو گئے۔ اور وہ سب پھر بے مرکز ہو گئے۔ دو صدیوں کے بعد اتفاق سے ایک عالم و عارف نظر آئے جو سندھ و ملتان سے نکل کر گجرات کے ہندوؤں میں داخل ہوئے انھیں اسلام کی تعلیم دی جس کے نتیجے میں مرآت احمدی کی لفظوں میں "چوں مولانا محمد علی شیعی مذہب بود تمامی برہمان مذہب استقامت داشتند و اکثر بصلاح و تقویٰ مذہب شیعہ اثنا عشری داشتند" (کتاب مذکور طبع کلکتہ ص ۱۳۰)

ادھر چنگیزیوں کے حملۂ بغداد و ایران سے عرب و عجم کے قافلے دوبارہ برصغیر آئے۔ ان لوگوں نے مختلف مقامات آباد کیے۔ فرشتہ کے بقول دہلی میں شیعوں کا محلہ وجود میں آیا۔ اب کی مرتبہ سلطان فیروز شاہ تغلق متوفی

۹۰۷ھ نے ان کے جوشیلے اور سربرآوردہ لوگوں کو قتل کیا، کتب خانے جلائے اور باقی ماندہ اشخاص کو مکمل خاموش رہنے کا پابند کیا۔ اس سانحے نے دوبارہ شیعی تاریخ و فکر کو منقطع کیا (فتوحات فیروز شاہی) ان حالات کو دیکھ کر شیعہ علماء و عرفا، کشمیر و دکن کی پہاڑیوں میں نکل گئے۔ اسی دور میں میر شہداء نے ملتان، سندھ و پنجاب میں اور شمس الدین عراقی نے کشمیر میں اور ملا طاہر نے دکن میں بہت بڑی بڑی تبلیغی کامیابیاں حاصل کرلیں۔ اور جمادی الاولی ۹۰۸ھ میں یوسف عادل شاہ نے تشیع کا اعلان کردیا۔ اور برصغیر میں پہلی مرتبہ تشیع حکومت کا قانونی مذہب بھی قرار پایا۔

ہمایوں کی ایران سے واپسی اور ترکمان بیرم خان خان خاناں کی غیر معمولی سیاسی شخصیت نے مرکزی حکومت میں بھی شیعہ فکر و نظر سے اجنبیت کے پردے ہٹائے۔ اکبر کے دربار میں جب تمام مذاہب کو آزادی ملی تو شیعہ گھر کے آدمی تھے۔ ان کے علما نسبتاً زیادہ نمایاں تھے۔ جیسے فتح اللہ شیرازی ملا احمد ٹھٹھوی و ملا محمد یزدی اور نور اللہ شوستری، نیز سیاسی اقتدار میں ابوالفضل و فیضی، شعراء میں عرفی و نظیری وغیرہ۔

ملا احمد اپنے جدید التشیع ہونے کی وجہ سے شمشیر برہنہ تھے۔ مرزا فولاد برلاس نے انہیں لاہور میں قتل کردیا۔ لیکن ملا فتح اللہ شیرازی اور ملا نور اللہ شوستری پر ہاتھ ڈالنا مشکل تھا۔ ان میں سے ایک فلسفہ و سائنس، انتظام و قانون کا رکن رکین تھا اور دوسرا اپنی حیرت انگیز فقہی بصیرت اور ذاتی تقدس و پاکیزہ نفسی کی بنا پر ہر ایک کی نظر میں ممدوح تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی معاصر تاریخ میں شیعہ امراء و علما میں صرف انہی دو بزرگوں کی تعریف کی ہے۔

فتح اللہ شیرازی کا میدان فلسفہ و سائنس تھا وہ ادھر نکل گئے۔ نور اللہ شوستری خانوادۂ محدثین و فقہا سے تھے۔ ان کی تعلیم شیعہ مدارس دینیہ میں ہوئی تھی۔ ان کے والد سید شریف اور چچا سید صدر فقہ و حدیث، تفسیر و عقائد کے عظیم مدرس تھے۔ موصوف نے ان بزرگوں اور معاصر اساتذہ سے کمال علم حاصل کیا۔

۹۷۴ھ میں امام رضاؑ کی زیارت کے لیے مشہد گئے اور مولانا عبدالواحد علیہ الرحمہ کے حلقۂ درس میں بیٹھ گئے۔ مشہد مقدس کی پرسکون علمی فضا میں نور اللہؒ کا دل لگ گیا۔ مرکز علم میں مختلف علاقوں کے بڑے بڑے علما آتے تو ان سے مذاکرے اور ملاقاتیں کرتے۔ اس سے ذہن کو دراکی اور طبیعت کو براقی ملی۔ علاء الملک نے محفل فردوس میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ سید فاضل عز الدین فضل اللہ یزدی زیارت مشہد کیلئے آئے تو جناب ملا صدرا کی خدمت میں حاضری دی۔ موصوف اپنے سفر حج کا تذکرہ کرتے ہوئے کہنے لگے شیخ ابوالحسن بکری مصری بڑے منصف مزاج اور باکمال عالم اہل سنت تھے۔ میں ان کی خدمت میں سنی شیعہ مسائل میں مشکلات حل کرنے جاتا تھا۔ ایک روز میں نے سوال کیا، شیعوں کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ " انبیا قبل بعثت و نبوت بھی معصوم ہوئے ہیں۔

حالانکہ قبل بعثت نہ صاحبِ دین ہوتا ہے نہ شریعت جس کے احکام کے مطابق ان سے مواخذہ کیا جائے"۔
شیخ ابوالحسن بکری مصری نے جواب دیا "شیعوں کی مراد اس قول سے یہ ہے کہ چونکہ نبی کی فطرت سالم اور طبیعت پاکیزہ ہوتی ہے اس لیے اگر قبل بعثت نبوت بھی کوئی شریعت موجود ہوتی تو ان سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جس سے اس شریعت کے لحاظ سے مواخذہ کیا جاسکتا"۔
قاضی صاحب یہ سن کر بے چین ہو گئے وہ اس سے بہتر جواب دینا چاہتے تھے مگر آداب مجلس مانع تھے۔ آخر ہمت کر کے عم محترم سے اجازت لی اور اس نو عمری میں بولے "اصولِ شیعہ میں حسن و قبح عقلی ہے اس لیے اگر بعثت سے پہلے ان کی طرف حکمِ شریعت نہ بھی متوجہ ہو تب بھی اس قاعدہ کی بنا پر ان سے ارتکاب معاصی پر مواخذہ کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا انبیا کا قبلِ بعثت بھی معصوم ہونا ضروری ہے۔ اس واقعے سے نور اللہؒ کی علمی و ذہنی سطح نمایاں ہوتی ہے۔ وہ اپنی اس غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے شہرت و ناموری حاصل کرتے رہے۔ ان کے اساتذہ عبدالوحید شوستری، عبدالواحد مشہدی وغیرہم نے اجازے دیے اور نور اللہؒ درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں منہمک ہو گئے۔
ملا فتح اللہ شیرازیؒ اپنے عہد کے بوعلی سینا، با میر باقر داماد تھے۔ اکبر نے انہیں دکن سے آگرہ بلا لیا۔ ۹۹۱ھ میں حکیم صاحب دربار میں کرسی نشین ہوئے تو انھوں نے اپنے ذوق و مسلک کے ارباب کمال کو جمع کرنا چاہا۔ ان حضرات میں جناب مولانا نور اللہ شوستری کا نام بھی ہے۔ حکیم فتح اللہ نے موصوف کو آگرے بلایا۔ بروایت محفل فردوس مولانا نور اللہؒ حکیم ابوالفتح گیلانی کے یہاں ٹھہرے۔ حکیم ابوالفتح گیلانی ۹۸۳ھ سے دربارِ اکبری کے معزز رکن تھے۔ ہوسکتا ہے کہ قاضی صاحب کو گیلانی ہی نے دعوت دی ہو
حکیم ابوالفتح گیلانی کا ایک خط ملا صاحب کے نام ایسا ہے جس سے دونوں دوستوں کے گہرے تعلقات اور محبت و احترام کے مدارج واضح ہوتے ہیں۔
در جواب بقاضی نور اللہ شوستری در وقتی کہ او در بیماری خود نوشتہ بود :
"گرامی رقعۂ کامل الذاتی کہ استقامت ذاتِ سامیش مسؤل ہر صحیح و بیمار است، شفا بخش خاطر رنجوراں بل نعم البدل آبِ حیات بود۔ عرق شرم بر جبین و سر خجالت بر زمین افگند۔ دعائے دوستاں از زبانِ نیکاں مستجاب باد۔ تا استجابت دعاهای ما گمراہاں را دراں بارگاہ بار نیست، کلفت خبر بیماری سریع الزوال شما از خلاص خود مایوس شدگان را دل کوب تر نمودہ۔ فرد

مرگست دوری از عدم تشویش هستی دیدہ را
یارب ز خواب نیستی در حشر بیدارم مکن

برپریشانی خاطر شخصی کہ بمعائب نفس ناطقہ رسیدہ باشد وبصد ناامیدی دست از اصلاح خود شستہ نصور فرمودہ ہمتی درکار ماپست فطرتاں دارند، تاخود را از تحت الثرای طبع خلاص کردہ بہ اقصای غایت نفس ناطقہ توانند رسانید و اھل روزگار را از شر خود خلاصی توانند بخشید۔ پنجم رجب المرجب ۹۹۶ھ نوشتہ شد۔"

(رقعات حکیم ابوالفتح گیلانی، طبع لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۱۵،۱۱۶)

درباری زبان اور عقیدت مندانہ عرض نیاز، اپنی کوتاہیوں کا اعتراف، دینی اقدار کو پوری طرح بروئے کار نہ لانے پر معذرت اور صحت و رفع مرض کی آرزو و دعا اور قاضی صاحب کی دینی خدمات پر شکریہ۔

ملا نوراللہ نے فتح پور سیکری، اکبرآباد، لاہور، کشمیر میں بھی اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ کشمیر کی مساحت و مردم شماری ان کا کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ جب قاضی معین لاہوری (م ۹۹۵ھ) ضعف و پیری کی بنا پر قضاوت لاہور سے ریٹائرڈ ہوئے تو علامہ نوراللہ کو ان کی جگہ قاضی دارالسلطنت لاہور مقرر کیا گیا آپ نے یہ عہدہ قبول کرتے ہوئے شرط کی تھی کہ مذاہب اربعۂ فقہ میں سے وہ ایک دبستان کے پابند نہ ہوں گے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی جس فقہ کی رو سے چاہیں گے فیصلہ کریں گے۔ اس شرط نے ایک تو ان کی فقہ اسلام سے مکمل باخبری پر روشنی ڈالی۔ دوسرے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نوراللہ فقہ جعفری کے عظیم مجتہد تھے، انھوں نے اپنی قضاوت کے ذریعے قانونِ اسلام کے عملی اور نافذ العمل ہونے کا ثبوت مہیا کیا، اس بنا پر انھیں شیخ مفید، شیخ ابوجعفر طوسی اور علامۂ حلی رحمہم اللہ کا درجہ دیا جاتا ہے۔ نوراللہ شوستری نے برصغیر میں تفسیر و فقہ و حدیث و عقائد امامیہ کا درس بھی دیا۔ تبلیغ بھی کی۔ ان کی کتاب[1] "احقاق الحق" پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ وسعت نظر کا عالم کیا ہے؛ فرق اسلام، ان کے کلیات و جزئیات عقائد ان کی حدیث و تفسیر اور

---

[1] احقاق الحق کے خاتمے میں قاضی صاحب نے آگرے کو "اکرہ البلاد" لکھا ہے۔ نواب عنایت خان راسخ کی بیاض (مخزونہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) علمائے عرب و عجم کے نام قاضی صاحب کے خطوط پر مشتمل ہے، ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے آخری دور میں قاضی صاحب کا دورِ ابتلا شروع ہو گیا تھا، متعصب امرا و علما نے انھیں نظر بند کر رکھا تھا۔ چنانچہ قاضی صاحب نے علامہ بہاؤالدین کو لکھا تھا کہ مجھے حکومت نے عراق و خراسان جانے سے روک دیا ہے۔"

تاریخ و تہذیب پر حیرت انگیز قابلیت کے ساتھ بحث کی ہے۔ ہر بات کی رد اور ہر اعتراض کا جواب دیا ہے۔ انھوں نے لاہور اور آگرے کے مرکزی شہروں میں مذہب امامیہ کا مضبوط دفاع کیا۔ ارباب سیاست اور صاحبان علم نے جو صدیوں سے شیعوں کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ ان کے حلقوں کو توڑا

قضارا ۹۹۶ھ میں ملا احمد ٹھٹھوی قتل ہوئے۔ ۹۹۷ھ میں عضد الدولہ میر فتح اللہ شیرازی اور حکیم ابوالفتح گیلانی نے وفات پائی۔ فیضی نے ۱۰۰۴ھ اور ابوالفضل نے ۱۰۱۱ھ میں رحلت کی۔ اب قاضی نور اللہ اکیلے تھے۔

۱۰۱۴ھ میں قاضی صاحب آگرے میں تھے، اور علامہ روزبہان کی کتاب "ابطال الباطل" کی وجہ سے شیعوں پر سختیاں ہو رہی تھیں۔ اس صورت حال میں علامۂ شہید نے احقاق الحق کے نام سے جواب لکھنے پر کمر باندھی اور انتہائی پریشان حالی میں اس کا جواب لکھا جو ربیع الاول ۱۰۱۴ھ میں مکمل ہوا۔ اسی سال یعنی ۱۳ جمادی الثانیہ ۱۰۱۴ھ کو اکبر نے رحلت کی۔ اس کے بعد حالات دگرگوں ہو گئے۔ نئے بادشاہ نے پرانے نظام کو اپنے خیال کے مطابق بدلا۔ پرانے برسر اقتدار لوگ زوال آمادہ ہوئے۔ مجرم اور بے جرم و قصور معتوب ہوئے۔ بعض خفیہ اور دبی ہوئی تحریکیں ابھریں اس سلسلے میں قاضی صاحب بھی نشانہ بنے قاضی صاحب مدت سے مرجع شیعیت اور عظیم و جامع علوم محقق کی حیثیت سے با اثر تھے آخر سے ان کی شخصیت کو نقصان پہنچانے کے لئے پہلے لشکر شاہی" کا قاضی مقرر کیا گیا پھر ان کے خلاف مختلف الزامات تراشے گئے جن کی تہہ میں قاضی صاحب کی دینی استقامت اور نصرت تشیع اور دفاعی جوابات تھے۔

ادھر شیخ احمد سرہندی کا گروہ خاص نصب العین لے کر اٹھا، فضا مسموم ہو گئی۔ قاضی نور اللہ دعوت و تبلیغ میں راسخ القدم رہے۔ ان کے تمام اقدامات دفاعی تھے۔ وہ حق میں خطرہ اور حق گوئی میں باک نہ رکھتے تھے۔ ان کے شیعہ معاصر محدث و عالم، میر یوسف اکبر آبادی نے کبھی مشورہ دیا تھا کہ آپ دشمنوں سے ڈریئے اور عزت و جان بچانے کے لیے تقیہ کیجیے۔ آپ نے مجاہدانہ و عارفانہ جواب دیا تھا۔

"باعتقاد فقیر در دار الملک ہند بدولت بادشاہ عادل جائے تقیہ نیست و اگر جائے تقیہ باشد بر امثال فقیر واجب نیست۔ زیرا کہ کشتہ شدن امثال فقیر در نصرت مذہب حق موجب عزت دین است و صاحب شرع رخصت دادہ اند، چنیں کسے تقیہ نکند۔ اما دیگرے را کہ درمیان اہل دین او را اسمے و رسمے نہ باشد و در نصرت دین معقول نتواند گفت، واجب است کہ تقیہ کند"۔ (مکاتیب یوسف علی اخباری و شہید ثالث مرتبہ عبد الرحیم بغدادی۔ مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ نمبر ۱۸۴ افن کلام)

ظاہر ہے ایسے با اصول مجاہد ہی دار و رسن کی آزمائش سے گذرتے ہیں۔ یہ رتبۂ بلند ملا، جس کو مل گیا ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں جہاں گیر نے قتل کے لیے فتوے مانگے۔ بیالیس مہروں اور

فتووں کے ذریعے فیصلہ دیا گیا۔
(۱) سو خار دار درے لگائے جائیں۔ (۲) سیسہ پگھلا کر پلا یا جائے۔ (۳) گدی سے زبان کھینچی جائے۔ (۴) سر قلم کیا جائے۔[۱]

شہادت : ۲۶ ربیع الاوّل ۱۰۱۹ھ کو آپ جلاد کے سامنے لائے گئے۔ آپ نے دو رکعت نماز کی اجازت مانگی۔ نماز کے بعد ایک ٹھیکرے پر یہ آیت لکھ کر فضا میں پھینکی۔

"ربّ انی مغلوب فانتصر"

ٹھیکری واپس آئی تو لوگوں نے دیکھا اس پر لکھا تھا۔

"ان کنت عبدی فاصطبر"

اس کے بعد بادشاہ کے حکم سے بدترین اذیتیں پہنچا کر جامِ شہادت پلایا گیا اور آپ کا جسم مقدس ایک ویران جگہ پر پھینک دیا گیا۔

مزار : سیاسی طور پر یہ سزائیں عوام کو ڈرانے کیلئے عمل میں لاتے ہیں۔ قاضی صاحب کی شہادت کا مقصد بھی یہی تھا۔ لوگوں کو دفن سے روک دیا گیا اور لوگوں کی ہمت ٹوٹ گئی۔ شہر میں دو مسافر اور ایک شہری نے کمر ہمت باندھی۔ ان میں ایک سید راجو بخاری تھے جو قاضی صاحب کی خدمت میں زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ یہ عابد و زاہد عارف اور عالم بزرگوار تھے، کہتے ہیں کہ جہانگیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ بصد ناراضگی فرما رہے ہیں۔

"میرے فرزند کی لاش کو دفن کرنے سے کیوں روکتا ہے۔"

بادشاہ نے اعلان کروا دیا کہ قاضی صاحب کے ہم مذہب انہیں دفن کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سید راجو شاہ اور ان کے ساتھیوں نے شہید کو سپرد لحد کیا اور قبر کی دیکھ بھال کے لیے وہیں رہنے لگے۔

قاضی صاحب کے صاحبزادے سید شریف الحسینی بھی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ۵ ربیع الاوّل ۱۰۲۰ھ کو اس عالم جلیل نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ اور سید راجو شاہ بھی دشمنوں کی کوشش سے آگرے سے چلے گئے اور قصبہ باڑی دھولپور میں جاں بحق ہوئے جہاں ان کا مزار زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ گوالیار میں ایک ایرانی سردار تھا جسے حضرت فاطمہ زہراؑ نے خواب میں حکم دیا کہ میرے فرزند کی لاش بے گور و کفن ہے۔ اس کی تجہیز و تکفین کا سامان کرو۔ وہ سردار اپنا رسالہ لے کر ایرانی تاجروں کے ساتھ موقع پر پہنچا۔ اس وقت سید راجو لاش پر بیٹھے رو رہے تھے۔ فوج کی آمد سے لوگوں کا حوصلہ بڑھا اور شیعہ پہنچے۔ اس کے بعد جنازہ دفن کیا گیا۔

[۱] دیکھیے ص ۱۰۱

۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء میں سید محمد منصور موسوی نیشاپوری صوبہ دار آگرہ نے تجدید مزار و تعمیر حجرہ کا فریضہ انجام دیا۔ قبر پر سُرخ پتھر نصب کیا جس میں شہادت و تعمیر و تجدید کی تاریخ کندہ ہے۔ حجرے کے گرد ایک باغ لگوایا۔ کچھ عرصے بعد یہ باغ ویران ہو گیا۔ ۱۲۷۱ھ میں آیۃ اللہ سید حامد حسین موسوی صاحب عبقات الانوار اور علامہ سید اعجاز حسین مؤلف کشف الحجب والاستار زیارتِ مزار کے لیے آئے اور شوقِ آبادی مزار لے کر گئے۔ ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں حکومتِ اودھ کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۲۷۳ھ میں ملک انقلاب عظیم سے دو چار ہوا۔ دس بارہ سال میں امن ہوئی تو جناب فردوس مآب نے پھر تحریک کی۔ آخر ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں ڈپٹی علی ضامن صاحب کی جواں ہمتی سے مزار و احاطہ، مسجد و دالان بنائے گئے اور قبر پر نئی لوح نصب ہوئی جس پر بڑا نفیس مصرعِ تاریخ درج ہے :

ظالمی اطفائے نور اللہ کرد　　　قرۃ العین نبی را سر برید
سال قتل حضرت ضامن علی　　　گفت "نور اللہ سید شد شہید" ۱۰۱۹ھ

اس کے بعد مسلسل مزار کی دیکھ بھال جاری ہے۔ ۱۳۳۱ھ سے مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ نے عشرۂ مجالس شروع کیا۔ اور ۱۳۶۱ھ میں وہ خود وہاں دفن کیے گئے۔ ۱۳۹۰ھ کے لگ بھگ پوری عمارت اس کے سامنے کا میدان لاکھوں روپیہ صَرف کر کے نئی عمارت سے آباد ہوا۔ اب قاضی صاحب کا مزار، نوری باغ اور ناصر باغ کے نام سے آباد ہے۔

اولاد : • سید شریف　متوفی ۱۰۲۰ھ۔ • سید علاء الملک مؤلف احوال شہید بنام محفل فردوس۔ • سید یوسف • میر ابو المعالی م ۱۰۴۶ھ • میر علاء الدولہ

تصانیف : • حاشیہ تفسیر بیضاوی دو جلد۔ • حاشیہ دوم بر بیضاوی۔ • انس الوحید فی تفسیر آیۃ العدل والتوحید۔ • رسالہ در تفسیر انما المشرکون نجس۔ • رسالہ در تفسیر آیۃ الرؤیا۔ • تفسیر فمن یرد اللہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام۔ • احقاق الحق۔ • مجالس المومنین۔ • رسالہ تفسیر آیت (مخطوطہ ۱۰۱۰ھ سندھ یونیورسٹی میں محفوظ ہے)۔ • مصائب النواصب۔ • الصوارم المہرقہ۔ • جواب السوال عن التطہیر • غزل چغتائی • رد ابن حاجب • بہ غایت المرام فقہ (عربی)۔ • حاشیہ بر شرح شمسیہ۔ • حاشیہ بر شرح ہدایۃ الحکمت۔ • حاشیہ بر شرح ملا جامی۔ • حاشیہ بر شرح قدیمہ فلسفہ۔ • حاشیہ شرح تہذیب الاصول۔ • حاشیہ بر شرح تجرید۔ • حاشیہ بر قواعد علامہ • حاشیہ المختلف۔ • حاشیہ بر شرح چغمنی۔ • شرح اثبات واجب قدیم۔ • حاشیہ در رد چلپی۔ • حاشیہ بر بحث عذاب قبر از عقائد۔ • شرح بدیع المیزان۔ • حاشیہ تشکیک

کی شرح ۔ • نور العین ۔ • کشف العوار • رسالہ واقعۃ الشقاق ۔ • نہایۃ الاقدام ۔ • رسالہ رفع القدر ۔ • حل العقال ۔ • اللمعہ فی صلوٰۃ الجمعہ ۔ • الذکر الابقی ۔ • عدۃ الابرار ۔
• تحفۃ العقول ۔ • موائد الانعام ۔ • حاشیہ بر اجوبۂ فاخرہ ۔ • عشرہ کاملہ ۔ • حاشیہ بر ملا جلال ۔ • سبعہ سیارہ ۔ • بحث تحذیر ۔ • رسالۂ ادعیہ ۔ • رسالہ جلالیہ ۔ • رسالۂ لطیفہ
• رسالہ فی انواع الکفر ۔ • حقیقت العصمت ۔ • رسالہ فی ان الوجود لا مثل لہ ۔ • جواب اسئلہ سید حسن ۔ • رسالہ فی اثبات تشیع السید نور بخش ۔ • رسالہ در رد شبہات شیطان
• حاشیہ بر تحریر اقلیدس ۔ • حاشیہ بر خلاصۃ الرجال ۔ • دیوان قصائد و غزلیات وغیرہ
• رسالہ گل و سنبل ۔ • کتاب منشآت ۔ • رسالۂ انموذج ۔ • رسالہ در رد مقدمات الصواعق المحرقہ ۔ • السحاب المطیر ۔ • شرح خطبۃ العضدی ۔ • حاشیہ بر مطول ۔ • شرح مبحث حدوث عالم از انموذج دوانی ۔ • حاشیہ بر شرح مختصر الاصول ۔ • حاشیہ بر حاشیہ ختائی ۔
• النظر السلیم ۔ • گوہر شاہوار ۔ • رسالہ خیرات حسان ۔ • رسالہ در نجاست خمر ۔
• رسالہ فی مسئلۃ الکفارہ ۔ • رد تصحیح ایمان فرعون ۔ • رسالہ فی رد رسالۃ الکاشی ۔
• رسالہ فی رکنیۃ السجدتین ۔ • رسالہ فی غسل الجمعہ ۔ • رسالہ فی تعریف الماضی ۔ • حاشیہ بر رسالہ تحقیق کلام بدخشی ۔ • حاشیہ خطبۂ شرح مواقف ۔ • رسالہ فی لبس الحریر • شرح رباعی ابوسعید ابوالخیر ۔ • رسالۃ فی رد ماکتب بعضھم فی نفی عصمۃ الانبیا ۔ • رسالہ فی رد شبہۃ فی تحقیق العلم الالٰہی ۔ • رسالہ فی رد ما الفہ تلمیذ ابن الہمام فی بیان اقتدا الحنفیۃ بالشافعیۃ
• منتخب کتاب المحلی لابن الحزم ۔ • رسالہ در جوابات اسئلہ میر یوسف علی اخباری ۔
• حاشیۃ علی المیبذی ۔ • رسالہ فی نجاسۃ الماء القلیل ۔ • رسالۃ النور الانور والنور الازھر فی تنویر خفایا القضاء والقدر ۔ • کشکول ۔ • شرح دعاء صباح ۔ • رسالہ در فضیلت عید شجاع ۔ • رسالہ در اثبات مسح رجلین ۔ • ذکر اسماء الرواۃ المخالفین والوضاع ۔
• رسالہ صد باب اصطرلاب ۔

حوالہ : مقدمۂ احقاق الحق جلد اول طبع تہران ۱۳۷۶ھ از علامہ سید شہاب الدین مرعشی
• امل الآمل ۔ از علامہ حر عاملی ج ۲ ص ۳۳۶ ، طبع نجف ۱۳۸۵ھ ۔ • الشہید آگرہ از سبط الحسن ہنسوی ۔ رسالہ ، خاص نمبر اکتوبر ۱۹۵۷ء ۔ • تذکرۂ بے بہا ۔ از ۔ میر محمد حسین نوگانوی طبع جید برقی پریس دہلی ۔ ۱۹۳۳ء ۔ • صحیفۂ نور ، تالیف صغیر حسن ، طبع دہلی ۔ • نجوم السماء از

صابر
مرزا محمد علی، طبع لکھنو۔ • نزہۃ الخواطر از عبد الحئ ج ۵، طبع ہند۔ • تیرین از حافظ علی
طبع لکھنو ۱۹۶۲ء۔ • اعیان الشیعہ ج ۵۰۔ ص ۳۱۔ طبع دوم۔ • تذکرۂ علماء اہل سنت وجماعت
اقبال احمد فاروقی، طبع لاہور ۱۹۷۵ء۔ صفحہ ۱۰۱۔ • تذکرۂ مجید سبط الحسن طبع ۱۹۷۸ء۔ لکھنو

نیاز حسن : ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء

مولوی سید نیاز حسن بن غلام حسین صاحب برستی، حیدرآبادی برست ضلع کرنال صوبہ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ خود موصوف نے حدیقۃ الایمان میں لکھا ہے:

عرض کرتا ہے اب نیاز حسن   خدمت مومنین میں تازہ سخن
اصل ہے بارہہ وطن میرا   علم تحصیل لکھنو میں کیا
علما سے وہاں پڑھا معقول   علم منقول بھی کیا ہے حصول
جن کا میرن لقب تھا، نام حسین   مجتہد مجتہد کے نور العین
شہرہ ان کا عرب تلک پہنچا   تھے وہ مشہور، سید العلماء
لکھنو کے تھے آفتاب وہی   مجتہد واں کے تھے جناب وہی
ان سے حاصل کیا ہے فقہ واصول   بھی حدیث و کلام وہم معقول
بعد تحصیل علم کر کے سفر   پہنچا بہر زیارت حیدر
کربلا، کاظمین سامرہ   للہ الحمد سب جگہ میں گیا

جناب شیخ مازندرانی، حاج مرزا علی نقی طباطبائی سے اجازہ وتلمذ تھا۔

سفر کربلا سے جب کر پھرا   قصد میں نے طرف دکن کے کیا
حیدرآباد میں جو میں آیا   خلق یاں کے شریفوں میں پایا
دیکھی غربت مزاج میں سب کے   اور مروت مزاج میں سب کے

نواب مختار الملک سر سالار جنگ نے بڑی عزت افزائی کی۔

مدح لازم ہے اپنے محسن کی   اپنے مولا علیؑ کا ہے جو سمی
ہے سراج زماں وہ ماہ منیر   ہے وہ مختار ملک شہ کا وزیر
میر عالم نواز وہ سالار   مثل مختار قاتل کفار
بوترابی ہے وہ تراب علی   خاک پائے علیؑ و آل نبیؐ

سرکار نظام سے منصب ملا، ایک مسجد عالی شان بنوائی جس میں حوض، کنواں، زنانی مسجد، کوٹھریاں تھیں کہ مومنین قیام کریں۔ اس مسجد کی تاریخ علی حسن خاں انور شاگرد میاں عشق نے لکھی:

مسجد قبلہ نے جو بنائی — کس درجہ وسیع و خوشنما ہے
کہتا ہے غلیل ذہن کا میں — یہ ہند میں کعبہ کی بنا ہے
ہیں مہتمم بنا اکابر — کوشش سے انھیں کی سب بنا ہے
دیندار ہیں اور متقی ہیں — جو ان کی ثنا ہو وہ بجا ہے
تو سجدۂ شکر کر کے انورؔ — یہ لکھ دے، کہ خانہ خدا ہے (۱۳۰۱ھ)

اس مسجد میں ماہ صیام میں بہت بڑے مجمع میں وعظ فرماتے۔ تین تین گھنٹے تقریر کرتے تھے نظام دکن نے جب مذہبی فیصلوں کے لیے حاکم بنائے تو آپ کو شیعوں کے مقدمات فیصل کرنے کے لیے منتخب کیا لیکن آپ نے چند ماہ بعد استعفیٰ دے دیا۔

آپ نے اٹھارہ حج اور انتیس مرتبہ زیارت عراق اور سات مرتبہ زیارت مشہد مقدس کی آپ زیارت مشہد ہی کو جا رہے تھے کہ ۱۳۰۹ھ راہ میں رحلت فرمائی۔ آپ کا جنازہ امانت رکھا گیا اور تقریباً دو سال بعد کربلائے معلیٰ میں لے جا کر دفن کیے گئے۔

آپ کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔

اولاد: • مولوی بندہ حسن صاحب، متقی و عالم و زاہد۔ ۱۳۳۱ھ کربلا میں تھے۔ ۱۹۱۰ء نوگانوے آئے تھے اور ایک عزا خانے کی بنیاد رکھی تھی۔ • مولوی سید ابوالحسن عرف میرن صاحب۔ • مولوی منے آغا صاحب۔ • مولوی محمد رضا صاحب ۱۳۱۹ھ کربلا میں تھے۔

تلامذہ: • مولوی مہدی خان صاحب حیدرآبادی۔ • مولوی سید فیض الحسن صاحب مترجم، تبصرۃ المتعلمین، مطبوعہ۔ • مولوی سید اکابر حسین صاحب زید پوری۔ (جو مولانا کے داروغہ بھی تھے) • مولوی صادق علی صاحب۔ • مولوی کاظم علی صاحب امام جمعہ حیدرآباد (دکن)

تالیفات: • حدیقۃ الایمان۔ مثنوی۔ مطبوعہ۔ • حلیۃ العباد، ترجمہ زینۃ العباد مع اجازات مطبوعہ۔ (بے بہا: ۴۲۳)

. . . .

نذیر احمد، خیر اللہ پوری: ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

جناب مولانا سید نذیر احمد صاحب قبلہ مرحوم، جناب مولانا سید حشمت علی صاحب قبلہ کے فرزند تھے

موصوف نے نجف و کربلا میں علوم دین حاصل کیے اور اپنے والد بزرگوار کے بعد تمام دینی خدمات کی ذمہ داری اٹھائی اور دین کی بڑی خدمت کی۔ آخر تقریباً ستر برس کی عمر میں ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ/۱۶ اپریل ۸۰ء کو لاہور میں رحلت کی اور خیر اللہ پور میں سپرد لحد ہوئے۔

نرھو، مولوی : حدود ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء

مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی کا ایک شیعی قصبہ ہے۔ قاضی اطہر صاحب کے بقول یہ علاقہ ۸۰ سال تک اودھ کے ماتحت رہا، ان علاقوں کے دبے ہوئے شیعہ اُبھرے اور نواب آصف الدولہ کے زمانے میں رمضان علی شاہ نے "مکان" نامی امام باڑہ تعمیر کیا۔ چراغ علی کا امام باڑہ شاہ پنجہ اور سیف علی کا عزاخانہ اور مضافات میں امام باڑے اور دالان اور چوک بنے، شیعوں کو معافیاں اور جاگیریں دی گئیں، سُنیوں کو بھی امام باڑوں کی تولیت ملی، شیعہ سُنی اتحاد کو فروغ ہوا، طلبہ ایک ہی اُستاد سے پڑھتے، اسی وجہ سے مولوی جان محمد چھوٹے میاں صاحب کی نماز جنازہ، شیعہ سنیوں نے مل کر پڑھی تھی۔

امام باڑوں میں مدرسے قائم کیے گئے۔ رمضان علی کا امام باڑہ شجاع الدولہ کے زمانے میں بنا تھا۔ اس میں تعلیم کے لیے باہر سے اساتذہ بلائے گئے، جیسے نثار علی، مولوی نشان اور میر معظم حسین۔ (میاں جان محمد کے پوتے مولانا حاجی جواد حسین صاحب قبلہ نے اپنے دادا کے مدرسے کو ۱۹۲۸ء میں مدرسۂ باب العلم کے نام سے تعمیر کے بعد جاری کیا۔ یہ مدرسہ اب تک چل رہا ہے) عہدِ شاہی میں لالن مہر کا مدرسہ بشارت علی نامی مدرس کی نگرانی میں چل رہا تھا، مولوی بشارت علی نگ پور جلال پور کے رہنے والے تھے۔ قاضی اطہر صاحب کا خیال ہے۔ رمضان علی نونہرے کے مشہور عالم تھے اور وہی یہاں کے علمی اداروں کے مؤسس ہیں، لیکن یہ خیال نادرست ہے، شجاع الدولہ کی وفات ۱۱۸۸ھ میں اور رمضان علی نونہروی جو عالم تھے ان کا سنہ وفات ۱۲۷۴ھ ہے یعنی رمضان علی یقیناً ۱۱۸۸ھ کے بعد ہی پیدا ہوئے اور مبارک پور میں عزاخانوں کی تعمیر و مدارس کا قیام اس سے پہلے ہو چکا تھا۔

قاضی اطہر صاحب کہتے ہیں کہ قصبہ کی تاسیس راجہ سید مبارک مانک پوری (متوفی ۹۲۵ھ) کے ہاتھوں ہوئی، شمس الدین التمش (م ۶۳۳ھ) کے زمانے میں دو بھائی شہاب الدین اور شمس الدین گردیز سے دہلی اور دہلی سے مانک پور آن کر آباد ہوئے۔ شہاب الدین کے بیٹے تھے۔ عزالدین اور عزالدین کے بیٹے سید مبارک پڑھے لکھے بزرگ تھے۔ انھوں نے حاجی محمد علی محمد آبادی کو ایک خط لکھا جس میں امامتِ ائمۂ اثنا عشر کے بارے میں ان کی رائے پوچھی تھی اور حاجی محمد علی صاحب نے انھیں لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بخدمت راجی مبارک علی صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ از طرف فقیر محمد علی عفی عنہٗ بعد سلام سنت الاسلام آنکہ سوال از اشاعت (؟ اطاعت) امامت و وصایت کہ فرمودہ بودند معلوم نمایند کہ وصایت و امامت دوازدہ امام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ نزد اہل سنت و جماعت ثابت و متحقق است ۔ نہ باین معنی کہ شیعہ می گویند بلکہ بمعنی دیگر است ۔ چراکہ شیعہ لفظ امامت می گویند وازاں مراد نبوت می دارند ۔ و دوازدہ امام را احکام نبوت ثابت می کنند ... .

اس خط سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ مغل بلکہ اس سے پہلے مانک پور اور مُبارک پور کے اِردگرد شیعہ آباد تھے اور بعید نہیں کہ خود سید مُبارک صاحب بھی شیعہ ہوں ۔ یہ بات آٹھویں صدی ہجری کے آخر سے مربوط ہے ۔

ممکن ہے کہ یہاں کے پُرانے شیعہ باشندوں کے ضروریات دین کے لیے پنجاب کے رمضان علی شاہ آئے ہوں ۔ رمضان علی شاہ محلہ شاہ محمد پور میں ٹھہرے اور امام باڑہ و مدرسہ بنا کر مصروفِ تبلیغ ہوئے، یہی امام باڑہ ۱۸۱۳ء کے ہندو مسلم فساد میں قلعہ کے طور پر استعمال ہوا یہ امام باڑہ ۱۲۱۶ھ میں مکمل ہوا جبکہ دوسرا امام باڑہ ۱۲۰۹ھ میں تعمیر ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب تک یہاں پہلے سے شیعہ موجود نہ ہوتے اس وقت تک اتنے امام باڑے کیسے بن جاتے ؟ اس کے واضح ثبوت موجود ہیں کہ برِّصغیر میں شیعہ تھے مگر دَبے دَبے، بہر حال مبارک پور کے شیعہ مدت مدید سے علم دوست اور علما نواز تھے ۔

اِس خطے سے اس کے بعد بہت سے علما پیدا ہوئے ۔ ان علما میں مولوی زہُو صاحب اپنے عہد کے عالم محترم تھے وہ ابو اسحاق لہرادی حنفی م ۱۲۴۴ھ اور اپنے معاصر شیعہ علما کے شاگرد تھے ۔ مبارک پور اور اس کے آس پاس کی بستیوں میں تعلیم و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء کے ہنگامۂ ہندو مسلم میں ان کا گھر پھونکا گیا ۔ زہُو صاحب بھی اسی زمانے کے قریب فوت ہوئے ۔
(شجرۂ مبارکہ ۔ ص ۱۱۱۹)

لہ حاشیہ ص ۶۹۵ ۔ محمد بن عارف شیرازی نے تذکرۂ لطائف الخیال میں سید شریفؒ کی ایک ایسی رباعی نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید کے وقت آخر کسی عزیز کو بھی قتل گاہ میں جانے کی اجازت نہیں دی گئی، وہ رباعی فہرست کتب خطی کتابخانہ آستان قدس رضوی مجلد ہفتم جز اول ص ۱۵۹ سے نقل ہے :

گر خون تو ریخت خصم بدگوہر تو — شد خوں تو سرخ روی محشر تو
سوز و دل از انکہ کشتہ گشتی دیوشمع — جز دشمن تو نبود کس برسر تو

(و) والا جاہ بہادر نیشاپوری:

حدود ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء
۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء

نواب مرزا محمد بہادر جو والا جاہ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ حدود ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے موصوف نواب دلیر الدولہ دلاور الملک مرزا محمد علی خان عرف نواب آغا حیدر صاحب کے چھوٹے صاحبزادے اور لکھنو کے مقتدرین میں فیض آباد سے لکھنو اور لکھنو سے عراق جاکر ملا دربندی اور آیۃ اللہ علی نقی طباطبائی سے پڑھا۔ مقامی طور پر جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب اور جناب صفدر شاہ صاحب جیسے پرہیزگار علماء کے شاگرد تھے۔ ان کی تصویر عمامہ و قبا کے ساتھ تو نہیں دیکھی لیکن گول چندوے کی ٹوپی، اچکن اور سادہ لباس ہے۔ چہرہ پر محاسن، پیشانی پر نشانِ سجدہ، حج و زیارات سے مشرف ہوئے تھے۔

ان کے صاحبزادے جناب نواب آغا ابو صاحب تھے جن کے تقدس و احتیاط کا چرچا ہم نے بھی سنا۔ نواب آغا ابو صاحب متوفی ۱۳۳۶ھ ہی نے مدرسۂ سلطان المدارس کے نام سے لکھنو میں ایک عظیم الشان درس گاہ قائم کی، جس کا دور آخر میں نے بھی دیکھا اور وہیں سے صدر الافاضل کیا۔ جناب والا جاہ کی تاریخ وفات جو منیر شکوہ آبادی نے لکھی ہے۔ اس سے سیرت و زندگی کے متعدد پہلو سامنے آتے ہیں

نبخ مرگ حضرت نواب والا جاہ سے	ہر جگر بیتاب مثل طائر بسمل ہے آہ
حاجی و زوار و فیاض و امیر ابن امیر	جلوہ فرمائے لحد الیاس مہ کامل ہے آہ
علم میں بے مثل اخلاق و کرم میں بے نظیر	صدق خود میرے سخن کا شاہد عادل ہے آہ
متقی و شاعر و شاعر نواز و کوہ حلم	آج زیر خاک وہ علامۂ فاضل ہے آہ
مصرع تاریخ کہتا ہوں یہیں حق حق اے منیر	ماتم نواب والا جاہ زخم دل ہے آہ (۱۲۸۹ھ)

تالیفات: • دیوان فیض نشان، ۱۲۹۱ھ مطبوعہ۔ (دیکھیے عالی جاہ)

وجاہت حسین، ناظم:

۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء
۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء

مولانا سید وجاہت حسین بن سخاوت حسین خاندانِ اجتہاد کے نامور فرزند اور لکھنو کے مشہور عالم تھے آپ ۶ رمضان ۱۳۰۰ھ کو لکھنو میں پیدا ہوئے اور جناب فقیہ اعظم مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ سے مکمل تعلیم حاصل کر کے، مولانا نجم الحسن صاحب اور مولانا سید محمد ہادی صاحب مولانا سید محمد باقر صاحب سے درس لیا۔ مدرسۂ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل اور سلطان المدارس سے صدر الافاضل کی سند لی۔

گھر پر طلبا کو درس دیتے تھے۔ مدرسۂ سلطان المدارس کے وسطی جماعت کا آخری درس بھی آپ سے

تعلق رکھتا تھا اور آپ، مدرسے میں درجہ نہم کو پڑھاتے تھے۔

مولانا وجاہت حسین صاحب بڑے جامہ زیب، خوش پوشاک وجیہ آدمی تھے۔ جاڑوں میں مخمل، جامہ وار، سرج، گرمیوں میں چکن، جامدانی، شربتی کا لباس استعمال کرتے تھے۔ عمامہ وعبا یا آڑی ٹوپی اور اچکن عام لباس تھا۔ ذہین ذکی، خوش باش، ہنس مکھ، بذلہ سنج وشوخ، شاعر و نثر نگار، مدرس وخطیب تھے۔ بعض ذمہ دار حضرات سے سنا ہے کہ اودھ پنچ میں علمی مزاحیہ بحثیں آپ ہی لکھا کرتے تھے۔ اور ثقاہتِ علمی و وجاہت کی بنا پر نام نہ دیتے تھے۔ عربی، فارسی و اُردو کے بہت بڑے شاعر تھے۔ جب چاہتے جو چاہتے لکھتے اور لاجواب لکھتے تھے۔

خطابت میں ان کے آغاز ہی سے عروج فن ظاہر ہوتا تھا، لطیف نکتے، فکرانگیز علمی مباحث بڑے شگفتہ پیرائے میں بیان کرتے تھے۔ سامعین پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ مثلاً ایک مرتبہ سورۂ دہر کی تیس آیتیں ہونے پر اپنے لطف انداز میں بیان فرمایا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے "من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" چونکہ سیدہ عالم نے تین دن، تین روٹیاں تین سائلوں کو دیں۔ لہٰذا خدا نے ہر حسنہ پر دس گنا اجر دیا۔ اس نکتے نے سننے والوں پر ایک عجیب اثر چھوڑا ہے۔ ان کی ہر مجلس میں اسی قسم کی باریکیاں عام فہم انداز میں ہوتی تھیں۔ اسی طرح ان کے قصیدے اور شعر زبان زد ہو جایا کرتے تھے۔

افسوس ہے کہ جناب وجاہت حسین ناظم نے ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ ۴۲ سال کی عمر میں ضعیف باپ اور بڑے بھائی مولانا کاظم حسین صاحب کے سامنے دنیا کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا۔

تلامذہ: جناب محمد باقر شمس نے تیس نامور حضرات کے نام آپ کے تلامذہ میں لکھے ہیں۔ جن میں چند نام یہ ہیں:

- مولانا محمد مصطفٰے جوہر صدرالافاضل۔ • مولانا مرزا یوسف حسین صاحب صدرالافاضل۔ • مولانا محمد بشیر صاحب ممتازالافاضل، مبلغ۔ • مولانا علی داور صاحب صدرالافاضل۔ • مولانا محمد حسین صاحب قبلہ کربلائی۔
- مولانا ابرار حسین صاحب صدرالافاضل۔ (مقدمۂ درمنظوم، از محمد باقر شمس، ص ۱۴۴)

. . . .

وزیر علی :

حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء

مولانا وزیر علی بلگرام کے باشندے اور حیدرآباد دکن میں رہتے تھے، زیارتِ عتباتِ عالیات سے مشرف ہوئے قدر بلگرامی کے خالو تھے۔ قدر نے ان کی ایک فقہی تالیف "سراج الشریعت" کے قطعۂ تاریخ میں مولانا کا تعارف اور کتاب کی تعریف یوں لکھی ہے: (دیوان قدر بلگرامی ص ۳۴۱)

جناب سیدنا خالنا وزیر علی	مہر سماء وطن قطب آسمانِ دکن
فقیہ و متقی و زائر امام حسینؑ	خلیلِ کعبۂ ایماں سترگ قبلۂ من

بسا مسائل شرعیہ گرد آوردہ | محیط ہائے پرونیش صد ہزار پرن
سوال از خود و از مجتہد جواب آورد | مگر جواب ندارد درین جہان کہن
نہادہ است "سراج الشریعۃ" اورا نام | زدل فتد ہمہ مشکوۃ چوز کعبہ وثن
برآوریم دو تا سال ہجری از بیتی | برآوریم دو الماس ریزہ از معدن
یکی ز مصرع اولاش سال بدو کتاب | دگر ز مصرع اخراش سال ختم سخن
سراج شرع بطاق صلاح علم نہاد | چناں کہ محفل دیوان ذہن شدہ روشن

(۱۲۸۷ھ)

حدود ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

وزیر حسن :

۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

مولانا سید وزیر حسن صاحب ہندوستان کے ضلع ~~غازی پور~~ فیض آباد سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۳۶ء کے قریب صدر الافاضل کر کے مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لیا، واعظ و مبلغ ہوگئے اور تبلیغ و وعظ کرتے رہے، کچھ عرصے تک مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں اُستاد بھی رہے۔ مئی ۱۹۷۸ء بمبئی میں وفات پائی۔ ۱۹۷۱ء سے ۷۸ء تک بمبئی میں امام جمعہ و جماعت رہے۔ آخر میں بیمار ہو کر وطن آئے جہاں ۲۹ مارچ ۱۹۷۸ء کو انتقال کیا۔

وصی حیدر :

۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء

حدود ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

مولوی سید وصی حیدر صاحب ابن حافظ مولوی سید محمد عسکری ۲۲ محرم ۱۳۱۳ھ کواتھ ضلع شاہ آباد (ھند) میں پیدا ہوئے، ۱۳۲۶ھ میں باپ نے رحلت کی۔ لہذا مظفر پور میں نانا کے پاس رہنے لگے۔

۱۳۳۸ھ میں قاضی سید ضمیر الحسن بلگرامی (بارسی ضلع ہرموئی) کی دختر سے شادی ہوگئی۔

وصی حیدر صاحب کی تعلیم حکیم مولوی سید محمد سعید صاحب بلگرامی کے زیر نگرانی ہوئی۔ مدرسۂ ایمانیہ مظفر پور میں اعلیٰ درسیات کی تعلیم حاصل کر کے ۱۳۳۴ھ میں مدرسۂ ایمانیہ ہی میں مدرس ہوگئے۔ ۱۹۲۳ء سے ہائی اسکول میں استاد منتخب ہوئے۔ حدود ۱۳۷۰ھ میں رحلت کی، مرحوم مساجد کی آبادی و تعمیر و امور خیر کے بہت بڑے داعی تھے۔

(انجمن جوبلی نمبر)

وصی حیدر، کراروی :

حدود ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

مولانا سید وصی حیدر صاحب ابن شبیر حسین کراری ضلع الہ آباد کے افاضل میں سے تھے سلطان المدارس سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی غازی پور ضلع مظفر نگر میں قیام رہا اور انھیں اطراف میں دینی خدمات انجام دیئے۔ تقریباً پچاس سال کی عمر پاکر غازی پور میں وفات پائی مولانا ذیشان حیدر کا خیال ہے کہ سنہ وفات ۱۹۶۴ء کے قریب ہے۔

⑤ ہادی نقوی :

۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء
۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء

عمدۃ العلماء مولانا سید محمد ہادی بن سید مہدی صاحب قبلہ، رجب ۱۲۲۸ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ تین سال کے ہوئے تھے کہ والد نے اور پانچ کے ہوئے تو دادا غفران مآب نے رحلت فرمائی۔ جناب سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب نے بھتیجے کی تعلیم و پرورش فرمائی اور جب سن رشد کو پہنچے تو اپنی صاحبزادی سے عقد کر دیا۔

۱۲۶۲ھ میں اجازۂ اجتہاد ملا۔ جناب امجد علی شاہ سلطان اودھ نے "صدر الشریعت عمدۃ العلماء" خطاب دیا سلطانی کچہری اور لکھنؤ کے منصب صدر الصدور کے مسند نشین ہوئے۔ ملک اودھ کے تمام قاضی آپ کے ماتحت تھے۔ آپ نے یہ کام کسی شاہی دفتر کے بجائے ہمیشہ اپنے گھر میں انجام دیے۔ افتا و قضا کے ساتھ درس کا سلسلہ بھی تھا اور بکثرت طلباء آپ سے تلمذ رکھتے تھے۔

عمدۃ العلماء سید ہادی صاحب بہت مقدس و متقی و محتاط عالم و فقیہ تھے۔ آپ عموماً بند فینس میں باہر آتے تھے کہ راستے میں کسی نامحرم پر نظر نہ پڑے۔

فقہ کے ساتھ ساتھ ملک کی بڑھتی ہوئی نئی ضرورتوں اور دینی اشاعت میں نئی رکاوٹوں پر بھی نظر رکھتے تھے یہود و نصاریٰ کے عقائد پر تحقیقی مطالعہ کیا تھا اور ان کی رد میں ان کے رسالوں اور سوالوں کے جواب لکھتے رہے

آپ نے جوانی میں بمقام لکھنؤ ۱۲۷۵ھ میں رحلت کی اور حسینیہ غفران مآب میں دفن ہوئے۔

اولاد: ● سید محمد مہدی مجتہد۔ ● محمد مصطفیٰ عرف میر آغا مجتہد۔

تلامذہ: شاگردوں میں نام بر آوردہ شاگرد مولانا سید اعجاز حسین صاحب قبلہ اور مولانا سید مہدی بن نجف علی مصنف "تذکرۃ العلماء"۔

تصانیف: ● تفسیر آیات معارف۔ ● ارشاد المومنین در عرض قصعین۔ ● بشارات انبیاء در بیان نعت حضرت ختمی مرتبت، از توریت وغیرہ۔ ● رسالہ در رد نصاریٰ (مکمن نے روزہ اور نماز پر اعتراضات کیے تھے موصوف نے فارسی میں جوابات دیئے ہیں۔ رسالہ کا نام سرورق اور مقدمہ میں موجود نہیں ہے۔ میرے کتب خانے کا نسخہ غالباً ۱۲۶۵ھ کا مطبوعہ ہے)۔ ● رسالہ در رد نصاریٰ (در جواب خط پادری آگرہ)۔ ● تفحص الحق در رد نصاریٰ ● کشف الاستار در رد نصاریٰ۔ ● رسالہ فرق بین المحال العقلی والمحال العادی۔ ● حاشیہ بر حبل المتین شیخ بہائی۔ ● ذخیرہ در ادعیہ ماثورہ۔ ● کتاب در اصول فقہ۔

تکملۂ نجوم السماء ۲/ ۱۷۵
بے بہا ۴۱۴۔ نزہۃ ج ۷، ص ۵۲۰
اعیان الشیعہ ج ۵۰، ص ۱۸۰

ہاشم شاہ عرف جہان شاہ دہلوی:
۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۲ء
۱۰۵۰ھ / ۱۶۳۷ء

سید میرزا ہاشم شاہ عرف جہان شاہ ابن میر محمد مومن حسینی مرعشی کرمانی بخاری بخارا کے خانوادۂ علم سے تعلق رکھتے تھے۔ خود بڑے عالم، مقدس، زاہد و مقدس بزرگ تھے۔ پدری سلسلہ شاہ نعمت اللہ کرمانی اور مادری سلسلہ سید قاسم انوار تبریزی سے ملتا تھا۔ موصوف ہاشمی تخلص کرتے تھے۔ مسئلہ امامت پر چند کتابیں بھی لکھی تھیں۔ جرم تشیع میں قتل ہوئے۔ (اعیان الشیعہ ج ۵۱ طبع ۱۹۶۱ء ص ۱۶)

ہجو، مرزا:
حدود ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء

حکیم میرزا علی خلف اکبر حکیم میرزا محمد مسیح۔ حکیم میر علی ہجو کربلائے معلےٰ میں پیدا ہوئے۔ وطن آکر جناب غفراں مآب سے شرح تجرید و ملا قوشجی کا درس لیا، علوم دین و معقولات پڑھنے کے بعد طب کو پیشہ بنالیا۔ جناب غفراں مآب مولانا سے بہت محبت کرتے تھے۔ (تکملہ نجوم السماء ج ۲۔ ص ۴۳۶)

ہدایت حسین
۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء

مولانا سید ہدایت حسین صاحب جناب مولانا علی نقی ابن سید العلما سید حسین صاحب قبلہ کے فرزند تھے۔ اپنے والد اور اساتذہ لکھنؤ سے تعلیم حاصل کی۔ خاندانی عظمت اور ذاتی کردار کی وجہ سے عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ لکھنؤ سے کلکتے تشریف لے گئے۔ حضرت واجد علی شاہ نے آپ کو "نجم العلما" کا خطاب دیا۔ مولانا ایک عرصے تک وہاں رہے۔

ہدایت اللہ شوستری:
۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

مولانا سید ہدایت اللہ شوستری، ایران سے مدراس آئے اور گورنمنٹ محمڈن کالج میں فارسی کے لکچرر ہوگئے۔ موصوف شیعوں کے علمی اور دینی معاملات کے سربراہ تھے۔

۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ میں رحلت ہوئی۔ (مکتوب حاجی غلام محمد تقی صاحب)

ہزبر علی:
حدود ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء

مولانا ہزبر علی صاحب گگوڑا ضلع بجنور کے باشندے تھے وطن میں پڑھنے کے بعد لکھنؤ آئے۔

اور جناب ممتاز العلما اور سید احمد علی صاحب قبلہ محمد آبادی وغیرہم سے تلمذ رہا۔

حضرت واجد علی شاہ مغفور و مبرور مٹیا برج تشریف لے گئے تو آپ بھی وہیں چلے گئے اور ساٹھ برس کی عمر میں وہیں رحلت فرمائی۔

جناب سلطان العلما نے آپ کا سو روپیہ ماہوار وظیفہ کرا دیا تھا۔

آپ کے فرزند مولوی محمد حیدر صاحب کلکتہ میں رہتے تھے اور دو سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔
بعد میں قرآن خواناں قبر شاہی کے افسر ہو گئے۔ (بے بہا ۲۸۴)

(ی) یاد علی، نصیر آبادی:

۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء

مولانا یاد علی نقوی جناب مولانا دلدار علی کے خاندان سے تھے۔ نصیر آباد میں ولادت ہوئی۔ مختلف اساتذہ کے علاوہ جناب غفران مآب سے فقہ اصول پڑھی اور قواعد علامہ پڑھنے کے بعد صاحب اجازہ ہوئے۔ لکھنؤ میں رومی دروازے کے پاس رہتے تھے اور طلبہ کو معقولات و منقولات پڑھاتے تھے۔ منہج السداد ~~نامی ایک کتاب لکھی تھی~~، فارسی میں دو جلدیں لکھی تھیں۔

دوشنبہ ۲۵ جمادی الاخرہ ۱۲۵۳ھ میں رحلت کی۔ جناب رشک نے کہا: "یوم اثنین و بست پنجم بود" اپنے مکان میں دفن ہوئے۔ (تکملہ نجوم ۲/۳۸، زبدۃ ج، ص ۱۲۱ سوانح حیات غفران مآب ص ۳۰)

یوسف حسین مجتہد:

۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء
۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء

مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ امروہے کے ایک عالم و مقدس بزرگ تھے۔ ان کے فرزند جناب مولانا سید یوسف حسین صاحب قبلہ ۱۸ رجب ۱۳۰۲ھ کو محلہ دانشمنداں امروہہ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گھر ہی پر اپنے فاضل و مدرس والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد رام پور کا سفر کیا جہاں مولوی محمد امین شاہ آبادی سے معقولات کا درس مکمل ہوا۔

۱۳۲۴ھ میں حدیث و فقہ و اصول وغیرہ کا درس نہائی لیے عراق تشریف لے گئے اور نجف اشرف کے مدرسہ سید کاظم طباطبائی میں قیام فرما ہوئے۔

عراق مشاہیر اساتذہ و علماء سے بھرا ہوا تھا۔ مثلاً نجف میں آقای محمد کاظم خراسانی، آقای ابوالحسن اصفہانی آقای شیخ علی قوچانی، آقای ضیاء عراقی، آقای کاظم طباطبائی، آقای سید محمد آقای سید ابوتراب خوانساری۔

کربلا میں مولانا سید کلب باقر صاحب ہندی، آقای شیخ مہدی کشمیری وغیرہ سے پڑھ کر اجازے لیے ۱۳۳۲ھ میں وطن لوٹے اور درس و تدریس میں مصروف ہوگئے۔ ۱۳۴۰ھ مدرسۂ منصبیہ میرٹھ میں مدرس اول رہے۔ ۱۳۵۶ھ میں قاری مولانا عباس حسین صاحب نے رحلت کی تو مولانا یوسف حسین صاحب ان کی جگہ مسلم یونیورسٹی میں دینیات کے استاد مقرر ہوگئے ۲۸ شعبان ۱۳۵۲ھ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۳ء کو رحلت کی۔

ماہ نامہ "الہادی" میرٹھ آپ کی سرپرستی میں نکلتا تھا۔ اور آپ کے فتوے چھاپتا تھا۔

تالیفات: • حاشیہ کفایۃ الاصول عربی۔ • توضیح الرکعات عن آیات الصلوٰۃ در جواب رسالہ تصدق حسین دور کعتی۔ • جوابات شافیہ۔ (بے بہا، انجمن جوبلی نمبر، از راقم)

یوسف علی اخباری:

حدود ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء

میر یوسف علی اخباری اکبر آباد آگرے کے فاضل محدث تھے۔

میر یوسف علی اور قاضی نوراللہ میں اس موضوع پر مباحثہ ہوا کہ انبیاء و اوصیاء و اولیاء عام لوگوں کے دلوں کے بھید سے واقف ہوتے ہیں یا نہیں؛ میر یوسف علی کے خیال میں انبیاء تمام ضمائر سے باخبر ہوتے ہیں اور قاضی صاحب اس میں تخصیص کے قائل تھے۔

کتب خانۂ آصفیہ میں اکاون ورق فی صفحہ ۲۲ سطر کی ایک کتاب فن کلام نمبر ۱۱۸۴ میں موجود ہے۔ آغازِ کتاب ہے

"الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی محمد و آلہ اجمعین امابعد نمود بندہ اثیم الراجی الی غفران الملک الہادی عبدالرحیم الحسینی الجعفری البغدادی آں کہ ایں مناظرہ ہست کہ میاں میر یوسف علی الحسینی الاستر آبادی و قاضی نوراللہ الحسینی الشوستری در باب اطلاع حضرت پیغمبر بر ضمائر جمیع مردماں در جمیع احوال واقع شدہ" (فہرست کتب خانہ آصفیہ ص ۲۴۴۔ کتب خطیہ)

الحمد للہ، کتاب تذکرۂ علما مکمل ہوئی۔

سید مرتضیٰ حسین
۲۰ر جون ۱۹۷۵ء
لاہور

بحمدہٖ تعالیٰ، کتاب تذکرۂ علما کی کتابت ۲۰ر جون ۱۹۷۵ء کو مکمل ہوئی۔ اس کی اصلاح اول کر رہا تھا کہ حج کے لیے کمربستہ ہوگیا۔ حج سے واپس آکر اصلاح اور اضافہ کا کام شروع ہوا۔ الحمد للہ کہ آج روز ولادت حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ اس کام سے فراغت ہوئی۔ ۲۲ر جولائی ۱۹۷۸ء، اور آج روز ولادت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تیسری نظر سے فارغ ہوا، ۷ر صفر ۱۴۰۰ھ

آج ۲۳ر اپریل ۱۹۸۰ء، ۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۰ھ کو کتابت و اضافہ و تصحیح کا تیسرا مرحلہ بھی مکمل ہوا، الحمد للہ اور ضمیمہ شروع ہوا۔

آغائے بارہوی : (اضافہ) ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

مولانا آغائے بارہوی سید زاہد حسین بن مولانا سید ذاکر حسین بن سید گوہر علی زیدی بارہوی ۲ ذیقعد ۱۳۱۰ھ کو بہر سر ریاست بھرت پور میں پیدا ہوئے۔ بہر سر سادات جعفری کا مسکن و ملکیتی قصبہ تھا مولانا ذاکر حسین صاحب قبلہ اس قصبے میں دینی حرکت و زندگی کے زعیم تھے (دیکھیے ذاکر حسین) مولانا زاہد حسین صاحب نے اپنے عالم و زاہد پدر بزرگوار کی آغوش علم و عمل میں تربیت پائی اور انھیں کی طرح صاحب عمل و کردار بن کر اُبھرے، انھیں حدیث سے شغف اور "الکافی" پر عبور تھا۔ وہ سیرت و احادیث محمد و آل محمد علیہم السلام کے سختی سے پابند تھے۔

جناب آغائے بارہوی، فنون سپہ گری کے ماہر، شہسواری اور شمشیر زنی کے استاد تھے۔ انھوں نے اس فن کو طویل مدت تک شکار کے ذریعے باقی رکھا۔ وہ بڑے دلیر اور بہادر تھے۔ بڑے سے بڑے وزن کو بآسانی اٹھا سکتے تھے۔ وہ بڑے جفاکش تھے۔ اکل حلال اور پیروی رسول و آلِ رسول سلام اللہ علیہم اجمعین میں تجارت کی، زراعت کی، جانور پلے اور لوگوں کو عملی طور پر وعظ و تبلیغ و تربیت سے فیض یاب فرمایا، جماعت کی نماز پڑھائی، مجلسیں پڑھیں، لوگوں کو مسائلِ دین پڑھائے، دین سے محبت اور احکامِ دین کا پابند بنایا اور کسی سے معاوضہ نہ لیا، تقدس و ورع کا عالم یہ تھا کہ ایک لباس پر اکتفا تھی۔ جب تک یہ یقین نہ کر لیا کہ ذبیحہ شرعاً درست ہوا ہے اس وقت تک گوشت نہ کھایا۔ چمڑے کی نجاست کے خیال سے جوتے کے بدلے لکڑی کی کھڑاؤں استعمال کی اور اسی کھڑاؤں سے میلوں ریگستانوں، پہاڑوں اور میدانوں میں سفر کیے۔ معمولی غذا، معمولی لباس، سادہ زندگی، گوشہ نشینی شعار تھی۔ شہرت سے دور نمود و نمائش سے نفور رہے۔ انتہائی منکسر مزاج مگر دین کے معاملے میں جری، قول حق میں کبھی کسی سے نہ ڈرے۔ اسلام کے لیے ہمیشہ سربکف رہے۔ جنت البقیع کے انہدام پر وہ کفن پوش و شمشیر بکف ہو گئے، بستی بستی قریے قریے پھرے کہ مزارات بقیع کی تعمیر کے لیے جان دینا پڑے تو حاضر ہیں، رضا کاروں کو تیار کیا مرنے پر کمر باندھی اور میدان میں نکلے۔ لکھنو ایجی ٹیشن میں جس للّٰہیت اور تقوے کا مظاہرہ کیا اسے دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے۔ ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا کھانے سے انکار کر کے جیل میں تمام قیدیوں کے لیے مسلمان باورچیوں اور مسلمان کھانا پکانے والوں کا انتظام کرایا یادگار حسینی کے اجتماعات میں ولولہ انگیز تقریریں کیں۔ قیام پاکستان کے وقت دل و جان سے تحریک کا ساتھ دیا۔ ہندوؤں کے حملوں کے وقت مسلمانوں کی جانیں بچائیں اور اپنا پورا گھر لٹوایا۔ پاکستان آئے تو انتہائی تکلیفیں اٹھائیں مگر قوم پر بوجھ نہ بنے۔ وہ صاحب دستِ شفا طبیب حاذق تھے۔ ریاست بھرت پور

اجمیر، آگرے لکھنؤ اور لاہور میں لوگ ان کے علاج سے فیض یاب تھے پیچیدہ امراض کے مریض شفا پانے تھے بند اس بات پر گرویدہ تھے اور مسلمان ان کے عاشق۔

مولانا آغائے بارہوی نے شب جمعہ یکم جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ مجاہد آباد لاہور میں رحلت فرمائی اور اپنے مکان مسکونہ کے اس کمرے میں آسودۂ لحد ہوئے جس میں وہ چٹائی پر بیٹھ کر دین کی خدمت کرتے تھے۔ ان کے فرزند سید نواب عالم ایم اے نے قطعۂ تاریخ میں مرحوم کی سیرت کی خوب تصویر کشی کی ہے یہی قطعہ انکے مزار کی زینت ہے:

ہے بارہوی پر سایۂ مولائے بارہوی	اللہ ری شان عزّ و شرف ہائے بارہوی
پکڑے ہوئے قدم رسالتؐ پناہ کو	ہیں منزل حضور میں آغائے بارہوی
پہنچے ہیں بارگاہِ جناب امیرؑ میں	باغ جناں ہے زیر قدمہائے بارہوی
عرش بریں پہ چادر زہراؑ کے سائے میں	بچھوادیا ہے حق نے مصلائے بارہوی
اللہ رے آل شافع محشر کا مرتبہ	قدموں میں پنجتن کے بنی جائے بارہوی
دانائے رمز حجتِ مہدیؑ منتظر	بطل عظیم عصر تھے آغائے بارہوی
اخباری و محدث و علامہ و فقیہ	فقر و غنا و عجز، صفتہائے بارہوی
مرد فقیر خاک نشین، منکسر مزاج	سب کچھ تھے اور کچھ نہ تھے آغائے بارہوی
ہر نوجواں کو دین کا عاشق بنا دیا	اس درجہ پُر کشش تھے علمائے بارہوی
گونجی ہوئی فضا میں ندائے سروش ہے	ہیں زندۂ جاوید اب آغائے بارہوی ۱۳۹۴ھ

اولاد : مولانا کی سات صاحبزادیاں اور تین فرزند اپنی والدۂ ماجدہ کے سائے میں حیات ہیں۔ بڑے آغا شاہ عالم منجھلے جان عالم اور چھوٹے فرزند میجر نواب عالم ایم اے ہیں۔

تعمیر مساجد : آغا صاحب نے پہرسر، بھرت پور اور آگرے میں لوگوں کے کردار اور دینی جذبات کو سنوارا اور مسجدیں آباد کیں۔ ۱۹۴۷ء میں لاہور آئے اور صدر چھاؤنی میں جمعہ و جماعت، وعظ و درس، اعمال ماہ رمضان و محرم و شعبان سے امامیہ ہال ساگر روڈ کو آباد کیا۔ مغل پورہ ریلوے ورکشاپ کے علاقے میں لب سڑک بڑی جفاکشی کے بعد مسجد کی بنیاد رکھی۔ اپنے گھر میں بھی مسجد و جماعت و عیدین کا سلسلہ شروع کیا جو اب تک باقی ہے۔

تالیفات : بشارات الصادق (قلمی)۔ الحجاب۔ دینیات طبع ہوئیں۔ باقی تحریریں بھرت پور میں ضائع ہو گئیں۔

ابن حسن نونہروی :

۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء
۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

نادرۃ الزمن مولانا سید ابن حسن خلف سید محمد جواد صاحب نونہرہ ضلع غازی پور میں ۱۳ صفر ۱۳۱۷ھ پنجشنبہ ۲۲ جون ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قصبے کے اساتذہ سے حاصل کی جن میں حکیم سید محمد ہادی صاحب مرحوم کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے موصوف علوم ریاضی میں عموماً اور اقلیدس میں خصوصاً اتنا کمال رکھتے تھے کہ لندن اور ہندوستان کے اساتذۂ فن ان کی استادی تسلیم کرتے اور ان سے مسائل حل کراتے تھے۔ دوسرے استاذ بزرگ سید محمد مرتضیٰ فلسفی تھے۔ وطن کے بعد لکھنؤ کا رُخ کیا۔ ۱۹۱۱ء میں سلطان المدارس میں داخلہ لیا، اور درجہ بدرجہ صدر الافاضل کی امتیازی سند حاصل کی۔ جناب سید محمد باقر صاحب، جناب سید محمد ہادی صاحب جناب مولانا محمد رضا صاحب جیسے اکابر سے کسب فیض و تلمذ اور ان بزرگان علم و صاحبان نفوس قدسیہ کے توجہات سے سرفرازی کے بعد لکھنؤ میں قیام فرمایا :

۱۹۲۱ء ہی میں مدرسہ سلطان المدارس میں کرسی درس ملی اور مدت تک طلبہ درس حاصل کرتے رہے میں نے استاذ علام سے دیوان المتنبی و حماسہ و نہج البلاغہ و فصول (اصول فقہ پر نفیس کتاب' تالیف شیخ محمد حسین بن عبد الرحیم، طہرانی، حائری متوفی ۱۲۶۱ھ) کا درس لیا۔ وہ سند الافاضل کے مدرس تھے۔ مدرسے سے پنشن لی۔ ۱۹۵۴ء میں مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی انتظامیہ نے صدر مدرسی کی سند پیش کی۔ مولانا ابن حسن صاحب قبلہ آخر تک واعظین کے پرنسپل رہے۔ مولانا ابن حسن' محیر العقول ذہانت کے ساتھ بلا کا حافظہ رکھتے تھے۔ تفسیر فخر الدین رازی کا بیشتر حصہ ذہن میں تھا، رازی کے شبہات کی رد بڑے دلکش انداز میں فرماتے تھے۔ اور اس میدان میں یکہ تاز تھے، مولانا طبعاً فلسفی و مفسر تھے۔ انھیں اس فن میں یکتائی حاصل تھی۔

درس میں طلبہ کے ذہن میں بیٹھ جانے والی تقریر فرماتے تھے۔ ادب پڑھاتے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ بحر زخار ادب و لغت ہیں اور فصول جیسی کتاب کا درس دیتے تو خالص اصولی معلوم ہوتے تھے۔

کثرت سفر اور فراوانی مجالس کی وجہ سے انھیں جم کر بیٹھنے کا وقت نہ ملتا تھا۔ اس لیے وہ کچھ لکھ نہ سکے۔ لیکن بہت سے لکھنے والے ضرور پیدا کیے۔ جن میں ان فرزند بزرگ مولانا شبیہ الحسن صاحب قابلِ فخر ہیں مولوی صاحب نے ان کی پرورش و تربیت میں بڑا اہتمام فرمایا، وہ از اول تا آخر مدرسے میں زیر تعلیم رہے، صدر الافاضل کے بعد وہ علی گڑھ گئے اور ایم اے اور پی ایچ ڈی کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی میں ادب کے پروفیسر مقرر ہوئے وہ جید الاستعداد عالم اور اُردو اَدب کے مستند صاحب قلم و استاد ہیں۔

خطابت : مولانا ابن حسن صاحب قبلہ منبر کی زینت اور مجلس کی آبرو تھے۔ شگفتہ، مرصع اور

اکثر نفقتی عبارت، اس میں استعارہ و کنایہ، طنز و اشارہ کی ہماکاری، لہجے کی شیرینی سے مل کر سننے والوں کا دل موہ لیتی تھی۔ ان کی تقریر میں علم کا وزن اور افہام و تفہیم عام کا آہنگ کچھ اس طرح مل گیا تھا کہ تمام حلقے داد دیتے تھے۔ ان کی مجلسوں اور معرکۃ الآرا تقریروں کا تذکرہ دفتر چاہتا ہے۔ ایک امتیازی بات یہ تھی کہ ہر مجلس کے موضوع و پس منظر کے مطابق آیت کو عنوان کلام بنانا ان کی عادت تھی اور آیت سنتے ہی مجمع پھڑک اٹھتا تھا۔ مولانا سبط حسن صاحب قبلہ کی زندگی میں جن لوگوں نے منبر سنبھالا ان میں مولانا ابن حسن صاحب قبلہ اور مولانا کلب حسین صاحب قبلہ نامور ہوئے۔ ان کے بعد لکھنؤ میں کمال خطابت انہی دو بزرگوں کے لیے مختص تھی۔

اخلاق و صفات: استاذ علام مرنجاں مرنج، کم آمیز، باوقار اور منکسر مزاج تھے، رشک و حسد مقابلہ و مجادلہ سے دُور رہنا پسند کرتے تھے۔ پوری زندگی سفر کیے، سفر میں عراق و ایران و پاکستان بھی آئے، مگر اشتہار و اعلان کبھی پسند نہ فرمایا۔ لاہور میں قیام پاکستان کے بعد دو مرتبہ تشریف لائے اور دونوں مرتبہ انھوں نے مجھ سے یہی تاکید فرمائی کہ اعلان و اشتہار نہ ہونے پائے۔ طلبہ و علما کا احترام حفظ مراتب کی رعایت فرماتے تھے۔ کسی کی مذمت یا غیبت سے ہمیشہ اجتناب فرمایا۔

طویل مدت سے طول عمر و ضعف قوی اور فالج میں مبتلا تھے۔ آخر اکاسی برس کے سن میں ۷، جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ، ۲۵، مارچ ۱۹۸۰ء بروز سہ شنبہ کو لکھنؤ میں انتقال فرمایا اور امام باڑہ غفران مآب میں تدفین ہوئی (روزنامہ 'قومی آواز' لکھنؤ، مجریہ ۲۶، مارچ ۱۹۸۰ء)

احمد علی (اسکردو): حدود ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء — ۱۴۰۰ھ / ۱۹۷۹ء

حجۃ الاسلام مولانا شیخ احمد علی، اسکردو، بلتستان (کشمیر) سے نجف اشرف گئے، وہاں کے علما سے مدت دراز تک تلمذ کر کے وطن آئے۔ موعظہ و تبلیغ مشغلہ رہا، کچھ دن مدرسۂ حیدریہ میں ۲۱، دسمبر ۱۹۷۹ء / محرم ۱۴۰۰ھ کو رحلت کی، عمر تقریباً ستر سال ہوگی۔

امداد علی لکھنوی (اخبار): حدود ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء

میرے کتب خانے میں لکھنؤ کے شاہی پریس کا چھپا ہوا ایک مترجم و محشی قرآن مجید ہے جس کے سر ورق پر مفسر کا نام موجود نہیں۔ بڑی جستجو کے بعد "دہلی اردو اخبار" ۱۸۴۷ء میں اس ترجمہ کا اشتہار ملا،

کچھ عرصے کے بعد مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور میں چند کتابیں بکنے آئیں جن میں زیر بحث ترجمہ کا ایک چھاپی نسخہ بھی تھا۔ یہ ایڈیشن اُردو اخبار پریس دہلی سے مولوی محمد باقر صاحب نے شائع کیا تھا۔ مگر اس پر بھی مترجم کا نام نہیں۔

پروفیسر مسعود حسن ادیب مرحوم نے اپنے وقیع مقالے "شاہانِ اودھ کا علمی و اَدبی ذوق" میں "ثابت نامۂ نوطرز" کے قلمی نسخے سے یہ اطلاع مہیا فرمائی ہے:

"حاجی مرزا امداد علی لکھنوی "ثابت نامۂ نوطرز" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"اس عاصی کو تمام عمر شوق اور ذوق کتب تفاسیر اور احادیث اور کتب تواریخ کے دیکھنے اور لکھنے اور ترجمہ کرنے کا رہا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اکثر کتابیں اُردو میں تالیف کیں ۔ ۔ ۔ ۔ تفسیر منہج الصادقین کہ ملا فتح اللہ مغفور نے فارسی میں لکھی تھی بندے نے اس کو ہندی ترجمہ کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اور کتابیں مثل نسخۂ چہاردہ نور، اور "مسیّب نامہ" اور مختار نامہ، وغیرہ کے بہت سی ترجمہ کی ہیں ۔ ۔ ۔ بعض احباب نے ۔ ۔ ۔ فرمائش کی کہ تم ترجمہ "ثابت نامہ"، کا کہ اس میں حال امیر ثابت پسر امیر مختار کا ہے اور وہ فارسی ہے۔ تم اسکو زبان اُردو میں ۔ ۔ تحریر کرو ۔ ۔ ۔ در عہد امجد علی شاہ ۔ ۔ ۱۲۵۹ھ ترجمے سے ثابت نامے کے فارغ ہوا اور نام اس کا میں نے "ثابت نامۂ نوطرز" رکھا ہے"۔ (حوالہ مذکور ص ۴۲، مشمولہ نذر ذاکر)

اس اقتباس سے امداد علی کے کوائف و احوال تو معلوم نہیں ہوتے مگر تنویر البیان کے ترجمان کا نام ضرور معلوم ہو گیا، یہ ترجمہ لکھنو اور آگرے سے متعدد مرتبہ چھپ چکا ہے۔ اس اطلاع کے بعد میں نے اپنے کتب خانے کے نسخے کو غور سے دیکھا تو حواشی کے آخر میں بار بار ـ ا ع ـ کے مخفف میں 'امداد علی' پڑھنے کا رجحان ملا۔

۱۲۵۹ھ یعنی ۱۸۴۳ء میں انھوں نے ترجمہ تفسیر ملا فتح اللہ کو اپنی ایک تالیف و ترجمہ کا موضوع بنایا اس لیے زیر نظر ترجمہ بقرائن اخبار' ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ چھپا اور اس سے پہلے لکھا گیا ہے۔ اس طرح ممکن ہے کہ امداد علی اُردو مترجمین قرآن کی صفِ اوّل میں بعض مشاہیر کے ہم پہلو ثابت ہوں گے۔

مندرجہ بالا اقتباس سے ہم یہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں کہ ۱۲۵۹ھ میں مرزا امداد علی حج سے فارغ ہو چکے تھے، ممکن ہے زیارت عراق و ایران سے بھی مشرف ہوئے ہوں نیز اس وقت ان کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہوگی۔ اسکے بعد انکے حالات و تالیفات ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی نذر ہو گئے۔

انور شاہ' (کلایہ): موضع کلایہ، تیراہ کا مرکز ہے' ۱۷۰۰ء/۱۱۱۲ھ میں یہاں ایک عابد و زاہد عالم و مبلغ سید میر انور شاہ تشریف لائے۔ ان کی آمد سے پورے علاقے میں تشیع کو قوت و فروغ ملا۔ لوگ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے لگے، عزاداری عام ہوئی۔ انکی اولاد آج بھی اس علاقے میں معزز ہے۔ انکے مرید آج کل "میاں مرید" کہلاتے ہیں۔ (مکتوب ملک جان بنگش، کوہاٹ)

اشفاق حسین : قصبہ مائڑ

ت ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء

مولانا سید اشفاق حسین صاحب غازی پوری نے ۱۵ دسمبر ۱۹۵۹ء کو مرانیزا، افریقہ میں رحلت کی۔ آپ لکھنؤ کی تعلیم کے بعد بارہ سال کانودر گجرات میں، پھر جام نگر کاٹھیاوار میں دینی خدمات انجام دیتے رہے، ایک عرصے سے افریقہ میں مقیم تھے۔ موصوف نے اخلاق و فقہ، سیرت و کردار کی تعلیم و تبلیغ میں مؤثر کام انجام دیئے۔

(الجواد بنارس کو الواعظ لکھنؤ، فروری ۱۹۶۰ء)

ثابت علی شاہ :

۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰ء
۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء

ثابت علی بن مدار علی شاہ سیوھن سندھ کے عالم و مصنف و مبلغ و شاعر جن کی ولادت ۱۱۵۳ھ میں اور وفات ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۲۲۵ھ کو ہوئی۔ مخدوم محمد الحسان سے عربی اور تفسیر و حدیث اور فقہ مخدوم محمد مراد واعظ سے پڑھی۔ نور الحق اور میاں غلام علی مداح سے اصلاح اشعار لی۔ حکمرانانِ تالپور نے ان کی بڑی قدردانی کی۔ ثابت صاحب متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ سندھی میں مرثیہ گوئی انھوں نے شروع کی۔ (سندھ میں اُردو شاعری)

حسین علی تالپور :

ت ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

میر حسین علی خان بن میر نور محمد خان حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ علما و فضلا سے تلمذ رہا اور مذہبی افکار سے سرشار ہوئے۔ انگریزوں نے میران تالپور کو گرفتار کیا تو نواب حسین علی خان بھی کلکتہ میں نظر بند ہوئے جہاں انھوں نے علما لکھنؤ و ایران سے ملاقاتیں کیں۔ ۱۸۵۹ء میں رہائی ملی۔

۲۶ ربیع الاوّل ۱۲۹۵ھ کو حیدر آباد میں رحلت کی اور "میرن جاقبا" آبائی قبرستان میں آرام کیا۔

تصانیف: • مناقب علوی • شاہد الامامت۔ • لب لباب (فارسی میں) اُردو و فارسی میں دیوان۔

حیدر عباس نجفی :

حدود ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء
۱۴۰۰ھ / ۱۹۷۹ء

مولانا سید حیدر عباس رضوی الہ آبادی لکھنؤ سے تکمیل تحصیل کے بعد عراق ہجرت کر کے نجف میں مقیم ہوگئے۔ اور چالیس برس کے قریب درس خارج میں شرکت و اجازہ ہای اجتہاد سے سرفراز ہوئے۔ مدرسۂ ہندی (بنا کردۂ نواب صاحب قزلباش) میں ہر سطح کے طلبہ کو درس دیتے تھے۔ بہت سے حضرات کو انگریزی بھی پڑھائی۔ بے حد عالم و فاضل اور بہت بڑے فقیہ و اصولی تھے۔ تقریباً ستر سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ خبر رحلت آخر دسمبر ۱۹۷۹ء اوائل صفر ۱۴۰۰ھ میں ملی۔

ساجد حسین :

حدود ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء
۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء

مولانا سید ساجد حسین صاحب قبلہ فرزند مولانا ذاکر حسین موسوی مولانا سید حامد حسین اور خود سرکار ناصر الملت سے تعلیم حاصل کی۔ حکیم محمد مہدی صاحب سے طب پڑھی۔
کتب خانۂ ناصریہ لکھنؤ میں رہتے اور کتب خانے کی نگرانی فرماتے تھے۔ اردو کے بڑے شاعر تھے۔ رشید صاحب سے تلمذ تھا۔ چھیاسی ستاسی برس کے سن میں رحلت کی اور ستمبر ۱۹۷۹ء شوال ۱۳۹۹ھ تاریخ وفات ہے۔

سرفراز حسین :

۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

مولوی شیخ سرفراز حسین اعظم گڑھ کے مضافات کے رہنے والے الہ آباد کے امتحانات دے کر وثیقہ اسکول میں اُستاد مقرر ہوگئے تھے اور عربی و فارسی نصاب پڑھاتے تھے۔ ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ جون پور میں رحلت کی۔

اولاد : امتیاز حسین (سعادت حسین)

شمس الحسن :

حدود ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

مولانا سید شمس الحسن صاحب باسٹہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ مدرسۂ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل تھے۔ خطیب شیوا بیان اور بڑے خوش مذاق و بذلہ سنج بزرگ تھے۔ (مولانا سعادت حسین)

صادق علی خان :

۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

مولانا صادق علی خان صاحب لکھنوی مدارس و علما لکھنؤ سے تحصیل علوم کے بعد عراق سے فقہ و اصول کا درس لیا اور علم و فضل کے ساتھ وطن آئے۔ تاریخ وفات ۱۹۱۶ء ہے۔ ان کے بھائی مولانا باقر علی خان تھے۔

صفدر حسین پشاور :

۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۱ء
۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

جناب مولوی مرزا صفدر حسین مشہدی ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ مطابق چہارشنبہ ۲۰ فروری ۱۹۰۱ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور دادا اخوند مرزا قاسم علی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت اور جناب شیخ محمد حسن نجفی اور جناب شیخ ابراہیم باکوئی کی صحبت میں رہے۔ مولانا صفدر حسین صاحب

نے نجف و کربلا میں بھی کچھ عرصہ گذارا۔ حج و زیارات سے مشرف ہوئے۔

۱۹۴۰ء سے پشاور میں قیام تھا۔ کچھ عرصہ ماہنامہ الحجت نکال رہے تھے۔ موصوف بڑے جری، حق گو اور نڈر بزرگ تھے۔ عیدالفطر کے چاند کا طریقہ کی رویت کا مسئلہ ہو یا آیت اللہ العظمیٰ سید روح اللہ خمینی مدظلہ العالی کی حمایت، ہر مرحلے میں ان کی استقامت قابلِ قدر تھی۔ موقع پرستی اور شخصیات سے وابستگی ان کا وتیرہ نہ تھا۔

موصوف نے چودہ پندرہ مارچ کی درمیانی شب کو کراچی میں رحلت کی۔ جنازہ ہوائی جہاز کے ذریعے پشاور آیا جہاں علما و معززین شہر کے مجمع کثیر کے ساتھ مشایعت ہوئی۔ اہلِ سنت کے عالم سید امیر شاہ قادری نے اہل سنت کے لیے اور مولانا سید ساجد علی نقوی نے شیعوں کیلئے نماز میت کی امامت کی علماء سنی و شیعہ کی موجودگی میں قبرستان یکہ توت پشاور میں سپرد لحد کیے گئے۔ محمد قائم مولانا محمد عالم صاحب اور چند صاحبزادے اور صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں۔

صولت حسین : ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء — ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء

جناب سید صولت حسین صاحب بنارسی، علمی گھرانے کی فرد تھے۔ مدرسۂ منصبیہ میرٹھ سے تعلیم مکمل کی۔ فقہ و ادب، تاریخ و حساب میں کافی درک تھا۔ جوانی میں رحلت کی۔ تاریخ ولادت، ۱۳ اپریل ۱۹۱۳ء اور تاریخ وفات ہے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۵۰ء

اعجاز القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں امراض و مشکلات میں پڑھنے کے لیے قرآنی آیات جمع کی تھیں۔

(روح القرآن۔ ص ۳۹۰)

صغیر حسن : ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء

مولانا سید صغیر حسن صاحب ممتاز الافاضل ... بجنور کے عالم بڑے مقدس، مبلغ و خطیب تھے۔ بعض کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ مدتوں دہلی ... مسجد میں تبلیغ دین کی، حج ... سے مشرف ہوئے

اولاد : مولانا سید محمد صاحب نجفی مولانا سید ... صاحب امام جمعہ شیعہ جامع مسجد دہلی۔

صفدر حسین : ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

۵/ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ تاریخ وفات ہے

مولانا مرزا صفدر حسین محلہ کاظمین لکھنؤ میں رہتے تھے۔ فاضل و خطیب بزرگ تھے، عبقات الانوار کی کتابت انھیں کے ذمے تھی۔ ۱۳۶۲ھ میں رحلت کی۔

اولاد : ملا احمد حسن صاحب مرحوم

ظفر عباس، حافظ : حدود ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء — ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء

مولانا حافظ سید ظفر عباس صاحب ممتاز الافاضل ... سادات ضلع فتح پور (یوپی ہند) کے رہنے والے تھے، جید الحافظہ، متقی، عابد و زاہد بزرگ تھے۔ ان کے ختم قرآن مجید پر مدرسۃ الواعظین میں علماء و حفاظ کا بڑا جشن منایا گیا تھا، مدرسۂ ناظمیہ سے فراغت کے بعد مدرسۃ الواعظین میں تعلیم حاصل کی۔ احمد آباد خوجہ مسجد میں پیش نماز تھے۔ حدود ۵۴ء میں رحلت کی۔ (مولانا سعادت حسین صاحب)

فضل علی : حدود ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء — ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

مولانا فضل علی صاحب مناظر و واعظ مدرسۃ الواعظین فاضل کامل اور مبلغ بے بدل تھے۔ عیسائی، یہودی، آریہ، قادیانی، بہائی اور اہل سنت سے ... مناظرے کیے۔

مولانا کا انتقال ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ کو ...

محمد حسن علی، خیر پور : ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء — ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۷ء

نواب میر محمد حسن علی خان بن میر محمد نصیر خان ... نوابین خیر پور میں تھے۔ ۲۶ ذی قعدہ ۱۲۴۰ھ حیدر آباد کے قلعے میں پیدا ہوئے۔ اخوند احمد ... ایک ایرانی عالم سے تعلیم حاصل کی۔ دس سال کی

عمر میں قرآن حفظ کرلیا تھا۔ ۱۸۴۳ء کی جنگ میں جب انگریزوں نے میران خیرپور میں میر رستم خان اور میر نصیرخان کو قید کیا تو محمد حسن علی خان جوان تھے۔ باپ کے ساتھ گرفتار ہو کر پونے اور کلکتہ گئے جہاں ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں ان کے والد نے رحلت کی۔ نواب رفعت مدار محمد حسن علی خان رہا ہو کر وطن آئے اور صحبت علماء و مطالعہ و تصنیف و عبادت میں ۸۵ سال گزار کر ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو رحلت کی، ان کی لاش کربلائے معلیٰ گئی جہاں نوابین خیرپور کا وقف اور مقبرہ ہے۔ حرم امام حسین علیہ السلام کے خاص کمرے میں آسودۂ لحد ہوئے (۱۳۳۰ھ میں)

تصانیف : لسان الحق بجواب میزان الحق، پادری فنڈر کی کتاب کا فارسی میں جواب ۱۲۵۸ھ لاہور میں چھپی (۱۸۹۲ء) دوسری مرتبہ ٹائپ سے لندن میں چھپی۔

- احسن البیان، در جواب پادری عمادالدین طبع لاہور ۱۳۲۶ھ۔ • رد الخوارج۔ سندھی نثر میں
- جواب سوالات محمد علی خان تالپور فارسی نثر۔ • جوابات پادری سی جی فانڈر۔ تایخوار
- حملۂ حیدری سندھی نثر۔ • نہج البلاغہ کا سندھی نظم میں ترجمہ۔ • روبائے صادقہ (فارسی نثر و نظم)
- مختار نامہ۔ • نہر البکا۔ • فتح نامہ سندھ۔ (مرسلہ: ارشاد حسین نقوی صاحب و سندھ میں اُردو شاعری)

محمد ھدایت علی نجفی :
حدود ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء
حدود ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

محمد ہدایت علی تارک بن فقیر اللہ داد تونیہ لعلو رانک گرڑھ تحصیل قنبر ضلع لاڑکانہ کے افاضل میں تھے۔ نجفی تخلص سے سندھی، عربی و فارسی میں شعر لکھتے تھے۔ غالباً پشتو میں بھی شعر لکھے۔

حدود ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں وفات پائی۔

تصانیف کی مکمل فہرست معلوم نہیں ہو سکی۔ • شعرائے سندھ سندھی کا ترجمہ اُردو ۱۳۶۵ھ میں چھپ چکا ہے۔ • دیوان نجفی مطبوعہ ۱۹۲۹ء۔ (سندھ میں اُردو شاعری از عہد شاہجہان تا قیام پاکستان از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، بشکریہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۸ء)

محمد بن احمد خواجگی شیرازی :
حدود ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء

ملا محمد بن احمد معروف بہ خواجگی شیرازی اُستادِ ملک العلما قاضی شہاب الدین احمد بن شمس الدین دولت آبادی قاضی جون پور۔

عالم و فاضل بزرگ تھے۔ موصوف نے تفسیر مجمع البیان طبرسی (م ۵۴۸ھ / ۱۱۵۳ء) کا خلاصہ فارسی میں لکھا تھا۔
(مقالہ تفسیر، اُردو دائرۃ المعارف اسلامیہ لاہور)

فیضی نے ملا خواجگی کے بارے میں اکبر کو ایک لطیفہ لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجگی صاحب احمد نگر میں مقیم تھے۔ اور شاہ طاہر ان کی سرپرستی کرتے تھے۔

شنیدہ شد کہ بجز نام حکیمی بود، نظام الملک بحری اورا از فرنگ طلبیدہ اعتبار کردہ بود۔ روزی این حکیم در مجلس او از خواجگی شیخ شیرازی کہ از دانشمندان مشہور است و شاگردان خواجہ جلال الدین محمد، پرسیدہ کہ اگر آن سر دنیا آتش افروزند و مانعی نباشد از کوہ و تل زان آتش دیدہ می شود، و آنکہ میگویند کہ تحت فلک قمر کرۂ آتش است چرا دیدہ نمی شود؟ باآنکہ مانعی نیست۔

خواجگی شیخ جواب داد کہ از جہت بعد مسافت دیدہ نمی شود! حکیم فرنگی بنظام الملک گفت: اگر حکم شود، رقص کنم کہ این سخن صد رقص دارد۔ در ہماں ساعت شاہ طاہر رسید و پرسید کہ چہ سخن می گذرد؟ تقریر کردند۔

شاہ طاہر گفت: خواجگی شیخ غلط کردہ، ہمہ عناصر بسیط اند و مرئی نمی شوند، و این آتش کہ مرئی میشود بجہت ترکیب اوست باجزای ارضی۔

(انشای فیضی، طبع اول، مجلس ترقی ادب لاہور، اکتوبر ۱۹۷۳ء، ص ۱۲۹)

ممتاز حیدر : م حدود ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء

مولانا سید ممتاز حیدر صاحب ممتاز الافاضل کی سند لے کر عراق گئے اور وہاں درس خارج میں شرکت کی۔ درجہ اجتہاد حاصل کر کے وطن آئے۔ شاہ گنج ضلع جون پور میں قیام تھا (۱۹۳۸ء)۔ بہت مقدس و متقی تھے۔

۱۹۴۴ء کے لگ بھگ رحلت کی۔

الحمد للہ

"تمّ"

۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۰ھ

۲۴ اپریل ۱۹۸۰ء

پنجشنبہ

فہارس

۲۴، اپریل ۱۹۸۰ء

فہرست علما و افاضل

فہرست القاب و خطابات، کس لقب سے کون اور کیا مراد ہے ؟

آیت اللہ : وہ مجتہد اعلم جس کے اسلامی خدمات سب سے ممتاز ہوں ۔

مرجع اکبر : وہ مجتہد اعظم جس کی تقلید عرب و عجم میں عام ہو ۔

غفران مآب : جناب مولانا سید دلدار علیؒ لکھنوی

سید العلما، علیین مکان : جناب مولانا سید حسین عرف میرن صاحبؒ لکھنوی ۔

سید العلماء ثانی : جناب سید ابراہیم صاحبؒ قبلہ لکھنوی ۔

اکلیل العلما ۔ یا مغفرت مآب : جناب سید بندہ حسن صاحبؒ قبلہ لکھنوی

جناب : لکھنو میں عالم جلیل کو اسی لقب سے مخاطب کرتے تھے ۔

بحر العلوم : جناب سید علن صاحبؒ قبلہ (محمد حسین) لکھنوی اور سید محمد مہدی طباطبائی م ۱۲۱۲ھ

عمدۃ العلما : جناب سید ہادی صاحبؒ قبلہ نبیرہ حضرت غفران مآب لکھنوی نیز متاخر اصطلاح میں جناب مولانا کلب حسین صاحبؒ قبلہ لکھنوی

عماد العلما و علیین مآب : جناب سید محمد مصطفےٰ عرف میر آغا صاحبؒ لکھنوی

قدوۃ العلما : جناب سید آقا حسن صاحب قبلہ

صدر المحققین و ناصر الملت و الدین : مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ

آل کاشف الغطا : شیخ جعفر ابن خضر مؤلف کشف الغطا کا خاندان

جناب قاری صاحب : جناب مولوی سید جعفر حسین صاحب

جناب مفتی صاحب : جناب مولانا محمد عباس صاحب

خواجہ صاحب سہارنپوری : جناب مولوی عابد حسین صاحب

حسام الاسلام : جناب مولانا سید نثار حسین صاحب عظیم آبادی

جناب خان صاحب : خان بہادر جناب سید محمد مظفر علی خان رئیس جانسٹھ اور نواب مہدی حسن خان مرحوم

خاندان اجتہاد : اولاد غفران مآب دلدار علی ۔

جناب نواب صاحب : جناب نواب جعفر علی خان رئیس شمس آباد ضلع فرخ آباد
(موصوف نے اکثر علما کی تاریخ وفات فارسی میں نظم کی ہیں)
سلطان العلما یا رضوان مآب : جناب مولانا سید محمد صاحب قبلہ

ممتاز العلما یا جنت مآب : مولانا سید محمد تقی صاحب
علامۂ ہندی : مولانا سید احمد صاحب
ملاذ العلما : جناب سید بچھن صاحب (ابوالحسن)
جناب مرحوم : جناب سید ابو صاحب (جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب)
خلاصۃ العلما : جناب سید مرتضیٰ بن سلطان العلما
زبدۃ العلما : سید نقی صاحب
نجم العلما : جناب سید نجم الحسن صاحب
شمس العلما : جناب مولوی سید عباس حسین صاحب
جناب شیخ صاحب : جناب شیخ زین العابدین مازندرانی کربلائی و علامۂ ھروی
حافظ صاحب : جناب حافظ انور علی صاحب و حافظ کفایت حسین
حاجی شیخ حسین صاحب : جناب شیخ محمد حسین مازندرانی حائری
سرکار میرزا : جناب مرزا محمد حسین شیرازیؒ
محقق ہندی : جناب سید محمد حسین صاحب لکھنوی محدث
جناب فردوس مآب : جناب سید حامد حسین صاحب عبقات
سید المحدثین : جناب سید علی صاحب محدث
سید علامہ : جناب سید مرتضیٰ صاحب کشمیری
علامۂ کنتوری : جناب غلام الحسنین صاحبؒ
شریف العلما : جناب شریف حسین خان صاحبؒ
حائری صاحب : جناب سید علی حائری لاہوریؒ
مفسر حجۃ الاسلام : جناب سید ابوالقاسم صاحبؒ قبلہ
تاج العلما : جناب سید علی محمد صاحبؒ

فائقۃ الدین : جناب مرزا محمد علی صاحب مٹیا برج۔ کلکتہ
اکلیل العلما : جناب مولوی محمد محسن صاحب
ارسطو جاہ : مولوی رجب علی خان صاحب
فخر العلما : مولوی سید محمد صاحب مرشد آبادی
باقر العلوم : جناب سید محمد باقر صاحب
ظہیر العلما : مولانا سید ظہور حسین صاحب قبلہ بارہوی
نجبۃ العلما : مولوی حسن رضا صاحب زنگی پوری۔
شیخ شریعت : شیخ فتح اللہ اصفہانی
آغا بزرگ : شیخ محمد محسن طہرانی
علامۂ کنتوری : مولانا غلام حسنین
فاضل اردکانی : اردکانی : محمد حسین، ساکن کربلا
الامام المجدد : میرزا محمد حسن شیرازی

فہرست اکابر فقہائے شیعہ در برّ صغیر

ملا علی، کھمبات	متوفی حدود ۷۵۰ھ
ملا شاہ محمد طاہر، احمد نگر	م ح ۹۵۲ھ
ملا احمد، تتوی، لاہور	۹۹۶
ملا فتح اللہ شیرازی، گجرات	۹۹۷
قاضی نور اللہ شوستری، آگرہ	۱۰۱۹
پیشوائے اعظم محمد مومن، حیدرآباد، دکن	۱۰۲۱
ملا سید شریف بن شہید ثالث، آگرہ	۱۰۲۰
ملا سید علاء الدولہ بن شہید ثالث، آگرہ	ح ۱۰۵۰
حاج ملا محمد شفیع، یزدی، گوالیار	۱۰۸۱
ملا نظام الدین محمد، مدنی، شیرازی، حیدرآباد	۱۰۸۶
ملا شمس الدین محمد بن علی (ابن خاتون عاملی) حیدرآباد، دکن	۱۰؟
ملا شیخ جعفر بن کمال الدین، بحرینی، حیدرآباد، دکن	۱۰۸۸
ملا شیخ احمد بن صالح، بحرینی، اورنگ زیب نے دکن سے جلاوطن کیا شیراز میں رحلت کی	۱۱۲۴
ملا سید علی خان، مدنی، حیدرآباد و لاہور میں رہے۔ دشتک شیراز میں رحلت کی۔	۱۱۸۰
ملا محمد سعید، مازندرانی بن ملا صالح، دہلی، لاہور، مونگیر	۱۱۱۶
ملا محمد رفیع، باذل ابن مرزا محمود مشہدی ۔ دہلی	۱۱۲۳
ملا اسد اللہ ابن ملک برخوردار ملکی، سندھ	۱۱۴۲
شیخ محمد علی، حزیں، جیلانی، اصفہانی، بنارس	۱۱۸۰
ملا محمد عسکری، جون پور	۱۱۹۰

الشیخ العلام محمد حسن نبیرہ شہید ثانی۔ دہلی 1193
السید قمر الدین اورنگ آباد 1195

ملا محمد علی، بادشاہ کشمیری، فیض آباد 1195
غفران مآبؒ دلدار علی ابن محمد معین، لکھنو 1245
سید العلما، سید حسین بن غفران مآب، لکھنو 1264
ملا محمد جواد ابن ملا محمد علی کشمیری، فیض آباد 1274
سلطان العلما، سید محمد فرزند اکبر غفرانمآب، لکھنو 1284
مفتی محمد عباس، جزائری، لکھنو 1306
تاج العلما، سید علی محمد، لکھنو 1312
سید ابو صاحب، ابوالحسن، کربلا 1313
سید آغا صاحب، سید مصطفیٰ، لکھنو 1323
ملا ابوالقاسم رضوی، لاہور 1324
ممتاز العلما، سید محمد تقی، لکھنو 1326
باقر العلوم، محمد باقر، کربلا 1346
قدوۃ العلما، آقا حسن، لکھنو 1348
مولانا حشمت علی، خیر اللہ پور 1354
نجم العلما، نجم الحسن، لکھنو 1360
ناصر الملت، ناصر حسین، لکھنو 1361
شمس العلما، سید علی، حائری، لاہور 1363
فقیہ اعظم، سبط حسین، جون پور 1371
عمدۃ العلما، کلب حسین، لکھنو 1383
سعید الملت، محمد سعید، لکھنو 1387
مفتی، احمد علی، لکھنو 1389

فہرست اسما و وفیات علمائے اہلِ سنّت

عبدالحق، رام پور ۱۲۶۷ ۲۶۷
عبدالحکیم، سیالکوٹی ۱۰۶۷ ۲۱۸
عبدالحی، فرنگی محل ۱۳۰۴ ۱۱۱
سید عبدالحی، نزہۃ الخواطر ۱۳۴۱ ۱۲۹
شیخ عبدالرب بن قاضی ولی محمد حی ۱۱۵۰
حضرت پوری
عبدالرشید، سیالکوٹی ح ۱۲۸۰ ۲۰۶
عبدالعزیز بھتانی حی ۱۳۶۰ ۴۴۵
عبدالعلی، حیدرآباد دکن ح ۱۲۵۰ ۶۲۴
عبداللہ تلبنی بن الدداد ۹۲۲
عبداللہ بن سالم بصری حی ۱۰۶۰ ۲۶۵
عبدالنعیم ح ۱۳۳۵ ۶۷۱
قاضی عبدالنبی کوکب، مؤلف فہرست ۱۳۹۸ ۶۵۶
علاءالدین لکھنوی، مدراسی ۱۲۴۲ ۲۱۷
شیخ علی بن یحییٰ عفیف یمانی
شافعی ح ۱۲۲۵ ۸۶
مفتی غلام حضرت ۱۲۳۴ ۲۲۴
غلام علی، آزاد، بلگرامی ۱۲۰۰ ۲۷۱
مولوی فضل حق، خیرآبادی ۱۲۷۸ ۲۶۷
قلندر علی، پانی پتی ۶۴۵
گلزار علی حی ۱۳۰۰ ۲۴۲
مفتی گھسیٹ خان حی ۱۲۱۱ ۲۲۴
مفتی مبارک بن ابی البقا جونپوری ۱۰۹۸ ۳۱۰
ملا مبین، فرنگی محلی ۱۲۲۵ ۴۰۲
مخدوم الملک، ملا عبداللہ ۱۰۰۶ ۲۳۰

محمد اعظم (عظیم آباد) حی ۱۲۷۰ ۳۶۹
محمد حسین حی ۱۳۳۰ ۳۵۳
قاضی محمد راجی جون پوری ۱۱۲۸ ۵۶۹
محمد مصطفےٰ، مرادآبادی حی ۱۱۷۰ ۴۸۸
محمد نبی بخش حلوائی ۱۳۶۳ ۱۴۹
محی الدین، زور، قادری ۱۳۸۲ ـ
مزنی، اسماعیل بن یحییٰ،
شافعی، فقیہ ۲۶۴ ۱۷۸
مصطفےٰ بن محمد سعید افغانی
مرتب نجوم الفرقان حی ۱۱۰۳ ۶۵۶
قاضی، معین، لاہور ۹۹۵ ۹۳
قاضی، نجم الدین، کلکتہ ۱۲۵۰ ۶۳۴
ملا نظام الدین، کورس درس نظامی ۱۱۶۱ ۲۱۰
مفتی نعمت خان حی ۱۲۱۱ ۲۲۴
نعمت اللہ ۱۱۴۲ ۱۴۲
ولی اللہ حی ۱۲۰۶ ۸۷

فہرست علمائے عرب و عجم (جن کے نام اور حوالے آئے ہیں)

علم الدین ابو محمد فضل بن شاذان نیشاپوری۔	م ۲۶۰
ابوجعفر احمد بن محمد بن خالد برقی	م ۲۷۴ یا ۲۸۰
ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی	م ۳۲۹ ھ
ابن بابویہ، ابوجعفر محمد بن علی بن حسین قمی	م ۳۸۱
ابوجعفر محمد بن حسن بن علی طوسی	م ۴۶۰
ابوالفتوح رازی، حسین بن علی بن محمد خزاعی مؤلف تفسیر "روض الجنان"	م ح ۵۵۹
امین الدین ابوعلی فضل بن حسن بن فضل طبرسی، مؤلف تفسیر مجمع البیان	م ۵۴۸
خواجہ نصیر الدین محمد بن محمد بن حسین طوسی	۶۷۲

مراجع و مصادر، کتب و اشخاص

تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلما
تالیف : سید محمد حسین مرحوم نوگانوی
مطبوعہ : جید برقی پریس۔ دہلی۔

ناشر: کاظم بک ڈپو، دہلی سنہ ندارد۔ صفحہ ۲ پر تاریخ ختم کتاب ۱۶ اپریل ۱۹۲۱ء درج ہے۔

تذکرۂ بے بہا میں مؤلف مرحوم نے تقریباً دو سو نوّے علما کے حالات لکھے ہیں، چونکہ یہ کتاب آخری، مفصل مطبوعہ تذکرۂ علما شیعہ ہے اس لیے بہت اہم ہے۔ موصوف نے معاصرین پر بھی تھوڑا بہت لکھا ہے۔ جو تاریخ نہ ہونے کی وجہ سے تشنہ تر ہے پھر بھی غنیمت ہے۔ مجھے اس کتاب کے حاصل کرنے کی تمنا تھی جو پوری ہوئی۔ اتفاق سے جناب شیخ غیاث الدین صاحب مرحوم چائنہ ہاؤس ڈبی بازار لاہور سے عاریتاً کتاب ملی، میں نے اس سے مفصل نوٹ لیے اور کتاب ۱۹۶۷ء میں واپس کر دی۔

۱۹۶۹ء میں مولانا محمد ابراہیم صاحب نے تذکرۂ بے بہا کا ایک نسخہ مرحمت فرما کر مجھے شکر گزار کیا۔

نجوم السماء : تالیف مرزا محمد علی صاحب

تکملۂ نجوم السماء: تالیف مرزا محمد مہدی صاحب

دونوں تذکرے فہرست کتب و اجازات کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ دونوں مؤلفین نے علماء ایران و عراق و حجاز کے احوال بھی لکھے ہیں۔ مجھے نجوم السماء کا لکھنوی چھاپ جناب شیخ محمد اکرام صاحب مؤلف رود کوثر نے عاریت دیا تھا، جس سے میں نے کچھ نوٹ لیے:

۱۳۹۸ھ کے لگ بھگ آیت اللہ سید شہاب الدین مرعشی نجفی قمی نے اس کتاب کی طبع اول کا فوٹو آفسٹ اور تکملہ کے دو مجلد پہلی مرتبہ قم سے شائع فرمائے۔ مولوی محمد حسین صاحب سلمہٗ نجفی نے مجھے یہ کتاب شوال ۱۳۹۹ھ میں دی جب کہ میری کتاب تالیف و ترتیب و کتابت کے مرحلے سے گذر چکی تھی۔ اس کے باوجود اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا۔

الاجازات لسید امجد حسین الٰہ آبادی (عربی) مطبوعہ
ارشاد، پندرہ روزہ اخبار، کراچی متعدد شمارے خصوصاً اکتوبر ۱۹۶۷ء، اکتوبر ۱۹۶۸ء
اصلاح، ماہنامہ کھجوہ، متعدد شمارے
اطبائے عہد مغلیہ : علی کوثر چاندپوری، کراچی، ۱۹۵۵ء
الاعتذار۔ کتاب (عربی) : فدا حسین مطبع احمدی، علی گڑھ، ۱۳۶۶ھ
اعمال نامہ : سر سید رضا علی، دہلی، ۱۹۴۳ء
اعیان الشیعہ (عربی) : ۵۲ مجلد، محسن الامین و حسن الامین طبع دمشق و بیروت
الامام الحکیم (عربی) : سید احمد الشکوری، نجف ۱۳۸۴ھ
امجد علی شاہ : سبط محمد نقوی، طبع لکھنؤ، ۱۹۷۶ء
امل الآمل (عربی) : حر عاملی، شیخ محمد بن حسن، تحقیق سید احمد حسینی، مکتبۃ الاندلس بغداد، ۱۳۸۵ھ
انجمن وظیفہ سادات و مومنین کا سلور جوبلی نمبر: اعجاز حسین جارچوی، دہلی ۱۹۳۷ء
البرہان، ماہنامہ، لاہور و لودھیانہ متعدد شمارے۔
بزم تیموریہ : صباح الدین عبدالرحمان معارف، اعظم گڑھ ۱۳۶۷ھ
بزم غالب : عبدالرؤف عروج، کراچی، ۱۹۶۹ء
بغیۃ الطلاب : (عربی) علی حیدر رضوی۔ مطبع مجمع العلوم لکھنؤ قبل ۱۳۰۲ھ
بوستان اخبار، تذکرۂ مشاہیر اکبرآباد، سعید احمد مارہروی، طبع اوّل آگرہ
بیسویں صدی کا مجدّدِ اعظم، حضرت ناصر الملت کے علمی کارنامے : محمد اصغر، لکھنؤ، ۱۳۶۱ھ
پیام عمل، ماہنامہ لاہور، متعدد شمارے
تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، جلد چہارم (اُردو) پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۱ء
تاریخ خیرپور، نسیم امروہوی، کراچی ۱۹۵۵ء
تاریخ سلطان العلما (اُردو) : آغا مہدی کراچی، ۱۹۶۷ء
تاریخ شیراز ہند، جون پور : اقبال احمد، نامی پریس لکھنؤ، ۱۹۶۳ء
تاریخ عزاداری : مرتضیٰ حسین، رضا کار محرم تا ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ و بعد نظر ثانی، قلمی
تاریخ کشمیر اعظمی (فارسی) : خواجہ محمد اعظم دیدہ مری، چاپ سرینگر بلا تاریخ
تاریخ لکھنؤ : آغا مہدی کراچی، ۱۹۷۶ء

تاریخ لکھنؤ، حصہ اوّل : محمد باقر شمس، کراچی ۱۹۷۲ء
تحفۃ العالم (فارسی) عبداللطیف شوستری، طبع بمبئی ۱۲۶۳ھ
تذکرۂ حفاظ شیعہ : علی نقی، لکھنو
تذکرۂ ذاکرین : محمد علی خان، مشیر عالم پریس، حیدرآباد دکن، ۱۳۶۱ھ
تذکرۂ علما : محمد حسین آزاد، لاہور، ۱۹۲۲ء
تذکرۂ علمائے اہلِ سنت و جماعت لاہور : پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۹۷۵ء
تذکرۂ علمائے ہند (فارسی) : رحمٰن علی، نول کشور پریس، لکھنو، ۱۹۱۴ء
تذکرۂ مجید فی احوال الشہید : سبط الحسن صنسوی، لکھنو، ۱۹۷۶ء
تذکرۂ مخزن الغرائب (فارسی) : احمد علی سندیلوی و محمد باقر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۶۸ء، ببعد
تذکرۃ المشاہیر : شدید الدین، گلشن علم پریس، اجمیر
تذکرۂ کاملانِ رام پور : احمد علی شوق، طبع، دہلی ۱۹۲۹ء
تذکرۂ ناصر الملت : مرزا احمد حسن، نظامی پریس لکھنو، ۱۹۴۳ء
ترجمۂ ماثر الامرا : محمد ایوب قادری، مرکزی اُردو بورڈ، لاہور، ۱۹۶۸ء
ترجمہ منتخب التواریخ : مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔
تکملۂ نجوم السماء (فارسی) مرزا محمد مہدی، مطبع بصیرتی، قم ۱۳۹۸ھ
تلامذۂ غالب : مالک رام، دہلی
تواریخ واسطیہ : رحیم بخش امروہوی، مراد آباد ۱۳۲۲ھ
حدیقۃ العالم (فارسی) : میر عالم، طبع اوّل، حیدرآباد، دکن
حسینیہ قرآنیہ (عربی و اُردو) : غلام حسنین کنتوری، صادق المطابع، میرٹھ
حقیقۃ السورۃ : (فارسی) شیخ بہادر، مطبع شہابی، بمبئی ۱۳۱۵ھ
حکمائے اسلام : عبدالسلام، اعظم گڑھ، ۱۳۵۶ھ
حیات حکیم : مرتضیٰ حسین، لاہور، ۱۹۷۰ء
حیات دبیر : افضل حسین، لاہور، ۱۳۳۱ھ
خمخانۂ جاوید : تین مجلد، سری رام، طبع اوّل، دہلی
خطیب اعظم : سید احمد جوہر، کراچی ۱۹۷۱ء

الذریعہ الی تصانیف الشیعہ : آغا بزرگ تہرانی ۲۵ جلد - نجف ، تہران

دائرۃ المعارف الاسلامیۃ الشیعیہ (عربی) پانچ مجلد ، حسن الامین ، بیروت ، لبنان

دربار اکبری : محمد حسین آزاد ، طبع سوم لاہور ۔

دبستان دبیر : ذاکر حسین فاروقی ، لکھنو ، ۱۹۶۶ء

دفتر تاریخ ، حصہ پنجم : نواب محمد جعفر شمس آبادی ، طبع لکھنو ۱۹۱۳ء

دفتر تاریخ ، حصہ ہفتم : وہی مصنف ، طبع لکھنو ، ۱۹۱۸ء

ذخیرۃ الخوانین ، فارسی : شیخ فرید بھکری ، کراچی ۱۹۶۱ء

رسالۃ فی احوال ملا احمد تتوی (عربی) : مرتضیٰ حسین ، قلمی

رطب العرب ، ۳ دیوان ، عربی) : مفتی محمد عباس ، مطبع جعفری ، لکھنؤ

روضات الجنات فی احوال العلما والسادات (عربی) محمد باقر خوانساری ، طہران ، ۱۳۰۶ھ وطبع جدید ۱۳۹۱ھ

زبدۃ الکلام تاریخ اسلام : جلد پنجم ، ذاکر حسین دہلوی ، دہلی ، ۱۹۱۹ء

زندگی نامہ و آثار و احوال مرحوم شمس العلما خان بہادر میرزا قلیچ بیگ : (فارسی) رشید فرزانہ پور (قلمی)

سبیکۃ الذہب ومعیار الادب ، (عربی) : سید علی اکبر ، اثنا عشری پریس ، لکھنو ۱۳۰۹ھ

سرکار سعید الملت : شہید صفی پوری ، لکھنو ، ۱۹۶۷ء

سرکار سعید الملت کے حالات زندگی : طاہر حسین عابدی ، لکھنو ۱۹۶۷ء

سعادت ، حجۃ الاسلام مولانا سعادت حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی ، موصوف محرم ۱۴۰۰ھ میں لاہور تشریف لائے ۔ مولانا نے کتاب کو از اول تا آخر ملاحظہ فرمایا اور مفید اضافے ، تصحیحات اور تراجم سے مستفید فرمایا ، مولانا کتب خانۂ ناصریہ کے نگران اور لکھنو کے علمی ماحول کے زعیم ہیں ۔

سوانح حیات فردوس مکان : آغا مہدی ، کراچی ۱۳۸۶ھ

سوانح حیات غفران مآب : آغا مہدی ، کراچی

سوانح قاسمی (فارسی) : حرمت علی ، رفاہ عام پریس ، لاہور ۱۳۲۴ھ

سلافۃ العصر فی محاسن الشعرا بکل مصر (عربی) سید علی خان مدنی ، طبع مصر ۱۳۲۴ھ

سندھ میں اردو شاعری : نبی بخش بلوچ ، لاہور ۱۹۷۸ء

سیرت الذاکرین : آغا مہدی ، الواعظ ، ماہنامہ مدرسۃ الواعظین کے متعدد شماروں میں ۔

سیر المتاخرین ، (فارسی) : غلام حسین ، نول کشور پریس ، ۱۸۹۷ء

شاد کی کہانی ، شاد کی زبانی : علی محمد شاد و محمد مسلم ، اعظم گڑھ ، ۱۹۶۱ء

شاهان اودھ کا علمی و ادبی ذوق : مسعود حسن ادیب، مشمولہ نذر ذاکر، دہلی
شجرۂ مبارکہ، تذکرۂ علماء مبارک پور، قاضی اطہر مبارک پوری، مطبوعہ بمبئی ۱۳۹۴ھ
شمس الهدایہ (عربی) : غلام حسین، مطبع محبوب شاهی، حیدر آباد دکن، ۱۳۱۱ھ
شیعہ علماء ہند : علی نقی، اخبار پیام اسلام، لکھنؤ، مارچ ۱۹۵۷ء و رضا، اخبار، لاہور، اپریل ۱۹۵۱ء
شیعہ، ماہنامہ کھجوہ، متعدد شمارے

صنادید عجم : مہدی حسین ناصری، الہ آباد، ۱۹۴۱ء
طبقات اعلام الشیعہ (عربی) آغا بزرگ طہرانی، طہران
ظل ممدود (عربی) : مفتی محمد عباس، لکھنؤ

علم و عمل (ترجمہ) : عبدالقادر، مترجم معین الدین، کراچی، ۱۹۶۰ء
علماء و صوفیائے سیتاپور : محمد اکبر، در اخبار پیام اسلام لکھنؤ از ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۹ء
عمل صالح، (فارسی) : محمد صالح کنبوہ، لاہور، ۱۹۷۲ء
فرائد الافکار، (عربی) : سبط حسین، مطبع اثنا عشری، لکھنؤ، ۱۳۰۹ھ
الفرائد البهیة (عربی) سید مصطفی، میر آغا، مطبع اثنا عشری، لکھنؤ، ۱۳۰۵ھ
الفضل الجلی فی حیاة محمد قلی (عربی) سید مرتضی حسین، بطور مقدمہ تشیید المطاعن، طبع اسلام آباد ۱۳۹۸ھ
فلاسفة الشیعة، حیاتهم و آراؤهم (عربی) : عبداللہ نعمہ، دار المکتبة الحیاة، بیروت، ۱۳۸۸ھ
فوائد الرضویہ : شیخ عباس قمی، ایران
فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ : سید تصدق حسین، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۷ھ
فہرست کتابخانۂ آستان قدس رضوی، طبع مشہد مقدس، ایران
فہرست کتابخانہ مرتضی حسین، قلمی
فہرست نسخہ های خطی کتابخانہ عمومی حضرت آیت اللہ العظمی، طبع قم
قاموس المشاہیر : نظامی بدایونی، بدایون، ۱۹۲۴ء
قصص العلما (فارسی) : میرزا محمد تنکابنی، طہران ۱۳۹۶ھ
القول الصواب فی جواز التسامح فی ادلة السنن والآداب (عربی) : محمد عسکری، مطبع ریاض رضا، لکھنؤ، ۱۳۱۸ھ
کارنامۂ سروری : نواب آغا مرزا بیگ سرور جنگ، علی گڑھ، ۱۹۳۳ء
کتاب طبقات خلفا و اصحاب ائمہ و علما و شعرا، جزو تتمة المنتهی (فارسی) : شیخ عباس قمی، طہران ۱۳۷۳ھ

الکواکب الدریّہ (عربی) محمد مہدی ادیب، تصویر عالم پریس، لکھنو حدود ۱۳۱۷ھ
لباب الالقاب فی القاب الاطیاب (عربی و فارسی): حبیب اللہ کاشانی، چاپخانہ مصطفوی، قم
مآثر الکرام (فارسی): میر غلام علی آزاد بلگرامی، آگرہ ۱۳۲۸ھ
مجالس المومنین (فارسی): نور اللہ شوستری شہید، ایران، طہران
محمد محسن، مولانا محمد محسن صاحب قبلہ نبیرۂ نجم العلما، مدیر مجاہد، لکھنو، فاضل محترم و حبیب مکرم ۱۳۹۸ھ میں جب لاہور آئے اور غریب خانے کو عزت بخشی۔ کتاب ملاحظہ فرمائی تو از راہ کرم اپنے معلومات سے نوازا اور بہت سے اسماء و تواریخ کی ترمیم و تصحیح کی۔
مُصَفّی المقال فی مصنفی علم الرجال، (عربی): آغا بزرگ طہرانی، مطبع دولتی، طہران ۱۳۷۸ھ
معجم رجال الفکر والادب فی النجف (عربی): محمد ہادی الامینی، نجف ۱۳۸۴ھ
معرفۃ العلما (اُردو، عربی): نواب احمد حسین خان، نامی پریس کانپور، ۱۹۰۱ء
مقالہ تفسیر: پاکستان و ہندوستان میں تفسیر نویسی، اُردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور (حرف ت)
مقالہ علم کلام: اُردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، حرف ع، علم
مقالہ فقہ جعفری: اُردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، (تینوں مقالے از مرتضیٰ حسین)
مکلی نامہ (فارسی): قانع تتوی و حسام الدین راشدی، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۷ء
المنتظر: پندرہ روزہ، رسالہ، لاہور، متعدد شمارے
منظر الکرام: منظر علی، اشہر، حیدرآباد، دکن ۱۳۴۵ھ
میر محمد مومن حیات اور کارنامے: محی الدین زور، حیدرآباد دکن ۱۹۵۷ء
میموریز آف ملا قادر حسین، (انگریزی): ؟ پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ، کراچی ۱۹۷۲ء
نجوم السما (فارسی): مرزا محمد علی، فوٹو آفسٹ چاپ مطابق چاپ لکھنو۔ قم
نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر (عربی): عبدالحی، حیدرآباد دکن ۱۹۵۴ء بعد ۸ مجلد
نصیر الملت نمبر، سرفراز لکھنو، ہفت روزہ اخبار، ۱۹۶۷ء
نیّرین، شہید ثالث و ناصر الملت: حافظ علی صابر، لکھنو ۱۸۶۲ء
ورثۃ الانبیاء، (عربی): سید احمد لکھنوی، لکھنو، ۱۳۲۶ھ
الواعظ، ماہ نامۂ مدرسۃ الواعظین، لکھنو، متعدد شمارے
ہدیۃ الاحباب (فارسی) شیخ عباس قمی، نجف ۱۳۴۹ھ

ھدیۃ الرازی الی الامام المجدد الشیرازی، (عربی) : آغا بزرگ طہرانی، نجف ۱۳۸۸ھ صفحات

ہردی نمبر، البرہان، لاہور، لدھیانہ، ربیع الاوّل ۱۳۴۱ھ

ھومج ٹو حاجی غلام علی، حاجی اسماعیل، حاجی ناجی (انگریزی) مترجم ؟ پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ، کراچی ۱۹۷۱ء

یادگار سلور جوبلی نمبر، جلد اوّل : صمصام شیرازی، تاج پریس، حیدر آباد دکن

زندگانی وشخصیت شیخ انصاری : شیخ مرتضیٰ آل شیخ، طبع ایران ۱۳۸۰ھ

یوسف حسین : جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ مدظلہ صدر الافاضل، سابق قاضی شریعت پاراچنار و مبلغ مدرسۃ الواعظین لکھنو۔ حال مدرس اعلےٰ مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین، لاہور پچاس سال سے پنجاب و سرحد میں تبلیغ و خدمات دین و مجالس و مناظرات میں نامور ہیں۔ موصوف نے اس کتاب میں سب سے زیادہ اطلاعات مہیا فرمائے اور پوری کتاب ملاحظہ فرمائی اور ایک وقیع مقدمہ بھی لکھا :

(سینکڑوں، عربی، فارسی، اُردو تذکرے، دواوین شعرا، اخبارات و رسائل کی فائلیں، لوگوں کی یادداشتیں ان پر مستزاد ہیں جن میں سے کچھ نام اور حوالے اثنائے بحث میں آئے ہیں)

علامات و رموز

ح ۔ حدود، لگ بھگ

م ۔ متوفی، سنہ وفات

ع ۔ عیسوی سنہ

ھ ۔ ہجری سنہ

ص ۔ صفحہ

ج ۔ جلد

ح ۔ حصّہ

بے بہا ۔ تذکرۂ بے بہا

نزہتہ ۔ نزہتہ الخواطر

س ۔ سطر

تکملہ

مطلع انوار

فہرست

ص

جواد علی، برستی : مولوی سیّد جواد علی صاحب زیدی امام جمعہ وجماعت واعظ و عابد و زاہد متقی و خلیق، حسن صورت و سیرت کے مالک تھے ۔

ان کے صاحبزادے مولوی خورشید حسین صاحب تھے ۔

غالباً ، تیرہ سو پچاس ہجری کے بعد وفات پائی ۔

رفیق علی برستی : مولانا سیّد رفیق علی صاحب زیدی ایک عرصے تک دھولڑی اور بلاسپور ضلع مظفرنگر (ہند) میں امام جمعہ وجماعت رہے ۔

۱۳۰۱ھ میں شجرۂ سادات برست کا نسب نامہ لکھا تھا جس کا نام " درۂ باہرہ " ہے ۔

تذکرہ رسول پور برشط المعروف برست میں ایک اور عالم دین مولوی شبیر حسین صاحب کا صرف نام لکھا ہے ۔ (کتاب مذکور، طبع کراچی ۱۹۸۱ء)

علی حسن، برستی : بانی قصبۂ برست ضلع کرنال ہند، سیّد غلام حیدر زیدی کی اولاد میں ایک صاحب تھے سیّد غلام حسن ان کے فرزند مولانا سیّد احمد حسن عالی • مولانا سید علی حسن • مولوی سیّد جعفر حسین ۔ • سیّد نیاز حسن صاحب مجتہد حیدر آباد مشہور ہوئے ۔ جناب سید احمد حسن صاحب عالی عالم و شاعر و افسر دفتر سرسالار جنگ تھے ۔ حیدر آباد ہی میں فوت ہوئے ۔ تاریخ وفات ہے ۱۰ صفر ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء

علی حسن صاحب نے لکھنو میں اور اساتذہ کے علاوہ جناب سیّد العلماء اور جناب سلطان العلماء اور مفتی محمد عباس صاحب قبلہ سے درس اعلیٰ کے بعد اجازات حاصل کیے ۔ مدرسۂ سلطانیہ میں پڑھاتے رہے اور ۱۲۷۱ھ میں رحلت فرمائی ۔

" بلغ العلٰے بکمالہ " سے تاریخ نکلتی ہے ۔

ان کے تالیفات میں حواشی شرایع الاسلام کا نام اہم ہے ۔ (تاریخ برست)

غلام مہدی، جہلمی : حدود ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء
۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء

مولانا الحاج غلام مہدی ابن پہلوان خان صاحب عالم و فاضل، مقدس و حاجی و زائر، جناب پیر فضل شاہ صاحب کے یہاں صرف ونحو کی ابتدا کی اور مولوی عبد الرسول صاحب اور مولانا محمد یار شاہ صاحب ۔ باب العلم ملتان میں متوسطات مکمل کرکے ۱۹۳۹ء مدرسۂ ناظمیہ لکھنو میں داخل ہوئے ۔ ممتاز الافاضل کا امتحان پاس کرکے مدرسۃ الواعظین میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۷ء میں ڈیرہ غازی خان میں مبلغ معین کیے گئے ۔

مدرسہ محمدیہ سرگودھا میں ایک عرصے تک مؤقر استاد کی حیثیت سے درس دیا ، ۱۹۶۴ء میں جناب حاجی نذیر حسین صاحب کے ساتھ حج میں رہے ۔ کم و بیش پینسٹھ سال کی عمر پاکر ۳۰ شعبان ۱۴۰۱ھ/ ۳ جولائی ۱۹۸۱ء کو سرگودھے میں رحلت کی ۔

محمّد جواد برستی : مولانا محمد جواد صاحب ابن سید سجاد حسین صاحب زیدی بیس سال کی عمر میں کربلائے معلےٰ گئے، اساتذہ سے وہاں علوم دین حاصل کیے کچھ عرصے بعد اپنے والد کو عراق بلا لیا، جہاں باپ بیٹے دونوں نے یکے بعد دیگرے رحلت فرمائی۔
جناب ڈاکٹر نظیر حسنین صاحب زیدی نے "تذکرۂ رسول پور بر نشط المعروف برست" طبع کراچی میں سنہ وزمانہ معین نہیں کیا گیا لیکن واضح ہے کہ واقعہ چودھویں صدی ہجری کے وسط، یعنی ۱۳۵۰ھ یا اس کے بعد۔

مہدی حسن، علوی : ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء
۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء

مولانا ملک مہدی حسن ابن ملک محمد شبیر صاحب (جو ایک سو دو برس کی عمر پاکر ۱۹۸۰ء میں مرحوم ہوئے) ملک صاحب حضرت عباس بن امیر المومنین علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ مولانا کے اصرار سے ان کے حالات اب سے دس برس پہلے اسی کتاب میں بسلسلۂ تلامذہ مولانا سید محبوب علی شاہ صاحب مرحوم لکھ چکا تھا، (دیکھیے صفحہ ۶۴۴) اتفاقاً کتاب کے چھپنے میں دیر ہوئی اور وہ شب بست و یکم محرم ۱۴۰۲ھ حرکت قلب بند ہونے سے جناب سید مجتبیٰ صاحب رضوی کے یہاں وفات پا گئے۔ موصوف تقریباً چالیس سال سے لاہور میں انھیں کے گھر پر رہتے تھے۔ موصوف نے رات کو تین بجے مجھے مطلع کیا، صبح پنجشنبہ ۱۹ نومبر ۱۹۸۱ء کو ساڑھے نو بجے گلبرگ میں نماز جنازہ کے بعد میت ان کے آبائی وطن گئی۔ جناب رضوی صاحب اور ان کے تینوں فرزند ساتھ تھے۔ پدھراڑ میں گرد و نواح کے بے شمار مرد و زن جمع تھے کہتے ہیں اس اجتماع کے ساتھ ان اطراف میں کوئی جنازہ نہیں دیکھا گیا۔ قیامت کا عالم تھا۔ اسی دن چھ بجے میت سپرد لحد کی گئی۔
جناب مولانا ملک مہدی حسن صاحب ۱۵ فروری ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے، ان کی تعلیم مدرسۂ منصبیہ میرٹھ اور پنجاب یونیورسٹی کی تھی۔ انھوں نے سینکڑوں افراد کو شیعہ کیا۔ وہ مدت سے یونیورسٹی گراؤنڈ لاہور میں شیعوں کی مرکزی نماز عیدین کے امام تھے اور رویت ہلال کمیٹی کے ممبر۔ ان کی موت پر صدر پاکستان سمیت تمام حلقوں سے اظہار غم کیا گیا۔
اولاد : منظور الحسن، نذر الحسن، عابد حسین، دختر

ابرار حسین :

۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

مولانا سید ابرار حسین ابن مولوی تجمل حسین امروہے کے جید الاستعداد عالم دین، عبادت گزار و پرہیزگار تھے۔ عروض و قوافی میں خاص شہرت تھی۔ حملہ حیدری کا اُردو نظم میں ترجمہ کیا۔

بجے پور میں ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء کو رحلت کی اور وہیں دفن ہوئے۔ (انوار قم ص ۱۵۸)

احمد رضا، سرسوی :

۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء
۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۲ء

مولانا الحاج سید احمد رضا سرسوی، فقیہ فاضل، واعظ و پیش نماز سرسی ضلع مراد آباد (ہند) منصبیہ کالج میرٹھ اور ناظمیہ عربی کالج و مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے فارغ التحصیل تھے۔

موصوف نے ۲۱ جنوری ۱۹۵۲ء / ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ بروز دوشنبہ رحلت کی (الواعظ)

سیف اللہ، حافظ :

۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء
۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

مولانا حافظ سیف اللہ ابن حفیظ اللہ ابن علیم اللہ لودھیانہ کے خاندان علمائے اہل سنت سے تھے۔ ان کی دادی بھی عالمہ و فاضلہ تھیں اور صحیح بخاری کا درس دے سکتی تھیں۔ حفیظ اللہ صاحب دیوبندی مسلک کے عالم و مدرس تھے۔ مولانا سیف اللہ صاحب ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ کو پیدا ہوئے۔ گھر پر حفظ قرآن اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ انوریہ، شاہی مسجد لودھیانہ میں شرح جامی تک پڑھا۔ پھر مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اٹک ضلع گجرات اور راولپنڈی میں غلام اللہ خان سے پڑھتے رہے، دیوبند بھی گئے مگر آب و ہوا راس نہ آئی۔ پاکستان بنا تو حافظ صاحب اپنے والدین کے ساتھ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے قریب ایک گاؤں میں رہنے لگے ۱۹۴۹ء میں نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ کے دیوبندی حضرات نے اپنی مسجد میں امام جمعہ و جماعت مقرر کیا۔ جہاں وہ تبلیغ کے ساتھ درس بھی دیتے تھے۔ حافظ صاحب جید الاستعداد، وسیع المطالعہ، منطقی بزرگ تھے۔ طلبہ ان سے پڑھ کر خوش ہوتے تھے۔

شیعہ کیسے ہوئے : حافظ صاحب کے چھوٹے بھائی جناب امین اللہ صاحب کے بقول نوشہرہ ورکاں میں ایک طالب علم مشکوۃ شریف پڑھ رہے تھے، حدیث آئی کل بدعۃ ضلالہ ..... حافظ صاحب نے بدعت کی تعریف میں فرمایا: "سنی علما کے نزدیک بدعت وہ عمل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کیا ہو، لیکن خلفائے راشدین یا عمل اصحاب بدعت و ضلالت نہیں ہے" "اور شیعہ علما کے نزدیک بدعت وہ عمل ہے جو آنحضرت اور ائمہ اہل بیت نے نہ کیا ہو" طالب علم نے ایسی مثال پوچھی جو سنی علما کے نزدیک بدعت نہ ہو اور شیعہ اسے

بدعت جانتے ہوں۔ مولانا نے برجستہ جواب دیا۔ اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہنا۔ طالب علم نے یہ بات دوسرے اساتذہ تک پہنچائی اور مولانا نے دوسرے دن صبح کی اذان میں یہ جملہ ترک کر کے اودھم خلفشار پیدا کر دیا۔ شہر کے علما نے مولانا سے مناظرہ کرنا چاہا، انھوں نے کچھ مہلت مانگی۔ لاہور سے ڈیڑھ ہزار روپے کی کتابیں خریدیں اور نوشہرہ ورکاں چلے راستے میں ان کے جلیل القدر عالم شمس الدین ملے پوچھا۔ کیا خرید لائے؟ حافظ صاحب نے جواب دیا۔ آپ حضرات سے مقابلے کے لیے اسلحہ یعنی حوالے کی کتابیں۔ اس کے بعد ان سے مقابلے میں کوئی نہ آیا۔

حافظ صاحب ۱۹۵۲ء میں پہلی مرتبہ کربلا گامے شاہ میں مجلس پڑھ کر اُترے تو خود مَیں نے ان سے شیعہ ہونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ مَیں شیعوں کی مجالس کا بہت بڑا مخالف اور شیعہ دشمن تھا۔ میں نے اکثر اپنے عوام کو مجالس میں جانے سے روکا جس کے جواب میں کہا گیا کہ آخر اہل بیت سے محبت تو حرام نہیں، ہم واقعات کربلا اور فضائل اہل بیت سننے جاتے ہیں رونے پیٹنے نہیں جاتے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مَیں سنیوں کی یہ ضرورت پوری کروں گا۔ چنانچہ جمعہ کی تقریروں اور محرم کے اجتماعات میں مَیں نے یہ عمل شروع کر دیا مطالعہ کے ساتھ ساتھ بیان میں زور بڑھتا گیا اور مسجد کی انتظامیہ نیز علماء اہل سنت نے مجھے شیعہ کہنا شروع کر دیا۔ میں نے زور دے کر کہا کہ ہماری کتابوں میں جس قدر حدیثیں فضائل اہل بیت کے بارے میں ہیں۔ صحابہ کے فضائل میں نہیں ہیں۔ بعض تقریروں میں۔ علی مع الحق۔ یاعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی کے حوالے سے یہاں تک کہہ دیا کہ صفین کے معرکے میں دونوں کو حق پر کہنا میرے نزدیک صحیح نہیں، کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کی تلوار کے سامنے اگر حاکمِ شام آجاتے تو مارے جاتے اور مَیں حضرت علیؑ کے ساتھ ہوتا اور حاکم میرے سامنے آجاتا تو میں بھی قتل کر دیتا۔ اسی طرح مانعینِ زکوٰۃ کا قتل شرعاً اس وقت درست ہوتا جب وہ زکوٰۃ کے وجوب کا انکار کرتے۔ میری یہ باتیں لوگوں کو پسند نہ آئیں اور میرا مطالعہ ان مسائل پر بڑھتا گیا۔

حافظ صاحب نے سرگودھے میں القاب حضرت علی علیہ السلام پر ایک تقریر کی اور ہر لقب کی سند میں برسرِ منبر کتاب دکھاتے رہے۔ اس تقریر نے صورتِ حال بدل دی اور حافظ صاحب نے نوشہرہ آکر ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کو مسجد کی امامت سے استعفٰی دے کر دوسرے دن اعلانِ تشیع کر دیا۔

حافظ صاحب کا شیعہ ہونا بڑا واقعہ تھا، علماء اور شہر بلکہ دُور دُور ہلچل مچ گئی، دیوبندی مسجد میں جو بھی نماز پڑھنے آتے اور حافظ صاحب کے خلاف بات کرتے۔ حافظ صاحب انھیں دعوتِ مناظرہ بھیج دیتے اور وہ بزرگ مناظرہ نہ کرنے کے جرم میں مسجد سے الگ کر دیئے جاتے تھے۔ آخر کار حافظ صاحب کے والد کو بلایا گیا اور معاملہ انتہا کو پہنچا۔

حافظ صاحب نے شیعہ ہونے کے بعد درس شروع کیا اور مجلسیں پڑھنے لگے، زیارات عتبات عالیہ سے مشرف ہوئے۔ ان کی مجالس میں اہلِ سنت کے خلاف مسائل کے علاوہ یا رسول اللہؐ اور یا علیؑ کی بات بھی شروع ہوئی۔ انھوں نے اس معاملے میں اپنے سابقہ عقائد کی روشنی میں جو رویہ اختیار کیا اسے ناپسند کیا گیا۔
آخر میں وہ دارالعلوم محمدیہ خوشاب میں نائب مدرسِ اعلےٰ کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ماہ مبارک رمضان میں تیرہ روزوں کے بعد سخت بیمار ہوئے۔ لاہور علاج کے لیے لائے گئے۔ ۲۹ رمضان ۱۴۰۰ھ ۱۲ اگست ۱۹۸۰ء کو لاہور میں انتقال فرمایا اور جوڑنیاں میں (جہاں وہ رہتے تھے) دفن ہوئے۔

اولاد : خلیل اللہ ایڈووکیٹ • محسن رضا • علی اصغر اور پانچ صاحبزادیاں
(بشکریہ امان اللہ صاحب)

صفدر علی رضوی دہلوی :

صفدر علی ابن حیدر علی رضوی دہلوی عہد محمد علی شاہ کے عہد میں فیض آباد کے اہلِ علم میں تھے۔ جناب علی اکبر صاحب رضوی، مالک پاک کارپٹ کراچی کے پاس صفدر علی صاحب کی ایک فارسی تالیف ہے، جو بظاہر اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا نام ہے احسن الحدائق تفسیر سورۂ یوسف۔ یہ تفسیر محمد علی شاہ اودھ کی تخت نشینی کے سال دوشنبہ ۴ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ کو فیض آباد میں لکھی تھی۔
جناب حاجی سید علی اکبر صاحب رضوی کا مملوکہ نسخہ ۲۹ جمادی الثانیہ ۱۲۹۱ھ کا مخطوطہ ہے۔

عبدالہادی : ۱۳۸۸ / ۱۹۶۷ء

مولانا سید عبدالہادی شاہ صاحب سید لیاں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں رہتے تھے، مولانا بڑے نیک متقدس بزرگ تھے۔ مولانا نے کچھ عرصے تک نجف میں درس لیا تھا۔
فروری ۱۹۶۷ء تاریخ رحلت ہے۔ (البلغ، سرگودھا۔ اپریل ۱۹۶۷ء)

سیّد علی گوپالپوری ح ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء
۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

دو بار لکھا ہے دیکھئے مسودہ

مولانا سید علی ابن حجۃ الاسلام راحت حسین گوپالپوری مؤلف تفسیر انوار القرآن، اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ انھوں نے ہند و عراق میں تعلیم حاصل کر کے درجہ اجتہاد پایا، کم و بیش پینتیس سال سے راجہ صاحب

اترولہ ضلع گونڈہ کے یہاں مقیم تھے اور جمعہ و جماعت کے علاوہ دوسرے دینی خدمات بھی بڑے خلوص سے انجام دیتے رہے۔ میں نے انھیں ۱۹۴۶ء میں اترولے میں دیکھا بڑے مقدس، باوقار اور بااثر بزرگ تھے۔

۲۷ جنوری ۱۹۸۰ء، ۸ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ کو اترولے میں رحلت کرگئے۔

ماہنامہ الجواد بنارس، مارچ ۱۹۸۰ء میں ان کی ایک تالیف "الفرقۃ الناجیہ" کا ذکر ہے۔

علی ضامن : ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء — ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء

مولانا سید علی ضامن ابن سید نذیر علی صاحب اودے پور اور زید پور میں قیام رہا، عربی فارسی کے عالم و خطیب و ادیب تھے۔ ۱۳۳۲ھ کو زید پور میں انتقال کیا۔ (انوار قم ص ۴۰)

محمد جعفر زیدی : ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء — ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

مولانا الحاج سید محمد جعفر زیدی ابن محمد عباس صاحب (بقول سید محمد قیصر صاحب برادر خورد مولانا) ۱۹۱۰ء کو میمن ضلع بجنور یو۔پی، ہند میں پیدا ہوئے۔ وہ کمسنی ہی سے خاموش، حلیم، ذہین، محنتی اور علم دوست تھے۔ گھر میں ابتدائی تعلیم کے بعد میرٹھ کے منصبیہ کالج میں داخلہ لیا اور مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ اور ان کے معاصر اساتذہ سے درس و اسناد کمال حاصل کیے۔

تعلیم سے فارغ ہوکر متعدد مقامات پر تشریف لے گئے اور امامت جمعہ و جماعت و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۶ء کے قریب لاہور آئے اور کرشن نگر کی شیعہ جامع مسجد میں خطیب و امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے قیام کیا۔

۱۹۶۰ء کے بعد وہ زیارت عتبات عالیات اور دوسرے سفر حج کے لیے تشریف لے گئے۔

مولانا، عربی کے نفیس شاعر اور اردو کے بہت اچھے انشا پرداز تھے، انھوں نے اپنے اشعار و مضامین جمع نہیں کیے۔ ان کا ایک عربی قطعۂ تاریخ اسی کتاب میں مولانا قمر الزمان صاحب کے احوال میں ملاحظہ کریں۔ اردو مضامین و رسائل پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ان کی تحریر میں شستگی و شگفتگی اور استدلال کی برجستگی و سادگی بیان بدرجۂ کمال موجود تھی۔

مولانا بڑے پائے کے خطیب تھے، صرف و نحو تفسیر قرآن مجید سے چونکہ خاص شغف تھا اس لیے تقریر میں آیات سے استدلال، تفسیر کے نکات، تاریخ حقائق، بڑی دلکش زبان میں بیان فرماتے تھے۔ ان کے لہجے میں دلنواز انداز تقریر میں ہمواری گفتگو میں احتیاط تھی، ان کی آواز میں دھیما پن تھا، وہ سامعین کے دل موہ لیتے تھے، سامنے

سے زیادہ ذہن کو متاثر کرتے تھے۔

وہ انتہائی محتاط، صلح جو، امن دوست، گوشہ نشین عالم مقدس، ہنس مکھ تھے اور بذلہ سنجی ان کی عادت تھی ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ کو اپنی مسجد میں عید مباہلہ کے موقعہ پر بعد مغربین ایک نفیس تقریر کے بعد وہ بانی محفل کے گھر دعوت میں گئے، واپس گھر آئے ہی تھے کہ ایک ظالم نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے وہ جانبر نہ ہوسکے اور اور جمعہ ۲۸ ذی الحج ۱۴۰۰ھ ، ۷ نومبر ۱۹۸۰ء کو انتقال فرما گئے۔

اسی دن چار بجے کے قریب کربلا گامے شاہ لاہور میں انھیں سپردِ لحد کیا گیا۔

تصانیف: ترجمہ زیارتِ ناحیہ۔ پردہ۔ فدک اور کچھ قلمی رسائل و مضامین

اولاد: نصیر عالم صاحب جو سائنس میں پی ایچ ڈی ہیں۔

محمد صالح رضوی : حدود ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء — ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء

۰۲ شعبان ۱۴۰۱ھ ، ۲۳ جون ۱۹۸۱ء سہ شنبہ کو مولانا الحاج سید محمد صالح رضوی نے ایک بجے لکھنؤ میں رحلت فرمائی۔ ان کی عمر تقریباً پچاس سال تھی۔ مولانا محمد صالح حجۃ الاسلام سید حسین قمی کی اولاد سے تھے۔ جناب قمی کا مزار کشمیر میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ جناب مولانا سید ابوالحسن انھیں کی ذریت سے لکھنؤ میں نامور ہوئے۔ مولانا محمد صالح، مولانا ابوالحسن صاحب کے فرزند سید محمد ہادی صاحب قبلہ کے بیٹے سیدنا و مولانا سید محمد حسین جعفری کے بڑے بیٹے تھے۔

مولانا محمد صالح صاحب نے صدر الافاضل تک تعلیم و تحصیل سند کے بعد نجف اشرف میں اساتذہ سے پڑھا اور آقای محسن الحکیم آقای بجنوردی، آقای محمد ہادی شیرازی اور آقای خوئی کے دروس میں حاضری دی اور سند لی۔ ۱۹ اپریل ۵۶ ۱۹ء کو وطن واپس آئے اور ڈیڑھ ماہ بعد مدرسہ سلطان المدارس میں مدرس مقرر ہو گئے۔ چھ ماہ تک لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ علوم شرقیہ میں بھی پڑھایا۔ لیکن اصل میں وہ مدرس جامعہ سلطانیہ ہی کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ مولانا نے حجاز و عراق و شام و مصر و ایران کے متعدد سفر کیے۔ کویت، اردن، افغانستان اور پاکستان و کشمیر بھی آئے گئے۔

تصانیف: اصول المیراث عند الشیعہ (عربی) • ترتیب تحفۃ العوام طبع نول کشور پریس لکھنؤ • دستور حج اور بہت سے مضامین۔

(بشکریہ: مولانا محمد مصطفٰے صاحب قبلہ)

مسرور حسن : ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء — ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء

مولانا الحاج سید مسرور حسن ابن معجز حسین رضوی کی تاریخ ولادت رجب ۱۳۲۲ھ / ۲۹ ستمبر ۱۹۰۴ء ہے پہلے نورالمدارس[1] محلہ دانشمنداں امروہہ میں الحاج مولانا مرتضیٰ حسین صاحب سے پڑھتے رہے۔ پھر سندالعلماء مولانا سید یوسف حسین صاحب سے منصبیہ کالج میرٹھ میں اور وہاں سے مدرسۃ الواعظین میں مولانا سبط حسن صاحب اور مولانا ابوالحسن منن صاحب سے استفادہ کیا۔

۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء افریقہ، مڈاگاسکر میں تبلیغ کے لیے متعین کیے گئے۔ مولانا کی تبلیغ اور کارکردگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی گورنر نے اپنی کونسل میں شیعہ نمایندے کے طور پر منتخب کیا، جس سے مولانا کے سیاسی اور مذہبی اثر و رسوخ پر روشنی پڑتی ہے، ان کی خدمتوں کی یاد میں مڈاگاسکر میں ایک شاندار عمارت اور اس میں رضوی ٹاور آج بھی موجود ہے۔

تبلیغ میں ہمہ تن منہمک ہونے کے ساتھ ساتھ تجارت سے بھی دلچسپی تھی۔ آہستہ آہستہ اچھی آمدنی ہونی تو نفع حاصل کیا۔ جس کے بعد مدرسۃ الواعظین سے وظیفہ بند کرنے کی درخواست کی لیکن تبلیغ کرتے رہے۔ انھوں نے فرانسیسی زبان سیکھی اور ایک رسالہ بھی لکھا۔ مولانا نے متعدد سفر حج و زیارات کے لیے فرمائے۔

مولانا ایک عرصے تک مدرسۃ الواعظین کے ادارہ مؤیدالعلوم کے سیکرٹری اور الواعظ کے مدیر بھی رہے۔ ۱۹۵۰ء / ۱۳۷۰ھ میں کراچی آئے اور ۱۳ رجب ۱۳۷۶ھ / ۱۳ فروری ۱۹۵۷ء کو رحلت کی۔

تصانیف : مختارالمسائل۔ اُردو ترجمہ ینابیع المودۃ ... ...

اولاد : • سید محمد۔ • سید احمد اور چھ صاحبزادیاں (انوار قسم ص ۱۲۶)

~~مقرب حسین~~ عمیر عالم : ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء — ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء

~~سید مقرب حسین ابن ضیاء الحسن صاحب وطن تھا مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں پڑھاتے تھے۔ ۲۱ شوال~~ ۱۳۸۶ھ ۳ فروری ۱۹۶۷ء میں فوت ہوئے۔ ~~(انوار قسم ص ۷۳)~~

---

[1] نورالمدارس کی تاسیس جناب مولانا مرتضیٰ حسین صاحب کے ہاتھوں ہوئی انھوں نے اشرف علی عظیم آبادی کی مدد سے اشرف المدارس قائم کیا اس کے بعد نورالحسن ابن سید نذر علی نے وزیرالنساء کے امام باڑے کی تجدید کے ساتھ ۲۴ نومبر ۱۸۸۲ء کو امام باڑے کیلئے چھ ہزار روپے وقف کیے۔ ۲۰ شوال ۱۳۲۲ھ ۲۸ دسمبر ۱۹۰۴ء اپنی اور اہلیہ کی طرف سے چھ ہزار روپے کی آمدنی مدرسے کے نام وقف کردی۔ نورالحسن ۱۳۴۷ھ کو مرحوم ہوئے۔

شہامت حسین :

مولانا سید شہامت حسین صاحب جرول کے عالم و مقدس بزرگ تھے اور جناب سید باقر حسین صاحب قبلہ کے برادر نسبتی، عشق امام حسین علیہ السلام اور شوق طلب علم میں کربلا گئے اور زندگی بھر تحصیل علوم دین کرتے رہے۔ سنہ تیرہ سو پچاس کے بعد رحلت کی۔ (مسلم مہدی)

جناب مولانا اکبر مہدی صاحب نے ۱۹۴۶ء میں ۶۵ برس کی عمر پاکر وفات پائی اور محمود آباد میں دفن ہوئے۔

علی، سیّد :

۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء
۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء

مولوی سید علی بن حاجی محمد حسین، محلہ کٹرہ، ردولی ضلع بارہ بنکی اودھ کے باشندے۔ ۱۸؍شوال ۱۳۰۰ھ کو ولادت ہوئی۔ اپنے صاحب علم والد سے ابتدائی تعلیم کے بعد مقامی اسکول میں آٹھویں درجے تک انگریزی پڑھی پھر سلطان المدارس لکھنو میں معقول و منقول کا درس لے کر سند الافاضل کی سند لی۔ اس کے بعد ہائی اسکول میں تدریس کو پسند کیا۔ ۱۹۲۲ء میں سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو کر اتالیقی کرنے لگے۔

اپریل ۱۹۲۵ء میں بیمار ہو کر مونگیر سے ردولی لائے جا رہے تھے۔ راستے میں بمقام شاہ پور لال ۱۱ مئی ۱۹۲۵ء/۱۸ شوال ۱۳۴۳ھ یوم سہ شنبہ انتقال کیا۔ لاش ردولی لائی گئی اور بڑے امام باڑے کے پھاٹک میں سپرد لحد ہوئے۔

(اپنی یادیں اور ردولی کی باتیں ص ۳۵۷)

محمّد الرضوی :

۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء
۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۵ء

اُستاذ الفقہاء العظام و علماء اکرام مولانا سید محمد بن سید محمد باقر الرضوی طاب ثراہ، رجب ۱۳۱۶ھ کو لکھنو میں پیدا ہوئے ان کی والدہ ماجدہ مولانا اکبر مہدی صاحب کی صاحبزادی تھیں جن کی مادر گرامی اس قدر عالمہ تھیں کہ مولانا باقر مہدی جرولی فرماتے تھے کہ ان معظمہ سے گفتگو کرنے میں معلوم ہوتا تھا کہ کسی جیّد عالم سے مخاطب ہیں۔ جنہوں نے بڑی بڑی عربی کتابوں پر حاشیے لکھے تھے۔ ان کے بطن سے تین صاحبزادیاں اور تین فرزند ہوتے۔ سید محمد، سید علی، سید رضی۔

مولانا سید محمد صاحب نے انتہائی مقدس ماحول میں ابتدائی تعلیم و تربیت حاصل کی، مدرسۃ سلطان المدارس کے اساتذہ سے درس لیا اور فراغت کے بعد نجف گئے جہاں آیت اللہ نائینی اور معاصر شیوخ حوزۂ علمیہ سے درس خارج میں فیض اٹھایا۔ ۷، صفر ۱۳۵۱ھ کو لکھنؤ واپس آئے اور اپنے والد مرحوم کی جگہ سلطان المدارس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اُستاذ علّام صدر الافاضل کے طلبہ کو شرح کبیر، اصول الکافی، المکاسب اور رسائل کا درس دیتے تھے۔

۲۹ ذالحجہ ۱۳۹۴ھ ۱۳ جنوری ۱۹۷۵ء کو لکھنؤ میں رحلت کی امام باڑہ غفراں مآب میں لاش امانت رہی۔ ذی حجہ ۱۳۹۷ھ کو کربلائے معلیٰ میں دفن کئے گئے۔ وہ متعدد بار عراق و ایران کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور اپنے زہد و ورع میں علماء عراق کے نزدیک محترم تھے۔ مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ فاضل نجف ان کی یادگار ہیں۔ ان کے تلامذہ کی فہرست بہت طولانی ہے جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔ (بحوالہ، جناب مسلم مہدی صاحب)

محمد ماہ :

مولانا سید محمد ماہ بہرائچ یوپی ہند کے رئیس اور بڑے عالم و پارسا صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ علماء ان کا احترام اور عوام ان سے عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ علوم دین میں مہارت تھی۔ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ رحلت کی بہرائچ میں ان کا عالی شان مقبرہ زیارت گاہ عام ہے۔

محمد محسن :

مولانا سید محمد محسن صاحب انزدلہ ضلع گونڈہ یوپی ہند کے بڑے خدا رسیدہ عالم و فاضل، دلیر و شجاع بزرگ تھے مشہور ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے آپ کے سینے پر خواب میں دست مبارک رکھا تھا جس کے فیض سے آپ علم و کمال کے مرتبہ بلند پر پہنچے۔ ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ رحلت کی۔ (مسلم مہدی)

مظفر حسین :

مولانا سید مظفر حسین صاحب عالم و فاضل ادیب و محدث تھے۔ نول کشور کے بہت سے عربی و فارسی مطبوعات کی ایڈیٹنگ کی۔ مولانا حیدر حسین صاحب نکہت ان کے چھوٹے بھائی تھے۔

۱۹۴۰ء کے قریب وفات پائی۔ (مسلم مہدی)

تم تکملۂ مطلع انوار

ید مرتضیٰ حسین غفر لہ

۲۲ دسمبر ۱۹۸۲ء

۲۲ [illegible] ۱۴۰۲ھ